

مالِ اجراموسم بہار ۱۹۳۳ء \_\_\_\_\_ عرمتہ اشاعت ۱۳۳۱ھ

قصر الادب کا خالص علمی۔ ادبی اور فنی مآہنامہ

# شاعرِ اکرہ

علی حضرت رسواِ مظلومیؒ والئی پاجود (کاٹھیاواڑ) <sup>ذیرِ مرہستی</sup>

منظور شدہ

حکمر ہائے تعلیم صوبہ ممالک متوسط و برابر۔ ریاست میسور۔ ریاست کشمیر

## چند سالانہ

عوام سے	۲۲	لکھ	معاذین سے	۲۲
خواص سے	۱۲	۱۲	مرہٹوں سے	۱۲
ہمدون سے	۱۲	۱۲	مخنین سے	۱۲
انیسوں سے	۱۲	۱۲	سرہنوں سے	۱۲

ششماہی فی پرچہ ۶  
اشاعت گاہ مکتبہ قصر الادب اکرہ

## تشیخ، مربی، معاونین اور انیسان و بندگان شاعر

محبین ادب و شعر .

- (۱) محسن ادب جناب محترم بابو هرگو بند ديال صاحب نشر تهگامی نه سالانه  
(۲) محسن ادب جناب محترم مولوی محمد خالص صاحب نشر خورجی نه سالانه  
(۳) محسن ادب هرمانيس عليه حضرت كيتانه والي بگم صاحبه آن جوانكده شپت نه سالانه  
(۴) محسن ادب نهمزادی تاج بخت صاحبه آن جوانكده شپت نه سالانه  
(۵) محسن ادب جناب محترم وزيرزاده شيخا عتفا خالص صاحب هر جوانكده شپت نه سالانه

(۶) مرنی ادب جناب محترم سیّد الفاضل خلف میاں سرگزین حکمت اللہ خاں محرم کے بی جوم مندر ریاست گوالیار ضلع ساہیوالہ  
(۷) مرنی ادب جناب محترم سیّد الفضل کریم صاحب مالک جمشید پور ٹاکنیز و سٹاٹا ٹیکنیکل جمشید پور (ٹاٹا ٹیکنیکل) ضلع ساہیوالہ

معاونین ادب

- (۹) صلوات اوبہ پر اسے بی۔ فلس جابر بی۔ اسے اگر آبادی علیہ سالانہ  
(۱۰) صلوات اوبہ پر کہ کثرت اہم اسے بی۔ فی ہر کار و کار اوبہ ولی علیہ سالانہ  
(۱۱) صلوات اوبہ جابجاب توئی محبوب حسن صاحب اس میں مطلق رو کی جہیز علیہ سالانہ

## محمد دین ادب

- (۱۱) محمد داود باب هووی عذر مخفی و حبس کسان جانبداری علیه سالانه  
(۱۲) محمد داود مخفی و کجایان حبس کسان جانبداری علیه سالانه  
(۱۳) محمد داود صاحب خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۱۴) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۱۵) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۱۶) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۱۷) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۱۸) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۱۹) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه  
(۲۰) محمد داود خواب را در حقین خوابان کس آن کند و علیه سالانه

## خاصان ادب

- (۱۸) خجاست صاحب اور سلطان احمد غازی صاحب نے ترکین کی آبادی سے سالانہ  
(۱۹) خجاست صاحب اور جعفر ارجمانی صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۰) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۱) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۲) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۳) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۴) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۵) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۶) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۷) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۸) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۲۹) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۳۰) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۳۱) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ  
(۳۲) خجاست صاحب نے غازی آباد کی زمین سے سالانہ

- (۳۳) جناب عیسیٰ بن خاضع صاحب شاہی نوہری (کوٹہ) سے سالانہ  
(۳۴) جناب باوقر محمد خاضع فاروقی صاحب لکھنؤ (کوٹہ) سے سالانہ  
(۳۵) جناب شمسو مرشد اہاں رنگا ندوی سے سالانہ  
(۳۶) جناب حکیم مولوی عبدالرحمن صاحب شام کاڑھولی سے سالانہ  
(۳۷) جناب علامہ نذیر بزم مومن صاحب داتریہ کھنڈ دیوی سے سالانہ  
(۳۸) جناب عبدالغلام رحیمی صاحب شام ٹھوڑی سے سالانہ  
(۳۹) جناب کنور فاروق علی خان صاحب فاروق رئیس منڈو سے سالانہ  
(۴۰) جناب مہر دار افرغی صاحب آفر گراہاری سے سالانہ  
(۴۱) جناب ڈاکٹر ناہید شاہ صاحب سنجہ زبیر بھٹی سے سالانہ  
(۴۲) جناب بیگم خدیجہ صاحبہ قمر گڑھی سے سالانہ  
(۴۳) جناب مولوی منظر الدین صاحب منظر ادا سیکوری سے سالانہ  
(۴۴) جناب عیسیٰ رحمان صاحب عیسیٰ آردی محمد پور سے سالانہ  
(۴۵) جناب مولوی محمد احسان حسن خاضع احسان موضع چوہا (جہار) سے سالانہ  
(۴۶) جناب مولوی نعیم الدین صاحب قید اسارہ (مرہٹہ) سے سالانہ  
(۴۷) جناب عطاء الرحمن صاحب قلعہ خاندہری دہلی سے سالانہ  
(۴۸) جناب عبدالرؤف صاحب ٹانگ بڑوالی اسٹیٹ سے سالانہ  
(۴۹) جناب ایس ایچ احمد صاحب ملوک رکن دارالاسلام (کوٹہ) سے سالانہ  
(۵۰) جناب یونس یحیٰی صاحب ساگر عیدوار دہلی (بی۔ بی۔) سے سالانہ  
(۵۱) جناب سائر محمد خادم صاحب ریسک یکسانہ (انجانب) سے سالانہ  
(۵۲) جناب محمد حسین صاحب خادم ٹھوڑی دہلی سے سالانہ  
(۵۳) جناب جودہری عیسیٰ صاحب جہاندرہ سے سالانہ  
(۵۴) جناب سید عتیق خاں صاحب تاجات آبادیہ (پورہ) (بنگلہ) سے سالانہ  
(۵۵) جناب جہدار سی۔ بی۔ جہاد صاحب بمبئی سے سالانہ  
(۵۶) جناب شیخ عبدالرحمن صاحب شیباب دیوی دیوڑی سے سالانہ  
(۵۷) جناب ملک دہان حسین صاحب شہر علی سی۔ بی۔ سے سالانہ  
(۵۸) جناب عبدالرحمن صاحب قوٹہ سکریٹری اقبال لائبریری غدارو (گیا) سے سالانہ  
(۵۹) جناب دھوندر راو صاحب قید جالپوری سے سالانہ  
(۶۰) جناب تیلوٹ برہما صاحب بنگلہ۔ جہاد علم سے سالانہ

(اس شمارے کے تمام مضامین نظم و نثر کے جملہ حقوق محفوظ ہیں)

# تعارف

تصویر :- وحید العصر حضرت تجو د دہلوی جانشین داغ دہلوی

نمبر ۱

جنوری ۱۹۲۳ء

جلد ۱۴

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	صفحہ	مضمون نگار	مضمون
۱۴	دل شاہا پوری	دایان دل	۱۹	مقالات مدیری	حرفات
۲۰	نشاط اناوری	تیرے بغیر	۱۷	اعجاز صدیقی	شخصیات
۲۱	آرزو لکھنوی	دستگاہ آرزو	۱۸	اعجاز صدیقی	تحقیق و ترویج
۲۱	تیکل جانی بی اے	نوبت فکر	۱۹	اعجاز صدیقی	اصلاح سخن
۲۵	سیاب اکبر آبادی	آجکل	۲۰	اعجاز صدیقی	نقد و نظر
۳۱	قمر عثمانی جٹا گڑھی	بازگشت	۲۱	اعجاز صدیقی	..... کی داری
۳۲	بہار کوئی	گلنایا بہار	۲۲	اعجاز صدیقی	علم و ادب
۳۲	اسد سہانی احمد آبادی	احاطات	۲۳	عبد الحفیظ اعظمی - دہلی	خطوط کشی کا مرتبہ اردو ادب میں
۳۷	تجربہ تصدیق ایم اے بی ٹی	انجمن ان	۲۴	بہار کوئی	کیا آقبال کا پیام کوئی نیا پیام ہے؟
۳۸	مبا سترادی	ہندوستانی معلم	۲۵	وحیدی عجبینی بھوپالی فاضل دیوبند	ہمارا ادب
۳۸	قمر نقوی جے پوری	تجلیات	۲۶	عطا اللہ پوری	دور حاضر اور تحقیق
۴۱	محمد خاں تیر خورجی	آشیاں نہیں معلوم	۲۷	افسانہ و ڈرامہ	ہا ہی گبر
۴۳	نفا بالندہری	انداز نظر	۲۸	ایمانداری (دیوبند)	ناک (نیشہ)
۴۳	احسان دانش	احسان مجبوری	۲۹	داکٹر محمد فیض الدین	سزائے جیل
۴۴	افسر سہانی احمد نگر	آیہ حکم	۳۰	مرشدی بھوپالی	منظومات
۴۸	سرریا کاری گیادی مینائی	سستی	۳۱	سیاب اکبر آبادی	سحر انقلاب
	مشاعرہ شاعر			سیاب اکبر آبادی	مضمون جنگ
	حضرت نشتہ سنگاوی - حضرت سلیم مہروردی - حضرت جالب مہساری		۳۲		
	حضرت آنسی دیوگوی - حضرت قمر نعمانی وغیرہ وغیرہ		۳۳		

## شعر انقلاب :-

## ایک انتباہ

بودھ مندر (گیا) کی سقف بلند سی جاپان کو

طبیعت جوش پر ہے، ذہن ہے طوفان آمادہ  
نگاہوں کو مری عرفانِ عمداً حال ہے حاصل  
یہاں جاپان نے اپنا سیاسی جال ڈالا ہے  
بتانا چاہتا ہوں میں اُسے ہندوستان کیا ہے؟  
یہاں شورشِ فرائی عقل و دانش سے ہے محرومی  
یہاں روحانیت بستی ہے، یہ روجوں کا مسکن ہے  
یہاں ہرزہ میں محفوظ ماضی کی بہاریں ہیں  
لے آئی برس تک عارف ہندی کا گوارہ  
ابھی موجود ہیں اس سرزمین میں کانٹوں گوتم کے  
وہ دنیا دار ہو کر سب سے پہلے تارک دنیا  
ابھی جاپان والوں میں پریش ہے روا جنگی  
وقارِ رفتہ کے دھندلے نشان محفوظ ہیں اب تک  
تو گوتم بودھ کی ہوگی یہ حقیقت میں دل آزاری  
نقوشِ عہدِ ماضی ہیں، مگر عبرت کے قابل ہیں  
لڑائی کا جسے سب دیوتا کہتے ہیں "اندھا ہے"  
ابھی ہے وقت باز آجائیں اپنے ان ارادوں سے  
جو تم اولاد سورج کی تو پھر اندھ ہنس کر کیا منی؟  
جو کچھ اب تک ملا سورج کے ساتھ میں غنیمت ہو  
گزشتہ کی بدعاؤں سے زوالِ سلطنت ہو گا

میں بودھ مندر (گیا) کی سقف کنبہ پر ہوں استادہ  
نظر کے سامنے ہے ہند کا ماضی و مستقبل  
سنا ہے ہند پر حملہ فضا سے ہونے والا ہے  
نئے فنکار اُٹھانے کی یہ سستی رائیگاں کیا ہے  
یہ گوتم کا وطن ہے، کرشن کی ہے یہ جنم بھومی  
یہاں ہر دروازے پر پاک ہزار ہندو راجن ہے  
شوالے میں گیا کے بودھ کی نیکیں یاد گاریں ہیں  
کیل و ستو کیا، اور راج گر، کاشی، کشی نارہ  
یہاں کی خاک پر برسوں پرے ہیں مانوں گوتم کے  
وہ گوتم بودھ اہنسا جکا شرب، شیاگ مذہب تھا  
گیا سے کینت اور جاپان تک گونجی صدا جنگی  
برائی مورتیں بودھ کی یہاں محفوظ ہیں اب تک  
اگر ہندوستان میں تو نے کی تکلیف بمباری  
یہ آثارِ قدیم اس ملک میں عزت کے قسا بنیں  
یہ بودھ کا ٹھہا اگر دیراں ہو جائے عجب کیا ہے  
کہے دینا ہوں میں جاپان کے خورشید زادوں کو  
ارادے کے بدل دینے میں اتنی دیر کیا سمی؟  
یہ حرم ملک گیری، اک بلا ہے ایک لعنت ہے  
"تو وکا دیش اگر محسوس امن و عافیت ہو گا"

دل اُسکے بھکشوؤں کا نالہ و فریاد کرتا ہے

کوئی اپنے پیسہ کا وطن پر باد کرتا ہے؟

سیاہ کبرا بادی



سالی نو

## صحافت کا کارنامہ

جنگ کلمہ سال ہمارے رسائل و اجازات کے لئے انتہائی مشکلات پیدا کیا۔ باوجود  
کی انتہائی گزشتہ سالانہ طبعیت کی کیا ہی کام خزانوں کی پریشانیوں میں طبعیت کے لئے توجہ دیا  
کے خزانوں کو حکومت کی باوجودیاں، صنعت سے بہت ملے ہیں۔ باوجود تمام ضرورتوں کے

النامۃ شاعر

کسی کو کوئی اختلاف ہو تو وہ سنجیدہ اور علمی و ادبی پیرایہ میں اس کا انہار کر سکتا ہے۔  
نادر اعلیٰ جو نابھہ امانت کی طرح مناسب نہیں۔

چونکہ زیرِ نظر "شاعر" میں جنرلی ہند کے سفر نامہ کے لئے چند صفحات نکالنے پڑے ہیں۔ اس لئے اس ماہ یعنی موعودِ عظیم کی آخری کڑی شائع نہ ہو سکی۔ آئندہ اشاعت میں اس سلسلہ کو یقیناً ختم کر دیا جائے گا۔ جماعت کے صفحات محدود ہیں اور کتنا بہت کچھ ہے اس لئے اس مرتبہ ماہِ فروری سلسلہ میں شائع ہونے والے مضامین کی ذمہ داری بھی جاد ہی ہے۔

### ”شاعر“ کے مرتبی

ادارہ ”شاعر“ جنرلی تہذیبی کیم صاحب، مالک جمشید پوٹا کنز کی علم و دماغ اور ”شاعر“ نوازی کے لئے بے حد محنتوں میں۔ موصوف اس ماہ ”شاعر“ کے مرتبوں میں شریک ہو رہے ہیں۔ ہم بعد صاحب کی تصویر اردوان کی زندگی کے مختصر حالات آئندہ اشاعت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

### آدھنی دیا نرائن نگم

ہم نے یہ اطلاع انتہائی رنج و اندوس کے ساتھ سنی کہ ۲۲ نومبر ۱۹۷۶ء کو شب کے دو بجے رائے صاحب آدھنی دیا نرائن نگم لی۔ اسے کا انتقال ہو گیا۔ دیکھ کر ہی ”شاعر“ میں ان کی وفات کے متعلق ٹوٹ لکھ دیا گیا تھا لیکن انھوں نے ہر دم گنجائش کے وجہ سے اس کی اشاعت نہ ہو سکی۔ ہمیں اس جانکاہ سانحہ آج بھائی کے پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے اور اس کا احساس و اعتراف ہم کو نگم کی موت سے اردو زبان و ادب کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ۱۹۷۶ء فشی میں نے ”زمانہ“ کی ادارت اپنے باؤ سے بہت پرلی اور اس وقت تک انتہائی سلامت روی سے چلتے رہے۔ ”زمانہ“ نے اردو ادب و شعر کی جو خدمت کی ہے وہ یادگار ہے۔ سب سے بڑا کام آج بھائی نگم نے یہ کیا کہ مسلمان ادبا اور شعرا کی تحریک ساتھ ہندو ادبا اور شعرا کو بھی اپنے رسالہ کے ذریعہ متعارف کرایا۔ ۱۹۷۶ء میں ہفتہ وار اخبار ”آزاد چاندی“ کیا۔ خدمات کے صلے میں گورنمنٹ نے رائے صاحب کو خطاب دیا، وہ متعدد درس کتابوں کے مصنف اور اعلیٰ قابلیت کے امتحان کے ممتحن بھی رہے۔ خدا انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جوگئے۔

### اعجاز صدیقی

کے خونی کوساں نہ، علان کینے ہی گولائی ایک بلبلے ناگمانی مر پر ٹوٹ پڑے گی جب جان کی بازی لگا کر ناٹھری تو پھر سستے اور تنگے کا کیا سوال؟ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ کبھی، کبھی، الہ آباد، بنارس، دہلی اور اگر وہیں کاغذ کے لئے انتہائی کوشش کی گئی اور کہیں مخطوطات اشعار نہیں ہوا۔ سالہ تو سالہ جنوری کے شاعر کے لئے بھی کاغذ کا بیکار ہونا جوئے بٹرانے کی نیت نہ ہوا۔ کوششیں جاری ہیں اور بعض یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی صورت فرد پیدا ہوگی حکومت سے بھی خط و کتابت ہو رہی ہے۔ برہانہ دار اور دیکھا ہے اس کی تکیں ہمارے لئے فرد ہی ہے لک کے مستند شاعر اور ادبا سالہ میں شریک ہو رہے ہیں جس خصوصیت کا سالانہ ”شاعر“ ہو گا وہ یقیناً اعجازی ہوگی۔ شاید ہم فرد ہی کے شاعر میں بڑی تفضیل دینے کے قابل ہو سکیں۔

### دسمبر ۱۹۷۶ء کا شاعر

چونکہ دسمبر کا شمار ”شاعر“ کی غیر موجودگی میں مشائخ ہوا اس لئے اس میں باجائزائت کی غلطیاں ہو گئی ہیں۔ ناظرین مباح و مباحی عبارت سے انھیں دست فرمایں جن دوستوں اور کرم فرماؤں کے ذاتی خطوط کا ”شاعر“ کی طرف سے ایک جواب نہ ہو تو سکا د بھی محبت فرمائیں۔ جنرلی ہند کے طویل سفر کے بعد بھی کئی سفر کرنے پڑے اور یہی وجہ تعویذ ہے۔ حضرت علامہ سب اب دھلا کے علاوہ بھی مطلق رہیں ان کے خطوط کے جواب کچھ دینے گئے ہیں اور کچھ دینے جا رہے ہیں۔

### جنوری اور فروری ۱۹۷۷ء کی اشاعتیں

جنوری کا ”شاعر“ آپ کے سامنے ہے۔ شاید آپ اسے پسند فرمائیں اس میں دو نام خصوصی ابواب ہیں جو گذشتہ سال قائم ہو گئے تھے اور جو معائن کی طوالت کی وجہ سے کئی ماہ سے شائع نہ ہو سکے تھے۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ نئے افسانے لکھے جائیں۔ لیکن جادو دیکھ کر پاؤں پھیلانے پڑ رہے ہیں۔ اس اشاعت میں ڈاکٹر آقبال مرحوم سے متعلق صرف ایک مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ علان تین مضمون کا تھا۔ بقدرِ معائنہ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں پیش کیے جائیں گے۔ بعض لوگوں کو ان مضمون کی پختہ پڑا تھا اس لئے یہ اقدام کیا گیا۔ ڈاکٹر آقبال مرحوم کی شاعری اور ان کے پیام سے کوئی اختلاف یا اتفاق ان کی بلند مرتبت ہستی سے بالکل جدا گانہ چیز ہے۔ بعض لوگ ارادت و عقیدت کے طوفان میں غرق ہو جاتے ہیں کہ ایک لفظ سنا پسند نہیں کرتے میرے خیال میں یہ نہ ہونا چاہیے۔ آزادی دے اسے ہر شخص کو حاصل ہے اگر

# صفحہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

باقی جو حکومت رہے، لانج، ملکی ہے  
جاگیر، بقائے تخت و تاج، ملکی ہے  
اب فتح و شکست کا کیا ہے معیار  
جو مان لے مار، جیت آج، ملکی ہے

جنے یہ بایا ہے جہاں، وہ جانے  
ہو گا کہ نہیں امن و امان، وہ جانے  
ہم کون زمین و آسمان کے ضامن؟  
جنگ ہے زمین و آسمان، وہ جانے

انسان کو اتنا تک ہے بس اتنا معلوم  
اک "خالقِ علم" ہے مگر لامعلوم  
اس دور میں علم ہے فسادِ اکبر  
معلوم اسے ہے کہ نہیں؟ کیا معلوم؟

آتی ہے بلا تو مسکرا دیتے ہیں  
ہندی کہیں اپنا حوصلہ دیتے ہیں  
آتا ہے نظر فضا میں جب کوئی جہاز  
بچے کچھ تالیں بجادیتے ہیں

ہنگامہ جنگ اک نماشبہ ہنوز  
بے سود ہے، اور بے نیچا ہے ہنوز  
کیا کچھ سال تو میں اندازہ صلح  
اندیشہ جنگ روح فرسا ہے ہنوز

ہر سانسے آفرینش سوز ہے آج  
جو لکھو ہے، انقلاب اندوز ہے آج  
حالات نئے ہیں اور آثار نئے  
مشرق کو نوید، صبح نوروز ہے آج

ہم باریوں کی صدا ہے برہم تو نہیں؟  
آوازِ نقیب جنگِ عظیم تو نہیں؟  
کس لیے یہ سوادِ ہند پر دستک دی؟  
دیکھو کہیں انقلابِ عالم تو نہیں؟

بہ خوف زدہ دل کو شکست کی دے  
امید شکست کو تو اتانی دے  
ہے معرض انقلاب میں خطہ ہند  
یارب اسے قوتِ گوارائی دے

ہے شور میں و ہنگامہ و تر، جانے کو  
میں روز و شب و شام و سحر جانے کو  
انسان کو چاہئے رکے استقلال  
آتا ہے ہر اک وقت گزر جانے کو

اب کوئی گھٹا جنگ کی گھنگھور نہیں  
کچھ آخری ہچکیاں ہیں یہ شور نہیں  
کمزور ہیں قوتیں بعدِ مہمّت  
اب طغیانِ جنگ میں وہ زور نہیں

# شخصیات :-

## وجید العصر حضرت تجو دہلوی

تجو دہلوی بہت جلد مہارت نام حاصل کی۔ شروشاہری کے ذوق نے عربی تعلیم نہ ہونے دی  
۱۲ سال کی عمر سے شروشاہری کا چکا لگا۔ اب سے پندرہ ماہ پہلے

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا

تیر لگا دیا کہ سر سے نکل گیا

ایک دن آپ کے چچا فخر علی خان کو کہہ رہے تھے، آپ نے دریافت کیا تو فرمایا کہ غزل کہہ  
ہوں، آپ نے کہا کہ میں بھی اس زمین میں طبع آزمائی کروں گا۔ چچا چچا صاحب نے کہا کہ تم  
کیا کہو گے؟ یہ بات تجو صاحب کو ناگوار ہوئی۔ لیکن پاس ادب ملحوظ رکھا اور کوئی جواب  
نہیں دیا۔ اُس وقت ہم سال کی عمر تھے۔ پھر بھی ایسی غزل کہی کہ ۲۵ سال بعد انھیں چچا کا  
کی غزلوں پر مہلک دینی پڑی۔

ایک دن آپ کے ماموں حکیم عبدالغفار آسانے ایک خط لکھا

دیکھو تو آئینہ ذرا اسے حضرت دسا چہرے سے آشکار تھا بلوغ و طلال کب  
ہم نے نہ لکھ دیا تھا کہ اچھا نہیں ہے عشق کب تم تھے بے قرار ہوا تھا یہ حال کب  
حضرت تجو نے خود اس پر مصرعے لکھا ہے

میری خطا صاف ہوئے غم کی یہ جا یہ حال نہار اور ہو حضرت سا پار سا  
تجو کی شکل کو بھی تو دل سے بھلا دیا دیکھو تو آئینہ ذرا اسے حضرت رست

چہرے سے آشکارا تھا رنج و طلال کب

تھا تو لی آپ کا تو، گر گردوں نہیں ہو عشق پاکتے ہو کہ موت سے بڑا کہیں ہو عشق  
کہوں ہو زبان پر دشمن دنیا و دین ہو عشق ہم نے نہ لکھ دیا تھا کہ اچھا نہیں ہے عشق  
کب تم تھے بے قرار ہوا تھا یہ حال کب

ہر خدا و پر کے معارض میں کئی قسم میں دوسرے بند میں شکر گاہ ہے لیکن تجو  
کی عمر کے اعتبار سے یہ ابتدا قابلِ تسنن ضرور تھی۔ مولانا حالی نے جب یہ مصرعے لکھے  
تو خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم شکر کہا کرو۔ چنانچہ تجو صاحب کا یہ مولیٰ ہو گیا کہ وہ روزانہ  
دو غزلیں کہتے اور چاک کر دیتے۔ پہلا نادر تخلص تھا۔ لکھنؤ سال کی عمر میں تجو تخلص لکھا  
دورانِ شوق میں مولانا حالی کو اکثر اپنا کلام سنایا کرتے اور صلح لیا کرتے تھے۔ شمس الدین  
میں مولانا حالی کی تحریک سے حضرت داغ دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ مولوی عبدالرحیم خان

اب سے کچھ سال پہلے اردو غزل کے رنگ کو جاننے اور پہچاننے کے لئے عربی تعلیم  
رنگ کو آواز بجا رہا تھا۔ شعر کا لب و لہجہ اور انداز و سبب صاف بتا دیتا تھا کہ شعر  
کیں مرکز زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ زبان کے مراکز میں دہلی اور لکھنؤ ہی کو اولیت اور قبولیت  
مندانہ درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ فوراً یہ فیصلہ صادر کر دیا جاتا تھا کہ فلاں کا تعلق دہلی اسکول کو  
اور فلاں کا لکھنؤ اسکول سے، دہلی اور لکھنؤ اسکولوں کے تین فرق کے تعلق کچھ کہنا بے سود ہے  
ان دونوں مراکز کے متبعین چھانٹے نہیں جیتے۔ دہلی اور لکھنؤ کے رنگ کو زیادہ بخت اور  
دامع کرنے والوں میں دوسرے دوست و معارف کا نام بار بار زبان پر آتا ہے اور وہ آئینہ و آئینہ  
ہیں۔ ان سے قبل کے شعرا میں بان کا اختلاف ہوتا ہے لیکن سبب بیان میں کوئی نمایاں اختلاف  
نہیں پایا جاتا۔ میر کے جہاں دہلوی اور لکھنوی دونوں رنگ موجود ہیں۔ جرأت۔ انشا اور  
مستحق کے جہاں بھی زبان و اسلوب کے اعتبار سے کوئی خاص انفرادیت نہیں پائی جاتی۔  
اس سبب سے ان لکھنویوں کے امام یا یوں کہے کہ خس و خاشاک سے پاک کر کے ایک دہلی بھی  
چیز پیش کرنے والے آئینہ و آئینہ ہی تھے۔ ہر چند شاعری کے نئے میلانات نے دہلوی اور  
لکھنوی امتیاز کو ایک حد تک اٹھادیا ہے، پھر بھی شاعری رنگ کبھی جھلک ہی جاتا ہے اور  
بعض شعرا کا کلام تو مطلقاً اتباعی حیثیت رکھتا ہے۔ مرزا داغ دہلوی دہلی اسکول کے متبعین  
میں حضرت تجو دہلوی کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔

تجو صاحب کا نام وجید الدین احمد ہے جن کے معنی ہیں سلسلہ نسب غوث الاعظم  
حضرت شیخ عبدالغادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ والد کا نام سید شمس الدین احمد  
سید احمد اور تخلص سلم تھا۔ دادا صاحب سید محمد الدین احمد عرف بغیر سالک و کاتب تھانہ  
غالب کے شاگرد تھے۔ پردادا آغا زادہ لکھنؤی تھے۔ ابجد صاحب سید احمد میر خاں بہادر منصور  
جنگ عالمگیر ثانی کے وزیر تھے۔ منشی صدر الدین خاں آذرہ۔ تجو صاحب کے والد کے  
پچھو پاتھے

تجو صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ بمقام ریاست بھر پور پیدا ہوئے۔ دادا کی  
عمر ہی میں دہلی لائے گئے اور چار سال کی عمر میں بہن علیہ غم شروع ہوئی۔ فارسی کی ابتدا ابتدائی  
کتب میں پڑھنے کے بعد شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی بانی تہجی فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل  
کی۔ مولانا حالی ہی نے آپ کو ہر نیم روز اور دیوان غالب (فارسی) پڑھایا۔ فارسی زبان میں



# تحقیق و تصحیح

## استفسار :-

ایں نہیں۔ آخر یہ دو اختلاف کیوں؟

الف :- ایک صاحب کو حضرت قانی برابونی مرحوم کے مندرجہ ذیل مصرعوں پر اعتراض ہے

د :-

عالم عشق کا نظام آگے ذرا الٹ نہ دو  
عشق سے فرق آگیا جس کے امتیاز میں  
حضرت قانی برابونی مرحوم کے مندرجہ بالا شعر میں ذرا الٹ نہ دو، کا کھٹا محاذ  
یا علامتِ استہمام؟

نظر بھر دجی

(۱) لاش کی صورت زیبائے خاتون تھا

(۲) جبینِ درد ہے بنیابِ سجدہ لے قانی

کہ ہر ہے خاک ترے دل کے آتش کی

(۳) جہاں تو کام ہے اک نشتر تو ہے

(۴) پہلے زوال ہوں مئی کال میں

میں ہوں عذابِ قیاسِ جلوتِ جال میں

پچھلے مصرع میں زبان "کی تشبیہ مردہ لاش سے دوسرے شعر میں "جبینِ درد" اور دل کے آستانے کی خاک "تیسرے مصرع میں "نشتر تو ہے" محلِ نظر ہیں۔ چونکہ شعر بظاہر مکمل ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟

د :-

صد و سیم گل ہم کو تہہ بال ہی گنڈے  
مقدور نہ دیکھا کبھی بے بالی پر کا  
باد جو دغور ذکرِ میر کے اس شر کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ براہِ کرم ذرا  
"شاعر" مطلع فرمائے۔

منظور احمد منظرِ سیانہ ضلع بلند شہر

حسن احسانی مراد آباد

ب :-

(۱) شہرِ ہر آمد بدیدِ انصاف دشت

از خود من اودھک لرزہ دشت

(۲) بادِ مرمر طوفانِ شمع مراد آتی ہے۔

علامہ اقبال کے پہلے شعر میں "مرمر" بروزن گود استعمال ہوا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں بروزن ہن۔ "مذاظران" کا صحیح تلفظ کیا ہے۔

د :-

مرزا غالب کے مندرجہ ذیل شعر کا مطلب تحریر فرمائیے  
دکھا غفلت نے دودِ افتادہ ذوقِ قادر نہ  
اشارتِ نعم کہ ہر ناخنِ مجیدہ ابرو تھا  
خوش ازبیری (مرشد)

ج :-

د :-

لے کے آیا ہوں تھکائے ٹوٹے شمعِ فخر  
جلوتِ دلکشی کا کشتاں لایا ہوں

(۱) "تھے خود غرضی سیات اور محبت خود فراموشی"

(۲) خود غرضی معاد۔ ابنِ الوقت جھوٹوں کے نام

علامہ سیات کے چٹا مصرع میں غرض "د" ساکن ہے اور دوسرے مصرع میں

بہا کشتاں مجھ ہے؟

ضیا احمد ہانی بیٹری ضلع تھانہ

(۲-۱) خود غرضی "میں" ساکن نہیں متحرک ہی ہے۔ "و" کو ملتوں پر سے تقطیع میں کوئی وزح وارنہ نہیں ہوتا

ج :-

"ستاروں کی غفل سے دیکھا کسی نے"

اس مصرع میں کسی۔ کبھی۔ خودی وغیرہ قوافی ہیں اور "تے" ردیف کیا ہے جس نے۔ دینے۔ پینے وغیرہ قوافی آسکتے ہیں؟

نصیر بھاونی تھو۔

د :-

ذوالث نہ دو۔ نہ محاورہ ہے اور نہ استفہام بلکہ ایک التماس دعا ہے

د :-

شعر کے الفاظ تو بظاہر بالکل مادہ ہیں۔۔۔ برے خیال میں بھی مطلب پہنکا ہے کہ سبکدلوں بہاریں ایسی گدڑی ہیں۔ جن میں ہمارے بازو سے اس لئے بے بال و پری کا زور اور بل دیکھنے کا کبھی حوق ہی نہیں ملا۔

جواب :-

ل :-

۱ :- مرزا غالب کے دیوان میں یہ شعر میری نظر سے نہیں گذرا اطلاع دیکھ کر کس نے نہیں ہے۔ مجھے اس کی محنت میں شک ہے اور اس لئے سنی اپنا کڑا شکل۔ غالب پریدہ کو تشدد کے ساتھ کبھی نہیں لکھ سکتے۔ ترشے ہوئے ناخن کو ذوقِ فنا پیدا ہونا یا عقل کو کسی قسم کا اشارہ ملنا بے اعتدال ہے۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا کٹ پوٹیدہ ہے۔ اہلِ فکر و نظر بھی تو بفرمایاں۔

(۱) زبان کو لاش سے تشبیہ دینا غلط نہیں۔ لاش جو کربے حس و حرکت ہوتی زبان کو بھی اسی کی مانند بتایا گیا ہے۔ یہ تشبیہ انتہائی خاموشی پر دلالت کرتی ہے (۲) جبینِ دہ دنیٰ ترکیب ہے اور قریب قیاس نہیں۔ دل کے اگلے کی خاک ہے اکثر شعرا کے یہاں یہ خیال موجود ہے۔

(۳) شتر تو مجھ بھی ہو سکتا ہے۔ توجہ اور عدم توجہ دونوں برابر کا کام کرتی ہے۔

ن :-

کشتاں اور کاہتاں ایک ہی بات ہے۔ کہ۔ کاہ کا مخفف ہے۔ دونوں کے معنی وہ نورانی راستہ ہے جو تاروں بھری رات میں اکثر آسمان پر بن جایا کرتا ہے۔

(۴) شعر کے پہلے مصرع کا مطلب تو واضح ہے کہ میں بحیثیت انسان عروجی بہت دکھتا ہوں لیکن اس میں زوال کا پلو بھی ہے۔ کمال سے مراد ہر چیز پر قابو پانا اور زوال سے مراد موت ہو سکتی ہے یہی جزوِ جلوہ جلال (خدا) اور مجھ میں ملوث ہو کر رہا ہے۔

ج :-

ہاں آسکتے ہیں بشرطیکہ مطلع میں اس کی قید نہ ہو۔ یہ قافیہ معمولہ کلام ہے۔ کسی عروض کی کتاب میں تفصیل دیکھئے۔

پ :-

(۲-۱) طرفِ بروزن بہن یعنی سمت ہی مجھ ہے، اور طرف "سکون" کے محمل رہے یا گوشے کے معنی میں آتا ہے۔ پہلے خورشید طرفِ بکون رہا کے معنی نکارہ یا شر اور دوسرے مصرع میں سمت کے ہیں۔

ج :-

اعجاز صدیقی

گھٹی برستی نظر آتی ہے۔“

ادب کی یہ صفت (خطوط نویسی) اُردو زبان میں مرزا غالب سے شروع ہوئی اور ان کی خدا داد وجود نے ان کی تحریریں وہ سن پیدا کیا کہ آج تک اُن کا جواب ملنے نہ سکا غالب پہلے شخص ہیں جنہوں نے خطوط میں، القاب و آداب کا فرمودہ اور فضول طریقہ اختیار کرنے سے امتزاج کیا۔ بیچ، آہنگ میں لکھے ہیں۔۔

”خطوط نویسی میں ہر طریقہ یہ ہے کہ جب خط لکھنے کے لئے قلم دکھا لکھنا شروع کریں تو کتب الید کو، کسی ایسے لفظ سے جو اس کی حالت کے موافق ہوتا ہے، بکا دیتا ہوں اور اس کے بعد ہی مطلب شروع کر دیتا ہوں۔ القاب و آداب کا پُرانا طریقہ اور سُکروشکوہ ندوی وغیرہ کا قدیم رویہ میں نے بالکل اٹھا دیا۔“

لیکن غالب نے جو اسلوب طریقہ اختیار کیا وہ کچھ زیادہ مقبول نہ ہو سکا، لہذا اب القاب و آداب کا خلق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قدیم رواج بالکل جاتا رہا، مگر اس میں بڑا ہتھ دیدہ تعلیم و تہذیب کا ہے۔ اور نہ غالب کے بعد بھی عرصہ تک ان کا استعمال جاری رہا۔ مگر کمالہ کا طریقہ رواج نہ پا سکا۔ کچھ کے ہزاروں خطوط میں ایک خط ایسا ہے جو مکالمہ کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔۔

”بھئی بھئی شہنا؟“

محمد سمیع - خیر تو ہے!

”ہاں! ایک تازہ واقعہ ہے، میاں شہل کا انتقال ہو گیا۔“

محمد سمیع - ارے بیچ ۹۰ نہیں بھٹ ہو گا، ابھی ہفتہ بھی نہیں ہوا، اُن کا ایک خط میرے نام آیا تھا۔

مولوی محمد عمر صاحب - تو تم نے آج نہیں دیا، اسی کو کوئی دن ہوئے انہوں نے جو کہ بن بھی نہیں اُن کی رسید بھی تو میں نے اچھی دیکھی نہیں تھی۔

محمد سمیع - انا بھئی! افسوس ابھی مرنے کے کوئی دن تھے!

حمید - ہاں! واقعی سخت رنج ہے مگر تقدیر سے کس کا زور چلتا ہے (اردو فی زبان) اسے میاں چلو تھہر باب ہوا، اُسے دن کی حکمتوں سے دم ناک میں آگیا تھا بعد از وفات تو خراج کا کام تھا لکھ بھی لیا، اب دوسرے میں لوگوں کو سودہ لکھنے پھرو، اس پر طرہ یہ کہ ہفتہ فارم دے کر پورٹ لکھ کر اُن کے پاس بھیجے رہو، ابھی خاصی بیجا رہ گیا کرو۔

عبدالحق - ارے میاں! خیر تا تو سب کے لئے ہے، ہاں اُن کے خط کا جواب دیا گیا، مگر یہ بھی کوئی بزدل دوستی ہے۔ جی نہ چاہے تو مفت کی محنت کون

کسی جانتی ہے۔ طاعون ایک کے لئے، ان لوگوں میں جان ہوتی ہے اور ہر چھپیں اُردو زبان سے کی زد سے محفوظ ہو گئیں، لیکن خطوط کے لکھنے وقت اگر شاعرت کا خیال ہو، تو اُن کی ساری ذات و صفات جاتی رہتی ہے، ان کے سہ سہ سہ کے وہ بے تحاشہ خطوط ہوں، دلی صفات کا آئینہ ہوں۔ ان میں بعض کا نام نہ ہو لکھنے والے کے چہرہ پر عجب نہ ہو کہ کتب نویس کا آئینہ لکھے، ہر فن فطری ہوتا، جہاں بناوٹ آئی، خط نہ رہا، مضمون ہو گیا۔ خط وہ نہیں ہے۔ جس میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہتے جائیں، بلکہ ایسا خط وہ ہے، جس میں لکھنے والا اپنے مخاطب سے باتیں کرتا ہو، نظر آئے اور جس میں اس کی برکت کا غشیی ملک ہو۔ غالب اس گروے واقف تھے، جب ہی تو وہ زبان لکھتے، تین گروے اور جو اس دھال کے مرنے لیتے تھے۔

مولانا عبدالحق صاحب نے، کتب بات عالی کے مقدمہ میں لکھا ہے۔۔

”ہمیں سادگی اور سہل رہائی ہے، جو دلوں کو بکھالتی ہے اور ہمیں وجہ ہے کہ خطوط انسان کی سیرت کا جو اندازہ ہوتا ہے، وہ کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ خطوط میں کاتب، کاتب الید سے بلکہ اُن کے اوقات اپنے آپ سے باتیں کرتے لکھتے، جو خیال میں اس کے دل میں ہوتا ہے اسی طرح قلم سے ٹپک پڑتا ہے، نہیں مگر وہ اپنا دل کا انداز لکھتے پڑ نکال کر رکھ دیتا ہے، اور اگر دلدلی ایسا ہو، جو سرا سر درد سے لبریز ہو جس میں ہمدردی کی نوع ان کا گوشت کو بھری ہو، جو پیر کے کس سے پہنچا گیا ہو، تو بناؤ کہ اس کی تراویح نہیں ہو گی؟“

خطوط آج کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔۔

”خاکی خوں میں اور نص کران خوں میں، جو اپنے عزیز اور مفلس دوستوں کو بکے جلتے ہیں، ایک خاصہ نہیں ہوتی ہے، جو دوسری تعابیف میں نہیں ہوتی۔ ان کی سب سے بُری خوبی بے دریائی ہے۔ ستم کا پردہ ہاں لکھ جاتا ہے اور مصنوع کی ذرا اندازی کا کٹھن نہیں ہوتا۔ وہ انسان اپنے سے خود باتیں کر رہے ہے، جہاں اندیشہ لام نہیں ہے یہ دلی خمار و جذبات کا روزنامہ اور امروا جات کا مہیضہ ہے، پھر کون ہے، جو ہر خاموش آواز کو سننے کا مستحق نہ ہو؟ یہ ہماری نعمت میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم روزناموں آپ بیتیوں، خطوط کو سب سے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان میں وہ صداقت اور خلوص ہے، جو دوسرے کلام میں نظر نہیں آتا، یہاں سنا نہیں سنی کی سی سادگی سے جو لغز و خیالات کو بے جا ہے جو کہ دس دس رخ میں گھومتے ہیں۔ جنہیں نہ انشا کی صنعت سمجھ کر سنی ہے اور نہ تہنیت و تهنیت کا وجہ و بہانہ، گویا وہ کاغذ کے صفحے پر اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے جس میں ہر حرکت، ہر خیال، ہر جزئیات، ہر جگہ کی



بھول تھیں گی۔ آہ مرزا کے مختصر جان سلیم اللہ صاحب وہ گئے۔  
 انسا تو محمد عین نظر میں تو کو کر، ایک اور سراپا یہ خروارہ  
 گیا، جانب لوری مرزا محمد سلیم صاحب خیر تھیں کے صدقہ مرزا کے  
 مختصر بھی یاد آگئے، ع

اب تو جھوٹے عز و زور گئے۔ اُن کو میرا سلام دے دیا۔ جھوٹے ہی مزے  
 میں ہے، سلام دے دیا دونوں، سب کے نام کی تواب جگہ نہیں،  
 (کاغذ میں ور نہ دل میں تو سبھوں کی جگہ ہے) ایک ڈوٹا نام میں لڑ  
 محمد عثمان سلیمان، پونس، علما الحقؑ

مولانا شبلی اپنے حاصرین میں سب سے بڑے انشا پرداز تھے۔ اس کے نقداتی طور پر ان کے خطوط ادب و زبان کے لحاظ سے ان کے حاصرین کے خطوط سے کہیں زیادہ اچھے ہیں، مولانا حالی کی زبان کا یہ بیان بہت مشہور ہے، مگر جس قدر خطوط میں نمایاں ہے، اتنی ان کی دوسری تحریروں میں نہیں ہے، مولانا حالی کے خطوط، کتابتِ حالی کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، انھیں پڑھنے کی طبیعت رکھنے لگتی ہے، انقباضِ ادب میں انھما کی خدمات اور فرسودگی ہے۔ چند کڑے ملاحظہ ہو

”رفوذا رسالت الہاد خراجہ سجاد حسین عالمہ

بعد دعا کے دعا یہ ہے کہ لالہ بنارس داس بی۔ اے تھون پانی بت  
جو علانہ تحصیل گوجر خاں کے کسی فاضلہ اسکول میں یکینڈا سٹر گیا،  
وہ ہمارے نلیفوق دوست لالہ امی رام صاحب مامو کا رکن نہایت  
قرب کے رشتہ دار ہیں۔ امید ہے کہ عفریب کو ماننے سے موقع پر وہ  
اپنے اسکول میں تم سے ملیں گے، جو کہ تم ان سے واقف تھے۔ اس لئے  
تمسی رام صاحب کی بہ خواہش تھی کہ لالہ بناریسی داس کے حال سے  
تم کو مطلع کر دی جائے تاکہ ملاقات کے وقت تم ان سے اپنے عزیز  
بھوتوں کی طرح ملو۔۔۔۔۔ علیہ

دوسرا خط ملاحظہ ہو خط کشیدہ عبارت کہ ذرا غور سے پڑھئے گا۔  
از جانب الطاف حسین مجدد عالمکے واضح ہو کہ سلطان احمد خاں  
ہاجب کے نام تمہارا خط دلی آیا تھا، اس میں تم نے اپنی عداوت کا حال

۵۲ کتابت مال جلد دوم صفحہ ۲۵۲

چند کڑے اور ملاحظہ ہوں۔

”مصنف نے لکھا ہے کہ جو اہم جلاویں کتب خانہ عمر کائنات حضرت  
سرخ لکھا جاتا ہے، غلط ہے۔ آپ اس قدر غدرات خائز تہ درباب  
اداسے قیمت کیوں لکھے ہیں۔ درباب سفر ولایت، یعنی ہے کہ  
انسان اللہ ہونے لگی۔ اس نے بہت سی کتابیں دی ہیں۔ متعارف  
لکھنے کتاب کے، اس شرط پر کہ ..... جو حد کہ اداسے لاگت  
کتاب کا بھرہ ہے، بیان نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ کو واسطے مقرر  
رہے ایک ایسی ایٹن کے خط لکھا تھا۔ عربیہ سابق میں درباب  
تقریبی ایٹن کے لکھا تھا اور اس عربیہ میں سن لکھا تھا، اب بعد  
معاذہ آخر دور کے یہ لکھا ہوں ..... تاکہ کہ انصاف فرمائیے  
جو کچھ غلط آپ کا لکھا حرام خورد درباب گردن مڑوڑی ہوئی مرغی  
کے ہے، وہ میری گردن پر۔ جب تک کہ قرض نہ لیا جائے مراحت  
منسخر (دخوار) ہے۔ کتابیں بطور حد و حدود میں بند ہو رہی ہیں  
واسے دوا کی ہندوستان کے .....“

مگر مولانا جی کے خط پڑھے تو دیکھو اور لکھو کی زبان کا مزہ آتا ہے اور کہیں کہیں تو  
عبارت، شعر، طبع جو طاق ہے کہ آدمی دنیا و مافیہا سے باطل ہے خبر ہو کہ گھٹوں مزا  
لیتا ہے۔ ایک خط ملاحظہ ہو:-

قبلا ام تسلیم

گو میرا علم غمہ نقاش کی ہماری کہ جس سے میں اس عجیب غریب  
مقام (یعنی نال) کی پوری تصویر کھینچ سکوں، تاہم محکمہ ایڈیٹریں  
کہ اس کو ششتر سے عزیزان وطن کو، جو میرے خط پر آنکھ لگتے  
بیٹھے ہوں گے، اپنے خوف و انتظار کا حوصلہ مل جائے گا۔

میں بے تکلف تسلیم کرتا ہوں کہ نئی نال ایک عجیب اور جرت گیر  
مقام ہے، لیکن اگر ”عجب“ اور ”عجب“ و ”فرقت“ نہ ہوتا تو  
جدا کا چیز میں، تو مجھ ایسے ایسی بیانی خیالی آدمی تہ یہ بند  
رکھنا محبت ہے کہ ”فرقت“ نہ بھی مان لوں گا، ہاں جو لوگ  
انگریزوں کی ہر ادب پر جان دیتے ہیں ان کا نہ بکاپو چھ۔

لکھا تھا، قابل ملاحظات کا ذکر تھا، جو دور زمانہ شروع جو دانی  
میں شمار کیا تھا، کیونکہ سر جی کی رہائی معلوم ہوا کہ اب بغایت اہمیت  
ابھی ہے، ملاحظہ حال پنکھ میں جب تک کہ بھائی فاضل حسین صاحب  
میاں بیگم ہیں، پانی بت میں ہوں گا۔ سلطان احمد خاں اور بیگم غایت  
کرناں آئے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس غایت اللہ کا ولایت جانا ٹھہر گیا  
ہے، ہنسی صاحب نے بدھنر رو پیر دینا قبول کر لیا ہے۔

تقریباً بیس سال دوسرے: ”فرقت“ کا بھی ہے اور اسی دوسرے میں ہر سید کے خط  
بھی جاتے ہیں۔ جس نے ہر سید کے شوق ایک مستقل اور مربوط مضمون میں یہ خیالی ظاہر  
کیسے کہ ہر سید کے شخص میں خوبانے اردو میں ساڈو نگاری کی طرح ڈالی اور فارسی  
ترکیوں اور سبے جانتا اوقات و شبہات سے اجتناب کیا جس نے ایک جگہ لکھا ہے۔  
”فرقت“ دیکھ کر کچھ کے ترجموں اور بیانیوں میں سادگی اور سلاست کی یقیناً کوشش  
کی گئی، لیکن اگر سید اس پر توجہ نہ فرماتے نہ فرما کر غلط فہمی ہو گئی ہے بہت دیر  
لگتی۔ دوسری جگہ لکھا ہے: ”ہندوستان اور غلامی“۔ ”دو زبان و ادب کے انقلاب میں  
نصرت“ تمنا اور نمایاں حصہ ہے، اور تعلیم اور طرز نگارش کی اصلاح: تبدیل  
میں اس کے بہت زیادہ ہاتھ ہے۔ اگرچہ دوسرے کہ شاید ان کے خطوط کے بارے میں  
میں اپنی اس رائے پر قائم نہ رہ سکوں گا۔ ”فرقت“ کا خوف ہے، میں کوئی پورا خط تو  
بہاں نقل نہیں کیا جاتا، مگر چند کڑے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ اس سے اس کے  
خطوط کی زبان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:-

”گو فرقت قرضہ لینے کو منہ نہیں کھولے گی اور نہ اجازت لینے کی ضرورت  
ہے کیونکہ میں میں شل پر جاؤں گے کی درخواست نہت میں صرف  
اس قدر لکھنا بوجہ اطلاع کے کافی ہوگا کہ جہاں جہاں ضرورت  
اور تبادلہ ہو جائے گا سفر ولایت کو میں غلامی شخص سے، حدود و پیر  
قرض لوں گا، کیونکہ ہر سید کی نصرت اور بر وقت پیویر نام سے  
اس ضلع سے قرض لینا خلافت نہ ان میں لکھنا یہ صورت ہوئی ہے  
جبکہ دوسرے قرض ہر سب علاقہ مائیں ہو، ورنہ میں کی بھی کچھ  
نہرت نہیں لکھ۔“

لے کہ نہت علی بلو دوم صفحہ ۲۰۲-۲۰۱ سے یہ مضمون غلامی (بنارس) بات تحریر ہے  
پر نشانہ ہو چکا ہے۔ کہ خطوط پر بغیر نام مضمون الیٰک دھوم

لے یہ کڑے مضمون سے۔ کہ کس نے لکھے ہیں

## ہرچہ ابد و دم غیسر تو نیست

اب حالات سنئے۔

کاٹ گودام ک دیل فتم ہوتی ہے اور پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے  
کاٹ گودام سے نئی نالی آئی ہے، مگر تمام راستہ قدرت الہی کی  
بزرگی و عظمت کا مرقع ہے۔ عرض میں پانچ چھ ہاتھ زمین بھٹی ہوئی ہے  
جس پر ستر چلتا ہے۔ باقی ایک طرف پہاڑی وہ ہیبت ناک دیوار  
ہے، جس کی طرف دیکھنے سے نگاہ کا پھانسی ہے، دوسری جانب  
نہایت عقیق ہوناک فاروں کا سلسلہ ہے اور اگر اس پہاڑ میں سخت  
سردی نہ ہوتی تو یہ خار بڑے بڑے آدرا اور مودی جاوڑوں کے  
دار السلطنت ہوتے مینی نالی جب تین میل رہ جاتا ہے، تو پہاڑ کی  
چڑھاٹی شروع ہوتی ہے۔ سطح زمین سے اس مقام کا ارتفاع تین میل  
سے کم نہیں ہے، اگر اس کی وجہ سے راہ نکالی ہے کہ بے اختیار  
اگر زبوں کی بہت برا زربا کی صدا بلند ہوتی ہے۔ آپ خود خیال  
کر سکتے ہیں، جو کوٹھا تین میل کا اونچا ہوگا، اس کے زینے کیسے بڑی چ  
اور دشوار گذار ہونگے، کوئی شخص کیا ہی ہے جس کا مستقل دل  
دکھتا ہو، یہاں پہنچ کر ممکن نہیں کہ برکت کے صدمے سے بچ سکے  
..... علیہ۔

نہ صرف مولانا کے خطوط میں، بلکہ اردو ادب میں بہترین خطوط وہ ہیں جو عظیمہ بیگم اور  
زہرہ بیگم لکھے گئے ہیں، ان کا مجموعہ خطوط شیلی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ شروع  
میں مولانا جبرائیل صاحب کے قلم سے ایک مہوط اور طویل مقدمہ ہے، ان خطوط کے متعلق  
مولانا کے موصوف لکھتے ہیں:-

..... علاوہ ان وجوہ کے، جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ میں  
مولانا شیلی کے ان خطوط کو جو انھوں نے زہرا بیگم صاحبہ اور عظیمہ بیگم صاحبہ  
کے نام لکھے ہیں، مکن محاط سے قابل قدر سمجھتا ہوں، ایک تو ان کا طرز بیان  
نہایت سادہ و بے تکلف اور دلچسپ ہے جہاں کی دوسری تعانیف  
اور رعایت میں نہیں پایا جاتا، دوسرے ان میں مولانا کے بعض ایسے  
خجالات پائے جاتے ہیں، جو ان کی تعانیف میں نظر نہیں آتے اور شاید

سچے تعجب غیج صدر اول صفحہ

کبھی لکھکر میں ان کا ذکر انھوں نے فرمایا۔ تیسرے ان خطوط سے محبت اور محسوس  
کی پوائی ہے، جو ان کے دوسرے رعایت میں نہیں ہے اور یہ ایک بہت  
بڑی وجہ ہے، ان کی دلچسپی اور عمدگی ہے۔

مولانا کے ایک اور تذکرہ نے حال ہی میں شرا لکھ کر متعلق یہ فرمایا  
ہے کہ وہ واقعات کی کھنڈی نہیں جس کی دستان ہے۔  
گویا واقعات شامی پر کچھ اثر ہی نہیں رکھتے حقیقت یہ ہے کہ شرا لکھ  
واقعات کی کھنڈی بھی ہے اور حسن عشق کی داستان بھی، لیکن اگر وہ ان  
خطوط کو دیکھتے (اور اگر دیکھا ہے تو خود نہیں فرمایا) کہ حسن انسان کا تقوا  
ان کے ذہن میں تھا، وہ شرا لکھ میں نہیں، ان خطوط میں ہے۔ اس  
کتاب میں مولانا نے دوسروں کے جذبات سے ایک دست گل تیار کیا ہے  
اور یہاں اپنے دلی جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ نقل ہے اور یہ اصل  
و وہ ملک مین اور یہ آپ مین اور ظاہر ہے کہ آپ مین میں جو مزمزہ ہے  
وہ جگہ مین میں کہاں.....

..... ان خطوط میں جیسا کہ میں شروع میں لکھ چکا ہوں، محبت اور  
خلوص کی پوائی ہے، اس سے قبل مولانا کے رعایت کی دو جلدیں شائع  
ہو چکی ہیں، لیکن وہ اس داستان سے خالی ہیں۔ محبت کے دلوے اور  
راز و نیاز کی سرگوشیوں کا طغیان تھا، تو ان رعایت کو پڑھنا چاہئے  
یہ وہ جواہر پرزے ہیں جو ہمارے ادیبوں اور دانشوراؤں کے کلام  
میں شکل سے طبع گے اور اگر یہ تو انفرضی اور بناؤنی یا پائے تزیین  
سے گرسے ہوئے.....

نذر کردہ بالا وجوہ و اسباب ہیں، جنکی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ مولانا شیلی کے خطوط نہ صرف منفرد  
مکتوب نویسی میں بلکہ پورے اردو لٹریچر میں بہت بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ پروفیسر  
احقشام حسین صاحب فتویٰ نے اپنے ایک خط میں جسے حقیقت میں عقلموں کا چاہئے،  
اردو کے مہربانہ خطوط پر افسانہ تبصرہ کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”اردو کے بہت سے مجموعے شائع ہوئے ہیں اور ابھی بہت سے شائع  
ہونگے کیونکہ ترقی اس زبان کی فطرت میں ہے۔ وقت بھی جو خطوط  
ہمارے سامنے ہیں، ان میں ہر طرح کے خطوط مل سکتے ہیں، اگر کسی کو  
فادری کے قدیم طرز کے نمونے دیکھنے کا شوق ہو تو غلام غوث بیخبر اور  
غلام امام شہید کے خطوط دیکھ لے، اگر کوئی خط کا صحیح مفہوم ماننا چاہتا ہے

# ماہی گیر

برصفت کس لئے خیال کروں؟

میں نے اس کی طرف نظر نہ دیکھتے ہوئے کہا: ”تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کبھی  
ضعیف العری نے تمہارے دماغ میں غفلت پیدا نہیں کر دیا۔ تم اپنے کو خوش قسمت خیال  
کر رہے ہو۔“ حالانکہ تمہارے پاؤں محروم پاؤں تھے تمہارے جسم پر چند پرٹے ہیں مگر  
دریدہ و فرمودہ؟

بڑے ماہی گیر نے جواب دیا: ”اگر لذت نفس اور راحت و آرام کا نام  
خوش قسمتی ہے اور سچ و کفایت کا نام بدقسمتی — تو میرے خوش قسمت ہونے  
میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ میرے لئے اس دریدہ لباس اور سخت کمزور و سادہ جات میں  
سے کوئی چیز اذیت دساں نہیں ہے۔ مجھے دنیا میں کسی بات کا لالچ و لال نہیں ہے۔ اگر  
خوش قسمتی کا یہ معیار غلط ہے تو جب تک یہ میرے فحش و ادرار کے لیے اور بالاسے“

میں نے کہا: ”کیا دوسرا کی شان و شوکت، مال و دولت، نظر زیبائے زوہد  
و کفن محلات، ان کے ملازمین، بہترین سواروں، انواع و اقسام کے خوش ذائقہ کھانوں  
کو دیکھ کر تیرا دل گوارہ و خون و لباس میں بن جاتا، کیا اپنی اداؤں کی کیفیت و حالت  
کا تقابل و تقاضا حسرت و اندوہ کی غلیظ نہیں کرتا؟“

اُس نے جواب دیا: ”معاف فرمائیے! میری نظریں ان چیزوں کی کوئی وقعت  
نہیں، میں امر اور دوسرے پاس فحش و تنم کے تمام سامان ہونے ہونے بھی اپنے کو  
ان سے زیادہ خوش نصیب سمجھتا ہوں اور میرا یہی احساس ہے جس نے ان تمام چیزوں  
کو میری نظریں سے بچ بنا دیا ہے۔“ خوش ذائقہ کھانوں کا مقصود و مطلب اگر  
شکر میری ہے تو جان تک مجھے بادبے میں کبھی نشہ و رگڑ نہیں ہوا ہوں —  
اگر آپ کا مطلب لذت نفس یا زبان کا چٹخا رہے ہو مجھے یہ بھی معلوم ہے۔ کیونکہ میں  
کھانے کو اس وقت ہاتھ لگاؤں جب مجھے خوب بھوک لگتی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس  
وقت مجھے کھانا جس قدر لذت معلوم ہوتا ہے، امر اس کو اس سے زیادہ لذت معلوم ہوتا  
ہوگا — رہا امر کے فلک و بس اور خوبصورت محلات کا معاملہ — تو میری  
نظریں ان کی بھی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ میرے دلی میں کبھی بدحمت و فحش نہیں پیدا  
نہیں ہوتی کہ میری طبیعت میں ایک عالیشان محل جوتہ میں ایک کمرے میں سے بھر جائے

میرے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک روز صبح کے وقت میں اپنے مکان میں  
بیٹھا ہوا تھا کہ چاک ایک ماہی گیر آیا۔ اس کے لاندے پر ایک جال پڑا ہوا تھا اور جال میں  
ایک نوکرنا رہیں۔ اُس نے مجھ سے سانسے پیش کی۔ میں نے اس سے قیمت  
دریافت کی اور پھر کسی رد و دفع سے اس کی بیان کردہ قیمت ادا کر کے پھیل فریلا۔ اس نے  
میری طرف یہ نگاہ تشکر دیکھا اور خوش ہو کر کہنے لگا: — ”یہ بھلا اتفاق ہے کہ میرے  
حسب نشت قیمت باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، جس شخص ملوک کی جزائے فیض عطا فرمائے اور چاہا  
کہ آپ دولت و ثروت کے اعتبار سے خوش قسمت ہیں خداوند قدوس حقیقتاً آپ کو  
خوش قسمت بنائے۔“

مجھے یہ دعائیں بہت سرت ہوتی اور میں نے یہ تمنا کی کہ کاش رب اکبر اس کی  
دُعا کو صرف قبولیت عطا کرے کہ باب اجابت واکر دے لیکن میرے لئے یہ امر باعث  
حیرت و استعجاب تھا کہ اس کم سن سال بڑے کو اس حقیقت کا علم کس طرح ہو گیا جس کا  
علم مخصوص معجزات کو بھی شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ یعنی انسان کی خوش قسمتی کا  
انحصار دولت و ثروت پر نہیں بلکہ کسی دوسری ہی چیز پر ہے۔ میں نے اس سے دریافت  
کیا۔

”کیوں بڑے! کیا تم دولت مندی و برقعہ النحالی کو خوش قسمتی کا میناؤ نہیں  
سمجھتے؟“

اس کے چہرے پر ایک پرسکون اور آفرین ہنسنہ رقصاں نظر آنے لگا، اُس نے  
پورے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا: —

”میں اگر دو تین صدی پر خوش قسمتی کا، تمھارا جتنا توشا یہ آج دنیا میں مجھ سے زیادہ  
برکت کھاتی نہ ہوتا کہ میں بہت زیادہ نادار و خشن ہوں۔“

میں نے سوال کیا: —

”کیا تم خود کو خوش قسمت سمجھتے ہو؟“

”کیوں نہیں! میری موجودہ آمدنی میرے لئے کافی ہے اور میری زندگی کی موجودہ  
حالت میرے لئے سرت کش ہے، نہ تو میں کئی غلٹ و غمت اور راحت و آرام کے عدم  
مصلحت کی وجہ سے لول و غلب ہوں اور نہ کسی فاقہ و مصیبت کا تمنی و اندوہ، پھر میں غلط

مالک ہوں چہری بوی باد پکوں کے لئے کافی ہے اور میں کسی میں سرور و ملین ہوں  
 اگر آپ حسین و دلفریب مناظر سے حصول کثرت فرمادی گئے ہیں تو انھیں اس  
 بجھے نعمت بھی حاصل ہے جب میں آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اپنا جلال کا رخسے پر  
 ڈال کر سوئے دیا دوا ہوتا ہوں تو بانی کی دلکش روانی، حسین سبز زار و سرخ روئی  
 سپید و گہرے لے کثرت آفریں ہوتے ہیں جب بختاب گوشتہ مشرق سے ایک نور سونے  
 کی خال یا شکر آئین کی صمدت میں نقاب کشائی کرنا ہے اور اس کی ندیں ضایع  
 سطح آب پر جلوہ دار ہوتی ہیں تو اس وقت میری وجدانی کیفیات کا حال کچھ نہ پوچھئے،  
 لطیف احساسات و جذبات کی دنیاس پہنچ کر میری حالت اس شخص کی طرح ہو جاتی ہے  
 جو کسی حسین خراب سے لطف اندوز ہو رہا ہو کہ اس خراب کی مدت حیات قیامت سے  
 بھی زیادہ ہو۔ میری اس خود فرعونانہ کیفیت میں جب کوئی پھل جال میں  
 پھنس جاتی ہے تو جال کو ایک زبردست جھٹکا لگنے کی وجہ سے میں چونک پڑتا ہوں  
 مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ایک پھل جال میں اپنی اسارت کے باعث مضطرب و بے چین  
 ہے۔ آج وہ کیوں مضطرب ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ اسکی  
 آزادی و مطلق العنانی ختم ہو گئی اور زیرِ آب ہونے کے باوجود ایک ایسی مگر متعبد  
 محسوس ہے جہاں وہ حسبِ تشاؤ و تششع و رفتن سے محروم ہے۔ بس میں  
 تو ابھی مضطرب کی اس موجودہ حالت اور متعبد ہونے سے قبل کی حالت کو غلطی اور

ایسی ہی سمجھتا ہوں۔  
 ایک اٹلاس زندہ بھکاری کو جب فشار آمدورفت میں کوئی چیز مانع نہیں گئی  
 وہ جہاں چاہے آجا سکتا ہے۔ گویا وہ ایک ایسا آئندہ کو پہنچے جس کو ایسی جگہ  
 پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی جہاں وہ آزادی سے کھائی کے اور اطمینان  
 سے نذر مرائی کر سکے۔ آفریوں ۹۔ اس لئے کہ لوگوں کی توہم، اپنی  
 طرف منطقت کرنے کے لئے اس میں کوئی کشش و جاذبیت نہیں ہے پھر لوگوں کو  
 اسکی عقل و حرکت سے کیا فائدہ۔ وہ جہاں چاہے آتا پھرے۔ لیکن تصویر کا  
 دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے کہ ایک دو لقمہ مالدار شخص جس کو ایک معمولی سی جنبش  
 بھی لوگوں کے لئے جاذب و توجہ برتی ہے وہ اس وقت تک مکان سے باہر قدم  
 نہیں نکال سکتا جب تک وہ آئینہ کے دور و گرد نظر ہو کر ہنساؤ نہلاؤ نہ کرے۔ لیکن  
 اس کے باوجود جب وہ اپنے خیال میں خود کو لوگوں کی نگاہ انگشت کے قابل  
 بنانے کے بعد مکان سے باہر نکلتا ہے تب بھی اسے اپنے عمل و حرکت میں اتنا ہی ہیر  
 نہیں ہوتی جہر وقت پر خیالی سامنے رہتا ہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے

بزدلش پر برا اثر پڑے اور یہی خیال اس کو فطرت کے دلکش مناظر سے لطف اندوز  
 ہونے سے مجبور رکھتا ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب میری حب فطرت جال میں پھیلیاں پھینکتی  
 ہیں تو میں دیا واپس آکر ان کو بازار میں یا مکان پر فروخت کر ڈالتا ہوں اور شام  
 تک اپنے گھر واپس آ جاتا ہوں۔ مجھے دیکھ کر میرے بچہ کو بے انتہا سرت ہوتی ہے۔  
 وہ مجھ سے پٹ جاتا ہے میری بوی مجھے دیکھ کر بارغ بارغ ہو جاتی ہے۔ فطرت فحش  
 سے اس کا چہرہ نکلتے نکلتا ہے۔ اس طرح حصول لذت کے بعد جب میں اپنے اہل و  
 عیال کا حق ادا کر دیتا ہوں تو ناز و فخر و زانی خفیف کا شکر کھاتا ہوں۔ اب میری  
 لئے آرام ہی آرام ہے۔ مجھے آرام سے پاؤں پھلا کر سونے میں اب کوئی چیز مانع  
 نہیں ہوتی۔ یہ سمجھ ہے کہ میں مال و دولت اور شان و شوکت سے محروم  
 ہوں۔ نہ برسے پاس قابِل ہے اور نہ گرم و نرم بستری۔ لیکن مجھے اطمینان قلب  
 کے لئے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں اور جب مجھے اطمینان قلب حاصل ہے تو  
 میں خود کو بد نصیب خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتا۔

مجھ میں اور ایک مالدار میں صرف اتنا ہی تفاوت ہے کہ لوگ مجھے دیکھ کر میری  
 تعظیم و کرم کے لئے سر و قد کو بھڑکاتے۔ اُن کی نظر میں میری کوئی عزت و وقت نہیں  
 ہے لیکن اس تعظیم و کرم اور عزت و وقت کو میں قطعاً بے قیمت اور لا مال سمجھتا  
 ہوں مجھے اس کی چنداں پروا نہیں ہے۔ میں لوگوں کے معاملات و افعال میں شریک نہ  
 نہیں کرتا۔ میری طرف سے خواہ وہ بیٹھے ہیں یا کھڑے ہو جائیں، ہوا میں پروا نہ کریں  
 یا دریا میں غوطہ زن ہوں۔ مجھے اس سے کیا مطلب۔ میرے نزدیک ان  
 زندہ انسانوں کی وقعت ایک کٹھن پتلی سے زیادہ نہیں ہے۔

میں صرف ایک خدا کا پرستار ہوں، اسی کی وحدانیت کا قائل ہوں۔ وہی  
 مجھے دوزی دیتا ہے اور اسی کی میں عبادت کرتا ہوں۔ صرف وہی میرا مہود ہے  
 مجھے اس کے علاوہ کسی اور کی روبرویت براعتقاد نہیں ہے اور میرا یہ اعتقاد اس قدر  
 راسخ و بخوبی ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی خزل کا امکان نہیں۔ اس استحکام اعتقاد کے  
 بعد کسی شخص کی غفلت و اداست میرے دل میں کیا جگہ کر سکتی ہے۔  
 اگر میں ایک تہشاہ کو اپنی پوری شان و شوکت، جاہ و جلال اور مہربانی جھڑکی  
 قوت کے ساتھ دیکھوں تو اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا اس کا بدیہ و جلال مجھے  
 متاثرہ کر سکے گا، کیونکہ میں اُس کو ایک ٹھیکرے کا بادشاہ سے زیادہ ذلیل نہیں سمجھتا۔  
 میرا یہ تعین، رنج و اہم میرے لئے تسلی بخش ہوتا ہے۔ جب میں

حوادث روزگار سے دوچار جوانوں اور کسی آفت و مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہوں تو یہی یقین میرے لئے طمانیت قلب بن جاتا ہے اور بار مصائب کو ہٹا کر دیتا ہے، بھلا میں مصائب سے کوئی کچھ گھبرا سکتا ہوں جب کہ مجھے کوئی معلوم ہے کہ جو کچھ خدا پر میں ہے وہ ضرور سامنے آکر رہے گا۔ مقدسے گریزا ممکن ہے اور اس کا بھی کوئی علم ہے کہ تکالیف و مصائب کے وقت جس قدر صبر و تحمل سے کام لوں گا اتنی ہی مستویب اور ہوگا۔

میری نظر میں دنیاوی جاہ و جلال کی کوئی قیمت نہیں۔ میں دُنیا کا ایک حقیر و ذلیل شے سمجھتا ہوں کیونکہ میں عذاب و ثواب و غیرہ اور دوزخ و قیامت پر ایمان رکھتا ہوں۔ نہ تو کوئی نعمت میرے لئے باعثِ مسرت ہوتی ہے اور نہ کوئی مصیبت باعثِ اہم۔ دُنیا کی کوئی بھی کیفیت و حالت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ ہر چیز کا دار و مدار جاتِ برے اور حیات کی ایک منقطع نظر سارے سے زیادہ وقت نہیں ہے۔

مرد جب حال لیکر دیا کہ طرہ روانہ ہوتا ہوں تو اس سے قطعاً بے خبر کہ جس  
اپنے کا ندے پر پھیلان لاکر لاؤنگھا۔ یا لوگ میرا خزانہ اپنے کا ندے پر لاؤنگھا  
لوگوں کو دیکھنے کے جوڑ خدایں میرے ذوالی پھیلوں کی طرح کھجے اور موت کو  
ایک ہی گہر۔ جو ہر وقت دام بردوش پھرتا رہتا ہے اور جس پھیل کو چاہتا ہے  
اپنے مضبوط پنجوں سے محروم لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نہیں کھڑا لیکن یہ نہ سمجھے  
کہ جس پھیل کو اس نے چھوڑ دیا ہے اس پر بابت حفظ و اہو کیسے۔ نہیں۔  
بلکہ ایک نہ ایک اسکی مضبوط گرفت میں اسے ضرور جھنڈا پڑیگا۔ اس سے دامن کشی ممکن  
نہیں ہے۔ پھر میں دنیا کی اس ثروت خانی پر اتر کر رش رشک و حدیں میں کوں جلوں۔ میں  
سخو بی جانتا ہوں کہ اس کا دار اور اسے میں چند روز کا زمانا ہوں آج میں تو کل  
کھجے خبر کا دیکھنا لازمی و ضروری ہے۔

بہرے دوست نے بیان کیا کہ ابھی گھر کی اس گفتگو نے اُس کی دفت و عورت  
بہرے دل جس ماگوں کو دی اوج اس کی دکاوت مع پر تجوہ گیا، بلکہ حقیقت ذیہ  
جسے کہ اول اس کی خوش بختی پر شک کرنے لگا۔

میں نے اس سے کہا کہ اگر اس کا یہ کہیں نے خوش فہمی کے عدم حصول کے باعث شک کیا  
 دیکھا کہ وہ بہترین حکیم کے باوجود اس سے کوئی دوسری دوا مان رہے ہیں، البتہ اس نے  
 اپنی تمام ملامتیں یہ نہ تو ان کے لیے کہ جانتا تھا کہ وہ دیکھنے کے لیے ضروری ہیں۔

ہا ہی گریٹے جو بادیہ: ”نہیں! دوست نہیں ہے۔ انسان فطری طور پر خوش قسمت و نافع ہوا ہے۔ لیکن وہ خود اسے بے کفایتی میں تبدیل کر دیتا ہے، کیونکہ

ثروت و ثلوت کی طرح اس پر کچھ اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ اپنی کیفیت پر وجود پر ہر وقت شامل و غلبین رہتا ہے۔ وہ اپنی کوٹاہ فہمی سے یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ کسی ہر خداداد کا درجہ مکمل تک پہنچنا اس کا پیدائشی حق ہے، یہی درجہ ہے کہ آگست آرزو تخلیق الم کا درجہ بن جاتی ہے اور وہ شاکی و غمگین نظر آئے لگتا ہے۔ — ایسے ہی جب اس کی دولت کو نقصان پہنچتا ہے یا اولاد ضائع ہو جاتی ہے تو اُس کی آنکھیں آنکھ دوزخ جاتی ہیں اور ان کی سمور فریاد —

اس کی وہ ایک ہے اور صرف ایک۔ کہ یہ سمجھ سکی تو غرور و امید سے محلات  
خلو پذیر ہو جائے۔ لیکن اگر اس کو امتداد سے متین ہو کہ غرور و تسلط انسان کی  
ہر ایک سے اس کے پاس ایک معین وقت کے لئے عارضہ ہے تو کوئی بھی نقصان اس کے  
دل میں باقی نہ رہے۔ آخر بیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو سمجھ کر غرور پذیر ہو وہ اس کے  
سطح سے متحرک نہ ہو سکتا۔ انسان کی یہ ایک بڑی کمزوری ہے کہ وہ اپنے دل کو غلط امیدوں  
کو آوارہ بنالیتا ہے اور جب وہ اپنی امیدوں کو رنڈ کو شکست کا پتہ سمجھتا ہے تو فریادیں  
بن جاتے ہیں۔

انسان خود اکثر معائب کا خان ہے، کیونکہ بہت سے معائب اپنی اندرونی برائیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، وہ اصل اور دائمی نہیں ہوتے۔ — اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ایسا شخص جس کی طبیعت حاسدانہ واقع ہوئی ہے وہ جب کسی خوش قسمت انسان کو دیکھتا ہے تو اس کا دل ٹمکین ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک کینہ فزاؤں کو جو رنجی انتقام خیز ہو رہا ہے، اور ایک طرحی دلعاز کو شکست امید رنجیدہ و دلول، ایک شراب خور کو افادہ شراب مضطرب اور ایک بے رحم و ظالم کو بدعا و مظلوم بے چین — یہی کیفیت کاذب، چغلی خور اور دیگر گناہگاروں کی ہے۔ جن کامیابیوں و عیال شغلیوں کے باعث مصیبت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ کوئی شخص خوش قسمتی اور بخت خفیقی کا طالب ہے تو وہ اپنے نفس مارہ میں اس دولت کی جستجو کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ بے نصیب خواہ آسمان و زمین کے تمام خزانوں کی اس کی نگاہ کیوں نہ ہو۔

اسی گیر کہ کہ کر غاوش ہو گیا اور اپنا عصا ایک کڑھکڑا ہوا اور چنے ہوئے  
 کئے لگا۔

”اچھا میرے عزیز! خدا حافظ — میں اپنی پندیرہ دوا آپ کے بھی کرنا ہوں  
 کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنتی شربت و خوش نصیبی عطا فرمائے“  
 (نامور صریح صفت مصطفیٰ الطہی نقولہ) مزبور — امتیازی نسخہ

# آجکل

برہم مزاج عالم اسکاں ہے آجکل  
یہ انتہائے گردش دوراں ہے آجکل  
موجِ نظر حقیقت نہاں ہے آجکل  
شورشِ کجیات کی آوِ برشیں نہ پوچھ  
مطرب سے کمدِ نعمت وئے کو کرے ودارع  
برواؤں کے لئے ہے روِ رقص و وجد بند  
آسودگی کے جس میں نظر آئے تھے خواب  
دنیا کو جو حیات و غیرت کی تھی امین  
تاراجِ التلاّب ہوئی دولت بہار  
لبستِ گلی غنچہ پہ کیسا غور کیجئے  
وہ خالداں جو دے تھی جس میں تیر کی  
انساں کی وہ نگاہ جو دریاں در دہی  
کانٹوں کے سر میں خون کی بارش سولا گوں  
ہر غنچہ سہم ناک، ہر اک پھول سینہ جاک  
مستی، جو اپنے دامن خالی پہی اُداس  
قوموں کی زندگی کا ہے مشرق میں اہتمام  
شاید کہ بزمِ حشر ابھی منعقد نہ ہو  
از بسکہ ابتلا و حوادث ہیں جانگداز  
دیکھو خود ہی بنادیا انسان کو خدا  
دشوار زندگی کا ہوا ہے مسلط

جو مطمئن ہے وہ بھی پریشاں ہے آجکل  
انساں کا خون خاک سے اڑاں ہے آجکل  
انساں ہلاکِ جلوہ انساں ہے آجکل  
دل سے دماغ دست و گریباں ہے آجکل  
دورِ شید سازِ رگ جاں ہے آجکل  
بے کیف و بے فروغ شبِ تار ہے آجکل  
وہ نیند جو دہی خواب پریشاں ہے آجکل  
باز پچھ ضمیرِ فروشاں ہے آجکل  
کانٹوں پہ کار و بارِ گلستاں ہے آجکل  
سارا چمن ہی سرِ بگریباں ہے آجکل  
پھر خونِ آدمی سے فروزاں ہے آجکل  
پروردگارِ نشتر و پیکان ہے آجکل  
رنگیں بساطِ دشت و بیاباں ہے آجکل  
کس کو دماغِ سیرِ گلستاں ہے آجکل  
اتنا تو ہے کہ خاکِ بداماں ہے آجکل  
روشن چراغِ خانہٴ دہشتاں ہے آجکل  
عالم خود ایک حشرِ خیراں ہے آجکل  
خود موتِ زندگی کی نگہاں ہے آجکل  
فطرتِ خود اپنے دل میں شہاں ہے آجکل  
تو داعیِ قریبِ رگِ جاں ہے آجکل

تاریخِ عصرِ یادِ کریگی تمام عمر  
سیلابِ جس ادا کو غزلخواں ہوا آجکل  
سیلابِ کبرِ آبادی

# کیا اقبال کا پیام کوئی نیا پیام ہے؟

نشر ہو کر ۱۹۲۵ء میں ختم ہوا ہے۔

ہم ڈاکٹر اقبال کے پہلے دور کے کام کو "ادب برائے ادب" اور دوسرے دور کے کام کو "ادب برائے زندگی" سے تعبیر کریں گے۔ "ادب برائے ادب" سے ہماری مراد جمالیاتی یا (AESTHATIC) شاعری اور "ادب برائے زندگی" سے جمالیاتی یا (BIOLOGICAL) شاعری ہے۔

ہم نے پہلے دور کی شاعری کا نام "ادب برائے ادب" اور دوسرے دور کی شاعری کا نام "ادب برائے زندگی" اس لئے تجویز کیا ہے کہ اقبال کی شاعری کا پہلا دور جمہوریت اور پیروانہ مروجات سے بھرپور ہے۔ اس دور کی شاعری کا رنگ بالکل وہی ہے جو متقدمین کا طرز امتیاز تھا۔ لیکن دوسرے دور کی شاعری بزم خود اک مرد خود کا گاہ کے بعبرت افزو پیغام کی حامل ہے۔

"ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" میں کون کس پر اہدیکوں مروج ہے۔ ہم اس سے بحث نہ کریں گے۔ البتہ شاید یہ تبادیل میں متبادل نہیں کہ ہم شاعری کو ہر قسم کے بند موصفت اور تعقیق و اجتہاد سے بے گناہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک شاعر کا دورہ فلسفی، مجتہد اور حکیم سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ ہمارے ہاں شاعری نام سے ترنم الفاظ کے ایک ایسے دلکش مجموعہ کا جو جمالیاتی خدشات کی مکمل تصویر جو اوج قلب و روح میں ہیجان و بیخ پیدا کر دے۔ ہمارے ہاں شاعری کی کوئی منزل ہے اور نہ شاعر کا کوئی پروگرام۔ ہمارا شعار "دیوانہ باش تا فرم تو دیگراں خود نہ" اور ہماری شاعری گریباں بھارت ہے تنگ جب دیوانہ آئے ہے" کے معنی صدق ہیں ہمارا شعار گلاب کے بھولوں کو دیکھ کر ان کی لطافت، پاکیزگی، دلچسپی اور نیک آفرینی سے متکین ہوتا ہے۔ جھوٹا ہے، گھٹا ہے، کھٹکا ہے کہ ہمارے ادب پر کچھ مروج کر دھنے لگا ہے۔ وہ یہ نہیں ہو جاتا کہ ان بھولوں کے دل میں کتنی تیار ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ کائنات و مافوق فطرت کا شاعر ہے۔ فلسفیانہ اور انتہائی نیکانہ شاعر اور شاعر محض کی حیثیت سے۔

آئیے دیکھیں کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کا یہ دور کتنا بڑا ہے

اس موضوع پر کچھ اظہار خیال کرنے سے قبل یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے کام کی شریک میں معرفت ہوں اور اس حیثیت سے کہ انھیں اظہار خیال پر قدرت تام اور دست گاہ کامل حاصل تھی۔ مجھے انکی فیلم و تصویر سے بھی انکار نہیں، لیکن میں کبھی بھی یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ ہمارے مفکر، عظیم حکم شرق، فلسفی، مجتہد العصر اور محقق تھی کبھی تھے۔ ان کے مفکرانہ، نبوغ و ابتکار کا میں قائل نہیں البتہ وہ شاعر تھے اور شاعر محض ان کے بیان میں غنودت اور انداز بیان میں زور تھا اور کافی۔

عصر حاضر کے ایک مروجہ معیار یہ قول کہ اقبالیات کے سلسلے میں گذشتہ چند سالوں میں جتنا جھوٹ بولا گیا ہے، شاید کئی صدیوں میں نہ بولا گیا ہو گا۔ نقطہ نقطہ معلوم ہوتا ہے مرحوم کی سانی کو انامیوں اور منافقوں، افکار و نظاد و احباب سے قطع نظر میں اس مختصر مقالہ میں (یوم اقبال) میں اس مقالہ کے پڑھنے کے لئے صرف دس منٹ دیئے گئے تھے۔ یہ بتا دینا کہ ڈاکٹر اقبال میدان شاعری میں ہم عمر اپنے پیشروؤں کی تقلید کرتے رہے اور انما زبان کے علاوہ ان کا ہم سراہے فکر شاعر ہے۔ اکابر شاعر و نظریں کے کام اور اقوال سے۔

(۱۹۲۵ء)

اقبالیات کو بڑی آسانی سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ جس میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک کا کام مدون ہے اور دوسرا وہ جو ۱۹۲۷ء کو

۱۔ مرحوم کو اس پر ۱۸ اعتراضات تھے جناب جس بگڑی سابق مدیر مرتبہ "کھنوکے ایک خط کے جواب میں جو بری نظر سے گذر چاہے مرحوم نے اپنی ہی کو دوری کا اعلان کیا ہے۔

۲۔ مرحوم کے نظریات جن میں جو منافقوں و نظاد بیا جاتا ہے اس کی مثال شاید دنیا کا کوئی مجتہد ادیب جس پیش کرتا ہے انھیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مرحوم کا ہم کام پڑھ جانے کے بعد نہ اڑھ لگا کہ وہ کیا تعلیم دینا چاہتے ہیں مجبوراً ہے۔ انرا اثر کسی قسمت میں ہی نھوں میں اظہار خیال کر دینا چاہتا ہوں۔

خوشتر



دیارِ حرمِ لیا ہے۔ یہ دعویٰ ہے کہ میں نے بڑی مددک پہنچا بھی ہے۔ غالب کی شاعری مگر  
نفرانِ ادبِ اقبال کی کائنات شری سرنا مصلحا نہ ہے۔ اقبال کی غزلیات کا مغرور ادبِ رنگ  
موجود زبانِ حال کسما ہے کہ انھیں غالب کے کہہ کی ہوا بھی نہیں آتی اور شاید ہی دعبہ  
کہ بہت جلد نفل کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ غالب ادبِ اقبال کے نفل میں  
کیا فرق ہے مگر جواب اپنے ذوق سے طلب کیجئے۔ اقبال کے نفل کے شاید آپ بھی قائل  
نہ ہونگے۔ اس لئے کہ شاید آپ کو "لے حقیقتِ نفل" والی غزل کے جذبات اور جوہر کو  
کسی دوسری غزل کا ایک ہی شعر یاد نہ ہوگا اور یاد بھی کیوں رہتا۔ بعض خوش عقیدہ  
حضرات ان کے نفل کو حکمانہ شاعری سے مبرا کہتے ہیں۔ چونکہ دوسرے کے نفل پر بھی  
حکمانہ شاعری کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ہم جس کے کچھ شریک نہیں کہے آپ سے پوچھنا  
چاہتے ہیں کہ کیا اقبال کے یہاں اس مکت کا نہیں پڑتا ہے؟  
جلوہ افروز کی رنگ کے لئے نئے نوٹن ہوا  
میں بھی ہوش میں آیا تو وہ بہوش ہوا  
غزل پر کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا  
میری طرف سے ہر قسم وہ غلام دیکھنا

دعویٰ فک ادب سے حال پر تو نے کو مے آد کیا  
اس سے بڑی خوش کو نہ دیکھے کوئی مجھ کو مری شرم کے رسو کیا  
نفل کا بھی میار کیا ہے، یہ معلوم کرنے کے لئے اقبال کے بعض ہمعصر شاعر کے دو  
ایک شعر سن لیجئے۔

ریاض ہے  
اچھا تو کسی شاید مرا ٹوٹا ہوا دل جو کوئی نے جرم میں نہیں معلوم ہوتی ہے  
حریت ہے  
شکوہِ جودِ تقاضا سے کم۔ عرضِ وفا تم جو مل جاؤ کہیں ہم کو تو کیا کیا نہ کریں

سبب ہے  
یکس کا غزل میں آگاہیاں میں گلستان میں  
قیامت چھٹی پھرتی ہے گلشن کے چالہ میں میں

غالب کھڑی ہے  
یہ جو غزل میں میں کچھ آیا تو بھی خوش رہے پھر نہ دلالت لائے کا  
مستور ہے  
میں مکت میں میں کچھ آیا تو بھی خوش رہے پھر نہ دلالت لائے کا

آپ کو شاید یوں نہ گرجت ہوگی کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کا یہ قدیم بے حد نامور ہے۔ یہاں  
ان کا رنگ کلام بہت جلد متغیر ہو گیا ہے۔ ان کی تون "راجی کی یہ کیفیت ہے کہ ان کی  
اس دھڑکی شاعری سے یہ اندازہ لگنا کہ کس پایہ کے شاعر کے نام سے نام لیا ہے۔ اس  
دور کی نامور شاعری کی اور تعلیم کی نظر آتی ہے، رنگ کلام کا جلد جلد بدلنا ہی ان کی غلامانہ  
ذہنیت کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ ان کی شاعری کا دوسرا دور بھی جسے ہم نے "ادب  
برائے زندگی" سے تعبیر کیا ہے مگر غلامانہ ہے اور وہ تمام نظریات جن کو ان کی شاعری  
کا حال کتا چاہتے متغیر نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال کو حکمِ شرق مجتہد العصر اور مفکرِ عظیم کا خطاب دینے والے اور ان پر  
"پہنچری کہ دو ہر نواں گفت" کی نعت لگانے والے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ  
وہ غلام نہیں تھے۔ ہاں انھوں نے ان نظریات کو جنھیں ہم مستعار کہہ چکے ہیں  
مشہور کے ساتھ اور اس انداز میں پیش کیا ہے کہ عوام کو کیا خاص بھی یہ محسوس کرنے  
گئے ہیں کہ سب کچھ انھیں کا ساتھ پڑا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی گری سخن اور ذوق کلام  
مطلو اور ان کا شاعرانہ آرت متحقق ہے۔ ان کا شاعرانہ آرت انھیں آدھی نہیں بلکہ  
دنیا کی ہر زبان کے شاعر سے میر کو شکستے ادیبہ ایک کمال ہے جو انھیں مشاعرِ عظیم  
کے لقب کا کسی مددک اہل بنا دیتا ہے۔ لیکن کس قدر انوس کی بات ہے کہ ان پر بنا  
انھیں وہ سب کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ وہ نہیں ہیں مگر اصل کمال اور جوہر کا  
ذکر بھول کر بھی نہیں کرتے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اقبال زبردست آرت تھا یا اس کا  
مگر شری مری کہ نقیب نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھئے ان کی غلامانہ شاعری میں کتنی ہے  
اور کتنی جانتی مگر نہیں مکت میں اور نہیں شاید جانتا انکا آرت اور ان کے کلام کا  
بے پناہ زور۔

آجے اب ہم دیکھیں کہ ان کی شاعری میں تعلیمی عنصر کو کس مددک دخل ہے  
اور وہ اپنے پڑھوں سے کس مددک متاثر ہے۔ یہ تعلیم کتنی بڑی عادت ہے  
انھیں کی زبان سے نکلے ہے

تعلیم کی روش سے وہ بہت ہے خود کشی  
رہ بھی تو دھڑکنے کا اور بھی چمڑے

اور اس لئے مولیٰ نے فرمایا ہے

آں سخن ہر جگہ یہ حق ہے  
آں غلام ہر جگہ یہ حق ہے

ایک دھڑکے سے میں آگاہیاں میں گلستان میں  
قیامت چھٹی پھرتی ہے گلشن کے چالہ میں میں

نہا اور چلے اقبال اس کو جسے بھی مایہ خراں اختیار کر رہے ہیں، اب ان کی شاعری  
 اگر کے دامن میں نہا رہی ہے۔ آپ جیسے بعض حضرات کو یہ سن کر حیرت ہوگی  
 کہ اقبال گری بچپن کے ساتھ لکھتے تھے اور طرز رنگ میں چمک رہے ہیں۔  
 ”بگبگ در آفتاب“ اور اقبال کے طریقہ نگاہات پر جو کتاب کے آخری صفحات  
 پر درج ہیں ایک نظر ڈال جائے۔ گویا نہ لکھتے کہتے ہیں، اس کی بہترین مثال  
 آپ کو اقبال کے اس قصہ کلام میں ملے گی۔ اگر کے مقابل میں اقبال کی لسانی کا سب  
 بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہم جس سے بہت کم گون گون کا اس بات کا علم ہوگا کہ اقبال نے بھی  
 کبھی رنگ لکھ کر میں طبع آزمائی کی تھی۔

رنگ حلقہ میں بہک لٹھے ہیں ارباب نشا  
 یہ بچے نہیں وہ بادہ پرستی کی نغمی  
 یشر اگر نہ کہیں اقبال ہی کی شان میں نہیں فرمایا تھا۔

آپ نے دیکھا اب تک اقبال کی شاعری کا رنگ ڈھنگ ڈھول ہے اور ان کی  
 شاعری بری طرح غلابان لکھا رہا ہے۔ شریعت چوتے چوتے چھبیس سال پر  
 آئے اور جیسے امام مرقی، کسی شخص رنگ کے رنگ نہ بن سکے۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس تمام مصرعے میں شریعت سے بلکہ شریعت  
 تک اقبال کی شاعری نے انھیں کیا فیض پہنچا اور شریعت کا رسالہ نظر رہا یا نہ چلائی  
 ۱۹۱۸ء کے اختتام پر انھیں کیا فیض پہنچا اور شریعت کا رسالہ نظر رہا یا نہ چلائی  
 ”اس قدر کہ اس سے بڑا تمام لکھتے ہیں“

اسی طرح نظر رہا یا نہ چلائی اور شریعت کا رسالہ نظر رہا یا نہ چلائی  
 اس دور کے متزلزلین کا امام بنا گیا ہے۔ دیکھتے اقبال کا بھی کہیں اور کسی حیثیت  
 سے نہ کر آیا۔ خود اقبال ہی سے ان کی شاعری کا حال سنئے۔

ذرا بے کئی قول کی نہ بناں سے باخبر ہیں  
 کوئی دگش اصدا ہو بھی جو یا کہ نازی

ماہی اداں غرغرواے شروند

کہ بریں تھبت شروند سخن بست

اقبال یورپ جیسے چرہ وہاں اسلامی تاریخ کا مطالعہ اور مغربی شریعت کا

ان چند اشخاص سے غزل کی قدرت کا کچھ اندازہ آپ کو ضرور ہو گیا ہوگا۔ اقبال اس  
 غزل کے مجاز پر پورے نہ اترے اور اس کو جسے گناہ کش ہو کر بھول شاعری کا  
 دامن نہاسے پر بھروسہ کیے۔ یہاں ہونی کہ انھوں نے اقبال پر بھی اور غیر لکھتے لکھتے  
 کے کام کو نہ اچھا نہیں قرار دیا۔ ان کی دو نام تھیں جو بچوں کے لئے لکھی تھیں  
 ”بگبگ اور بگبگ“۔ ”ایک بار اور گھوڑی“ لکھتے اور بگبگ“ وغیرہ اقبال اور  
 نظریہ کی تھیں ہیں، اگر بڑی نظریوں سے زبردستی لکھی ہیں، لیکن انوس ہے کہ اقبال اور  
 غیر کے خارج ہیں ان کی شاعری کی نظر آتی ہے۔ اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ اقبال اور نظریہ  
 دونوں ہم عمر بچوں کی تعلیم پر مبنی ہے اور اس طرح انھیں بچوں کی فطرت کے مطابق  
 لکھتے ہوئے غزل اور اقبال کو یہ ماحول میرزا آسکا۔ اس نے انھیں اس صفت میں  
 ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ علاوہ ان میں نہیں کہ زبان کی گھلاوٹ۔ شریعت  
 نوع اور چمک بھی اقبال کے دوسرے سے باہر تھی، ان کی شاعری،

اسے دین دوئی کے مالک اسے دامن پرچا کے مالک  
 اسے شریعت کے مالک اسے شریعت کی آگ کے مالک  
 میرا بخش کاں کو تو نے رنگ دیا جیواں کو تو نے  
 رب کا شکر ادا کر بھائی جس سے پیری کا ہے بنائی

سب شاعر پڑا رہا جیسا کہ چاہتے ہیں

والی زبان سے خود ہم رہی۔

آپ نے دیکھا اقبال کے رحمان شریعت کی تیزی سے بدل رہے ہیں  
 کی تہ سے عاجز، کہ اقبال انیس کی نظر نگاہی کو اپنا طبع نظر بناتے ہیں۔ یہاں وہ اور  
 چمکت ایک ہی منزل کے بے نظر تھے ہیں، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ چمکت زیادہ  
 بلکہ وہ تیز گام ہیں۔ وہ اقبال کو بچے چمکت جاتے ہیں اور زبان کا سوال اقبال کی  
 چمکت جاتے نہیں بنے دیتا۔ حوا کے لئے ہم چمکت کی نظریوں میں سے کوئی کلام  
 ”فلک ہند“۔ ”ماں کا ایک ہی“ اور ”چمکت“ اور اقبال کی نظریوں میں سے غالب  
 ”ہندوستانی بچوں کا گیت“ اور ”گل پڑوہ“ میں کہیں گے۔

آپ شریعت سے اقبال کو چمکت پڑیج دیں، ہیں تو صرف یہ دکھانا مقصود ہے  
 کہ اقبال محاکاتی شاعری میں انیس کے دوسرے فرائض کے فرائض میں ہیں، اور اگر آپ  
 خوشہ میں ماننے کے لئے انیس کے فرائض میں ہیں کہ ان کی شاعری کی شریعت انیس  
 کی محاکاتی نہیں ہے، بہر حال اقبال کا دامن یہاں بھی نظریہ سے طوط نظر آتا ہے۔



مولانا دم سے	بھری گہ بن جانے نہ دارو	اگر جانے بہ تن داری نہ میری
بزرگ نگاہ کبریاں مردانہ	فرشتہ صید پیر نکار بڑاں گیر	آقبال نے جگہ فضل و عشق یا خبر نظر کاواز نہ کیا ہے۔ اس کا قلم ہے
آقبال سے	عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولسب	عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولسب
در دست جویں میں جبریل زبوں سید	بڑاں بکند آدھ اسے ہمت مردانہ	اس خیال کو فارسی شعرا نے کثرت سے ادا کیا ہے۔ نظری کا ایک بہت شہور شعر ہے
غالب سے	دور رخ میں ڈال دے کئی ایسی بہت کہ	بحکم عقل عمل در طریق عشق کن
طاعت میں نامے نہ لے لگیں کی لاگ	دور رخ میں ڈال دے کئی ایسی بہت کہ	کہ را دور کند دہر چکر دانا نیت
آقبال سے	سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے	دش پسندی غم ملی اور اندا کوئی غالب کا محبوب موضوع ہے۔
مولانا دم سے	سے بے خبر جزا کی تباہی چھوڑے	کھتے ہیں :-
ہست ہر دین طوطہ خود بزرگ	در صدف آں درخوست و سترگ	جی خوش ہوا تھاراہ کو پڑ خار دیکھ کر
بلع نافت آہواست آں قوم را	از بروں خوں از دروں نشان شکما	آقبال اس کو یوں نقل کرتے ہیں :-
آقبال سے	ہے میری اعتبار افزا جو نہ طوط بند	خوشم کہ منزل مادور و درافہم خم بہت
شک از فرج کیا ہے اک لہو کی بوند ہے	شک بن جاتی ہے ہو کہ نافہ آہو میں بند	عزای ان دونوں پر ہیغت لے گئے ہیں :-
جانی سے	بند و عشق خدی ترک لب کن جانی	بھلے ہوہ گر کن واڑنے نوا بھوے
آقبال سے	عشق در جان و لب در پیکر است	خجہ بہ بند تیر کن از کس خاں خواہ
غالب سے	نفس فرادی جو کس کی شوقی تحریر کا	آقبال کے کلام کا ایک بڑا حصہ "سوزنا نام" تب و تاب مسلسل بہاوی۔
آقبال سے	نفس ہوں اپنے معبود کو گدگدھا ہوں مجھ	مردمی و فراق کے بیان کے لئے دلف ہے ٹیگور۔ کارلائل۔ شوپن ہار اید
آقبال سے	مجھ کو پیدا کر کے اپنا کنہ میں پیدا کیا	تقریباً تمام فارسی شعرا نے اس خصوص میں طبع آزمائی کی ہے۔
غالب سے	یاد و دیکھ جاں ہنگامہ پیدائی نہیں	آقبال کہتے ہیں :-
آقبال سے	آہ و زینا دل سمجھتے ہیں جسے وہ دل نہیں	زندگی در جستجو پویندہ است
حافظ سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	غالب نے اس چیز کو اس طرح بیان کیا تھا ہے
آقبال سے	آہ و زینا دل سمجھتے ہیں جسے وہ دل نہیں	نفس نہ اکہن آرزو سے باہر کھینچ
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	اگر شہساز نہیں انتظار بناؤ کھینچ
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	لیکن
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	ہو جس کو ہے نشا و کار دیکھ کیا
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	لکھنا انھوں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو آقبال سیکر دلوں شوروں میں کہہ گئے
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	مردمی کے بیان میں کسی کا شعر ہے
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	بھگو گرم تو در عالم آند و گداشت
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	تغافل بہت کہ در کھار کا رمانی بہت
آقبال سے	ہرگز نہ میر داک کہ دلش زندہ شد عشق	اور غالب کا ذوقی قہرین "تو بڑی چیز ہے۔"

غالبؔ

دیارِ بامنت مزدور سے ہے غم  
لے فاماں خواب نہ احساں اٹھائے

یہ جو کہ

گر از دستے تو کارِ نادر آید  
گنہ ہے ہم اگر باشد خواب است

اقبالؔ

مرا از شکستِ چشمانِ عادی  
کہ از دیگرانِ خوشترنِ مویسائی  
اقبالؔ نے ”باختر شوازمقام آدمی“ کی دعوت دیتے ہوئے غلاطون کو بہت بُرا  
بھلا کہا ہے۔ ”ہستی وجود دو جہاں چہرے نیت“ کا پیام پہنچانے جوئے نہیں  
یہ یاد ہی نہ رہا کہ ان سے پہلے ہی غرضیامؔ نے یہ پیام ”آدمی“ کو پہنچا دیا تھا۔وہ ان فروگزاشتوں کی نگاہ میں نام ہے۔ درحقیقت اقبالؔ کی اسی  
جسارت نے اُن کے کلام میں ممتاز اندازِ نشان پیدا کر دی ہے۔  
حضرت سعدیؒ نے فرمایا تھا۔

زمانہ باقونہ سازد تو بازمانہ باز

گو اقبالؔ کی شریعت نے اس تعلیم کو یوں مسخ کر دیا

زمانہ باقونہ سازد تو بازمانہ بنیز

ہمارے دوسرے پیغمبرانِ سخن اور اقبالؔ کی شاعری میں صرف اسی  
”بسا ز“ اور ”بنیز“ کا فرق ہے۔

بہارِ کوئی

تو جو حقیقتی مجسمہٴ انساں بنود

اس طرح آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اقبالؔ کا نام و کمال سراپا بہ شاعری متعارف  
ماغذ ہے اور ان کا یہ دعویٰ کہ ”ادبوں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے“ صرف نقلی  
ہے۔ البتہ ”طرزِ کلام اور ہے“ والا دعویٰ حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔ لیکن معاف کیجئے  
یہ طرزِ کلام بھی اپنی جگہ عجیب غریب چیز ہے۔ اس طرزِ کلام کی خوبی کا حال نہ رہے۔  
وہ خوبی جو پرداں کا داماں چاک کسے سے بھی نہیں چمکتی مگر جس پسِ بھر کا مسلک

## بازگشت

آہوں سے سوزِ عشق بڑھاتی لگا ہوں میں  
لطفِ خیال دوستِ آشنا لگا ہوں میں  
پھر دل میں غمِ ارب سا پانے لگا ہوں میں  
پھر جذبہٴ جنوں کو بڑھانے لگا ہوں میں  
ذراتِ خاکِ دل کی یہ اللہ سے دستیں!  
یہ کون آگیا مری بزمِ خیال میں؟  
طے کر رہا ہوں منزلِ عرفان کی دادیاں  
اللہ سے یہ نشترِ غم کی نوازشیں!

دیکر ہوا چراغِ جلانے لگا ہوں میں  
ہستی کی تمنیوں کو بھلائے لگا ہوں میں  
شاید کسی یادِ بھرتے لگا ہوں میں  
پھر زندگی میں کین سہانے لگا ہوں میں  
اب کائناتِ دہر پہ چھلنے لگا ہوں میں  
رگِ رنگ میں ارتعاشِ سہانے لگا ہوں میں  
ہر نقشِ ماسوا کو مٹانے لگا ہوں میں  
لذتِ ہی دل کے زخم میں پانے لگا ہوں میں

اے قمرؔ ان کے ہجر میں آنسو نہیں رواں

سرمایہٴ حیات لٹائے لگا ہوں میں  
(دربارہ) قمر عثمانی

# گلابِ نگ بہار

ٹری ہی دلکش و رنگیں ہے داستاں میری  
فلک بھی جس کے قصور سے کاتب اُمّتا ہے  
وہیں ہزاروں ہشتیں بھی ہیں خدا وندا  
چراغ کچھ گئے نیندا گئی ستاروں کو  
مجھے قبول ہے گھٹ گھٹ کے جان دیدنا  
انہوں نے بڑھ کے وہیں طرح آتاں کھدی  
چمن میں آگے نفس میں کھلی زباں میری  
وہ درد بھیل گئی جان ناتواں میری  
رنگ رنگ کے کئی زندگی جاں میری  
جب اُنکے ذکر سے فاضل ہوئی زباں میری  
ہے بارِ خاطر نازک اگر نفساں میری  
ذوِ غم ہے جھکی تھی جیس جاں میری

نہ جانے جاگ اُٹھے کس وقت آہ کی تاثیر

کہا بھی مانے سُنئے نہ داستاں میری

بہار کوئی

## احتمالات

وہ جان صد بہار آئے نہ آئے  
مری آنکھیں تو ہیں نمناک، لیکن  
نفس کو باغ میں مینا در کھ دے!  
جو منظر طور پر دیکھتا تھا سہی!  
کوئی جب دیکھنے والا نہیں ہے  
مرادل سمجھ آسا جل رہا ہے  
ازل سے آج تک آنکھوں کو جس کا  
ہم اپنی جان دے بیٹھے وفا میں  
مرے دل کو قرار آئے نہ آئے  
کسی کو اعتبار آئے نہ آئے  
نہ جانے پھر بہار آئے نہ آئے  
نظر وہ بار بار آئے نہ آئے  
چمن میں پھر بہار آئے نہ آئے  
کوئی پروانہ وار آئے نہ آئے  
رہا ہے انتظار آئے نہ آئے  
کوئی سوئے مزار آئے نہ آئے

گلوں سے بھولیاں بھر لے چمن میں

اسد پھر یہ بہار آئے نہ آئے

اسد

## ناک (ایک ریڈیائی تشبیہ)

اکلہ کا جو دکو کیا تو نے ہنسیں  
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہاں آؤ  
حسینہ۔ بس بس، بڑی آئی تمہاری زکیر اور اسکی ناک، زبان نہ کھلاؤ، وہ بھی کوئی  
ناک ہے جیسے برس دن کے مرث کی سوکھی ہوئی، ٹھنڈی ہوئی، بلند اتنی  
جیسے جہاز کا منول، تو یہ، تو یہ جیسی روع دیے فرشتے۔

خالد۔ کہیں جہاز نہ بڑی بات نہ ہو جائے، بیگم ذرا ادب سے، کہاں زکیر کی  
بنانی دیو جیسی سنواں ناک اور کہاں تمہاری ڈبل روئی کی طرح پھولی  
روئی اور پھری جیسی پہلی ہوئی ناک، چہ نسبت خاک را با عالم پاک خدا کی  
تسرب کبھی خواب میں بھی تمہاری کپڑے جیسی ناک کا خیال آتا ہے تو یہی  
جی جاہنشاہ ہے کہ کھا جاؤں یا خود کہیں بھاگ کر اپنا منہ کالا کروں۔ نہ پٹانے  
قدرت کو یہ کیا سو بھی تھی کہ ایسے حسین چہرے پر ایسی بیونڈی ناک چکا دی  
فمن میں شاٹ کا چونڈ لگا دیا۔

حسینہ۔ ہاں ہے اند میں کیا کروں، اپنی من ناک کہیے کاٹ کر پھینک دوں کہ  
دشمن کے دل میں ٹھنڈک پڑے۔

(بچہ کے پکارنے کی آواز..... آئی، آئی، آئی.....)  
آئی۔ خدا یا یہ بچہ ہے یا بھوت، ہر گھڑی آئی، آئی کی رٹ لگاتے رہتا  
ہے۔ (جانے کی آواز)

خالد۔ اور ماشاء اللہ عاجز آدہ کی ناک بھی آپ سے کچھ کم نہیں، کیوں نہ ہو ۹  
لاق ماں کا ہونا جیسا ہے۔

..... (۲) .....  
{ (خالد کلنگا ہے، ابن برم ہمارے کوئی  
میر دکھائی ہمارے کوئی  
کلاں گیارہ کانہ ہے، آنے کی آواز۔ )

خالد۔ بیٹا نونک  
شوکت بی

(قدرت نے انسان کے چہرے مختلف ہفتا کی ضرورت کے لئے بنائے ہیں، مثلاً  
اکھ دیکھنے، کان سننے اور ناک سونگھنے کے لئے۔ اب یہ جاری سسٹم ظاہری ہے کہ ہم ان کو  
فوجی اور بیونڈی پہننے کی کوئی بنالیں اور انکے معرفت کو نظر انداز کر کے اپنی بڑی  
ٹھانکی، لمبی، کوٹھ چینی کا دلچسپ ذریعہ بنالیں۔ چنانچہ اس قسم کی ایک حاکم کا نو نہ ملاحظہ ہو  
کہ ایک بیلے چنگے، کھانے پینے کے میں جہاں خدا کا دیاس کچھ ہے۔ ناک بعض ایک چھوٹی  
سی بیونڈی ناک یاں پوری کے درمیان روز و رات کے جھٹکے کا باعث بنی ہوئی ہے۔)  
خالد۔ جس کی کہ ہاںوں کہ تم بیونڈی ہو، بیگم تمہاری آنکھیں، تمہارے لب تمہارا  
زنگ اللہ عرض سب کچھ ہیں مگر پڑا جلاب ہیں مگر..... مگر تمہاری ناک کچھ ایسی  
اچھی نہیں، یہ خدا اور بندہ ہوتی آدہ آگے سے اتنی پھلی نہ ہوئی تو میری حسینہ  
داخلی حیدر ہوئی۔

حسینہ۔ بس تمہاری تو وہی ایک ناک ہے۔ ناک، ناک، مسیح، شام ہر گھڑی ناک کا  
دھندلہ، اٹھتے بیٹھے پڑتے ہو۔ میرے کان، بالائے اس طوطے کی رٹ کر  
منٹے منٹے کیے ہیں۔

خالد۔ بیگم خدا کو کیجیے، پہلے کی کوئی بات نہیں۔ میں تو تمہارے حسن کی تعریف  
کر رہا تھا۔ سخن گستاخ بات میں بات محل آئی اور تمہاری ناک کا ذکر آگیا  
عدنم خود خود بکھتی ہو، مجھے دفتر کے کھول سے اتنی علت کہاں ملتی ہے کہ  
"جیٹا رہوں تصور جاناں کے چوسے"

حسینہ۔ میں جی تمہاری شاعری۔ بس اب تو جب ہی روجو۔ مجھ سے زیادہ بکواس نہ  
کر لو، میرے اللہ ساوے جہاں میں تم جیسا کسی کو نہ پایا۔ جیل، شکیلہ  
زکیر، فرخندہ ب ہی خود میں ہیں انکے سہول کے چہرے پر ناک ہے تم ہی  
کہو ان میں کون گنگا کے سرے رہتے ہیں گرائے کے خداوند تو انکی ناک کے  
پچھے ہاتھ دھو کر نہیں پڑتے۔

خالد۔ بیگم کیا؟ زکیر..... آؤ! انا ذکر ذکر۔ انا ناک ماشاء اللہ،  
چشم بدو، عوام کی دھارا اور پھری کی آئی ہے، کسی بنانی سسٹم گرائش  
کے کلل کا بہترین نمونہ معلوم ہوئی ہے، تمہارے اس کی یا تو ہیں دلائی ہے

**شوکت** (روئے ہوئے) میں امی سے ابھی جا کر کتا ہوں کہ چچا بھی میری ناک،  
(روئے کی اور جانے کی آواز میں)

**خلیر** - اسے سے سنو، سنو، جہاں کہاں پڑے، یہ لو! ادھر دیکھو.....  
خالدہ کیا بات ہے شوکت کیا کہنے اپنی ماں کے پاس گیا ہے؟  
**خالدہ** - جو کچھ کہنے گیا ہے وہ اب سن ہی لوگے، یہ وہ آہیں (آنے کی آواز)

**حسینہ** - بکس نے برسے بچے کی ناک کو ہرا بنایا؟  
**خالدہ** - بکس نم لے لو، جو میں نے کچھ بھی کہا ہو، یہ ظہیر نے کچھ.....

**حسینہ** - دیکھئے ظہیر صاحب، آپ کا غریب خاندن پرنا میرے سرنگوں پر، مگر  
یہ ہرگز برداشت نہ کر دئی کہ کوئی میرے بچہ کی ناک میں نقص نہ لے۔

**ظہیر** - بھائی جان، ہر قسم عرص کر رہا ہوں کہ میں نے شوکت کی ناک کے متعلق  
کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ باوجود درد مند تھا تو میں نے محض ہلانے کے لئے کہا  
”میاں شوکت دیکھنا تو تمہاری ناک پر یہ سیاسی کیسے کی ہے؟“

**حسینہ** - واہ جانب واہ، آپ کا بھلا بھی خوب ہے۔ سب ہی آپ نے اسی ناک پر  
کیوں لگائی کیا اس کے سارے جسم پر اور کوئی جگہ نہ تھی جہاں آپ سبھی  
لگا سکتے تھے؟

دیکھئے صاحب، اگر ناک خراب ہے تو میری نہ کہ اس معصوم بچے کی۔ ظہیر بھ  
کا صرف یہی قصور ہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اور ہاں میں دنیا کو کیا کہوں جب  
اس پر نصیب ہوئے بچے کاپ کی نگاہ میں بھی ہم دونوں کی ناک ایسی ہے کہ  
کوئی ان پر تھوکتے بھی نہیں۔ بھائی اس گہری ہوئی ناک کا بنانے والا بھی ہی  
فدا ہے جس نے ساری دنیا کی ناک بنائی ہے۔ اس میں کو قصور ہے تو خدا  
اس کو جا کر چھڑو، مجھ دیکھا کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہو۔

**ظہیر** - بھابھی، مگر..... مگر..... مگر..... ہر مطلب قیہ۔  
**خالدہ** - بکس ذرا بات تو سمجھو، کیوں ہوا اسے اڑائی مول لے رہی ہو۔  
**حسینہ** - بس جانب بس، بہت ہوا، میں بہت سنی چکی آپ کی باتیں، اب تو خدا  
اس گھر سے اٹھا لے گا تو چاہے ہر روز کے طعن تشنیوں سے ناک میں  
دم آگیا ہے۔

**خالدہ** (دشمن کی طرح) کیا کہا، کہاں دم آگیا ہے۔  
**بکس** - خدا میری جان.....

**خالدہ** - ادھر آؤ، یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

**شوکت** - یہ بیٹ ہے اور یہ گیند میں میدان میں ہاکی کھیلنے جا رہا ہوں۔

**خالدہ** - مگر یہ کھیلے کا وقت نہیں۔ آپ بچے کی ناک میں کچھ..... آج کا سبق یاد کیا

تم نے؟

**شوکت** جی ہاں

**خالدہ** - اچھا تو سنناؤ، RAT، ریٹ، ریٹ سنی؟

**شوکت** جی

**خالدہ** - اور CAT کبٹ۔ کبٹ سنی؟

**شوکت** جی

**خالدہ** - اور FAT فٹ۔ فٹ سنی؟

**شوکت** جی

**خالدہ** - اچھا، کچھ نہیں تم کو کچھ یاد نہیں۔ جاؤ اور اچھے لٹکے کی طرح اپنا

سبق یاد کرو۔

**شوکت** (رونی آواز میں) مگر میں تو کھیلوں گا۔ امی نے کہا ہے جا کر کھیلو۔

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

**خالدہ** - کون

**ظہیر** - میں ہوں ظہیر (آنے کی آواز)

**خالدہ** - آؤ بیٹی، عرصہ کے بعد دکھائی دیے، مزاج اچھا ہے نا

**ظہیر** - خدا کا شکر ہے، تم اچھے رہے نا..... اہلریاں شوکت، واہ بھائی،

یہ روئی صورت کیسی؟

**شوکت** - آبا ہاکی کھیلنے نہیں دیتے۔ امی نے کہا ہے جا کر کھیلو۔

**خالدہ** - یہ حضرت ہر وقت اپنی امی کے بل بوتے پر کھینچا چاہتے ہیں مگر میں سننے

توالف کے نام ب بھی یاد نہیں

**ظہیر** - نہیں برا شوکت بڑا اچھا ہے، ابھی جا کر سبق یاد کر لیا اور دوپہر کی

دھوپ میں ہاکی نہیں کھیلے گا۔

**شوکت** (دگر) نہیں میں تو ابھی کھیلوں گا (روئے اور سسکنے کی آواز)

**ظہیر** - (ہنسنے ہوئے) ادھر، تم تو روئے گئے (چکار کر) اچھا وہ دیکھو سامنے

کیا ہے؟..... اور یہ جہاں دیکھنا تو تمہاری ناک پر کیا لگا ہے۔

جی، جی، اتنے بڑے جو کہ ناک میں دشمنی لگا رکھی ہے۔





حسینہ۔ جب نوکر نہیں ملتا تو کھانا نہ ملنے کی شکایت بھی فضول ہے۔

خالہ۔ بکاجن گھر میں نوکر نہیں ہوتا وہاں فائدہ ہوتا ہے؟ آخر گھر کی بیگمات کون کھے  
درو کی دوا ہیں، کیا ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ.....

حسینہ۔ نہیں صاحب مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ باورچی خانہ میں جا کر چہلے میں اپنا چہرہ چھل  
مجھ سے ہر کام کو لوگو یہ کھانا پکانا نہ ہوگا۔

خالہ۔ جی ہاں آپ تو اسے جاکر حینوں میں ایک میں جاکر رنگ باورچی خانہ  
کے دھوئیں سے سیلا ہو جائیگا۔

حسینہ۔ اگر تو ضرورت نہیں تو بدعورت بھی نہیں

خالہ۔ اور آپ کی ناک بھی ایسی ہے جس پر کوئی کبھی نہ بیٹھ سکے۔

حسینہ۔ (غصے سے بیاب ہو کر) نکلیں پھر اس مٹی ناک کی باتیں.....

خدا یا کیا کروں اپنی اس ناک کو (ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز) ہیلو.....

جی میں ہوں سر خالہ..... کون؟..... اچھا..... فوڈا آجواؤں

..... (ٹیلیفون بند کرنے کی آواز۔ جانے کی آواز)

خالہ۔ کیوں، کون تھا، کہاں چلے (دروازہ زور سے بند کرنے کی آواز)

..... (۵).....

(آنے کی آواز)

ڈاکٹر۔ ہیلو سر خالہ، آداب عرض ہے۔ جلدی کیجئے..... میں نے آپ کی ناک  
بہلنے کا سامان کر لیا ہے۔

حسینہ۔ وہ کیسے؟

ڈاکٹر۔ ابھی کچھ دیر ہوئی یو آر کیٹ کے سامنے موٹر کا ایک شدید حادثہ ہو گیا۔

حسینہ۔ (خوف اور حیرت سے) تب کیا ہوا

ڈاکٹر۔ اور اس حادثہ سے ایک نوجوان لڑکی کی موت واقع ہو گئی۔

حسینہ۔ جی، بھئی

ڈاکٹر۔ اس لڑکی کی ناک بہت حسین اور تنہا ہے اور اس کا سائز بھی بالکل  
آپ کی ناک کا ہے۔

حسینہ۔ جی، کیا؟

ڈاکٹر۔ یعنی اس کی یہ ناک آپ کے چہرے پر بالکل ٹھیک بیٹھے گی۔ میں نے آپ کی  
طرف سے اس کا سودا بھی کر لیا ہے۔

حسینہ۔ ڈاکٹر صاحب مگر..... یہ تو مردے کی ناک.....

ڈاکٹر۔ قانون آپ بالکل نہ سمجھتے ہیں۔ میں نے اسے ایک نوکری دے دی ہے اس کے  
درختے خرید لیے..... اور یہ دیکھئے میں اسے کاٹ کر لے آیا ہوں۔

حسینہ۔ (وجہ کی آواز)

ڈاکٹر۔ قانون گھبراتے نہیں، آپ فوراً آپریشن کے لئے تیار ہو جائیے، ورنہ  
گوشت سے انڈیٹسب کہ یہ ناک آپ کے چہرہ پر بیٹھے گی نہیں

حسینہ۔ ڈاکٹر صاحب، مگر..... سنئے..... ڈاکٹر صاحب.....  
(کال ہیل کی آواز) (آنے کی آواز).....

ڈاکٹر۔ اسسٹنٹ، مریضہ کو ٹیبل پر لے چلو..... جلدی کرو۔

حسینہ۔ (وجہ کی آواز)..... نہیں..... نہیں..... (دروازے اٹھ

کھینچنے کی آواز).....

ڈاکٹر۔ فرسٹر اگر آپ زیادہ خود کو ٹنگی تو میں پھر آپریشن نہ کر دوں گا۔ جلدی  
کیجئے، ہر منٹ قیمتی ہے..... سانس لیجئے..... گئیے.....

ایک..... دو..... تین.....

حسینہ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) ایک..... دو.....

(آواز کے رکھنے کی آواز جیسے آپریشن روم میں ہوئی ہے)

..... (۶).....

شوکت۔ (دروازہ) امی کہاں گئیں، اب انہیں بلا دیجئے۔

خالہ۔ بیٹا گھر آؤ نہیں وہ آجائیں گی۔ شوکت، بیٹا..... دیکھو تو

یہ کیا رکھا ہے؟

شوکت۔ (بے سندھ روئے ہوئے) کچھ نہیں، میری امی..... امی

خالہ۔ بیٹا اپنے لڑکے نہیں دہن، امی تمہاری امی دی ہی ہے گی، گھر آؤ نہیں۔

شوکت۔ (روئے ہوئے) آپ تو دہن لگتے ہیں امی تو کھانسی..... مگر وہ کہا آئیں۔

دہن نہیں بیٹا، تمہارے چچا جانتے ہیں کہ امی کو سانس لے کر

آہستہ چھوئے۔

شوکت۔ (روئے ہوئے) امی کی آواز..... آواز ایک گھبراہٹ میں مسکن نام

دہے گی (دروازہ کھٹکٹے اور کھٹنے کی آواز)

خالہ۔ آؤ بکریا خیر لائے؟

خلیر۔ (تھکا ہوا سانس لے کر) بھائی شہر کا کوڑا کوڑا ڈھونڈ مارا، کچھ تیر

نہیں چلے۔

خالد کیا اخباروں میں اشتہارات دیتے گئے ہیں۔  
خلیر۔ کب کے، اور آج اسی وقت ریڈیو میں بھی اعلان کر کر رہا ہوں۔  
خالد۔ بھائی یہ میری حالتوں کا نتیجہ ہے، آہ ایسی نیک دل اور بگڑا ہوا ہوں کہ

خالد۔ کون؟ بیگم!

خلیر۔ اُن بھائی جان؟.....

شوکت۔ میری امی، میری امی.....

خالد۔ (جس کو) مگر بیگم..... کیا ہے..... کہ

حسینہ۔ جی، جی فرمائیے، کیا کتنا چاہتے ہیں؟

خالد۔ خاتم بدین..... خطا صاف..... مگر..... بیگم.....

تمہاری ناک تو اب پہچانی نہیں جاتی۔

حسینہ۔ (پوچھ کر) برکتی کی آواز؟ جی مجھ سے اب میری وہ ناشدنی ناک

اب اس بڑیل میں بند ہے۔

شوکت۔ میری اتنی..... میری اچھی اتنی محمد ظہیر الدین ازبک

اپنی حالت سے کوئی بچا۔ پتہ نہیں بچا، اس وقت کہاں ہوگی، کیا کر رہی

ہوگی اور کیسی گلی خاک چھان رہی ہوگی، ہائے اب وہ مل جائے تو ہم

کھا کر کٹا ہوں کہ کسی اسے نہ پھیروں گا۔ ظہیر وہ دیکھو..... شوکت نے رو رو

بڑا حال کر لیا ہے، کسی صورت بھلائے نہیں ہوتی، گھر میں الگ خاک ڈھری

ہے، میں تو اپنی ناپاک زندگی کو ختم ہی کر دینا چاہتا ہوں.....

خلیر۔ خالد تم بچوں کی سی نہیں کر رہے ہو، گھبرائے، از سر نئے سے کیا ہوتا ہے

نہ نے بھائی کو بہت پھڑپھڑا ہے وہ تنگ آکر کہیں اپنے کسی ملے دلوں کے

جا کر پھیر رہی ہیں تاکہ تم انکی محبت جانو، میرا تو دل کسبے کہ وہ اچکل میں

آہی جا چکی۔

خالد۔ بھائی، میں تو یہ کرنا ہوں، اب کبھی انکی ناک پر کتہ چینی نہ کرونگا، خدا یا

﴿ پختہ ﴾ غر

## انجمنستان

کہ دل کا ذرہ ذرہ ماہِ کامل ہوتا جاتا ہے  
یہی اب زندگی کا میری چل ہوتا جاتا ہے  
میری ہستی میں آخر کوئی شال ہوتا جاتا ہے  
سفینہ زندگی کا غرقِ ساحل ہوتا جاتا ہے  
دلِ ناداں بہادوں کے مقابل ہوتا جاتا ہے  
پیشاں ہی پریشان لنگِ محفل ہوتا جاتا ہے  
کہ ہر آخر غبارِ دُعا و منہ دل ہوتا جاتا ہے  
یہ پردہ انتہا جاتا ہے کہ حال ہوتا جاتا ہے

اُسی کون نظروں کے مقابل ہوتا جاتا ہے  
خدا رکھے ترے درِ محبت کو خدا رکھے  
شعور و ذہن میں الگ و نشی محسوس کرتی ہوں  
کوئی لمبے ناخدا تمہرے بھی ہے بارِ اترے کی  
گلِ ولالہ سے اکثر خوش گنتی ہے مگر پھر بھی  
اُسے ظالم یہ کہیں کو ذبح کر کے ادا کر گیا  
نہیں معلوم کتنی دوسرے منزلِ سافری کی  
نہ اپنا جو کس ہے مجھ کو نہ دنیا کی خبر بانی

یہ کس نے بس بھری نظروں کے مجھ کو اس طرح دیکھا

کہ نجمہ بے نیازِ دو جہاں دل ہوتا جاتا ہے (انس) نجمہ تصدق بہارے بی بی

# ہندوستانی معلم

وہ ادب آموز فطرت علم کا آئینہ دار  
ناظم اجوائے ملت موجب اچائے قوم  
منور فز علم تابندہ نظر روشن دماغ  
مقام جس کی صفائی ہر کچھ دل کے لئے  
جس کے در کا دروازہ مسکراتا آفتاب  
ہر نظام مستقل جس کے اشارے سے چلا  
جس کے دھن میں بنائیں لیں جہاں کی خوشیں  
بخشتا ہے جو زمانے بھر کو نیکین و ثبات

ناخدا سے زندگی تہذیب کا پروردگار  
مشعل راہ وایت وصلہ افزائے قوم  
جگہ کا تاسک کرانا زندگی کا پیرایہ  
روشنی مانے میں جس کو تھامے سب دینے  
جس کے گلخانے کا سر کا تھامے ان کی کتاب  
کاروان زندگی جس کے ہمارے سے چلا  
ضامن تقدیر بن جاتی ہیں جس کی کاوشیں  
جب کبھی آنکھوں میں آتا ہے تو بجات

ناشگفتہ ہے وطن کی شادمانی کے لئے

مٹ رہا دوسروں کی کامرانی کے لئے

رہسہ ہے تربیت اس کا نظام زندگی  
بٹ کر ہے کھنڈ کھنڈ اس کی پیاری لبتا  
صبح سے شام تک جوں کو درس زندگی  
توڑ دیتی ہیں بسا اوقات اس کی باتیں  
کاتیتے ہیں زینت کی منزل میں وہ در کرم  
فلکیوں میں نے آڑی ہے اس کو اندھنیت کی

درس ہی میں کا تھامے صبح و شام زندگی  
ہو چکے ہو لمحہ کو وقت ساری زینت کا  
زندگی اس کی یہی ہے سرخوشی اور کسی بھی  
زندگی کی آفتابوں کے ساتھ فریفتہ نہیں  
ہر قدم پر سنگ رہ بننا ہے بے قدری کا غم  
تھو کر بن جاتی ہوئی پھرتی ہے اس کی زندگی

منفعت اندوز ذوقی کامرانی سے نہیں

مطہر ہے اس کا نظام زندگی سے نہیں

اسے بھلا نہیں ہے بلکہ کوئی نہاں  
جس کی نظر دور ملک کو نہیں رہا  
ہو گیا ہے اس کا نظام زندگی سے نہیں

اسے بھلا نہیں ہے بلکہ کوئی نہاں  
جس کی نظر دور ملک کو نہیں رہا  
ہو گیا ہے اس کا نظام زندگی سے نہیں

مبا



نہیں فطرت، ماحول بلکہ خدا اپنے نفس پر بنا رنگ جو خدا تباہ ہے پھر اسی بیک لے تمام کائنات کا ماحول کرنے ہیں۔

جس تو کما جس ہمد میں زندگی کا مرکز خارجی عالم ہوا سے احساس فطرت کم ہوگا۔

داخل رنگ میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے یہاں تو بالکل ہی نہیں نکل احساس ان میں ہوگا جنہیں داخلی فکر کا ذوق، اور خارجی عالم کا شاہد دونوں ہوں۔ اس سنے جالی تعلق

میں فطرت کے ساتھ ایک مافوق الطبعی جھلک بھی ہوتی ہے۔ تھائی، دلگڑھل، روحانی آرزو

آغوش فطرت میں انسان کو تباہ لینے پر مجبور کرتی ہے جس سے خشکی کی داد پانے کی توقع

ہوتی ہے، لیکن اگر احساس پیدا ہو جائے کہ فطرت ہم سے مخاطب نہیں ہوتی، بالطبعیت میں

اٹک اور دھولہ کا فقدان ہو تو دنیا فطرت عریاں معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس لئے ہمارے

لطیفانہ ادب کی سرحدیں بھی روحانی ادب سے جاتی ہیں۔ ہمارے نوجوان ادب میں

درحقیقت بیدار کی خواب پرست ہیں جس میں تنہا ہیں، آرزو بے کھولی ہوئی دنیا کے حامل

کرنی کی کششیں ہوتی ہیں، جو کبھی چوڑی فکر نوی و انقلابی ادب کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور کبھی بھی خیال سے محروم بیگانہ عمل کرنے والے روحانی ادب کی صحت۔

درمحل یہ واردات قلبی کی مدائے بازگشت ہے۔ باہر سے آئیوالے نذر کی مشق

کبت نفس کا شمار ہے۔ اس خواب خیال کا مرکز خود انسان کا اپنا پرامن نفس ہوتا ہے

جو اپنے آپ کو کیا کیا فرض کر کے شہید و قتل پر سوار کر کے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے

مگر ان تمام جذبات میں انبات خودی کی اٹک، حصول شخصیت کے دھولہ کی

کارفرمائی نظر آتی ہے جو حقیقتاً زندگی کے محکرات میں ہے۔ اس لئے ہمارے ادب

کے لئے یہ من گھڑت تصورات خوش آئند اور دنیا تک مستقبل کے ضامن مسئلہ

دبے جاسکتے ہیں۔

و جدی الحسینی (داخل دیوبند دہلوی فاضل پٹنہ)

## تجلیات

میں یہ سمجھا برق آہی نچنی نشیمن کے قریب  
کو نڈنی ہوں بجلیاں جسے نشیمن کے قریب  
ہم پہلے ہی رہے دوار گیشن کے قریب  
پھول جب موجود ہیں پیر نشیمن کے قریب  
کاش اسکو دھونڈتے ہم اپنی گردن کے قریب  
اک دھواں سا اٹھ رہا ہو گیشن کے قریب  
جان کر رہبر چلا جاتا ہوں رہزن کے قریب  
برق جل جانے جو آجائے نشیمن کے قریب  
شام گل آئی جو رزہ کر خود نشیمن کے قریب

جب بھی جگنو کوئی چمکا صحن گلشن کے قریب  
پھر وہ کیوں جانے لگا دایمیں کے قریب  
دائے ناکامی کہ رخصت ہو گئی فصل بہار  
تنکے چن کر کیوں کر دل توہین حسن انتخاب  
پھیر ہوتا شکوہ محرومی قرب و حضور  
یا اہی! میرے دوستوں کی رکھت آبرو  
آئینہ زائشا کہاں سنسزل رسی کے شوق میں  
رباع عالم میں وہ ہوں میں بلبل آتش نفس  
کھل گئی تقدیر بلبل، کھل گیا باغ مراد

چاہئے اے قمر! اپنی تاب نظارہ کی شرم  
آج وہ بیٹھے ہوئے ہیں اپنی حلیم کے قریب  
قمر تعوی جے پوری

Received in numbers

3.9.55

Date.....

# آشیاں نہیں معلوم



یہ جاں نواز ہے یا جاں نساں نہیں معلوم  
ہنوز انھیں بھی مری داستاں نہیں معلوم  
قفس سے چھٹ کے کہاں جائیں اب سیر بہار  
میں دل کے سوز کو پہلو میں ہوں دبائے ہوئے  
براہ راست جو چھوٹی ہے روح کے پردے  
میں بے شمار مہ و مہر خاک میں نہیں  
چمک رہی تھیں ابھی بجلیاں چین کی طرف  
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا کی خبر  
ہر ایک پتھر ہر اک پھول پر گری بجلی  
ہوئی نہ دفن وطن میں نہ دشت غربت میں  
سرشت حسن بدستور ہے نشاۃ انگیز  
وہی بہار و خزاں کے لئے ہوں سرگشتہ  
جو اس میں کیفت ہے لے مرد دل تو کیا جانے  
یہ بجلیاں کچھ اس انداز سے چمکتی ہیں

ابھی تمہیں مراد در نہاں نہیں معلوم  
کس انتظار میں ہے راز داں نہیں معلوم  
کوئی گھر اور بجز آشیاں نہیں معلوم  
کہاں بچے گا یہ آتش فشاں نہیں معلوم  
ابھی وہ لے ہی تھے نعمت خواں نہیں معلوم  
زمین کی قدر تھے آسماں نہیں معلوم  
بچا کہ خاک ہوا آشیاں نہیں معلوم  
کہاں سے آئے چلے ہیں کہاں نہیں معلوم  
تباہ کیوں نہ ہوا باغباں نہیں معلوم  
پڑی رہی مری میت کہاں نہیں معلوم  
مزاج عشق ہے کیوں سرگراں نہیں معلوم  
جنھیں مال بہار و خزاں نہیں معلوم  
کچھ حیات کی دلچسپیاں نہیں معلوم  
کہ جیسے ان کو مرا آشیاں نہیں معلوم

تباہ کرنے کے ہستی و عدم نیست  
نہیں پناہ ملے گی کہاں، نہیں معلوم  
تیر خود ہی

# سے جمیل!

تقریر ہو رہی ہے؟

”کیا تمہارا مطلب کیا ہے جدید لکچر اس سے ہے؟ جس نے کہا۔

”اے ٹیکس، اچھا تو سنئے یہ حضرت ہی میری شکلات چربنا بیویوں کی

چرا ہیں؟

”اچھا تو یہ ہی تمہاری بیوی کو درد غلا کر لے گئے، کیا انھوں نے کوئی تہ بھی چھوڑا

ہے، میں مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں.....“

”جب ہو گئے؟ میں کچھ کہہ دوں اور تم جو کہ خاق اڑا رہے ہو۔

اچھا اب تم میرا سب کہہ لو۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں تم الطینان سے اپنی دانائی غم“ ٹاؤ؟“

”جاؤ ہم نہیں سننا“

”جس نے اس کو گدگدایا، وہ جس پڑا۔ میں نے دیکھا کہ اب وہ بیچ میں آگیا،

اُس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”میں شاید تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہمارے کالج کی یہ ایک خصوصیت ہے

کہ ایک نیا لکچر ارٹاؤت کتب میں اپنی خصوصیت، اسی طرح کہ وہ اسکے معلم راغبین

کو شاندار دعوت طعام“ دے، دوپندر اس سے بچتا جا۔ چاہتا، پہلے اپنی

مقدور بھر کو شش کشائی کر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، ہم نے اس سے بحث و بحث

ہر طرح بھلیا پھلایا حتیٰ کہ دہرکا بھی غرور ذات فریق“ اس سے سب سے

جنا پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس خصوصیت کو برقرار رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے

میں نے ایک ایک بھائی جسکی سب سے ندر دل سے تائید کی۔

اُس نے اپنی جیسے ایک کاغذ کا پڑھ لکھا اور لکھ دیا، یہ ایک خط تھا،

جس میں نوابی انداز میں حب ذیل عبارت لکھی تھی۔

”آج شام میں فرصت میں ہوئی، اس لئے ان کے شکریہ ادا کر کے

نہری میں لکھتے ہوئے شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا کرتے

کٹورہ بھر کر وہ میں داخل ہوا تھا موجب پریشان اور بدحواس سا نظر آ رہا تھا، آتے ہی ملنے والے بھونے پر ہزار چوکیا، وہ اس وقت بالکل خاموش تھا، حالانکہ وہ ہونٹ بچے شکر پر اس سے انداز دینا تھا اور اسکی آمد طغان باد و باران کی طرح پڑھ رہی تھی۔ مگر آج اُس کے چہرہ پر نہ وہ پہلی ہی نشاقت تھی اور نہ شوخی، مزاح، وہ بالکل غم سم اور اداس تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج وہ اپنی خوشیاں خراب ہیں اور خوش مذاقیاں کہیں دھن دکھ آئی ہے۔ میں بڑی دیر تک منتظر رہا کہ وہ بولے تو باجرا کچھ ہی آئے۔ لیکن جب ۵ منٹ تک اُس کے بولوں کو جنبش نہیں ہوئی تو میں بے چین ہو گیا اور اُس کو مشتعل کرنے کے لئے کہا۔

”یہ حادثہ کب پیش آیا؟“

”کون سا حادثہ؟ کیا مطلب؟“

”کیوں! تمہاری مافی کی موت؟“

”کیا وہاں تک پہنچا ہے جو میری مافی کی جو رعایت ہیں؟“

”مجھے یقین کر رہی خوشی ہوئی۔ میں نے تمہارے چہرے سے انداز لگایا کہ تم سے کوئی

عذاب چوبیس ہے اور چونکہ کوئی شخص میں نہیں اور نہ ہی اس قسم کی کوئی اطلاع ہوئی ہے

میں نے قدر کیا یہ بھلا کہ شاید جو رسمی خاتون ہی چل بسی ہیں۔

”الحق!۔۔۔ نوبات بند کرو، یہ بہت ہی نازک معاملہ ہے، میری بیوی مجھے چھوڑ کر

چلی گئی ہے۔“

”ارے کیا واقعی چلی گئی؟“

”میں پہنچتا ہوں کہتا رہتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنی طاقت کو محسوس

کر لگی اور.....“

اتنے میں لازم چار بکر آگیا، جس نے اس سے کٹورہ کے لئے ایک پیالی اور

لٹنے کو کہا۔ چار نے اُس کے جذبات کو مربوط کر دیا اور آہستہ آہستہ وہ ”مجھ دستہ“

پرا گیا۔

اُس نے سوال کیا ”دوینڈ کفرم جانتے ہو جسکا ہمارے کالج میں ابھی ابھی



بہت خوش ناکھ اور شاندار ہیں، بھولے گا نہیں  
وہی جگہ آٹھ بجے، ہسپتال کے گھنٹہ گھر کے قریب! باقی باتیں  
ملاقات کے وقت ———

محبت و پیار کے ساتھ،  
تمہاری  
”پرستار“

”تم نے خط دیکھا؟ کٹھونے بوجھا“ تمہیں معلوم ہے میں طرزِ تحریر اور نوازی  
اندازِ نگارش میں کس قدر لگے دکھتا ہوں یہ تمہیں بھی خیال نہیں ہوگا کہ یہ خط میرے  
ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔“

”ٹھیک ہے میں خفیتِ سبھی سب نہیں کر سکتا کہ تم ایسے حسین خط کے  
صنعت جو سکتے ہو؟“

”ہاں تو مجھ پر یہ بھی کہ اس خط کو کیسے سے دیوبند کی جیب میں کھلا دیا جائے  
اور پھر نفاذِ حالات کا مطالعہ کیا جائے۔“

اگر، جیسے کہ ہم سب کو امید تھی، اکی بوی اس خط کو دیکھتی تو یقیناً بڑا  
طوفان بے تیزی برپا ہوتا، اس کے بعد ہم حالات کی صفائی نہیں کرتے اور شاندار  
دعوتِ آزادی کے لکھنے کا جواب یکدم ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟ خصوصیت بھی قائم رہتی  
اور کسی کو برا بھی نہ کہنا پڑتا۔“

میں نے اس سے اظہارِ اتفاق کیا کہ اس کی بہت خوب تھی؛  
”مگر ماری ڈیبرائی ہو گئی، جیسے ہی میں اس نئی دشاہیز کو دیوبند کی جیب  
میں کھلائے حالات کو دیکھنے پر اسے ایک ایک کھول دیا، میں اسکی واپسی کا انتظار کرتا رہا  
مگر وہ اتنی دیر تک معروف کار رہا کہ کھنسی نہ جانیے پہلے کلاس میں چلا جانا پڑا،  
میں نے بادلِ خواستہ خط کو اپنی جیب میں دکھ لیا اور دوسرے دن پر اس نیک کام  
کو اٹھا رکھا۔ مگر قسمت کی تم غرضی ملاحظہ ہو۔“

یہاں کشورک گیا اور پھر سنجو ٹنگیا، غوثیے دفعہ کے بعد اس نے اٹھنا شروع کیا۔  
”مجھے باقی حالات کی کوئی خبر نہیں مگر کبھی طرح کچھ کہتا ہوں کہ کیا ہوا ہوگا، شاید  
آج شام دھو بی آیا تھا اور میری بوی نے اس کو کپڑے دینے سے پہلے میبلوں کو دیکھا  
ہوگا اور اس کو وہ خط — مل — گیا ہوگا۔“

کٹھونے اپنی جیب میں پھر ہاتھ ڈال کر ایک خط نکالا اور مجھے دیتے ہوئے کہا ”چھو“  
”جب میں شام کو میرے کمرے میں گیا تو میرے یہ خط دکھا ہوا ملا۔“  
میں نے خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:-

”اچھا تو اب یہ نقل ہوا مجھے تو ایک عرصہ سے اس کی خبر تھی میں اس کو  
بردشت نہیں کر سکتی آپ اپنی برتاری کے پاس جا سکتے ہیں اور میں اپنے  
والہ کے یہاں جا رہی ہوں، خدا حافظ۔“  
تمہارے اور تمہاری پرستار کے لئے ہزار اُدعائیں۔“

تمہاری — کٹھونے  
رشدی بھوپالی

(بج)

## اندازِ نظر

کہیں کیا حسن کی فطرت کو ہم کیا کہتے ہیں  
وفا سے عشقِ حسن بے وفا کا آٹھ مرغ ہے  
ادا اک یہ بھی جو درودِ نازِ دلربائی کی  
دلِ برادرِ دوسے اک چمنِ جوشِ تنہا تک  
مجھ میں جو حیرت ہے یہ ہے تنور کا عالم  
خبرادوںِ تہرؤں سے ساتھ نرم ناز تک پہنچا  
ستم ہو یا کرم جو کچھ بھی ہو ہم کو گاما ہے

نہا جو آشا ہیں باز رستی کی حقیقت سے

نفس کی آمد و شد کو بھی اک حکا کہتے ہیں

نفاذِ حسی

## احساسِ مجبوری

ہے کسی کی جنبشِ ابرو پہ عالم کا نظام  
کب کسی صورت سے پا سکتا ہے رازِ کائنات  
اے محو سے نہیں ہٹتے ستاروں کے قدم  
اک ڈگر پر گردشِ شام و سحر مجبور ہے  
رحم کے قابل ہے اپنی بے بسی میں آدمی  
سب اسے مختار کہتے ہیں مگر مجبور ہے

جس بلندی پر حقیقت کے شواہد ہیں وہاں  
عقل ناکار رہے پر کارِ نظر مجبور ہے احسانِ دانش

### آئیہ محکم

رہی نہ قبضہٴ مسلم میں فکر کی تلوار  
عجب نہیں جو خود اسے غالب آجائے  
ہے میرے خاتم سے افکارِ نبیؐ کوئی نمود  
خیزاں لے فاش کیا گل کا رازِ لبستہ  
جوان پاک ہے عقل و خرد سے بالاتر  
عرب کے سوز میں باقی نہیں وہ سازِ طلب  
خودی کی موت سے مہولی ہو بردشِ اکی  
شراب و شاد و غم و فکرم کا مقصود  
جاں ہے منتظر ضربِ حیدر کر آکر  
کہ جسم بندہٴ مومن ہے روح سے بیزار  
کہ میں نے عشق سے پہلی ہی جدت گنوار  
وگر نہ حاملِ اسرار رنگ و بو غنی بہار  
کہ حق نے اسکو عطا کی ہے وحدتِ کردار  
سکھائی جس نے مسلمان کو گرمی و رفتار  
وہ اختلال کہ ہیں جس میں موتوں کے مزار  
مری متلاعِ حیات ایک مستی پیدا

یہی ہے اشدھان لا الہ الا اللہ  
کہ تیری روح پہ طاری ہو نشہ کردار

احمد نوری

# دورِ حاضر و تحقیق

گئے اور سالِ تصنیف ۱۰۱۵ھ فرما دیا۔ حالانکہ ”تحفۂ عاشقان“ کا سالِ تصنیف ۱۰۱۵ھ ہے جو بڑے صریح ہے۔

”بکھانا اسے تحفۂ عاشقان“

سے نکلتا ہے۔ اس شہزادی تحفۂ عاشقان کے متعلق رام بابو سکینہ نے اور بھی مزید کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب ”تاریخ ادب اردو“ میں اسکا ذکر تین جگہ کیا ہے اور اسکا سالِ تصنیف انھوں نے ایک جگہ ۱۰۱۵ھ دوسری جگہ ۱۰۱۳ھ اور تیسری جگہ ۱۰۱۵ھ لکھا ہے۔ اور ظن ہے کہ یہ سب غلط ہیں۔

دعا قطب شاہ کی نقیہ شہزادی کا ذکر جو ۱۰۱۵ھ کی تصنیف بتاتی رہی ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ محمد علی قطب شاہ بکچن سے شریعت لے کر اور اسکا انتقال ۱۰۱۵ھ میں بمصر ۳ سال دو ماہ ہوا ہے۔ ایسی صورت میں یہ نقیہ شہزادی بجائے خود قطب شاہ کی سب سے پہلی شہزادی ہو سکتی ہے جبکہ وہ اردوزبان کی سب سے پہلی شہزادی قرار دی جائے اور نیز من مہاں اگر اس نقیہ شہزادی کی تصنیف مان لی جائے تو بھی ہم اسے اردوزبان کی سب سے پہلی شہزادی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ ملا وجہی کی شہزادی ”قطب شہزادی“ اسی سنہ کی تصنیف الوقت ہو رہی ہے۔

(۲) ابن شامی نے ”پتو بن“ نام کی ایک شہزادی بھی ہے جس کے دیباچے میں اسے لکھا ہے کہ اس شہزادی کا اناں ”بساتین“ سے ناموڈ ہے اور یہ شہزادی کی تصنیف ہے۔ چنانچہ صاحب ”شہزاد“ اور صاحب ”اردو شہزاد“ نے اسکا ذکر کرتے ہوئے اسے ”بساتین السلاطین“ کا ترجمہ فرما دیا ہے۔ صاحب ”اردو سے قدیم“ نے ”کشف الطنون“ معتمد حاجی غلیظ کی سند دیکر لکھا ہے کہ یہ شہزادی ملا احمد زبیری کی فارسی تصنیف ”بساتین الانس“ کا ترجمہ ہے۔ اب واضح ہے۔

(۳) دراصل اس شہزادی کا اناں ”بساتین السلاطین“ سے نہیں بلکہ ”بساتین الانس“ سے اخذ ہے۔

(۴) اب ”بساتین الانس“ ملا احمد زبیری کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ملا احمد زبیری کا ترجمہ ہے۔

دورِ حاضر اردو ادبیات کی تحقیق و ترقی کے لحاظ سے زمین کہا جاتا ہے مگر ہمیں اپنی زیرِ تالیف کتاب ”شہزاد“ کے سلسلے میں تکرار ہوا کہ جہاں ”شہزاد“ متعلق ہے جہاں تصنیف ایک دوسرے سے اس قدر مختلف اور انہی متضاد تحقیقوں کے کے مالک ہیں کہ بہت سی چیزوں کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کی ہی نہیں جاسکتی اور عوام ان کی تحقیق سے نہ کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ کسی نئے پرہیز سکتے ہیں۔ شہزاد (۱) شہزادی نگاری کی ابتدا اور اردو زبان کی سب سے پہلی شہزادی کے متعلق نہ ”شہزاد“ نے لکھا ہے کہ:-

”خالی اسکا آغاز نہیں جنت سے ہوا چنانچہ ۱۰۱۵ھ میں قطب شاہ نے ایک نقیہ شہزادی لکھی“

یہ خالی کی بھی ایک ہی رہی۔ مولانا سیاح اکبر بادکوبہ میں شہزادی، درمندانہ دینا میں ایسا ہی کچھ فرمایا ہے:-

”اردو میں شہزادی کہنے کا رواج ۱۰۱۵ھ میں ہو چکا تھا۔ غالب قطب شاہ فرزند اسے گوگندہ (دکن) نے سب سے پہلی شہزادی بنت میں زبانِ دکنی بھاشا کی تھی“

صاحب ”شہزاد“ نے اور بھی کمال کر دیا ہے، اُن کا فرمانا ہے کہ:-

”کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ۱۰۱۵ھ میں ایک شہزادی بنت میں لکھی اور یہی پہلی شہزادی تھی جو دکنی بھاشا پر لکھی گئی۔ مگر بدقسمتی کی شہزادی ”تحفۂ عاشقان“ اس سے پہلے ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ ”تحفۂ عاشقان“ تاریخی نام ہے اور اس سے ۱۰۱۵ھ میں ہو گیا“

مولانا عبدالباقی آقاسی نے بھی اپنے ”تاریخِ جدید رسالہ اردو“ جنوری ۱۹۲۲ء اور ”معارف“ کے ”مصحفی برٹن“ میں فرمایا ہے کہ ۱۰۱۵ھ میں دہلی کی شہزادی ”تحفۂ عاشقان“ اور ۱۰۱۵ھ میں قطب شاہ کی نقیہ شہزادی لکھی گئی ہے۔ اولیٰ ویسی غلط ہے کہ ”تحفۂ عاشقان“ ۱۰۱۵ھ کی تصنیف ہے۔ یہ لکھ کر دہلی کا نوٹ لے رہے ہیں۔ یہ سب غلط ہے۔ اگرچہ ۱۰۱۵ھ میں لکھی گئی شہزادی کہہ سکتے ہیں مگر صاحب ”شہزاد“ نے اس صریح ”تحفۂ عاشقان“ کے اعداد

(۵۶) کشت الفنون میں کہیں بھی : درج نہیں کہ "بساتین الانس" ملا احمد زبیری کی تصنیف ہے۔  
(د) "پھول بن" ہرگز "بساتین" کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کے خداداد پلاٹ کسی حد تک اس سے ماخوذ ہے۔

اب آئیے اس کے تصنیف کے متعلق بھی کچھ نئے پھر ایٹھواٹھ لکھنا کہ اس تصنیف ۱۹۱۵ء بتایا ہے مولانا میر احمد علی اور : اکثر محمد باقر نے ۱۹۶۶ء ظاہر کیا کہ دراصل ایک لکھنا تصنیف ۱۹۱۵ء ہے۔

(۳) فتویٰ ابو شمس "کا مصنف صاحب کلمات بکری" اور صاحب اردو و خدیجی نے اٹھادس لاکھ روپیہ کا نسخہ دیکھا "جن کو ظاہر کیا ہے۔ صاحب اردو فتویٰ کا ارتقا نے حیدر آباد کا یہ نازدخیر و کتب دیکھا کہ اس کا مصنف بکری کو ظاہر کیا ہے۔ مگر مولانا عبدالحق نے اردو، جملاتی نمبر ۱۹۲۲ء میں فرمایا ہے کہ :-

"میر جاس اس کے متعدد نسخے میں ہیں کسی میں ابن : محمد امین نہیں آیا ہے بلکہ ہر نسخے کے آخر میں اس کا نام "ادیا" لکھا ہوا ہے"

اب بتائیے کہ اس کے مطالعہ و تحقیق کو ہم صحیح باور کریں ؟

(۴) قلمی نام ایک فتویٰ "ہرام و گل اندام" لکھی ہے۔ پروفیسر ڈوہ نے اس کے ماخذ سے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔ جس ائمہ صاحب قادری اور پروفیسر مخمڑ کے نزدیک اس کا مواد نظما کی کی فتویٰ ہفت پیکر کی ایک داستان شوق "گل اندام" سے ماخوذ ہے عبدالحق اور دوسری صاحب کے نزدیک "ہرام و گل اندام" کا ماخذ ہرام گور کے فتویٰ بعض میں۔ علامہ قلمی چرا کوئی اس کو قلمی کی فتویٰ "ہفت پیکر" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ دراصل ایک لکھنا لکھی نے کوئی فتویٰ "ہفت پیکر" کے نام سے نہیں لکھی ہے بلکہ اس نے ایک فتویٰ "ہفت منظر" کے نام سے لکھی ہے۔ اب اصل واقعہ ہے کہ دراصل قلمی کی یہ فتویٰ کا تہی پیش پوری کی فارسی فتویٰ ہرام و گل اندام سے ماخوذ ہے

(۵) ڈاکٹر کریم بلی، صاحب اردو و خدیجی "صاحب اردو فتویٰ کا ارتقا" اور صاحب "ورپ میں دکنی خطوط" نے ملک خوشنود کی دو فتویاں ظاہر کی ہیں ایک "وصف زینبا" اور دوسری "ہفت بہشت"۔ نیز لکھا ہے کہ یہ دونوں فتویاں حضرت امیر خرد کی سی "کی فتویاں کا ترجمہ ہیں۔ صاحب اردو و خدیجی "صاحب اردو و خدیجی" میں دکنی خطوط "تہ" و "بساتین زینبا" کو لکھنا بتایا ہے اور ازل الذکر کا فتویٰ "ورث زینبا" کے متعلق بیان ہے کہ :-

"اس فتویٰ کے متعلق ملک خوشنود نے "ورث زینبا" کے "بہشت بہشت"

کے خطوط میں ذکر کیا ہے :-

مگر ڈاکٹر محمد قمر صاحب اپنے مضمون "طوبہ اور زینب" کی بجائے "بساتین زینبا" میں فرماتے ہیں کہ :-

"نام نے "ورث زینبا" کے خطوط کو خوب غور سے دیکھا ہے لیکن "ورث زینبا" کا کوئی ذکر نہیں بھی نہیں ملا"

میں تو کہیں اور کہیں جگہ امیر خرد فرماتے ہیں "ورث زینبا" نام کی کوئی فتویٰ ہی نہیں لکھی ہے "ایضاً تصنیف کے متعلق صاحب اردو و خدیجی "صاحب اردو و خدیجی" میں فرمایا ہے کہ "بہشت بہشت" کی تاریخ تصنیف کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مگر صاحب "ورپ میں دکنی خطوط" فرماتے ہیں کہ اس تصنیف کتاب میں موجود ہے اور وہ ۱۹۱۵ء ہے۔

(۶) پروفیسر ماسی نے فیض الدین بخشی کی فارسی فتویٰ طوطی نامہ کے متعلق لکھا ہے کہ ای نام سے اس کا ترجمہ ابن نشا علی نے کیا ہے۔ جس نے اس کا تصنیف بھی ۱۹۱۵ء ظاہر کیا ہے۔ پھر ایٹھواٹھ لکھنا لکھی کی کہانی کی ہے اور اس کا تصنیف ۱۹۱۵ء بتایا ہے۔ مگر اعلیٰ لغت کے تذکرہ گلشن ہند کے مقدمہ میں مولانا عبدالحق نے بھی ابن نشا علی کی ایک فتویٰ "طوطی نامہ" ظاہر کیا ہے لیکن یہ تصنیف نہیں دیا ہے، صاحب اردو و خدیجی "صاحب اردو و خدیجی" میں اس کے قائل ہیں اور وہ ابن نشا علی کے "طوطی نامہ" کا تصنیف ۱۹۱۵ء ظاہر کرتے ہیں۔ مگر پروفیسر ڈوہ نے "اردو و خدیجی" میں اس کی تردید کی ہے، ہم نے جہاں جن کی تو علم ہوا کہ ۱۹۱۵ء ابن نشا علی کی فتویٰ "پھول بن" کا تصنیف ہے اور ۱۹۱۵ء جن "طوطی نامہ" کا تصنیف ہے وہ ابن نشا علی کی نہیں بلکہ خواجہ کی تصنیف ہے۔

(۷) مولانا عبدالحق نے "گل وچا" میں ولی اونگ آبادی کی صرف ایک فتویٰ "دھلیں" بتایا ہے۔ علامہ سیاح اکبر آبادی نے بھی فتویٰ "دھلیں" کے مقدمہ میں ولی کی ایک فتویٰ ظاہر کی ہے۔ مگر وہ اس کا موضوع "در حالات شہدائے کربلا" بتاتے ہیں جیٹھک اورنگ آبادی نے بھی "چٹان اشوا" میں صرف ایک فتویٰ ظاہر کی ہے مگر وہ اس کا موضوع "در توحید شہر سورت" بیان کرتے ہیں۔ جناب امیر محمد صاحب نے "فتویاں" میں ولی کی دو فتویاں ظاہر کی ہیں ایک شہر سورت کی توحید میں اور دوسری شہدائے کربلا کے حالات "پرنسپل"۔ اور الذکر فتویٰ کا نام انھوں نے غالباً کے غلط کے ساتھ "دھلیں" بتایا ہے۔ پروفیسر ڈوہ نے بھی اردو و خدیجی "صاحب اردو و خدیجی" میں ولی کی دو فتویاں بیان کی ہیں مگر نام نہیں دیا ہے۔ البتہ وہ مجلس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ولی و پوری کی تصنیف ہے۔ مولانا

عبدالغادر سروری نے بھی اُردو غنوی کا ارتقا میں دلی کی دو غنویاں کی ہیں۔ ایک شہر سویت کی تونل میں اور دوسری دوحائی کینیا کے بیان میں انہیں ترقی اُردو نے قلم کا جودوان شکر کیا ہے اس میں مولانا حق باہر وی کا مقدمہ شامل ہے جس میں انہوں نے صاف طور سے کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ البتہ اتنا ضرور لکھا ہے کہ:-

”بعض مجمع روایتوں اور شاہدوں سے پتہ چلتا ہے کہ شہادت کرنا کے بیان میں وہ مجلس“ دلی کی غنوی کا نام ہے جسکی تاریخ اختتام اس دیان کے آخر میں درج ہے“

ہم حیران ہیں کہ دلی کی دو غنویاں کتنی غنویاں ہیں اور اس کا موضوع کیا نہیں کریں۔

۸۱) تین غنویاں قصہ مکر مہر“ قصہ فرور شاہ“ اور لعل و گوہر کے نام سے مشہور ہیں۔ صاحب اُردو دوش پارسے نے ”مکر مہر“ کو محمد علی عاجز کی غنوی اور قصہ فرور شاہ“ اور لعل و گوہر کو عارف الدین عاجز کی تصنیف بتایا ہے۔ صاحب ”تذکرہ شعرائے دکن“ صاحب گل رعنا“ صاحب کلیات بکری“ صاحب غنویات“ اور صاحب اُردو غنوی کا ارتقا“ نے قصہ مکر مہر“ اور قصہ فرور شاہ“ کو محمد علی عاجز کی تصنیف اور لعل و گوہر“ کو عارف الدین عاجز کی غنوی ظاہر کیا ہے لعل و گوہر کو عارف الدین عاجز کی غنوی کہنے میں صاحب چمنان اشرا“ بھی ان لوگوں کے ہمنوا ہیں۔ صاحب اُردو قدیم“ ان غنوی غنویوں کو محمد علی عاجز کی تصنیف کہتے ہیں اور صاحب جواہر سخن“ ان غنویوں کو عارف الدین عاجز کی غنویاں قرار دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحق اور غنویوں کے متعلق تو عارض ہیں لیکن صاحب اُردو دوش پارسے کی روید کہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

”مصنف قصہ مکر مہر“ اور قصہ فرور شاہ“ کا نام محمد علی عاجز غلط ہے۔ اس نے خود اپنی تصنیف مکر مہر میں اپنا نام محمد دتیا لکھا ہے۔

عاجز، مخلص بھی غلط ہے“

گویا اس وقت تک جو کچھ تحقیق ہوئی ہے وہ یکسر نادریست اور یکس قلم غلط ہے۔

۹۱) صاحب چمنان اشرا نے لکھا ہے کہ مکر مہر کی غنوی بوستان خیال“

کا یہ تصنیف مشاعرہ ہے اُن کے عہد میں سراج زندہ تھے اور اُن سے تعلقات بھی قائم تھے۔ صاحب غنویات“ فرماتے ہیں کہ ”بوستان خیال“:-

”مشاعرہ کی تصنیف ہے اور اسی رعایت سے اس میں ۱۱۶۰

اشعار بھی ہیں“

وہ نبوت میں مصنف کا یہ شعر بھی پیش کرتے ہیں:-

زبیں ہیں ہے ہر سخن تمام دکھا بوستان خیال“ اس کا نام عہد جبکہ اس نام کے آؤ ہاتھ مطابق ہر سال ابیات ساتھ گر صاحب اُردو قدیم“ صاحب گل رعنا“ اور صاحب کلیات بکری“ اس کا سال تصنیف ۱۱۶۰ھ فرماتے ہیں۔ آؤ لڑکے اس کا مطابق ۱۱۶۰ھ فرمایا ہے اور یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ یہ تحقیق نہ ہے۔

۱۰۱) جرات کی غنویوں کے متعلق صاحب شرا لہذا نے لکھا ہے کہ کوئی غنوی نہیں لکھی۔ صاحب تاریخ ادب اور قصے لکھا ہے کہ دو غنویاں انہوں نے لکھی ہیں: صاحب تاریخ غنویات اُردو نے ان کی دو غنویاں ظاہر کی ہیں مگر جب ہم نے جرات کا دیوان دیکھا تو اس میں سنا میں غنویاں ہیں۔

۱۱۱) صاحب کاشف المحققان“ نے ہر جن کی صرف ایک غنوی سحر البیان“ ظاہر کی ہے۔ صاحب تاریخ غنویات اُردو فرماتے ہیں کہ ”سحر البیان“ کے علاوہ مولانا دوم کے طرز پر دوزخا شقیں کے نام سے ایک اور غنوی تصوف میں لکھی ہے ”صاحب“ ”آب حیات“ کا بیان ہے کہ ”سحر البیان کے علاوہ دو غنویاں اور لکھی تھیں مگر وہ نام نہیں بتاتے۔ مرزا فدا علی خجہ گھڑی نے ”سحر البیان کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ ”سحر البیان“ کے علاوہ دو غنویاں ”ارہیں“۔ ”گلزار آدم“ اور ”دوزخا شقیں“ صاحب غنویات“ نے ان کی دس غنویاں ظاہر کی ہیں۔ مگر نام کسی کا بھی نہیں پیش کیا ہے۔ ہم نے جب ان کا دیوان دیکھا تو گیارہ غنویاں ہیں۔

۱۲۱) ایک غنوی ”یہ درین“ ہے صاحب اُردو دوش پارسے“ س کو غنوی کی تصنیف فرماتے ہیں اور صاحب اُردو غنوی کا ارتقا نے اس کو غنوی کے بجائے ہتر کی غنوی لکھا ہے۔

ہر کیت کیا نک لکھا جائے اور کیا کیا لکھا جائے۔ بظاہر اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے محققین تحقیق تو کم کرتے ہیں لیکن مدت طبع کو زیادہ کام میں لاتے ہیں کاش

ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔

عطا اللہ پالوی

مشاعرہ شاعر مرصع طرح برائے راقی ۱۹۴۳ء

”ہمارے باغ میں موجود ہے بہار ہنوز“

یہاں - اعتبار دوزخا شقیں ہنوز بدعت

جو غزلیں، فروری کے بعد مدحی ہوگی وہ ترکیب انشائیہ نہ کیجیگی۔ مہاجر

# ستی

اک چتا میں جل رہا تھا اک حسینہ کا سہاگ  
 اک طرف تو اڑ رہی تھیں آگ کی چنگاریاں  
 اک طرف تو سر سے اونچا آگ کا سیلاب تھا  
 اک طرف تھی ہستی فانی کے پیراہن میں آگ  
 اک طرف بلہوس تن خاکسری پوشاک تھی  
 اک طرف ٹٹنے کو تھا نام و نشان زندگی  
 ایک دل دیتا تھا تسکین صدمہ و آلام کی  
 ایک دل کہتا تھا دیکر جان کی سال جائیگا  
 ایک دل کہتا تھا جلتا جیتے جی انساں نہیں  
 ایک دل کہتا تھا حسن دلربا میٹ جائیگا  
 ایک دل کہتا تھا زلفیں خاک میں مل جائیں گی  
 ایک دل کہتا تھا ماریگی جگر پر تیسہ کون  
 ڈبڈبائی آنکھ آئی لب پہ ہلکی سی ہنسی  
 آتش شوق اس قدر بھڑکی و فور جوش میں  
 چول زن ہندو کے در عاشقی مردانہ نیست  
 جکے شعلوں نے لگا دی اسکے جان تن میں آگ  
 اک طرف آتش بداماں آدھ سوزاں کا دھواں  
 اک طرف دل سوز غم سے ماہی بے آب تھا  
 اک طرف بھڑکی ہوئی تھی زلیت کے خرمن میں آگ  
 اک طرف چہرے پہ گیسو گیسوؤں پر خاک تھی  
 اک طرف بھارو بمنزل کاروان زندگی  
 ایک دل کہتا تھا ایسی زندگی کس کام کی  
 ایک دل کہتا تھا جینے کا مزا مل جائیگا  
 ایک دل کہتا تھا جینا بھی تو کچھ آساں نہیں  
 ایک دل کہتا تھا آخر کون سے کام آئیگا  
 ایک دل کہتا تھا زنجیر اب کسے پہنائیں گی  
 ایک دل کہتا تھا ہو گا تیسہ کا پتھر کون  
 درد کے پردے میں دریاں غم کے رے میں خوشی  
 گر پڑی آخر دہتی آگ کی آغوش میں  
 سوختن بر شمع کشتہ کار ہر پروانہ نیست  
 تیرے کا بری مینائی

# ..... کی ڈائری

(۸ دن جنوبی ہند میں — بنگلور کی عظیم اٹان کانفرنس اور مشاعرہ)

کتیں۔ خفاہ اگر کے ترین آئی اور بعد ہی وکاش مرت ایک پہلو سے بیٹھے کی جگہ کی بکریوں  
حسرتاں نظر ہے کی بکریوں سا فرنا کام دنارادو اپس جارہے ہیں۔ کسی کو ٹھٹ نہیں طا اور  
کسی کو فوجوں کی چہرہ دہشت اور دہشت ناک سلوک نے پاؤں پر بھی پاؤں نہ رکھنے دیا۔  
یقیناً حکومت کی فزوں میں ہماری فزوں سے اہم ہیں۔ لیکن عوام کے ساتھ گئے ہیں  
کا ساملوں کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

دو بجے کے بعد ترین گوالیار پہنچی، برادران کرم جناب رتھا قمریشی جناب شفا  
گوالیار کی اور چالیس توڑی پار چھوٹ گئے اسپیشل برمودہ تھے۔ رتھا صاحب بڑی خاموشی  
سینہ واصل کل اور غلوں انسان ہیں۔ رتھا صاحب کی عقیدت و محبت تو اعلا و خیر  
سے باہر ہے جس سے شمع و پردہ کو دیکھا ہو وہی رتھا صاحب کی نیاز مند ملی کو کچھ مکتا ہو  
رتھا صاحب قمریشی تو غیر دیشق شاعر ہیں لیکن رتھا صاحب نے چند سال ہی میں بھر مولی  
توڑی کی ہے جابلہ نگار کی کویرے بیٹہ بڑے غلوں سے تھے دیکھا، جنگ کی اپنی سورج  
نہیں ہوا کہ میں یا حضرت قبلہ مولانا سب مظلوم ادھر سے گذرے ہوں اور وہ اسپیشل  
یئر ٹرین نہ لائے ہوں۔ چند ہی لمحے گذرے پائے تھے کہ ٹرین کی حرکت نے آنے والوں  
کو ہم سے جدا کر دیا

پانچ بجے میں اور بھائی اسپیشل ٹرین فریب ہے۔ جس نے دانستہ جرم کا کچھ  
کھڑکی سے باہر نکال لیا ہے تاکہ حسن یاد توئی مجھے دیکھیں۔ ترین بیٹہ فارم پر رہتے ہوئے  
اور یاد تیر کام۔ تاکہ کسی طرح ہم سے جلد مل لیں۔ ان کے ساتھ بھی چند حضرات ہیں۔ یاد  
نے غلوں و محبت کے لئے ہوسے بھول چکا اور گئے یاد کر کے دیکھنے والے خواہ کچھ بھی کہیں  
لیکن وہ میری نظروں میں ایک زود احاس اور سرخاں و مرنے کو جوان ہیں جن کے لئے مذہب  
کی دوسری ہر وعدہ آسان اور الفاصل، بگے یاد کر کے پھرنے میں بڑا لطف محسوس ہوتا  
ہے۔ چنانچہ میں نے موقع ہر گلی گلی چکیاں بنانا شروع کیں۔ انگلیوں سے نہیں ملکہ نگاہ  
اور نوک زبان سے۔ وہ قریب اور میں مسکرایا۔ یاد رہے بھی مخاطب ہیں اور ایک  
مذہب کے میں بھی کٹاں یعنی سیکٹہ کلاس کے جس میں میں ہم سفر کچھ ہیں میں

عنان کی ناہمی غلوں کو گوناگوں اٹھیں میں ضرور ڈالے گی۔ پس سلسلے میں  
مرت اٹنا اشارہ کافی ہے کہ میں ڈائری کے مرتب کو کچھ لوگ ادیب سمجھتے ہیں، کچھ شاعر اور  
کچھ ایڈیٹر۔ میں ان تضاد پر کچھ کو کچھ جانتا ہے کہ ڈائری کسی کی ہے۔ بہر حال راتم الحوت کو  
جو جس کیفیت سے لکھتا ہے وہ اسی اعتبار سے اس کا مطالعہ کرے۔

۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء

جہاں تھا کہ گذشتہ شب کو اولی وقت نیند کی شہزادی کو خوش آمدید کہہ دینا ہے  
کہ وہ سہ سے سلسل شب و روز کام کر رہا ہوں۔ دل و دماغ ٹھیک ہے ہیں۔ لیکن باوجود  
کوشش کا جاپانی نہیں ہوئی اور دیکھتے شب کام کرنا پڑا، جسے مرکز سے دو دن ہٹا  
بھی ذخائر ہوئے ہیں دن کے طویل سفر کے لئے کچھ بھی گناہ پڑے وہ کم ہے۔ خدا کا شکر  
ہے کہ عام کام میں دو بجے ختم ہو گئے۔ دیر کا ٹھکانا ت کی آؤں منزل میں ہے۔ چند ہی کا  
رہا بھی مرتب کہ وہاں تاکہ بری فریج ہو گئی جس میں کی کتابت شروع ہو جائے۔ صبح آگے  
دیر سے کھلی، رخت سفر نہایت ہی کم کر لیا تھا SHAVING کے بعد  
غسل کیا۔ ابھی لباس پہن نہیں کر پا تھا کہ حضرت قبلہ مولانا سب مظلوم لے کھانے پر روانہ  
دے لی، یاد دیا کھانا کھا گیا۔ تاکہ آپ کے ہیں اور سامان لہ رہا ہے۔ ایک طویل سفر کے لئے  
جتنی ضروری چیزیں جو مسکن ہیں وہ سب ساتھ ہیں بہت سی چیزیں نظر انداز کرنے کے  
باوجود ۳۳ جیل چوڑے ہیں۔ برادر و منظم حضرت منظر مدفن کا پانی سالہ بچہ دست آخر  
برادر مہاں سجاد حسین کام سالہ لڑکا ابراہیم اور میرا بچہ ناہارادو اختتام پڑے خوش نظر  
سے بہر غلط کہ ہے ہیں۔ ۱۰ روز کی رخصت بھی توڑنے کے لئے متعاہذات احارنا  
کی حامل ہوتی ہے۔ بچے تو بچے ہیں کچھ بھی سفر کے طویل تصورات سے ایک ہم کی دہشت  
ہوتی ہے۔ تاکہ میں قدم نہ رکھے ہی ناہارادو اختتام پڑے پھوٹ کر روئے لگا۔ پتا ابھی  
راہو مٹی اسپیشل ہوئی گئے۔ ترین ایک گھنٹہ لپٹ ہے اور لطف یہ کہ وہ وہ ٹاکٹ  
بند۔ علامہ الدین غلام کو سامان کی نگرانی کے لئے چھوڑ کر جلا و کبہ کے ساتھ ملنگ آفس  
پر چکا اور شکل میں کٹہر کا مس کے لئے ٹرین کی خاطر ٹھکانا پڑی بل لطف سے





گفتگو نہ چکی ہو بھی ہے یہاں ہو گئیں۔ ٹرین روانہ ہونے والی ہے۔ الیگاہ کے  
 حضرت مولانا کے پاس سے کہیں کہیں الیگاہ کی طرف سے آئے ہیں اور صاحب زور سے ہے  
 ہیں کہ انکو گھر کی طرف سے آئے ہیں۔ لیکن وہاں سے کہیں کہیں الیگاہ کی طرف سے آئے ہیں۔  
 بلے غریبہ ہر حال و مدہ کے سے نہیں کیا جاسکا۔ عین صبح صاحب کی طبیعت اس سرسری  
 ملاقات سے سیر نہیں ہوئی۔ وہ اسی ٹرین میں سوار ہو گئے ہیں۔ اور پہلے گھر پہنچے ہیں۔  
 جوں جوں ہر کس البتہ وہ بھی قریب ہوتا جا رہا ہے۔ نگاہ شوق سے تیر ہوئی  
 جا رہی ہے۔ دل و دماغ فی الحال کایاں میں کر رہے ہیں۔ طبیعت بھی نہیں ہے کہ  
 کس طرح علو ارباب سے ملاقات ہو۔ قرآن۔ شفیق کوئی۔ ساز۔ جگر۔ کیف  
 "موجہ اعظم" داسے مولانا صاحب، یہ وہ وہ۔ ٹرین کی رفتار سے زیادہ  
 خیالات کی رفتار تیر رہے۔ ٹرین آگت ہوتی سے آگے نکل چکی ہے اور پہاڑوں کا سینہ  
 چرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ نگاہیں شاہدہ فطرت میں مصروف اور دل شوقی ملاقات کو  
 جو۔ کہیں کھا دیں اور کہیں سبک دوش نہ نیچے گڑھے کہیں پل اور کہیں ندیاں۔  
 لکھوں درخت۔ سر دوشاں اور سکوت لب۔ آخر ٹرین پہنچنے کی حدود میں داخل ہوئی  
 اس وقت دھاتی بجے ہیں۔ یہی کہیں کہیں گنگا سر آفریں زندگی کے آثار نمایاں نظر آ رہے ہیں۔  
 سرنگ غارتیں۔ چٹوڑی کی بکڑیوں قطاریں۔ یہیں سے تھالی کشین۔  
 طبیعت خود بخود آفرینہ و پریشان ہوئی جا رہی ہے۔ دل میں جذبات کا ایک وفان  
 رہا ہے۔ آہ اب سے چند سال پہلے ہی جنت نشاں شہر میری جو معرفت  
 اکوٹی بڑی ہی جمیل خاتون بھی وہی نہیں۔ موت کا جاہل و فاجر  
 انہیں بہت سے چھین چکا ہے۔ ان کے شوہر امیر الدین جگر صاحب یہی ہی سر اسلمہ  
 ملازمت نیم ہیں۔ گذشتہ دور تہ بھی آئے ہیں جو کشش اور جاذب تھی وہ اب نہیں ہے  
 مرحومہ کے خیال سے جذبات اک کو اجاگر دیتے۔ داد و ستبش پر ٹرین کی آغایاں  
 پر میرے باہر کی طرف دیکھا تو براہ دم امیر الدین جگر صاحب دھڑکنے ہوئے نظر آئے  
 میں اور قلم و کلمہ ان سے بھنگا ہوئے۔ ہر طرح کہ دل و دماغ اپنا انداز کہیں خشک  
 نہیں معلوم ہو کہ انہیں نصرت نہ کی طرف جذبات کے لئے ڈاڈ آگے ہیں۔ تاکہ  
 ملاقات ہو جائے صاب و دوش کو آئیے۔ ان کے نصرت ہوتے ہی آنسو کا سیلاب  
 اٹھ آیا۔ طبیعت کہتے کہ مینہ لے کی خوشی کر رہا ہوں جو کہ ہم نیم رہے  
 ہر جگہ ہیں۔ اس لئے کہ شہر غریبہ ہے۔ داد و ستب جذبات کے لئے جو کہ ہم نیم رہے  
 کی چشم ان ملاقات کے لئے ہر گز نہیں تھی۔ کہہ رہے تھے جذبات و خیالات نے ہر  
 اکس جلی۔ اس لئے کہ ہر جگہ ہیں۔ ہر جگہ ہیں۔ ہر جگہ ہیں۔ ہر جگہ ہیں۔

مولیٰ محبوب عن صاحب آئی دفتر دیکھ بھالے ہیں۔ جگر دلوں کے پھانے میں قندیل طور پر  
 وقت چلتی ہی جاتے۔ ٹرین سے اترتے اترتے پار اور پھلکے سے جگر دھک گیا۔ جب جگر دھک گیا  
 چوں تو شوق صاحب غائب۔ اور مولیٰ جگر دلوں صاحب فرمائی ہر گز ہی نظر نہ آئی  
 میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ سامنے کھڑے ہیں۔  
 باللہ تصویر کے بالکل برعکس کیا۔ وہی فرمائی ہیں جو اپنے خطوط میں سب سے زیادہ غور  
 بہت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ میں خود ان کے قریب پہنچا، وہ سکوت اور گرم جوشی  
 کے ساتھ معاملہ کیا۔ سلام ہوا کہ وہ فطرت خاموش اور سیدھے آدمی ہیں۔ لیکن اس وقت  
 ان کی خاموشی بے عمل تھی یا بالکل اسے وہ خود ہی کھینچتے ہیں لیکن برادرم شفیق اللہ صاحب  
 شفیق کوئی بھی نہیں لے آئے۔ گھر کی کچھ دھواں اور دفتر سے روانہ میرے میں جگر  
 منشی کی دیر کچھ کی محضرت خواہ ہیں۔ شفیق صاحب۔ قریب صاحب۔ آئی صاحب کے علاوہ سارے  
 راجسوری۔ آجس جھانی۔ شاہ۔ آجمل اور صاحب جاجا ان سے بھی خوش آمدید کیا۔ یہ سب لوگ  
 قبلہ کوہ سے فطرت و ارادت رکھتے ہیں۔ یہ معلوم ہو کر انہوں نے جو کہ مولانا صاحب صاحب  
 ہر گز ہی کو نصرت نہ کی۔ ایک بائی اسکول میں عالی ہی میں ان کا قریب رہا ہے۔ قیام کا  
 انتظام شفیق صاحب نے اپنے مکان پر کیا ہے۔ وہ، میں اور حضرت بلو مولانا صاحب نے  
 ایک کایاں روانہ ہو گئے۔ اور سامان گاڑیوں میں۔ جن صاحب کی رہے وہ خود ہی شرف  
 لائے ہیں۔ یہی کہیں کہیں دلوں میں سے ہیں۔ اور کئی کارخانوں کے مالک، نام خود ہی شرف  
 ہاں ان کی خصوصیت ہے کہ عربی اور انگریزی زبان کے علاوہ کئی دوسری زبان میں شرف  
 شفیق صاحب سے گہرے تعلقات ہیں۔ نہایت عین صاحب الیگاہ میں بھی جا رہے ساتھ ہی  
 بھی ہیں تاکہ کچھ دن قبل کچھ کی خدمت میں رہ سکیں۔  
 جلتے قیام پر پوچھا کہ کیا سارے پانچ بجے جانب صاحب شرف لے آئے  
 میں نہیں کہہ سکا کہ ان سے کچھ کہنی متر ہوئی میں تمام شرفیادیات کو ان میں بچا ہوا  
 ہوں۔ نہایت بخیر۔ باخاف انہیں کچھ پوچھ کر رہا ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ  
 مظاہر العلوم کے غلبہ انھیں ہوتے ہوئے بھی ان میں کوئی کی سی خشکی نہیں ہے  
 انہیں دیکھ کر بلو مولانا صاحب امیر الدین صاحب امیر الدین صاحب امیر الدین صاحب  
 انہاں کے اقوام اور برادرانہ حقوق کی نگہداشت کا انہوں نے آئے ہی مظاہر شرف  
 کر دیا۔ کچھ دیر بعد قلم کے متعلق گفتگو رہی۔ میں نے انہیں بتایا کہ شفیق جگر دلوں صاحب  
 آپ کے مضمون کا جواب ان کی صورت میں شرف لے آئے ہیں۔ کہہ اور علی اسے بھی  
 قلم سے لکھتے ہیں تو فرماتے گے کہ "مختصر صاحب" مولانا صاحب کے لئے تیار ہیں اور  
 ہر اہل ان کے مختصر صاحب کیسے کہ ایک ایک کلمہ کا جس میں بھی کلمہ لکھا ہے





# مشاعر شاعر۔ مصرع طرح :- کیا بہار اور کیا خزاں سب کچھ گوارا کیجئے

حضرت سلیم مہروردی گوالیاری

حضرت آسی زکوی لاہوری

مصلیٰ دل میں جو نائن تھا کیجئے  
گہ تو نظیر وہ درم کیلیا کیجئے  
اگسی صحبت سے ہو جزئی نہ کیجئے  
لٹ ہل گیا، آنکھوں کے تھک کیجئے  
جب گلابی غم کو غم نہ کیجئے  
پھر کتاب زندگی پر تبصرہ کیجئے  
بائش طفل بھی ہو سکتے ہیں غمناک  
ان کو یوں غم حیات کو نہ مل کیجئے  
چنانچہ بھلے بننا ہو گا کبھی ہو  
ہر سبکین نظر سب کو بنایا کیجئے  
تو جس نے اندر کی دعا کیا  
ہو سکے تو کوشش ترک نہ کیجئے  
بزم کی ہنگامہ آرائی کو اگر کبھی نہ کیجئے  
اسے سیکم اب ہی ہو نفس کی آواز  
ذم کی شرافت کی کاغذ کیجئے  
خیر مقدم ہے فوری میں نہ کیجئے

بے فوری میں یہ ذائقہ دہرہ کیجئے  
ہمدرد کی زندگی ہو ہر طرح کیجئے  
اگر نہ ملے لے لے لے لے لے لے لے  
اگر نہ ملے لے لے لے لے لے لے لے  
آج کشن کو سپرد ہو کر دیکھ کیجئے  
آپ ہی ترک محبت کا ارا دیکھ کیجئے  
سر نہ لے آتا ہے من سے ناز غل  
میرزا آسمی - جیسے دہن ہو بنا  
جو شکایت ہو بنو ان نہ کیجئے

حضرت نگر نعلانی سہمی

محسن ادب حضرت شتر تنگ می اندو کیٹ اصلی  
رویتے، پھر اپنے ہر اکو کیلیا کیجئے  
جس کا عالم اعلان میں مکن ہو کیجئے  
اک تھانہ ختم کے اک تھانہ کیجئے  
ابک ہی طوسے کو مشن شون برور کیجئے  
ککھ ش کی آندو اکک نہ کیجئے  
کیا کہوں کیفیت غفارہ حسن و جمال  
دیکھئے اس کو حضرت ہر اک کیلیا کیجئے  
جب تلک ہے کہ دینے والا کو اور جو  
کیوں کسی کے در پہ اظہار نہ کیجئے  
جانتے ہیں، اب اگر دو ساتھ دینا آج  
سہل سی میر میر ہو کر نہ کیجئے  
یوں حال میں شائل کا ہر تھنہ لگا  
دل کو پھر کیجئے، ابالی کیلیا کیجئے

بہر ذرا غم میں گسے اشد کیجئے  
بہر جان آندو میں مٹر کیجئے  
اپنے خود بہ مردوں کو پیش دیکھا کیجئے  
عشق آجائے گستاخی پیچ طقت  
بہ تھانہ یہ سماں یہ سہم اچھا نہیں  
کھدو پاس خاطر اہل نہ کیجئے  
فطرت آنا د کا احساس پیدا کیجئے  
آپ جیسے میں شائے حسن نہیں ہو  
پروردہ کر ملت تاجر صمد نہ کیجئے  
آپ جاہیں بھی تو بھول نہ ہو کر کیجئے  
اس طرح آباد میرے دل کو نہ کیجئے  
جے نیاز راہ و رسم خلق دہا تو  
کب اثر ہوا جس پر لا کو نہ کیجئے

جناب کیفیت بہاری

حضرت مولانا جالب سہمی  
کہے کہ آنا تو غیب شون پیدا کیجئے  
کہے کہ آنا تو غیب شون پیدا کیجئے  
دل میں حقیقت میں جاباب مجاز  
آزروے دیہ کو چوڑی دل کیجئے  
زندگی جذب طلب ہو تو تہی میں سکوں  
جو نہ پوری ہو کبھی ایسی نہ کیجئے  
سودا گاہ شون ہو، ہم پڑش بریں  
حالی کیفیت سراج اس کیجئے  
کہو کہ رک طرح جو این تھو راعاد  
آپ اب جس طرح چاہیں پڑا کیجئے  
بزرگ بچا ہوں میں گشت کا دیں  
کون جو اپنا یہاں کسی نہ کیجئے  
ہے گمان جابک کسی میں بہت قدر دفا  
اب مناسب جو یہی نہ کیجئے

اپنی خود داری کو کیوں کیا میں ہو کیجئے  
اپنے شوالی سے اندر نہ بردا کیجئے  
کہا بھی جیسا ہو اس کو ش رکھا نہ کیجئے  
آتش فرق میں جاباب جہد ہو چکا  
ساز کے پڑوسی سے کوئی یاد کیجئے  
آتش فرق میں جاباب جہد ہو چکا  
اگر اللہ جن نہاں کی کو ہر نہ کیجئے  
دیکھنے والی نہاں میں کیجئے  
زندگی و موت کے ہر نہ کیجئے

### جناب شفیق کوئی

ہرے عشق و عاشقی کا اب چھو جائیے  
آئیے راہِ عمل میں نام پیدا کیے  
عشق کی منزل میں چل چکے تھوڑے تو  
اپنا سانی ہو جا رہی ہے جو اپنا ہمار  
من نہ جادوں میں کہیں یہ خانہ عشق و شفیق  
مٹ گیا محسوس ہو عشق کی آگ بجائی  
دیکھ لالہ الہک ہے گلشن کو شفیق

### جناب طرہ قریشی احمد رومی

دل کے لیے گینے کا پس پرانا ناش کیے  
ابکا اندیشہ تار کی شام حیات  
ہے ہی کا نام کمال عبادت عشق میں  
مرد نے پھر سے اس طرح کیا فدا ہے  
زندگانی نام ہے مجھ کو آلام کا  
جن کو سن کر وہ جھٹکا تو عشق ازل  
ہوئی بدست محفل ہمارا کینہ جود

### جناب شفا گوالیاری

ہر فردت ہے کہ ہر تقدیر کوئی کیے  
حسن کی نافرمانی فرس ہو جو جبر نیاد  
میں غم نام نہ سے گل لوں ذرا  
رنگ و بو کے جیس ہیں گستاخ کیے تو  
بھول بٹے بٹے کیسے رہ گئی دل کی کل  
مرکز جلوہ ہر دل، اودھ نظر کے ملنے  
ذندار میش ہر نام ہر اک نام و شفا

### جناب آذر ناگیوری

نواں دل کیے، غریب شہ کیے  
چشم بنائے عشق کا تار کیے  
در دہال کو ہر صحن میں کیے  
چاہتا ہوں ہر صحن میں کیے

ہری دہانے محبت کو نہ دوا کیے  
جنس آزادی کا خون لکھو کیے  
ہر سے گناہ سے تو آپ پر داکھے  
چو کے تو اس طرح کا دھڑا کیے  
کئے لیکن بھلا اس نہ دوا کیے  
لے جیں عشق اب کس کو کھدا کیے  
اس میں بھی کوئی شکی شکل پیدا کیے

کس کی صورت دیکھ کر عشق تنہا کیے  
تسکے فکر مال صبح منہ داکھے  
اسکو سجدہ کرنے کے خود کو کھدا کیے  
سانس کے دم میں کس زبدا کیے  
ندنگ میں دل پہ جو گندہ گوا کیے  
ماز فطرت پر وہ لے لنگا کیے  
ختم طرہ اب تو ذکر جام و میا کیے

وہ ہیں پردے میں قوایا کیے  
عشق میں خود دبا دیاں تو پیدا کیے  
پھر بچے آسودہ صبح تنہا کیے  
سودا کر دل کو اس برجن دنیا کیے  
پھر ذرا انداز تنہا کیے  
خود کو سجدہ کیے، یا ان کو سجدہ کیے  
بلے مہلا ہر قسم دنیا گوا کیے

کیے اپنے مریض قسم کو دوا کیے  
جلوہ خود شہر فتنہ سے پیدا کیے  
ہر کے تو غم کا غم ہی سے ملدا کیے  
قدیم عید سے پھر عشق پیدا کیے

شک ظفر کا جبین عشق کو کھیں ہوگا  
یوں اگر جو جاکے تو جو جاکے لیکن نظر  
اٹھ دہی ہے اب بڑا دھڑا دھڑا  
کس کا نام کیے کس کو رو دیا کیے

### جناب لالہ بری از کوکشی (ریاست دہار)

دہ قریب دل رہا تو کو دھوا کیے  
پھر بیٹے دنیا، یہ دنیا تو پرانی ہوئی  
بحر غم میں کوئی قوسے ہو سدا کیے  
چند دن کی بات ہے پھر مہلا دنیا کا  
کاش دے فطرت میں تو زینت رک زرد  
کھل نہیں گئی نیاں آرزو عشق میں  
مطلقاً چھٹ جائیں تو کون دھڑا لالہ

### جناب تنویر احمد آبادی

طور پر چاہے کی کون محنت گوا کیے  
فواہش دنیا نہ دنیا کی فتنہ کیے  
دیکھتے پر بھی حال بار دل بھڑا کیے  
آستان یارب ہے ہر ذرا عشق کا  
ناتواں پاسے طلب ہو اودھ منزل تختہ  
آپ کو دل جاتا ہوں گشتہ دل بھی میرا  
کیجئے تنویر عشق روشن اور پیر

### جناب ارشد ساگری

کس کو دہر جانے کس پر بھروسہ کیے  
دیکھتے ہر دم ہو جاوے نظام بزم زلیا  
شدت غم، کثرت آلام، انبوہ طلال  
بھول بھی تو گلشن عالم میں عشق نصیب  
آرزو تیری بجا، لیکن دل مجبور طلب  
تا کمالی دل جناب پر رکھے نظر  
اس طرح مل غزل کیے سوار شد فادہ

### جناب خیر علیق جیلانی ایلوسی

وہ کھاتا تھا چائے چائے چائے

ہرے نام خانے کو ہر شکل صحرائیے  
رات بھر ناول میں جپ کر سکر آیا کیے  
کس کا نام کیے کس کو رو دیا کیے

یہ مذاق جو نظر دل میں پیدا کیے  
اب سے سر سے کئی لہر دہا کیے  
یا دہی دیکھے، یا پار بستر کیے  
تخیل کا زنگی کی کس سے نکلا کیے  
ایک دل باد حرم لاکھوں کیلک کیے  
کیوں پھر نظر دل سے نکلا دھڑا کیے  
روشنی ایسی وطن میں کوئی پیدا کیے

دل کے آئینے میں جن باد بکھا کیے  
کیجئے عود تین سے کس را کیے  
چشم حسرت کا قضا ہو کو کھدا کیے  
ہوئے تو ہر دم پر ایک سدا کیے  
لے جنوں اب ساز و سامان کو کھدا کیے  
اد کچھ دن خون حسرت کا تار کیے  
سوز پہناں محبت آشکار کیے

اپنا ہی نقش قدم ہر ٹوکے دیکھا کیے  
ساز دل ہوئے گلے نہ بھڑا کیے  
دل پہ جو گندہ محبت میں گوا کیے  
چاکا لانی کا اپنا کس سے نکلا کیے  
کس سے جل کر طرہ پر عشق فنا کیے  
تا بے باغرم ہستی اٹھلا کیے  
لطف تو جب ہو کوئی بات پیدا کیے

زندگی پر نظر رکھنے کا اصل مسرور  
پہلے ہی سے زندگی حالت پر کچھ ناگفتہ  
دل کو اپنے کیے مجبور و پاسبند دل  
آرزوئے طرہ و طرح و امین ہے کیوں  
ایک قطرہ بھی بہت ہے اہل بہت سکے  
دریے آزار ہے سارا زمانہ اکی

### غائب زندگی کا

منتر شہزادہ وقت ہے کچھ کیجئے  
تکنت و انکس کا پہلے داوا کیجئے  
بے حس و قیون نظر میں ملامت ہے  
پہلے جذبات محل کو شعل کر کیجئے  
سہمی ہم کا لیتنا کا بے بی ہے مل  
مرزا زہری سرخ روشنی کے سوا ممکن نہیں  
آداب بھی کامرانی باؤں چو کی فرود  
ماہ نازش پر تاب گدھی

یوں بھر دہر میں نازش کسی کا کیجئے  
ہلکے کتنے ہلکے کس کر اب نیل تاب دید  
کوڑھنا چاہتے طوفان بے پایاں میں  
وہ جناب و سرسبز و شاد و شریں ہیں  
"گدھے و مچھڑا کو بے خطہ و بر خطہ و میں ہے"  
آپ کو نازش اگر کھٹکان کو عشق ہے

### جناب وحید بلا سیر

جوا کھڑک جیٹ دامن میں نکلیں پھر کھیں  
مرد ہو کر وہ کیا ہیں ہر گز بے کا نہو  
درس جو دینے کے غریب کو غیر  
عزم و استقلال کی بنیاد دل میں الکر  
زندگی نے اہل عجب مایہ نوح و شعلہ  
"کیا ہمارا اند کیا خزاں بے کج گوار کیجئے"

کڑت ملے اکثر فلک پر جا ہے دل  
جناب اکرم حنیفی و حو لوسی  
"اکھا آوارہ گدی صدمہ گرد و غبار  
انہما ہے بے کسی میں آہی جو بہ صرا  
انقلابات زمانہ متحاشے وقت ہیں  
غواب آورے حس میں جھوٹے گلاب کے  
دل پریشاں جو بھر رات کھولتی نہیں  
انقلاب دہر کا اکرم تقاضا ہے یہی

### جناب غنی جلیبی

گول گول ہے سر سے قم کا مادہ اس کیجئے  
آپ کو بردا ہی کرنا ہے تو برد کیجئے  
ہے وہی شای و الفت جو شای و جنوں  
یاد میں ہر جہے کس کو زحمت غلاب  
دقیقت میں ہی تو زندگی کے نری  
اس طرح طے کیجئے راہ کجبت لے غنی

### جناب شہد جلیبی

برجی جانب اک نکلا لطف افر کیجئے  
یا کجے چتر جنت سے نہ دیکھا کیجئے  
خود بخود رک جائیگی یہ کجما انقب  
کہ ہے اہل عالم کی گز کر انقلاب  
خمریں باوہاں "اگلیاں جو وہاں  
وقت فرصت ڈالکر منہ کو گویا بر شہد  
جناب سیف گوالیاری

طالب دیار سے اتنا پردہ کیجئے  
ہوش کو بیٹھے تو بکس کی خلاقیوں کو کم  
نکلے آدھی کی سدا کو نور بھانوں  
بر کد واد الہم مشکوہ فرمائے گے  
بے خبر جو جلد لیا آگوشی بھراں  
آپ کو ذمت بھری شامیہ

### جناب فضا الہ آبادی

تکلف ہے اگر عالم میں چرچا کیجے -  
دل میں پہلے درد کا احساس پیدا کیجے  
عقاب ہے کسی کے حسن وصال کا  
تھمرلے غم میں نہیں قصہ کلیم دلوں کا  
کار و نمانا کو مفتی بہت اہل کمال  
چاروں کاندھ کی جملے فصاحت کیجے

### جناب مہر چھراوی بی۔ اے

دین آؤ وہ دہل کا کچھ دا دیجے  
حالی بردار تین کچھ باورِ مہل میں  
آتشِ مزہد بھی بھر کھٹا چھوٹے گل  
دہر کی ہر ایک شے محدود ہو کر دھکی  
بارغِ کف میں مہر چھراوی کی خودی بھار  
جناب حنی فاروقی کلنوری

بلد طمان حادث کی نہ بردا کیجے  
جس طرح گدو بہر صحت گزارا کیجے  
دل بہ قابو رکھو اور ہوش خود پر سر  
ہے خطہ بہ راستہ طالبانِ حیرت  
جو کہ باہر سے حال کچھ نہیں چوتھنی  
جناب منظر گو الیاری

انبارِ درد کو عشق میں یک کیجے  
دنگ لایگا کبھی تو جذبہٴ حزن آزا  
گو نصیحت بہ بجا ہے آپ کی ناصحہ  
جس پہ کی کسدا ہوں بک واپس ہو  
جو فادائے ہیں وہ آنکھ نہیں کھلی  
جناب بسمل بھنڈاری بی۔ اے

حزن کی خود اویلاں کو دیکھ دینا مٹھی  
ایہ تیرے بچپن پر اٹکنا غنائی ہو گیا  
جگر و دل شہد ہیں تیرے حیرت  
آپ کی ہر بات میں ہے سکھ کا پتہ

### ہے بیلام کہ بسمل الہی سرور کی دست جناب خادم شملوی

لا کیا ہمار اور کیا خواں سب کچھ گواہ کیجے  
گوئیے دوسا ہی کو تپے تو چھائیے  
ہاں تھکا دیا بھی ہے کتنے کلاں کی  
سوزِ غم نے دل جگر دونوں کو جلی کر دیا  
قربت پر گشت پر اپنا نہیں کچھ اعتبار  
جناب قدیر عسکر فرخ آبادی

بکول کسی اداں کا دنیا میں طرہ کیجے  
ہو نہ جانتے حشر کو خود زندگی ہی گواں  
جب یہ سب سے ڈنگی جو ایک تیرہ مستقل  
ایک جلوہ گاہ اُن کی غلطی دل میں ہو  
آپ کو اُس کے دلی مہرِ کف کی قسم  
جناب منظور قریشی

ہام جب کہ نہ ہے کچھ کیا سوچا کیجے  
دل بہ کہ نہ ہے نہ کھاتہ ہر گھڑی  
وہ ادھر دوسے ادھر چھینے کئے دے  
اعتقاد باپوں جو کردہ کئے کوئی تعلیم  
دل کی صحت اور دیر آگھر کارا مارا ہو  
جناب اکوڑ شہناوی

حزن کی توہین کر دل میں چھپا کیجے  
کیا عجب ہو جائے انکو یک بیک توفیق  
سرفروشا نہ کسی کی مداد میں سر دے  
لکنت ہوئی سے لطف ہم کلاہی ہو چھے  
یہ تمام صائل کالے آؤد کچھ کو یاد دہن  
جناب کرامت گو الیاری

دل میں پہلے جذبہٴ کمال تو پیدا کیجے  
بت سا کچھ ہوتا جاہل ہے ذاتی زندگی  
آگے ہیں آپ تو سب کچھ دردِ اوجم

سوزِ پردہ گزار شمع پیدا کیجے  
شا کر تقدیر دہے کچھ نہ نکلا کیجے  
کچھ دنیا میں کچھ کو خوب دوسا کیجے  
حسرت کی میر کی بجائے آپ کھلا کیجے  
کچھ بھی اب جو حال اپنا بیان کر لکھیے  
راہ پر لائے کی قادم کو شمشیر بکھیے

جس طرح بھی ہوئے ترکِ تنہا کیجے  
سلنے آگے نہ چھینے کا ادا کیجے  
"کیا بھار دھکیا فوٹو اس کچھ گواہ کیجے"  
جلد پر جانے کی کھول صحت کو اور کیجے  
یوں سر برا دار محشر کدہ دوسا کیجے

سوچے ہے کچھ نہیں ہوتا ہے سوچا کیجے  
آگے کھنٹی ہے انھیں ہفت دیکھیے  
حضرت دل اور اظہار تمنا کیجے  
پھر دکھا جس گے وہ جلوہ بھر فنا کیجے  
آگے نیور اور ہیں منظور اس کیلے کیجے

بری دینے نکل میں اُجالا کیجے  
اشفاقِ دید پیدا اشل ہو سکی کیجے  
اقتضائے وقت کا شہد ہے ہر کیجے  
بات کرنے میں کوئی انداز پیدا کیجے  
درد بیکر صورتِ سیاب نہ پائیے کیجے

پھر نفاذ کنیوں کا آگے شکا کیجے  
ہوئے تھوہر دل میں کچھ ہفتا کیجے  
جب کچھ اٹکا ہے اندر تھکا کیجے

مدی دنیا فیکتی ہے کہ میں ہوں پہلا  
زندگی ہر کھل نہیں سکے جو راز زندگی  
جناب قمر فاروقی بہل ضلع میانوالی

آپ بیگانہ مجھے ہیں تو مجھ کیجئے  
زندگی بھروسے کرات آپ بھائی کیجئے

اپنے جلوں سے نور میری دنیا کیجئے  
لاہرائی اور ناگاہی سے ہو کر بے نیاز  
دشمن اس بے پناہ سے ہر بیکاروں  
اپنی مذہب و تمدن اور وقت کے  
ہو چکے ایک مدت سے قمر محرم من

جناب اختر ذابقی منگلوری  
ہم نے یہ نیک حکمی گوار کیجئے  
نظر ہے لیجی تیرا آشنا  
چہیت کے خوشے پاک خود جو جائے  
اسے آقا بے بند میں بھی انقلاب ہو کر

جناب کلیم کریم دھولوی  
نکھر دنیا کیجئے بائسکر قلم کیجئے  
کیجئے ہاں عام انسان ہر جگہ کیجئے  
ذوہ ذوہ کا پائے کا نشانہ قلم کا  
پھر نقاب آئے ہے بین تیرے جہاں

جناب اشعر ہاشمی طبع آبادی  
دل دبا ہے جرم تو کوئی نہیں ہے کیا  
تھک کر کچھ نہیں ہے تھک کر بے اختیار  
ہم نہیں جب ان کو گرفت ہو کر تیرا  
خود میری اظہار ہو چکی ہو کر تیرے

جناب ہنر الیگاندی

کو نہیں سکتی گارا شین خود داری ہری  
ہو شریعت باجست نہ تو جان ہی نہیں  
کیوں ہے بغیر صلح اور مجاہدین وطن  
لاوش فکر خیال کا قضا ہے ہر

نہیں تیرا طواف کوئے لعل کیجئے  
نہیں ہے فکر کوئی طرح جدا کیجئے  
خون جرمی حرارت دلی ہر جگہ کیجئے  
اک نئی آبادی سدا سدا دنا کیجئے

جناب سراج احمد آبادی

میںوں کا گلہ جس نے کیا ہر دشت میں  
خام غفلت ہی رہے گی نا کا خیال میں  
دل کی برادری کا عالم کچھ دیکھا جائے  
اذین رخصت ہے ہر چو کو کھلا و سراج

جناب شوق شہادوی

ہر ہر آزادی گلشن کو ترس کیجئے  
سرکشوں کا ہو ہی جائے گا کٹھن سرنگوں  
تنگ آ کر ہو ہی جائے گا کٹھن سرنگوں  
منہر سے زندگی ہر جن کی خود انقلاب

جناب قضا کوثری

عمر سے محدود لا شعور اپنی فحاشی  
بے تیرا نشانہ ہر لحظہ فطرت کا نظام  
محور اسرار دنیا میں نہیں ہو ایک بھی  
اسے قضا برق خولی موعود ہر جگہ

جناب فیس بدھوی

اکی صورت نقش سجدہ ہی میں پیدا کیجئے  
آگئے قیاد کے بس میں تو اب کیجئے  
آئی ہے وہ کہ اکی با دلی ہر جگہ  
جو مصیبت میں دلی کر دشمن کو دوت ہو

جناب مالک ہاشمی ناگپوری

جہوہ جن حقیقت آشتکار کیجئے  
بھر طر آں کو جوڑوں کا قاضی کیجئے  
کچھ کی ہنر نہ ہنر ہنر ہنر میں  
خسے اکتوہیں مالک جوڑے امید فنا

جناب شارب قریشی ناگپوری

خسے کا تصویر ہر کتبے دل میں ہے  
دیر کو بے قیمت ہر کتبے دل میں ہے  
سدا سدا دنا کیجئے

لبے دہانے سے نکالیں کس کیجئے  
جمع بیداری کے کھانا ہر بیدار کیجئے  
یوں نکالو دانا سے کس کو نہ بھڑکیجئے  
چاروں کی زندگی میں کیفیت کیجئے

کیا ہمارا دور کیا خزاں سب گوار کیجئے  
پہلے اپنے بازوؤں میں زور پیدا کیجئے  
ظہر جو جہے قید ہو سکی کیجئے  
پہلے ان مردوں میں جان پیدا کیجئے

کیجئے سجدہ اگر کو تو اب کیجئے  
کیا ہمارا دور کیا خزاں سب گوار کیجئے  
جہوہ ہی بھول جانے کی تنہا کیجئے  
قلم ایسے دویتوں کا کیا ہر دلی کیجئے

ذوہ کو فرشتہ اور نظر کو در کیجئے  
پھر نگاہ خد کو جو تماشا کیجئے  
ہر جہوہ غما کو بھال کا دلی کیجئے  
فکریہ میں نہ لگانی کا بھر دلی کیجئے

کیا ہمارا دور کیا خزاں سب گوار کیجئے  
پہلے اپنے بازوؤں میں زور پیدا کیجئے  
ظہر جو جہے قید ہو سکی کیجئے  
پہلے ان مردوں میں جان پیدا کیجئے



سائے تنگے زباں گشتی نہیں نہ کیا ہوا  
دل کا نشانہ نگاہوں سے نہ پایا کیے  
جناب اختر حرمین از کا پیور

ابہ و ان تھامیں سے بھی الفت ہی ہو رہی  
حال دل اُن پر نہیں دُکس پڑنا کیے  
گل پرستوں کو نہیں زیب بھی ترک بہن  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"  
بیر جیس کر یاد آئی لذت آغوش در  
جی میں آئے کہ پھر سحر سے یہ سہا کیے  
خبر باد سے اختر محروم دوسرا خبر باد  
نویس اک درد آشنا خالین اب بیک کیے  
جناب اکرام احمد آبادی

بلہ نیاز دے پردہ کیا تو کس  
ہو سکے تو دیکھنے داوڑ سے پردہ کیے  
نشر نغم جان آرزو ہوا ہے گا  
خوش خدات ہم سے نہ کچھ کیے  
جادہ راو طلب شہادے تو کس ہوا  
ہر قسم پر غی زحمت گواہ کیے  
بزم موت میں شراب شوق پکڑا کر  
عشق کی کیفیت کے ساتھ جو کچھ کیے  
جناب بیگم کاغذی لارڈ لارڈ

اپنے ہی قلب صف میں نگار کیے  
کون طواف کبر و دیر و کلبا کیے  
خاک کرنا ہی اگر مقصود ہے نصیب کون  
ارمن دل میں کوئی کون پھر وینا کیے  
ستان انتقام میں ہے بیتاب بطن منی  
و میں دیکھ کیے کیوں فکر فرما کیے  
جناب مرزا شہزاد

بچے احاسی منت دل میں پیدا کیے  
پھر کسی سے عشق کسے کا ادا کیے  
پھر مجھے تھیں دل کی آندہ و ہر جن  
انک شمع و خاک پروا کیا کی کیے  
یاد ہے فرما دھارث آجک تولا ہے  
جس میں اپنا فائدہ ہو کام لیا کیے  
جناب ملک حنیفی نندرا آبادی

جاہا ہے دل کہ انسا و تبا کیے  
پھر خیال آئے کہ کیا اُن تقاضا کیے  
کدہ ہی ہے اہل محسن و نالے کی دوش  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"  
دے ورساک اہل دل کو دعوت نکال کیے  
نظم میں اب کوئی انداز پیدا کیے  
جناب فہمی جلیوری

جو دکھائے گور و خور کیسے کیے  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"  
بیکر میں چلے گی ابھی اور اسباب  
شمن و غم میں کیسے کیسے کیے  
جناب لکشمی جلیوری

پھر کھل گئی ارمیاں ہر صبر کی گنج  
اس خطا اعدائے مجھ کو نہ کھلا کیے  
ہے طین کا رجزا جکی ہر تقدیر میں  
خوشے تقدیر کا ہنس سے گلا کیا کیے

جناب ملک پالین لودی  
خندہ چٹائی سے جینا بس ہی جو زندگی  
مکھو اک ہر مصیبت کو گواہ کیے  
حزین خود آئے گی باؤں ہر سہ کے  
سرکھن جو ہے ہر کھن پھان کیے  
اسے نکل کر راہ اپنی پر خطر ہو جو تو کیا  
جانب نزل قدم اپنا بڑھایا کیے

جناب راز بردانی دھولیوی  
کٹکٹ ہی نہ ملے ہے زندگی ہے کشش  
زندگی بھر سنا بارخ و ملا کیے  
خوب ہے ایدیں بارور ہوتی ہیں  
دل میں کس میت پر اید پرست کیے  
جناب رازی ہل صلیع میاوالی  
شہاد آجائے سکون نا آشاد کو سکون  
نشر غم ہری رگ رگ میں گلا کیے  
اُجڑتہ سس پے راز کیے محنت نام  
ذوق و بطن میں دُنیا کی گلا کیے

جناب من سارگی  
گشتی ہستی کا ہے ہر دم کو گلا کیے  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"  
پردہ شجلی ہو گئے کون سے ہوتی ہی  
دو دل درد آشنا جادہ ہا کیے  
جناب شاہ سلیمانی نقشبندی جالندری

چارہ گر کوئی نہیں جب دروغ افش کے سما  
درد و غمت کو نکوں اپنا سما کیے  
دل کو خوش آئے ہے یہ بھدی ہوا جلیونی  
کیوں نہ اُنک دہ آہ میں ہر تہ گلا کیے  
جناب طالب بھٹا باریوی  
ہر گز روائی نہیں روائے کئے آپ کو  
اپنا روائی کچھ کہہ کر دسا کیے  
انقلاب دہرے آنا رہے جس آب کول  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"

جناب فرحت موراوی  
کہ دہیں گئے کوہل آب انقلابات جہاں  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"  
ہاں وہ آئے ہیں جنت اور شہ کی  
دل ہی دل میں اپنے منصوبے بنائے کیے  
جناب سلام ساگری انجیل پور

اے اعدائے دل کیسے کیسے کیے  
"کیا ہمارا در کیا خزاں سب کچھ گلاسا کیے"  
اے اعدائے دل کو ہے جو ہر جہد و جہاد  
کسے جو ہے تمام بے رنگ کیے  
جناب نقی جلیوری  
خون و دھن کیسے کیسے کیے

جناب انجم احمد آبادی

اے بزرگ تصور میں سرے تصور حسن      نیز گئی شامِ فرقت میں اُجالا کیجئے

## جناب سوز اہنالوی

”کیا ہمارا اور کیا خواہاں سب کچھ گواہ ہے“

جناب کینٹی احمد آبادی

دل مرا بیتاب ہے آنکھیں بھی مضرط  
اب خدا کے واسطے محبت نہ پر دایکجے

جناب ارمان معصطفی آبادی

آپ غور شدہ حدائق میں ہوں ملود آیکا

جناب رازی قاسمی لکھنؤری

فرق ہو کر خودی میں حس ساری کائنات

جناب سہا شہادوی

مستعان دیر میں ممکن ہو اپنا تہاں "کما ہمارا درد کا خزاں سب کی گوارا کئے"

خواب محمد رسول الله

جواب فن ساری  
اساتہ کوں روئے سر تاب نکساؤں ہم

فاطمہ کا لالہ

از مولانا انتظام اشد شهبازی اکبر آبادی

شہداء عظم سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایک

ہندوستان کے زمانے سے خلفائے راشدین تک اور

امام حسین علیہ السلام کے بچپن سے شہادت تک کے تمام واقعات کو

دور دور ملک میں کسی جگہ نہیں مل سکتے۔

قیمت صرف ایک روپیہ (ع) علاوہ محکمہ

یست مرت ایب (و پیہ) ملاوہ سٹولہ

خدا کی ہزار بار لعنت ہو جھوٹے اشتہار بازوں پر

اگر مخلوق خدا کو دھوکا دیں تو خدا اور رسولؐ کو دھوکا دیں

اگر خداوند ربان دیکر کھوٹ کر کم کو: ایک دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو تمام قیمت واپس کر دی جائیگی۔ خبردار ہر قسم کے مریض کے لئے سندیافہ حکم ماذق سے ہی علاج کرو۔ ضرور کمالی حملی دوا کے متحدہ سب سے کم اور فائدہ سب سے زیادہ ہو گا۔

طلہ زار یا جڑو

کائنات دیکھیں کہ طلاء بطن، انعام استی، سبکی، کوٹاہی، لاغری کے لئے اُنہما صیغہ اور نا بابرغیب ہے۔ طلاء بطن ہی دروز بناؤ رکھا کہ آب کو تارے کا گدیہ میں چڑھا لے گا۔ شیخ طلاء را سادہ سے کے مراد دوری کشمش، فرسی اور داماری اور کھٹے کے لئے بڑی دروست کوٹاں شوخی باہر اس اور ان کی خفیہ ترکیب جنوں مداخلوں کی

وقت خاص اگر اس کا استعمال کر دے گی عورت سے ہرگز زندہ نہ ہوگی جب تک کہ کوئی نئی رکھائی نہ ہو یا برقام ہے گا۔ روکاؤٹ کی بہتر

معدنہ

بہارِ نبویؐ کی نسبت میں روسیہ علاوہ معمول

کتاب بر بیان امور دوزخ سے کیاں مفید ہے سون و گولی کی قیمت میں روپے علاوہ محصول

# اصلاح سخن

گذشتہ اشاعت میں حضرت مولانا آجمن ادرہوی مرحوم کی اصلاح پیش کی گئی تھی

- ۱ ازل سے مٹی بلید میری تیرے خاکدانِ خراب میں ہے
- ۲ ہمدردی کی نظر میں ہر شے جبینِ عمرِ شباب میں ہے
- ۳ سخت سے تو کمال دیکھتا ہے مگر ہے ایسے دل کی دھڑکن
- ۴ سنا ہے میں نے چلتے بٹھاتے ہیں غلطیوں کے حلقوں کو
- ۵ جانِ فانی کے تمنغہ تر تجروں نے کھولایا رازِ مجھ پر
- ۶ میں ایک قطرہ ہوگوں بظاہر مگر باطن ہوں عینِ دریا
- ۷ کبائیِ قمرِ کرم نکالی ہے جاں بلبِ رادہ میں مسافر
- ۸ محال آنا ہے اُن کا آجائے کاش باؤنسا کا بھونکا
- ۹ نیتہ ہو یا غلیب فتویٰ فردش مفتی ہو یا کائناتِ شاعر

خدا کا نام مرنے تک لے کر کہتا ہے جو شیوں کا گداز نیر  
خدا کا غلیب ہے میرے دم سے ہے جو شیوں کا گداز نیر

توجہ دہیہ

- ۱ مصرعہ اولیٰ میں یہ "لا علیٰ ہتھال غلط تھا اور مصرعہ ثانی کچھ اسلوب بیان میں غلطی تھی اصلاح سے مفہوم وہی رہا اور غلطی دور ہو گئی۔
- ۲ مصرعہ اولیٰ کا پہلا کڑا "ہمارا دل نظر میں" پر سے مصرعہ میں بھول پیدا کر دیا تھا اور اسلوب بیان نہایت بھڑا ہو گیا تھا۔ دوسرے مصرعہ میں "جو خواب ہے اس کے منہم کو بھی شرفِ نذرانہ نہ کرنا تھا صرف اصلاح میں یہ غلطی قریب نے ہر بات واضح کر دی۔ مجموعی طور پر اصلاح کے ہر لفظ نے شریں جان ڈال دی ہے اور لطف سے کہہ سکتے ہیں کہ مفہوم وہی رہا۔
- ۳ شکر کا مفہوم بالکل نشہ تھا اور الفاظ بے محل۔ اصلاح سے شکر بہت بن جاتا اور جاذب ہو گیا۔
- ۴ پہلے مصرعہ میں غلام کے قید خانہ "بالکل بیکار تھا۔ اصلاح سے یہ جب دور ہو گیا۔
- ۵ انہر صاحب کے کتا چاہتے تھے کہ وہ دل کی زندگی میں رہے کہ وہ غمِ غلاب و غلاب سے

اعجاز صدیقی



# سن کوئین پوڈر کو بھی تیز کر دیا گیا

ہمارا خیال تھا کہ سن کوئین سفید ہی ہے اور علاوہ طیریاکے کوئین کی طرح دوسری امراض میں بھی برتی جائے۔ اس واسطے ہم نے پاؤڈر کے اندر وہ تمام چیزیں داخل نہ کیں جو کہ ٹیکہ کے اندر ڈالنے سے ٹیکہ کو طیریاکے لئے افسوسناک بنا دیتی ہیں۔ تجربہ نے بتلایا کہ سن کوئین کی زیادہ ضرورت طیریاکے بیماروں کی واسطے ہی ہے اور خریداران نے ہم کو بتلایا کہ وہ رنگ کی پرواہ نہیں کرتے۔ پورا سفید ہونا ان کو فائدہ چاہئے!

اس واسطے ٹیکہ میں جو ادویات نہ اند ڈالی جانی تھیں وہ سن کوئین یا پوڈر میں شامل کر دی گئی ہیں اور طیریاکے واسطے دونوں یکساں مفید ہیں۔ معالجہ اندر ڈاکٹر صاحبان کیونکہ ان کو بعض اوقات اور ادویات شامل کرنی پڑتی ہیں۔ پاؤڈر بھی اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور ٹیکہ بھی منگو سکتے ہیں۔ عوام کو ٹیکہ منگوانا ہی ٹھیک ہے۔ اس پاؤڈر میں چند اشیا ایسی ہیں جو کہ پانی یا ڈائلکٹ سلیفٹرک اسٹین حل نہیں ہوتیں۔ اس واسطے جو مائع کسی کپڑے میں حاویں وہ مریض کو ہدایت کر دیں کہ دوائی کو بہت اچھی طرح ہلا کر استعمال کریں۔

اب قیمت اس پوڈر کی چھتیس روپیہ - ۱-۱۰۶۳ فی پونڈ (آدھ سیر) ہے ۱/۲ آدھ پونڈ (پاؤ) اٹھارہ روپیہ - ۱-۱۸۱ ۱/۴ پونڈ (۱۰ تولہ) دس روپیہ - ۱-۱۵۱ اسے اور ٹیکٹس کی قیمت وہی ۱/۴ ٹیکہ کی صرف آٹھ آنہ - ۱-۱۵۱ ہے ۷۲ گولی دو روپیہ - ۱-۱۰۲ تھوک فروش۔ بیوپاریوں۔ سوداگروں اور معالجوں کو ان اشیا پر زیادہ مقدار میں منگوانے کی صورت میں ہندوہ فی صدی کمیشن دیا جاوے گا۔ ہم اس دوائی کو بہت سستا بیچنا چاہتے تھے۔ مگر لڑائی نے ہندوستان کے اندر پیدا ہونے والی چیزوں کو بھی بہت چمکا کر دیا ہے۔ خدا اک چونکہ اس کی کوئین سے کم ہے اس واسطے اس کے مقابلہ میں بہت سستی بھی ہے۔ جن اصحاب نے بہت سا پہلا پاؤڈر منگوا یا ہے اگر وہ چاہیں تو وہ نئے پاؤڈر سے تبدیل کر دیا جاوے گا۔ وہ اگر نئے پاؤڈر سے مقابلہ کرنا چاہیں تو ان کے پاس سل کا حوالہ دینے پر ایک تولہ پاؤڈر مفت روانہ کر دیا جاوے گا۔ اب یہ پاؤڈر طیریاکے کے واسطے بے نظیر ہو گیا ہے۔ مالک کی ہر بانی سے کوئین کے برابر طیریاکے میں سفید ہے اور پھر کوئین کے سے عیب اس میں نہیں ہیں۔

خدا کتابت دمار کا پستہ - "امرت دہار" ۱۳۹ لاہور

انتھرا پھر امرت دہار اوشد مالہ۔ امرت دہار اجون۔ امرت دہار ارو۔ امرت دہار اٹھ کچا نہ لاہور

## نقد و نظر

**چراغِ لالہ** از صائب مامی قلیچ ۳۰ پی ۲۰ حجم ۱۶۰ صفحات کاغذ اور کھائی چھائی اور مطبعہ کتاب محلہ ہے اور جلد پر سنہری ڈالی کندہ ہے۔ یہ شعر و معنی، قیمت، جلد، معنی سے سب سے عمدہ جلد پورا اپنے سنہری میکاڈو روڈ لاہور کی طرف مناسبت کی جاسکتی ہے۔

صائب مامی پنجاب کے نوجوان شاعر ہیں۔ یہ ان کی نظموں، غزلوں اور قطعات کا مجموعہ ہے۔ ان کی زندگی کے حالات پڑھنے کے بعد ان کا کلام زیادہ موثر اور واقفیت سے قریب معلوم ہوتا ہے جو کہ وہ زندگی کی دشوار گزار راہوں سے گزر رہے ہیں۔ اس لئے کلام میں درد و کرب ہے لیکن واضح نہیں اور یہ شاید ان کے تاثرات کی غامبی ہے جو بھی ایسے اشارہ کافی مل جاتے ہیں جو کہ دے دل کی بجا رکھے جاسکتے ہیں۔ صائب کا مستقبل ان کے کام سے صاف جھلک رہا ہے لیکن جذبات کی کوکھ اور تیز گوئی کی ضرورت ہے۔ ذیل کے چند شعرا ان کا زندگی بیتی سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

اب میرے دل میں حسرت پرواز بھی نہیں

اُن کے دن تو مدامے نفس میں گند گئے

حالِ دلِ انصیب پر چھوڑ دو مجھ کو کہیں

دیکھ لو گدگد رنہ مراد کچھ لوفانی مری

ایک نوید گر یہ ہے، درد کا کبابیام ہے

تفہ اندھی مری حبش مرفوشی مری

گرچہ میں نوجوان ہوں صائب خوش بیان ہوں

نیکِ شباب ہے مگر آدہ یہ زندگی مری

نہ بجے جاں میں سکوں ملا نہ بجے جاں میں اماں ملی

جولا تو عشق و جوں لا جولی تو آدہ و نعتاں ملی

ہائے نعت میں نہیں اک بھل بھی

ہم چین میں بھی تہی داماں ہے

بوجہ نعل گلی چین مڑھا گیا

دارغینے کے مگر خداں ہے

ہر جہ صائب کے کلام میں کوئی انفرادیت نہیں اور نہ مشاقی نمایاں ہے۔ اس کے باوجود اشعار بے لطف ہیں۔ انھوں نے بڑی مددک سنجیدہ تزلزل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نظموں اور غزلوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ اس لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ان کا سیلان طبع کس طرف ہے۔ البتہ تعلقات میں صائب کی شاعری کے کچھ گہرے نقوش نظر آتے ہیں۔

نہ جو میں محبت کا فریب نہ دوں اس تمدن کا بغیر  
یہی انسانیت ہے میرے اللہ یوں پرسکر ہٹا دل میں کہیں  
صائب کو خود اس کا اعتراف ہے کہ ان کے یہاں علمی و فنی فروگزاشتیں موجود ہیں۔ اس لئے اس پہلو پر کچھ لکھنا بے سود ہے۔ درد ان کے یہاں ایسے معرے بھی پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں ثابت کی غلطیاں ہیں لیکن بظاہر ایسا نہیں معلوم ہوتا۔

”و تو ہر شکست کی غرض غمِ آگیز“  
”آج تارِ شہرِ آں وصل جو جس سے پیدا“  
”دو جوں سے اُسے غمِ عشق کا سودا نہ کو“  
”بہر حال ایک نوجوان اور دیکھ ہوئے دل کے شاعر کو دارِ سخن دینے کیلئے علم دوست طبقہ کو یہ مجبور کلام ضرور خریدنا چاہئے۔“

**بادۂ ناخوردہ** از شادان امیری، قلیچ ۱۵۰ پی ۲۰ حجم ۱۶۰ صفحات اور کھائی چھائی اور مطبعہ کاغذ اعلیٰ کتاب محلہ ہے اور جلد پر سنہری ڈالی کندہ۔ قیمت ۱۰ پی

میں نے اپنے اتر جلیل حافظ تزلزل امیر راجو تانہ مقام شکر ہے کہ راجو تانہ کے شعرا میں بھی اب آگے بڑھنے کے جذبہ انہر تریج ہوئے ہیں۔ راجو تانہ کے دوسرے شہر دل اور ریاتوں سے قطع نظر امیر القدس میں پیشہ شراکی ایک سستی جاغت گرمی بزم شادی ہے۔ اس وقت بھی دیرین شرا کے علاوہ وہاں چند نوجوان چھانکے ہیں۔ جناب شہاں بھی نوجوان اور باذوق شعرا میں سے ہیں۔ یہ ان کی فرط کمال کا شعر ہے جس سے ان کی

کھڑا اٹھانہ لگایا جاسکتا ہے۔ ابھی نوشتن ہیں اور اُمید کن جان ہے کہ آئندہ چکر ترقی کر جائیں گے۔ ابتدا میں حضرت بہار کوئی ایک بسط اور فاضلانہ مقدمہ ہے۔ اس کے بعد خود مصنف کا عرض حال ہے۔ حضرت بہار کا مقدمہ کتابیں ٹھوس اور معلومات آفریں کیوں نہ ہی، لیکن اتنے مختصر مجموعہ کلام کے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔ تاہم ناخوشی کے لئے چند الفاظ کافی تھے۔

فناں کے کلام میں بحث و نظر کی بڑی گہمائش ہے۔ تنقید کے دوسرے پہلو سے شاید وہ کوئی غلط ٹھریں۔ اس لئے نظر انداز کرتا ہوں۔ چند ایسے شعر بطور نمونہ یہاں درج ہیں۔

مری زندگی در دو قسم ہے سراسر یہ وہ نظم ہے جس کا عنوان نہیں ہے

بہر طبع آوارگی شوق نہ دینا کیا ڈھونڈیں ہم بھی کوئی منظرِ نظاورد

تو سون رہا ہے کرتے دل کو جو ایک ظالم یہ مرے جذبِ محبت کا اثر ہے

دوزخ مجھے منظور تھا بہر حال میری فداں جنت میں اگر دل کا سہارا نہیں چونا

نناناں جہن بھی مکتسِ بخت ہو کیوں موزنِ رنگ و بو پیشا جا رہا ہوں میں

مارے عالم پہ بچا رہی ہے بہار اپنے گھر رونق بہا رہیں

اس کہ کہتے ہیں منہ بیک مستحکم سوزِ حسم ہر گز کوہ نہیں

زبانِ حال کو کھڑی رکھاؤ دل جب اور کوئی طریق بیان نہیں دنا

بہت تپان کیا بکلیں نے اوشاں وہ دُشمن پر مر آئیاں نہیں دنا

جواہر العلوم ترجمہ مولانا جبار رحیم صاحب مولوی فاضل، نشی فاضل  
تفصیل صفحہ ۲۰۳ ۲۲۰ صفحات۔ لکائی چھاپی اور

لاڈ بھتر قیمت ڈھونڈ

لئے کاپیہ کتابستان۔ پرنٹنگ پریس ۲۱۶۴

یہ سہرے ایک شہرِ عالم علامہ طنطاوی جوہری کی مشہور کتاب جواہر العلوم

کا اردو ترجمہ ہے جو بڑے سلیس انداز میں کیا گیا ہے۔ علامہ طنطاوی جوہری علوم جدید و قدیم کے ماہر ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے کلامِ پاک کی روشنی میں انسان، حیوان، نباتات، جمادات، نظامِ فلک، آفتاب، ماہتاب اور یاروں کی گردش، فرضِ تمام ارضی و سماوی کیفیات کا اکتشاف کیا ہے۔ سائنس کے اس ترقی یافتہ زمانہ میں ہندو کائنات کو قرآن کی آیات سے ثابت کرنا اور سائنس کے اثبات کو قرآن سے نطق کرنا واقعی ایک بڑا کام ہے۔ اس سے جہاں قرآن کی عظمت، سچائی اور کبرِ العلوم ہونے کا پتہ چلتا ہے، وہیں خدا کی حکمت کا ذکرِ خالص بھی ہوتا ہے۔ کتاب بے حد دلچسپ اور قابلِ مطالعہ ہے۔

از آغا محمد شریف صاحب دہلوی ایم اے  
تفصیل صفحہ ۲۰۳ ۲۲۰ صفحات۔ لکائی چھاپی

اور لاڈ بھتر قیمت ۱۲

لئے کاپیہ عالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی

موجودہ جنگ کا سب سے تباہ کن جوہر ہے جس سے بیک لکھ ہمارے

ذہن کی ہر چیز خاک ہو سکتی ہے۔ یہ سب ہے کہ ہوائی حملے کی ماحولیت بجز

تدبیر اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی۔ آغا محمد شریف صاحب کی اس کتاب میں وہ

تمام باتیں شہر و دیہات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جو ہیں اس فوجی جنگ کے

کسی حد تک ضرور مقررہ کہ سکتی ہیں۔ آغا صاحب نے نہایت اہم مسئلہ پر غور

اٹھایا ہے۔ حکومت کی طرف سے تو غیر ہمیں بہت سی تدابیر بتائی جاتی ہیں لیکن یہ

صورتحال زیادہ ٹھوس ہے۔ اس کتاب کو صرف ایک بار دیکھنے سے تمام باتیں محفوظ

ذہن میں رہ جاتی ہیں۔ دشمن دھاوا کرے تو شہری کیا کریں۔ بلیک آؤٹ۔ کیا خط

پر ہوائی حملہ ہوگا۔ شہر خالی کرنے کا سوال۔ ہوائی حملے کے وقت دس ضروری

باتیں۔ پروفیسر الدین کی چند تجویزیں۔ اسپتال اور فریٹ ایڈ کے مرکز۔

پروپگنڈا۔ زہریلی گیس۔ آگ۔ بیاری پھیلنے کا خطرو۔ پناہ خانے۔ شہر خالی

کرنے سے پہلے۔ ہوائی حملے کے بعد۔ ہندوستان میں ہوائی حملوں سے بچاؤ و قیود

اس کتاب کے خاص مضامین ہیں۔ اس کتاب کی ایک کاپی ہر گھر میں رہنی ضروری

ہے۔ اور اگر ہندوستان کے تمام اسکولوں اور کالجوں میں اسے بطور درس

شامل کیا جائے تو اور زیادہ فائدہ ہو۔

اعجاز صدیقی

حکیم چنی لال لاہور  
- دوا کی افلا و پیدا کرنے کے  
قابل بنا دی ہے۔

اجارہ جو بیع کا کلمہ ہے  
اجارہ جو بیع کے لئے ہے اور اس پر بیعت  
ہو جائے گی نہ کہ بیع کا دارا اس کا قول  
کی طرف ہی ہے۔ دفتر بیع کے  
مابین جو شرطیں ہوں گی کہ  
استعمال کیا اور جس شرط پر  
اور جس کے نام پر دیا جائے گا  
ہے۔ اس کے بعد دیا گیا کہ کوئی  
صحت حاصل کیے۔  
ضابطہ بیع کے لئے ہے، کلمہ

یہ مادی جنگ نہیں بلکہ حقیقی جنگ جس کی ایک ہوس کے غفلت میں ٹھونڈا درمی پیدا ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے دنیا بھر میں  
مظلم ہوئی تھی۔ مادی اور مادی کی تلخ و دینس ہو گئی تھی مگر دارالافتاء کو کیا اس اور دوزخ و فتنہ مالن ظلمار نے  
غیر مادی خاندانوں کو بنایا اور برادی سے بچایا مالن ظلمار میں ہم مذکور حائفہ دوزخ و فتنہ کو کہتے ہیں۔ دوزخ و فتنہ کی وجہ سے  
آخری منزل پر بھی خدا کے فضل و کرم سے تیر جہنم بات ہوئی ہیں دارالافتاء کو ایک انتہائی کو زبان۔ ختام۔ عزت  
انزال۔ بیشک یہ ایک ابدی عیندہ و فتنہ ہے، آج ہر دور و زمانہ۔ گھر گھر انکھوں کے منہ پر بھرا جانا، کام میں نہ  
لگے، عورت کے خیال کو نافہ تو لیر لیر بجا رہا، فتنہ دوزخ و فتنہ میں جو غلط کاریوں سے پیدا ہو گئی ہیں ایک ہفتہ ہی میں  
جست و خاوند ہوئی فتنہ جو ہو جائی ہیں اور ایک کھل دن کے مسلسل انتہائی کو انسان فلاح کی طرح مضبوط ہو جائے جو ہندو  
ہیں، بادہ و فتنہ کی اجازت نہیں ہے، ان کو دیکھ کر انتہائی سے خود صراحتی خون پیدا ہوتا ہے کہ روگ گن میں کبھی  
کوئی جوتی معلوم ہوتی ہے۔ یہ جاننا نہیں کہ کیا ان ابد ہر سے ہم کہتے ہیں کہ بالکل حقیقت ہے صرف ایک آواز کو  
دیکھتے نہت ۲۱ اور ک صرف میں دوسرے  
دو فتنہ مالن ظلمار :- بہتوں میں ہم نے ابراہیم کے علاوہ اسے دن آج ہندو اور دوزخ و فتنہ میں مگر ہر جہت سے  
بلا ہر ہم دعویٰ کیا کہ کہہ سکتے ہیں ان میں ایسے ایسے فتنہ اور فتنہ کے لئے ہوتے ہیں۔ ہندو فتنہ مالن ظلمار سے بعض  
فصلوں کی نام نہاد لکھنات آسانی کو دوزخ ہو جاتی ہیں۔ سبھی لاغری، لڑکوں کا بھار، سبھی جو اپنی اس پیدا نہ ہونا ہوس  
کے بدویش کو ختم ہو جانا، سستی فتنہ، فتنہ مگر فتنہ کے انتہائی کو دوزخ ہوئی فتنہ جو جوتی کو اولیٰ  
ہے کہ ہر کسی دوزخ کے انتہائی کی ضرورت نہیں، سبھی فتنہ کیجئے، سبھی فتنہ کے لڑکوں اور فتنہ میں سبھی کی سبھی  
اور زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر قسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور ناکارہ سے ناکارہ انسان شدت ہو جاتا  
قیمت میں دوسرے آٹھ آٹھ - ۳۱ / ۳۵

مشرایم۔ دی انور خاں  
بی۔ اے  
چوڑے خیر زمانے ہیں کہ مجھے  
جوین کا مرض لاحق تھا۔ اس  
مرض سے تندرہ درگزر تھا آپ کی  
دو سٹھ مرض کو مجھ سے غائب کر دیا  
جس آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں  
ہوں، مسرتی فرما کر کہ  
شعبی معوی گویاں اور  
شکوہ فرمیں۔

دکتر شاه خیرات اما  
میں یاد کرو فرماتے ہیں کہ عالم شد  
فہم ہو کہ عبادہ کمال کو پہنچے  
نامہ کو کہ اس نے قابل فرمادیا ہے

تشریحہ علما ج اور شریعہ و عہدہ :۔ ہندو کہہ کر ازماعاں کو ایمان کی قسم ہے کہ اگر ان ادویات کے اثر  
فائدہ نہ ہو تو غرضی ہر حکم کفایت دایں نہ لائیں ۔ یہاں پرے کمری دوائی حرف نامردی سستی ۔ جیانی ۔ احت  
مرحمت کر دوی اور غیر مخصوص کے لاغری کے لئے مخصوص ہیں ۔ خواہ کسی جیسے جہل جن یا کثرت جانتہ یا  
سے نوزاک یا تشنگ سے پیدا شدہ کمر دوی کے لئے بھی یہ طاقت کا جیسے ۔

مشرقی وادی  
از سرکاری ہسپتال  
یہ دوائی نامور دیکھ کے مرض  
ہسپتال کے دوائی کے لئے

منه كذا منقول الشفا



زیر سرپرستی۔ علامت حضرت رسوا مظلومی والی پاجو داکا ٹیڈا (ڈاکٹر)

منظور شدہ

منظور شدہ

# تعارف

حکومت ممالک متحدہ اگرۃ داردہ

محکمہ تعلیم صوبہ مالک متوسط و برابر

محکمہ تعلیم ریاست کشمیر

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تصویر۔۔۔ جناب افسر احمد نگری

جلد ۱۲		ماہنامہ "شاعر" اگرہ — اپریل ۱۹۴۳ء		نمبر ۴	
صفحہ	مضمون نگار	صفحہ	مضمون نگار	صفحہ	مضمون نگار
۱	مقالات مدیری	۱۲	مضمون جنگ	۱۲	سبب اکبر آبادی
۲	جومات	۱۳	بادۂ صافی	۱۳	نشانہ اناوی
۳	تحقیق و تفسیر	۱۴	شبستانِ محبت	۱۴	دینِ زندہ و حقمانی جنا گدھی
۴	شخصیات	۱۵	آ	۱۵	آلم مظفر گھری
۵	... کی ڈائری	۱۶	حوصلہ گناہ	۱۶	فضل الدین آقا ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
۶	اصلاحِ سخن	۱۷	تبرکات	۱۷	سید حسن امام دیر ترم گلیا
۷	علم و ادب	۱۸	شاعر کی دنیا	۱۸	عاجی بی احمد پری
۸	مفتوحہ صفا خطوط	۱۹	بساطِ سخن	۱۹	اعجاز صدیقی
۹	ضمیمہ الاحقادی اور جوانی	۲۰	نمزت	۲۰	عبد الکریم عمر
۱۰	ذہنی غلامی	۲۱	آپ	۲۱	نشا کو الیادی
۱۱	حکایت و افسانہ	۲۲	صبح انقلاب	۲۲	سید ریاضی بیانی لکادی
۱۲	جائزوں	۲۳	چاہر بارے	۲۳	جوہر ڈیابنوی
۱۳	اُس کا لہکا	۲۴	مشاعرہ شاعر	۲۴	حضرت نشتہ رنگا۔ حضرت جذبِ عالم پوری۔ حضرت آفریقوی بیجو
۱۴	منظومات	۲۵	حضرت ارشد صدیقی اور وہی و دیگر	۲۵	حضرت ارشد صدیقی اور وہی و دیگر
۱۵	شعر انقلاب	۲۶		۲۶	

## محبینِ ارب و شعر

(۱۵) مرقی ادب جناب محمد میا نعت اللہ خان صاحب قلمت یاسر کفری رحمت اللہ علیہ خاں صاحب مہم کے ٹی ہوم فطر بیات گواہاء فقہ سالانہ

(۱۶) مرقی ادب جناب محمد سید فضل کریم صاحب مالک حمید پور ناگزہ واخصا شاہ کبیر حمید پور (ٹانا ناگزہ) فقہ سالانہ

[illegible]

## شعرِ انقلاب — جاہل باش و خوش باش!

ظاہرِ باطن کی ہے تفریق علم و جہل میں ایک تکمیلِ خرد ہے، اک جنوں کی بے حدی  
 علم ظاہرِ عشقِ باطن، وہ زباں یہ عینِ دل مکتبِ اسرار کا یہ فتنی وہ مبتدی  
 ظالم و جاہل کیا ہے تجھ کو پیدا فطرتاً علم اور عرفان کا احساس ہے بے مقصدی  
 عشقِ سرتاپا فنا ہے، علم بے سزا فنا عشقِ ادراکِ حقیقت، علم تمیزِ بدی  
 ہیں افادے میں برابر درکِ ہستی کے لئے ایک کچھ عشق کا اور علم کی پوری صدی  
 معنوی تعلیمِ قلب و جسم کو دیتی ہے روح ہے فقط اک سم مہمل مُرشدی و مُرشدی  
 رات دن انسان کو دیتی ہیں درسِ کفر و جہل یہ نظر افروز پردے ابھنی و اسودی  
 باخبر ہونا ہے گویا بے خبر ہونا یہاں امی و الکن زباں ہیں ترجمانِ ایزدی  
 جن کو ہر عرفان انکی بندہ مہتی ہے زباں خامشی ہے وجہ تسکین و نشاطِ سرمدی

صورتِ منصور جو بولا، وہ مارا جائیگا

پیرِ سندھی ہو کوئی یا ہو فقیرِ سرحدی

آکٹوبر

# جرعہ

زیر نظر اشاعت کے مضامین کی تعداد گذشتہ ان مہینوں سے کہ کہے گئے  
بچے ہیں ہے کہ یہ کسی محسوس کی جائے گی اور اس کی طاقی ان دو طویل مضامین سے  
ہو جائے گی جو اس شاعت میں شریک ہیں یعنی "اصول کے متعلق خطوط" اور  
"بسط سخن"۔ طویل مضامین کی افادت ہر سال کے لئے ناقابل عمل اور وقت طلب  
ہوتی ہے۔ ایلمیر کے ذوق کو جانے دیجئے، لیکن ناظرین کا ذوق اور ذوق مطالعہ کو زیادہ  
سے زیادہ مضامین چاہئے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر سال میں صرف ایک ہی طویل۔ ٹھوس اور  
مباری مقالہ شائع کیا جاسکتا ہے۔ لاکھ کی ازرائی اور صفحات کی زیادتی کے زمانہ میں جب  
طویل مضامین کی اشاعت ممکن نہ ہو تو اب کس طرح ہو سکتی ہے؟ مگر کیا کیا جائے گا بھی چیز  
شائع کئے بغیر دل نہیں اٹتا۔ "اصول کے متعلق خطوط" اور ادب پر لکھے مضامین  
جسٹیت رکھتے ہیں جس انجمن کے ساتھ مستور رحم نہ انھیں کہہ سکتے ہیں وہ جوئے شریانی سے  
کم نہیں۔ جو بھائی سلامت اور بے ساختہ میں بھی کسی قسم کا بھول پیدا نہیں ہوا۔ خطوط  
سے ادبی نشان زیادہ سے زیادہ نمایاں ہے۔ حالانکہ قید و شرط سے نظریات ایک لفظ پیدا  
ہو جاتا ہے گران خطوط میں یہ بات نہیں ہے۔ جس حضرت مولانا انعام اللہ شاہی اگر آبادی  
کی خصوصی کم فرامی کے لئے نمون ہوں کہ موصوفیہ کتب خانہ کے نوادرات میں سے یہ نغول  
ہر انکال کر دیا۔ مولانا کی قید بھی بہت ہو ہے۔ "بسط سخن" کے متعلق میں اپنی  
زبان سے کہوں تو اس لئے ادب خود اس کا فیصلہ کر سکتی ہے کہ یہ نظم کس کد و کاوش کی  
عال ہے۔ اس نظم کی کمال کے بعد خود سے لفظ کے قدم ڈگلائے ہیں اور میں اپنی اذیتانی  
کو دیکھتے ہوئے حیران ہوں کہ انشا پر کام کچھ سے کیوں کر ہو گیا۔ اس نظم سے یوں تو بھی لفظ نڈ  
ہوئے لیکن ان حضرات کو زیادہ لطف آئے گا جو شاعر مذکور کے کارناموں اسکی زندگی کے  
حالات اس کے کام کی خصوصیات اور اس کے کردار سے ابھی طرح واقف ہیں۔ اگر اس نظم کو  
قبول ہم حاصل ہوا تو یہ بھی شکار میری جات شری کار نامہ ہے۔

اعدادی فن کی تحریک کو باب بنائے کے "شاعر" فاضلہ کوٹاں  
ہے۔ انفرادی طور پر خطرات کی دعا کی کا احساس پیدا ہوا ہے۔ شاید اس تحریک سے شاعر کے  
مستقبل کے لئے کوئی نئے درجہ پیدا ہو جائے۔ مندرجہ ذیل حضرات نے اس ماہ میں اعلیٰ فن  
میں مصداق ہے۔

(۱) حضرت نثار آبادی صاحب

(۲) برہنہ علی خان رقی فونیری، جن جن (میر) عا  
"شاعر کی مانگ" نئی نیا ہے کہ انھوں کی طرح ہونے والوں کو کسی طرح وراثت کیا جاتا  
ہر ادب میں مانگا کیا جائے لیکن درمیان میں ہم پر یہ غم چڑھا ہے۔ لاک کی افغانی فراموش  
کہ برے اکثر سالہ پر بھی لکھا جیگہ آتی رہتی ہیں۔ جن حضرات کے پاس ہندو لکڑا پنج سنگ  
سالہ نہ ہو چکا کرے وہ جانتا جانتا خط لکھ دیا کریں تاکہ دوبارہ وہاں کی کوشش کی جائے  
آج ماہ جس کی طرح رسالہ فراہم نہیں کیا جاسکتا۔

مندرجہ ذیل نام فاضلات نے بعد غیاہ رحمت فرمائے ہیں۔ ادارہ اس تو بیفرانی  
کا یہ محسوس ہے اور ابھی اسے اپنے ہی خواہوں سے بہت کچھ تو ہے۔

- ۱۔ جناب محمد صاحب قشیر آبادی (جمشید پور) ۲۔ خرمیاد
- ۲۔ جناب محمد بدیع الدین احمد نقوی البھاری احمد آباد (جھک) ۳۔
- ۳۔ جناب تہ نضر حسین خان غنی گھڑی (سٹ کی سٹی ہلی) ۲۔
- ۱۔ جناب تہ نقشبندی کو لادی۔ کو لادی (میر) ۱۔
- ۱۔ جناب تہ محمد شرف فرخ آبادی (جھک) لاہور ۱۔
- ۱۔ جناب تہ احمد صاحب تہ شیر کوٹی (کوٹہ) ۱۔
- ۱۔ جناب رفیع الدین احمد صاحب عالی۔ پولو (غالی لاکاٹ) ۱۔
- ۱۔ جناب سلام ساگر۔ ساگر ۱۔
- ۱۔ جناب منظر سبانی ۱۔

سیب لٹری سوسائٹی ہندوستان کے کئی شروں میں قائم ہے اور لٹری  
سوسائٹی کے ساتھ ارتقا کی محووں پر شوق ادب کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ موقوف ہے کہ ہندو  
نہیں سیب لٹری سوسائٹی قائم ہو۔ جو لوگ اپنے لکھنے میں سوسائٹی قائم کیا چاہیں وہ اگر  
کچھ ہی سوسائٹی سے فیصلہ سونپ جائے گا۔ یہ سوسائٹی سوسائٹی میں سیب  
لٹری سوسائٹی کا مقصد ہے کہ لکھنے والوں کو سوسائٹی کے ساتھ مل کر لکھنے کی راہ  
دیا جائے تاکہ ان کے لکھنے اور پڑھنے میں سوسائٹی کے ساتھ مل کر لکھنے کی راہ  
نقدان کو زیادہ سے زیادہ گرا دیا ہے۔ بروہی بھی حسین صاحب جوہر آبادی سوسائٹی  
اور جناب جری نوگ آبادی (اعزازی سکر شری) کی سماجی قلمی مایاں ہیں۔ انھیں سوسائٹی  
کو، نظام مطالعہ ہے۔ (محمد اذ صدق)

# تحقیق و تصحیح

استفسار :-

الف (۱) علامہ اقبال کے ہر شعر میں ۵

فایز تو ذبیحے کا شہر میں جنوں ہوا  
یا اپنا گریباں چاک یاد میں نیداں چاک  
کیا لفظ چاک کا حرف آخر قیطع سے گرتا ہے ؟

(۲) غزلیہ بحر تمدن کا شعر ہے ۵

یہ پردے بھی اسے دوست کیوں رہا ہوں  
زمان و مکان کے محبات اتحاد میں  
"دوست" اور محبات کی کئی قیطع سے گرتی ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

(۳) جناب امین حیدر سید لکھتے ہیں کہ ایک غزل میں دنیا سودا تھا غیر فانی  
ہیں کیا صوفی کا لفظ سے مترق "جائز ہو سکتا ہے" شعر یہ ہے ۵

ہر شراب میں اس کا تصویر ہے فرقت کی  
تیری یہ غزل گویا جواں کا شہر ہے

سید شمس ترمذی (دہلی)

ج۔ کچھ عید کے موقع پر بچہ نے ایک نظم لکھی تھی اس کا ایک شعر یہ تھا ۵

دنیا کے سارے کچھ لوگوں کے گھنے پنہ کے لا

سارے کو آج چاند سی دامن بنائے لا

ان دونوں حضرت جوش ملیح آبادی بھی غریب خاندان سے تھے جب یہ شعر میں نے

ان کو سنایا تو انھوں نے لفظ "دامن" پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ لفظ "گشت" یا "دامن"

کے ہجوز میں نہیں ہے بلکہ گشت کے خصی ایسے تھے جن "اندکمن" وغیرہ کا ہجوز فرادینے میں

لگے کوئی ایسا خوبصورت تھا جس کی اپنی زبان کا ہوا وہ میں سننے کے طور پر پیش کر سکوں

اس نے میں نے مجھ کو اپنی شگفتگی سے کھینچ لیا۔ میں نے اسے صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ جب

"دولما" یا دولہا سے کہیں تو کہیں "دولمن" کو یہ لفظ "دولما" اور "دولمن" اسے ہونے

موجز تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ جیسے "ملی" اور "ملی" ظاہر ہے کہ آپ مالن "کولمن" تو مانوس ہے

ہر حال یہ کثرت میں ختم ہو گئی۔ آج ہمارے ملک کے شاعر میں صوفیہ، پیر و عروسی

کا مطلع دیکھ کر یہ خیال آیا کہ اس شاعر نے کتنا فیصلہ کر لیا ہے۔ جیسا کہ میں عرض

کر چکا ہوں وہ شعر یہ ہے ۵

میں اداسے شب کی دامن نمودار ہے  
ہلکی ہوئی غلغلے دکنش نگر ہے

اب آپ اندازہ کر لیں یہ سال کا جواب غنیت فرما رہا ہے اگر آباد آج تو اساتذہ کے کلام

میں لکھی شعر بھی بڑی سہولت پیش کر دیں۔ اگر یہ شعر غلط تھا تو میں اپنی غلطی خوشی سے تسلیم کر دوں گا۔

سید امین الحسن حکمرانیم۔ اسے (ادارہ "سچ" دہلی)

## جواب :-

الف :- قیطع کے ہجوز میں یہ ایک سہولت ہے کہ جب قیطع کے ہجوز میں اس کا ہجوز

نہیں ہو (۱) چاک میں لٹ اور کات ساکن ہیں اور "دوست" میں سادہ اور "میں" اور "میں" میں

(۲) محبات کے جدو کات اول بود ہے اس نے اس پر بھی گئے اور دینے کا آخر میں نہیں

ہو سکتا ہے تو ایک مائلے کی بات ہے۔

(۳) صوفی وانی تمدن نے استعمال کیا ہے کہ کچھ خود کا وجہ ہو مگر میں نے اس کا تعلق غلط کر

ج :- آپ جس سلسلے کے فیصلہ کے متعلق غور فرمائیے وہ واقعی اس قابل ہو گا کہ اس پر ذہنی جاتے

میں نے بھی اکثر شعرا کے بیان "دامن" "بقایہ گلشن" دیکھا ہے لیکن وہ شعرا ایسے ہیں کہ میں

پیش نہیں کر سکتے۔ آپ نے دامن کے حجاز کے سلسلے میں جو ہول پیش کیا ہے وہ بڑی حد تک

قابل غور و قبول ہے لیکن اس کا فیصلہ اساتذہ فن ہی کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے بھی

شعرا اساتذہ کے دواویں کی چان بین کی تو مجھے "دامن" بردن گلشن، امیں نہیں

ہاں "دامن" بردن گلشن "مزدور" ہے۔ شاعر حضرت امیر خانی کا یہ شعر ۵

نہیں کیوں کی اوصل میں وہ بیتی

دکنش پل میں شہر کی گھر ہے

اس کے اندیشہ پیدا ہوئے کہ "دکنش" یعنی گلشن مجھ سے ہیں میں نے حضرت نور

مادی - حضرت محمد دہلوی - حضرت مانی بوی - حضرت مانی بوی - حضرت مانی بوی - حضرت

مانی بوی - حضرت مانی بوی - حضرت مانی بوی - حضرت مانی بوی - حضرت مانی بوی

امیر خانی بادی سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی رائے آقا کو مطلع فرمائیں۔ انجیل از حدیثی

# صفحہ جنگ

(نفسیاتی اشارات)

دولت اب جلد ہی بھکی جاتی ہے  
پیشانی سرکشی بھکی جاتی ہے  
آغاز کی فطرت میں ہے خیل انجام  
کچھ روز میں یہ جنگ لڑی جاتی ہے

دنیا کی یہ زندگی ہمیشہ تو نہیں  
انسان کا ہستی یہ اجارا تو نہیں  
نامے کا جیات کی طنا میں کب تک  
ہمٹ رہے کوئی غمزدہ دنیا تو نہیں

اک روز بکھر جائینگے کھیلوں کی طرح  
بل جائینگے خاک میں ذیلیوں کی طرح  
تہہ ساز نہ بن سکیں گے یہ طیارے  
اڑنے میں جو آسمان پھیلوں کی طرح

ہر چند بہار گلستاں بھی نہ رہی  
وہ نہ ہمت شارح آئیاں بھی نہ رہی  
آمد سے خواں کی آج فالغ ہیں جو لوگ  
اک روز سنیں گے کہ خدا ان بھی نہ رہی

اس جنگ سے "مسلم" کو سروکار نہیں  
وہ کون ہے جو نافرو بہر از نہیں  
ٹرکی - مصر و حجاز ب میں غلوں  
اسلام ابھی شہر یک پیکار نہیں

دنیا ہے اسیر زعم خود آگاہی  
سائنس نے پیدا کی ہے یہ مگر ابھی  
یہ شور میں منتقل تماشے کے لیے  
درکار ہے ایک ضرب الہامی

یاد اس کو علان فتنہ و شر نہ رہا  
انسان میں باقی کوئی جوہر نہ رہا  
اک ہو میں یہ طعنے فنا ہو جائے  
دنیا میں مگر کوئی ظلم نہ رہا

ارباب فضا شناس روپوش ہیں آج  
دہزن شمشیر و دشنہ روپوش ہیں آج  
جن میں نہیں طرف خود رلب ہیں وہی  
جو واقف اسرار ہیں غامض ہیں آج

شاید گذرا ہو کوئی ایسا عالم  
گر گشتہ اندیش ہے سارا عالم  
کہتے بنتی ہے کچھ نہ بھکے دستے  
گویا ہے عجیب گو گو تھاکا عالم

دنیا، مری زندگی یہی مشافہہ  
معموس کیا دشمن خفا ہے  
مندی کی ہر مکی ہے جنگ  
اسلام ابھی شہر یک پیکار نہیں

## شخصیات

نادران ادب کا خیال ہے کہ تقلیدی شاعری کا دور ختم ہو چکا اور اب وہ جس شاعر  
 اسلوب ادب پر چڑھ کر نگاہ ہے وہ اپنے لہجہ کی ان خصوصیات اور انفرادیت پر کڑے رائے جو وہ  
 تقلیدی نادیوں کے مطابق انفرادیت خردی ہے اور بعض کے نزدیک وہ کامیاب شاعر ہی نہیں  
 جو اپنے لہجہ کو رواہ پیدا کر سکے بلکہ تنہا کے اس نظریہ سے اتفاق ہے لیکن میر اس انفرادیت  
 کا نالہ نہیں عاوانے شریکے اجماعی انداز کے اصولوں کو

ٹھکرا کر بے راہ روی کی عذیب پہنچ جائے۔

تقلیدی شاعری کا اطلاق زیادہ تر اس غزل پر ہوتا ہے جو پہلے ادوار کے مغزین کو سامنے دکھائی گئی ہے یعنی جس میں ہجو و دعائیہ اور حکایتی و نثری زبان کا مکمل و شیعہ و غلط پرترا اور

سویاد غواں کی تہ جانی مجرا یوں کہے کہ مرث  
قائیم یانی کہے کہ یازبان دفن کی چاشنی سے

لفظ اذ ذکر کرنے کے لئے فقر کہ اجابت مگر جن شرا  
نے تفریل میں واردات و خدات کو کہیں شامل

کرد باہر جن کے یہاں محسوسات کا نام شاعری اور  
مستات کا نام غزل ہے۔ ان پر نقطہ کا الزام غلط

نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ شافری بھی ہو سکتا ہے۔ انفرادیت ہی کے

اردو یکہ کنی فلو شتاب کا افسانہ خواں ہیں گیا تو  
کے سونے غنہ کے حوالہ : کہ اسے سونے کا کوئی

آج جس شاعر کا شخصیات کے صفحات میں ذکر ہوا ہے اس کی شاعری پر بھی تنقید لگانا

ان کے قتل قریب دو ہزار سے زائد کے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کے

از این جهت که اگر چه در بعضی از کتب آمده است که در بعضی از کتب دیگر

برای رسیدن به این نتیجه، ما باید به این نکته توجه کنیم که هرگاه که ما به این نتیجه برسیم که این روش، در واقع، یک روش علمی است، پس باید به این نتیجه برسیم که این روش، در واقع، یک روش علمی است.

جانتے تھے اور کبیر سلطان کو۔ وطنی فساد وطن والوں کو اچھلنے کے اور سرمنش کر چکے۔ مگر  
 علی گڑھ میں ذات پات کی تہ زبیر بے مٹھی ہوئی۔ وہ اس کی نظروں سے دھڑو دھڑو کے لئے اکثر محل پیش  
 کر چکا۔ سیاسی شاعر موصوف اور محل کے مطابق حکومت پر تبصرہ کر چکے۔ نظم و نثر کی بلندی پر بھی  
 لکھ چکے۔ اعلیٰ شاعر شاعر بعد از ان کے کے علاوہ اور کچھ لکھے۔ دہلی کے زبان کا سولہ تریسریں  
 حالت تھیں جاتی ہے۔ جہاں حالت کی کوئی شادی

لاہور کے گھرانے اپنے جذبات کے ساتھ اپنا

کیا وہ جس آگبر کی اسلامی اور اخلاقی شاعری بالکل  
انصاف و تدبیر میں اکثر شواہد کی۔ چھ برس بعد

آنے والے شرائط پر مٹاں ہیں کہ وہ جرمین  
کی انقلابی فلاحی کابینہ کو رسد احسان دانش

کی تقلید میں انھیں اندر سرایہ داری کا روزنامہ  
مہر بہت سے شمار کرتے ہیں۔ سبک کی نسخہ

شاعری کا قلعہ ہندوستان کی ایک بڑی جماعت کی ہے  
 جس کا ہر شاعر ایک صانع ہے

جوتل۔ سیلاب اور احسان وغیرہ کے رنگ کے  
دورے خلو پیدا کر کے حب قدرت سوانہ کو تیر

کا۔ آئینہ گوشتی کو میر درد کا۔ قاتی کو خراب  
ایں جہان کا اور چاکو دروغ کا نقش ساز

جابر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس دور کے شرا

یابا کل انھیں کہ نقش قدم پر طبعی نگران پر یہ الزام عائد نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی دانشوری

اور جو مقرر ہیں کہ کسی طرح زندہ اور جان بخش خاوری کے دآر سے نکل ہی نہیں سکتے۔

[illegible]

الحمد لله الذي جعلنا من هذه الأمة أمة واحدة  
تؤمن بالله ورسوله وأما بعد



اقْرَأْهُ نُرَى





## بادۂ صافی

یہ جرم، وہ تجاؤ، کس سے انحرافی ہے؟  
 دیکھ کر یہ محشر میں مجرم اعترافی ہے  
 عشق نے زباں سے وہ آشنا نہیں شاید  
 ہم اور اس سنگ مرمرے شکوہ جفا کرتے؟  
 درد، پائے باقی، کچھ تو کر عطا سانی  
 ابر بکے چائی ہے رحمت تمام انکی  
 شکوہ جفا سن کر مسکرا کے فرمایا  
 خود بین کے نقش اُنکے، التجا، دعا، سجدہ  
 ہستیوں شانے کو، موت کے بہانے کو  
 ایک ہی حقیقت ہے، صورت اخلاقی ہے  
 رحمتیں بیکار، انھیں درخورد معافی ہے  
 لطف بے محل انکا مائل تلافی ہے  
 شکوہ جفا شان عشق کے سنائی ہے  
 تیرے دست نازک سے جوئے وہ کافی ہے  
 جتنی پی کے پی لے آج کی معافی ہے  
 بات تو نہیں کچھ بھی تیری ٹوٹ گئی ہے  
 خلوت تصور کا رنگ اعتکالی ہے  
 زندگی ہی کافی تھی عشق تو ہٹائی ہے

بادۂ محبت کا اے نثار کیا کہنا  
 بد مزہ سہی لیکن ہر مرض میں شفا فی ہر

نثار اداوی

## شبستانِ محبت

پھر زینتِ آغوش ہے وہ جانِ محبت  
 ہر سانس ہے اس سلسلہ جذباتِ محبت  
 شو بارِ اطمینانِ شورِ شمعِ طوفانِ محبت  
 ہر گوشے میں کہ نہیں کے ابرارِ نہاں ہیں  
 رہ رہ کے مری دل میں کھلتا ہے جو ہر دم  
 فروس گری اُن کی تمنائی نہ بوجھو  
 میں اور کروں اُن سے تغافل کی شکایت  
 دل چچاں راود، زباں پر ہے ترانہ نام  
 فردوسِ داماں ہے شبستانِ محبت  
 ہر انگ میں ہے موجدِ طوفانِ محبت  
 چھوٹا نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محبت  
 دیکھتے تو کوئی وسعتِ دامانِ محبت  
 ارمانِ محبت ہے کہ بیکانِ محبت  
 مرزا بقدم دل ہے گشتِ شبستانِ محبت  
 یہ شبستانِ محبت ہے نہ شبانِ محبت  
 وہ جانِ محبت ہے یہ ایمانِ محبت

کیا تم کوں اُن کی نگاہوں کا فلسفہ

ایتھسے سینہ میں ہیں بیکانِ محبت

میرزا محمد شمس الدین

# اصغر کے صناعاتِ خطوط

شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۶-۱۰۹۹ھ) کا شمار دوسرے بڑے مہم جوں میں سے ہے۔ اس کا دورِ حکومت ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ تھا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔

انجمنی و غلوہ من کتب الخطیۃ جو علمِ ہند اور ہندوستان میں تھی وہاں سے عربی زبان سے ہندی زبان میں لکھی جاتی تھی۔ محمد شاہ کے عہد میں ہی ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔

”اے فرماں گویا کہ در زبانِ ہندی از دستخطِ خاص دے فرمودہ شاہ“  
ایں معانی است (دستور العمل لکھی گئی)  
میں نے لکھی گئی ہے۔ شاہجہاں کا دستِ خط جو دارا کے نام ہے وہ بری نظر سے گذر رہا ہے۔

میر محمد حسین کاکر جانا محمد شاہ کی خدمت میں دو ہزار دو سو تالیفات فرماتے تھے۔ درج ذیل تالیفات میں سے کچھ تالیفات فرماتے تھے۔ درج ذیل تالیفات میں سے کچھ تالیفات فرماتے تھے۔ درج ذیل تالیفات میں سے کچھ تالیفات فرماتے تھے۔ درج ذیل تالیفات میں سے کچھ تالیفات فرماتے تھے۔

محمد شاہ کے عہد (۱۱۱۴ھ) میں ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔

”کل کے دلی سے بادشاہ اور وزیران کے دلی میں سے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔“

محمد شاہ کے عہد (۱۱۱۴ھ) میں ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئی کرنسی، نئی زبان، نئی خط و کتابت کا زمانہ بنایا۔



**خاندانی حال** آپ کے موصوفی شیخ حضرت ابو نعیم حنفی صاحب کبریٰ میں  
دار و اگرچہ چوتھے حالات کے ساتھ فریقین بھائی ہونے کے سامنے آگ، دشمن  
رجحی، ناپاک کرنے۔ اسی سے تپاں منور ہوئے۔ دوسری طرف لنگر ہادی رہنا۔ یہ  
حضرت شیخ نظام ہارولی کے مردِ فاضل تھے۔ شانِ اعلیٰ میں دھماکا ہوا۔ فیروزہ  
میں فتنہ ہوئے۔ آپ کے ایک بھائی شیخ محمد ادریس تھے جن کا مراد گاہ شاہ ابوبکر  
کے سامنے ہے۔

شیخ کی افلاطون نام آئندہ بزرگ بفضلِ حسین تھے جن کے بھائی میراوش علی  
تھے۔ بفضلِ حسین پیارے میں ملازم تھے اور میراوش علی تھیلار ہو گئے تھے جنہوں نے  
عزیز و عزیز و حضرت میراوش کیا

**کشف** ابتدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فیہ ۱۲۵۰ھ بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ اسی سال  
پیدا ہوئے۔ اسی سال میں۔ غلامِ تربت بفضلِ حسین کے آغوش میں ہوئے۔ بدوشو سے  
جانبِ اقصیٰ پالے گئے۔ وہیں بفضلِ کفر و عیساہ بار پیاں میں شلک ہو گئے ترقی  
کرنے کو نہ ہمارا ہمدرد نہ ہمارا والی پیاں کی چٹی ہیں آگے اور میری کھانے لگے  
**علی شوق** انے۔ اب سے دلی لگاؤ تھا۔ خاندانِ صاحبِ رجب علی شوقِ اکبر آبادی  
کی ان کے ملازم سے گذری جلیہ ہمدرد حسن خاں ہاروی زہرِ مہیا کی فراموشی سے  
اُس کے معتد میں گزرتا تھا۔ ۱۲۸۰ھ میں تصنیف کی۔

آگے آئے تو مفتی اکرام اللہ شہابی گویا ہوی صاحب تصورِ انوار سے ملے گئے  
وہ اس زمانہ میں بوسانِ خیال۔ بیستہ تھی کا خلاصہ کر رہے تھے۔ دورانِ گفتگو میں  
ہمدی شمار کیا ذکر کیا میراوش علی کہنے لگے مفتی صاحب آج بھی مثل بوسانِ خیال  
کے داستانِ جامع لوگ لکھتے ہیں بات آئی گئی ہوئی۔ چند سال بعد پھر اتفاقِ ملاقات  
باجوگر ہوا تو ایک جلاوطنِ منصور الان میں کی اور فرمایا سات دفتر اس کے قریب ہو چکے  
ہیں۔ ایک ہی مطبوعہ ہے جو سودا کی صورت میں موجود ہیں۔ مفتی صاحب نے تقریباً دو قارئین  
منصور الزماں کی لکھی ہے۔

**اخلاق و عادات** حضرت غفرلہ عنہما نے ہر کردار سے بہت سے  
پتے آئے آگے آئے فوہانے اعراض اور اجاب کے پیا  
گور کر جانے اور تحفہ خاتون پیش کرنے۔

**حلیہ لباس** آپ کا پہلا پہن موصوفی دار و اگرچہ۔ پتے سر پر رکھتے تھے پتے  
پتے شلک جوڑی دار پانچا۔ بجا کرتے۔ جوگیا لیلیٰ عورت اور پانچوں پیاں کے  
دوران کے موجب عائد ہاتھ تھے۔ چلی چھڑی ہاتھ میں رہتی تھی۔

**تصانیف و تالیفات** راجہ صاحب کے خاندانی جھگڑے کی تندرستِ معنوی  
کا مثل تمام عمر با۔ تالیفات، معنوی، شورشِ حق، شوقِ مہربان، دیوبند کے طرز  
پر نظریہ کی تھی۔ مہربان دولت اویلا حضرت شیخ طیف الدین صاحب شوقی  
کے محاسن شوقی پر ایک علمی مقالہ بھی لکھا کہ وہیں میں اکثر فتنوں پر ردِ آں لکھے۔ شوقِ  
فوزِ گرانی۔ بطوریں مشہور ہیں۔ مقلدِ الغرض نیز ایک فرنگ۔ کچھ بے رنج، ہمدرد شائقین  
دیوبند تو رہا۔ مکتب تصنیف و تالیفات سے ہیں۔

**اجاب** آپ غلامِ راہ و کثیر الاحباب تھے۔ مولوی ابوالحسن غفری، خان بہادر  
ڈاکٹر وزیر الدین، بوشی و قاضی بیک، بوشی و قاضی بیک، خان بہادر  
مولوی نعمت اللہ خاں صدرا لہندور، مفتی سید نظام علی خاں مفتی، ڈاکٹر مولوی  
الہام اللہ شہابی۔ مولوی منظور علی شاہ جعفری، قادری مولوی محمد رضا کوئل  
مشکوٰۃ آبادی۔ خاص باطل علی حضرت سے راہ و درم تھی۔

**شاعری** اس زمانہ میں آگے شاعری کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آگے کوئی اور شاعری  
کے چپے ہر طرف موجود تھے ان کے مکانِ دلقہ میں گئی  
سے مسترب ہی فنی سید نظام علی خاں مفتی متخلص افضل اکبر آبادی کا  
ذوقِ غامض تھا جہاں ہر ہفتہ محفلِ شاعر ہوا کرتی۔ مفتی افہام اللہ افہام لہندور  
کے یہاں بیل کھانا پانچ مشاعرہ ہوا کرتے۔ راجہ مرزا آفر کے یہاں نور فدا ہی بدعا  
حقار مجلسِ جاب مستعد ہوا کرتی جہاں شوقِ شاعری کے چپے تھے۔ جاب اقصیٰ بھی  
شریکِ شاعر ہوتے۔ ہر علمی محبت میں شیعہ۔ علی ذوقِ نو خدای شوقی سے بھی شوقی  
پیدا ہونے لگی۔ بکری کھانے لگے فرل گئی میں کمال پیدا کھانے کی طرف توجہ  
کی کرشمی کہنے میں صاحب کمال کے خور و تلوی میں کسی اس کے کہیں منت نہ دے  
جس طرح اردو میں بکری کھانے کے لیے ہی خدای میں بھی ہے۔

**وفات** اکیس برس کی عمر میں پانی تھی کہ کفرِ فتنہ اختیار کیا۔ ۱۲۸۰ھ میں  
وفات پائی۔ آہِ اقصیٰ کو تالیف ہے۔ شوقِ حق میں اصف

لے عوادا بار فتنی لے ذلِ شہرِ اکبر آبادی ۱۲۵۰ھ تہ تصورِ انوار مفتی اکرام اللہ شہابی گویا ہوی لے کشف ہانوار ہمدرد

اور اگر مولوی انتقام علی نام کا کتبہ یادگار ہے۔ یہ دو جاہت علی و جاہت مروجہ جاہت احقر کے نام سے ہے۔

### کلام اردو

موسے سے جنت کا اتر جائے تو جائے  
یہ درد کوئی جس سے گزرا ہو تو جائے  
ناج تو میرے ساتھ نہ کر سفر کو خالی  
عادت یہ جس کی سر جائے تو جائے  
یہ بدقت نہ لڑا نہ تربت ہوسر  
دو چوں وہ خود ان کے دھڑکا تو جائے

دل میں جا کے خیال بنان ہند  
دائستہ میں نے کہہ کو مندر بنادیا  
کبت کی جمال کا دعویٰ غلط ہوا  
آج آئستہ نے ان کو دوسکر بنادیا  
کر کے ذکر کا کل پہچان کرات دن  
سودائی ہم کو آپ نے اصغر بنادیا

دل بے لاسکان تھا و لیکن ہزار جیت  
آہوں نے اس کو گنبدِ اعظم بنادیا  
لایا تھیں تو چین کے ایان کو زلف کو  
کبخت دل نے جا کے وہاں گھر بنادیا  
پھینٹے لمبے دامن قافلہ ڈال کے  
خود ہم نے اپنے خون کا محضر بنادیا  
گو پہلے پارسا تھے گراب نہیں رہے  
کافر ہیں بھی عشق نے اصغر بنادیا

جے جو اپنی خاطر اس میں کچھ نہیں ٹھیک  
وہ دیکھو شمع پر کس شوق کو پروا آتا ہے  
حرم کا راستہ معلوم ہے جگہ گھرنا ہد  
خیال حرم دیرینہ بخت نہ آتا ہے  
جے مدت ہوئی تو بے کس کو گراب بھی  
گرا جا تے دل جیسے بھلا نہ آتا ہے

دکھائیں گے ہم سینے پہ لکین کے جہر  
تم ترسنا اگر بخیر فواد کو دے گے  
باتیں بھی تو کچھ آپ کی خبریں نہیں نارح  
پھر خاک علاج دل فرما دے گے  
یک نظر خون ہے سونہ نوک پر خرو  
ہم دل ہی نہیں دیکھتے جو بیدار دے گے  
سے چاہہ کر وصل ہی نہیں نہیں ہو  
کیا خاک علاج دل ناخدا کر دے گے  
نصیر بھی نصیر سے ہوگی نہ بھل کر  
کیا خود ہے اسے تازہ پیرانِ جنت  
تم لاکھ اگر منت بہسنہ اکر دے گے  
کس ناز سے کہتے ہیں مرنے کو جلا کر  
بدنام کہیں خانہ میتا دے گے  
کس منہ سے تمہیں نکوہ بیدار دے گے  
اصغر دل ناخدا لگانا نہ کس سے  
پکنا دے گے درد نہ ہیں پھر یاد دے گے

### فارسی کلام

میر طاق عقل دانش نقد جاگم کردہم  
دربابانِ محبت کا رواں گم کردہم  
چشم گریاں زنت ہستی کنت دل خونِ جگر  
درفراں یارِ جملہ خاناں گم کردہم  
نور اسلام دل دینی قید نام کر کہیت  
ایں قدر نام کر دے کوئی گم کردہم  
تو اباں در پیش کے است ہی منور  
ہاں گمراہ دانش ہے گم گم کردہم

درفراں یار عاشق پریش تپیدہ باشد  
نہ سحر دیدہ باشد نہ اعلیٰ سیدہ باشد  
بہم دیدہ اصغر زفرانی بارِ جام  
گمراہ تھا یاد نہ خبر دیدہ باشد

### رقعات اصغر

#### رقمہ در ترک الف

سو زب زقت سے عجب نگ ہیں ل کے  
خو نہیں ہونے ہیں ڈھنگ میں ل کے  
طولی شیریں غور میں سوخت بل خوش فید گشت محبت غیر قصد ہیشہ  
نگینہ رہیوے غم زقت سے سبز میں سے کسے ٹھٹھے ہیں  
سکینہ دل بھر تینوں کسوں کو رہے ہیں  
بھر سوخت شہر بھری دل رزق نہ ہوش ندی خیرہ غم جو خیم پوئی مجروح شہر شہر  
خوشی فو کہ نہ ہیخ دہم دیدہ ہم خود چشما قدر دہندہ در میں تب پھر چور  
زود نیتہ لہذا سے سر دہے کے خوشی دوی سے محراب ہے دقتہ شہر لہذا  
دقتہ رفیعہ کہ حوت حوت دہم بھر کر مریم محبت نہیں ہے لفظ غلط دل غم کو فرحت  
نقش ہے ہند پرور جب سے کل کو در ہے خرم دور ہے رہنما دخت زندہ دور  
گدے گدے گدے دہے دہے فانی میں ہی نہیں پھر ہی نکت جگر کے نکلنے کی نہیں  
خوب روز زلف دہنے کی وہ ہے ملت گن میں جس خطا نہ نہ ہوش سے مل گئے  
کی گم دہے خک جو سے غلط ہے دل بھر میں نعل پیش ہے لکھ لکھت  
سے کہہ ہوں بھلی خرم سے غم پوئی جنوں غری کے ڈھنگ ہیں سے غم نہ لکھ



جی کی جی کیس رہی بات نہ چھوٹے بائی  
جھوٹے کھجور کے ٹھوسے ٹھوسے پانی  
رقم خوار خوار سے چار نہیں خوار خوار سے  
خوار خوار سے چار نہیں خوار خوار سے  
خوار خوار سے چار نہیں خوار خوار سے  
خوار خوار سے چار نہیں خوار خوار سے  
خوار خوار سے چار نہیں خوار خوار سے  
خوار خوار سے چار نہیں خوار خوار سے

ہی دشت زوری کی کوشش ہے رنگی بون کوشش ہے ب اگ مٹی کہتے  
ہیں جسے نہ کہ کچھ کہہ رہے ہیں کہ کوشش ہے ریت کی گت چمک دشت  
ہے جو دشت ہے  
جو ہم نے وہ دشت ہے کہ کرا کر سرخسوں کو

مرے کو زب فرقت سے جنت ہے جلیوں کو  
**رقعہ در ترک بار مودہ**  
چشم خود انار سے نکت جگر آئے گے دشت و مودہ کے گھر کو بھانے لگے  
آشائے دیباے موانع شاد و غم و مصافقت و اخلاص  
زبدہ لطف سے کہوں نہ کھل کر آسماں کو ہاتھ میں آتاں  
نکھل ہے چھال کی آس میں بھگت نام غار کا  
چرخ و قمر ناہنگا استخوانا رہے کوئی کوشش ہے نہ غما رہے نہ گلی سے پاس ہے  
بہنے کی گئے آس ہے

توسعتی ہر یک گریہ دردناک ہے مرے دم میں کتاب ہے تو خاک ہے  
فلت فرقت سے ہی کتاب ہے آگرم سے بزم میں ہر دم شادمانا ہے طاقت  
طاقت ہے مرے اندر رنگ فرات ہے آد جوں ہے دشت و غم ہے دل میں  
لہر ہے آد سو ہے چرخ و زورنگ فری ہے دل خستہ اور جوش ہے دشت و غم  
ہے حالت مدی ہے بزم نام مرے جسم خلک زخم مگر ہمارے ناقان کا زور ہے  
دیباگی کا زور ہے دیدہ و نوشت میں کہ طینا ہے نکت دل و جگر کے چشم سے روانی  
ہے مردہ دنا سے نکت ہے جوش دشت کی شدت ہے جیسے سے ہی جھوٹ گیا  
جھوٹ کو دشت کی کسی نے غیب کیا ہے

کائے دوداں گھر دشت میں ایک دیکھنے ایک کھٹے دشت میں

### رقعہ در ترک نام فوقانی

میں فرمے کہ طینا میں بزم ان میں ہر باں مشعل راہ عدم چو گئی کفن میں ہواں  
جو بزم نہایت مدق و صفا کا کب تو اقب بزم و فن و دلا زبہ اندر ہے  
مرگ سو ہے اچھل بھوکہ بیکلی سے نہیں ہے کل بھوکہ  
عبدالمدنی گلی نا ناگ لایا جس کے بدلے خوب لایا — خور فرمے دل ہے  
نیش الم ہے فوین بزم چشم سے دعا ہے بزم بر مرغل کا گنا ہے خود فرمے  
مگر کتاب ہے چشم سے طینا فوین نا ہے  
بزم دیکھتے ہے سوز و دل ہے اک آگ لگ رہی ہے کیا جا کیا ہوا ہے

مرگ در پیش ہے مگر جگر پاش پاش ہے بزم دشت ہے جو خیال زلف جتر  
جو بزم دشت و خون و مودہ ہے دیوانہ فوہوں گوی سوز چہرے جگر نا رہیں  
نکاد ہے ہم دشتی دل و جگر کے دودا رہے دلاخ دم سے بزم گنجینہ ہے گویہ  
صبر ہے نا شہید ہے کہ وہاں ممکن ہے دیوانگی کا چال و چلن ہے گردش  
طالع ہے پانی میں جگر ہے دشت و مودہ کی ہے دوران سر ہے بیکلی انیس  
ہے بزمی طینا ہے ایک ہے تم کھانے سے کام ہے خوابتے فوراً بکل تمام ہے  
دل ہے بزم ہے بیج و مودہ و شین ہے بکل دا زنا زدن ہوں دشت فری طوفانی  
بگولہ ہوں مر مر فرات سے دل خورہ ہے بزم کلب ہے جگر انورہ ہے دل کو  
خطا ہے گریبان چاک ہے پاؤں میں آد مر رفاک ہے طینا دینار ہوں  
پاؤں کا طبع رہا ہے

بلا کر دشت اپنے سر شام خبر لے دم شب کھڑا ہی ہے جو غلام بھر لے

### رقعہ در ترک نام الشائہ

ہوا ہے اب تو بزم نہ تیرے بار بھراں کا کوشش کول کے مکتب دیکھ اب بزم شائہ  
آشائے دربانے آشتائی شاد و بکر دلائی گھر اکل نکت جگر شہر  
صاف طینا لائے تالی ہے

اس گردش افلاک سے پوئے زچہ ام فوین بزم و دشت و گنی ہے پاؤں کے ہم  
درد و جگر سے کام تمام ہوا مودہ کا ہوا اگر دیدہ الکبار سے ایسی ہی طینا  
ہے گی تو کشتی تلک بھی کوئی دم میں ہے گی دشت سائی ہے جوں کی چٹائی ہے  
دل کی خطا ہے مگر کتاب ہے بزم میں خواب ہے نہ ہی کو کتاب ہے نا توئی سے  
جگر نا کا یہ حال ہے کہ اچھل بھوکہ دیکھنا ہر حال ہے

تب بھٹکتی سے اب اس طرح نزار ہوں جس نظر میں کی رنگ خطا ہر ہوں میں  
بھو فرات سے دلاخ مگر آتش کے پرکالے ہیں شب و روز گریہ و زاری ہے  
زخم دل کے ہیں کبھی بیکالے کبھی نہیں ہے مجھ صحبت میں طینا نہیں ہے غم ام  
خود اک ہے دشت کے اندر میں گریبان چاک ہے مودہ دیباہ میں چشم دے بھوکہ  
مرگ نا ہے بزم بیکالے ہے

دل سے بزم جوں کا دل جاتے نوا بھالا لاشا کھٹا ہے نکل جاتے قوا بھا

### رقعہ در ترک جیم

عالم ہے اکی تار کی برق و شرار کی کیا کتاب طینا دشت و غم ہے  
دیکھ آرائی سمانت و مودہ دشت و غم ہے دشت و غم ہے دشت و غم ہے



رفقہ در ترک خاں و مجرم

ہیزنگ لگ سکتی ہے اپنے سینے سے  
 صدر نشین جابر اللہ الفت و مصفا سند آرائے محافل محبت و علاوہ اہم الشرف خد  
 عزیز کاساکوئی آزار نہ دیکھا نہ سنا  
 آنکھوں میں ہے ہر خطا کی نذر ہے ہر غم پر پڑا ہوتا ہے ہوں جان کی  
 نوبت ہے ۔

یہی پیغام درد کا کھنسا گریں کہیں کہیں یا دریں گزشتے  
کون سی رات آنے لگی دلی ہنس انتظار میں گزشتے  
ناواقی زور خود دکھائی ہے آخر دردم پر دم بہتہ سوزاں کو جلائی ہے گشتی قہر کو  
اوج اتر آگے سے ڈھونڈیا، سفینہ جہم کو کراہ دینوی سے کھوہا شل بائی جیناب ہے  
مونس کے گڑھے آگاہوں زنجی ماند جاب ہے ختم دیا بادے بل غل بھر دیتے  
سب گشت زار سب کر دیتے

دیدہ منند سے سوا ہو گیا      دیکھنے ہی دیکھنے تک ہو گیا  
غرض کہ خیزم و الم میری فرق ہیں شدت تب غارت سے فرق فرق ہیں سے  
صرا میں سبیل انگ میرا، بکا میرا      مجبور بھی انہی کے لیے جس حدت جا میرا

رقعہ دیر ترک دال فحلہ

کھائے تھوڑا زہر مٹا، ہم ادا کریم کا کدو  
کیا لطف چاہیے تیرے کا پہلو کس کا کدو  
ہر سہ پہر دفائی ماہ سانس دھاتی، گوہر تلخ آشتی جو ہر نور تکیا کی جڑوں میں  
ایک دھنچ پر نہیں ہے زمانہ کا طرہ  
یاد این ہم فخر کا کیا گوہ ہے کہ آہاں طالع بھی پر نہ ہے نہ کوئی  
موس ہے نہ دھنچ ہے نہاد ہے۔ گوشت نہائی ہے، ہر نرم ہے شہ نادر ہے  
گروہی رہے گی بیجاری تو ہو چکی زندگی ہمارے  
محراں کس کو نہ تھا کہ ہے ہر اک یکا نہ بچا نہ ہے۔ فادہ ورنی نصیب ہوئی اجس  
قرب ہوئی ہے

جی کہ جی ہی سر ہری بات نہ ہونے پائی جیف ہے تجھ کے کلمات نہ ہونے پائی  
مرضِ عداوت سے چارہ نہیں صنف و ناولاتی سے گویا کبابا نہیں انصاف سے  
صنف کہ چھین لیوں تک بھی آئی ہے ناولاتی اپنا تہہ قربانی ہے رگ و پے جو شرفِ فہم  
جسمِ ناز و سوسے انہ ہے اب عداوتِ شرافت ہے وصل کا اشتیاق ہے وائے ہر ماہ  
وہ نگارِ ماس

نہایت شرمندہ

فرمان کی گرجھی بالیدگی ہو تو آخر دل گرفتہ نہیں رہتا جس میں سادہ گناہ  
نہیں ہوتی کہ وہ لوگ حد سے نفروں سے زندگی سے دل تنگ ہے حالت نہیں ہے  
تقریبی و حقیقی اپنے بھانڈے تو ختم ہے۔ دالیں ہر جہر و تہمت ہاتھ سے نکل گیا  
خدا کو توہ زنی سے دل گھل گیا با صیبت ہے سر پہ تنگیزت ہے دل مضطرب ہے  
دل میں غلغلہ غار عداوت ہے۔ بیزہ دل ہے موت کا سانپ ہے مرگ غریب المظنی  
دشمن ہے۔ آتش فراق سے بیزہ تپا ہے کبھی جرت ہے کبھی سکتہ ہے۔ باب واد دل  
بغیرا ہے گریہ و زاری ہے خدا ہے۔ دل کو تو محو اور دمی سے کتاب سے رات کو آدھ  
نار دمی سے بیزہ پٹھان ہے۔ خلا غم و الم سے تن بدن خود ہے۔ دیوہ گیان سے  
طوفان نور کا ٹھکانہ ہے۔ آدم مرد ہے نا کر کہ ہے جمل سے اس ہے۔ شب و روز بنگلی  
ہے دل اور اس ہے۔ دن کو ذلت و فواری ہے۔ شب کو آخر تھادی ہے بیوقوفی  
زار ہے۔ کل یوں کا انظار ہے ۵

دل کو تپتا ہے میری وہ کام بڑا  
یا اتنی یکس سے کام پڑا  
رقمہ در ترک حائے حطی  
نکلبے غل غل شمع زنجیر مجروح از شے  
چھڑ دواس کو ہدیہ کوئی قلندر از شے  
نصوں آفلاں نصوں نصوں انصاف نصوں نور اللہ دہے

فلک نے فدا شدہ اپنا بازو  
 کہ جس کے عوض یوں دلائے لگا  
 کس کو دکھا اُٹھ آئے ملے  
 زخم تازہ ہوئے ہیں چھل چھل کے  
 گریہ خنکاری ہے حالت آفتاب زاری ہے  
 عشق کا آزار ہے جگر پاش پاش بینہ  
 فلک ہے داغِ خنک سے دل داغدار ہے  
 جہاں عشق کا بار ہے خوالا کے بار ہے  
 گلاب اندر خنکِ خنک ہے حرنے کی خوشی سے  
 جیسا شوق ہے آوارہ خانانِ حوں گزرتا  
 کارواںِ حوں زلفِ نیکیس میں پل پل پاش پاش ہے  
 بری انگلی سے جڑیں ہمز سے کوئی کرے  
 جلاں ہے کوئی نہیں داسے گریبانِ تازہ ہے  
 کون کا آزار ہے  
 مہرِ درمک سے گنگنا جوں یہ شعر نامی رہا  
 تاجیوں سے

یہ دیدہ کے دکھائیں  
دہ گنگا زبا سے شے تھے پیریل و مگر انش دھری سے جتے ہیں ہوش و عقل  
دھوں کہ شے، نقد دل سے انہ دھو شے سے  
اس کے لباس سے  
دل سے ہوش و عقل سے  
اس کے ہوش و عقل سے  
اس کے ہوش و عقل سے

اس میں جنت ہے وہی جس کی تمنا ہوتی ہے  
 رقعہ در ترک زار مجھے  
 جوش بہا ہے دشت میں جو عالی اور کو  
 جواہر واد ہر درج الفت کو کوسے لالائے مدد محبت بہت تاج مہربان جاں  
 رہو سے

جب سے ہم اُفت میں دیوانے ہوئے  
 بہا ت دل بیک سے ایک بھی صدمہ نہ ہو  
 جل گیا آہ سناں کے ساتھ ہی دھواں بن کے پہلے نکل گیا  
 نہ نکلے دیلی پہلی ہی منزل میں ایسے ہنسی نے جلوہ کی کہ  
 نے خون ہر نگوں سے بہا نہ خواہی انا تو یہ دل کسی کام نہ آیا

دکھانے میں میرے لازار کی  
 گدش جرج دور سے اہل رنگ دکھایا ہے  
 باؤں میں چھانے میں بے نامے ہیں جوش جن کی بار ہے بندہ دارغ الم سے کڑا درج  
 ہر جی ہوا ہے دماغ میں مل ہے خاندان ویران ہے حضرت عشق کا محل ہے نشہ بھی  
 ہے گزیریم نہیں ہے آنکھوں میں دیوانی روائی ہے ہم نادر تاوانی سے باقی ہائی ہے  
 عروج آنکھ کے کشی جرج کو ڈوبو یا حضرت عشق نے دونوں جاں سے کھو دیا پیکل مل  
 نے دل جرج پڑو کہ لہو کی کا لگا دیا سینہ افکار کو آتشہ مرغ میل بنا دیا۔ دل کے  
 دھڑکے سے نام بدن میں وٹ ہے ضعف جگر بے نہیں دینا عجب ناش ہے۔

رقعہ در ترک زار مجھے  
 دل جناب کی کرنا نہیں جب کوئی غمخواری  
 کلید گنجین ہر دو فافور شد مطلع صدف و صفا ہنہ سر بلند رہو سے  
 ہوئی شاد جگر کنگارن عشق آنکھ میں اب شرار کی مانند  
 رقعہ در ترک زار مجھے اب آنکھ سرخ ہے گے دم دم ہر دم کچھ خون میں خرقہ بنو  
 لگے روتے روتے آنکھوں کا نقشہ جگر کی فوط خوش فانی سے سینہ میں گھاؤ پڑ گیا۔ اب  
 سر شام سے دلش دل اس طرح سے ترانہ ہے کہ آہ و نالہ سے سننے والوں کا دل تھرا  
 ہے۔ ہر دم تپتے دیکھ کر آکھیں بند کر لیتے ہیں۔ جراح ہول دل سے سترہ ہر تھہر تو  
 ہیں جگر سا ہنسیں جہر وقت پہلو پہلو رہنے فریاد و فغان میں کمر بار بھی کہنا  
 ہے لہندہ بھگت اس آفت آسمانی سے بچنا جلد کوئی حرم دست دلدل لگانا نہ بیچارہ کی  
 سے طائر دوح کے بال دیر بھی نظر آجس گے۔ صبح ہوئے ہوئے پہلو میں دوجا خون  
 کے قطرہ بچاؤں گے مگر سوائے غم نہائی کون ہے جو رے دفت میں کام آئے ہے پکار  
 کی تسکین فرمائیے اگر ہی حال ہا تو دو ایک دن میں دونوں کا کام تمام ہوگا۔ آپ کے  
 عشق میں بدل دیے جگر ہمارا بھی نام ہوگا۔

لطف کرنے ہی دل کو چھین لیا  
 ہاتھ گریبان نکر گیاں دامن تک آنا ہے  
 ہے جیسے دل کا حال مٹاؤں۔ کوئی غمخوار ہے جسے بڑے دارغ دکھاؤں۔ آپ ہوں  
 بادلی دیوانہ ہے ہر شخص کی زبان پر میرا فغان ہے  
 رقعہ در ترک زار مجھے دو در پہی ہے بری روائی

رقعہ در ترک سین حملہ  
 دشت عشق بری ہوتی ہے دیکھا نادان  
 نگینہ خانم بیگانی ہر در دو دیوانگی دلم لعاب آب دین آپ جات باو سے  
 جیسے رنے کا بک دکھانے دشت دشت میں آنا ہے  
 اے رنگ بلی نرس عشق میں بکوں نام ہوا کہ و کچرا مقام ہوا اب دماغ میں جنوں  
 نہ آنکھوں میں خون ہے دل پھر کتبے کچر و کھڑکے نرالم جگر کے چہرے چشم  
 جو بکلاں رنگ آنا ہے مزاج برہم ہے خیال زلف درہم ہے۔ مریانی ہر خاک ہو  
 کتب جگر خداک ہے جھگڑ کی فاق چھانے جب جگر کوئی کفر و جانتے ہیں۔ تب  
 فرانی نے تھی نار میں آگ لگا دی ہے۔ دل پہ پھر کتبہ اب رہے حملہ نے پادہ کی

رقعہ در ترک زار مجھے  
 چمن کا نام نہ تھا وہ نہ دیکھا ہائے  
 شاہشاہ ملک فونی بنت بنا دولاہت مجھ کی اداں اندھا دارغ و اقبالہ سے  
 ہونے کا بک سوختہ آئی دماغ میں شاید کہ دل کو آتش غم نے جلادیا  
 تمام تمام دن خلوا الم سے سوختہ کا دل فاشاک آتش دادہ کی مانند پہلو میں مل گیا ہے۔  
 چشم خوشنشاں کا بکائے ادا کے یہ قیل ہے کہ اس کی کو سوائے اس کے کون بھانکنا  
 ہے۔ بھلا آپ کی تب بدلتی سے بہت تباہ حال ہے ضعف کے باعث آہ تو آہ سانس بھی  
 لینا محال ہے۔ نہ سانس ہم خوشی میں دونوں ہاتھ پیلے ہوئے ہیں نہ دم نکلتے ہیں نہ بند  
 آتی ہے۔ کتبہ افسوس سنے سنے شام سے صبح ہو جاتی ہے دن ہوئی کہ جن آپ کے ہونے  
 حواس نے کوئی کیا۔ ہر دور نے کب محنت دست نفع تھا ہا

فاہیت پیدا کی ہے بل و نماز اور بکاس ہے۔ فقط لئے کی دعا ہے اگر ابد وصال نہ ہو تو ایک دم میں تین ہلکی کر خاک ہو جائے دوستی و محوری کا قصہ بکھڑا پاک ہو جائے

ہے ابد وصال مانع ذرا اور مدد ملنا کچھ میرانی میں نہیں دشوار مر جان میں  
**رقعہ در ترک شین مجسمہ**

درد و بچا ہے میرے سینے میں اب نال ہے مجھ کو جینے میں  
رنگ گلستانِ بہت بہار چنتاں مودتِ عام چہرہ الفت با آب و تاب باد سے  
اب نال پر تو آہ و نال ہے اور درد و جگر دو بال ہے  
سبز رنگ میں دل گھرنا ہے۔ غم آہ و نال سے جان جانی ہے کبوتر نہ کو چلا آنا ہے  
سودا گری سے جو اس میں مل ہے ملک خود میں سلطان جنوں کا مل ہے سبز خالی  
میرے تختِ فکر سے بھر جا ہے پتلی فرما انتظار سے نکال ڈالی ہے آنکھوں پر  
میرے خیالی دلدار دھرا ہے۔ دو آہ سے چار رخِ صفت گل ہے دل و پہلو میں مودت  
میا و دل ہے۔ سرگودہ کا ابد واد ہے لبِ قدوسی کے آرزو مند ہیں۔ دیدہ دل  
زگیں جوں کی طرح داپے۔ آنکھیں غمزدہ سوس کی صفت بند ہیں سے  
کھل نہیں سکتی میری آنکھیں مری دل میں یکس کا تصور چھا گیا  
کیوں چھانس ہے سبز میں سانس ہے پہلوں کا شاکساکھک رہا ہے۔ دم فرما تھا  
سے چھانی میں ایک لہا ہے

اپنی صودت ہم کو دکھلاؤ خدا کیواسطے جان جانی ہے اجمی آؤ خدا کیواسطے

**رقعہ در ترک صا دھملہ**  
سبز و دل حسرتوں سے چھا گیا بس ہجومِ یاس میں گھرا گیا  
نشرِ غم دوری خیرِ جراتِ مجھری ہمیشہ مہر کا دلبری سرخ و باد سے

دردِ فرقت نے ہم کو مارا ہے سستہ جرج آفتکار ہے  
زبان پر جنوں آمیز کلام ہیں سودا گری کے سلاخیام ہیں روتے جویاں بھر بھر کے پھر  
مارنے میں۔ چھوٹے واسے میلان جنوں کہہ کر بھارتے ہیں۔ ہم اپنی آفت میں بھٹکتے ہیں  
لوگ ہادی باؤں پر نہیں رہے ہیں جو کوئی جی سے آپ کا نام نہان پلانا ہے دل کو  
جوٹ گئی ہے۔ دھنا چلا آنا ہے۔ ہلے دشت نے مردست بیلان دکھایا ہے۔ دست  
جنم نے پھر دی ہے پرہیز کو تباہیلا ہے

دعوتِ ہر ایک ملے جو میں جوں بیکر کوئے جھگڑا ہی نہ کھو دست و گریباں میں چھوڑا  
طبیعتِ جراتِ جہالت ان سے دیندہ شب آئینہ داغِ لافِ غمزدہ بیان ہے

کبوتر دکھ ہا ہے۔ تین چمک ہا ہے  
دل جلا آنکھیں ملیں جی مل گیا عشق سے لیکھا ہیں کھلا عودا رخ

**رقعہ در ترک صا دھملہ**  
پتلے تو فون نکلتا تھا ایک بیاہ سے اب بخت ل بھی آئے ہیں آنکھوں کی ام سے  
فکر آئینہ اختصار نقش نگار غنا خلاص ملام با زب و زبنت باد سے  
خانہ چشم کو آنکھوں نے ڈبا بیاہ سے آپ نے چہرہ آلودہ نہ دکھایا پار سے  
درد و فراق سے روتے روتے آنکھوں کو رو بیٹھے ہم تو اپنے دل و جگر سے  
ہاتھ دھو بیٹھے آہ سرد کے ساتھ انگ گرم نکلتے ہیں ہر تین سے فون کا فوادہ اچھا  
ہے چشم و خفاہ اور دل دافلا میں باہم لاک ہے دیدہ گیاں میں پانی بھرا  
ہے سبز بریان میں از سر نیا لاک ہے

ڈبا دیا مجھے اس چشم کو کیا کوسوں جلا دیا مجھے سو بیکر کو کیا کوسوں  
دل و جگر آنکھوں کی راہ سے فون ہو کر بگئے۔ سبز سوزاں میں مروت  
داغوں کے نشان باقی دو گئے

پوچھا نہ کہ درد کدہ ہے کدہ نہیں میرے دل و جگر کی نہیں کدہ نہیں  
دن کو گریہ ہے رات کو گڑا ہی ہے یل و دھما دیدہ بلا کش ہے شکی  
خون جاری ہے

کیا کہوں او بت بے رحم تری درستی کوئی سادق تھا کہ میں دیدہ گیاں تھا  
**رقعہ در ترک طا دھملہ**

مری تو سن لے کر مانند شیخ بزمِ اخیر جھل چکے سر با زبان باقی ہے  
آیتِ مصحفِ آشتی حدیثِ مشکوٰۃ دلربائی انا و اللہ برائے

سودتِ فراق کا کیا کیجے بیاں دل جل رہا ہے آگ کا شعلہ جگر میں ہے  
دم گرم سے سبز جل گیا شعلہ آہ سے داغ بھل گیا۔ سوزِ غفلت سے جگر  
میں گھلو ہے تب ہاجرت سے لعینہ الا وہے۔ سانس کے ساتھ سبز پتلی گ بھر گئی  
ہے پہلو میں مرغِ بھل کی مانند کوئی چیز بھڑکتی ہے ادا و نافر سے ٹھوٹھتے ہیں  
ہر تین سے آپ جیم کے خواہے چھتے ہیں۔ دلی ناداں کو کسی شعلہ روکے نہیں  
شعلِ آتش برتی ہے۔ چشمِ غمخوار سے نکتِ جگر کے حوس آگ برستی ہے۔  
دم آتش افروز غفلت سے بیقر دل خاکستہ ہے۔ داغوں کی گزرت سے سبز  
دویم جوں کا گھیر ہے سوزِ دل سے دعا بر غلاف اپنا اثر دکھائی ہے مرم  
ننگاروں میں ہا ستر کی طاقت ہو جاتی ہے



فل جانی ہے جن کے دل کا دیں وہ کہہ جاتے ہیں جن کیوں کے تلوں کے پہنچے  
لگاتے ہیں

اپنی تو یہ حالت ہے کہ جو کہیں پہنچے وہاں کی طاقت نہیں اور پاس میں ہے  
بلکہ دھماکے جڑوں میں سودا سے جھڑکے ہیں آؤ تو ہم گل سے زخم جگر  
ہر سے ہوئے ہیں

گر بہاؤ کی تو کیا ہم پہ پہنچے کی کوئی چیز وہ خوشی ہو دیں کہ جن کو طاقت پرانہ  
رقعہ در ترک کاف

جنوں کا دل جو محل لایا ہوں جہاں تنہا بھول ہوں نہت میں ناہوس  
دوائے درد نہ دلائے آفت و اسما دشتائے مستندان بخت و داد و ہینہ  
بار آور ہو

لب نہ نالہ زباں پہ سخن الہ میری حالت تو آجکل یہ ہے  
بیز فطرتا سے رنگ دبا ہے بجز وصف و بیان خراشی سے غیرت مضربا ہو  
زخم دوری پر خیر فاعل کا مہر ہے مدد دل سے تنگ ہوں مزاج برہم ہے انو  
سو کہ گئے اب چشم حیرت کھلی کی کھلی رہ جائے گی۔ دل و جگر آہ و نوالاں سے جل چکے  
آنکھوں سے اب کیا خاک آئے گی

خون آنکھوں سے اب نہیں آتا زخم سینے کے بھر گئے شاید  
صورت دل کی وہ پیش نہ رہی کوہ پہلو سے گئے شاید  
چشم زہرے بند سوزاں میں جان نہ رکھتی ہے۔ درد جگر سے نہ پر ہوئی سی  
پھٹتی ہے

سوت ہی اتھوڑت ہی کہ بہت درد دل کا علاج کر دیکھا  
بے نیکی ہوت کی بھی لذت کو خوب دیکھا کہ تجھ پر مرد دیکھا  
نہیں لڑکے نہ لڑنے میں جگہ سے لڑکے لڑنے میں نہ آبادی میں ہیں نہ  
دیرانہ میں آرام ہے۔ ہر جگہ دل جلائے اندوہ و آلام ہے  
شمرے دل آجاتا ہے افس نہیں آجاتا

پھوٹے سر کو اسے جنوں کو اب ہمارے  
رقعہ در ترک کاف

پڑی ہیں بے نشانی نہ رفته آہ دہلے کو سنبھال ہی نہیں تیرے دل کی نظر نہالے  
فطرت بقدرت کی نالہ و ناہواری آتش میں دہلا ہوا ہو  
بریں دھماکے دھماکے سے شرمناک ہے آتش و ہم جو تصویر میں مردہ آنا ہے

جب تصویر خیالی و نقلی ہوتی ہے جیسی صورت یاد آتی ہے۔ دم اٹ جاتا  
پر دینے میں مانت نہیں سکتی ہے۔ دامنوں سے پیپ ہستی ہے۔ بین میں ہینہ  
سوزش دہتی ہے۔ لبوں پہ نالہ ہے۔ زباں پر تھلا ہے۔ بیز فطرتا ہے ابر ہار ہے  
چشم خیم آتش ہے خادہ ہوا ہار میں۔ توڑوں میں چھلے ہیں۔ صورت دل خوار ہیں  
الاجان لینے والے ہیں۔ خیال بے فنا ہے نصیحت و پندافنا ہے۔ ناخن و حشمت  
سے بیز فطرتا ہے۔ خیر فاعل سے زخم دل و تھلا ہوا ہار میں۔ تپ دوری  
سے چہرہ درد ہے سوزش و زخم سے لب پر آہ و نوالاں ہے۔ شب نہائی میں اختر شام  
ہے یہ نئی باری ہے

ایں رشتے سے ہمارے مری جان ماری ہے  
آج بھر حضرت دل لگے خوں جاری ہے

رقعہ در ترک کاف  
دھون کی زد کی جس ہے مجھے ہو کر جوش جنوں نے زور کیا جب کہہ گئے  
زینت بزم موافقت و فنی صدر و نوات دام بھوک ہے

ذہنیت سرخ رنگ نہ ہوئی بونی جانی رہی ہمارا فوس  
تقدیر نے شب مجھے زیادہ دوڑیا دکھائے گیسو سے بھرنے کے چاند سے  
کبھی بھوٹے نہ باتے۔ جگہ میں خیر خواہ کی کاوش ہے آنکھوں سے خون تلب کی  
ہرم تراوش ہے آئینہ کی یاد میں جو جرات ہے کہ کہ نہیں سکتا ہوں بھلاؤں  
کی طرح ہر ایک کا نہ کتا ہوں۔ افنا نہ رہے و فراہ ہے۔ قہ جات مستار تھوڑا ہو  
جھانی پر غم کی نگہ ہے۔ بین میں ناامد ہے پھوڑا ہے

دیکھتے اب کہ ہم سے ہی میرا نہ بچے گا بچے گا کابا ہو گا  
آنکھوں کا پانی آہ سرد کی کثرت سے کیا کی کہم کے برت ہو گیا ہی سوزش غم دوری  
کے واسطے کلام تھا سویراں مرث ہو گیا جب اپنی صرت پر ہی آتی ہے فغان و غم  
آنسو ہلکے خاموش رہ جاتے ہیں۔ رنگ خادہ حجاب کی طرح چوٹ کہہ جاتے ہیں  
دو کوئی ہے جو مجھ پر تائید نہیں کرتا پر ہر جگہ دیکھ کہ مل کت نہیں کرتا

رقعہ در ترک کاف  
آپ وہ چہرہ روشن ہو دکھائیں بخلا بقواری دل کیابیاب کہ ہرگز نہ رہے  
مرد و گھوڑا و رشتا کے تندہ کو ہمارا برفانی ذہن اللہ دے

جہر جہرے دل ٹوٹ گیا ہوا ہے ننگ لگائی ہی سے جی چوٹ گیا اوہ کیا  
آفت کے دیکھنا نہایا ہے جوش و شہت نے جل دکھایا ہے جسے عشق کی ہو

نویس جگر تکیہ ہے۔ عاشق جان نثار کا یہی کام ہے ہر گز مری میں غار غم کھٹکے ہے  
جان بھی اسی کا نام ہے صنعت سے قش جیلے آئے ہیں۔ نیکو کا ہا نہ ہے دل پر  
زخم جنت کا دی نگاہ ہے زیت کا کا ٹھکانہ ہے۔ آنکھیں سرخ ہیں۔ چہرہ خزانہ  
ہے۔ جسم نادر پر داغ مثل چوڑے چنگے ہیں گشتہ خزانہ کی بھی لٹا ہے ہینڈ  
خیال یا رکاسا نہ ہے۔ دلی منظر کا بہت شکل غافل ہے۔ اب دروہدانی سے  
دوم میں ہزار ہزار باد بگڑتے ہیں۔ دات دن تپ فرات سے ملے ہیں۔ پڑوا پڑیاں  
رگڑتے ہیں ۵

خبر لیجے باں تلک آئے فدا کے لئے نکل دکھائیے  
رقعہ در ترک ہائے ہوز  
چشم در بار سے اب خون دل آئے لگا

دشت دشت سوئے داناں آب ہو جانے لگا  
دور در دریا سے محبوبی لور سے لالائے بہر شمس و خوبی ناگردن آفتاب  
الاس جنت تاباں باو ۵

سوز جگر سے آگ لگی جسم نادر میں فرقت نے ڈالے زخم دل افکار میں  
آنکوں کی دوائی نے جسم صفت کو پانی کا بلبلانا دیا چشم خوں افشار نے کشی  
عمر کو مائل مرگ پر لگا دیا جوش و خروش سے عین سودا ابل گیا۔ بجا جنت سودا کی نیکو  
جنگل کو نکل گیا۔ غار صحرائے شمس دی دست جنت جوڑے آفتو کار اپنا مطلب  
نکالا۔ پاؤں کے آگے ڈوٹے۔ دوست ہی کو برآ آزار دیا۔ پاؤں کو چھو گیا۔ مٹنے  
سے مجبور کیا خیال کا کی بجائے طبیعت کو پریشان بنایا کیچ پر سانپ ساڑنے لگا  
جب چہرے و بل یاد آ یا۔ نقاش تصویر نے فوب کام کیا گوشت خیال پر قامت دلدار  
کی تصویر انا دی۔ قوط جنت میں کام آئی اسی کے پاؤں پر سے منظر اب میں دل  
جنتاب کو بوس سکین دی۔ اب چہرے کی شریف ترین انداز فرمایے۔ خول کے لئے  
عاشق نیم جاں کی بالیں تک خواہاں فرماں آئے ۵

شریب دیدار آکر دیجئے اسے عاشق پر تلف کئے  
رقعہ در ترک یاو سختانی

نگہ فرقت پہ لاکھ سہ لاکھ دیکھا خادہ بھر کا کھٹکا  
قبل و نشان الفت مصلحت چستان جنت عالم غنیمت اور دست لکھ باو ۵  
دلی منظر جلالا دھر کا مرغ میل سادات بھر پھر کا  
جوش سودا فزول ہما دل کو جگر خون ہوا باو جنت سر پر دیکھا فوب الفت کا زوہ

وہ قید فرنگ ہے جیات دور روز سے چھوٹے نہیں ہاتے دل بہت تنگ ہے نہ خود کسی کی جنت  
کے قابل رہے ہیں نہ دوسرے کو خیال افشارے مار پاس بٹھائے ہیں نہ دوا کی باری نصیب  
ہو تا ہے نہ جان نادر ہی نکل جکتا ہے رات دن تپ فرات سے ڈسے سسکے ہیں نہ اپنے  
بکا دے اُن سے نہ تمنا کی گوارا ہے۔ اور ہر گز گوارے کی ہوئی ہے اور غار صحرائے  
طبیعت پریشان ہے آوارہ ہے جب آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں تو آہ موزاں جلا دیتی ہے  
اور جو بھی آتش میں جگر کھنٹی ہے تو آنکوں کی بھڑکی بھڑکی ہے اور بعد صحرائے  
پوچھے تو سوائے آب کے خاک باقی نہیں ہے سر سے پاؤں تک دھواں بھڑے دل بھر  
جل کر باد ہو گئے۔ جیوت سیز غالی دھرا ہے ۵

سبز کو شل تپ فرقت سے بھیسہ دیا دل کو جگر کو آب پہ سسہ بان کر دیا  
رقعہ در ترک نوں  
بہت بیکل ہے دوری سے تپ فرقت سے مرتبہ

خبر لے اویت بلے رحم عاشق کوئی کرتا ہے  
افتر مزاج دوق دو اگر ہر دوزخ صدف و صفا بہتہ سلسلہ جنت کیا باو ۵  
نذرت خیمے کسی حالت ہے دل کو چلو سے آج دیکھ تو لو  
غم و اہم کی کثرت سے دل کی جگر پہلو بہ صرغ داغ رہ گیا ہے۔ آنسوں دودھ کی نہادنی  
سے نکل ہو کر یا بعد جوارغ رہ گیا ہے۔ اس رخ سے کیا کی بڑائی ہے تمام جھاتی جلی  
جانی ہے باقی جگر با سو وہ لو ہو کر پودہ چشم پر چم گیا۔ دیدہ حیرت زدہ قوط آب تو برس  
گئے۔ تنگ با تنگ تھم گیا ہر قوط شمع ہو کی لو لگی رہتی ہے۔ قوط آہ سے جوارغ جیات  
گل ہے ہر دم زخار دیا خیال آتا ہے۔ پہلو سے ٹوٹا ہوا جسم زار صنعت سے بٹھا جاتا  
ہے مگر دم و خشت ہر بار سوا کی طرف اٹھتا ہے۔ چھاتی داغ ملتے جگر سونے کو تڑ لالہ دار  
ہے ہم آتے جاتے گھٹنا سے تپ روز فرات سے جلاتے جلاتے ناو پھل گیا۔ تپ ہو کر  
وہ صدر ہما ک خوف سے کیچو بل گیا ۵

اب بھی دیدار دکھاؤ تو شفا ہوئی ہے گروہ فرقت سے برہمال ہے بل پریم ہے  
رقعہ در ترک واو

رض عشق جان لیتا ہے مدد نہ ہر ماو دیتا ہے  
شمع مصلحت افلاص جوارغ جملہ انصاف چہرہ مراد درخشاں باو ۵  
دل میں آتش بھری ہے کثرت سے ڈوڈ بائی ہے آنکھ صرست سے  
دور فرقت رہی یہی ہے کہ طرغ نقاب میں قی جان عاری ہے۔ سنے ہیں اسی کا  
مجاہد شربت دیدار ہے جس کا بستر نکال ہے۔ تلاش حرام ہکا ہے ہر دم آنکھ سے

جہاں مدد فرماں کہ ہرگز نہانا جو جہاں کو دھال دلا دھانا، بزم تصور کہ ہرگز نہا طرح  
سنو ادا۔ دل پر تیغ محبوب کا نقشہ آنا دارفتہ رفتہ جگر پر داغ الم ہوا پہلو فدا  
لالہ نہا نہا۔ آہستہ آہستہ ہجوم زخم رنخ دھم ہوا جسم زار و شکب گلزار بنا آخر کار لب  
پرنالہ زبان پر شور ہوا۔ عاشق بدنام زندہ در گور ہوا شعلہ آہ بھڑکا ہر جگہ ناسور  
ہوا خانہ تن موبہ کھانا زہنور ہوا۔ حوصلہ کچھ زرد پر آشوب سرخ بہا کشت خشک  
برابر بیار کا عالم رہا۔ تھکے کونہ حرمت و تمنا عشق خانہ خواب کا انجام ہوا جلد قبرلو  
کہا کہ بہت کا کام تمام ہوا

شعلہ بھڑکا حنم داغ جلا      لوجہ دہن در دمنہ جلا

### رقمہ در ترک منقوطہ

دل کم حوصلہ گو کہ کھدا در دیا      ہمد ہم کا گلہ آلودہ دم مر دیا  
ساک بیک و داد مالک ملک سدا و دام داد و کر دگار دگر دگار ہوسے  
سلسلہ گر کلام کا دیا ہو      ساریج در ددل کا سودا دیا ہو

درد لدا کا لدا ہوا گو کہ محرا محرا آوارہ ہوا حرام دل کو سوگ رہا درد سر کا  
لوگ رہا۔ دروگرہ ہوا دل مردہ ہوا دکھ درد ہم کو حصول ہوا۔ کلہ آہ مول ہوا  
دل حالی درد و آلام رہا ملام خود دارام رہا

ہرم ہوس وصال اندل ما      درد الم و دل ار دل ما  
در مر حلا و داد ہر سو گرود      حالاکہ دگر کالہ ار دل ما

دل کا درد سوا ہوا۔ دود آہ دوا ہوا آواز خود اسرار ہوا محل رنج سار ہوا  
طلحہ وہ مرد ہوا۔ دل و گردہ لہو ہوا۔ دل کدور رہا عام درد سر رہا سار و  
داد کا درد ہوا رنگ کا سار ہوا۔ دود آہ کا ہمد رہا کاسہ الم کا دورہ رہا  
دام دل کا گھاؤ ہوا ہر دم سو تلخ و دھوا رہا سم الم دوسا رہا درد آہ  
مال کا رہا دلدارام ہو دوا دوا ہر آؤ کھڑا دکھاؤ

کرم کو دیا ہر آؤ کہ رنج ہو مرود      دکھاؤ دوسر سوئی گو کہ تلخ و تلخ

### انتظام اللہ شہابی

کی سائے ساز کی آفریں آواز کے ساتھ ختم ہو چکی تھی۔ پھانسی دیدی گئی۔  
آہ مصوم اور بے گناہوں کا اضطراب۔ چند لمحوں میں ایک رنج غرض مغوی سے پڑا رنگ  
ان کے دل پر چوٹی سی لگی۔ اس کا دل اس پرست و طاعت کو نہ لگا۔  
کئی نامعلوم ضربے اسے قتل کی طرف پہنچ رہے تھے۔ اور ہدایت کے نقشے اس کا منہ  
نہک رہے تھے۔ ظالم اور بے رحم یہ نورے کیا کیا۔ اس کی عقل سلب ہو گئی  
اور۔۔۔ ساعت معدوم وہ اٹھا اور قتل گاہ کی جانب تیز تر قدم بڑھاتے  
اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان رواں تھا۔ اُن کتنی بھلی اور قابلِ رحم تھی  
اس کی صورت۔ اس کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر ایک لہجے کی جھلک نکلتی۔ خون کھولنے لگا  
اب وہ قتل گاہ میں تھا۔ اس کی رعد میں جھپٹ تھی اور جسم میں  
اور تھلاش۔ آندھی اب بھی اپنے پورے زور و شور سے چل رہی تھی۔ اس کے  
کانوں میں غنواؤں سے آواز کی برسی نہیں کہ یہ تیرے مجھے سبے خواب کی کئی خبر تھی۔  
اس نے مصوم کی ویدہ نہیں اٹھا کر تم آؤ دکھا جس اس کے سینے پر لگا دیں۔ آہ میرا بیٹا  
اس کے منہ سے ایک الم ناک چیخ نکلی۔ دایں ہاتھ پر سرش کھا ہوا تھا  
اور سینے پر کلا بکھر۔ اس سے زیادہ قوی دھاک لگا کر ہر کسے کے۔ اس کو بھروسہ  
ہو گیا تھا جسے کسی نے کہ تیرا جانا دیکھو پاس لے کر۔ آندھی۔ سکوت۔ آہ اور آنسو۔

ہلال پریمی

(بقہ مضمرہ ۳۸) نہایت استقلال کے ساتھ تیرا گم تھے۔ مجھ باغیچے میں چلنے لگنے  
کی بے تابی پر غور نہ تھا۔ مصوم کی نگاہوں کی چمک بھٹی شراب کی بوندیں اس کے  
رخسار دل پر کوئی کی طرح چک رہی تھیں۔ دیوان خاموش تھا۔ اور کسی اہم  
مسئلہ کی عقدہ کشائی میں مشغول تھا۔  
اس شایہ پر خیالی کسی صدمہ میں ہو۔ گوانان امیڈن کی ہی سہا جہنا جو  
اگر اس کا دامن حیرت جھٹ جائے تو اس کی زندگی اس پر وند سے ہرگز کہ نہیں جو شے سے دور ہو وہ  
زندہ تو رہتا ہے مگر زندگی کے اس سکون سے بگاڑ۔ زندگی کا لذت اور بھول کا نام ہے  
پر وند جھکے خاکستہ ہو جاتا ہے قریح کی روشنی میں منور تھی۔ یہ ہے زندگی۔  
اور یہ ہے زندگی کی حقیقت۔ جس نے جلی خیز زندگی پر وند کو رنج دینا ہو۔ اور کسی چیز کی  
خواہش تو نہیں ہے؟ اس نے نگاہ کا کش لیتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔  
مجھے کسی چیز کی حرمت نہیں ہے مگر یہ سوتے بھانسا خیال درد دیکھنے کی پوری یادگار کا تھا  
بنا دیا ہے۔ اس طرح قید ہر سے والدین کو سلو ہو جاتے کہ ان کے جگر گھٹنے کی پٹیاں اس پر لگ  
دفع ہیں اور سرس جگہ کوئی آندھ نہیں ہے۔ جواس کے بزرگ جھوکوں سے گلاب اور چنبلی کی دنگلیا  
ملاسے لگیں۔ اس کے خیالات تیرے سے بولنے لگے۔ اس طرح جیسے آداب کی  
شادی میں شادی کی میاں میں مٹا پڑنے لگتی ہیں۔ اس کی دھج کے بھان

۱

اپنے جلووں سے نکلی خانہ عشرت بنا  
دئے پیام زندگی مردہ تمناؤں کو پھر  
دل کے زخموں کو ذرا پھر شرمزگاں سے پھر  
جاگ اٹھے ترسے ہوئے کا پھر ذوقِ جنوں  
ذوقِ پیامِ آرزو میں بھی سمجھے آنکھوں پھر  
کھول دئے زلفِ مسلسل دئے جلوہ بار پھر  
کر تیرے روئے اور سے مرا روزِ فراق  
چشمِ حیرتِ آفریں سے دیکھ لے مری طرف  
اپنے آئینوں میں آکر اپنے ہی جلووں کو دیکھ

آئینے ظلمت کدے میں اور ایسے جنت بنا  
یاسِ سبزِ عشق کی بگڑی ہوئی قسمت بنا  
درد کی ہر مہم کو پھر عشقِ لذت بنا  
نالہ زنجیر کو ہنگامہ وحشت بنا  
میرے نالوں کو وفائے عشق کی محبت بنا  
ظلمتوں کو نورِ کدے نور کو ظلمت بنا  
گیسوئے شرمگ سے میری شبِ فرقت بنا  
میرے دل کو جوہرِ آئینہ حیرت بنا  
اپنی تصویروں میں اپنے رنگ کی صورت بنا

تیری آنکھوں کو ہر اک سوتو ہی تو اے نظر  
عالمِ کثرت کو اک دن عالمِ وحدت بنا  
آلمِ مظفر نگری

## حاصلہ گناہ

نقد و نظرِ نفول ہے حسن کی جلوہ گاہ سے  
پایا ہے حاملِ فریغِ اپنی ہی گردِ راہ کو  
میرا ہی شوقِ واضعِ آبِ کرگیا ان کو زلفِ آب  
حسنِ بے باہِ کار کی برہمیاں نہ بوجھے  
موت و حیات کے تقوینِ شہدہ ہائے قریح و شام  
وسعتِ دو جہاں ملی ذرے کی طرح تنگ و تنار  
حادثہ ہائے درو و غم، تنگ منازلِ حیات

عشق کو دیکھ عشق کے زاویہ نگاہ سے  
گذری ہے جب نگاہِ شوقِ جاوہِ ہوا سے  
دور نہ وہ مطمئن سے مجھے جلوہ گاہ گاہ سے  
چھوٹکے کلیم و طور اُس نے فقط نگاہ سے  
نیزلِ شوقِ بے خبر آگے ہے گردِ راہ سے  
لوٹا میں کامیاب جب آپ کی جلوہ گاہ سے  
ان کو اگر ہے دیکھنا، دیکھ مری نگاہ سے

رحمتِ خاص کو تیری رحمتِ عفو کون ہے

در نہ مجھے اور احسانِ حاصلہ گناہ سے  
فضلِ الدین اثرِ الہامی





کو ایک چالاک کوٹری سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اگر بستوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو کروہ میں اس طرح اس کی موجودگی بالکل بے خطر قرار دی جاسکتی تھی۔

”وہ رپورٹ“ — اُس نے وہی آواز میں کہا — ”وہی پورٹ جو جرمنی کی فضائی قوت سے متعلق ہے اور جو آج رات تمہارے پاس پہنچنے والی تھی میں نے سوچا کہ میں اس کو تمہاری بے نسبت زیادہ محفوظ طور پر رکھ سکتا ہوں“

ادناہل سندھ نے غصہ کیا اظہار کرتے ہوئے ایک آرام کو کسی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:۔

”عجب بد مدارغ شخص ہے یہ بول کا بیخبر — میں اس کوئی بار مشتبہ کر چکا ہوں۔ مگر کوئی نوہ نہیں کرتا۔ یقین کرو اس ماہ میں آج یہ وہ سارا واقعہ پیش آیا ہے۔ میں نے پہلے بھی ایک شخص تمہاری ہی طرح اس سخت جھج پر چڑھ کر، کھڑکی کی راہ سے کروہ میں گھس آیا تھا۔

”کہہ میں ایک معمولی سی کھڑکی تھی۔ فاولو نے اُس طرف دیکھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اُس کے باہر چاروں طرف تاریکی ممل طور پر تسلط جائے ہوئے تھی۔

”چھٹا“ — مارکس نے غصے کے ساتھ کھڑکی کی طرف دیکھ کر ادناہل کی بات کا تردید جواب دیا۔ ”نہیں جناب! میں غلطی کبھی کی حد سے اندر آیا ہوں۔ چھٹے کھجے میں شوشے م ہونا تو کبھی ہونے کی رحمت سے بچ جاتا“

”یہ اور طرف نما تھا ہے کہ جھج بھرے کروہ کا نہیں ہے“ — ادناہل نے غصہ آؤدوج میں کہنا شروع کیا۔ ”دراصل یہ بلی کروہ کا جھج ہے جو نہایت بھونڈے طریق پر پر سر کرہ کی کھڑکی سے ملتی ہو گیا ہے“

”بات یہ ہے؟“ — اُس نے فاولو پر ایک سقیم نگاہ ڈالتے ہوئے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ”یہ بلی کروہ، بول کے بڑے کروہ کا ایک جزو تھا لیکن اب اس کو پیسہ کروہ کے ایک متعلق رہائشی کروہ بنا دیا گیا ہے۔ جھج اسی کروہ پر بنا گیا ہے۔

”تعمقی یا اس بلی مروہ میں ہو کر ہر شخص باسانی میرے کروہ میں آسکتا ہے۔ چنانچہ اسی چندہر پیشتر میں ایک آدمی آچکا ہے۔ یہ صاحب اگر میری بار کھینچے ہیں کہ جھج اور کھڑکی کے درمیان ایک دیوار چھادی جائیگی۔ مگر آپ جانتے ہیں ان بچوں کی بات کا کیا اعتبار؟“

فاولو ادناہل کے قریب سکر کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ مارکس نے بتول کا ایک سیمی خیر اشارہ کیا اور دونوں کے مخاطب ہو کر بولا:۔

”اب جناب لوگ بیٹھ جائیں۔ ابھی ہم کو نصف گھنٹہ تک اور نظر رہنا پڑیگا۔ کم از کم نصف گھنٹہ — کیوں اور ابل! ٹھیک ہے نا؟“

”نہیں صرف کلین منٹ“ — ادناہل نے جوابا کہا:۔ ”سائے بار بجے کا وقت ملاقات کے لئے طے ہوا تھا۔ ہاں یہ تو بلاؤ؟ تمہیں اس رپورٹ کے بارے میں کیسے اطلاع ملی؟“

بستوں نے ہوتے مارکس نے معنوی ہنس کے ساتھ جواب دیا:۔

”اور معلوم نہیں یہ رپورٹ جو جرمنی کے باہر پہنچی کس طرح؟“ — خبراب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ غریب میرے ہاتھ میں آجائے گی“

دروازہ پر کسی کے دھک کی آواز سن کر فاولو چونک اٹھا۔

”کون؟“

”پولیس کے باہمی ہیں“ — ادناہل ایک کل بے پروائی کے عالم میں جانی لینے ہوئے بولا۔ ”میں نے سوچا کہ اس قدر اہم کاغذ ہے اس لئے اس کے تحفظ کا کافی انتظام کرنا چاہیے؟“

مارکس شدید غصہ کی حالت میں اپنا ہونٹ کاٹنے لگا۔ دروازہ پر دوبارہ کھٹ کھٹ ہوئی۔

”اب کیا کرو گے مارکس؟“ — ادناہل نے طنز یا لہجہ میں دریافت کیا۔

”اگر میں خاموش رہتا ہوں تو وہ خود دروازہ کھول کر اندر آجائیں گے۔ نالا کھلا ہوا ہے۔ اگر تم نے جھگے کی سعی کی تو یاد رکھو یہاں کی پولیس گولی پلانے میں بہت مشاق ہے“

مارکس کا چہرہ ندو ہو گیا۔ ”وہ آہستہ آہستہ اُسے پٹاؤں کھڑکی کی طرف جلتے لگا۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر اُس نے باباں پٹاؤں چمکھٹ پر رکھ دیا۔

”اور وہی آواز میں ٹھکڑا انداز میں نکلے لگا۔

”پولیس کو واپس بھیج دو! میں جیسے پر اظہار کرونگا۔ ان کو خدا واپس کرو! ورنہ میں گولی چلا دونگا اور یہاں کھلی بیچ جائیگی“

دروازہ پر کھٹ کھٹ کی آواز مسلسل تیز ہوتی جا رہی تھی۔

”موسیو! — موسیو! ادناہل!؟“ — باہر سے کسی نے بلند آواز سے پکارا۔

مارکس ایک ہاتھ میں ہوشیاری کے ساتھ بستوں کے پیسے تعالیٰ بھی برائے کی اٹھلی تھی۔ ”وہ فاولو اور ادناہل دونوں کو نشانہ بنائے ہوئے تھے“

دوسرے ہاتھ کی مدد سے اُس نے چوکت کو مضبوط پکڑ لیا اور ایک کھر کی پر چڑھ گیا۔

دروازہ کھلنے لگا۔ مارکس بائیں ہاتھ کا سہارا لیکر اُس نے پاؤں پیچے پر کود پڑا۔

کودنے کے ساتھ ہی ایک خوفناک چیخ اُس کے منہ سے نکلی اور

دروازہ کھلا۔ چوٹ کا لازم ٹہسے میں شراب کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے کرہ میں داخل ہوا۔

”حضور! آپ نے دھڑکے سے واپس پڑ کو تیاک“ پیش کرنے کا حکم دیا تھا وہی لیکر حاضر ہوا ہوں“

یہ کہہ کر لازم نے ٹہسے یزیر رکھ دی اور سلیقہ کے ساتھ پزل کا کارک کھول کر باہر چلا گیا۔

فاؤز کے چہرے پر انتہائی خوف و حیرت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور وہ آنکھیں پھاڑے ہوئے لازم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جب حاکم نے حاکم سے اوچل ہو گیا تو وہ اوڑا ل کی طرف متوجہ ہوا

ادھر ہٹا کر بولا:۔

”لیکن وہ پولیس کے باہر“

”پولیس“۔ اوڑا ل نے ایک خوبصورت سی سانس لی اور سکا کر جواب دیا:۔

”اے پولیس! میں یہ صرف ہنسی تھا۔ چوٹ کا لازم ہے جس نے دھڑکے سے اُس وقت یہاں شراب پہنچانے کے لئے کیا تھا“

”لیکن اگر مارکس واپس آیا تو“۔ ”فاؤز نے دھڑکے سے انداز میں کانپتے ہوئے دریافت کیا۔

”نہیں۔ ہرگز نہیں“۔ اوڑا ل نے جواب دیا

”وہ اب کہیں واپس نہیں آئے گا۔“ کھر کی کئی نیچے کوئی جھج نہیں ہے اور یہاں سے زمین کا فاصلہ بہت طویل ہے“

مستند رابرٹ آر تھر  
انتیاز نسیمی (دیوبند)

(بقیہ صفحہ ۵۲)

جناب مسک جلیور

چراغ آرزو کو شوق کی جب روشنی دکھائی

ٹھکانے میں جھک جاتی دای سے دی

جناب طالب بھٹا پاروی

تو سجود پر رہے کیوں آج کل میر طالب

جناب اختر تراپور

جو کہ پوچھ تو دل و جوش لازم ہستی ہے

جناب سن از چند وارو

خدا کی شان جو یہ سن اجاہ کو نہیں

جناب آرزو اکبر آبادی

وہ اب کیا ہے جسے آئے زب پر بدن

جناب سلطان نقشبندی پاروی

نئے سرے کسی کی باتے وار کل سے دی

جناب زہری دہلوی

خدا کے کلام میں تو کوئی نہ تھا ہر

جناب نسیم از فرو کہ ضلع سرگودھا

بظاہر محو جنت ہو گئیں۔ لیکن بخت میں

جناب بیدل لکھنوی (مراد آباد)

تمہارے بار احسان کو بار چاہتا یہ بیدل

جناب اشرف کیاوی

بچاؤ ہے جس کا یادگار محو اخوت کے

جناب نقیر دہلی

نیر آبادی عالم ہے اپنے دیدہ دل کا

جناب مشتعل عالمپوری

جس اب کیا ہوا ہوں ایک رومان تصور میں

جناب محمود ابوبوی

تیس مود کو کچھ نیت دہن سلطان غفرانی

مشاعرہ شاعر مصرع طرح برآ ماہ جون ۱۹۴۳ء

”فلک میرے لئے ہے یہ زمیں میرے لئے“

”آئینہ زمیں دیر فرمائی میرے لئے“ ر دین

## تبرکات

یہی ہے کہ دل کی داستانِ عشق بیان کر دیں  
کہیں اک بار دل سے ہو جو زندانِ جہاں کر دیں  
ابھی ظاہر ہے دل کی کیوں بیتابیاں کر دیں؟  
شکستِ دل کو ہرگز نہ لٹا جاو داں کر دیں  
شناو ہو گا نہ ہستی کی غایتِ وجود سے واسے  
جنوں کی پردہ داری ہے مالِ اندیش بننے ہیں  
تمہاری سردہری کے خشک چھٹیوں میں کیا دم ہے  
گرادیں ہم کو نظروں سے وہ ایسے بے لعلک ہیں  
قربِ منزل اگر ہمتِ آخر ہار دیں کیوں  
لعلِ باندھے ہوئے سرے ہیں اپر عدمِ راسخ ہے

میاں سادو ساں بختِ یاد و مہرباں ساقی  
حسنِ جاہن تو شیک اب ہم مزاجِ اسان کر دیں  
تسحین امام مدیرِ ندیم "گیا

## شاعر کی دنیا

ہے دنیا مری، چاند تاروں کی دنیا  
چمکتے ہوئے جگنوؤں سے بسی ہے  
چمکتے ہوئے پھول کلیوں کا عالم  
پھرتے ہوئے جان لیوا نظائے  
کہیں وادیاں ہیں کہیں ندیاں ہیں  
بہ اجباب کی مٹھلیں خوبصورت  
کہیں میٹھی میٹھی خوشی کی ترنگیں  
کہیں مٹھلیں کا نگاروں کی مٹھلیں  
چمکتے ہوئے اہل تسکین کے گھر  
کہیں حق کے شاہِ پاروں کی بستی  
خوشی بھی الم بھی، وفا بھی جفا بھی  
کہیں مطلقاً بادہ خواروں کا مجمع  
کہیں وحشیانِ محبت کے محشر  
وہ دنیا ہے میری، وہ عالم ہے میرا

حاجی شیخ احمد بریلوی

تخیلِ مرا خانی شہرِ تب ہے  
بہ نظرت کے ہے شاہکاروں کی دنیا

## ضعیفُ الاعتقادی اور جوانی

ہماری کہیں نہیں آتا کہ آخر ایک آدمی، مصلحتی اور منافقانہ جوان کس کام کا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی تباہی و بربادی اس میں زندگی کی کامیابی کا راز سمجھنے سے ہے کہ وہ نہایت بڑا اس اور منافقانہ زندگی بسر کرنے جس میں نہ کوئی شک نہ ہوا اور نہ کوئی کارنامہ اور نہ بڑیوں کی ستائش تو میں میں "کی نوبت آئے عاقلو سے نہیں ہوں اور کیا نہ انوال کے غلبہ اپنی زندگی بسر کرنے کو زندگی کا نصب العین نہ کیا گیا ہے۔ آبادی کا بیشتر حصہ اس شخص کو حیرت و تعجب یا شک نہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ جو تدبیری اقوال کو نظر انداز کر کے ہوسے دنیا سے ہونے پر سکون نظام میں ذرہ برابر بھی انقلاب پیدا کرنا چاہے، ہر کے برعکس اس شخص کو جاتا اور درویش سمجھا جاتا ہے جس کی گفتگو میں حکیمانہ اور دور اندیش از اقوال کو زیادہ سے زیادہ دخل ہو، چاہے وہ اقوال موقع و محل کے لحاظ سے اب گئے ہی فرودہ کیوں نہ ہو گئے ہوں۔ عام لوگوں کی باتوں کی گفتگو میں بھی ضعیف الاعتقادی اور بڑی نمایاں طور سے نظر آتی ہے میں تو وہ ہے کہ ۹۹ فیصدی انسانی آبادی جہاں کوئی دلیرانہ قدم اٹھانے کے لئے اپنے آپ کو نااہل سمجھ لیتا ہے وہاں اُسے اپنی موجودہ پستی میں باعثِ تنگی جات نہیں معلوم ہوتی۔ چونکہ دنیا کی انسانی آبادی کا بیشتر حصہ ضعیف الاعتقاد اور غیر متسلح ہونے لے لہذا ان بزدلانہ اور حکیمانہ اقوال کو جو میری سمجھ میں آج تک یہ نہیں آیا کہ ایک نظریہ دور سے نظریہ کے مقابل میں کیونکر غلط اور مل ٹھہرا جاسکتا ہے جبکہ دونوں نظریے اپنی اپنی کامیابی کے حق میں زندگی و قاتل بھی دیکھتے ہوں۔ آپ کو کہاں سے یہ حق مل ہے کہ آپ "اگر میں" کو بھی اسی قدر عزت اور رنگ کی جگہ ہوں سے نہ دیکھیں جتنا کہ ایک کامیاب تاجر یا سیمولر جیسٹ "کو؟ اس لئے کہ اقل اکثر کرنے اپنے ناقص اندیشہ

انہما کے باعث جان دیدی اور آواز لکھنؤ زندہ ہے اور اس کا وہ لڑنے لگنے کا محبوب نسل بھی جاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناقص العقل اور بزدل اشخاص کے نزدیک آخر الذکر کی زندگی میں کامیابی کا راز مغرب ہے لیکن ان بہت کم افراد کے عقائدات کے دوش بدوش بھرم وہ تدبیریں ہوں اور مردانہ اقوال بھی ٹھٹھے ہیں جو بانی حال سے بچاؤ بچاؤ کر رہے ہیں کہ ایک نیک طرح قبل از وقت مرنا اُس گتے کی قبول زندگی سے کہیں بہتر ہے جو رنگ رنگ کر دوسروں کے سہالے بھی رہا ہو۔ نیلسن نے مشہور نام میں اپنی جان کو ملک الموت کے سپرد کرنے سے پیشتر اپنے ملاحوں اور سبباہوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا: "میں ان انسان ہر آدمی سے خوش ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی کے سامنے جان کی قربانی نہ کرے گا۔" اسی طرح میری پوڈ کے عہد حکومت میں برڈسٹنٹ یا دیو گھر نے اسے دنیا سے خالی کو فریاد کہتے ہوئے اپنے ماضی بادی و دے سے کہا تھا: "ماٹر دے، خوش و خرم رہو اور بادی و دے سے کام لو۔ ہم آج ان گھنٹہ میں ایسی نعم دوشن کو جانتے جو کبھی کل نہ ہوگی یہ تاریخی ستیوں کے اس قسم کے اقدامات کو دیکھتے ہوام انسان چاہے کسی نظریے دیکھیں لیکن یہ ضعیف ہے کہ ان کی قربانیاں بھی بے فائدہ اس قابل ہیں کہ وہ خدا بے کے ہادیوں کی خدمات کے مقابل میں پیش کی جاسکیں۔ دنیا کے عام لوگوں کی ضعیف الاعتقادی کا تو یہ حال ہے کہ اُنکے نزدیک ہر وہ جوان شخص جو جوئی سفر اختیار کرتا ہے سزا حق ہے۔ جو شخص اپنی بھرتی سادی کر کہیں نہ بھرتے اُنکی نگاہ میں وہ زیادہ قابلِ احترام ہے بہ مقابلہ اُس شخص کے جو مسکراتا ہوا دار کے تختہ کی طرف جا رہا ہو اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے ایام نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے گزار رہا ہو۔ اُس کی مالی حالت بھی اچھی ہو اور بہت سے اُس کے دست نگر بھی ہوں تو عام لوگوں کے خیال میں اس میں وہی ایک کامیاب انسان ہے۔

عام لوگوں کا عقائد اُس وقت فرور غلاما ڈول ہونے لگتا ہے جب وہ اس شخص کو اپنی کوئی کامیابی سے اپنے آپ کو فخر ہانے میں دیکھتے ہیں کہ حضرت سلمان سے بیکر نیچمیں فرنیکلین تک ان کے ہادیوں کی جو عظمت تھی

لے دم کی مرز میں ہیں لیکن اگر انکے ہنگامہ چاہے وہ علم "نے اعلان کر دیا کہ جب تک کوئی ایچ جان کی قربانی پیش نہیں کرے گا تو وقت یہ نکال کر نہیں چکنا۔ اگر سس دم کا ایک دھماکا ہو تو سس کے اُس شکار میں داخل ہو کر پیشہ کے لئے رو پڑسکے گا۔



# سَاطِ حَنْ

اردو شاعری کے آغاز سے اس وقت تک کے مشاہیر شعرا کے کلام کی نمایاں خصوصیات پر  
ایک منظوم اجمالی تبصرہ — انتہائی غور و فکر اور تحقیق کی روشنی میں  
از — اعجاز صدیقی

سکندر میں جناب طبعی کی کام دیر مالگیر "ہوئے عالمگیر" کے تاریخ نگار کے لئے ایک تاریخی نظم کا مطالعہ کیا، جس تاریخی نظم کے لئے موعودہ غاش ہی کر رہا تھا کہ ایک رات حضرت امیر خسرو کی زیارت سے شرف یاب ہوا۔ امیر خسرو نے سخن حضرت امیر خسرو نے فرمایا کہ "پریشان یوں ہونا ہے مجھ سے بلکہ اسے تک ہر دور کے شاہیر شعرا کے کلام کی خصوصیات کو نظم کر دو ال؟ بعد ازاں او دل و دماغ پر ایک سرسستی کی طاری تھی۔ میں اس اشارہ غیبی سے متاثر ہو رہا تھا اسی تردد میں اردو صرف نظم کی اہمیت اور تکمیل کار کے متعلق تھا۔ چنانچہ چند دن کے عین مطالعہ کے بعد صرف نقد میں کا دور ختم کر سکا۔

سکندر سے اواخر فروری ۱۹۴۲ء تک اس طرح نویسی ہوئے کاموں میں زکاء اسال پھر حضرت خیال نے باور پایا تو اس نام نہام نظم کا خیال آگیا اور اس تبہ میں نے قلم کر لیا کہ کچھ بھی جو نظم ضرور کیل کر دوں گا۔ چنانچہ رات راتوں کے گرسے مطالعہ اور جانکاہ کوششیں دکاوش سے جو کچھ ہو سکا ہے۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس نظم کے ہر نقطہ میں اندر رکھائی اشادات (TOUCHES) ہیں کہ اگر انھیں شریں پھیلا جائے تو شاعر کی زندگی اور اس کے کام کی خصوصیات سے صفحے کے صفحے رنگ جائیں۔ نظم کا اجمال قابل غور ہے اور اس سے زیادہ کیا کہوں۔ شاید ادبی مفلوں میں میری یہ جگر کوشش دکاوش پسند کی جائے۔

یہ نظم عالمگیر کے تاریخ نگار میں بھی شائع ہوئی ہے۔ شائع شدہ چیز کو نشان کرنا میرے ملک کے خلاف ہے لیکن جو کہ اردو ادب میں یہ ایک بالکل نئی چیز ہے۔ اس لئے اپنے ملک سے ہٹا کر پڑھنے والے کا نظریہ "شاعر" بھی لطف اندوز ہوں۔

اعجاز صدیقی

درستقدین :- (اول) :- بھلا سکا نہ کوئی تیری اولیت کمر کہے جذبے شہرت نکال نک تیری

مضمون اکبر آبادی امیر خسرو دہلوی

بے مذاق کامنوں آب و رنگ سخن دکھایا ترے دست قوی ہو گنگ سخن سخن میں بھر دے ہونے نئے تو نے جنتی لکے معنوں نئے نئے تو نے  
لے سکا جو اس وقت تک نکالے چھویدا دل شاعر میں وہ زندگ سخن کہ بیسے غیب کی آواز تھی تری آواز خال نظم کے یوں نئے نئے تو نے

شاد مبارک آبرو اکبر آبادی

بے شکلی و تیری و نصرتی، دہلی دو سخن میں ترے انساع پر مجبور دیار شعریں کی شاہراہ نو آباد مجیب تھی تری طبع رسا کی کچھ افتاد  
ہے نہ ہوش میں خواہی و چندی بھی لاکھ ایسا تری طرز توں کین و سرور دماغ و روح سے کی نہ لے آبادی شعر مذاق ناہ مبارک مجھے بسا کہ باد

خان آرزو اکبر آبادی

دلی دکنی (اوٹنگ بادی) ہے یاد آج بھی وہ طرز گفتگو تیری ہر ایک نرم سخن میں بھی آرزو تیری  
درستقدین :- (ثانی) :- اب میں خاص جگر دینے کو لینی ہی دی بنیالیں تم سے شہریں کی کئی کیلئے مذاق عام سے بٹ کر بے مستی تیری

## مرزا مظہر جان جاناں کبر آبادی

کچھ ہر ادب سے کیا تو نے داؤد اُردو ہر ایک شعر تھا بلے خبر نظر اُردو  
ہیں یہ شعر ضیاء و ضو نگاہ ہنوز تو آسان سخن پر شبِ خاور اُردو

## مصطفیٰ امر دہلوی

دو سخن میں نے کا دواں کو ساتھ لیا پھر اس کو بہت منزل دسی کا دریا  
کلام کیا ہو زری بلح کی دوانی میں کوئی حریف ترا دد گوئی میں نہ ہوا

## شاہ حاتم دہلوی

جہاں میں ابھی محسوس ہے کی تیری زمین شعرا بھی تک ہے یقی تیری  
دینے جواہر رنگیں زبان اُردو کو ہے یادگار ادب میں یہ حاتم تیری

## میاں نظر اکبر آبادی

جگہ دی شویں رسم و رواج کو تو نے سمجھ لیا تھا جہاں کے مزاج کو تو نے  
دین کو درس و پیام اتحاد کا دیکر بہت بلند کیا "ادب میں نان" کو تو نے

دو مرتبہ وسطین :- (اول :-)

دو مرتبہ خیرین :- (اول :-)

## مرزا رفیع سودا دہلوی

ترے سخن کا نظیر و مدیل کوئی نہیں قیدہ گوئی میں تیرا قبل کوئی نہیں  
ہیب ہجو سے دے تیرا تیری شاؤ گلا ترے کمال میں اب تک قبل کوئی نہیں

## ناسخ لکھنوی

تری نظر نے کیا ایک مہر و شام کا رنگ سخن میں ہے ترے جو خاص نام کا رنگ  
کسین نیاز کسین ناز اور کسین شغی بہت ہی جانبِ دل پر تری کلام کا رنگ

## خواجہ میر درد دہلوی

یہ بہت کیا ہے یہ طوفانِ ہنسی کیا ہے تجھے خبر تھی کہ عرفانِ داغی کیا ہے  
ہر ایک شے ہے درس و پیام کا حاصل ہے ایک سبوعِ اخلاق شاعری کیا ہے

## آتش لکھنوی

گلا دی آگ سخن سے نئے غلّی میں تو یاد گار ہے اپنی فنونِ نوائی میں  
بیک نظر جو آرزو ہے روحِ کمال سے وہ لطف ہے تیری شادمانی صفائی میں

## میر تقی میر اکبر آبادی

یہ حال ہوا ہے اشار کو ترے پر حکم کہ بنے کون میں مجھ جہاں تیرا دفتر  
دیشے بلے وہ لطفِ بانِ طرزِ بیان ہوا ہے اور نہ ہو گا کوئی ترا ہمسر

## دوق دہلوی

ہوا ہے اور نہ ہو گا فنونِ نواں ہر سا دماغِ دل تھا عالمِ فضل کا دیا  
نوا کمالِ ظاہر صفتِ شاعری میں مگر سمجھ سکا نہ کوئی آج تک ترا ویسا

## میر حسن دہلوی

بہت ہی لطف تری رنگِ دل میں ہے کمالِ زورِ قلمِ ترا غنوی میں ہے  
جہاں کھد میں تھی سب کو ہوا اتفاقِ ہر وہ بات سب میں ہو گی کی میں ہے

## مرزا غالب اکبر آبادی

کہ نہ کیوں تجھے دنیا خدا کی شہود سخن یہاں کچھ ہے ہوا ارتقا سے شعور سخن  
دماغِ شہزادی کھو ہے عرشِ نشیں بلند تو نے ہی کہا ہے تو نے شہود سخن

دو مرتبہ وسطین :- (ثانی :-)

## جرات اکبر آبادی ثم لکھنوی

وہ سادہ سادہ اشاراتِ نزاکتِ شعر وہ حسن و عشق کے عبادتِ ملاوتِ شعر  
تازہ گاہِ جہاں میں تیرے بصر تھا مگر عطا ہوئی تھی تری بلح کو بشارتِ شعر

## مومن دہلوی

گزنل ہے بیاںِ زبان میں سوزِ گلاز تری طرح کوئی شاعرِ ہندوستان  
ترا کلام ہے اک میلِ ظلمِ اسلامِ ظلم ہے ابھی تک کسی کو یہ انداز

## میر انیس لکھنوی

کہنِ شاطِط سے تو کہیں غم کو نکال ترے سخن میں تھیں گینیاں مجھ نہلا جہنم گاہ کی نظر کشی پتوئے  
تو وہ ہے جس نے کیا استوار اُردو کو ہے آج بھی تری صفتِ فرق و جورِ زبان ہے یادگارِ ترائفِ شہرِ گیتی تو نے شہرِ گیتی

## انشاء لکھنوی



مرزا دبیر لکھنوی

بیاں جو زدم و شہادت کا دئے حال کی زبان کی تیرے الفاظ کو حال کی سی ہے ہونے کی تیرے رنگ کی تقلید تیرے کلام بلاغت نے یہ کمال کیا

منیر شکوہ آبادی

عطی ہمتی تھے نظر ناظر سخن تری دوا سے رہا مطلق فہم سخن زاکالی سخن رام پور میں چکا تو اپنے وقت کا خدا وافی مہر سخن

حالی بانی پتی

ادیب و مجید عصر، خواجہ حالی ادب کی جاں چمن نظم و شعر کے مالی ترے دماغ نے تیرے ہر ایک کلمے کی دولت کی دو سخن میں نئی دماغ پیل اک دلی

اکبر الہ آبادی

گوراز پستی تہذیب کو لئے والا تو قوم مردہ کی بنیادیں مٹو لئے والا فصاحت خرم اصلاح بالرائے کیا بنات و قدح کو کانوں میں گئے والا

نور جمال آبادی

تو اپنی ہستی منور کو بھی بھول گیا نئے سخن میں کچھ لایا تھے سرود بلا ہے شاعری تری درود و انز کا آئینہ گداز تیری زبان تھا فطرتا پسدا

شاد عظیم آبادی

ہے تیرے شری اخلاق و فلسفہ بنیاد ہر ایک بزم سخن میں ہے گی تیری یاد جہاں ادب ہوا فکر بلیغ سے تیری زبان فن کا تھے ناخبر سب نقد

راضی خیر آبادی

خصوصیت تھے حال ہے و قنداری میں نکھڑات نہیں تیری سادہ کاری میں نام عمر سے شہرت نے چھلائی ہے تیرا نام ہم آردو کی آبیاری میں

مضطر خیر آبادی

بجلیے تم کو کہیں گے مستور جذبات ہیں جان شہر سے دار و دار و حیات ابھی تو اہل لب و لہجہ سے بھر میں مگر مرور تیرے گھر کو سخن کو نہیں چٹا

اسمعیل میرٹھی

بھولے گی نہ تم کو یہ محفل ایجاد سے ملک و قوم کے بچوں کے دل میری یا ہنگام بتری تھیں زبان زد عالم ہو چکی تیر کی۔ یا خود دال کی فر

ڈاکٹر اقبال سیالکوٹی

جگر شہر سخن، ناز آشتی و خودی رہی زندہ اب تک تری نوائے خودی تو کمال مقلد اعظم تھا اہل مشرق میں اسی نے تم کو کہیں سب خدا سے خود

راسخ دہلوی

تو ایک زندہ جاوید شخصیات میں ہے خصوصیت ہی نمایاں سی جات میں ہے سجد میں بھی جیتے ہیں تیرے کا شمار یہ دہن میں ہے حفظ و محاورات میں ہے

تسليم لکھنوی

ذاتی شہرے آگاہ و خوش ذہن تسليم کہتے ہیں شہر اکھ کو قابل نظم کمال کو دیا استاد کے ہتھ میں تیرے کلام سے قائم ہے رنگ و فکر تسليم

امیر مینائی لکھنوی

یہیں شہر و سخن ملے امیر مینائی ہے اب بھی نواز دین ہند تیری شنائی جگر جلیل و دل انکس میں با کلام تری ہے جس سے طبع سخن کو فروغ مینائی

مرزا داغ دہلوی

نفاحتوں کے خدا سوز و ساز کے کلام بند ہند میں سب سے رہا زار پر جم بہ مجھ سے ترا آج تیرا مرثا گود جہاں شہر میں ہے ایک رہبر اعظم

جلال لکھنوی

جلال خواجہ مشہور بیان یکم سخن بجا ہے تم کو کہا جائے گے کہ یکم سخن خواجہ اور ضوابط ہوتے ہیں سخن زبان شہر ادب تم کو نہیں چٹا

## سیاب اکبر آبادی

## تجود دہلوی

ادیب و شاعر مشرقِ امام و عالم فن رہے گانا بہ ابد ہند میں ترا چو ایں طرز و بیان فیض گستر دہلی ترا جواب نہیں ہے سخنور دہلی  
نظامِ شام و سحر لاکھ کروٹیں بدلتے نہ کر سکے گا مگر تھکے سا مجتہد پیدا غزل قدیم ہے نیری گوشت روشن بجائے تیرا لب ماہ انور دہلی

## صغیر گوٹروی

## جلیل مانجھوری

ترے کلام میں پھٹ کین رو عانی تری نگاہ و ساراہل دل کی عرفانی فصیح و فہم کھوں تھک کو یا امام الفنی ہزاروں نہیں جھپٹے ترا رنگ سخن  
پڑے تھکے وہ جسے غرض بولیا ہو نصیر تھکے وہ تھکے جو رکھا ہو دین فانی ترا کلام ہے روحِ امیر بنانی شرف ہے کہ ہے اندیشا و ملک دین

## عزیز لکھنوی

## صغیر لکھنوی

نیا نکھار مذاق سخن کو تھک سے طا بنائی اک حدِ قافل میان میں و بکا کے پسند نہیں رنگ لکھنوی تیرا جودِ خیر ہے گودِ اخوی تیرا  
ترے کلام میں لگنیاں ہیں زنجیر ہے عزیز ملک ہمہ گیر یوں سے اپنی ہوا سے یادگار بھی تکی غزلِ کباب شے گانام نہ ہیں زم سے کہی تیرا

## طیغم آزاد انصاری سہارنپوری

## آرزو لکھنوی

کیوں ہے صنعتِ تجلیؔ اور کین نکار ترے کلام میں ہے صنعتوں کی اک نگار جدِ بطر کے موعظِ فرغِ نیرم جلال کہی کلام میں تھانیر رنگِ یاسِ ملال  
سلامت اور صفائی بھی ہر سخن میں ہے ہل چل پگوتا تری غزلِ گدار جواب اس میں بہ اندازِ سالی ہو چھین ہے بانگِ ہر حال تیرا ماضی و حال

## احسن مارہروی

## ثاقب لکھنوی

قیس قدر میں بھدافنِ شر پر تھک کو لی تھی ایک فضا آشنا نظر تھک کو کہوں میں لکھنوی تھک کو کہ اکبر آبادی مسلم اہل ادب میں ہے نیری اتنا دی  
ترے کلام میں تھی سادگی و پرکاری رہا پسند تو نزل بھی سادہ تھک کو نری غزل میں شانت بھی و مفلا بھی طوبے ترے نزل کا سنگِ بنیادی

## نوح ناردوی

## وحشت کلکتوی

دباؤِ خرمینہ طالعِ نوح جاری ہے سندا کہ تیرا دانِ نوح جاری ہے ادیبِ نکتہ رس و پیرِ ماہرِ بنگال ہوا نہ تھک سا کوئی اور شاعر بنگال  
جس میں زبان کا چھکا ہو نوحِ نوح نہیں زبان میں بھی طوفانِ نوح جاری ہے ترے کلام کی لذت کو نیند آتی ہے کوں تھکے میں سخنور کہ ساہو بنگال

## آغا شاعر قرلباش دہلوی

## پنڈت کیفی دہلوی

فصاحت اور سلامت ترے کلام کی کیا گھلا ہوا تھا نزل میں تیرے لطفِ زبا عطا ہوا ہے نری فکر کو وہ نقد سخن کہ تمام ایجاب ہے نظر و کس شعر کا وہ میں  
تو وہ کہ ناز ہو دل کو شاعری بہ تری ہوا نہ تھک سا کوئی شاعر گفتہ بیان ہزار شعر میں لذت نہیں دیکھن ہے تھکے پھر بھی سرور آفتاب میں

## سائل دہلوی

## مرزا بزم آفندی اکبر آبادی

ترے کلام میں گہری پیرو داغ سے کہن سے لبالب بھر پور زبان بہارِ باغ سخن، یادگارِ بزمِ تیر نگاہ و دل میں مجھے ہیں کلام کے نیر  
خصائیں بھی چھتری فصاحت و شاعرانہ نواہِ نوابِ داغ کا ہے چراغ ہے تو اسیر و جلال و امیر کا ہم مصر نری غزل میں بھی تھک ہے خوشی و تاب

## گرمدایونی

رے کلام نے جادہ نہیں کیا کس پر نہ پوچھ مجھ سے تو اپنی غزل کا بند باند  
فی تجھ میں سادگی تیر ملتت توں تو بزمِ سخن میں بھی دکھا تھا الٰہی نظر

## فانی بدایونی

نظرِ خرم ہستی، مصوٰرِ جذبات تری غزل کا ہر ک شراکِ زخمِ حیات  
تجھ سے ختم ہے اندازِ دلنشین تیرا تو ہے پیرِ سوز و گدازِ کسبِ حیات

## حکیمت لکھنوی

اندھیل دی سے جہنمِ بیابان دکھا نہ فری کوئی مسجد و مینار  
ترے سخن میں ہے آزادوں کی کوفت جو بائی جانے کسی نو سنگت لالے میں

## ظفر علی خاں کرم آبادی

ترے کلام کا مضمون گویا سب کو مگر نہ پوچھ کر کس درجہ میں تیرا  
ہر ایک فرسوس دیکھا ہوا اجنبی ہر ایک لفظ ترا فانی قیامت ہے

## حسرت موہانی

تری بیاگی عادات تری زبان کا کھار بک خوام ہو گلشن میں جیسے بادِ بہار  
جہی تو لکھتے ہیں سب تجھ کو یادِ شاہِ فرات ہے سخنِ دہش پہ طعن تری غزل کا گداز

## آغا خشر کاٹھیری

تو اپنے دفتر کا شاہِ مجھی تھا اج بھی خا وریجِ آدوہ قد سے کو مرنے تک سوتا  
ہزار کوششیں تقلید کی نہیں لیکن جو اندھند میں گدازِ آفریں تجھ سے

## دل شاہ جہان پوری

زورِ بزمِ امیر، اقباءِ گلِ سخن ہو اندھنگِ غزل کا تری کہیں نہیں  
ہے اختراعِ قدیم و جدید تیرے یہاں اللہ اس طرح کہ دھڑکے ہم الشبیب

## شفیق حماد پوری

کس کلام ہے سادہ تر، ایک سبق کہیں طبعِ شفیق کو کہیں لبِ شفیق  
ہے حریف کس کو کمال کا ہے سخنِ دل سے علم و فن کی کجھڑی

## مرزا یاس بگانیہ چنگیزی

تو یاس تھا تو خدا کی قسم بگانیہ تھا ہر اک زبان پہ ترا یں بھرا ترانہ تھا  
بگانیہ جب ہوا، سوز و ساز ختم ہوا تری غزل کا زمانہ بھی کیا زمانہ تھا!

## ناطق گلاؤٹھوی

تو اکلام ہے گوبادہ گہنِ ناطق ہے آشنا گرواں سے رنگِ فانی ناطق  
یہ سادگی یہ زبان یہ محاورہ کا لطف حسین ہے ترا بوسیدہ پر ہنِ ناطق

## تاجور نجیب آبادی

بلندیوں پہ ادب کی مقام ہے تیرا یہ پانچا ہوں کہ سادہ کلام ہے تیرا  
تو ہے ادب بھی شاعر بھی افسانہ نگار بھی بلند گلشنِ اردو میں نام ہے تیرا

## کیفی چریاکوٹی

تو بے عدیل ترا ظمِ فضل ہے پامان اعلا فکر و سخن کا تری نہیں آساں  
ادب برائے ادب میر و خرم کا مقصد مگر یہ لطف کہ جو اس میں لطف کا سلسل

## آکسی لکھنوی

سخنوری جیاں تری فوقی نقد و نظر تو لکھنوی ہے ترا نگہ بدایونی ہے مگر  
تری کلام میں جو قوتِ بیان و زبان اداس کا ساتھ ہی ہلکا سا ایک جذبات

## محوی لکھنوی

ہر اکھرا، جو بہت کچھ ترے سخن کا نال ترے کلام میں پوٹ لگا مافی الحال  
جواہراتِ ادب سب کے انھوں پر بھر لکائی اہنِ جونی میں یوں شاعِ نال

دورِ حاضر، نشاۃ ثانی :-

## جوش طبع آبادی

تری زب سے لڑنے میں نظرِ ادیبان تری صدائے دل پہ سبزِ نعدان  
تو انقلاب کا سب بڑا پیامی ہے معنوی تری شاعری کا لکھنوال

### حفظ جالندہری

غزل میں نغمی اور نظم میں دانی ہے اور اس کے بعد کے تری طرز خوش دانی ہے غزل میں تیری ملاوٹ نظم میں جذبات ہے ان کا مجموعہ ایک تیری ذات رہنے لگتا ہے یہ لب ادب پر ترسے مجھے نہیں ہے تری ات جادوئی ہے جو مٹ شاعر جاوید ہی ہوئی تاجیں سخنوروں کو نہ کر دے گی میری بات؟

### احسان دانش کا مذہب صوفی

تو دیکھے ہو تو دل کی بجا تیرا کلام آٹ کے رکھ دیا میرا یہ ادبوں کا نظام کہیں سوز کہیں آہ اور کہیں ہے گراہ جہاں شرمیں تجھ کوئے کا اوج دوام

### حکمراد آبادی

تو غزل سے جہاں تیرا عالم سستی کلام میں سے جذبات ہے مگر سستی پر دلی بھی ہو داری بھی کہیں بھی ہے ہے سخن عشق کی بنیاد تری سستی

### ساعر نظامی

ہر اک غزل تھی تری نفس مادہ مشرق ہر ایک نظم تھی بیجا نہ زادہ مشرق مگر وہ کین ترا قبلت ختم ہوا چھلک چکا جو چھلکا تھا بادہ مشرق

### بہزاد لکھنوی

پسند عام ہے رنگ مذاق عام ترا ہر ایک لب پر ہی نرم طرب میں نام ترا یہ ماننا ہوں ہے سادہ بھی اور سستا بھی ہے جذب کین کا مال مگر کلام ترا

### اکبر لکھنوی

تو سے کلام میں ک کین ہے مگر کم تو ایک ساز ہی ایسا ہو جس کے سر عام نہیں غزل میں تیری خودیوں فراوانی نغمہ گشتی سی ہے ہلکے گوار سے محرم

### علی اختر حید آبادی

تو مٹ اختر ارضی مکن نہیں اختر تمام ہند کو ہے ناز تیری نظموں پر ترسے علم کی دوائی کہیں نہیں لکھی شباب کا ہر ترانہ کہ قوم کا منظر

### اختر شیرانی

جہاں شکر و ہم رنگ کو دیا تو نے جو اینوں سے بڑا کام لے لیا تو نے مگر ہے تیرا پیغام تیرا کسل شباب جواں ہا بہت تیری کیا کیا تو نے؟

### روشن صدیقی جواں آبادی

تو اپنے وقت کا ہی کامیاب نظم نگار نگاہ ادب میں کیوں تیرا وقار ترا کلام ہے شعرا و ادب کا گنجینہ تیری روش پر ہو منتقل سخن کا مدار

### اعجاز صدیقی اکبر آبادی

پہنچیں یہ شعر کہنے کی زبان ادب غزل پر تو نے نال اور نظم جانی ادب ہو خود نگاہ میں اپنی ہونیک شاد سخن ہو اکی ٹک کا کہیں سخن جہاں لب؟

### اعجاز صدیقی

۷ مارچ ۱۹۴۳ء

(پیشہ)

(پیشہ خالص ادب و شاعری)

- (۱) جہاں تھی ہم آواز شاعر صاحب لکھنوی (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

- (۶۱) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۲) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۳) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۴) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۵) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۶) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۷) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۸) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۶۹) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۰) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۱) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۲) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۳) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۴) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۵) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۶) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۷) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۸) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۷۹) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۰) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۱) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۲) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۳) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۴) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۵) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۶) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۷) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۸) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۸۹) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۰) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۱) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۲) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۳) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۴) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۵) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۶) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۷) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۸) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۹۹) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری
- (۱۰۰) جناب صاحب کرامت صاحب تہذیب و ادب صاحب شاعری





# ثمرات

مری زندگی کا حاصل مرادوق غم پسندی  
مرے دل کی دستوں میں تیرا درد بیکراں ہو  
مری خاکساروں پر ہے وہاں دہی تکرار  
مری نظر دلکش فحش مرا شہر دلربا تھا  
مرے خون کی تپش سے روش شفق ہے پیدا  
تیری نظر کی گرمی کہ صغیرت اہبا زان  
مرے نام سے نہ ڈر تو مجھے کام سے غرض کیا  
مری زندگی کی راتیں نہیں خواب آئنا کیوں؟  
بہت انقلاب آئے، نہ ہوا کوئی تغیر  
میں خودی ہے مرثا ہوں ہی خودی خدا شای  
یہ جنوں و شوق دستی ہے دلیل ہوشمندی  
تب و تاب جادواں ہے مری فوج سوزمندی  
مرے کام کچھ نہ آئی یہ مری نیا زمندی  
انہیں خوش کر نہ آیا یہ مذاق فکرمندی  
یہ ہے فطرت شہادت کرخا کی لالہ بندی  
مری مرد سرد آہیں کہ فضا ان کو سفندی  
نہ وہ دور تاج پوشی نہ وہ عیدین بندی  
یہ حکایت و فسانہ یہ مری زبان بندی  
وہی میری پست فطرت وہی تیری سر بندی  
ہے خودی ہی مصطفائی، ابو تہی خود بندی

جو ترا یقین ہو محکم تو عمر عجب نہیں ہے  
تجھے سر بلند کرے ہی تیری مستندی  
عبدالکیم ثمر

## آئینے

حقیقت کا بقدر شوق عرفاں ہوتا جاتا ہے  
دل کا ہر بکراں تسکین مٹاتا ہوتا جاتا ہے  
محبت کا اثر وہ نوب یہ یکساں ہوتا جاتا ہے  
بانداز و قاب دل کی قیمت بڑھتی جاتی ہے  
سمانا جا رہا ہے لغتہ بسنکروج میں کوئی  
نہ پوچھو میرے سوز غم کا فیض اشک افشانی  
بقدر ذوق پر وہ لبے ججائی بڑھتی جاتی ہے  
جلے بھی آؤ، قد نہ پھر خودی ہے رنگ لالے کو  
نہیں ہے لب کشائی کی بھی آزادی ابروں کو

شکایت کیوں جو غم مدفراواں ہوتا جاتا ہے  
شکایت کیوں جو غم مدفراواں ہوتا جاتا ہے  
شکایت کیوں جو غم مدفراواں ہوتا جاتا ہے  
شکایت کیوں جو غم مدفراواں ہوتا جاتا ہے

# ذہنی غلامی

زندہ قوم کے نشانات اپنی ہی تہذیب سے شغف اپنے وطن کے رسم و رواج اور دینا سے لگائی اندیشی قومی خصوصیات سے اہل مذہن بچے جانتے ہیں۔ اس کے مقابل میں مردہ قوم کی علامات اپنی سائبر سے بیکارگی اپنے عقول سے بے تعلقی اپنی تاریخ سے نفرت و حقارت قرار دی جا سکتی ہے۔

مالکِ انسان کی ذرا ذرہ بھلا سے اس پر وہ آپ کتنی ہی تنقید فرمائیں۔ مگر انسانی نقطہ نظر سے اس پر آپ کتنی ہی تحسین کرنی چاہیے۔ انسانی اعتبار سے جتنی بھی زبردستی بنات سے اس کو ناقابلِ قبول ثابت کریں۔ لیکن علمی و دنیا کی روشنی میں ہی نظریہ اسلام الثبوتِ تعلیم کیلئے رہا ہے۔ وہ ان کو محض اس کے اندر اس وقت ہی منفرد فیصلہ بھی جاری ہے۔ آپ کہیں کہ انویسیا کیوں ہے؟ تو جواب ظاہر ہے کہ اپنی نوع انسان نے سینکڑوں برس کے الٹ پھیر پر انسانی مسائل کے بحران سے شخصی اقتدار کا طریق اپنے گلے سے بنا کر، شخصی ملک کی سطح کو اونچا کر کے اپنے آپ کو قومیت کی سطح پر لا کر کھڑا کیا ہے۔ تمدنی کا یہ قدم جس طرح ویران ہے۔ انسان کے مسلسل جلوہ دیا جانے کے بعد اس میں آپا ہے۔ ٹھیک اسی طرح انسانیت اور انسانی اوصاف کے بلند سطح نظر کی ہو چکے کئے۔ ابھی بہت کافی ٹھوکروں کی ضرورت ہے۔ ایک ہی بہت میں ساری بشری صورتوں کو چھوڑ کر زندگی کی آخری بشری تک جا پہنچنی بعض شخصیتوں کے لئے تو ممکن ہو سکتی ہے لیکن انسانی انسانیت کے لئے ابھی ممکن نہیں ہے۔ ابھی رہتے ہیں بہت کچھ دشمنانِ گلاؤں گھائیوں کو قطع کرنا باقی ہے۔ ابھی تو بہت سی برائیاں کن جلیوں کو موردِ گردنا باقی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آثارِ منزل نظر آ رہے ہیں لیکن کسی طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ منزل کو جالیا، اس لئے شگ نظر انسانیت اگر قوم پرست نہ نظریات سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو اس میں افراد کا کوئی تصور نہیں اگر عام طور پر قوموں کی جات و عادت کا یہی سمارد انا گیا ہے تو اس میں حیرت انگیزی کی کوئی ضرورت نہیں۔

خیر! اسکو بھی جالے دیکھ خواہ مذکورہ بالا نظریہ سب کے نزدیک مسلم الثبوت ہو یا نہ ہو۔ لیکن کم از کم اہل مشرق و مغرب کی تمدنی و تہذیبی رجحان حلقہ انہیں ایک طرف تو دین ملک کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہر فرد جب قومی کشش میں سرشار ہے۔ ہر شخص کو ملی خدمت قوم وطن کی قربانی سے محروم ہے۔ ہر ایک کو سب سے کم کی تہذیب تمدن و تہذیب و عرف سے خصوصی ذہنی ہے۔ ہر فرد

کی یہی قربانی ہے کہ اپنے وطن کو باجم و نیا پر لپکا کر چھوڑے۔ ہر ایک کی یہی آرزو ہے کہ جماعت اقوام کے سلسلہ میں اپنی قوم ہی سروراز ہے۔ قوموں کی دورِ دوہو کے میدان میں دہی سب سے پیش پیش رہے۔ فرض اپنے نظریہ زندگی اپنی تعبیرات، اپنے لائق عمل کا تھا ناگ اور دھندلار بننے کے لئے آ رہا ہے۔ وہ اپنی قومی روح اپنی ملی ثقافت کے تحفظ و برقرار رکھنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے مستعد بنا رہا ہے۔

گذشتہ جنگی فلم کے محکات کہتے ہیں جہاں اس کے اقتصادی و سماجی اور استوار پریشانہ اسباب نے وہاں قومی و ملکی کچھ کی حفاظت ملانی کو بھی فراخ نفس نہیں کیا۔ اپنی ملی ثقافت کی تباہی قابلِ برداشت نہیں ہوتی خود اپنی ہی دی کو گوارا کر لیا گیا۔ آؤ اس مالگر جنگ میں دوسری ذرہ دت قربانی برطانیہ کی آخری دم تک بھگوان گئی جماعتی کس جزیرے کیجے میں تلوار پذیر ہوئی۔ وہی قومی تحفظ کا جذبہ جس نے ہر قوم کو زہم امن و پیش سے بھگوان کر دیا اس میں حادثات و دینے کے لئے سرگرم رہا کر لیا ہے۔ لیکن اس قومی جدوجہد کے آئینہ میں جا کر ہم اپنے بھلائے خود فعال کو دیکھنا چاہیں تو بڑی شرمشک ہوگی۔ کیونکہ ہم نے ابھی تک قومی روح کی اہمیت کا احساس ہی نہیں کیا ہے۔ ابھی تک ہمیں ملی ثقافت کی قدر و فرائض ہی نہیں حاصل ہوئے ہیں۔ ہم ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکتے کہ خود اپنی زندگی بنا کر کس کو کتنے ہیں؟ زندگی کے لئے لاکھوں عمل بھی کوئی غلطی کی چیز ہوتا ہے یا نہیں؟ یہی زندگی کا کوئی مقصد بھی ہوا کرتا ہے گی۔ ہم ابھی تک یہ بھول کر زندگی کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔

ہمارے ذہنی و دماغی سرچشموں کے سامنے اس قدر خشک ہو گئے ہیں کہ ہمارے سامنے علمی تحقیقات، تمدنی ایجادات کا فطرتاً ان ذہن پر آج رہے اس قدر کلام سے دور کے طور پر ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے مقابل میں کوئی حق دانستے ہوئی مستحکم فیصلہ نہیں کر سکتے۔ تاؤ فیکو اس رشتہ میں پوپ کی کمر لہائی تبت نہ ہو۔ ہمارے ملک کی تاریخ کے تعلق میں اس وقت تک یقین نہیں آیا ہے جب تک ہمارے سامنے انگریزوں کی سرکشی کے حاد شدہ اور شاداد موجود نہ ہوں۔ حالانکہ دنیا میں تاریخ ہی قوم کا بڑا سرمایہ بنتا ہوتی ہے جس کو وہ ہٹ کوئی زبان پر رکھتی ہے۔ ہر فرد اپنے آپ کو اس کے ایک حصہ سمجھتا ہے۔



لا رہا کہ اس طرح اپنے مینہ میں ٹھونڈا لکھتا ہے کہ سارا حیات کے اس تار کے چھو جانے سے ہی زندگی کے تمام تاروں میں لرزش پیدا ہو جاتی ہے۔ گرجا گھر کی قوی کے شرارتوں میں تاروں کے چھو شہر استقامت بخا ہوئی ہے۔ جہاں اس میں اشتداد پیدا ہو وہاں زندگی کا تار دو دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ چنانچہ جس کی جین کی تے موتی پر لہرا لہرا کر قوی ترانے گانے بنا ہیں۔ موتی ہر پر و چوہاں کے چھوئی کی بشارت دیکھتے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو با خود ہر شخص صفت ائمہ کو زیر نگین کر سکتا ہے کہ پرچم اڑا رہا ہے۔ کائنات کی تمام تر شے سب کو اس کے جبر و جہاں میں ملوث کر گئی ہیں۔ ابدیہ سرست و خدادانی کی رنگ میں اس نے آپ کو نہ جانے کیا کیا کچھ لکھ لکھ ہے۔

یہ ان زہدہ قولوں کے کاٹنے میں چھوئے اپنے کپڑوں کو گھسی میں تاریخ کے اسباق کو کھول کھول کر پڑھیں۔ تاریخ کی اہمیت کو بتانا مقصد نہیں بلکہ یہ کہنا ہے کہ زندگی باندہ اقوام اپنی قدر و قیمت سے کس قدر واقف بنتی ہیں وہ اپنی قومی شان و کرامت کو گرا کر یا بھینچیں۔ ان کے پاس جو دستور زندگی ہوتا ہے اس میں کئی شے قوم کی ذہنیاتی کو گرا دیا نہیں کہ جانا۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ موزی کی روشنی کی جھلک پر اس طرح گھومے گئے ہیں کہ اپنی طبیعت و روحیت کو بھی فراموش کر دیا جنہیں کے یہ مسمی نہیں کہ ہم دوسروں کی تقلید سے اپنی عورت اپنی ہر دنیا میں جنگ خود اپنی جوہر نہ ہوگا اس وقت تک کہ ان وطن سے ترغیوں کا آفتاب طلوع نہ ہوگا۔

کس قدر عجیب کا حاتم ہے کہ اسے اصول زندگی میں اتقدد کو نہ اختیار کے تو گرا اور غرض کی عقل کے حادی ہوئے ہیں کہ ہمارے تو بے عقلیہ مہموت تک کسی قوم کی تحریک کسی وقت کی رہنمائی پیدا نہیں ہوتی جنگ ہی میں اقوام کی تیریں نہ مین کی جاسں، جنگ ان تہذیب ساز قومی کے واقعات کو نہ دہرا جاتا تو

جسے کہیں یہ ہیں کہ ہر خود اپنے فرشتوں اخیر تہذیب اور موزی ہونے کا پتہ چلایا یقین ہے۔ ہر تہذیب کا اس سے زیادہ بیت درجہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہ ایک عالم دوسری قوم کی ذہنی و دماغی در پوزہ گری کو باعث فخر و تازم قرار دینے لگے اور نظریاتی طے ہو گئی کہ در فوراً عواذ بکھنے لگے۔ جس کے نزدیک حق و باطل کے امتیاز کی کوئی ایجاد کی تعلیق و ترویج ہو اور خود اسکی نگاہ حق بنی و حق شناسی کی صلاحیت سے محروم ہو گئی ہو۔ جبکہ نظریے کو کھڑے کر کے جانچ پڑتال کرنے کی قابلیت ہی نصبت ہو چکی ہو۔ جسے فخر کی آواز غلامی کی بھاری بھر کم بختی کے بوجھ سے دب کر رہ گئی ہو۔

جبکہ دماغی ہی کا یہ عالم ہو کہ اسکی طرز فکر ہی ممنون کو موزی بنو انکار کی۔ بقول بکھول ہی ہوئے دماغی غلامی ہے جسکی ذہنی کو خود کو بھی نہیں گناہا سکتا۔ لیکن میں سے زیادہ خوش اس کی ہے کہ کتب سے بھر پور ادب ہی کے ذریعہ کو اسکا خود کار رد عمل ہوا۔ جس طرح ہمارا ادب شعری لکھنے کے اخلاقی اعتبار میں تہذیب کو لایا ہے اسکی کا ثروت دبا بال اسکی طرح عقلانہ طرز فکر پر اچھا نہیں نہایت بے پرواہ ہیں گناہا بھولنا شعلی سب سے پہلے قومی شمع کی ہمدانی کے سندس میں اپنی تاریخی صلوات کا دامن کھول کر ہماری زوہات کی باگ اس طرف توجہ دی۔ پھر سلطان غرر، جلیقت، پریم چند، اکرے اقبال اسباب، جوں کے اس کو تک میں پیش از میں عدل لکھ کر شے ہر اچھی کھول دیں۔ چنانچہ اسباب سے آغاز غرر اور رحمان شری کا افق، اپنی زندگی کے ایک نئی صبح کی آمد آد کا تہہ ہے رہا ہے۔

## وجدی انجینی (فاضل دیوبند) بھوپال

اب وہ اپنی اولاد کو سبساہانہ اور حق کی خاطر سر فروختانہ زندگی سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ کچھ موزوں میں ایک ہمارا شخص یا ایک محقق و موجد ان سارے اقوال کو ٹھکرا رہا ہوا سر فروختی کے لئے بیان میں آ جاتا ہے یا ان صاحب و نگارین کے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی پس چپ کے تیار ہونا پڑتا ہے جو ان کی تہذیب یا ایک لکھنے میں متزلزلہ کا کام کر رہا ہو۔ اور ہر عوام کا یہ بکر گودہ اندیشہ لا عقلانہ افراد پر مشتمل گودہ اس ہمارا شخص اس دامن کے چپے اندر موجود کہ جن جہت بجز نگاہوں کے دیکھنے سے وہ متنازعہ دیکھنے کی چیز ہوتا ہے پس چپے کے ان تمام لوگوں کے لئے دیکھ کر انہیں اپنی کٹی ہوئی روشنی چلانی۔ (ناکل)

مرتبہ توکل دبا یوئی ایم اے

(بڑے صفو) میں کسی بات کی نہ تک ہوئے کہ ان کا مہمیت ہوتی ہے، وہ فریب اور غلو کے سبب کدوں میں بوجھ کے نیچے جو پختہ پخت سے ان میں مرادیت کہنا چلا آتا ہے اس طرح جیسے رہتے ہیں کہ ان میں لب تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہوتی جس طرح ایک ہتھی لاطینی زبان میں متدین بائبل کے چند خلاصہ اوجہات پیش کر کے عوام کے ایک کثیر گروہ پر دھبہ بھرا کر ان کا نام بنا کر غلط فہمی پھیلاتا ہے اس طرح ان اقوال نے بھی ہماری زندگیوں پر ہی صدمہ افشا کر دیا ہے عوام کی نگاہیں اس سے اندازہ رکھئے کہ وہ ان بزرگ اقوال کو پہنچے کم میں چون کے ملنے بھی اکثر و بیشتر دہراتے رہتے ہیں، انکی اس غلو سے جنگ کے ساتھ ساتھ کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے کہ وہ اپنی اور ضیحت اور عقاید کی باعث اپنے تئیں دیکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک غلو سے گھبراہٹ پیدا کرنے کے کام ہے

# صبح انقلاب

کب نظم کائنات بزرگ دگر نہیں  
ہر شے ایک محسوسہ قتل عام گرم  
کل تک تھا جن لوگوں میں بھرا جو دنیا  
کل تک تھی سب فرازی عالم نہیں نصیب  
دو شے جن آئین میں تھے کل بیکار تھا  
کل جس مکان میں رات کو تھی دن کی روشنی  
کل تک فروغ سے سے فرداں جو بزم تھی  
کل فرس گل بھی جلی نراکت پہ بار تھا  
کل تک تھی جس مکان میں داد و ستد کی دھوم  
کل جس گل میں سبکدوں قصر بلند تھے  
کل کے در پہ رہتا تھا دربان کا ہجوم  
کل بٹنے بال خانوں پہ برسے تھے ہر طرف  
کل تک تھی شور و غل کی خبر جن کو ہر گھڑی

کب انقلاب گردن شام و سحر نہیں  
وہ آج کون ہے جو ہاک اثر نہیں  
کا تو آج ان میں ابو بکر بھر نہیں  
آج ان کی گردنیں ہیں تو گردن پر سر نہیں  
آج اس میں جگنوؤں کا بھی شب بھر گزرتا نہیں  
آج اس میں فشرقی جلوہ شام و سحر نہیں  
آج اس میں کوئی جام بجز چشم زمینی نہیں  
آج ان کی خاک تک بھی سر پہ گزند نہیں  
آج اس میں کوئی پرسن نفع و قدر نہیں  
آج ان کی یادگار بھی دیوار و در نہیں  
آج ان میں کون ہے کہ جو دیوڑھ گر نہیں  
آج ان کی بھک رہی تو ہوتی بسر نہیں  
آج اپنی موت کی بھی انہیں کو خبر نہیں

ہر صبح انقلاب کا آئینہ ہے سرور  
اوسے بس اب کہ موقع خواب سحر نہیں

## جو اہر پارے

ان کی نظر نے دل کو مرے دل بنا دیا  
انہی ہی اس نگاہ نے بس بنا دیا  
اب تم نہیں بنائے ہو کیا دیکھا ہے یہ  
ماہل ہے ان کو دل کے بنائے ہیں کمال  
اللہ سے بغض مافی زلفیں جمال کا  
کہنی ہے موع ہو کے یہ ساحل سے بکھار  
جس راہ سے گذر کے جنازہ مر گیا  
ہنگام نزع آئے وہ چراغ غریب کے  
فرمان تیری جہنم نوں کے سا گیا  
خود کا دل بھی ہوتا ہے ایک بھر بے نیاز

جامِ جاں نما کے مقابل بنا دیا  
دھڑے کو برق طور کے پل بنا دیا  
ہم نے تو تم کو بیل کے قابل بنا دیا  
جلی اٹھائی خاک کی اور دل بنا دیا  
چھینا دیا کہ مرشد کمال بنا دیا  
محنون ہو مرا کچھ ساحل بنا دیا  
دنیائے اسکو جاوہ منزل بنا دیا  
شکل کو میری اور بھی شکل بنا دیا  
ہمیشہ رک رہا کہیں غافل بنا دیا  
لہرائی تو موع کو ساحل بنا دیا

سب کچھ بغض خدمتِ علم و ادب کا ہے  
جو ہر کو جس نے جو ہر قابل بنا دیا

جوہرِ وفا بھی

.....کی دائری

(۸) دن جنوبی ہند میں — بنگلور کی عظیم الشان کانفرنس اور مشاعرہ)

نشانہ دہی

ارشاد صدیقی امر و ہومی

— وزیرزادہ قمر عثمانی جو ناگڈھی

نظام القادری

رونق دہنی

— ၁၆၆ —

میں تو سمجھ رہا تھا کہ گزشتہ شب کا اتر دو عالم آتا تھا لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ محض خیال ہی خیال تھا۔ آج تو یہ عالم ہے کہ میرے سلاب میں وہیں مارا ہوا۔ اتنا تو مجھے کہ جن لوگوں کی وجہ سے یہ بحر بھرا ہے، ان میں بھی فاسس پریشک بگول رہی ہے۔ بومی پاکر در سے نشتر لین لائے والے خراہ اور اہر تو گھر میں دوڑ رہے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنے پہلو میں بگڑ دے جس کو جہاں بگول لے سکی وہ وہاں مچو گیا ہے۔ یہاں آخر اچھی نہیں آتی ہیں لیکن مساحین کے اہل راستے تنگ آ کر بعض دیگر حضرات نے خفاہ شروع کر دیا ہے۔ کل شب کی نشست میں خفاہ میں شہر کی طرف زلیں رہ گئیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے مرنے کا بیان ہے۔ اس کے بعد میری خفاہ شروع ہو گئی۔ نتیجے میں خفاہ میں آگئیں۔ جو سخت سکوائی اور اپنے قلب کی دھڑکن کو چھانی ہوئی۔

انجام دیا ہے جس کو ماسن کی سرسری ہی نہیں ہوتی تھی گول کے پی ہاتھ بٹکھو روئے  
شاہ و کوئے۔ ایک صاحب نے دینی آواز میں کہا۔ شب کے آدھے "اور پڑتے"  
کی آوازوں کو سنا اور آخر نے بڑی خوش اسلوبی سے روکا۔ شراب کے کام سے لذت گبر  
ہونے اور اٹھائی ذوق و شوق کے ساتھ سننے کا ایک منظر میں بھی نہ بھولوں گا۔ ہوا یہ کہ  
آج کی نشست میں دروازوں تک آدمی بھرے ہوئے ہیں۔ اندھا بولیس کے آدمیوں کو  
مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ آدمیوں کے پیچھے ہونے کی کسی شاعر کو سنا اور دیکھنا ممکن ہے۔ چنانچہ  
ایک لائسنسبل ڈو انگیلوں سے کان کو نہ ملے ہوئے بچوں کے بل کھڑا ہے اور کان  
کاٹنے والی کی طرف کر دیا ہے جیسے کوئی بھرا آدمی اپنا کان آگے بڑھا دے۔  
آج کی نشست میں مردوں کی طرح خاتون بھی زیادہ ہیں اور دوسری بالائی گیلری بھی  
بھری ہوئی ہے۔

ایک شاعر نے فرم ہونے کے بعد ہر آئے ایک صاحب نے کہا پہلے آپ کے گلو اور آخر  
تک پوچھا دوں۔ چنانچہ ہر آن کی کوڑ میں بیٹھ گئے اور اپنی جگہ پر کھٹے کھٹے داسے نظمیں  
میں سے ہیں مگر کچھ دودھ کا کھلوم ہوا کہ وہ صاحب ہماری قیام گاہ سے اچھی طرح واقف  
نہیں ہیں۔ ہم نے اپنے علم و خوف کے مطابق ان کی کافی دہنائی کی مگر نزل کا نشانہ نہ  
ملتا تھا اور نہ ٹا۔ ایک ایک شعر کے دس دس ہجر کاٹے۔ ایک ایک بازو میں کئی کئی مرتبہ گھومی  
مگر ہر بار نامی کا سامنا ہوا۔ عام راجہ گولی کا حال کہ اگر کوئی روک کر ان سے کچھ دریافت  
کر لے گی تو کشتش کی جگہ سے تودہ ڈر کر چلے گئے ہیں، پھر پوچھتے کچھ اور جواب کچھ معلوم ہوا  
کہ یہاں کے حوام ٹہری کے آدمیوں سے بہت خائف ہیں۔ اچھے کھٹے کی مسلسل کرد و کش کے  
بدیہ سے پاؤں کہ ہل داپس چلا جائے، شاید وہاں کوئی آدمی مل جائے۔ ابھی کچھ دھڑکی  
پڑے تھے کہ اتفاق سے جناب ابنا نکلام قتل گئے اور اس طرح یہ بھولا کچھ اکا رہاں شیک  
۳۲ بجے اپنی منزل مقصود پر پہنچا۔

۲۹ نومبر ۱۹۲۶ء

آج کا دن بڑی معروفیت کا ہے اور اہم بھی۔ اس لیے کہ دس بجے دن سے  
اُردو کانفرنس کا آخری اجلاس ہے اور شب کو شاہ ولی آخری نشست  
شب کے کھانے کے کباب لیب کھٹے کے قریب پہنچے تو اس کی روشنی تیز ہو جاتی ہے۔  
یہی حال یہاں کا ہے۔ لوگوں کا جوش و خروش اپنی انتہا پر ہے۔ میں تودہ چار کھٹے  
آگے بند کرنے کا موقع بھی مل گیا لیکن سیدہ اختر گذشتہ شب مطلق نہ ہو سکیں اس لیے کہ  
شب کے آخری حصہ میں قبل سیدہ ایک شاعر صاحب نے بخودی و بیستی کے عالم میں  
کروٹا کھانا سے بھر دیا اور غریب سیدہ سے تبلیغ رسول اور اپنے خاندانی

اتفاق دیا اسے کام لیکر دینے کے لئے لوہا نوں اور طاز من کے بعدا ہرے سے پہلے  
اسے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تاکہ ان صاحب کا راز فاش نہ ہو۔ وہ میدانوں سے  
تھکی ہوئی آنکھوں، خشکیوں اور مکمل جسم سے بڑے شہ کے ساتھ شب کا واقعہ  
نہایت ہی اہم اور میں دم بخود ہوں۔ آخر زبان نہ ملتی اور کتا بھی بڑا کہ جہاں نازی ای کام  
ہے۔ وہ مجبور کر رہی ہیں کہ ہم جلد نائز کر لیں تاکہ دس بجے کانفرنس میں  
شریک ہو سکیں۔

آج کانفرنس میں بھی کافی ہجوم ہے۔ تقریباً تمام شعرا اعداد باوجود ہیں۔ ڈاکٹر  
بیدھی الدین قادری، ڈور ایم۔ اے۔ بی۔ آج (دئی اللہ) پروفیسر مسعودی  
ایم۔ اے۔ ڈی۔ ایل۔ بی۔ علامہ سیاب اکبر آبادی، حضرت مولانا کوئی گھڑی، شاعر انقلاب  
حضرت چکش علی آبادی، حضرت جگر مراد آبادی، حضرت علی اختر مہد آبادی، حضرت ساحر  
تھانی، حضرت آیتا بیٹھی کے علاوہ متعدد پروفیسر اور دوست شہر فاش، پرجی افروز  
وہ۔ ڈاکٹر بیدھی الدین صاحب، ڈور قادری ایم۔ اے۔ بی۔ آج (دئی اللہ) علامہ کوئی گھڑی  
بہرے ہی ترپا شریف دیکھے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے کچھ بات کیا اور پھر واپس

ادبی دنیا میں غائبانہ تعارف تو ایک کو دو سو سے ہوتا ہے مگر کب کسی ادیب اور  
شاعر سے ملاقات ہو جاتی ہے تو بڑی سرت ہوئی ہے۔ موصوفے شریف نیا دامل ہو جاتا  
کہ ان کے ہرے لئے تو بہت زیادہ وجہ سرت ہے۔ ڈاکٹر زور کی خدمات علم و خوف اور  
تقیدی قوتوں سے کون واقف نہیں تمام ہندوستان کو ان کی ادبی اہمیتوں کا احترام  
ہے۔ وہ اپنے وقت کے بلند ترین ادیب ہیں۔ ادارہ ادبیات اُردو کی داغ بیل ڈاکٹر  
ڈاکٹر صاحب نے اُٹا پڑا کام کیا ہے کہ صدیوں ہندوستان انھیں یاد رکھے گا۔ یہ ادارہ ان  
کا کتب پڑا ادبی ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے اور اُردو زبان ادب کی خدمت نہایت پامردی اور  
فوق اسلوبی کے ساتھ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر زور ذات خود۔ محنت، اخلاق اور وقت کا  
بھروسہ ہیں ان کا انداز نگار صاف تیار ہے کہ وہ علم و ادب کا سرچشمہ ہیں اور ان کے نور  
اس وقت کتنا نکلا کر رہے ہیں۔ جو سلیمن میں پائی جاتی ہے۔ ہر چند ڈاکٹر صاحب کی ادبی  
موضوعات گفتگو نہ ہو سکی۔ اس لئے کانفرنس کی کارروائی جاری ہے پھر بھی یہ سرسری  
ملاقات یادگار رہی۔ حضرت مولانا کوئی گھڑی سے بھی نہ ملتا تھا اور نہ آرزو تھی  
آج اس آرزو کو بھی شائستہ کیل دیکھ رہا ہوں۔ سرت اور بے انتہا سرت۔  
حضرت کوئی تھالی ہند کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔ غالباً ۲۰ سال سے مدیاں پونہ میں  
میں اُردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ جنوبی ہند میں تھوڑی بڑی خدمت سے متراکب ہیں  
مولانا کے قیام کو بھی کافی ہیں۔ کام میں جدید تعلیم کا سفر مزاج ہے اور علم و فن میں سرگرمی

دیکھتے ہیں۔ جس طرح کہ لوگ ملک جناب تہجد اور صاحب بڑواری کی۔ اسے ریٹائرڈ ریویجوکٹر ہیں۔ ۱۰ بندہ کوئی قرار دے دیں (ریویجن ایس پیس)۔ ایک بدو اور جید الدین قادر بڑواری ہیں۔ چھ گھنٹہ آدھے ایک عقلمند رہا ہے حضرت مسافر نظامی نے نظم آزاد پر ایک تفصیلی مبحثی اور پرمز مخالف سنایا۔ حضرت مسافر کے سامنے کا آغاز بذاتیہ خود و کچھ تھا اور حال اس سے زیادہ عجیب۔ اس نے بڑی توجہ سے نہایت عقلمند سیاق نے آخر میں ضلوعہ اور کائنات پر تبصروں فرمادیں۔ وہ ایک حضرت نے تقریریں کیں۔ ڈاکٹر زونکی مختصر تقریر پر ایک ریویجن کے سلسلے میں جواب بھی۔ اس کے بعد ریاست پروردگار کے متعلق اہل عرب نے بڑھ چڑھ کر بڑے سزاوارتم آخر کی سعی چکر کر سارا اودان کے ایشاد و قرانی کا احترام کرتے ہوئے خوب جواب دادی۔ جلسہ میں اس وقت ہذا تہ و تمورات کی ایک لہر دوئی ہوئی ہے۔ افکات کے نام سے اور روپڑہ ایک بڑی جڑ کے قریب بیٹھے ہوئے جلدی جلدی تمام کارروائی ٹوٹ کر رہے ہیں۔ یہاں سفر جس کے پھیلنے نہیں سارا ہی ہیں۔

لاقرنی سے واپس ہوتے ہوئے مسافر ان کچھ اور دیکھا کہ ایک نیک ناسخ کو سونگے۔ نام کو جبکہ آگے کھلی۔ آگے آگے لاش باقی (میر ویدو سسٹین) ڈاکٹر صاحبیت پروردگار کے ہر ایک کچھ نام کو لاش باقی سے اپنا کلام نشر کریں۔ آج ہی یہ پانچ بچے کوہ آبل پروردگار کی طرف سے تمام شرا کر ایک فرمودی حجاب دیا جا رہا ہے۔ غافل صاحب محمد شریف محمد علی محمد علی کی طرف سے اردو زبان میں ایک نہایت مستمر اعلیٰ و فہم اردو زبان میں آ رہا ہے۔

۹ بجے تمام کوڈاکٹر صاحب ریڈیو اسٹیشن کی لاری لیکر آگئے۔ حضرت علامہ سبکب ڈکڑا اور جناب جید الاغری بھی مل رہے ہیں۔ اس ستر میں محمد علی دلی لاہیاں دیگر شرا اور ادبا ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ایک پیر و غیر صاحب بھی شریک ہو گئے۔ ریڈیو اسٹیشن بہت بولی اور ابتدائی حالت میں ہے۔ ایک بچہ سارا کو، مختصر فرما اور مولیٰ تاکر دونوں آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دلی سے لے کر پورے کونٹریں ہے، دہلی جیسے کے بعد بھی چاہتا ہے کہ بول کر ہی رہے اور کبھی نہ ٹھکے۔ یہاں بھلا وہ بات کہاں۔ بہر حال اقتضای فرمودی تھا۔ اس کے سبب کے بعد دیکر کے ٹکڑے کے بعد اپنے پہلے فقرات کا اظہار کیا اور پھر کلام سنایا۔ پروردگار صاحب ایک مختصر مافطیہ پڑھا۔ افسوس کہ پروردگار صاحب کا نام یاد نہ رہا۔ بڑے ملین اور ملنا بڑا دگر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ہیں فرمودی حجاب میں بہو بچا گئے۔ چنانچہ پروردگار ختم ہونے کے بعد تقریباً سنا آگئے۔ کوہ بانگے غلاب پہنچے کہ دیکر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ یہاں ڈاکٹر محمد علی الدین نور تادی اور حضرت دیگر و غیر معروضات کے کچھ دیکر صاحبان کی کمرے میں لچائے گئے تقریباً ساٹھ ستر آدمی ہیں۔

غائبہ شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا۔ ہر شام یہ میں جنوری ہند کی مسافرت کے مطابق لکھا ہے۔ اس سے خارج ہوئے تو سب کو مارچول پٹنے گئے اور ایک صاحب نے قانون کا شکریہ ادا کیا۔ جابا نام خزانہ طرف سے حضرت مسافر نظامی نے میزبانوں کی خدمت شنائی اور جہاں نوازی کا اعتراف کیا۔ اس شام یہ میں پروردگار صاحب دلا در سردی ایم۔ اسے ایل۔ ایل۔ بی صدر خجندہ و دوسرے یونیورسٹی کے بکلی قریب ہی نشر کیا دیکھتے ہیں۔ موصوفی خود خوش کے دوران میں میں غامی گفتگو رہی۔ سرمدی صاحب کے اکثر معاین ہری نظر سے گذر چکے ہیں وہ تمام ہندوستان میں مسافرت میں ایک تازہ ذرخذہ دل ذرخ کے ملک میں میں ان کی سامی سے آؤ و ذوق بقینا ترقی کر گیا اور امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں وہ اپنی ہمایہ ریاست جہاد کے نقش قدم پر تیری سے ملزوم ہو جائیگا۔ چونکہ پانچ بجے ہیں اس کے تمام شرا کو براہ راست ضلوعہ گاہ تک لے جایا جا رہا ہے۔ آج سرچین جنی ٹاؤن ال کا کیا حال ہے۔ اس کے لئے میں الفاظ کہاں سے لاؤں وہ تو سب گزشتہ نشستوں کی پھر چاہئے کہ میں ختم ہو گئے۔ اب تو یہی کہنا پڑیگا کہ آج ال میں اتنی دہلی جیل ہے کہ ایک کے اوپر ایک نظر آ رہا ہے۔ اتنا ہے کہ سامعین کی نشست گاہ کو چھوڑ کر شرا۔ ارباب اور عادیین کی نشست گاہ یعنی ڈاکٹر صاحب کی بھرا ہوا ہے۔ بہت سے شرا بھگتے صوفیوں اور کسبوں کے بچے دلی پر بیٹھے ہوئے ہیں انھیں میں ہمارے ملک کے دو مشہور شاعر حضرت بیکار چنگیزی اور حضرت مسافر نظامی بھی ہیں اور بڑی خوشی کے ساتھ زمین پر نشیمن فرما رہے ہیں۔ ہوائی بھگت کمال غیب ہوئے ہیں۔ شاعر نو ایشاد و قرانی کا مختصر ہوتا ہے اور اس کے لئے میں تم کی باتیں کرنا نہیں ہوتیں۔ مولانا بھی میری طرح بان کے بہت عادی ہیں۔ لہذا بھگت اور مولانا کو یہ یقین ہو گیا کہ ہم دونوں کی دسیاں ملی کر شاعر کے افکات کو کلاش دینگے مگر دوسرے ادبا اور شرا کی فرمائشوں کو کیا کیا جائے چنانچہ بہت جلدی دیکھا علی ہو گئے۔ خیر۔ توجہ بہ حضرت شاعر فرمودی ہوا اور اسی مولیٰ کے ساتھ۔ یعنی پہلے تلاوت کلام ایک اور پھر بحث تریف۔ اس نشست میں جناب میر کو لاری نے عقلمند سیاق و کلام کی فیت پڑھی تو میں الہامی سے ترقی۔ اس کے بعد صدر صاحب نے اپنا مختصر عداوت ارفاد فرمایا۔ مسافر شروع ہوئے میں والا تھا کہ علامہ تیک تاکر دونوں پر تشریف لائے اور غلطیہ بند بہرہ سرداب گم فرما دیا کہ وہی کوہ میں الفاظ کوہ سر سخن کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

### حضرات !

اس سے پہلے کہ شاعر شروع ہو میں ایک مجلسی فرما دیا کہ بجا ہوتا ہوں۔ آج دن کو جلسہ اردو لاہور میں آپ میں سے جو کچھ موجود ہے انھیں

معلوم ہو گا کہ اردو کا فرنس نے کیسے کیسے اول کو چھوڑ دینے والے تھے۔ ہند  
ہند، قلب اردو کی عالم افروز شاعری میں پہلے دسے بزرگین پاس کے جو  
نام جزوی ہند کے تھے اور ہنگو کے استقبال کے خصوصاً مہاراجا اور  
نئے آجواں کے خاص ہیں۔ یہ سب کچھ خلیفہ ہند تیرہ اختر صاحب جی آبادی کی  
سامانی جیل اور لطیف انجمنی کا جو ہے جس میں ان کے خوش فطرت صاحب  
عبدالحق آدھی کوٹہ کی طرح اس کے قریب ہیں۔

اگر میں سودا شایع کا فرزند ہوتا تو میرے اختر صاحب کو اپنی حکومت  
کی طرف سے کوئی سرکاری خطاب دے کر انکی وصلہ افزائی کرتا۔

اردو کا فرنس میں بھی ایک ایسی اجتماعی قوت موجود تھی جہاں فرض کو  
ادا کر سکتی تھی لیکن وہ بھی کسی صحت سے غامض رہی۔

لہذا میں، ایک خادم ادب اور ایک نامہ عصر ہونے کی حیثیت سے اس  
بہرہ منحل میں سید اختر صاحب کو "بہرہ سخن" کا نایاب خاک خطاب دیتا  
ہوں جسکی وہ مستحق ہیں۔ امید کہ خطیبہ ہندیہ چہ درخشاں دنیا کے ادب  
کی طرف سے قبول فرمائیگی اور آپ سب حضرات بری تائید فرمائیں گے۔

سید سب اب کر آبادی

۱۹ نومبر ۱۹۵۸ء

علاقہ سب اب کی اس مردم شناسی، معارف پروری اور آخر نوازی نے ہاں میں ایک آگ  
سہلکادی، مشاعر اور ادب ایک لڑکے کے کسی خیال میں نہ جکڑ گئے۔ ٹھیک ٹھیک وہ سخن  
خطاب دے چکے ہیں اب خیال آرائی اور راستے زنی بے لود ہے، جس کے بعد ہی بالوں اور  
نوروں سے تائید کی گئی، ان نورات انسان کو کچھ بنانا چاہتی ہے وہ بنا کر چھوڑتی ہے۔  
اس سب اب علی پر خود فرض بکا ہے یہاں تو حق بہ خود اور سید والا سلا ہے۔

آج کی نشست میں جدید آباد کے چند جوان شرا کو چھوڑ کر باقی تمام شاعر شری  
اپنا کلام سنار ہے ہیں۔ ایک ایک تناوے دو دو تین تین نظموں اور غزلوں سنائی جا رہی ہیں  
حضرت بیگانہ چنگیزی کو بھی آواز دے کی گئی ہے۔ ایک وقت کے جد جھے موصوف کی زبان  
سے شریفی کا اتفاق ہوا ہے جب وہ آگروہ میں تھے تو اکثر یہ سعادت حاصل ہوتی تھی  
بڑی در دہری اور کھلی آواز ہے کہ انھوں نے اپنی آجکل کی شاعری سنائی  
جس پر داد داد تو ہوئی مگر ٹھیک پرانے میں ادب پر رنگ دیکھ کر مصروف اٹھ گئے۔

ابھی حضرت بیگانہ اٹھتے ہی تھے کہ نہ جانے کس قدر کے تحت میں خالص صاحب عبدالحق نے  
انھیں گود میں اٹھا کر بھر پور پرتھو دیا۔ اس پر ایک فرانسیسی تفریق لگا اور جب اس کی

بارگشت ختم ہوئی تو حضرت بیگانہ نے میں بھی ہرگز فرمایا کہ میں نے سیکڑوں شاعری  
پڑھے ہیں، میں رنگی کھل کھلتی ہوں، بہر حال دوسری غزل پڑھی مگر کچھ ہونے دل  
سے۔ ملا کر غزل اپنی حکومت خوب بھی اور غالباً اس وقت کی تھی جب حضرت بیگانہ  
مرگت پاس عظیم آبادی تھے۔

حضرت جگر سے بھی کئی غزلیں سنیں گئیں اور کھل میں رنگ کیف و مستی بھر گیا  
علاقہ سب اب۔ حضرت جوش ملیح آبادی، حضرت سافر نظامی، حضرت علی اختر جی آبادی  
اور حضرت مولانا کوئی گھڑی فرض نام شاہ شری سے کسی کی غزلیں سنیں گئیں، اس کے  
باوجود سامعین کا ذوق سب اب نہ ہوا۔ چونکہ وقت کافی ہو چکا تھا، اس لئے علاقہ سب اب  
اور حضرت جوش دودا این شاعر وہی سے شریفی دے گئے مگر شاعر آؤنگ جواں رہا۔  
جب پوراؤں کو خند آئے گی جب پوراؤں میں کھل پیدا ہوگی جب ستاروں کی  
آنکھیں کھلے گئیں اور جب شرا انہا کلام سنائے گئے تو یہ آخری یادگار نشست  
"بہرہ سخن" میدہ اختر کو دعا سے جات دینے ہوئے، اہل سود کو سوز سخن سے  
گرائے ہوئے اور شالی ہند سے جلنے والے شاہ شری کی زبانوں سے بہنے ہوئے  
کہ ہم نے بہت کم ایسے اجتماعات دیکھے ہیں، اتھالی کا بیانی اور سن دھوبی کے ساتھ  
ختم ہو گئی۔

واپسی میں حضرت جگر اور آبادی کا ساتھ ہو گیا، وہ اور میں ایک ہی کار  
میں ہیں۔ شاعر کا دسے جاتے تمام کم ان سے خوب لنگھ رہی۔ حضرت جگر نے آبادی  
سافر کو جب سے اوداع کہہ ہے، اس وقت سے میں کچھ ایسا سمجھتا ہوں کہ ہاں کو انکے  
کلام سے دائر کھل اور بولی ختم ہوتی جا رہی ہے مگر ثقافت اور سبیل کے آثار  
میدہ ہو گئے ہیں۔ اب ان کی گفتگو بڑی مزید سنجیدہ، باعمل اور علمی و ادبی موضوعات  
سے متعلق ہوتی ہے اور ہاں وہ نوازی بھی ہو گئے ہیں۔ ————— یہ ہیں انسانی کردار  
یکے نشیب و فراز۔ آفاقی شرا شری نے بھی زندگی کی آخری گھڑیوں میں توبہ کوئی تھی۔  
جگر ایک دار فرائض مزاج شاعر ہیں۔ ان کے فنون کی بھر پور نے انھیں ہندوستان کا  
نماز شاعر بنادیا ہے۔ ————— اور وہ قابل ہمارا کباد ہیں

آج شب کو بہت دیر سے ہونا نصیب ہوا ہے۔ دماغ میں اردو کا فرنس  
کے قروش درمسم ہیں اور دل میں کسی کی آنکھ کو کششیں کا اعتراف۔

(بانی۔ بانی)

انجمن تصدیقی

مشاعر شاعر مصرع طرح :۔ ترے جلوں نے نظر کو نئی اک زندگی دے دی

## حضرت نشتربتگامی

وہاں اپنی خوشیائی کی بجائی ہی خوشی سے دی  
محبت میں ہر کسی جس نے اپنی زندگی سے دی  
میں ہر لمحہ کے طلب کی مجھے سب سے بخیر کیا کرتا  
میں کو دل مرا تھا کبھی قائم بھی پرہم  
تو مجھے کی تیری بیدار سے محبت خفتہ  
غیر محبت سے محبت آنے میں محبت سے  
غیر محبت سے محبت آنے میں محبت سے

حضرت عذیب عالم پوری

مے سے دل کو غنائی کا غنمی سے پیکل مے دی  
ہر ستر خود غنائی تاپ جو بخش خدا باقی  
اُسی کو بہر خودوں جاسے کہ دیا اُس نے  
دلی ویراں کی اب کیا اور چھتے بودہ دل براں  
بڑھاو ہر نفس جنگا نہ عالم کیوں اُس نے  
دل کیوں دے کے تھے، کو پکے تھے خدا پہ بھی  
کہوں کہ نگہِ جمل و عجب، اس کی غازی کا

حضرت محمد تقویٰ علیہ السلام

تو کہتے تھے مراغہ نیاز و عاشقی ہے دی  
تو یہ نظروں کو کیسے لے ادا ہے کہتی ہے دی  
یہ کس زبان دہانی کا ادنیٰ اس کا کر ہے  
جنت میں تھوڑے رفتے سے طے کھاتے  
جیت تو کسے رنگا رنگ پرے قابل کو دل پر  
لگا دی تھی یہ کمر ہلو کی چوڑی کے دلی میں  
فرخندہ کس جسم کی کہ جس میں مضرب

غائب نہاد قریبی

فہم انہی کے لئے ہے جس کی

ہاتھ بھی غلطی سے جھپٹا لی گئی دسے دی  
جاتا دھائی کے لیے جات عارضی دسے دی  
جوانی یوں بھی غصی جھکوا دیا لیکن دسے دی  
مری فوجی حبیبت غم کبھی کے لیے کبھی نہ دی  
جب ان کے دیکھے کا وقت آجوشن نہ دی  
وہ جیکلین کیس میں نہ تھیں جان لی گئی دی  
خدا نے غم خوار کر کے کو کھیر کر شادی نہ دی

مردود تھی جسے جبریلؑ نے اُکھڑ دیا  
خود ہی لیکر وہ سارے اچھے چھوڑ دے دی  
جسے اسرارِ غفر سے دیا اُکھڑ دے دی  
بہت مدت ہوئی اس کو گھر پر لے کر آئے، دی  
کسی کو دنیا بھری تو کسی کو بائس دے دی  
آدمی جانتا ہی تھا تو اب وہ جان بھی لے دی  
کہ اگر عشق نے اُنک جادوئی زلف لے کر دے دی

نفعاً و عیش کے مایوں پہ مجھ کو تیرے ہی سے  
کس کی زندگی بھینسی کسی کو زندگی دے دی  
کے میری دین ددوئی کو شان خیر سے ہی  
لاسلوئے کو تیرے قدرت ہو میری دے دی  
ہیں فطرت سے کس پر شرف اگر تیرے ہی سے  
کو جبر سے کسی کو اُلفت میرا ہی حال ہے دے دی  
محبت ہے جس سے تمہارا بس زنگ نہ ہو  
مناجی تھی و شہر میری ہے مجھ کو دے دی

جوانی کی جدائی میں بچہ سادگی کو دیکھ کر  
 تنقید کا کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بڑا محنت ہے  
 بھلائی کے لیے بغیر ان کے انکا خدائے کرنے  
 اگر کمال کی بات ہے تو کسی کی غایت بہت  
 کہیں تو کوئی مانے گا کہ وہ اگر کسی بہت  
 نہیں نہیں دینے کا کوئی شکوہ بہت  
 جناب اشفاق الہی

گوں کو تازگی دلاؤں کو نئے دکنے دی  
بعدِ عرفان مرنے لگی دیگر دے دی  
وفا کچھ کہے دوست بلکہ مشک بہ تر  
کی کی پرستش غلوں میں کیا کہن پرستش  
بدنِ نوحہ کی غلط فہمی پر اگر غور کروں  
حقیقت میں جزا میں عیش سراجِ محبت ہے  
تھکا کا بس عادتِ غلامِ نادانست کی

جناب جرحی ہونگ آبادی

بہت اچھا کھانا اور خوش و شادی سے دی  
مذاذ فریاد کے دو جام ہر کو روزینا کو  
بہت جیت بھی تھوڑی سی اور عرصہ کھلی دنیا  
ازل میں بڑھ گئیں جب میری نورانیاد سے  
خوشی میں تھی تو کیا ابروی بہت تو نہیں غانی  
اگر میری طرف سے اس کو کھوں یا نہ کھوں  
جو کسی انگوٹھا سے اب ظلم و عدالت سے دل

جناب صادق الزمخشري

انہیں پہلے تو میرے دل سے بھر جان بھی نہ دی  
جہاں میں خود ہے حضورؐ کے ثوبہ انا سخن کا  
حقیقت آنکارا ہو گئی مہین حقیقت کی

نہیں خلاق قدرت نے ناری دکن کی ہے دی  
کوبیسے بھی گنن جوا کی ہے آگ کا ہے دی  
جلاؤ ناگانی آپ نے تو آپ ہی دے دی  
بادلوں سے بھی کج آرزو تو لکھ دی  
پوستہ ہے دل انکا تو ہے جان بھی شہ  
تو دینے کا دیا ہے جو اسے شری ہے دی

کہ وہ لڑکی کو جلتے کچھنوں میں افریقہ کی دی  
 ہوئی دیکھی کسی کو لادریس کی توجہ دے بھی  
 کوئی تو معلوم تھی جو گئے دیوانہ گئے دی  
 کہ جس نے پھر ہادی زندگی کو ننگا کر دیا  
 غلامی اس نے کیا کیا کیا کیا کیا کیا کیا  
 اسے سب دیا تو جس نے دیوانہ گئے دی  
 کہ کہ کہ غلامی حضرت سیدنا کے دی

خودی جس پر تصدیق ہو گئے وہ خود کو کسی  
 مجھے ساقی حضرت نے دو گونہ فرمایا ہے کہ  
 محبت سے ہر اک شے کو جہاں کی دیکھ کر ہی  
 مجھے ساقی ہے کوثر آبِ زندگانی ہے کہ  
 محبت سے مجھے اوجِ حیات دیجیئے کہ  
 عطا کرے مجھے دلِ مستقل کہ بے کس ہے کہ  
 سکون مانگتا تھا نہ کوثر آستانہ ہے کہ

غرض جو چیز ان کی فائدہ کے قابل ہوئی ہے وہ  
 یہ کیا سبب ہو کہ عید کو تم نے خود ہی شے  
 ”یہ تو مومنوں کے تصور کو نہیں کہہ سکتے“

”یہودیوں نے تعویذ کو بھی کھڑکھڑایا ہے۔“

جناب حسین قریشی احمد آبادی

کمال عشق نے اک غیر خانی زندگ سے دی  
 فوجی عشق کی منزل خداواں کی منزل ہے  
 جلتے وہ ذرا محبت خود شہید بن کر  
 مال اس کہے دل کو انبلا غم نہیں حاصل  
 میرا ہے آپ کو سیر کیا کرتا پڑ خوں میں  
 دیا اک اذن غلام منہرا ز طر سینا پر  
 "تو کہ جوں نے نظروں کوئی اک ٹکٹے دیا"

جناب اشعر احمدی شیخ آبادی

بلو کو زخم دل کو غم غم کو غم کی دے دی  
 ہزاروں مرگت عشق کا چمچ ہے قتل میں  
 یہ کہ نہاں ہو ذوق جنگی جو میں نہ تھا لیکن  
 خورشید محبت قری شکل سے اڑا تھا  
 نگاہوں کو کہے پشیمان کھڑے دینے پر  
 لے جانا ہے ہر کو میں طوائف سے متاثر میں  
 جاناں ہو گیا زیم تصور میں مری اشعر

حضرت ارشد صدیقی احمد دہری

مجتہد ہیں مہبات کینہ مری دہری  
 اب اتنا ہوش بھی باقی نہیں ہو گیا ہوں  
 نہیں ہے عشاق شہر کو بھی تاب نفاذ  
 کچھ ہیں آگیا جب دعا تخلیق ہستی کا  
 نہا ہی ہو گیا آتی دل افسانہ میں، گویا  
 عجب خلوت کا یہ عالم ہے انسان ہمارا شد

جناب خادم زبانی سیالوی مقیم حلیہ

خداے جن کے لائق ہر جو بھی مری دے دی  
 زری راہ طلب میں وہ بھی اکھ ساہی ہر دھڑا  
 برجن عشق کی نیرنگیوں کا اک کرشمہ ہے  
 جو داکین تمام بدبختی لیکن اہل میں نہیں  
 نہیں کہہ سکتا ہوں اس سے بے خبر کہے  
 کسی کے جلوہ گاہ کا قلم کا قلم سے

نہیں ہوش نہ تھا نہیں ہوش دی دے دی  
 یہ کیا آنکھ کی دے دی یہ کیا اندک دے دی  
 جو نہ جان لے ہی مٹی پھر زندگ دے دی  
 محبت نے کسی کی جھکوا ایسی زندگ دے دی

جناب بزم احمد دہری

تو دستہ متاع ہوش دی لاء خودی دے دی  
 بھیر پڑا یاد دین میں دوا لے دی  
 نگاہوں کو تو جوں کی لگا لے دی  
 غصہ ہے محبت نے میں خود لے دی  
 یہ کہنے لے لے کو تو زندگ دے دی  
 محبت نے نہ پنے کی اجازت کبھی دے دی  
 میں تو بزم اشعر نے بڑی دہری دے دی

جناب نسیم تریا توری

(خزل مسل)

اسے احساں کر لیں اور اس کو کہہ دی  
 تھانہ کو کہہ دی، تھوڑے کو، خوشی دے دی  
 جن کو نہیں کہیں لگی حد کاں و سہل سے  
 چٹا کو کہہ دی، خوشی دے دی  
 کوئی غم و غصہ ہے، کوئی فدا نہ کرے  
 تو سب جوں کی رنڈاں گویا کسب میں آئے  
 سکون نہ آتا شب، آجیم ڈاؤر و مسطر ہے

جناب بشتاب کالیپوری

جہاں دوست نہ پہنچے وارنگل دے دی  
 خواہر کا ہر ذرہ اب تک اہل ہے  
 مری انسان خدا آگاہ جو بخت سے  
 کسی کو کہہ دیاجو زرک زندگانی پر  
 جو انسان کا اس کی دشمن اس نہاں میں  
 خدا جتنے کہ اس کو کہے ہیں اہل ہوش میں  
 جو کچھ کہہ دیاجو بخت سے کبھی کہہ اس کا





و عذاب کس نے شمع حشر نہ دھڑلے گا  
جناب اخلاص زیری ایم۔ اسے از بھند

حقیقت میں ہوتا ہے پروکا اکت تیرے  
جناب آخر عثمانی اندھے

اکیس تیرے دنیا بیکار کی اور کس نے دی  
کس نے اسطریشی برکات ناز کی دی  
کسی نے کوئی شے ہے مجھ کو ملے دی  
مجھے اتنی ہی کیا فرمت فرما دی  
خدا جانے یہ کچھ ٹھیک الہی بخوری دی  
اگر کچھ منظر بخود نے ملت کھڑی دی

بیکار باغیوں میں تصور میں لگا ہوں  
مری دنیا کو یوں جو نکال دیا ہے جسم نے  
بھٹکا جس حد جہاد نے ملت میری کی  
یہیں ملوں میں کویا ہوا ہوتا ہوں انسا  
آرہ داد غم سارے نے کسنا دی

جال دہشت کے عدلے جب فاضل دی  
ہے اس میں بعد و ہم راہ امن و خوشحالی  
نہیں سو دینا ہاں ہے کد واسطہ باتی  
ہجوم پیش و حشر میں کمال ہو نہ کسی نہی  
اُمید ہو کچھ نہیں ختم جبار غفلت کی  
جناب خیالی قادری جشتی (میر)

جناب پریم شادی

یہ کس نے غم پرے میں نہا دی  
مجھے دل سے دھڑلے میں ہی دی  
میں غم سے خوش ہو میں زندگی دے دی  
کوئی کت الودا نے تجھ کو کسی نے دی  
اگر تم نے سر کب اذان بے غم دی

جنگل میں دل کو درد آگھوں کوئی نے دی  
مری ادنیٰ محبت پر شے نہ لک کرے میں  
اس باغ فضا خوش ہو اسے لڑنے میں  
فغان نہ لگ کر کچھ نہ کہیں میں برسیا  
داں کا ذرا درد پر ہم بن جائیگا بیت خلد

حقیقت تو یہ ہے سوز اور خوشی کی  
مری بزم تصور دل بسکے گھٹا خوشی  
میرا مدد نہیں دی کچھ اسے کل آیا  
نہا جب کئی برصا دت میں دم آخر  
جنت کی مدد میں ہی فدا کیا دیت ہے  
جناب آخر ذالقی شگلوری

جناب انجم احمد آبادی

خدا دل کو میرے حب نشا دل دی  
مجھے تقدیر اللہ نے عشق الہامی دی  
دل دار نے میرے کچھ بخود دی  
یہ کس کی یاد نے پھر دی کہ سبکی دی  
عوض دل کے غارت نے تیرا شعر دی

گاس کا نہیں کچھ غم دی باخود دی  
کس کو دین حشر کسی کو نہ خوشی دی  
دن کو منزل مقصد پر شے جانہ منزل  
یہ کس نے دیکھ کے اتنی خوشی دی  
میرے بخدا انجم میں اسرا رہا ہستی

تو شے ہے جس پر کلمہ دہی سے دی  
نہیں خدایا حشر میں ہم میں برسم سے  
میرا عشق ہی تجھ کو میرے شکر لائے  
پھر دی داور میں حشر میں ہر دے کمال  
تو میرے کچھ عشق دنگا بیکر نہیں

جناب پال پری

جناب شوق شہا دوی

یہ کس نے ہی قسمت مجھے دی انکے دی  
میرے جلوں نے نظروں کوئی انکے دی  
کہ ان کیلئے ہوا کیوں کو برت آپ کی دی  
یہیں ملوں کچھ جھک کر ناز دی  
انھوں نے جھک کر مجھ پر اسم انکے دی

کس کو کواٹ اور گل کو دکش دے دی  
اداس نے تیری دکھ مایہ سر خوشی دی  
تو دیکھ لے کمال دہن غلے پر  
نہ ہے کچھ درد دینے میں شے میں طاف ہے  
یعین یاد ہرگز شوق انکے میرے مدد پر

راک کو دکش دی اور میری کو کسی نے دی  
رشتوں کا گڑھ میں جگہ ہونا ہے شکل سے  
چہ نہ کہ میری کو شے کی بد نام دیوانے  
نہیں کچھ کچھ شے کی ہر جا بیکر دی  
فان لاجوں کے سے انکے کو سے خاندہ دینے

جناب فیس بد غوی

جناب کشنی از جلیور

کس نے کو تیرے اندھوں کو کسی نے دی  
تکام پریم عالم کو یہ کس نے دی  
ابھی کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ دی  
نہا کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ دی

پھر اس خاندے اسے میں کو دکش دی  
جان کا ذرا تیرے ہر جا غلے و رزاں  
ابھی کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ دی  
سہار کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ دی

بڑی برکت نہا نہ کچھ کچھ دی  
تسم دی دیا خوں کچھ کچھ کچھ دی  
کسی کی نہ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ دی  
اب اسے میں کو دکش کچھ کچھ کچھ دی

دو زندگیاں ملت ہیں کہ ماتی کے لئے کتنی

**جناب خیر خلیق جمیل اولوی**

تو جہوں نے تیرے لئے کوئی ایک زندگی دی  
غلامی میں ہم تو زندگی کی تکلیف سہارنے  
نہیں وہ تو کیا ٹھہرا، اگر ایک طائفہ اپنے  
کہوں کیا دل پر جو زندگی سہاوت میں  
خلیق را کہ موت دکھائی آج کیا تم نے

**جناب ارشد صدیقی ساگری**

بدر بخت خالق نے جن کو دلکشی دی  
ہوئی پھر وہاں سے لے کر خلیق بنے تو  
وہ تیرے خوب تھے بار بار جو درجہ بڑھتے  
بہاؤ میں بلکہ تو کیا میرے گلشن میں  
وہ اپنے چاہنے والے کو ارشد اور کیا دینے

**جناب سالک حنیفی زند آبادی**

نظر کو سحرش اور ادا کو دلکشی دی  
تیرے دل جناب کو دیکھنا ہی دے دی  
زیر حد سے طالع کے دل درد آتش ہو کر  
رہ گیا فانیات نام زندہ میرا دنیا میں  
ذرات خود موت جو سمجھ نہ وہ انکو

**جناب موح دیو بندی**

نظر کو تیرے جب کو دعوت جہو دی  
براک ذرہ بھلتے خود تو ان کے لگا کر  
تھک جانے ہی ملت دو جا کی سانس میرے  
تیری کانپ اٹھے دیکھ کر اسٹار ریڈ  
سمجھتے ہیں وہی سحر ماہ قلم سہنی

**جناب حلیم (جامعی) اترا پوری**

قیامت تک دانتے ہوش ہر ذرہ بخود  
نہ لکھا دیت دشت کے لئے پھر مشعل دانی  
لکھتے ہیں مٹا دینے کے لئے ہاتھ لگاتے ہیں  
خیر صبر نہ آتا ہے پھر تو کیسی کیسی

بلا کی بھی غور سے ہی ایک زندگی دی

بغلاف و گرہ کو جانت دیکھی دے دی  
بلا خور او آزادی چلنے کی چاہی دے دی  
جہاں جلتے جلتے بھی تھا آہوی دے دی  
عصا پر جہیز کوئی نہ بچاؤ کی دے دی  
نئی ایک زندگی دیدی تھی اک کتا لگے دی

پھر زندگی مہربان کے ہر میں بسا کئے

**جناب منصور انصاری بالیگانی**

دل تارک میں ہر دم کی روشنی دے دی  
بلا کی طرہ سارا غیب کی نور افشانی  
تو کی حق سے ہے دل کی نور افشانی  
نظر سے گلہ جو ہم ہی تھا بدتر سے دے دی  
غیب کا سخن دلوں میں ہے اندازِ مہربانی

**جناب حبیب ازگوشی**

وہ میرے ملتے ہیں پھر بھی نہ نظر لیں  
ہماری جان ہی پر ستر میں ہوئی کو کیوں دینا  
بہنا لوگ میں دل کو، بانگے دیکھو چھبہ وہ  
خبر کیا شمع کو، خود جھپٹ ہی پرواگ میں تھی  
تیرے کا کسی دن جھڑکے رو دو اور ہم اپنی

**جناب شانی سبے پوری**

بنا کر اپنا بندہ، اُس نے شان جملہ دی  
ہر دک کو اپنی جیسی مسکراہٹ لگانے دے دی  
کہاں ہوں دل کو کیا ہیں خبریں میں ہو کر  
تیرے ہر کبریٰ آئے ہیں بٹا بھی، خانی

**جناب ثاقب پروانی**

بچے دی غیب کی دواں کو تو کبریٰ دی  
یاد رکھنا کہ آؤں ہی پسام آزادی  
بھلاؤ ناز سے پچھلے دل، جناب کو دیکھا  
وہ آئیں باندہ آئیں میں تو پھر سارا غائب

**جناب سمیل شہلاوی**

تیرے جلدوں نے غور سے کوئی ایک زندگی دی  
تیرے داغ میں بھی جو ہے تیرے قربت تائیں  
ترا مٹا دینا دیکھ لاپرواہ، بھلاؤ لگا  
تیسرے میں تو ظلم میں چلتا ہی رہا دائم

**جناب اکرم عثمانی**

تیرا کون سا غم ہے، یہ بھی نہیں دے دی

اگر تیرے ان ملک بن جان کو تو دی

میری دنیا کے ذرے ذرے کو تاننا دے دی  
کسی کی ایک اداسی زندگی کو زندگی دے دی  
جوانی دیر سے کہے کو اس نے روشنی دے دی  
بچے کی دل کو ذوقِ آرزو سے آگے دے دی  
اداسے اندھا لا پھر غور سے زندگی دے دی

**جناب رشاد الفت علی بخاری**

تیرے سرشاری الفت نے ایسی بخاری دی  
تجربہ میں اگر جان ہی تو اپنی جزئی دی  
تیرے دیوانی صرست لے گا نہیں نہی دی  
کام میں پر طبعی ہاں کو کون نہی دی  
جب غصہ کو دیکھنے کو قدرت کھلی دی

**جناب خواجہ میر بکری**

خدا جو نہیں کہتی، بچے وہ زندگی دی  
میرے ذریعہ فکر کو اندر تو ناز کی دے دی  
بنا کر اس نے اپنا، اس قدر بیگانی دے دی  
کوم اس کا ہے جس نے کھ کھ ایسی بخاری دی

**جناب میر ذبیحی**

بچے میر ذبیحی تھی تقدیر دی  
نئے سرے ابرائیم نفس کو زندگی دی  
اور اُس کے ہر تپے عمر کو بکلی دی  
بچے پچھلے اکی باسنے اک بخاری دی

**جناب مہر علی**

مکون مہر علی کو جانت دیکھی دے دی  
میرے دھڑکنے اور تاروں کو بکلی دی  
ہمارے اپنے ہی کو جس سے دانت کی دے دی  
اذل سے کھ کو فطرت کے بکلی دی

**جناب مہر علی**

کہاں پر غم نہ اپنی منہی آگے دے دی

جو اسے برحقیت! مجھ سے بیگانہ ہی نہ تھا  
باد میں غول کی یہ جدت دیکھ کر  
جناب اخرا احمد آبادی

محبت کے تصور سے مری آباد ہے دنیا  
میں محب احاسن غم کرتا ہوں جو بالہ ہوا  
برائے لذت پائے طلب مہر کی منزل میں  
جناب سرارج احمد آبادی

محبت آج ہے کل میں عرفان ہستی کا  
میں میں غم کے کبر متور کر دیا کس نے  
محبت ہی لباس آدیت ہے حقیقت میں  
جناب محمد سارگری

تیری طوہوں کو مجھ سے ہی نازا اپنی نظروں  
تیری نظروں سے اس انا سے پیغام پہنچا  
کہا میں نے تم کو کیا وفاؤں کا صلہ بخشا  
جناب حنیفہ مالیکا نوسی

دل میں عشق نے مہر ای کو بھی جنت نہیں  
میں صدمہ کیا رنگ نافرمانی مری دانائی  
مالی زندگی سے دل درگاہ کا پناہ ہے  
خاتون حسانی از نئی دلی

ابا میں یاد آئیں رہتے یہ آپ کی مرضی  
نہ ہوتا میں تو کبوں تو آٹا دو دیا ہوتا  
مری ہستی جن جن دعو عالم تھا حافی  
جناب کوکب از کوئٹہ

فہم جو کہ جو کہ میں نے زندگی سے دی  
اوستے دربان آئیں تو حیرانستان کی  
وہ اپنی تیر تیرتی پر کہا تک روئے کا کوکب  
جناب سلام سارگری

ازلہ کے بعد تمام ازلہ نے واہ دی قسمت  
تیرا برکرم تھا تو کوہ طور پر برسا  
انہل کے دور حق سے سکھ میں غایت کو

تو کیوں ہر ایک اندو سے مجھے ڈھکی چھپی  
کہ صحر میں ہر اک وحشی کو دشت میں تھا عودی

یہ مجھ ناکام کو کس نے محبت کا مگر عودی  
مری غول نے دل کو کس ہاکی تانگی عودی  
جنون فوقی نے ہر کام پر محبت ہی سے دی

محبت جس کو دیکھی ک شاعری قہری سے دی  
یہ کس نے آج صحر مجھ کو دیکھتی تھی سے دی  
محبت ہی سے انسان کو غیر زندگ سے دی

دعا میں دے کہ مجھ کو دیکھتی دیکھتی عودی  
سے ترکتاؤں کو میری زندگی دودی  
تو بے غم دیا فکر سادی خاموشی عودی

گلون خار کے دامن کو انہی دیکھتی سے دی  
بہت اچھا کیا تم نے مجھے دیا گل سے دی  
کسی کے ہاتھ میں جب آبرو کی بجائی عودی

نگاہ عشق نے تو دعوت ملوہ گری عودی  
مری نظروں میں ملوہ کو تری تانگی عودی  
خانی عشق ہو کر امانت جس کی عودی

محبت نے تری مجھ کو حیات دائی سے دی  
وہ دل بکھر گئے ایسے کہ نہ تھائی سے دی  
جیسے میری ازل ہی اسے تمام کی سے دی

یہ سبھی مجھے دی کہ کو موت چاندی سے دی  
کہ کوئی آگ لے کر گئے سب تری سے دی  
عطا دین زبانی کیا اور تری سے دی

جناب عباس انصاری دھولی پوری

نہا ہی ذات کو مجھ کو توغ یہ نہ تھی لیکن  
حوادث کے تھپڑے مجھ سے نہ تھے نہیں کو

جناب اسعد اکبر دہری (الہ آباد)

ہجوم ہی دھم سے ادا لام مصائب سے  
ہمارے حرم کے حرم میں ہمارے اسعد  
جناب حامد القادری (مدنا پور)

خال دینا بیغوب آئیں ہو گئیں روغن  
پرانی ست آئیں گوں کا کوثر خاک اعداد  
جناب مقدر دھولی پوری

تیرا محبت ساقی سے اس انا کی سے دی  
تک کی کو دی سے اے مقدر کس سے دی  
جناب عارف سارگری

اکی جیکو تیرا نام خبر الراز میں شہرا  
دل بکھر کر تھا آہنگ و حسرت واریاں  
جناب فاضل ازمتول سی پی

لفظ اک عشق سے کب بے مقصد کبریاں ہوئی  
مجھ کو دیکھ کر اسے شکر ہر خار صواکی  
جناب قابل ادونی

جک مجھ سے طبع عشق سے کوینا کا ہر ذرہ  
جہاں پاتا ترافض قدم سجدہ کیا بیروں  
جناب تاباں القادری، مدنا پور

زائیا میں نظروں میں اندھیرا ہی انصیر تھا  
بہت بے کیف تاناں جی رہا تھا میں نے میں  
جناب غیرت سوارا نوسی

ہر کوئی دل میں بد جہاں کی زندگی عودی  
میں اللہ بالیں پر ہاری اسے سر بھڑیں  
جناب اسلم

ازلہ کے بعد تمام ازلہ نے واہ دی قسمت  
تیرا برکرم تھا تو کوہ طور پر برسا  
انہل کے دور حق سے سکھ میں غایت کو

## اصلاحِ سخن :- جنابِ منظرِ سیانوی کی غزل پر حضرت علامہ سیاب اکبر آبادی کی اصلاح

- ۱۔ کیجئے ہر سختی دُور اں گوارا کیجئے جو دکائے چرخِ فتنہ ساز دیکھا کیجئے
- ۲۔ یا نظر میں جراتِ نظارہ پیدا کیجئے یا نہ پھر بہرِ خدا <sup>۴۰</sup>تقلیدِ موسیٰ کیجئے
- ۳۔ کیجئے کچھ دردِ الفت کا مداوا کیجئے <sup>۴۱</sup>سُکھوت بھی غمِ غور اور رشکِ میسا کیجئے
- ۴۔ مری بے ہوشی کو کچھ آفت میں اہلِ ہوش ہی <sup>۴۲</sup>آپ دیوانہ سمجھتے ہیں تو سمجھا کیجئے
- ۵۔ اک بھلک میں ہو گئی بیخود تو کیا دیکھا کلیم <sup>۴۳</sup>دیکھنے کا لطف تو جب ہو کہ دیکھا کیجئے
- ۶۔ گر رہائش اس سخن کی آپ کو مطلوب ہے کیا ہمارا اور کیا خواہاں <sup>۴۴</sup>سب کچھ گوارا کیجئے
- ۷۔ لطفِ غمخواری تو جب ہو زلفِ اور کی طرح <sup>۴۵</sup>نظر ہوں آپ کو <sup>۴۶</sup>کتابیں تو نہ ہی رخ سے نقاب
- ۸۔ آئیے اور آئیں کہ جو جائے پھر بے نقاب <sup>۴۷</sup>پھر ذرا اندازہ تاب تماشا کیجئے
- ۹۔ لطفِ ہر اکِ وقت میں آئیں نظر دو آفتاب <sup>۴۸</sup>بامِ برآ کر نفتابِ سخن ترچھا کیجئے
- ۱۰۔ ہو گیا گم آج آخر خود ہی جو یا آپ کا <sup>۴۹</sup>حشر تک اب دھونڈو لے کو دھونڈا کیجئے

وہ نظر آجائیں تو پھر وہ بھی آجائیں نظر  
منظر اُن کے دیکھنے والوں کو دیکھا کیجئے

توجہ :-

- ۲۔ "بہرِ خدا" میں ایک ایسا جانی تھا جس نے غم کو فنا کیا اور یہاں ایسا لکھ دیا تھا کہ "فنا"۔ بہرِ خدا زادہ باریت معلوم ہوتا تھا۔
- ۳۔ "غمخواری" کا یہاں محلِ دُعا۔ غمخواری کسی بات پر کیا ملتا ہے۔ درد کے ازالہ کے لئے طیب کی توجہ ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔
- ۶۔ شہریتِ ابد پہلا صرع اجماع تھا جس کے غم کو دیا گیا۔
- ۸۔ شہر میں آن کو "ظن" نہ تھا نہ صحت نہ غم۔ اصلاح نے جان ڈال دی مضمون دہی رہا۔
- ۱۱۔ "اُن" غیر غائب کہتے تو "وہ" کچھ تھا لیکن اُن کے دیکھنے والوں کے لئے وہ کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے "یہ" بنا یا گیا۔

اعجازِ صدیقی

# سیٹھ فتح دین اور ڈاکٹر رفیق۔ اے۔ رضوی

ہندوستان کی ان دو اولوالعزم ہستیوں نے ہندو مسلم اتحاد کا بیڑہ اٹھایا ہے  
یقین ہے کہ انکی یہ کوششیں بھی ہمیں آگے لے کر اکبر اور سوئی ہوئی امنگوں کے لئے بخیر ثابت ہوگی



جو دین پچھڑی پہلی اور اپنے قسم کی واحد تصویر ہوگی آپ لوگوں کے سامنے اتحاد کا ایک  
زبردست پیغام لے کر آ رہی ہے  
مکالمے اور گانے ہندوستان کے نیکو مغز و فہم ادیب شاعر کامل رشید خاں کے ہیں  
آپ کے پسندیدہ اداکار  
موزک  
پروفیسر بشیر دہلوی  
حسن بانو، یعقوب۔ ترلوک کپور۔ رفیق۔ اے۔ رضوی  
مرزا نثر بنیترا شاہ۔ کلیانی  
دار کاغذی۔ انارکلی اور  
ماسٹر نثار  
کوشش کی گاٹ  
میں شامل ہیں  
دن کیجئے

ذیر سیرستی۔ اعلیٰ حضرت رسوا مظلوم النبی پاجو (کاشانی)

محکمہ تعلیم صوبہ ممالک متوسط و برار  
محکمہ تعلیم ریاست میور  
محکمہ تعلیم ریاست میور  
محکمہ تعلیم ریاست میور

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱	معارف	۱۵	معارف	۱	معارف
۲	معارف	۱۶	معارف	۲	معارف
۳	معارف	۱۷	معارف	۳	معارف
۴	معارف	۱۸	معارف	۴	معارف
۵	معارف	۱۹	معارف	۵	معارف
۶	معارف	۲۰	معارف	۶	معارف
۷	معارف	۲۱	معارف	۷	معارف
۸	معارف	۲۲	معارف	۸	معارف
۹	معارف	۲۳	معارف	۹	معارف
۱۰	معارف	۲۴	معارف	۱۰	معارف
۱۱	معارف	۲۵	معارف	۱۱	معارف
۱۲	معارف	۲۶	معارف	۱۲	معارف
۱۳	معارف	۲۷	معارف	۱۳	معارف
۱۴	معارف	۲۸	معارف	۱۴	معارف
۱۵	معارف	۲۹	معارف	۱۵	معارف
۱۶	معارف	۳۰	معارف	۱۶	معارف
۱۷	معارف	۳۱	معارف	۱۷	معارف
۱۸	معارف	۳۲	معارف	۱۸	معارف
۱۹	معارف	۳۳	معارف	۱۹	معارف
۲۰	معارف	۳۴	معارف	۲۰	معارف
۲۱	معارف	۳۵	معارف	۲۱	معارف
۲۲	معارف	۳۶	معارف	۲۲	معارف
۲۳	معارف	۳۷	معارف	۲۳	معارف
۲۴	معارف	۳۸	معارف	۲۴	معارف
۲۵	معارف	۳۹	معارف	۲۵	معارف
۲۶	معارف	۴۰	معارف	۲۶	معارف
۲۷	معارف	۴۱	معارف	۲۷	معارف
۲۸	معارف	۴۲	معارف	۲۸	معارف
۲۹	معارف	۴۳	معارف	۲۹	معارف
۳۰	معارف	۴۴	معارف	۳۰	معارف
۳۱	معارف	۴۵	معارف	۳۱	معارف
۳۲	معارف	۴۶	معارف	۳۲	معارف
۳۳	معارف	۴۷	معارف	۳۳	معارف
۳۴	معارف	۴۸	معارف	۳۴	معارف
۳۵	معارف	۴۹	معارف	۳۵	معارف
۳۶	معارف	۵۰	معارف	۳۶	معارف
۳۷	معارف	۵۱	معارف	۳۷	معارف
۳۸	معارف	۵۲	معارف	۳۸	معارف
۳۹	معارف	۵۳	معارف	۳۹	معارف
۴۰	معارف	۵۴	معارف	۴۰	معارف
۴۱	معارف	۵۵	معارف	۴۱	معارف
۴۲	معارف	۵۶	معارف	۴۲	معارف
۴۳	معارف	۵۷	معارف	۴۳	معارف
۴۴	معارف	۵۸	معارف	۴۴	معارف
۴۵	معارف	۵۹	معارف	۴۵	معارف
۴۶	معارف	۶۰	معارف	۴۶	معارف
۴۷	معارف	۶۱	معارف	۴۷	معارف
۴۸	معارف	۶۲	معارف	۴۸	معارف
۴۹	معارف	۶۳	معارف	۴۹	معارف
۵۰	معارف	۶۴	معارف	۵۰	معارف

(۱) محسن ادب جناب محترم بابو ہر گوبند دیال صاحب نشتر ہنگامی تھم سالانہ  
(۲) محسن ادب جناب محترم سولوی محمد خان صاحب نشتر خوجوی تھم سالانہ  
(۳) محسن ادب ہر اینس علیہ حضرت کیتانہ والی بگ صاحب آف جوانا لڈھانٹ تھم سالانہ  
(۴) محسن ادب جناب وزیر زادہ جماعت خاں صاحب تھم سالانہ

## سوانح ادب

محمد زوالی ادب

## خامان ادب

۱۹) جناب صاحبزادہ شمس الدین خانبابہ شفق فکری سے سلامانہ  
 ۲۰) جناب عبدالکرم صاحب فرید پور (پڑوسی) سے اسے سے سلامانہ  
 ۲۱) جناب ادریس صاحب ادریس پوری سے سلامانہ  
 ۲۲) جناب قریظ صاحب قریظ شکر آباد دلی سے سلامانہ  
 ۲۳) جناب محمد مہدی صاحب قریظ آباد دہلی سے سلامانہ  
 ۲۴) جناب بہت حسن خانبابہ ازبکلی سے سلامانہ  
 ۲۵) جناب ذرا احمد صاحب دریش کٹی سے سلامانہ  
 ۲۶) جناب حبیبہ انصاری صاحبہ ازبکلی فرید پور سے سلامانہ  
 ۲۷) جناب میر محمد صاحب کٹی دلی سے سلامانہ  
 ۲۸) جناب طاہر صاحب کٹی دلی سے سلامانہ  
 ۲۹) جناب سران صاحب کٹی دلی سے سلامانہ  
 ۳۰) جناب ابرار صاحب کٹی دلی سے سلامانہ

(۳۱) جناب بدلی جدر صاحب مادی کی مشہور شے سرائے  
(۳۲) جناب بدلی اشفاق مبین صاحب کوثر قوی کوہر شے سرائے  
(۳۳) جناب شیو برندا صاحب رنگ اندوی شے سرائے  
(۳۴) جناب حکیم موری عبدالرحمن صاحب قلعہ کاغذی شے سرائے  
(۳۵) جناب غلام محمد صاحب قاترہ بھٹی ڈھکی شے سرائے  
(۳۶) جناب غلام رحمن صاحب قاترہ بھٹی ڈھکی شے سرائے  
(۳۷) جناب کوثر قوی مبین صاحب عارف دین شے سرائے  
(۳۸) جناب منوئل احمد صاحب سحر افلاک ڈھکی شے سرائے  
(۳۹) جناب موری مظاہرین صاحب مظاہرہ مادی گود صاحبی شے سرائے  
(۴۰) جناب ڈاکٹر اہوش صاحب اسٹار ڈب برہی شے سرائے  
(۴۱) جناب حبیب الرحمن صاحب کجب آردی مشہور شے سرائے  
(۴۲) جناب غلام ارحمن صاحب سکا جانہ مری دہلی شے سرائے  
(۴۳) جناب عبداللہ صاحب شافعی ٹھکانی شے سرائے  
(۴۴) جناب بشیر احمد صاحب قاترہ بھٹی ڈھکی شے سرائے  
(۴۵) جناب منوئل مال صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے  
(۴۶) جناب بیال محمد خادم صاحب ریس کب جانہ جناب شے سرائے  
(۴۷) جناب محمد حسین صاحب خادم مری دہلی شے سرائے  
(۴۸) جناب محمدی علی صاحب سندھ شے سرائے  
(۴۹) جناب بدلی صاحب مانی صاحب مانی افتاد مری دہلی (بھلی) شے سرائے  
(۵۰) جناب محمد اوس مانی صاحب مانی شے سرائے  
(۵۱) جناب شیخ عبدالرحمن صاحب شتاب دہلی بھاری شے سرائے  
(۵۲) جناب گل خان حسین صاحب شتاب دہلی بھاری شے سرائے  
(۵۳) جناب عبداللہ صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے  
(۵۴) جناب محمد عبداللہ صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے  
(۵۵) جناب بدلی صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے  
(۵۶) جناب بدلی صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے  
(۵۷) جناب بدلی صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے  
(۵۸) جناب بدلی صاحب مری گود وڑہ (سکپنی) شے سرائے



# شعر انقلاب

تم سچ کچھ کہنا، اے اقوام شرق!

مشرق و مغرب میں جو تھا ایک ملکی اتنا ساز  
ہے ملط عالم مشرق پر مغرب کی فضا  
ہوئے محسوس جس سے مغرب و مشرق کا فرق  
مطلع خورشید پر آثار شب چھائے ہوئے  
دفن سب خاکستر ماضی میں ہو کر رہ گئیں  
جس قدر آثار ہیں تو مچی سیاسی مجلسی  
داخلی اسباب ہیں جتنے، وہ سب ہیں متعارف  
وہ خصائص، مشرقی قوموں میں جو مخصوص تھے  
سرے پاک مغربی ہے آج "مرد مشرقی"  
ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں دور تک تاریکیاں  
ڈھونڈتا ہے راستہ اپنا چراغ غیر سے  
وہ خلوص و روح مذہب بھی کہیں باقی نہیں  
درس گوتم ہے نہ اب تعلیم ہے زرتشت کی  
دیس کی دھن ایک مدت سے نہیں گون آتشا  
فی الحقیقت، ہو جو تسکین حقیقی کی تلاش  
اپنی بیرت میں وطن کا رنگ بوسیدہ کرو  
نسخ بدل دو اپنے میلانات و احساسات کا

مشرق تہذیب کا قند ہے اس سے بے نیاز  
ایک سے اطوار ہیں اور ایک سے انداز  
اب نہ وہ میج بدخشاں ہے نہ وہ شام حجاز  
چہرہ ناہید پر بکسری ہوئی زلیف دراز  
وہ روایات کمن، جن پر رہا مشرق کو ناز  
ان میں خالص مشرقیت کا نہیں رنگ و طراز  
ہے زوال مشرق "قصی" کا مغز اس میں راز  
سرخ ہو کر رہ گئے ہیں سب بقدر حرص و آرز  
اے کآین تمدن اب ہے بگناہ نواز  
یہ انھیں تاریکیوں میں کر رہا ہے ترک نماز  
بجھ گئی ہے وقت کی آمدھی سے سج خانہ ساز  
سب ہیں رسمی آرٹھی، دربار، یو جا اور نماز  
کرشن بھگتی ہے، نہ پیر و کاری شاہ حجاز  
مختلف لغوں سے ہے گونجا ہو مشرق کا ساز  
اہل مشرق کیوں رہیں سرگشتہ حق مجاز  
فطرت اقوام ہوتی ہے اسی سے سرسبز  
اور قلب ماہیت سے ہجوم کو حسرت ساز۔

آج سے تم مشرقی اپنے کو کہنا چھوڑ دو

جاؤ مغرب میں بسو، مشرق میں ہنا چھوڑ دو

سیماب اکبر آبادی





# صفحہ جنگ

(نفسانی اشارات)

مانا کہ ہے آج زندگانی بھی گراں  
دانہ بھی گراں جو ادربانی بھی گراں  
ہے عالم ہستی جو غیب بیکار  
ہو جائے گی اک دور تواری بھی گراں

کر کے جنگ و جہاد رہ جائے گی  
دُنیسا یونہی نامراد رہ جائے گی  
افسانے سب بھلا دیے جائیں گے  
لیکن یہ جنگ یاد رہ جائے گی

محکوم ہیں، لعنت دوامی ہے یہی  
مظلم ہیں، وجہ ختم کامی ہے یہی  
بے جنگ نہ ہوئے ہیں عیارہ جنگ  
اور چپ ہیں کہ حاصل غلامی ہے یہی

خوگروہ تسلیم درضا ہیں ہم لوگ  
منجھار اور باب کو غار ہیں ہم لوگ  
آلودہ ابتلا ہیں ادروں کے لئے  
اس دور کے محتاج ہیں ہم لوگ

یہ جنگ کے ہر پہر، اللہ اللہ!  
لاٹھوں کے گئے ہیں ہر پہر، اللہ اللہ!  
آپہوچی ہے آج ساری جناب کو  
اوتھیرے کرم میں دیو! اللہ اللہ!

یونہی شیا، سرخسہ ابتدا تو ہے  
دشمن کی شکست قابل ابتدا تو ہے  
فتح کامل اسے نہ کہئے یہ سہی  
فتح کامل کی ایک نیک ابتدا تو ہے

چرصل اور روز و ملیٹ میں ہم جنگ  
اسٹالین بھی جو ساتھ آمادہ جنگ  
ان تینوں نے اتحاد سے ثابت ہے  
ثقلیت میں بھی آج ہو توحید کا رنگ!

جاپان ابھی جنگ کا دلدادہ ہے  
اور جرمنی اختلاف آمادہ ہے  
عنوان سکون و امن ہے موجود گماہ  
یعنی ابھی صلح کا درق سادہ ہے

کاغذ کھنکھیاں تباہ تک بھی تو نہیں  
نابابی کا کچھ خیاب تک بھی تو نہیں  
کھنکھناتے فرشتے کس طرح فردِ عمل؟  
کاغذ کا بہ خیاب تک بھی تو نہیں

جو کوں پر سر راہ میں لگے جائیں گے  
کہا دوں پر آئیں گے لگے جائیں گے  
دُنیا میں پھر آئے کوہِ دورِ چھری  
پتھر پہ مضامین لگے جائیں گے

یہاں

## شخصیات:-

### حضرت سائل دہلوی

گوشتا پانی تیری فوٹوں پر اٹھانے کا وہ نہ وہ اس قدر باس انگیز بات نہ کہنے  
وہ نہیں جانتے تھے کہ انھوں نے اپنے دہلی فن کار سے جن نین سسٹروں کی بنیاد  
ڈالی ہے وہ مستقبل میں زبان و ادب کے بلند ترین بنار کلاسیک ادا پانی بلدیوں  
سے خاصوں کی ایسی روشنی چھینیں گے جو دوسرے شعرا کے لئے مشکل راہ ہونگی  
یہ تین بنار سے سائل، مجود اور شاعر ہیں۔ آغا شاعر ادب شری مادی دنیا سے  
آٹھ جگہ ہیں۔ لیکن سائل اور مجود ابھی روئی نیم ادب ہیں۔ (اللہ انھیں دیر  
سلامت رکھے۔)

آج حضرت سائل ہی سے شتلق، کچھ عرض کرنا ہے۔ ایک ایسی بلند مرتبہ شجیت  
کو شخصیات کے باب میں پیش نہ کرنا سراسر گناہ ہی ہے۔ حضرت سائل کا نام مرزا

سراج الدین احمد خاں کفایت

ابو الکظم اور غالب خاندانی لقب

ہے۔ ۲۰ شوال ۱۲۸۱ھ میں

پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا

نام مرزا شہاب الدین احمد خاں

اور شافی کلمہ ہے۔ مرزا داغ

نے آرزوہ اور غالب کے ساتھ

جس مشہور شاعر اور ادب فوار

ہستی کا ذکر کیا ہے، وہ حضرت

سائل کے چچا چچا صاحب

ضیاء الدین احمد خاں تیرو

رخشاں فرمانروائے ریات

لوہار ہیں۔ خاندانی شجرہ پر

نظر ڈالئے تو مرزا غالب سائل

صاحب کے والد ماجد کے چچا

ہوتے ہیں۔ مرزا داغ خیر علی

اور اساد بھی۔ پھر غالب نام میں خاں

تیرو غالب و آرزوہ سے پھر لوگ کہا  
داغ اب ہیں یہ غنیمت ہمہ ان دہلی

فیض الملک نے داغ دہلوی کے اس شعر پر شریک بننے میں مصرعے کا کوشش  
ہے ادب فطرت دہلی میں ان کو پہلا  
تیرو غالب نے آرزوہ کے سوت سے جلاں  
نام لیا یہ ترسے آج ہیں مشہور جلاں  
بہ ادب عرض کر دینگا کہ غلط تعبیر کیا  
دہلی کی فصاحت وہی دہلی کی زبان  
تیرو غالب و آرزوہ کو پھر لوگ کہا

داغ اب ہیں یہ غنیمت ہمہ ان دہلی

مرزا داغ نے مندرجہ بالا شعر میں

جس جذبہ کا اظہار کیا ہے وہ صفا

بتا رہا ہے کہ انھیں نے وطن اور

مرکز زبان آرزوہ دہلی کے مستقبل کا

بڑا خیال تھا۔ انھیں اندیش تھا

کہ دفتر داغ کے اہل علم و فن کے بعد

قیام دہلی میں افسوس ہوتا ہے اور

انہی عداوتوں کی دانی اور مصاحف قائم

رکھ سکے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ

تیرو غالب آرزوہ کو پھر لوگ کہا

فطرت نے ان کے نامزات صبح کی

اداس طرح دی کہ تیرو غالب اور

داغ ان کے خاندان سے نہایت آوا

ہا، ایک ایسی شمع فضاں ہوئی جس

دلی کی نظروں کو چمکا دیا اور جس طرح

اہل نظر کو تیرو غالب بھرا آندہ

کی زبان کو کوس نہ ہوئی مرزا داغ



# گشتِ محبت

وہ نہاں اور عالم آشکارا  
مری آنکھیں ہیں بس جلو کا پردہ  
مری دنیا ہوں کا ہے سہارا  
مرا دل اسکے پردے کا اشارا  
نصرت کی تو ہوتے دو رسانی  
بکھ لوں میں مہی کچھ مثلاً تمہارا  
محبت اور کعبہ ناگواری  
گو ارا ہے کعبہ کچھ گوارا  
پڑے ہیں آتشہ دونوں کفر و ایمان  
زیال سے اپنی کچھ کندو خدا را  
بنایا ہے ہمیں جو کچھ بتایا  
تھیں کچھ کندو کیا اس میں ہمارا  
بقدر ظرف دل جو بن جوں ہے  
جنوں ہے اور وہ بھی ہے تمہارا  
جنوں کا جوش جب بڑھتا تھا کیفی  
کہا کرنا تھا مجنوں دل کا مارا

اقر علی جد اسر دیا ربلی  
اقل ذال الدیاس و ذالجد اسرا  
وفا حبت الدیاس شفقن علی  
ولین حب من سکون الدیاسرا

کیفی چریا کوئی

## معلومات

فسرہ مخفل کون و مکان معلوم ہوتی ہے  
غلیت ہے اگر محسوس کر لوں اپنے غلنے کو  
قبض میں ہوں مگر مشق نصرت سے یہ عالم ہے  
ارے ایو یاس کی ماری محبت تیرا کیا کہنا  
نشنائی باہر ہا دل کی کہانی آپ کو لیکن  
مجھے تو ہر جگہ ہنگامہ زار حسین فطرت میں  
خدا جلالت کہاں ہو بخود ہی خون میں سجدہ  
کہیں روح محبت نوحہ خوان معلوم ہوتی ہے  
مجھے تو زینت اک خواب گراں معلوم ہوتی ہے  
زمانے کی ہر اک شے آشاں معلوم ہوتی ہے  
کہ تو نا کامیوں میں کام آں معلوم ہوتی ہے  
ابھی جیسے یہ محبت انجیاں معلوم ہوتی ہے  
محبت ہی محبت درمیان معلوم ہوتی ہے  
جسیں بیگانہ ہر آستان معلوم ہوتی ہے

یہ ہے روداد افتاد محبت، یا غزل قاسم  
ترے ہر شعر میں اک داستان معلوم ہوتی ہے  
قاسم نقوی ایو بریلوی

پریٹ کے گیت "کا مصنف

لا تعاد و شرا سید گئے۔ ان میں فتی بھی ہے اور ہندی بھی۔ ہر کُن سال بھی ہے اور  
نوجوان بھی۔

میں تو اسے مرز میں پنجاب کی عدت آفرینیاں بھی کھینچا کہ وہاں ہر کام پرانی  
ڈگری سے ہٹ کر ہوتا ہے۔ جس کا رویہ، جہت اور دھان آفرینیں جس پنجاب سب سے  
آگے بڑھا ہوئے مگر وہاں ردِ عمل کی جگہ سنجیدہ انقلاب نہیں ہوتا بلکہ بغاوت ہوتی ہے  
اور کچھ نہیں ہو جاتا کہ آئی کی ہرگز۔ از خود اگر کوئی کا باب پہلے آئے تو عمل آئے  
ورنہ دانستہ ابا اقسام نہیں کیا جاتا جس میں خوش آئندگی ہو۔ ہر حال پنجاب کی  
آفرینیں تو قوسوں کے سی طرح انکار میں کی جاسکتی۔ انگریزی وضع کی کتب کی اشاعت  
نئی ترتیب اور نئی راہوں کے تحت رسائل کا نکلنا پنجاب ہی کا مرحوم منت ہے۔  
ورنہ ہمنے دیکھ لیا کہ اب سے چند سال پہلے اور دوسرے خدوین شاعر اور علی کمال  
فرز غالب کا دیوان نہایت دوسری حالت میں چھاپا جاتا ہے جس میں بکارت خدو اب  
دیکھنے کے قریب خیالی ہے۔ اسی ہے اودن کہ پنی کا مطبوعہ مسودہ ورنگین دیوان غالب  
بھی — پنجاب کی ان غلام عدتوں سے انکار کرنا یقیناً احسان فراموشی ہے۔

شروشاہی میں جب عادت پنجاب نے انقلابی دہشت سے کام لیا، ایک طرف  
اقبال نے عبر و فکر کا ثبوت دیا تو دوسری طرف حقیقت نے ریست گیت لکھ کر دل موڑا  
تو نثر کا بکری حرف نظر عثمان نے سیاست کو شاعری میں کو کوئی اور پیدا کی۔ نئی رو  
کے شراٹھے تو انھوں نے جدید شاعری کی ایک بے نیاد دیوار کھڑی کر دی جو بادِ کافان  
کے چھوٹوں سے نواز ہے اور کوئی نہیں کہہ سکا کہ ہمدم جو چاہے۔ پنجاب کے  
فوجان شراب راگ کی شاعری سے گھرے، خوات پرے تھے تودہ حقیقتہً جالبہری اور  
آخر شہزادی ہے حقیقت کے اندلے میں عام طرد پرواں گیت لکھ جانے لگی اور آخر  
کی خیل سے دفائی جذبات کو برآگیتھ کر دیا اور یہی دنگ دنگ دہاں کے فوجان شراب  
گھرے ہو کر رہ گئے۔ پنجاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ دہاں غزل سے بنادہ  
قلم لادق بنا جاتا ہے مگر ایک عالم بے راہ روی کسی مرکزِ طرد پر نہیں پہنچے دیکھ  
تو یں ایک شاعر اپنے مخصوص مقام پر پہنچ جائے تو پہنچ جائے ہر شہ دوامی رنگ  
کسی کے بیان نظر نہیں آتا۔ پنجاب کے شاعر غیر چنگی اور منزل پر پہنچنے سے نہ

اُردو زبان ادب کی زندگی و توسع کے حقیقی وجود اور ہماری نظریں میں ہر وقت  
جن صوبے میں ہو۔ پی۔ پنجاب، دکن، سہارو کبھی اس میں شریک کیا جاسکتا ہے لیکن صوبہ ہما  
کے خدمات کچھ زیادہ روشن اور اعتبار آفریں نہیں ہیں۔ اُردو کی خدمت کے سلسلے میں کسی شخص  
کی خدمت تو نہیں۔ اس لیے کہ تمام سندھوستان کم و بیش اس غلبہ اور عام فہم زبان تک نہایت  
جدا مشغول ہے لیکن جن میں صوبہ کا ذکر ہم نے بطور خاص کیا ہے وہ ہر وقت سب سے  
آگے ہیں۔ ان میں اگر کوئی امتیاز قائم کیا جائے تو پنجاب سرِ فہرست نظر آئے گا۔ پی۔ کی  
اُردو فاضل احمدی اور سعادت بڑی محکم اور پیر ہوں۔ دکن میں اردو کا غلبہ ابھی بھی بڑا ہے  
اور آثار و فنون تیار ہے جن کو وہ سب سے آگے نکل جاتا ہے۔ پی۔ کے ادب اور شاعر کتنے  
بہت مشکل اور بے فہم سرِ جہیں وہاں اب تک جتنے جانتا رہا ہے چمکے ہیں۔ انکی تابانیاں  
تک قائم رہیں گی۔ پنجاب اُردو کی خدمت کچھ اس انداز سے کر رہا ہے کہ دوست  
روشن بھی اس کے اعتراف پر مجبور نظر آتے ہیں۔ نہ وہاں اور دور سال کی کمی ہے اور نہ  
بداختاری کی، شعرا و ادبا بالی وہ بہتات ہے کہ لاکھوں دانہ بھٹکا، لیکن ہے اسے جاننے  
بوجہ کیا جاتے کہ اگر تمام سندھوستان کے ادب اور شاعر ایک طرف ہوں اور پنجاب کے  
بے شمار دوسری طرف، تو ایک جھمک تو ان فہم رہے گا، لیکن صرف اعداد و شمار تک  
مازن محدود ہوگا۔ جو سکتا ہے کہ ہمارا خیال غلط ہو، ہر حال یہاں پنجاب کے ادبا اور  
راکی کثرت دکھائی مقصود ہے اور کچھ نہیں۔ اس کثرت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ظن میں ہیں  
کچھ بار سے غور کیا جائے۔

پہا جب نے اقبال کو پیدا کر کے ادبی اقبال کو کہنے میں نہ کے کہ پائلا اور اس میں شریعت  
دوسرے ہندسے کو کہ قابل بنایا کہ وہاں ذوق ادب جوہرہ پر جوہر علم و فن کی پشایا  
ہیں اور ہمارے خاکین شرواد باپنی نگاہوں سے بوسے دیں۔ یہ کسی کی خوش قسمتی ہے کہ اقبال  
جو بھی دہاں شرواد کا آفتاب غروب نہیں ہوا اور اس نے ظفر عیناں، تحفہ عالم، پیر  
چریں، آئینہ کمالی، مخزنہ الجذہری، میان محمد فیض، غلامہ، تصنیف مبین، غلامہ، زمانہ  
بریں، تیسرے شریعتی، وقار آبادی، شریعت آبادی، رابعہ فیض، عیالام، فرہنگ، شریعتی  
ہم نظر کیا، فتح آبادی، لہسن ظفر، تاجور، سامری، خادم، ناکر، تاجور، فیض، احمد فیض  
غلامہ، شریعتی، حاتم، عیناں، نولک، چند کرم، الحاف، شریعتی، عابد، شریعتی، شریعتی

۱۔ مگر آخر خبرانی پنجابی نہیں ہیں



خاک جانی ایک شہری و جہیز بھی ہے کہ اہل پنجاب ہی واجب تواری یا صوبی ہو کر دیو کو چھوڑ کر  
برکٹ ٹیکس کو سر پر رکھتے ہیں وہاں ہر شاعر ایک دو سال ہی میں صاحب کلمہ ہو جاتا ہے  
خود پھر اسی سلا بند ہی کوئی نہ ہو جائے۔ ڈار بایچا بایچو پڑے ہیں کہ اس کی تعریف میں  
دیر پا نقون ہیں یا نہیں۔

اس مختصر قلم سے ہمارا مقصد پنجاب کے ذوقان شعرا کی تعریف نہیں ہے بلکہ  
یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگر پنجاب علی وادنی اندنی زبانوں سے آغوش نہ کرے اور  
نیم نکت شرک اور چار چار گوش نہ کرے تو اس کے ہاں حقیقی شعرا کی تعداد بہت کافی  
نکل سکتی ہے۔ پنجاب کے جس شہور ادب و ذوقان شاعر کا ہم ذیل میں ذکر کر رہے ہیں وہ  
بھی اپنے صوبے کی عام پسندی سے بہت جلد متاثر ہو گیا۔

”پریت کے گیت“ کا مصنف الطاف شہیدی اپنے صوبہ سے باہر بھی کم و بیش  
شہرت رکھتا ہے۔ اس کی نظمیں اور گیت اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں  
الطاف شہیدی کی شاعری میں قیظہ جالندہر کی کافانی عنصر اور اکثر شہزادی کا روحانی  
تصور شامل ہے اور انھیں دونوں دنگوں کے ثمرات کا اس کے ہاں امتزاج ہے  
مگر اس کے گیت اتنے جاذب نہیں جتنے قیظہ اور دوسرے شعرا کے ہیں۔ ہر حال وہ  
اپنی کوششوں میں ایک حد تک کامیاب ہے مگر اتنا کامیاب نہیں جتنا بعض  
نقادین نے کچھ لکھا ہے اس کی شاعری کے مطلق یہ تین مائیں قابل غور ہیں۔

(۱) الطاف شہیدی کی ایک ایک نظم ایک ایک دیوان پر بھاری ہے۔  
(۲) آج ہندوستان بھر میں الطاف شہیدی کی انقلابی شاعری کا جوا ہے۔  
(۳) الطاف شہیدی محض جدید کے نام ترقی پسند شعرا کو پیچھے چھوڑ گیا۔  
مخدوم بالا قیونل آدا انما باندی بردارالت کوئی ہیں اور بے ساختہ کہنا پڑتا ہے  
”کوئی اتنا نہ جانتے کوئی اتنا نہ ہے“

اس سے کہیں انکار کر سکتا ہے کہ الطاف شہیدی ترقی پسند شاعر نہیں یا اس کے ہاں  
ابھی نظمیں اور غزلیں نہیں ہیں اور ضرور ہیں لیکن ہنوز اس کی شاعری جوش و قیظہ  
احسان، باہر القادی، علی اختر، ساغر اندر و حسن صدیقی وغیرہ شعرا کے پایے تک  
نہیں پہنچی ہے۔ اس کی ترقی نامی اس کا چہرہ فرہادتی ہے کہ وہ مستقبل میں ایک اچھا  
شاعر ہو گا۔ بشرطیکہ وہ بچانہ نظموں کے شاعر نہ ہو اور غزوہ ملک کے ساتھ مادہ شاعری  
پر ہے۔ ”پریت کے گیت“ میں غزلیں بھی ہیں نظمیں بھی اور گیت بھی۔ غزلوں اور نظموں  
میں سلیت کے ساتھ روحانی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روحانی فضاؤں میں

کو مہنا چاہتا ہے۔

وہ آنکھوں میں جب جگہ لے کے گزرتے مرا جی نے دو کا بیونے صدا دی

تجھے ہوش میں آ کے رسا نہ کر دے  
میں ان آنکھوں کی مہیا میں کاہر لے  
ابھر آنکھیں پڑی ہیں خشک و دیراں  
کچھ اس طرح تجھ پر مری آ کے وہ ہے  
آز کوہ گیتی میں بیگ نظریں اُلی سینے میں  
اشک سے تعبیر کہ پانی ہے وہ فضاں  
جانے کہ تو اس بزم میں جانا ہی پڑ گیا  
”پریت کے گیت“ کی نظموں اور غزلوں کے علاوہ اس کی کچھ اور نظمیں بھی  
پیش نظر ہیں۔ ایک نظم ہے ”میرے پرے جہاں“ — چند بند دیکھئے۔

ساتی ام سے حین و جاں سا قیادہر  
گمانی ہوئی نگاہ بکھتی ہوئی نظر  
ساغر اٹھا کہ جو ہم گل ہے شباب پر  
مستانہ آنکھوں کی جواں بھی اس میں ڈال  
میرے پرے جہاں  
کالی گھٹانے بال کبیرے میں مد نظر  
بے نیں میں دلوں کا سوز ہے جوش پر  
غیر ہے تمدانہ عقائد کا ہوش پر

روز جزا کے دم کو اب ذہن سے نکال  
میرے پرے جہاں  
بزم بازوؤں کی بناوٹ یہ دلکشی  
باہوں میں چوبلی کی کھاوٹ یہ دلکشی  
پلوں کی مست تھکاوٹ یہ دلکشی

اس صاف جواں میں نہ زخموں کو کل پہنال  
میرے پرے جہاں  
مادوں ہے تم جو میں ہوں جانی یہ چہنما  
شیخے میں نہیں رہی ہے کوئی دغیر ہمار  
اک لغزش جس کے تلے ہے ہزار

ساغر میں آج میر کے پادے سے دھال  
میرے پرے جہاں



# ظرفِ تنگِ نای غزل

(آل انڈیا شاعرہ مراد آباد منقذہ کم سی ۱۹۳۳ء کی غزل کی اشاعت کیلئے عام طلبہ کی گاہ ہے)

پہر سی انقلاب وقت، تکلیفِ نظر کیوں ہو  
کسی کو این معشاقِ محبت کی خبر کیوں ہو  
نہ ہو مرکز، نہ پھر کوئی کہاں ہو جلوہ گر کیوں ہو  
اگر رستے میں موسیٰ دیکھنے کی ضد نہ کر جائیں  
توجہ پر اسی کی منحصر تاب و تاب دل سے  
گربان گل و دامان لاکھ بھی بنے گلشن میں  
دو عالم کیا مرے اک گوشہ دل میں ہیں سو عالم  
مجھے جلد ہی نہیں ہے اپنی منزل پر پہنچنے کی  
محبت میں نیاز و ناز کے رستے برابر ہیں  
ایسری اور اور ایسی بے بسی، اللہ سے مجبوری  
آئند و عزم میرے کارواں کی شاہراہیں ہیں  
رہ و رہ گھر آلودہ ہیں مجھ سے، وہ مافوق ہیں  
بغیر رستہ کی غم بھی تو ہے دریاں غم نکلن  
سب اُن کے طور پر ہیں منتظر، میں غلطی ڈال میں

فقس میں شام ہو جائے تو ہو جائے، سحر کیوں ہو  
جاں میں ہوں وہاں میرے فرشتوں کا گزر کیوں ہو  
ہم آغوشِ نشاطِ بدہ ہر سو، بنگر کیوں ہو  
تو پھر گھر پر ہو سالانہ سبلی، طہر کیوں ہو  
خدا نا خواستہ وہ حال دل سے سخن کیوں ہو  
مجھی پر التفاتِ موسمِ دیوانہ گر کیوں ہو  
وسیعِ انظار ہوں میں، میری دنیا حقیر کیوں ہو  
بقصرِ جلوہ منزلِ سر جادہ سحر کیوں ہو  
تو دوشِ حق پر کیوں سر نہ ہو اور پاؤں پر کیوں ہو  
کسی نے یہ نہ پوچھا، آج تم بے بال دیر کیوں ہو  
جو ہو یا یوں منزل سے وہ میرا ہم سفر کیوں ہو  
جو پیچھے مجھ سے رہ جائے وہ میری رکھڑ کیوں ہو  
کرم ہو حال پر میرے تو مجھ سے پوچھ کر کیوں ہو  
جاں سب کی نگاہیں ہیں وہاں میری نظر کیوں ہو

مرا ہم رنگ ہے سیلابِ رنگِ عالمِ کثرت  
بغیر اضطرابِ در دُنیا میں بسر کیوں ہو  
سیلابِ کبر آبادی

## تصوّرات

اُمّہ اے دل تصور کی نخلِ سماں  
جاں بجلیاں تھرکتی ہیں بہم  
وہ راہِ محبت ہے، راہِ محبت  
وہ حسدِ جانی، وہ محمورِ آتش  
محبت میں ایسا بھی اک وقت آئے  
بہت دن میں تو ماہِ طہر کا نقوی  
چلو آج تو رو نہ بادہِ مناسیں

جاں چل وہاں سے اُغس کھینچ لائیں  
اُن آنکھوں میں اپنا شبنم بنائیں  
جاں ہر نفس پر قدم و کھائیں  
وہ دن میرے اللہ پھر لوٹ آئیں  
میں وہ بلا میں گرہم نہ جائیں

طرحِ قریشی بنداروی

بہت دن میں تو ماہِ طہر کا نقوی  
چلو آج تو رو نہ بادہِ مناسیں

# اذکار خواتین

۱۲۶۳ھ

## التماس

اور خاندانی قوانین کا احوال تیار کر آیا۔ میرے نانا مولوی منظم الحق المصطفیٰ  
ذی الدین خان بہادر صدر الصدق گویا مولیٰ جگہ ساریہ عافت میں ملی اور  
بعد ان چڑھی آں جناب کے توجہات سے اس کتاب میں شاعرہ بیویں وغیرہ کے  
حال و حال کو بقدر معلومات جمع کیا ہے۔  
باللہ التوفیق وهو المستعان

اختر تخلص ہے نواب اختر محل کا یہ نیک اختر تیمورہ خاندان کی بی بی ہیں  
لکھ کر جو میرا نام زمین پر مٹا دیا انکا خاکبیل خاک میں ہم کو ملا دیا  
تفسیر یار کی نہ قصور مدد ہے کچھ اختر ہمارے دل ہی ہے ہم کو جلادیا  
اختر۔

واجہہ بی بی اختر بنت مفتی ابوسعید مفتی عظیم اللہ بن مفتی عبداللہ بن  
مفتی شیخ عیسیٰ محدث گویا مولیٰ باپ کی ہم کامل کیا۔ فارسی اور ریاض میں خرمو کوں  
فرمانی دہی تھیں مولوی محمد شیب خیر آبادی سے ماہی گئیں۔ محمد شیب بند مولوی  
مخدوم زادے تھے۔

اختر کی ماں کا نام نعمت بی بی تھا جو سادات و مولوی خیر آبادی میں سے  
تھیں۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۳ھ میں فوت ہوئیں۔ خیر آبادی میں دفن ہوئیں۔

(شعر پڑھا نہیں گیا)

اسیر تخلص ہے ایر علی نام ہے شاہ نور الدین دہلوی کے سلسلہ شری گودی  
میں اسیر تخلصات جنائی کے زمرہ میں خوش تفریب ہے

خاک میں مل گئی ہو چسپا اسیر ان کے دل میں بغا ہے اپنا  
اشک کسی شہزادی کا تخلص ہے جسکا مقام دہلی ہے اور ہر طرف  
کالام ہے یہ دوسرا دنیا آتا ہے نہ دل پہلا آتا ہے  
بچے کے کافر تر سا فقط ترسانا آتا ہے

اردو زبان میں ایک قانون کا لکھا ہوا محذرات شاعر کا یہ پہلا تذکرہ ہے  
جو میری نعرے گذرا۔ کتب خانہ بادریہ گویا مولیٰ کرم خودہ حالت میں تھا اسکی نقل کر لی  
جو غلط پڑھے نہیں گئے بجا رت کو بھی کونے کے لئے پڑھا دیے گئے۔ مفتی محمد حسن صاحب  
کے ہاتھ کی تحریر معلوم ہوئی ہے۔ مفتی صاحب چند کتابوں کے مصنف توفیق ذی اسلم  
بزرگ تھے انکا ذکر محمدانہ جاوید حصہ دوم (ذکر حسن) میں ہے اور راقم الطور نے  
بابو بی بی میں اردو اور شاعر کا قدیم مکتوبہ رضائی پریس میں کیا ہے۔ آثار علی  
و علی سے گویا مولیٰ میں ذکر ہے۔

جناب خدیجہ اس گھر کی بیٹی ہیں جسکے یہاں کثیر التعداد علما گذرے ہیں آپ کے  
جد امیر علی طاہر عبداللہ بن توفیق نقادی عالمگیری مشہور معروف ہیں۔ آپ کی والدہ  
کے ناما خانم بی بی حکیم علی بن قاضی مبارک شائع مسلم تھے۔ والد بزرگوار بھی مصنف تھے  
آپ کے قدیم خرمو مولیٰ محمد اسماعیل مداس میں قاضی القضاات کے عہدہ پر سر فرما رہے  
آپ کے شوہر مفتی نور اللہ تخلص آباد اگر وہ تھانہ تاج سنگ میں تھا دار تھے۔  
سفر عمر میں نائب کو قتل رہے۔ مولوی بدیع محمد علی شاہ دلاور جنگ عرف احمد اللہ شاہ  
نواب زادہ چینیائے کین کے مرید اور انکی تحریک کے معین و مددگار تھے جسکا انتقال ۱۳۸۷ھ  
میں ہوا۔ ولگا بہر جلال بنجاری اگر وہ میں دفن ہوئے۔ ہمالستان شاعر تاجریہ مفتیان  
گویا مولیٰ آپ کے سوانحات ہیں۔

## انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

بائشہ حسن جی الہ

اس مہر کی ذات والا صفات ایسی مسبب الاسباب ہے کہ مجھ ضعیفہ ناتوان  
موجودہ الہ بنت قبلہ گویا مولیٰ مفتی انعام اللہ المصطفیٰ خان بہادر صدیقی  
مفتی حکیم فضاہ دہلی و حال و کل مسند نظامت اکبر آبادی کے ہاتھوں شریف

آمر او تخلص جسینی بگم نام کسی پردہ نشین دہلوی کا یہ کام ہے۔  
گرچہ منظر نہ بھی خاندان نشین بری تو مجھے ساکن دیر اندہ بنایا ہوتا  
ہیگم۔ بہرہ گم محل خاص نواب دولت علی صاحب روہیلے والی گوہر شاہ  
ہیں۔

قطعہ

شب بزم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا

آئیں تو لڑاؤں ذرا اس شک فرسے

ہر خوف مرے دل میں ہی باک ہے

نازک ہے زب جاؤ کہیں بارِ نظر سے

ہیگم تخلص مر محمد علی کی بیٹی — بول سن مزا ہیں۔ دیکھتے کہ ہیگم اللہ اللہ  
کس لب و لہجے کو چاہے۔

بہوں سرگبوں کو غبار تو رکھا

وہ ذرا کرے یا نہ کوئی غم نہیں رکھا

اس عشق کی بہت کے جوتے ہوں کہ ہیگم

ہر وقت مجھے مرنے پر تیب لکھ رکھا

بی بی اللہ بندی بنت حاجی احمد اللہ مفتی۔ جو مفتی محمد علی بن مفتی محمد علی

کی زوجیت میں تھیں، پڑھیں کسی بی بی تھیں۔ عابدہ زابدہ پابند موم و مصلوٰۃ

تھیں۔ مفتی عبداللہ یادگار سے تھے۔ سنہ ۱۲۳۰ھ میں انتقال کیا قرآن کی گواہی

میں ہے۔

تو نے چکر دو قدم مردوں کو زندہ کر دیا

اب تو اعجازِ سبحانی ہی کو کر دیا

تو یہ تخلص پڑی بگم زبد مرزا علی شاہ دہلی، آخر عمر

اکبر آباد میں گذاری۔

جدید ہجرا اٹھ کر ہم سب کو دیا اسکو

جانی تخلص ہیگم جان نام نواب قمر الدین خاں کی دفتر نیک اختر تھیں

جو بگمات اودھ میں ہو ہیگم کے خطاب سے سرفراز تھیں۔

نہیں مانگے مرے زخم جگر پر

نہیں ملیں کسی عنوان مرے

جس قدر ہی تخلص عارف بگم نام شاگردہ شاہ نصیر دہلوی کی تھیں جو اکبر شاہ نامی

کے مجددت میں تھیں مرزا تھے۔

نصیر اس نام کا دلیل تو جیسا چاہے

ہماری بات سن کر آواز سے جیسا چاہے

حاکم دہلوی تخلص کسی پردہ نشین مجاہد صحت کا ہے۔  
دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتے نہیں سہی میرا ہی غم سنو اگر ناگوار ہو  
جیسا تخلص مسکری نام ہے یہ عفت آباد لاہور میں انصاری کی پوتی  
محمد علی شاہ مسیحی کی شاگردہ لکھنؤ کی ساکنہ ہے۔ کبھی اپنے مکان فیض آباد

پر بزمِ شاعرہ آواز فرماتی تھی۔

رات کو آئیں گے ہم صاف مویہ ہے

جیسا تخلص نواب جات اللہ بگم نام معروف بہ بھواری بگم بنت شاہ عالم

ثانی شاگردہ شاہ نصیر صاحب۔

شاعرہ بے نظیر دہلوی تھی کچھ ماہ ہوئے سفر آفرت اختیار کیا ہے

نہ کیوں جرت ہو بار بار وہ زمانہ آگیا ناقص

جیسا دھڑکے نہیں طغی راوی نام تو تو کس

حرماں تخلص سیدہ الشاہین مولانا فضل حق منطقی خیر آبادی تھے دہلوی

کی ہیں۔ باپ سے ہی علومِ دینی پڑھے دنیاوی علم میں منطقی بھی پڑھے۔ شکر گوئی کا

شرقی رنگینی تھیں۔ مجھ سے عمر میں پڑی ہیں کی خادی میں بی تھیں۔

کچھ دن ہوئے مولوی سید احمد حسین ابن سید فضل حسین خیر آبادی کی

زوجیت میں آئی ہیں۔ ایک شریا ہے لکھتی ہوں۔

دردِ دل، دردِ جگر، کاوشِ دل کا ہر جاں

اتنے آزار ہیں ادا ایک کیجیے میرا

جیدر سی تخلص جیدر سی خانم نام زوجہ شاد اللہ خاں خواص

شاہ دہلی، چند روز ہوئے شہر میں کی عمر میں عالم جادوئی کو سدھاریں۔

جیدر سی نام ہے تیرا کیا خوب

بی بی علیہ بنت محمد انان بن علامہ ابوسعید بن مفتی علیم اللہ بن مفتی عبداللہ

بن شیخ علی مفتی محدث گواہ تھے۔

بی بی علیہ نواب دکن الدین محمد جان بن شیخ عبدالسمان خاں شہرہ۔

نواب والا جاہ کے خاندان سے تھے۔ ان سے جاہی گیس ان سے حاجی مظہر الحق

الحاصل بہ دکن الدین محمد خاں صدر الصدوق داس پیدا ہوئے۔

بی بی علیہ موم و مصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ ۲۵ رمضان سنہ ۱۲۳۰ھ میں انتقال کیا

بچتا چوہل اگر اسے باؤ کٹھاں چاہیے

چچا کیوں بیٹھے ہو گئے کیوں نہیں مال چاہیے

ذلیل - کبیر باغیہ مرزا سلطان سیکوہ ہمارا ایک شہزادہ لکھا جاتا ہے  
 تم سے اللہ کے اپنی اماں میں تم تو  
 ہم سے ہی بڑوں کو بھی دیوانہ بناتے ہو  
 راجہ - شیخ زادہ کسی ڈاکٹر کی بیٹی ہے نام راجہ خانم ہے  
 الٹی سب گنہ سے پاک کر کر  
 مجھے بھائی جنت کے در پر  
 زہرہ تخلص فاطمہ بنت منی سلیم اللہ کو باپوی مولوی محمد امین  
 فیروز آبادی کو منسوب تھیں۔ فارسی خواں تھیں۔ عابدہ وزاہدہ تھیں۔ مولوی صاحب  
 نے شہزادہ خدیو دلاور کا خوارقہ کی بنی ہوئی ہے۔  
 نوٹ :- فاطمہ صاحبہ نے ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا قبہ  
 نازول میں قبر ہے (حسن)

یہ بھی حاضر وہ بھی ہے موجود لے جان چلا  
 آپ کو کیا چاہئے دل چاہئے جاں چاہئے  
 خورشید نامی سید زادی ناکھدا شہزادی میں لکھا ہے  
 ملے جذبہ دل کیوں کر اجازت دوں میں تم کو  
 ہے سخت کشش تیری وہ ایسا نہ ہوڈر جائے  
 دامن - دامن بگم نام مشہور بہ نواب ہو معینہ نواب نظام الدولہ زوہرہ  
 نواب آصف الدولہ جو سرکار آسمن کی تباری کے وقت فیض آباد میں  
 رونق افروز تھیں یہ شہزادہ کے مشہور ہیں  
 بہا ہے چوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا  
 تری کی راہ سے جاں ہے فاطمہ کا  
 ایسے کم ظرف نہیں ہیں جتنے جاںیں گل کی مانند جدہر جاںیں ٹیکنے جاںیں  
 دن کی فرما بگوانہ وہ زاری سے کٹی عمر کٹنے کو کٹی یہ کیا ہی خوار کی کٹی  
 سلطان تخلص اور سلطان بگم نام دختر نواب محمد الدولہ ہمارا لکھنوی  
 کی تھی جو صاحب دیوان گذری ہے

تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا  
 ملے ہی آنکھ رہ گیا کہ نہ مٹھائے دل

شہزادہ تخلص گنا بگم نام زوہرہ نواب علاء الملک غازی الدین خاں  
 وزیر مالگیر تباری کی ہیں۔ یہ علی علی خاں شش گشتی کی بیٹی تھیں۔  
 میر سوز کے جد بودا ہے سلطان یعنی تھیں اسکے اتحاد پر ندانی فاطمہ خاں

یا اکھی یہ کس سے کام پڑا  
 دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا  
 عندلیبوں کو وہ گلزار ہمارا ہو کر  
 ہم کو یہ سایہ دلدار ہمارا ہو کر  
 یاد پر وہ ہیں ہے اور عیش کو باوی جو  
 نقش پاک بھی میرے دیرینہ پاس کو  
 ضرورت تخلص شرف الدین نام زوہرہ میرزا کو یک نسل مجاہد ہے  
 تھیں سے سرسبز رہے باغ سد ادین بختی کا  
 کئی مدنی ہاشمی و مطلبی کا  
 ضیا تخلص ضیائی بگم نام زوہرہ حکیم اللہ علی لکھنوی یہ شاعر عربی فارسی  
 بر بھی تشرکتی تھیں۔ ناکھدا ہیں سے زیادہ عمر باکر مارم ملک بقا ہو گئیں  
 بلے دجہ و شراب کی منہ میں نہیں ضیا  
 جو ہے ہم نے ہوش کسی بادہ خوار کے  
 عالم تخلص ہے خاص محل نواب امجد علی شاہ کے لڑکے و اجداد علیہ کی۔

جو صاحب دیوان و شہزادی ہیں۔ تار فوب بختی ہیں

عالم وہ طلبگار تیرے ہونے کسی دن

جب تازہ ستم اور کوئی ایسا کر گئے

عزت - تخلص عزت الدین نام وطن نظر تھر ہے

میں اپنی آہ کے تاثیر کے فدا عزت کر دم غیر سے بال اسکو کھینچ لائی کہ

عشرت - تخلص نواب عشرت محل شاہ اودھ کے محل سے ہے

گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی میں وہ ہنل خاک کا اٹھا اور دل گیا

عفت - تخلص نجم النساء نام باشندہ لکھنؤ شاگردہ مقصود عالم مقصود

ہے ہے ہم جوئے جاں جاں تم سے کھڑ جاتے ہیں

مددے ہونے میں غن ہونے میں بھڑکاتے ہیں

عصمت - خزانہ خانم نام شریف بی بی ہیں۔ عربی فارسی کی عالم

ہیں۔ عمر کی پختہ ہو چکی ہیں۔ ناکھدا ہیں۔ باوا جان قبلہ معنی الخام اللہ خاں

وکیل مدد نظامت کے مکان برمنگھم ہیں۔ میری برہہ عزیزہ حمزہ النساء بگم

سکھا کو عربی بڑھاتی ہیں۔ عمومی مولوی نظام امام شہید کی تقریب میں قیدہ

کہا ہے اسکا ایک شعر یہ ہے

در وصف خمیدے کہ خمیدہ است قدم را

کو تازہ زبانم کہ آواز سے قسم را

غریب تخلص اور امیر میں نام منکوحہ میرکت علی ناکھدا کا بگم

گھنا نہ تا بزرگ مسہر ایہ حال  
رہو اسے شہر محمد کو دل زار نہ کیا  
فاطمہ بیگم نامی اگر وہیں رہتی ہیں۔  
انکا شہر ہے

تتمہ  
از محمد حسن متخلص بہ حسن  
نقشہ ۱۳۰۵ھ

نازل نہ داغ وہ ہیں تو جہاں بھی نکلت  
ہم خود بھی ایسے ہیں کہ نمایا نہ جائیگا  
قمر متخلص جدی بیگم نام مرزا جہاں بہت کی بیٹی مرزا محبوب علی قوس  
کی ہمشیرہ فارسی کے شہر بھی کہتی تھیں۔  
(نوٹ) قلاب داد علی شاہ کے محل میں آخر عمر میں ان رہیں۔

۱۲۸۱ھ میں انتقال کیا (حسن)  
انھیں پتھر کے ہو گئی ہیں بنیاد  
کسی بت کی جو انتظار ہی ہے  
قمر متخلص اور قمر النساء نام زوجہ اشرف علی خاں سرود تھیں۔  
کہتے ہیں کہ یہاں بوی میں اسقدر عشق تھا کہ ہر دو آگے چھوڑا ہی ملک بھاگ گئے۔  
جسے لوگ کہتے ہیں خورشید و رخشاں  
نہرا رہے یہ میرے موزن ہاں کا  
کیمین متخلص فاطمہ بیگم نام نصرت الدولہ ہمدانی لکھنؤ کی جھوٹی بیٹی ہیں۔  
سترہ برس کی عمر میں عزیز مراد بیگ کی تفصیل کی بیٹی برس کی عمر میں  
یہ شہر کہا ہے

نقاش نے اس بُت کلمے نقش چھینچا  
ساحد بہنہ پہنچا تھا کہ جو ہاتھ کو چھینچا  
انتقال ۱۲۸۱ھ میں ہوا۔

نظیر متخلص باسم کسی شاعر کا یہ مطلع ہے  
جو تو اجار کے پہلو میں ہماں رہتا ہے  
مجھ کو تنہائی میں پریشان تھاں پہلے  
یا تو متخلص کسی شہزادی نے ایک قطعہ حالت نزع میں لکھا تھا۔ بنظر  
یادگاری درج ہوتا ہے

جست فکر درماں ہے لے اقربا  
مرا تمام غفل و کھن کرکھو  
کہ اب یاد تو یاں سے طے کہ ہے  
تین ذرا سے جاں بچنے کہ ہے

حالات والدہ ماجدہ مسماۃ خدیجہ النساء۔ ان کے والد مفتی انور اللہ صاحب کا  
نکار فضل النساء بنت معظم الحق عرف ذکی الدین محمد خاں ہمدانی فاروقی ہمدانی  
یہ اس کے ساتھ ہوا ان کے بطن سے ایک لڑکی مسماۃ خدیجہ النساء متولد ہوئی انھوں  
نے اپنے نانہال میں تعلیم پائی اور پرورش بھی وہیں ہوئی۔ معظم الحق کے صرف  
دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی مسماۃ نور جہاں بی بی جلی شادی مولوی غلام علی  
جیلانی قساروقی ہمدانی کا لڑکا انھوں نے اعلیٰ تعلیم کے ساتھ  
ہوئی تھی فضل النساء نہایت سلیقہ شاعر و پابند صوم و صلاۃ عابدہ زاہدہ تھیں  
بیت کرم میاں صاحب گلرامی سے کی تھی۔ آپ کی نماز کبھی خضائی نہیں ہوئی۔ آپ کے  
بطن سے خدیجہ النساء معصنہ مذکورہ پیدا ہوئیں۔ اسکی شادی محمد نور اللہ ولد  
مفتی سلیم اللہ کے ساتھ ہوئی۔ بی بی فضل النساء نے ۱۶ جلدی لادولہ لکھنؤ کو انتقال کیا  
ان کی قبر پائین قبرستان پنے پاپ مولوی معظم الحق ہے۔ بی بی خدیجہ النساء بنت  
مفتی انور اللہ صاحب مرحوم نہایت سلیقہ اور فارسی کی تعلیم یافتہ تھیں  
انھوں نے اپنے نانہال میں اپنی ماں کے نقل و ماطت میں پرورش پائی تھی اس کے  
بطن سے دو لڑکیاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ایک لڑکی حالت صغیر سنی میں ہی  
مر گئی۔ ایک لڑکی مسماۃ بنیر فاطمہ اور ایک لڑکا محمد حسن (مفتی محمد حسن) پیدا ہوا  
مسماۃ بنیر فاطمہ کی شادی محمد بقار اللہ خلیفہ مولوی محمد کبھی خیر آبادی سے جو  
بطن بی بی عائشہ بنت سلیم اللہ سے تھی ہوئی۔ انھوں نے مسماۃ خدیجہ زوجہ مفتی  
نور اللہ صاحب عارضہ دیا بیٹس میں مبتلا ہو کر قریب ہلاکت کے پہنچی انکی ماں  
مسماۃ فضل النساء بی بی بنیدہ جاب تھیں انکی تیمارداری اور دوا معالجہ میں بہت  
کوشش کی تمام اپنی کائنات فزع کی مگر صحت نہ ہوئی آخر کار ۱۴ صفر ۱۲۶۳ھ  
میں آپ نے انتقال فرمایا۔ مروجہ کہ انہاں سے جنس کی بے اعتنائی کا نہایت حدیہ  
تھا۔ مروجہ کہ اپنے نانہال کے قبرستان میں یعنی باغ معظم الحق ذکی الدین محمد خاں  
میں پائیں رہے ذکی الدین محمد خاں صاحب کے مدفن ہوئیں۔  
باغ دفاتن انکی ہوں ہے والدہ ماجدہ ستر کردہ در کینزے فاطمہ با دنا بیخا و جب  
خوش گفتیم

محمد حسن خلیفہ زیبا دادا

۱۲۶۳ھ انتظام اللہ شہابی

# تاج محل

کیا کچھ سبق آموز ہیں اسلاف کے آثار  
وہ قلعہ احمدیہ درخشندہ عمارت  
وہ اکبرؑ اعظم کا محل تعمیر جاگیر  
وہ مقبرہ شاہ ہمایوں کا نظارہ  
بچد وہ مساجد وہ معابد وہ مقابر  
اچھی ہوئی دہلی کے کھنڈر انہی دہلی  
یہ تاریخ و متوجہ کا پُر درس نظارہ

اور سلطنتِ اجداد کے شاہ در و دیوار  
اس تیرہ زین پر عجب انسان کا لٹا  
وہ مسجد دہلی وہ کمالات کی تصویر  
آخر میں ظفر نے جسے سمجھا تھا سہارا  
گذری ہوئی تاریخ کے پار یہ دنیا تر  
یہ دوسری عظمت ہو گیا اور وہ پہلی  
عبرت کا سبق گنبد دیوار و منارہ

خدا داب درختوں میں دُپُر نور عمارت  
سبزی میں سفیدی کا عجیب یک رنگ ہے  
قوار کو ہیں باہق فرشتوں کی تھلاریں  
خوش ہوئے جو بہتے ہیں رحمت کی پھولیں  
اک جلوہ معصوم سے پلٹے ہوئے انوار  
اور مکی ہوئی رات میں فردوس بدل گیا  
ہر گوشہ تاریک کمر و حویلی کی عمارتیں  
اک سخی عبت چاند نیل کا مائل  
وہ منزلِ بَراں ہو گیا شاہ کا محبوب

نغمہ بر اک خوب ہے سخی بدل ہے  
ہیں یوں تو سخی شان میں غفلت میں بابر  
وہ شوکتِ اسلام کی آنندہ علامت  
وہ حُرمِ مجسمہ مودت کی نشانی  
وہ قلبِ حزیں رُوح پر آلام کی دُنیا  
وہ حُسنِ مکمل و وہ جلال کی جدت  
اور یہ خلک سعد پر اک نجمِ سادات  
اک سیکلِ اخلاص و وفا نقشِ محبت  
وہ رعبِ مکن گنبدِ اربعین و منارہ  
نقاشی دلکش بھی عجیب رنگ و رنگیں  
نرمندہ کین مانی و ہزارہ بن ہے

اور سب میں جو تیار ہو وہ تاج محل ہے  
دل میں جو سما جائے وہ تاج کا نظارہ  
اور الفت و اخلاص کی پابندہ آفتاب  
وہ زندہ جاوید محبت کی کہانی  
مفتوحِ محبت شدہ ناکام کی دُنیا  
وہ صنعتِ انسان کے کمال کی فحش  
اک جوہرِ نیکتا در در بآئے لطافت  
اک نقشہِ الہام خدا پیکرِ الفت  
کمزوریِ اباں کے وہ مضبوط سہارا  
مرمیہ وہ گنگاری صد بارہ سنگیں  
ہر لوحِ جہر سنگیں تازہ جس ہے

مرمیہ یہ سنگ سے لکھا ہوا قرآن  
تثلیث کے ہاتھوں میں توحید کی آیت  
ظاہر میں یہ دیوار و دروازے ہیں مومن  
ہے مبرہ خواہد بھی انشا بھی چاہیہ  
ہے بس فقط اک تاج جو ظاہر میں نکلت  
ہے نور کناں سلیم مغلوب یہ ہر دم  
جو رکھ نہ سکا اپنی حفاظت میں امانت  
کیا پھر کبھی چلے گا مسلمان کا ستارا  
چھائی ہوئی ظلت میں کبھی گڑا جلا

ہے لوحِ مساوات کا اک عکسِ رخسار  
نفسے میں نصاریٰ کے سما کی روایاں  
باطن میں مگر گردشِ آیام سے پرورش  
انہل بھی چُپا درد و دیوار بھی چپ ہیں  
گو یا بھی ہو غموش بھی اور ظلم و جملت  
چھینی ہوئی دولت پر جو کڑا نہیں قائم  
اور قصہ ایسا رہی ہی کر کے خیانت  
کیا ہند کے ہم ہوئے پھر اور ہند تارا  
کیا حُسن بھی تاج کا پھر ہو گا دوبالا

۔۔۔ (محمود علی خاں) (بہاول) ۔۔۔



# وفا ناشائس

اُس کے گلے کے کونج کو دو بالا کر دیا تھا۔

خام کو بے سورداس دیر سے کی طرف چلا تو بھکی نے اُس کی لاشی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سورداس آج جیسے جوانی جہاز پر سوار تھا، منگل داس کے پیچھے میں آج کی تمام سورداس کی خوش قسمتی کے تذکرے میں فرق ہو گئیں۔ اس تذکرہ میں خوشی اور حسد کی دو تہیں تھیں اور خوشی کی ادیب نے حسد کی۔

اُس نے اپنی نیم آئین کی تیب سے دن بھر کی کائی نکال کر بھکی کے ہاتھ پر دے دی۔ ”لے ذرا گن تو کھٹے ہیں؟“

”پورے دس آئے ہیں“ بھکی نے انی بیوں کو گن کر خوش کے ساتھ کہا۔  
اور سورداس نے اس خوش پر ہنس کر تے ہوئے اس فقرے کا اضافہ کیا،  
”ہے بھکوان روز تو مشکل سے آئے دو آئے ملے تھے آج تو بری بڑی دیباہت اور اُس نے ٹوٹی کر بھکی کا منہ چوم لیا۔

(۲)

صبح اٹھتے ہی بھکی سورداس کا ہاتھ تمام کر چوڑا ہے پر چھوڑ جاتی۔ پہلے نوڈ کو تمام راستے پر کھڑے کرنا پڑتا تھا۔ وہ ٹوڑے سا نیل، وہ ٹانگہ، بائیں طرف، دائیں طرف، ٹوڑے ہو چلا۔ ”لیکن اب بھکی نے اسے راستے کی فکر سے آزاد کر دیا تھا، وہ بھکی کا بچنا اور گڈا زہاد تھا۔ اُس کے خیال میں غرق چلا جاتا۔

چوڑا ہے پر پیچ کر بھکی اپنی اُٹل سے پوری کا ایک ٹکڑا نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ اُسے درمی کے ایک چھوٹے سے گھر سے ڈھک دیتی۔ سورداس اس آسن کا چھو کر ہاتھ پیشانی سے لگاتا اور دینا گوہال ”کہہ کر آسن پر بیٹھ جانا، بھکی کو ہاتھ نہ ٹوٹا اُس کے گواہ جسم کو چھنے سے اُس کے دل کا ایک خاص کیفیت دوسروں کا حال ہو گا۔ اُس کے سرخ ہونٹوں پر ہنس کی لہریں دوڑ جاتی تھیں۔ اور وہ اپنے ناشائس ہتھ پر قابو نہ پا کر زود سے چلا پڑتا۔ آ نکھیں دالو اس اندر سے کی طرف بھی دیکھتے جانا۔

”ابھی آج کیا بناؤں تمہارے لئے؟“ بھکی پوچھتی  
”جو تمہارا جی چاہے مجھے تو تمہارے ہاتھ کی ہر چیز بھی معلوم ہوتی ہے۔“  
”بس گلے نہ مجھے نہ ملنے“

جس وقت بھکی نے بھیک منگوئی کی دنیا میں قدم رکھا، وہ اس کی زندگی کا ایک یادگار دن تھا۔ رام دین پیدائشی اندھا تھا۔ چوتھی جوانی، بھرا بھرا، اور بچانگ اور نگے کی نسبت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کلا چوڑا زہاد ہو تو سورداس بچ گیا، وہ وہی چوڑا دے کے چوڑا ہے پر درخت کے نیچے بیٹھا اور صبح سے شام تک اُٹھا رہتا۔ اُس کے گلے میں کچھ ایسا درد تھا اور اُس کی جہم کٹھالی میں کچھ اس طرح سا تپ رہا تھا جو گھٹے کے بڑے بڑے بچوں کی انگلیاں بھی اسے دیکھ کر جب سے ٹکرا جاتی تھیں۔

اندھے کو دیکھتے ہی نہ جانے کیوں بھکی کا دل بے اختیار اُس کے جانب کھینچ لگتا وہ آہستہ آہستہ شمشیر ہوتی اُس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

”سورداس! تم کہاں رہتے ہو؟“  
”مائی بھکاری کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا ہے، بھگن منگل داس کے باغیچے میں پڑا رہتا ہوں اور یہی بہت سے شگن وہاں رہتے ہیں۔“

”نیکل یہاں کون چھوڑ جائے سورداس؟“  
”کوئی چھوڑ جائیگا، مائی اور کون لے جائیگا۔ ٹوٹا ٹوٹا صبح آجاتا ہوں اور یہی صبح شام کو چلا جاتا ہوں۔“

”اے اے جو کہیں ٹھوکر لگ جائے؟“  
”ٹھوکر کھانے کے لئے تو اندھے پیدا ہی ہوتے ہیں مائی۔“

”ہائے ہائے تم ایسی باتیں کہیں کہتے ہو سورداس؟“  
بھکی کا دل جذبہ بردہ دی سے بھر پڑ گیا اور نہ جانے کب اور کیسے اُس کی دایاں ہاتھ تو داس کے گھر سے ہوتے ٹھٹھہ پر جاٹھا، سورداس کے بال بال پر پیچے ایک خیریں لہزش طاری ہو گئی اور بھکی کے دل میں بھی جیسے دلوں کی سولی ہوئی ایک مضطرب نشانی پیدا ہو گئی اُس کا جسم غیر ارادی طور پر کھسک کر سورداس کے اور بھی قریب ہو گیا۔ اب بھکی کا گھٹن سورداس کے گھٹنے سے ملا ہوا تھا اور اُس کا ہاتھ آہستہ آہستہ سورداس کی کمر پر لڑیاں سی دے رہا تھا۔

”آنکھیں دالو اس اندھے کی طرف بھی دیکھتے جاؤ۔“ سورداس وہ دھوکا پانا یہ نورد لگائے جاتا تھا۔ آج اُس کے دل میں جو اُٹنگ مریں ماریں تھیں اُس نے

یہ لکھ چکی تھی کہ اس کا اختتام کرنے کے لئے باغ کی طرف لوٹ جانی اور جو رہا ہے کے دوسرے کے پاس پہنچ کر ایک بار دیکھ کر سو رہا اس کو دیکھتی ہو سو رہا اس کی آواز دہرے تک اس کے کانوں میں آتی رہتی۔

”آنکھیں والواس اندھے کی طرح بھی دیکھتے جانا“

ادھ بھکی کا بال بال کہنے لگا کسی ریل آواز ہے سو راس کی اس کی نگاہوں کے لئے سو راس کے اٹھ کر ہوئے بازوؤں کا نقشہ پھر مٹا دو رنگیں تصورات کے سیلاب میں تیرتی ہوئی بالیسے میں سمجھ جاتی۔

”لوکھانا کھالو سو روڈ اس تہارا تو پھلتا چلتا نکال دے گا ہر گالک بکھے ہو گئے ہیں جبکہ نیچے دونوں وقت حرام کا کھانا ہے لیکن اگر ان کو ایک روز بھی پہلا بیٹھا پڑے تو نہ چلا کر جب تک کی روٹیاں کیسے ملائی ہیں؟“

جھکی کی ایسی ہی دو ایک مثبت آئینز مانوں سے نورِ داس کی ساری تسکین  
دُور ہو جاتی۔

ہاں جی تو مجھ کو اس بات کی ہے کہ راجہ بھون کے محل میں بھی نہ بنتا ہوگا۔  
مگر وہ تو تیار وہاں کم گرم گرم کیسے لے آتی ہے؟  
جی کبھی سورہ اس کی پیاز بھری بائیں سن کو شربت کے دریا میں ڈھونڈو۔  
نہ نہ گنتی۔

”گرم گرم روٹیاں اسی طرح لپٹ کر دوسری پہلی پہلی آتی ہوں“  
سودا داس کی بے خود آنکھوں میں گرم گرم روٹیاں لپکے دوڑتی پہلی پہلی  
کی تصویر پھرے لگتی۔ جھکی اپنے آپ سے نکلا جھکی اندر سودا داس خوش خوش کھانا  
کھانا۔

”کیوں سو رہا اس شہروں میں جس کو دیکھو وہی لاٹ صاحب بنا پڑا ہے آخر ان کو اتنی دولت کہاں سے ملتی ہے؟“

سوردا سنے اپنے تجربات و فائزات کا انہار کیا۔ یہ لٹ صاحب نہیں جاؤر  
ہوتے ہیں۔ جاؤر۔ کبھی سوائے نصیحت کرنے کے بھکاریوں کو کیا کبیب دینا و ام  
گئے ہیں۔ میری نوکھ میں آنا بھکی کہ کب پڑانے خیال کے و عمل اور نیک انسان  
میں دینا جس نہ میں نے قوم لاکھوں بھکاریوں کا کیا ہو گا؟

میں نے بھی یہاں بھگوان پت بھروسے ہی۔ جب مندر میں پہنچا ایک بے نور

ایک روز بھی نے سوچا کہ اس کے تم کو تو میں کہہ کر دے اور اسے پریشان کر دوں  
 دو بار اُس نے دل ہی جانتے کہ کھانے پینے کے بعد چار بیسے بیج کھائے تو کام آئے  
 معلوم نہیں آندہ کیا حقت آئے؟

سعد داس نے کہا: بھلی، کیا ہی دقت آئے میں جو پہلے اپنے بیٹے جی  
 بھلا میں تجھے جہاد پر بھیجے دوں گا میری دانی؟

بتہ نہیں جھکی اس مخاطب کے بعد رانی غمگین ہو گئی۔ لیکن خود کے راجہ ہونے کے احساس سے سوہداس کا دل بہر نہ بہرت ہو گیا۔

”ذرا ایسا ہمت تو لانا، بھئی“

بھکی نے اپنے اپنا ہاتھ سور داس کے سامنے کر دیا۔ سور داس نے چپکے سے اس پر دو پیسے رکھ دیے۔

”جا اپنے لئے وہی لٹنی جانا“

جھکی نے پیسے واپس کرتے ہوئے کہا: "میں اس طرح دھندلا رہی ہوں  
 کہ دنگلی تو کتنے دن گزرتی ہے مگر کچھ نہ کوئی نیا بات بھی ہے۔ سارا دن  
 گھلا جھانڈے میں کھڑی رہ کر دنگلی بچے کو ہل ہل توجہ دیتی رہی ہوں۔"  
 پیسوں کو اس کی منجھ میں دبا لے ہوئے سورا داس نے کہا: "جا جا دنگلی کو  
 ججنا چاہے تو طائی کی روف نیکو رکھا لگو۔"

جھکے اپنے دل میں سوچا تو یاس کوئی جگہ نہ ہو جس کو وہی چاہتے  
تو ملائی کی ہر طرف لیکر کھا لوں۔

دونوں سے نہیں پڑی۔

(۲)

”مائی باپ بھوک کو ایک پیڑ دیتے جانا کسی سیپلے گینت کی طرح خبریں  
ادگدا اڑدے جیڑا ہاگنچ اٹھا ادراس نی آواز کی لہروں کی سورداں کو  
ایسا محسوس ہوتا ہے۔“

یہ کہانی سی کون چلا رہی ہے جھکی؟  
 جتنی لاپس کو گھنٹ پر ہی ہے عینک مانگنے کی عادت پڑ گئی ہے کسی  
 کو دھڑکی رہی ہے نہ انکھوں کی مالک نہ جانے۔

سورہ اس حدیث کا مضمون میں گہا اور دیکھ کہ آواز گونج جاتی "کہنت بری

ہے اس لیے کہ جس قدر ان کے لیے ہی کو مل سکتا ہے کہ ان کے لیے



سور داس اور پری دونوں ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں۔  
اب چور ہے سور داس اور وہ پاس ہی پاس بیٹھے ہیں اور کبھی بکڑا  
آواز لگاتے تو کبھی دھنسی بھکارن، آجکل اس جوڑی کا شہر بہت چوچا  
اور دونوں کو فوب پیسے ملتے ہیں۔ اب بھی اسی چور ہے پر بیٹھے گئے ہیں لیکن  
وہ کسی سے کچھ مانگتی نہیں بڑے بڑے جو کچھ مل جاتا ہے لیتی ہے وہ روز بروز  
سوکھتی جا رہی ہے وہ سا فرود کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیتی ہر وقت  
سور داس اور نئی بھکارن کو دیکھتی رہتی ہے۔ کون جانے اسے پٹ کی آگ  
لے آئی ہے یا جذبہ رنگ و رنگ باجبت — محمد صابر ضبط کلکتہ

سور داس کی مردانہ فطرت بھی جاگ اٹھی۔ اُس نے ہاتھ چلاتے ہوئے  
کناٹا سے بیاں برسے ساتھ معین بننے کی ضرورت نہیں ہے جا کر کسی  
دراغ محل میں آ رہی اندھا بکڑا۔ اور ہاں برسے ٹھوکریں کھانے کی بات تو بگھے  
یا دہری، لیکن یہ بھی یاد ہے کہ اس وقت تو پیسے کی صورت کے لئے ترستی تھی  
جو تلوٹ کر بھی مینوں سے ابھا ہوا تھا وہ آج ٹوٹ کر بالکل ہلک ہو گیا  
دوسرے روز جب چھٹی کھانا لیکر چور ہے پر آئی تو اُس نے دیکھا پری اور  
سور داس دونوں ایک ساتھ بیٹھے دوٹی کھا رہے ہیں۔ سور داس نے اُسکا  
کھانا واپس کر دیا۔ چھٹی جب شام کو سور داس کو لینے گئی تو اُس نے دیکھا کہ

## فسوں گری

مراد دل ہے آئینہ ازل مرا نطق لغتِ برتری  
مری شاخِ حسرتِ آرزو نہ بہار میں بھی ہونی ہی  
تری بزمِ ناز میں دوستوں بھی دشمنوں کو ہے برتری  
تو ترے گداؤ غیو کے قدم آگے چومے تو نگری  
ہے مری نمازِ طوافِ دل کہ یہی ہے میری قلندری  
میں دکتِ یاسِ سید ہوں کہ نہ دیکھی جس نے کبھی تری  
انھیں سب اودھ جو کہیں مرگ ہو تو ہے خود مری  
مرے ذوقِ دردِ پند کو یہ نگاہِ لطف ہو سر مری  
نہ ہو عیب جوئی سبے بصرِ نظر ہنر سے ہو جو مری

میں فرازِ پردہ راز ہوں مرادِ زمِ فسون گری  
مرے اختیار کا جبراً یہ ہے گلستانِ حیات میں  
نہیں نیک بد کی تمیز کچھ تر اختیارِ عجیب ہے  
تو جو آستان پہ بھٹکا کے سر نہ کرے کسی سے کچھ التجا  
مراد دل جو کعبہ آرزو مراد دل ہے قبلہ دو جہاں  
جو یہ پیک ابر نہ آئیں گامچھے کیا خزاں میں تائیں گامچھے  
گلہ جفا یہ ہر زلزلہ ہے سکوتِ لازمہ ادب  
مجھے آشناؤ غم جہاں جو کیا بھی تو نے تو کیا کیا  
تو نے حکمت چیں جو ہے دیدہ ورتو تلاشِ نقص در گذر

یہی ذوقِ حاصلِ عمر ہے یہی شوق ہے ابدی مرا  
یہ نہ پوچھ کب سے زعمیم تو ہے مجھے مذاقِ سخنوری  
زعیم بنگلوری

# سادگی و پرکاری

رکنِ مستِ انگڑوں سے سے آج میں پی ہے  
 برقِ نگاہ اُن کی کیسا کام کر گئی ہے  
 محزون ہے بُج و غم کا مدفن ہے حیرتوں کا  
 اب اور کیا بہت اُلوں انجامِ عاشقی کا  
 ہر ہر ادا پہ انکی دانستہ مٹ رہا ہوں  
 اب کیا مریضِ غم کا تم حال پوچھتے ہو  
 بھولا ہوا ہوں خود کو اس درجہ بخود ہی ہے  
 اتناک نفسِ نفس میں بجلی سی کو مندی ہے  
 کہتے ہیں جسکو اناں تصویرِ بیکسی ہے  
 بربادیوں پہ دل کی حسرت برس ہی ہے  
 وہ انکی شوخیاں ہیں یہ میری سادگی ہے  
 اک سانس آ رہی ہے اک سانس جا رہی ہے

اچھا نہیں ہے رسوا چھپ کر گناہ کرنا

ایسی بھی ایک شے ہے جو چھپ کے دیکھتی ہے  
 رسواِ مظلومی والی باجوڑ (کاٹھیاواڑ)

## دعوتِ نظر

مفت گزار ہوں ستم روزگار کا  
 رہتا ہے جیسے تاروں سے مموڑا سما  
 تشنہ لبانِ حن کو ہے دعوتِ نظر  
 منزل ہو دُور باتوں میں (جو ہیں گم)  
 صد شکر دل کے ساتھ دیا سوزِ مدِ حن  
 اللہ سے حن یا تیری سحر کاریاں  
 ٹوٹا طلسمِ ہستی ناپائدار کا  
 منظر وہی ہے میر دلِ اغدار کا  
 اُٹا ہوا نقاب ہے صبحِ بہار کا  
 حافظِ خدا ہے الیہ غریبِ لدیار کا  
 جھکوا رہا نہ کوئی غم روزگار کا  
 نقشہ بدل دیا دلِ اُمیدوار کا

میں کشتہ جمالِ جہاں تاب ہو شرف  
 ہر ذرہ آفتاب ہے میرے غبار کا

شرفِ جونا گڑھی

# مصرعہ

کی آمیزش سے خط و خال کی ترتیب اس معانی کے ساتھ نمایاں کی گئی ہے کہ دیکھنے والے کو اہل اور عقل میں تیز کرنا شروع ہو جاتا ہے۔

جو کہ قدیم مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد قبر میں پھر زندہ ہو جاتا ہے اور اس کو ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جسکو وہ اپنی دنیوی زندگی میں استعمال کرتا رہا ہے۔ اس لئے وہ اپنے بادشاہوں کی قبروں میں وہ تمام چیزیں رکھ دیتے تھے جو ان کے لئے لازماً حیات میں لہذا طوطاں کو ان کی قبر میں اس کا تمام ذاتی سامان بایاگی، فوغلیوت لکھے، نقش ترقی مکان، موسیٰ اللہ علیہ کی قبر میں اور بنیاد درستی چھبیز یہ تجویز دہ زندگی میں محبوب رکھا تھا۔ ایک مصری نوکر سے میں نہایت خوبصورت طریق پر غلاموں کی تعویذیں بنائی گئی ہیں اس لئے کہ قبر میں لے کر قبہ مرے والا زندہ ہوگا تو سب بھی اسی کی طرح زندہ ہو جائیں گے اور اس کی خدمت کریں گے۔

تخت ٹاپی سوئے کاہے جس میں نہایت قیمتی جواہر جڑے ہیں، بالکل نئے تمام پرقرے سے رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے دونوں طرف دو پرہب عقابوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں جو بطور سنسری کرشمے ہیں بعض قبروں سے بچنے کے ہونے، کھولنے گویاں اور چھٹی چھٹی لکڑی کی بنی ہوئی کشیاں باندھ دی ہیں۔ بچوں کی قمی کی ہوئی لاقین بسی صبح و سالم نکلی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اب بول نہیں سکتی۔ اکثر عہدوں کی تصویریں ملی ہیں جو ناز و آدا سے میٹھی ہوئی ایک مرتبان سے خوشبوئیں نکال کر بالوں میں لگا رہی ہیں ان کے قریب ستارہ، مارگلہ اور دیگر امانت موسیقی رکھے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے قدیم باشندے فن موسیقی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ لیکن عہدوں کی تصویریں جن کے سامنے بائیں اور قلم رکھے ہوئے ہیں اور وہ کسی اہم معنوں کے لکھے ہیں مصریوں نے دکھائے گئے ہیں۔

**عہد فراعنہ میں کاغذ موجود تھا** لیکھی ہوئی کتابیں دستیاب ہوئی

ہیں جو اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ عہد فراعنہ میں کاغذ موجود تھا اور اس پر لکھی ہوئی دوسری دیگر مصری تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ

فراعنہ مصر کے معبودوں سے جو نادر ہتھیار اور تحریروں پر آمیز گئی ہیں ان سے بہت کچھ مصریوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ علمائے آثار نے بڑی تحقیق اور غور و فکر کے بعد ان قدیم چیزوں سے اتنے واضح اور مفصل حالات ہم پہنچائے ہیں کہ آج ہم کئی ہزار سال کے بعد بھی قدیم مصریوں کی زندگی اور ان کے طرز معاشرت سے اچھی طرح واقف ہو سکتے ہیں مصر کے شمالی حصے میں شاہان مصر نے ٹھکانے بنائے اور اس کو آستانہ دار بنایا تھا کہ تمام مذہب دنیا میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ ٹھکانے کے دورہ دار سے جو نہایت کشادہ اور بلند نظر آتے تھے اور دیکھنے والے پر اپنی بہت و شان کا لکھ بٹھا دیتے تھے۔ اپنے اپنے بے شمار عاقلانہ مند، رنگ بند کے بلند اور فزول مکان دیکھانے کے لئے اسے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ رنگ و نور سے منظر آتے تھے۔ شہر سے باہر ٹھکانے کے دورے کے غاصب پر دو فلک و س مندر بنائے گئے تھے جو طرز تعمیر کے لحاظ سے عجوبہ و دھڑا راہ مصریوں کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ یہ دونوں عمارتیں بلند اور مضبوط ستونوں پر قائم تھیں درمیان میں بڑے بڑے ستون لکھے ہوئے تھے۔ دروازوں پر سنسری نقش و نگار تھے اور فرش چمادی کو بنایا گیا تھا جو صنعت مصری کا تخیل شامکار تھا۔ شہر تعمیر کی سنگین عمارتوں، مندروں اور بلند میناروں کے کھنڈرات ان تمام حقیقتوں کی ناقابل انکار شہادتیں ہیں۔

ان دو مندروں اور بائیں مندروں کے پچھے اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں جن کے دامن میں ایک نہایت برفضا وادی ہے جس میں فطرت نے ان کی روح و فکر کے لئے سکون آرام کے تمام فیضان، اسباب ہیا کو دے دیے ہیں۔ اس میں فراعنہ مصر کی قبریں ہیں جو مضبوط چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر بنائی گئی ہیں ان میں سے بعض قبریں کھود دی گئیں جن میں سے بہت سی ایثار و یاد ہوئی ہیں۔ حقیقتاً ہی مصر کی تاریخ قدم کو مرتب کرنے کے لئے مومن عہد حاضر کی صحیح اور حقیقی مددگار ثابت ہوئی ہیں۔ ایک قبر میں سے تین سنسری لکھن اور فرعون طوطاں کو ان کی قد آدم تصویریں پائی گئی ہیں۔ قدیم اہل مصر نے مصریوں میں ایسا لکھ رکھتے تھے کہ ان تصویروں کو دیکھ کر اس عہد کا معتقدان کے اہل فن کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ طوطاں کو ان کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ انکے ہاتھوں میں چابک اور عصا تھی نشان میں مختلف رنگوں

اس معنی میں بیاباں میں "درفت سے کافہ بنایا جاتا تھا۔ اگر بڑی لفظ" پیر" اسی سے نکلا ہے۔ یہ بودا مصر کی دلدلی زمینوں میں ہوتا تھا۔ ایک اھدلی نہ کو کاٹ کر اس میں سے ایک تہل چھل نکال لی جاتی تھی اور اس میں کئی جھلیوں کو اوپر نیچے رکھ کر چوڑا یا جاتا تھا اور کافہ کو کافی ٹوٹا بنایا جاتا اور بعد میں جلن وغیرہ سے دبا کر خشک کر لیا جاتا تھا کھنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب صبح بھر جانا تو دوسرا کافہ اُس کے نیچے جوڑتے اور اسی طرح کے بعد دیگر بہت سے کافہ جوڑ دیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ۵۰ انٹ کا لبا بھان سا بن جاتا تھا۔

**رسم الخط** عام طور پر وہ خط مصری دانہ تھا مگر بعض تحریریں ایسی بھی پائی گئی ہیں جن سے یہ ظاہر ہے کہ کچھ بزرگ اور قدس وغیرہ نشانات تھے جنکے ذریعہ سے مفاد و طالب کو ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا۔ درحقیقت ان میں ہم نشانات کو بھی خط مصری ہی کی ایک دوسری قسم قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں تو ایک خاص تصویر صرف کسی ایک لفظ کے سوا کے بناوی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں جب فن تحریر نے کچھ ترقی کی تو ایک تصویر جزو لفظ کے لئے استعمال ہونے لگی یعنی اس صورت میں ایک لفظ کی تصویروں سے بنا کر بنایا جانے لگا۔ مفہود یہ ہے کہ تصویروں کی مختلف حالتوں اور ان کی گردشوں سے الفاظ ترتیب دیے جاتے گئے۔ اس طرح کھنے میں اگرچہ دیر ہو جاتی تھی مگر اس مقدار میں مٹائی اور سبے بناد قبولیت نے فن تصویر کو ترقی بخشی۔ یہی وہ سبب ہے کہ اب مصر میں فن خاص میں اس قدر ترقی کی گئی تھی کہ آج تک دنیا میں کوئی قوم بھی مصریوں کی ہمت پر ہونے والی اور مصریوں کی ظاہر ہے کہ جب کھنے وقت مختلف قسم کی تصویریں بنائی جاتی ہوگی اور مصریوں کا کام کرنا تو یہ ہوگا تو اس انداز تحریر سے ایک نام کا خاص خط شکست پیدا ہو گیا ہو گا، جس کا کہ آجکل بھی اردو فارسی میں خط شکست موجود ہے اور یہی وہ خط شکست تھا جسے مصری اپنے مدغمہ کے کاروبار میں پھیول اور درخواتوں میں استعمال کرتے تھے البتہ ذہنی اور اہم تحریریں اس مندرجہ خط مصری میں لکھی جاتی تھیں یہ خط مصری اور سے نیچے لکھا جاتا تھا اور ظہر کی ٹوک بہت بائیک لکھی جاتی تھی۔ تحریر کے اوپر ایک خاص قسم کا معانہ لگا جاتا تھا جس سے وہ نہایت پختہ ہو جاتی تھی۔

**کتابوں کے مضامین** مصر کی اہل قديم کتابوں اور کافہوں میں زیادہ تر ادبی و تاریخی حالات و دنیاؤں کی کما نیاں اور بریں کے افسانے لکھے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تحریریں انھیں تین قسم کے مضامین پر مشتمل ہیں ایک کتاب کی بابت پر تحقیق کی جاتی ہے کہ وہ اہرام مصری سے بھی پھٹکی گئی ہوئی

ہے اور اس قدر مقدس سمجھی جاتی تھی کہ جب کبھی بڑا آدمی مر جاتا تو اس کی ایک کافی اس کی قبر میں کھدی جاتی تھی۔ اس میں کچھ ایسی تحریریں ہیں کہ کچھ جزئیں کھائی جاتی ہیں۔ انکا خیال تھا کہ مرنے والے کی روح کو جو چیزیں مددہ پہنچانے والی ہیں۔ اس کتب کے جزئیں ان سب کو قفا کر۔ سکتے ہیں۔ اس میں دیوتاؤں کی تصویریں بہت و فردوس کے نقابے بھی زیب فرما رہے ہیں جس قوم کی ذہنی اور دنیاوی قوتیں محض فن تصویر میں مدغم ہو کر رہ گئی ہوں اور جس کے ہر خیال کی قیاس پر عالم تصویر کا گہرا اثر پڑا ہو اس کا بہت پرست ہونا بالکل قریب قیاس ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصریوں کی بڑی تحریریں اس بات کی صاف طور پر شاہد ہیں کہ وہ بے بہت پرست تھے اور انھوں نے کئی قسم کے دیوتا بنائے تھے جنکی مندرجہ اوقات میں پرستش ہوتی تھی۔

**مصریوں کے بعض ارباب النوع** مصریوں کا سب بڑا دیوتا متعلق انکا خیال تھا کہ وہ کائنات ہستی میں انسانی زندگی کا سر مشر ہے۔ جب تک اس کی پرستش نہ کی جائے انسان اپنی روحانی زندگی کی آخری بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مغربی اقوام میں یسوع مسیح کا ایک بڑے دیوتا کی حیثیت سے پوجا جاتا ہے اور اس کی پرستش اعمال و روحانی کاموں پر خیال کی جاتی ہے۔ قدیم یونانی بھی کوزع کی پرستش کرتے تھے۔ یونان دیوتا کے بعد "ایرس" کا درجہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ "ایرس" کسی زمانے میں زمین پر اپنی فی شکل میں بنا تھا۔ اس بنا پر اس کو نام انسانی فوٹوں کا دیوتا تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مصریوں میں "ایرس" کے متعلق عجیب غریب کہانی مشہور تھی جو قطعی طور پر اعتقاد ہی رنگ میں آنکے فوٹے ذہنی پر مسلط ہو چکی تھی۔ وہ اعتقاد کہتے تھے کہ "ایرس" عید قدیم میں مصر کا نہایت عادل اور انصاف پرور بادشاہ تھا۔ اس کے بھائی میں نے بہت سے حد اس کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں پھینک دیا۔ لیکن کسی طرح اس کی بیوی کو وہ صندوق ہاتھ آگیا اس نے جب اپنے شوہر کی لاشیں صندوق میں دیکھی تو گریہ و زاری کرنے لگی۔ "ایرس" نے بھائی کو جب معلوم ہوا کہ اس کا جرم بے پروا تو اس نے لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اوپر اُدھر پھینک دیا۔ لیکن اس کی بیوی اتنی سسر بھرا اس کی تلاش میں نکلی اور اُس نے لاش کے مندرجہ ٹکڑوں کو جمع کر کے دفن کر دیا۔ بالآخر جب مہوم "ایرس" کا بیٹا جط نام "ایرس" تھا جو ان میں نے اپنے باپ کے دشمن چھانک دیا۔ باپ کا بدلہ لیا۔ اس کے بعد تمام دیوتاؤں کی ایک بڑی بردست

لانفرنس ہوئی اور اس میں بڑے پایا کر امیر حق پر اور اس کا حال بھائی تاقی پڑھا۔ اس کے  
 "امیر" کو دونا کا رتبہ دیا جاتا ہے اور اس کے ظالم بھائی کو شیطان کا جسکی رعب ہر شہید  
 عذاب میں گرفتار رہیگی۔ ایک دوسرے کی شکل کا اور ایک دیوی بی کی صورت پر بنائی گئی تھی  
 لیکن جنگ کا دونا نہایت فرخاک اور عجیب الجست تھا جس کا سر اوڑھ کر کے مانند پر خوف  
 بنایا گیا تھا۔ ایک مردہ وہوں کی حفاظت کا دیتا تھا۔ جسکی صورت منورہ جانور گیدڑ سے تھی یعنی  
 تھی ایسے ہی بہت سی قسم کے دیوتاؤں کی پرستش کے علاوہ دیوہائے نیل کی پوجا بھی کی جاتی تھی  
 جب دیوہائے نیل میں لھنیائی آئی تو بے لوگ خیال کرنے تھے کہ آئی "س" اپنے خادماہ "اس" سے  
 کی باد میں آئے ہمارے ہیں۔ چنانچہ دیوہائے نیل کی لھنیائی کے وقت بیٹے لگائے جاتے تھے اور  
 کئی طرح سے نیل کی پرستش کی جاتی تھی تاکہ دیوہائے نیل کی لھنیائی آئے اور ملک کی  
 آہاںشی کافی حد سے ہرے۔

**بازار اور خرید و فروخت کے طریقے** | بعض خبروں سے بازا مصر  
 اور خرید و فروخت کے  
 طریقوں کا حال معلوم ہوا ہے۔

شہر کے وسطی حصوں میں بڑے بڑے چوک ہوتے تھے اور ان میں مردوزن اپنا اپنا  
 سامان بیکر لائے فروخت کرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے آجکل بڑے بڑے شہروں  
 میں بیچنے لگتی ہے۔ چرس سکن کے عوض فروخت نہیں کی جاتی تھیں بلکہ استیجار کا  
 باہمی طور پر تبادلہ ہوتا تھا۔ اس جہد میں سکے کا بالکل رد عمل نہ تھا۔ تمام ضروریات زندگی کی  
 چیزیں تبادلہ کے طور پر لیتی تھیں۔ بعض تجارتی آدمی قطار در قطار گلوں میں سکاؤں  
 کے سامنے اپنا اپنا سامان بیکر بیچ جاتے تھے اور تبادلہ کے طور پر ہر قسم کی چیزوں کا لین دین  
 کرتے تھے۔ حکومت کی طرف سے ایک ذمہ دار حاکم خاص طور پر مقرر کیا جاتا تھا۔ جو بازاروں  
 میں دیول اندر گزروں میں گنت لگاتا رہتا تھا اور دیکھتا تھا کہ کوئی شخص لین دین میں  
 بے انصافی تو نہیں کرتا ہے۔ اگر کسی چیزوں کی قیمت کے متعلق کوئی تعذبا بازار میں ہوتا  
 فوہ حکم موقع پر پہنچ کر فوراً فیض کو بھن اور سب تعذیر کر دیتا تھا۔ شام کے وقت خرید و فروخت  
 کرنے والے اپنے اپنے مکانوں کو لوٹ جاتے تھے۔

ایک مدت تک قرضیں سہیوار کا بھی تبادلہ ہوتا رہا لیکن جدید سونے، چاندی  
 اور تانبے وغیرہ کی انگوٹھیاں تبادلہ کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔ آہستہ آہستہ  
 یہ انگوٹھیاں تادی وغیرہ کے مقاصد پر بھی دی جانے لگیں۔ آجکل جو مذہب مالک میں  
 خاندانوں کے مقاصد پر انگوٹھیاں کا دواغ دیکھا جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ عسروں  
 کی اس پرانی رسم کی یادگار ہو۔

**رسم غلامی** | بعض روایتوں کے مطابق غلامی کا حال معلوم کرنے سے

بہتر جاکہ مذہم عسروں میں غلامی کی لغت انگریزوں میں ہو گئی۔ لک اپنا تمام وقت غلاموں  
 کی دیکھ بھال اور ان سے کام کرنے میں گزار دیتی تھی۔ کپڑا بننا، دھوئی پکانا، شراب بنانا  
 کو نادر دیگر اسی قسم کے غلامی کاروبار غلاموں کو کرتے پڑتے تھے۔ بعض وقت غلاموں کو  
 سمجھتی کارینا بھی کیا جاتا تھا۔ گھر کا ایک سرکاری کام میں مشغول رہتا تھا اور اکثر ذرا امت  
 کے کاموں کی جانچ پڑتال کرتا تھا۔ بالغ تیار ہو جانے پر بڑے بڑے کروں میں بند کر دیا  
 جاتا اور وقت مروقت نکال کر صرف کیا جاتا تھا۔

**طریقہ تعلیم** | اس سے بچوں کی ایسی کاپیاں دینا ہوتی ہیں جنکے حالیوں پر  
 استادوں کی اصلاحیں ہوجو دیں۔ عام طور پر جاز برس کا بچہ تعلیم کے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا  
 تھا۔ جہاں اسکو کھانا پڑھا سکھایا جاتا تھا۔ جب بچہ خط و دی کو اچھی طرح سمجھ لیتا اور لکھنے  
 لکھنے میں مہارت حاصل ہوجاتی تو پھر اس کو مذہبی مسائل کی کتابیں اور خلافتوں کے شکل  
 مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ حساب میں صرف جمع تفریق سکھاتے تھے۔ سالوں اور ہر کو  
 کا حساب قری ہمنوں سے ہوتا تھا۔ تعلیم کے وقت بچوں کو جسمانی تڑا بھی دی جاتی تھی اور  
 بعض وقت ان سے بہت سخت کام لیا جاتا تھا۔ انکے ہاں یہ شکل مشہور تھی کہ بچے کے کان  
 پٹھ پر ہوتے ہیں۔ یعنی جب تک اسکو مزہ نہ دیکھتے وہ ہرگز بیٹنے کی طرف مائل نہیں ہوتا  
 بعض بچوں کو پٹھ پڑھنے چھوٹے مکاتیب میں تعلیم دی جاتی تھی انکے بعد کسی مذہبی درس گاہ میں  
 بیچ دیے جاتے تھے۔ جہاں وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مذہبی چیزوں کی تدریسی عمل کرنے  
 تھے۔ بعض کو بھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے قری کا کچ میں جاتے تھے اور وہاں سے اپنے فن  
 کے متعلق نہیں حاصل کرتے تھے۔

فن طلب کا عمل کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا، کیونکہ جو کچھ اس فن کے متعلق نصاب میں  
 داخل تھیں وہ اکثر نہایت دقیق مسائل کی حامل تھیں۔ علاوہ ازیں ان کے متعلق یہ بھی  
 خیال تھا کہ وہ بڑے بڑے مصنفین نے دیوتاؤں کی مدد سے لکھی ہیں چکا۔ بیشتر حصہ بعض  
 خمنزہ اور سوانہ مضامین پر مشتمل تھا جو اعلیٰ بادشاہوں کا ملاحظہ کرتے تھے ان کو  
 اجرت میں ہونا چاہی دیا جاتا تھا اور جو لوگ عوام الناس کے سامنے ہوتے تھے انکی اجرت  
 کا ایک عجیب طریقہ تھا یعنی یہ کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو اس کے سر کے بال نہیں منڈوائے  
 جاتے تھے۔ مردانہ مرض میں برابر بڑھتے رہتے تھے اور بعض کے وقت باب ہوئے بعد  
 باؤں کے وزن سے برابر عجیب کو اجرت دی جاتی تھی ایسی صورت میں ملکہ یہ خیال اپنا خاکہ  
 طریقہ کہ معنی دیر میں آرام ہوتا ہے اس کے بڑے بڑے بیات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مذہم عسروں کی  
 اپنا سر منڈا رکھتے تھے بال غیر مرض ہونے کی حالت میں چھوڑ دیتے تھے۔ بال ان مذہم عسروں کی عمر میں  
 تصویر پرانہ پڑنے شروع کھداتائی کی تھیں۔ بالوں کی حالت میں تھیں۔ بالوں کی تصویر پرانہ پڑنے  
 بنا پر انکا کاجا بھائی ہے کہ جن نئی تصویریں بالوں کی صورت پر تھیں انکی تصویریں کاجا بھائی ہیں



# نطق ناطق

بادوستی آ کر امت ہو کے بچانے میں آ  
دیکھہ ایسا چاہئے لے دشت خلوت کا مقام  
وحشت دل کی نہیں تدبیر جز افسردگی  
کر مر تب کھنٹے انداز سے اپنا بیان  
دامن خانوس میں لے سمع خود داری نہیں  
جل نکل جائیں ادھر سے اپنی دنیا کی طرف  
پیل زور آئے سے باہر ہو کے جائیگا کہاں؟  
ختم کرنا چاہتا ہوں پنج و تاب زندگی

جل پری ششے سے از کر میرے پہلے میں آ  
اپنی ذہنی کو لیس کر مرے دیرانے میں آ  
متنی زنداں کسی پہلو سے دیوانے میں آ  
مرے والے زندگی چاہے تو افسانے میں آ  
کسوٹ ناموس اگر چاہے تو پروانے میں آ  
ہاں تو اسے تار لٹس بلیج کے دانے میں آ  
آدی بن آدمی، آ اپنے پھالے میں آ  
یاد گیسو، زور بازو بن، مرے شائے میں آ

ہو چلی ہے رسم اہل کعبہ ناطق اب تو عام  
برہمن بھی مجھ سے کتاب ہے کہ بچانے میں آ

ناطق گلاؤٹھوی

## افسانہ جمال

(ذوقافیتین)

کیا خوب ہے یہ خواہش دیوانہ جمال  
کافسر تجلیوں کی حقیقت میں ہے نہاں  
جلتا رہو نکاح فصاحت کی آگ میں  
ذہن و تصورات میں حند کو سوزیں ابھی  
اور اسی گل پہ دیکھ رہا ہوں سر زمین  
فنون کے ساتھ ساتھ قیامت بھی جھوم اٹھی  
ہر موع سے سے نور کی تویر ہے جمال  
دنیا تمام عسکر فلاحی لئے لٹھے

بن جائے موع آتش پروانہ جمال  
نقش طلسم نازش بیتخانہ جمال  
بانی ہے میں کے سوزش پروانہ جمال  
نقش و نگار و تابش کاشانہ جمال  
ہر رنگ میں نگارش افسانہ جمال  
اشد سے کیف لغزش مسانہ جمال  
کیا بچے سنائش پیمانہ جمال  
آٹھی فلاحی شورش دیوانہ جمال

دل خود بخود ہے مال بادہ کشی حزن  
اشد کے کنائش میخانہ جمال

حزین قریشی احمد آبادی

# ماں

خیاں دیوی! خودت تک خیاں لال باؤ کوئی کے واسطے نی ماں لانے کی ناکید کر ڈھے  
پینام! جل کو لیک کما تھا۔

خیاں لال! اپنی ازدواجی زندگی خوبصورت اور نیک سیرت شریک جات کی  
موجودگی میں ملا تھا سرفوں کے ساتھ لبر کر رہے تھے۔ دن بھر کوچ میں دوکوں کو دس  
دینے نام کو مکان دا پس آئے تو تیار صحت و صحت کی دیوی سکرانے ہوئے ہوں  
اُن باغیر قدم کرتی۔

خیاں لال! باؤ کی دنیا بار بار چلی تھی۔  
مٹی بار بار خیاں باؤ سے کہتی:-

"باؤ! ماں کہاں ہے۔۔۔۔۔ وہ کہاں چلی گئی ہے؟

کیوں نہیں آتی۔۔۔۔۔" بلا دیکھے۔

خیاں لال کی آنکھیں پر دم چھانیں طاقت گوبائی سب ہو جاتی اور وہ ایک  
سرد و ٹولیں راس لیکر خاموش ہو جاتے۔

مٹی خیاں باؤ کی خاموشی کے معنی نہ سمجھ کر پھر کہتی۔۔۔۔۔ بار بار کہتی۔

"باؤ! بولے نہیں۔۔۔۔۔ وہ مٹی ماں کو لینے گئی ہیں۔۔۔۔۔ آپ  
خود جا کر یوں نیلے آئے۔"

خیاں لال کا دوسری شادی کرنے کا ارادہ قطعی نہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بچہ  
کی موجودگی میں دوسری شادی سرت و شانمانی کا نہیں بلکہ ایک ایسے خواب کا پینام ہوگی  
جو اس سکون کو بھی برباد کر دے گی جو کسی قدر اس وقت حاصل ہے۔

لیکن شینیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انکے گرد و پیش کی دنیا شادی شادی  
بکھڑی تھی۔ اجاڑ اقربا زمر صرف شادی کی رائے دینے سے بکھر رہے تھے کہ ان کے  
مٹی دن میں تو تیار رہتی ماں کا انتظار کرتی تھی۔ شینیت خادیم ہاتھ دھو کر کھینچے پڑی  
ہوئی تھی۔ سب کو کھانا کھا کر ڈال دینا اور خاموشی کو دینا آسان تھا مگر شینیت ملازمہ اور  
مٹی کو خاموش کرنا ایک اہم کام تھا۔

کیوں باؤ! مجھ شینیت کی ایک نہ سوچے۔۔۔۔۔ تم کو کھانا تھا یا پریم پریم نہیں تھا

"جیسے ملازمہ و صاحب کو پیش رفت اور ویرجنت کرنا بے سود ہے۔ میں جانتی ہوں کہ  
ابیری کشتی جات منزل مقصود کے قریب پہنچ چکی ہے۔"

"اس طرح زندگی سے نا ایدہی کتنا ایندھن فرازدہی نہیں نواور۔  
کیسے؟"

"آپ کا خیال یہ ہے۔ میں اپنی حوشی سے سزاؤت اختیار کر رہی ہوں۔ قہر ہے  
کہ آپ یہ نہیں جانتے کہ جب اللہ طلب کرتا ہے تو جانا ہی پڑتا ہے۔"

معصوم مٹی نہایت خاموشی سے اپنے والدین کی گفتگو سن رہی تھی مگر "ہائے"  
کا لفظ سن کر خاموش نہ رہ سکی اور اپنی ماں کی طرف مخاطب ہو کر بولی:-

"ماں۔۔۔۔۔! تم جا رہی ہو۔۔۔۔۔! ہم بھی چلیں گے۔۔۔۔۔"

وہ معصوم کیا جانتی تھی کہ سلی ماں کہاں کا عزم سفر کرتے ہوئے ہے اور اسے  
بالفاظ اس ماں سے دل پر جو یہ کھجھر چلی ہو کہ اب اس کے تمام حیات مغرب منتظر ہو چکے  
ہیں کیا از روئے گے شیار سے دل کا ان الفاظ سے سخت صدمہ پہنچا مگر سنبھلے ہوئے  
اپنی پیاری مٹی کو جواب دہ:-

"جی۔۔۔۔۔ میں دُور اور بہت دُور جا رہی ہوں۔ اتنی دور کہ تم  
ابھی وہاں تک نہیں چل سکتیں۔۔۔۔۔ تمہارے نرم و نازک پیرا بھی اس قابل نہیں  
ہیں کہ تم اس دُور سفر کی گفتیں برداشت کر سکو۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ میں ہاں  
سے تمہارے لئے ایک نئی ماں بھی جو تھی نہ تھی اسے اپنے کھلونے دیگی بلکہ تم کو  
مجھ سے نہ دیر اور محبت سے رکھے گی۔"

"نہیں!۔۔۔۔۔! میں بھی چوگی۔۔۔۔۔! مجھے نئی ماں نہیں چاہیے۔"

"بچی۔۔۔۔۔! تمہارے جواب دینے ہوئے مسکرائے کی ناکام کوشش کی۔

خیاں لال! جو میں اس سے زیادہ سننے کی تاب طاقت نہ تھی اس لئے مٹی کو وہ جس  
پہلے سے کہتے تھے:-

"ہاں مٹی۔۔۔۔۔! بچی! کچھ بڑا نہ جانتے دیتا۔"

دو دن بعد ہی خیاں لال کی شادی ہو کر باؤ و خالنے کے نزدیکیوں سے گل کر دیا مگر

تم تو کالج چلے جاتے ہو۔۔۔۔۔ میں کہاں جاؤں۔۔۔۔۔ مالکن کے بغیر مکان پر بخت برس ہی ہے۔۔۔۔۔ تم ہی بغیر مال کے ایسی بھین ہے کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔۔۔۔۔ کسی پر زور کم کرو۔۔۔۔۔ کرو بٹیا۔۔۔۔۔ کرو۔۔۔۔۔ تو بڑی سی عمر دیتا ہے۔۔۔۔۔ اسے کیوں دکھی بناتے ہو۔۔۔۔۔ مالکن بھی کہہ گئی تھیں۔۔۔۔۔

کر دکھا تھا۔

ایک دن شانہ خانے سے کہا۔

”جھوری خدا بانی تو ادا ہے“

تم ہی بڑھ رہی تھی اس لئے خاموش رہی کیونکہ کل اسی قسم کے کاموں میں اسکا سبق یاد نہ ہوا تھا جسکی وجہ سے باوجود ناراض ہو گئے تھے۔

شانہ دوی میں اتنی صبر و تحمل کی لطافت کہاں تھی۔ جناب ہو کر سید لکھ کھڑی ہو گئی۔ ”تو کیوں نہ کی۔۔۔۔۔ تو تو میری مالکن ہے۔ کھانے کو دھاتی برکھاتی ہے اور کام کے نام سے دم دواتی ہے۔۔۔۔۔ چل اٹھ۔۔۔۔۔ بڑھ کر برا بنال کرے گی۔۔۔۔۔“

ساتھ ہی ساتھ دو چار چید بھی مار دیے۔

منیف نے باہر سے منی کی گریہ دیکھ کر آواز سن کر دودھری ہوئی آئی اور منی کو بجا کر اسے گھر آنگ اپنے دامن میں بونیدہ کرنے لگی۔ اتفاقاً شام باپو بھی آگئے۔ جنکو دیکھتے ہی شانہ دوی نے اپنا ٹکڑہ بچا شکل نکالا شروع کر دیا۔

”کیا بھڑ پو کی داری منور کی ہے۔۔۔۔۔ کل آپ منی پر سن یاد نہ ہونے کی وجہ سے ناراض ہو رہے تھے۔۔۔۔۔ اس لئے میں آج پڑھنے کے لئے کہہ ہی تھی کہ یکجہت آگئی“

کچھ تو دیر بھی مناسب تھی اور کچھ عرصے کی رفاقت کا اثر شام باپو پر کام کر چکا تھا اس لئے منیف پر سخت ناراض ہوئے اور گھر سے باہر نکال دیا۔

غروب منی کو زندگی اب اور بھی بار دوش ہو گئی۔۔۔۔۔ شانہ دوی کا جادو آہستہ آہستہ شام باپو پر اثر چلا گیا تھا۔ جسکی وجہ سے وہ بھی اب منی کی طرف بہت کم راغب تھے۔۔۔۔۔ مگر دکھی ضرور تھے۔۔۔۔۔ شانہ دوی کو بظاہر اب کل سرت و شانہ دانی حاصل تھی مگر گود خالی ہونے کی وجہ سے وہ بھی تسلی تھی

تم ہی کچھ بھارے کچھ عرصے ہی میں اب کو منی کی زندگی سے ناامید کر دیا۔

شانہ دوی کو تو کوئی فکر نہ تھی مگر شام باپو بہت جرات پریشان تھے۔ دو اس لاکھ بیکروں شیشوں سے طاق بھر دیتے تھے مگر شانہ دوی کی لاپرواہی کسی دوا فائدہ نہ پہنچے دیتی تھی جسکی وجہ سے منی کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی تھی، ایک دن صبح کچھ زیادہ خواب تھی۔ منی پر سحر کی شدت نے ہم بہی طار، کو دکھی تھی۔ نیم لال ڈاکٹر کو بلانے گئے ہوئے تھے کہ منی نے اس منہ پہلے ہوش

بلا خوشام لال کو شادی کرنے ہی تھی۔ منی شریک حیات نہایت خوبصورت چٹ جالاک اور دولت مند الدین کی گودوں کی پرورش یافتہ الکھتی وطنی تھی۔ منیف نے حکومت کرنا سکھا تھا اور اب تو وہ خود ہی کہاں کی دانی تھی۔ حکومت کیوں نہ کرنی۔ ہر وقت بٹھے بٹھے منیف کو بڑا بھلا کہتی اور اگر کسی وقت قدیمی عادیہ جواب دیتی تو دن میں آگ لگ جاتی۔ شام باپو سے اگر شکایت کرنے کا ارادہ کرتی تو وہ پہلے ہی کہہ اٹھتے کہ ”بانی کو دکھ نہ ہو۔۔۔۔۔ اس نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کر کے میرے گھر کی خدمت کی ہے۔ مگر اسکا جواب۔۔۔۔۔“

خدمت کی ہے تو کیا مفت کی ہے۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہے تو اسکی سیوا آپ کرنے مجھے یہ کام نہ ہو سکے گا۔

ایک دن شام باپو کھانا کھانے بیٹھ رہے تھے دیے ہی انھوں نے دیا تھا۔

”آپ تو کھا بیٹھے۔۔۔۔۔ کیا وہ بغیر کھاتے مر جائیگی۔۔۔۔۔ عرصہ بیکر آئی ہے۔۔۔۔۔ ایسے میرے نصیب کہاں کہ میں اس سے چھٹے۔۔۔۔۔ یا سکوں۔۔۔۔۔“

شام لال بغیر کھانا کھاتے ہوتے باہر چلے گئے۔

منیف فائدہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ شام باپو کو بھولنے لگی۔۔۔۔۔ میرے لئے کیوں اتنا درد دکھی ہوتے ہو۔۔۔۔۔ میں آج خود ہی جا رہی ہوں۔۔۔۔۔ روزانہ آ کر تم سب کو ایک نظر دیکھ جایا کرو گی۔۔۔۔۔ اندھ کو بھی باہر سے کسی۔۔۔۔۔ بچا میرے لئے بہت ہے۔۔۔۔۔ چلے کھانا کھاؤ۔۔۔۔۔“

منیف کے بچے جانے کے بعد شانہ دوی کو قدسے الطینان کون حاصل ہوا مگر ابھی انکی رگوں کا مرنہ ایک پھر دودھ ہوا تھا۔ ابھی مصوم منی ایک سخت چٹان کی طرح انکی یاد میں کھڑی ہوئی تھی جسکی ٹوک سے منہ روز کے سکون کو اس پر حرام

”بیٹی میں آگئی! ————— تم بولو!! ————— میں آگئی۔۔۔“  
 ”ماں! ————— اچھا تو کبھی اتنی دُور نہ جاؤ گی۔۔۔“  
 رلو۔

”نہیں بیٹا —————! کبھی نہیں۔۔۔“  
 اسی لمحہ شبام باؤکرے میں داخل ہوئے اور اس منظر کو  
 دیکھ کر اُن کو اپنی آنکھوں پر اطمینان نہ آیا اور وہ نہیں سمجھ سکے کہ  
 شائستہ کون ہے جس سے کس طرح اور کب کون لگاے  
 ہوئے ہے۔

بشیر احمد قریشی گوالیار

کے عالم میں پانی انگا۔ شائستہ اُنھ کو بلاؤں تو بہت پانی لگا لاس آئے بڑھا دیا جس کو  
 مٹی نے لے لیا گرنے جانے کیوں نہ تھی اور اپنے جھوٹے جھوٹے ہاتھ پھیلا کر  
 بولی۔۔۔

”ماں ————— ماں ————— میں ابھی آتی ہوں ————— تم بہت  
 دن بعد آئیں ————— تم تو یہ کہہ کر گئی تھیں کہ میں تمہارے لئے نئی ماں بیجوں گی  
 جو تمہیں اچھے اچھے کھانے دیگی ————— اور تم کو محبت اور پیار  
 سے رکھے گی ————— لیکن کچھ نہ کیا ————— نہ خود آئیں ————— نہ اُن کو  
 سمجھا ————— اب کب آؤ گی ————— نئی ماں کو کب بیجوں گی —————؟“  
 انا غفلت سے شائستہ دبی کے دلبس طوفان پر پکار دیا اور اس کے دھڑکنے سے دل نے  
 منقطع ہوا ہوا ہو کر مٹی کی سیسے سے لگا لیا۔

## کس کے کہنے سے؟

چلتے چلتے رک گیا دو برس اگر کس کے کہنے سے؟  
 روتے روتے نہیں بڑتی ہوں کس کی سیاری باتوں پر؟  
 ایک مسلسل بے کیفی ہے، ایک مسلسل بے رنگی  
 کس کے اشارے سے یہ صبحیں اتوں میں تبدیل ہوئیں؟  
 آنکھیں پھلکی پھلکی، بھیگی بھیگی کس کی خاطر میں؟  
 نظریں جھک جھک جاتی ہیں یہ کس کا اشارہ پابا کر؟  
 توڑ سکے تھم ہی بندھن، مجبوری لاچار می کے  
 وجد کناں کو نین کا ذرہ ذرہ کس کے نغموں پر؟  
 ہوتے ہوتے ہو گیا جینا دو بھر کس کے کہنے سے؟  
 پنتے پنتے رو بڑتی ہوں اکثر کس کے کہنے سے؟  
 تھم سا گیا یہ شام و سحر کا چکر کس کے کہنے سے؟  
 صبح جوانی بن گئی شام غم کس کے کہنے سے؟  
 زنجیں اٹھیں ابھی، ابتر اتر کس کے کہنے سے؟  
 آہیں رک رک جاتی ہیں میں کس کے کہنے سے؟  
 میں نے کاٹے بد رنجی کے چکر کس کے کہنے سے؟  
 رقص میں ہیں یہ انجم و عمر و آخر کس کے کہنے سے؟

اٹھ پر کی بیتابی ہے، اٹھ پر کار و ناہے

نجم کا یہ حال ہوا، او کا فر کس کے کہنے سے؟  
 (نجم تصدیق یہ لے لے لے)

# میری شاعری

مرا نقش شعر و ادب غیر فانی  
تجربہ میں ہے عقل بہرِ آدوانی  
حسین کو حسین تر بنایا جو میں نے  
مرا لفظ ہے چشمہٴ زندگانی  
مرزا کا تھیں جو زمانے کی فطرت  
میں جا ہوں تو پھر کوئی دُنیاں  
مرے دم قدم سے بہا چمن ہے  
کلی کا لڑکپن نکلتی جوانی  
رگِ گل میں شبنم کے موتی برو کر  
دکھاتا ہوں نیز گنجِ جوانی

میری شاعری حسن والوں کی دُنیا  
میری شاعری درد والوں کی دُنیا

کسی طرحِ وقت میں راحت نہ پائیں  
شبِ ہجر و دور کے دریا ہائیں  
ایک ناکادو دو کے دل کو سہارا  
غم و دردِ الفت کا جو گنباں  
کبھی سردا ہیں کبھی گرم نالے  
کبھی کر ہے میں خدا کو دعاں  
کہاں چین اور نیند پھر کس کو آوے  
اگر چکیاں نہیں لہو وہ آہیں  
مجت میں کوئی نہ مونس نہ ہمد  
میں بیکار ٹوٹے دوئی صدائیں

میری شاعری شب کے نالوں کی دُنیا  
میری شاعری صبح کے پتالوں کی دُنیا

ہر انداز ہو گا مرا و الہانہ  
نگاہیں چراتا پھر بگا زمانہ  
سکھادو گھر نوجوانِ وطن کو  
بغاوتِ باندازہٴ شاعرانہ  
نہ لاؤ مرے سامنے نقشِ ماضی  
سناؤ نہ عہدِ کمن کا فسانہ  
میں شاعروں تو امِ عالم کا رہبر  
ہر اقدام میرا ہے پیغمبرانہ  
سمو و نگارِ عملِ شاعر ہیں  
بنادو نگا اکلن لے باغیانہ

ختم ہندی

رہیگی یہ کب تک خیالوں کی دُنیا

# مسئلہ تقدیر اور شاہی عالم

کسی شے کا غیر مرنی ہونا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرنا۔

(ہنری فوڈ)

ہماری دیر نزل و شستہ تقدیر سے منسلک ہے ہمارے معاشرہ کے اچلے کا اچھا کسی ویدہ فوت ہے۔

(شیکسپیر)

دورِ حاضر کا تہمک زین انسان ہنری فوڈ جس کا قابل رنگ دینی اعزاز اس کی ذاتی صلاحیت اور جدوجہد کا رہن منت ہے کتاب ہے۔

”علاقہ جات کی ہر کڑی معیقات فطرت سے وابستہ ہے ہم اپنے تہمک کے

حصول پر قادر نہیں مستقبل کے حالات پر تبصرہ کرنا الگ چیز ہے ناقابل

انکا حقیقت ہے کہ ہم ان حالات کے استحکام یا انڈفاع کی قدرت نہیں

رکھتے۔ ہمارے نظام جات کے تدوین کرنے میں ان غیر مرنی قدر کو

دفع ہے جو ہماری دسترس سے باہر ہیں۔“

(G. S. Viack's Glimpse of the great)

انسٹن کہتا ہے۔

”ہر شخصیت کی تصویریں بری ذاتی جدوجہد کے دخل نہیں۔ یہ بکچہ کسی

دور کی ہی طاقت کا ساخنہ و پردہ افتد ہے۔ بری شخصیت کی عمر زندگی

کے گونا گوں واقعات کی مرمون ہے۔“

(Shid)

مشر و سٹن چرچل جنھیں دورِ حاضر کا سب سے بڑا مدبر سمجھا جاتا ہے اور جن کی زندگی

ہر اعتبار سے کا جناب کے حاشے کی مستحق ہے اپنی کتاب *Thoughts*

*and Adventures* میں لکھتے ہیں۔

”ہماری عمر کی جنگل کے ساتھ ساتھ یہ یقین بھی پختہ ہوتا جاتا ہے کہ ہماری

کایا میں اور دنیا کا بایا میں کا اچھا اتفاق (Chance)

ہے۔ یہ نزدیک، *Destiny*، *luck*، *Fact*

*Fortune*، *chance*، *fact*

یا *Providence* ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔

اختیار انہی کی خفاں کسی مافوق الفطرت قوت کے ہاتھ میں ہے

جو ہماری نگاہوں سے نہاں ہے۔ ہر شخص اپنی گزشتہ زندگی پر فیصلی

نظر ڈالنے سے محسوس کر سکتا ہے کہ زندگی کے معمولی معمولی واقعات

ایسے واقعات جن سے بظاہر ہماری زندگی متاثر نہیں ہو سکتی، ہمارے

مستقبل پر پوری طور پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور قسمت یا لقت دیر

انھیں واقعات کی ایک کڑی ہے میدان جنگ کی تصویر نگاہوں کے

سامنے لائے (Chance) اتفاق کی اہمیت

کا بخوبی آغاز دہ لگایا جاسکتا ہے۔ فرما دینے کے ایک پاسی خبر سے کھانا

ہے۔ یہ تو قدم چلنے سے بعد آئے با د آئے ہے کہ وہ اپنی ماں جس بھول

آئی ہے۔ وہ ماں جس نے سنے کے واپس چلے۔ اس کے واپس

ہونے ہی۔ اس مقام پر جہاں سے وہ لوٹنا خاتم چلتا ہے۔ اس کا

ماضی جو وہ اس کا انتظار کر رہا ہے ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ نیک

جانتا ہے۔ اس شخص کا نیک جانتا *Chance* کی کوئی تدبیر

نہیں۔ میدان جنگ میں اس قسم کے ٹیکوں واقعات پیش آتے ہیں

ہیں اور حقیقت شناس نظریں ہر قدم پر اس قوت کا احساس کر سکتی

ہیں جس کو تقدیر کہتے ہیں۔“

*Rehman* اپنی کتاب *Reader*

*of Europe* میں لکھتا ہے۔

”ہم ان قوتوں کے پس میں ہوں جن کے اختیار میں میری جان

ہے۔ وہی قوتیں میری تقدیر کا فیصلہ کرتی ہیں۔ وہ فیصلہ خواہ میری

حق میں اچھا ہو یا بُرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے قہر ارادہ

سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

ایک نیکو کا قول ہے۔

”رہنمہ کے شاہان نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے نام اعمال

ابا ب عل کی کڑیوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے

کہ جہاں جہد کا جو کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارا دیوانہ کا جو کچھ ہوگا  
تاریخ کا حال خاص بعض اوقات جو تاریخ بیدار کرتا ہے۔ ہم اپنے  
ہر کام میں مدد ملے اور عاقبت زندگی سے مدد ملے جس کیلئے ہم عزم و ہمت  
کے باوجود تاریخ ہماری خواہش کے خلاف قریب ہوتے ہیں۔  
انہیں تاثرات کے ذریعہ Robert Burroughs نے لکھا تھا  
The best laid scheme of  
man and man  
Gang aft a-gley  
جب ہم کسی واقعہ کے حساب کا جائزہ لگانے سے قاصر ہوتے ہیں اور باہر ہم  
فضل و دانش یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ ایسا کیوں ہوا تو ہمیں مجبوراً کہنا اور ماننا پڑتا ہے  
کہ ایسا اتفاق یا chance سے ہوا۔  
مسئلہ تقدیر میں مشرق اور مغرب متحد نظر آتے ہیں۔ مشرق نے اگر  
”دری ہوئے جو منظور خدا ہوتا ہے“

کہہ دیا تھا۔ دالائیہ ہیں تو مغرب نے ان الفاظ میں اعتراف نہ کیا ہے۔  
man proposes God disposes  
ابن دودھ حاضر کے بعض مفکرین Freud, Dr. Schrank,  
Nitzing, and Einsteins.  
کے فیضانہ منہمات کی رو میں بہہ رہے ہیں وہ واقعات  
Einsteins کی تئیں مانی کی تئیں میں تنگ ہیں۔ اسی سلسلہ میں  
کا نظریہ سب سے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ بعض خفیہ قوتوں جن کے ذریعہ قدرت شمع جاتا  
تیار کرتی ہے۔ اسباب عقل کے خالق ہوتے ہیں۔ اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو سوال  
پیدا ہوتا ہے کہ ان قوتوں کو کس نے بنایا۔

مغرب کے ایک معروف اہل قلم Mr. Emile  
Dudwing نے روس کے ڈکٹر و اشاک سے جو شر  
Ganthor کی تصنیف  
Europe کی رو سے دودھ حاضر کا سب سے بڑا ان سے سوال  
کیا کہ کیا وہ تقدیر کا قائل ہے۔ اشاک نے نفی میں جواب دیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ  
انقلاب روس کے وقت جب وہ بے شمار خطرات میں گھرا ہوا تھا اسے جس قوت نے  
اس مصیبت سے نجات دلائی تھی اسے وہ تقدیر کہتے تھے گا تو اشاک نے جواب دیا کہ نہیں

تقدیر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک رہائی میں اس کی خبر کا ہوا تھا۔

جب لوگین ہونا پڑا جیسے الوالہم انسان نے بار بار اعتراف کیا:۔  
”جو کچھ لکھا گیا ہے پورا ہو کر رہے گا۔ ہماری زندگی کے دن گئے سچے ہیں۔“

ہندو مفکرین نے مسئلہ تقدیر کو عجیب انداز سے سمجھانے کی کوشش کی ہے  
وہ کہتے ہیں کہ تقدیر نام ہے ہمارے گذشتہ اعمال کے نتائج کا۔ اگر ہم نے پہلی زندگی  
میں اپنے کام کئے ہیں تو اس زندگی میں سکھائے گئے درد دکھ جو گیس گئے۔“

فقیر روز ازل کے خلاف کسی زندہ مدائے اجتماع بلند کرتے ہوئے لکھا تھا۔

یاد نہ کہیں کہیں ٹھکرائی  
الغاف کیا قبر منصفی

بن کھینچے لکھ دین بڑائی

نہر کے ہوتے

یعنی خلق کے اعمال کا انفرادی غیبت سے استعان کے بغیر قائم ازل سے کسی  
شاہکی کو گدا، کسی کو ملتی اندکی خود مدھی کون قیود دینا۔  
اسی قبیل کے ایک محققین کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے  
فرمایا تھا۔

”کسی مسجد کی تعمیر کے لیے بل نہیں تیار کی گئیں۔ بڑا دے سے  
نکال کر ان اینٹوں کی مسجد کی جائے تعمیر پر لایا گیا۔ ہمارا ایک ایک  
کر کے انہیں اٹھاتا ہے اور جہاں جاتا ہے چن دیتا ہے۔ کوئی اینٹ  
محراب بنے اور پیش نماز کے سجدہ کی جگہ پر چنی گئی اور کسی کا غیر باغیہ  
میں اپنے جانے کا آیا۔ ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی اینٹ سے برفاقت  
نہ تھی، اس کے لیے سب یکساں تھیں۔ اس نے بالکل غیر ارادی طور پر  
اینٹوں کو جہاں چاہا چن دیا۔ اب اگر وہ اینٹ جسے باغیہ میں  
چنا گیا ہے مدائے اجتماع بلند کرے تو کوئی سوار کو قصور وار  
نہیں ٹھہرا سکتا۔“ تقسیم بعد از ازل کو بھی اسی اصول پر  
قیاس کر لینا چاہیے۔“

بہار کوئی

## صریرہ سریرہ

کمرغ سحر کے نعروں سے ساقی کا صلائے عام نہیں  
 کیونکہ یہ کہوں میں لے ساقی میخانے میں دور عام نہیں  
 دنیائے محبت کا عالم عالم سے جدا ہے کیا کہنے  
 ہر کام سے پہلے فطرت نے بخشی ہے مال اندیشی بھی  
 انسان کی سستی یہ سم جب مختار بھی ہو مجبوری ہے  
 اسے دور فلک جہمہ برا اثر طوار جو ادب کیا ہو گا  
 دزدیدہ نظر نے چری اُدھر کیا جانے جگائے کیا جادو  
 ہستی و عدم کی منزل کیا ہیں دونوں حدیں ملنی ملتی  
 ملتے ہی نظر چار آنکھوں میں ہو جاتی ہیں جیکے دو باتیں  
 کب سے بے رہی اور کہا نکد دل میں اُس نے کئی دنیا  
 مانگوں بھی تو میں کیا کیا مانگوں دُنیا مانگوں عشق مانگوں

ہر جوش سریرہ اک گرم نوا اقبال کا لیکن کیا کہنا  
 بات اتنی ہے اسکا ہر نالہ الہام ہر وہ الہام تینیں

صریرہ کا بری گیاوی مینا

## کیفیات

یہ کس سے محبت ہوئی جا رہی ہے  
 اسے شتر غم کہوں یا محبت  
 کئے جا رہے ہیں محبت کی باتیں  
 یقین اُن کے اُنکا ہے دل کو لیکن  
 یہ دزدیدہ نظریں یہ دزدیدہ نظریں!  
 دہائی تمہارے ستم کی دہائی

کہ غم آ رہا ہے خوشی جا رہی ہے  
 کوئی چیز دل میں چھپی جا رہی ہے  
 غلش در و دل کی بڑنی جا رہی ہے  
 طبیعت پریشان ہوئی جا رہی ہے  
 محبت کی دُنیا لٹی جا رہی ہے  
 محبت آجین ہوئی جا رہی ہے

تفاضل کے مغرور ہاتھوں میں یا اور

محبت اذیت بنی جا رہی ہے

یا اور بخاری





اور کچھ نہ ہوگا۔ ؟ وہ ایک اکی جھوم کر دیوالے سے مٹا کر کھڑی ہو گئی۔

”جسکا شمار زندگی نہ جائے۔ ایسی شراب طوائف کے یہاں ملنا محال ہے

لوہر ہیرا۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ یہ محبت

کی بیشک۔“

بیکار کی اس نے باہر جھانک کر دیکھا۔ ظلمت اور روشنی کا تھام ہوا

ہے۔ مگر دو دلوں میں ارتباط نہیں۔ مرے قریب آ جاؤ

بالکل قریب۔ اتنے قریب جیسے روشنی کے ساتھ سایہ

جسکا نشہ دائمی ہو۔ وہ شراب عورت کی ان دو ٹوہریں

میں۔ ان ست آنکھوں سے چھلکا کتنی ہے۔ اس نے اپنے

کالے کالے ناگن جیسے بالوں کو بکھیر لیا۔ دیکھو یہ بال۔ عورت

کی پرتین پرتیں۔ ان لہرائے ہوئے بالوں میں نشہ ابدی ہے

اس پر کڑھاری ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرنے ہو گئیں۔

جذبات بھول گئے۔ کیا بون رہے ہو۔ ؟ آؤ۔ مرے

قریب آ جاؤ۔ اس نے اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا۔ اور اپنا سر

اس کے قوی اور مضبوط کندھوں پر بکھیرا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

”کہا ایک بار کہ میں تم سے پریم کرتا ہوں؟“ وہ بے حس و حرکت

مرد کی طرح ہو گئی۔ نہیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے لگی۔

”نہیں مجھے اتنی نفرت کیوں ہے؟“

”اس نے کو تم طوائف ہو۔؟“ وہ پہلی بار ایک شخص کے منہ سے طوائف

کا لفظ سُن رہی تھی۔ نہ جانے کتنی ہی راتیں تم نے میری طرح دوروں کی آغوش

میں گزار دی ہوگی۔ وہ ٹہل رہا تھا۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا

بہر طرف غمخیزی و ناہمی کی جھلک ہوئی تھی۔ طوائف کے پریم کا

اعتبار ہی کیا۔ تم کو تو چند جانی کے ٹکڑوں سے محبت ہونا چاہیے۔

وہ دیوار کے ہمارے کھڑا ہو گیا۔

”میں طوائف ضرور ہوں۔ مگر پیشہ ور۔ باخاندانی نہیں

ہوں۔ جس طرح تم اپنی اغراض پوری کرنے کے لئے ”جود“ کی جھینٹ سے

ایک شخص آٹے کے لئے آئے ہو۔ اسی طرح میں بھی طوائف کے دوپٹے میں

اپنے من کی آگ۔ اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے

نہا کے منہ سے ایک بار۔ صرف ایک بار سنا چاہتی تھی کہ تم مجھ سے پریم کرتے ہو۔

اس نے ایک آغاز کا فرائض کے ساتھ گردن کی جنبش سے کچھ بے باؤں کو

پچھلے کیا۔ وہ بولا ”مجھے بھی شک ہے کہ ایک طوائف محبت کے نذرانے

میں ہیرا۔ لاکھوں۔ اور کروڑوں روپے کا ہیرا کو کدے مکتی ہے۔

وہ قریب اس کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی آنکھوں سے اس کے

بالوں میں شائد کرنے لگا۔ شاید تمہیں میری محبت پر اب بھی شک ہے

۔ اس نے انگوٹھی اپنے ہاتھ سے کہا۔ ؟ عورت کی آنکھوں میں شراب

محبت ضرور ہوتی ہے مگر۔ یہ مجھ پر۔ اور تمہارا کام بھی کر جانتے ہیں

۔ ؟ تم میری سبکی بائیں کرنے لگے۔ اس نے غم مبراں بیٹھے پر

اپنا ہاتھ دکھایا۔ دیکھو یہ دل۔ پریم کا خاص مرکز یہی ہے؟

وہ بے قابو ہو گیا۔ اور اس نے زور سے۔ اپنے مضبوط اور قوی ہاتھوں

میں اسے پھینچ لیا۔ ”اچھا اب جائے۔ اور کل اسی وقت۔

بالکل اسی وقت آئے گا۔“

اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ بہر طرف وہی سلسلہ تھی

سادن کی ہلکی ہلکی ہواؤں پر ہی تھی۔ بادل۔ تاروں پر کبھی تلوں کی

اور گرد جھلک رہے تھے۔ کل آٹھ گھنٹے نا پ؟۔ ”مرد؟“

وہ جا رہا تھا۔ کچھ اور پتھر کی جٹاؤں سے بچتا ہوتا۔ وہ کھڑکی

سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دور تک خودہ نظر آتا رہا۔ مگر۔

پھر رات کی باہمی میں غائب ہو گیا۔ اس نے سیرے پر نظر ڈالی۔ اب

میرے پاس دو ہیرے ہو گئے۔ میں اپنی جوتی کو بیکار دو نگاہوں میں

ہوئی۔ بے مدد و غم ہو گئی۔ پرانا کا شکر ہے کہ مجھے تین سال کی

تخو اسے زیادہ مر رہا یہ چند ہی گھنٹوں میں مل گیا۔ ورنہ میں اس قابل

نہ تھا کہ اپنی دھرم تہنی کو منہ دکھاتا۔ وہ خوشی سے۔

خوشحالی سے ایک بار لگی جھوم گیا۔

وہ مکان کی دوسری منزل پر پہنچا۔ کسی خیال میں نہ۔

آج وہ بہت سرد تھا۔ فریج پر۔ تعادلوں میں سب سامان

بے ترتیبی سے بکھر چکے تھے۔ سامنے ایک آئینہ۔ اس کی

تصویر الفاظ کی طرح پر اس پر تھی۔ وہ چونک سا گیا۔ آج اس نے تین سال

بعد اپنا آئینہ میں دیکھا تھا۔ ڈاڑھی گود غبار سے الٹی تھی۔

ایک منٹ سے زیادہ لابی۔ آٹ میں نے ابھی تک ڈاڑھی نہیں بنوائی

اُس کے سبے ساتھ ایک ایسی چیز نکل گئی۔ اُس نے اس کے ڈاڑھی اور بونچوں کو صاف کیا۔ اب وہ پہلے کی طرح مغربی فیشن کا شاہکار نظر آ رہا تھا۔ اُس نے اپنی مائی کو درست کیا۔ اب وہ مجھ سے بچہ خوش ہو گئی۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا۔ وہ جا رہا تھا۔ عہدِ بیان کے انفا کے لئے۔ رنگین خیمات کی دُوب میں رہنا ہوا۔ چاند بادلوں کی آڑ میں ردِ پوش تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی برکیت ہوا کے سرد بھرتے چل رہے تھے۔ "مارے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ آگئے آپ۔؟ کسی نرم و نازک آواز میں کہا۔ اُس نے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا۔ وہ جوانی اور محبت کے مدھوش کن منے میں جھوم رہی تھی۔ وہ کہم گیا۔ میں نے تمہارے واسطے ایک گیت بنادیا ہے۔ ہم دونوں شرابِ عشق کے نشے میں چور ہو کر کُسن و کُسن کے ساتھ نواز تارِ پیر پر ہم کے پیچھے تانے لگائیں گے۔ فافوس روشن نہیں کیا؟ "محبت کی روشنی ماہِ درویش سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہمارے دُودلوں کا۔ ارتباط۔ ہمارے محبت بھرے دلوں کا اُجالا۔ حسین چاند کی دلکش شاعری سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ سہری پر بیٹھ گئی۔ اُس نے کیا رنگ دیوانوں کی طرح قہقہہ لگا باور کیا۔ "تم نے میری خود داری کو اپنے قدموں پر بھجایا۔ مگر سنار کی ٹوڑی سی دولت کی مصروفی چمک نے تمہاری آنکھوں کو خیر کر دیا۔ تم نے مغلوبانہ صند یا جیون کی لغزش پر اپنا ایمان بچا رکھا۔" وہ اس کو گود رہا تھا۔ ناراض ہو گئے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ساتھ ہی آسمان سے ایک تارِ اُٹھ کر گرا اور پہلے سے پیچھے کی آواز آئی۔ واقعی میرا یہ محبت کی پیشکش۔ تمہارا ہی ہے۔ تمہارے پیچھے کا نام۔؟ سرِ دُوب۔ دراصل یہ تمہارا ہی ہے۔ میرا نام بھی سرِ دُوب ہے۔ صاف کرنا اسی لئے مجھ سے وہ نفرین ہو گئی۔ وہ ناز وادا اور غمزوں سے چور تھی۔ اُس کے کانے کالے بال ناگوں کی طرح دوش پر پریاں تھے۔ اُس نے اپنے سر کو جیش دی۔ اندر سے کہنے لگی۔ جب وہ ناجائز نامچے خنک گئی تو اس کے پیلوں میں گر گئی۔ اس کے نفس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے شراب چھلکنے لگی۔ تم اپنے پیچھے کو چھوڑ کر ایک نوازِ دشمن سے پریم کہیں کرنے لگیں۔؟

اُس نے بالوں کو آنکھوں کی گرفت میں لے لیا۔ اُس کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔ اُس کو فاضل ماضی یاد آئی۔ جو شوہر تین تین چار چار سال تک اپنی بیوی کو نہ نہ دکھائے۔ تو وہ کب تک رہے گی آگ میں بٹے عورت رو پہلے یا جوہرات کی بھوکی نہیں ہوتی۔ پریم کی بھوکی ہوتی ہے۔ اُس کی آنکھوں سے ہوتی گرنے لگے۔ واقعی عورت دھن یا دولت کی بھوکی نہیں ہوتی۔ اس کو اپنے من کی آگ بجھانے کے لئے پریم جل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس نے من ہی من میں کہا۔ میں جاؤنگا۔ اپنی استری کے پاس ضرور جاؤنگا۔ مجھے بھی اپنی استری سے بھڑے ہوئے تین چار سال ہو گئے۔ اُس کے دل و دماغ میں پریم کا لفظ گونج رہا تھا۔ "عورت پریم کی بھوکی ہوتی ہے۔" وہ کہے۔ سیاہ یاہ بادلوں کے گلے خوب گر کر رہے تھے۔ اُس نے اہر دیکھا۔ کوئل پنی کہاں پنی کہاں الاب رہی تھی۔ تم مجھے۔ یہ کوئل کیا کہہ رہی ہے۔ آؤ۔ یہ کہہ رہی ہے۔ "پنی کہاں۔" بیوی پنی کہاں ہے۔ آؤ۔ من کی آگ بجھاؤ۔ ہمارے تیز جھونکے دیباہ محبت میں طوفان برپا کر رہے تھے۔ مومیں ٹکرا کر مگر جب خود پیدا کر رہی تھی۔ طوفانِ محبت میں ناخلاقے دل کشی حسرت کو چمکولے دیتا ہوا بچا رہا تھا۔ بارشِ فوٹبدر سے ہونے لگی۔ بادل گر جا۔ بجلی بجلی اُس نے بجلی کی روشنی میں اُسے بھی طرح پہچان لیا۔ وہ کون شخص تھا۔ کہاں رہنا تھا۔ یہ کچھ خبر نہیں۔ مگر وہ مرتعش سی ہو گئی۔ اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ ہنسنے کا انجام۔ رونا ہے۔ اور پیچھے کا کال۔ فحاش۔ سچ ہے۔ وہ لرزہ بر اندام ہو گئی۔ کانپنے لگی۔ وہ سامنے شاید مرے ہی دیو آ رہے ہیں۔ جاؤ۔ جاؤ جلدی نکل۔ جاؤ۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس اور وہ مجھے ہر دیتے جاؤ۔ محبت کا نذرانہ کہیں داپس دیا جاتا ہے۔ وہ بارش میں بھجک رہا تھا۔ آندھی زور زور سے چل رہی تھی۔ وہ جا رہا تھا سردی میں۔ رون کی طرح ٹھنڈے پانی میں بھجکا ہوا۔ اُس کے تمام کپڑے شرابور ہو رہے تھے۔ وہ تھروں سے ٹکراتا ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے۔ نگاہوں سے او جھل ہو گیا۔ وہ اپنے آپ مسکراتی۔ میں کا سیاہ ہو گئی۔

نکل آیا۔۔۔ شب سائیں سائیں دکاتی ہوئی تاریکی کو۔۔۔ دکھائی میں پہلے  
کے لئے اپنی منزل کو معرفت کے ساتھ لے کر وہی تھی۔۔۔ اُس نے اب جوت پہلی  
تھی۔۔۔ قریب محبت کے گئے ہیں وہ جہر ہو رہا تھا۔۔۔ اس کے نام جہر میں  
کاٹے سے چھو رہے تھے۔۔۔ اُس کے اُنکھیں بند تھیں مگر بستر پر کڑک رہی تھیں

رہا تھا۔ اسکا نازک بدن۔۔۔۔۔ بل کھاتی ہوئی مرموز میرا بیانیہ  
 گدازجم اور سٹول ہڈیاں۔۔۔۔۔ یہ سب اسکے سامنے تصویر کی طرح  
 گھوم رہی تھیں۔۔۔۔۔ ابکھاگی۔۔۔۔۔ اُسکے جسم میں گدگد پیدا ہوئی  
 "صحت دھن۔۔۔۔۔ بادولت کی بھوک نہیں ہوتی ہے وہ  
 صحت پریم کی بھوک ہوتی ہے"۔۔۔۔۔ واقعی اُس نے سچ کہا تھا۔۔۔۔۔  
 اُسے اپنی شریک حیات کا خیال آگیا۔۔۔۔۔ اسکا نام جسم کیلپا نے لگا  
 میں جادو لگا اور کل ہی جادو لگا اپنے وطن اپنے چارے وطن کے فندوں کو  
 پورے دنگا۔۔۔۔۔ اس نے معمم ارادہ کر لیا کہ اب وہ نہیں لُکے گا۔۔۔۔۔  
 یکایک وہ خوش سے اُپھل بُرا۔۔۔۔۔ اس کی بیوی اس کے استقبال کے لئے  
 آئی۔۔۔۔۔ وہ اس طویل مفارقت کے بعد مگر بہت خوش ہوئی۔۔۔۔۔  
 صبح وہ جلدی پیدر ہو گیا۔۔۔۔۔ مگر نکلان اور کسل و خوار اس کی آنکھوں میں

ہنوز زانی تھا۔ صبح بہاں دھت ہو گئی۔ آفتاب اپنی دن بھر کی  
 ڈیوٹی ختم کر کے کسی باطلوم گوشے میں جا چھا۔ دندہ رفتہ بہ رفتہ ازبھر  
 مسند ہو گیا۔ اُس نے واٹ ہاؤس کی بولی گلاس میں ادا ہوئی۔  
 اور ایک ہی سانس میں بی گیا۔ اُس کی آنکھیں انکار کے کی طرح دکھ ہی  
 تھیں۔ اور کثرت سے روشنی کی دوڑ سے سرخ سرخ ڈور سے ڈرتے  
 تھے۔ اُس کے دل میں بیٹی بیٹی لگدڑی پیدا ہوئی جو رانوں کی دنیا  
 میں آگ لگا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ ٹیس میں تبدیل ہو گئی۔  
 اُس کی آنکھوں میں بدن کے واقعات گھوم رہے تھے۔ اس کے کانوں میں  
 گنگو وول کی آواز آ رہی تھی۔ وہ جھون ہوا اٹھا۔ اور طواف  
 کے مکان کی طرف چل دیا۔ آج اُس سے پھر یہی طواف تھا۔

وہ چلا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ جھوٹا ہوا۔۔۔۔۔ غریب پہنچا تو مکان کو  
خالی پایا اور اے بیس واس و حرمیں لوٹ آیا۔ اسکی امیدوں کا غم ہی بڑھا  
تھا۔۔۔۔۔ اسکی حرمیں پیلل پر جو تھی نہیں۔۔۔۔۔ اسکی آنکھوں کا

جنازہ نکل چکا تھا — دوسرے روز وہ چلا گیا — اپنے وطن —  
 دونوں شے اور پردے کی طرح ذوقِ عشق سے ملے — اُس کے بولنے —  
 پس کی مسکراہٹِ رقص کر رہی تھی — ہر اکاں ہے — دیکھو ایک ہر ایں —  
 لایا جوں — اب ہمارے پاس دوسرے ہو جائیں گے — اُدھر —  
 ..... وہ تو ..... اسکی آوازِ خلق میں اُٹک کر رہ گئی — !  
 ایں — کیا تم ہو گیا — ؟ یا چوری چلا گیا — ؟ وہ کانپ ہی تھی —  
 اس کے نہانی ہنٹ نھر رہا ہے تھے — اسکی آنکھوں سے غریب کے آنسو —  
 ٹپک رہے تھے — اُس نے بڑی شکل سے کہا — ہاں —  
 وہ جلدی چلا گیا — ایک طائفہ اپنے یہاں جہان کے طور پر آئی تھی —  
 اُسے بھولنا اور سادگی دیکھ کر مجھے اس پر دم آگیا اور میں نے اسکو ایک رات —  
 اپنے مکان میں سلا لیا — دوسرے روز وہ چلی گئی — مگر ہائے —  
 براہِ راہ — ہراسہ راپہ جات — جب میں نے کس کا چارہ دیا —  
 زدہ غائب تھا — وہ رونے لگی — مگر اُس کے آنسو —

معنوی موتوں سے زیادہ زخمی — ماحول نے کینت اور ٹھیکن تھا —  
 فضا سہمی ہوئی — ہر طرف غوشی اور سکوت کی ٹکرانی تھی —  
 نہ رُو — ہمارے پاس اُس کے عوض میں دوسرا ہوا موجود ہے —  
 برساتا کی دیا ہے ہم کو دوسرا مل گیا — اُس کے جسم میں خوشی —  
 کی ایک لہر دوڑ گئی — وہ ہیرے کو دیکھ کر مسکراتے لگی — اُس نے —  
 زور سے ہنسنے لگایا جو بے کینت فضا میں رقص کرنا ہوا مدہم پڑ گیا — وہ —  
 سوزِ دہی تھی کہ اُس نے ایک جین غریب دیا ہے اور ایک دُکھ —  
 کھل کھلا ہے — وہ نقشے لگا رہا تھا — ! اسکی آنکھیں —  
 ”اُس پر جمی ہوئی تھیں — اور کہہ رہی تھیں کہ بے خبر“ ہنسنے کا انجام دینا —  
 اور — نقشے کا انجام — فضا ہے —  
 ہزاروں ہستیاں دردِ دل پر وہ ایسے کھل کھل جاتی ہیں کہ دوسروں کو غریب —  
 نہیں ہوتی —

ہمالا پریمی از کوکشی

ہم

خاک ہونے پر ہوئے آزاد ہر شکل سے ہم  
 کرے اشکِ ندامتِ خونِ ناحق میں شریک  
 ایما ز آرزو بھی عشق میں تھا اک جھات  
 دید کے قابل ہے اب تو انتہائے پیچو پی  
 اک مصیبتِ ای دلِ وارفتہ تیرا ساتھ تھا  
 اللہ اللہ بخارِ آلودِ نظروں کا اثر  
 سامنے آنے لبِ اظہار بن جانی ہے آنکھ  
 شوقِ بڑھتا ہی گیا ملے مرے ہوئے ہے

اے دلِ برباد اب نزدیک ہیں منزل سے ہم  
 کیا گلہ کرنے بھرا ہے منفعتِ فانی سے ہم  
 اور آگے بڑھتے اس پر وہ حائل سے ہم  
 کہتے ہیں افسانہ دلِ خود ہی اپنے دل سے ہم  
 آستانِ باز تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم  
 جھوٹے اُٹھے ہیں ای سانی زری محل سے ہم  
 جب بہت مجبور ہو جاتے ہیں بنے دل سے ہم  
 جب نظر اٹھتی تو دیکھاؤ در ہیں منزل سے ہم

کیوں نہ کہے اک طلسمِ رازِ محبتِ عشق کو  
 دوتے ہی اے فضا کے آشنا حل سے ہم

فضا جانندہری

# تضمین بہ طرز نو

(بر غزل علامہ سیاب کبر آبادی)

وہی یورین شب تار ہے وہی بارش غم بار ہے  
وہی ہر نظر میں پڑتی ہے ہر نفس میں سحر ہے  
کوئی فرق ہو تو بتاؤں میں قرار تھا نہ قرار ہے  
سرکار مجھ کو نہ طرے نہ جان برق و شرار ہے  
ہمیں کام ہے دریا رسو دریا پھر دریا ہے  
وہی دیکھیں وہی غنیاں وہی ناز اور وہی شوخیاں  
نہ عنایتیں نہ لیلیاں یہ مذاق جلوہ بار ہے  
یونہی سحر خیدہ کے ہوئے یونہی دل کو تھا جو یہ چشم نم  
کہ صدا آرزو زدہ کرم ابھی اور ایک مزار ہے  
ذہبے آب جو ہے بکون دل نہ آبشار میں دلکشی  
فقط ایک دلی شگفتگی سبب نشا طہ بار ہے  
یہ لہانتیں مے عشق کی بہشت باب و شراب عاری  
نہ خزاں پہ ہے مری دسترس بہار میری بہار ہے شفیق کوئی

## افکار درخشاں

کون یہ خنجر بکعت مقتل میں پردہ پوش تھا  
کس نے اٹا تھا یہ آکر میرے مدفن پر نقاب  
بھی یہی صورت تو وہی ادب ساطع حسن و عشق  
ہوئے بیخود بھی رہا مصروف دید حسن و دولت  
جوارب اظہار شوق و رعب حسن بے نیاز  
صرف دامن تک رہی دینت جنوں کی جھڑ بھار  
باد آیا کہ جب معصوم تھے ناز و نیاز  
کس سے پوچھوں بخود ہی شوق کی کیفیتیں  
ایک یہ دن ہے کہ بارِ دوش ہوں بے گتے  
اک جہاں شوق شہادت میں کفن بردوش تھا  
ذرہ ذرہ خاک دل کا بے نیاز پوش تھا  
دیکھتے ہی دیکھتے والا ترا بے پوش تھا  
میرا کیف بخود ہی بھی حاملِ صد ہوش تھا  
جائے کجا جذبہ تھا جو ہر لب خاموش تھا  
جذبہ دیوانگی میرا بقدر ہوش تھا  
فکرِ سرِ داغی کے، کس کو خیال دوش تھا  
جلوہ دار عالم امکان مرا آغوش تھا  
ایک دن تھا کہ میں آغوش در آغوش تھا  
ہر ہر ذرہ مری ہستی کا روشن ہو گیا  
جلوہ افکن کون یہ غور شد پردہ پوش تھا  
ہر قلمی میری

# کاکوری کے دو فراموش کردہ شاعر

## ۱) مفتوں کا کوری

موس علی نام مفتوں تخلص۔ یہ تقریباً ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔

ذوالفقار علی دالہ کا نام تھا۔ نسب معلوم ہے۔ چمن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ فطرتاً ذہین اور بلند مرتبہ۔ بہت جلد علم و فضل میں بکثرت روزگار ہو گئے۔ تذکرہ خواہر میں ہے کہ یہ غلام مینا سا جو کاکوری کے ارشد کا وہ ہیں تھے۔

کھنڈ میں کسی جہد سے رہنا تھے مگر کچھ عرصے کے زمانے میں ملازمت چھوڑ دی۔ کھنڈ کے بعد انگریزی گورنمنٹ کے صیغہ وکالت کا امتحان دیا اور کامیاب ہو کر الہ آباد میں نہایت شان سے وکالت کرتے رہے۔ جب الہ آباد سے صدر عدالت دیوانی آکر وہ میں منتقل ہوئی تو انھوں نے اگر وہ ہی میں رہنا شروع کر دیا۔ اپنی نازک خلی اپنی قابلیت سے بڑا نام پیدا کیا۔ بڑے خلق اند اپنی خوش خلقی کی وجہ سے بہت ہر دل عزیز تھے۔ ستر ہزار روپیہ صرف کر کے وطن میں ایک عالی شان کوٹھی بنوائی تھی۔

فدوی دیوان کے آخیں کچھ فارسی و لغات بھی ہیں۔ یہ لغات فدوی لوب کا بہترین نمونہ ہیں۔ نگارستان سخن میں ان کے متعلق حسبِ دل عبارت ہے۔

”مفتوں۔ شیخ موس علی۔ ساکن قصبہ کاکوری کا نام

نیکمنش و تیز دل کمال شہر انصوری امت از خفا گویا

شیخ غلام مینا سا جو بود و بالیاب سخن ماہر

تذکرہ وفیات میں ہے۔

”مفتوں شیخ موس علی۔ ابن شیخ ذوالفقار علی کاکوری

بر تعلیم و ترقی خاص قدرت کما بینتی داشت و از شاگردان

شیخ غلام مینا سا جو کاکوری بود و سرکار انگریزی بولت

عزالت دیوانی بعضی محضرت ذوالفقار علی تھے۔

اب تھوڑا فارسی کا کام کا حکم ہو۔

شعرا ان کو گوہر اور دارغ کو اختر بانہا ہی کرتے ہیں لیکن حضرت مفتوں اس بال مصنون کو اپنے انداز بیان سے اسلوب و گلشن بنادیا ہے کہ بے اعتبار داد نکل جاتی ہے۔

کہتے ہیں ۵

برون غلط چو شک از چشم من گوہر شود پیدا

قد گر عکس داغ بر زمین اختر شود پیدا

ایک قول کا مطلع ہے ۵

گر بے پردہ دیدم جلوہ رخسار زیبا سے

کہ در عیان چشم قطرہ دارد و روش دریا سے

ہمار کا زمانہ ہے۔ جنوں۔ وحشت سے دست و گریباں ہے طرح طرح

کے خیالی نقیوں سے عاشق دل بہلا رہا ہے۔ اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

ہمار آدھ من از برگ گل۔ در بر قمار دار

خیال ہم ہر دم از لعل لب افسانہ می بندد

مغربت میں وطن کی یاد پر اس طرح غار فرسائی فرمائی ہے ۵

ہر کوئی بان شہر درد من آتش

مفتوں برہ وادی غربت جو گد ششم

اکثر شعرا ہی مضمون بانہا سے ہیں کہ ہمار کا زمانہ کسی طرح غص سے

نیکمنش و چمن میں پنہیں لیکن حضرت مفتوں کہتے ہیں کہ چمن کی خوشبو سے ہم زندہ

ہیں اس لئے چمن میں جلنے کی ضرورت نہیں ۵

نہایت امت بدل لیکر یاد رکھو کہ

بفضل گل کلمہ غامض چمن مفتوں

اب ذرا درد و کام بھی سہ لیتے ۵

ناز سے دو توبہ کہتے ہیں کہ بے جلنے ہیں

بنا خیر آمد قاتل کی ہے سوئے قاتل

چشم نیکیوں کا جب آنکھ نالت لجا

پاؤں یاں مبر و قتل کے اٹھ جاتے ہیں

سر کھٹ آج بڑے کے جو بڑے جاتے ہیں

غالی ختم تھے تھے وہ آج بھر جاتے ہیں

دلی شیدائے دکھا بہتے وہ جلوہ کو سب میں میری نگاہوں کو جاتے ہیں  
ایک سوٹ سے جڑھٹا پکے خیال مغلوں آپ کی جان سے دھڑلے کر جاتے ہیں  
حضرت مغلوں نے ۱۲۴۷ھ رجب ۱۲۴۷ھ پختون کے دن آگرہ میں اشغال کیا اور  
حضرت شاہ ابوالخاٹم غفر اللہ عنہ کے مزار مبارک کے احاطے میں مسجد کے پائین دفن ہوئے

## (۲) یوسفی کا کوری

عبدالصمد نام۔ یوسفی تخلص۔ وطن کا کوری۔ رسول بخش والد کا نام تھا  
۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ یہ حافظ۔ عالم فاضل اور بڑے  
ذہین تھے۔ شاہ قلی علی ظہری کا کوری کے شاگرد تھے۔

گروہ فطری شاعر تھے۔ فارسی آردو دونوں زبانوں میں شریک تھے۔  
فرد میں بہت کلام ضائع ہو گیا نوے کے طور پر کچھ فارسی اور آردو کلام  
درج ذیل ہے۔

بدورنگ ہر کجکات کارے توہم دشمن من و اشتغائے  
دور مطلع ملاحظہ ہو کہ بے ساختگی سے کہا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی  
کا شاعر کہہ رہا ہے۔

بدورین صبا می رسد بوسے یا کے چدرک بیک و چنار ک سواری  
پھر فرماتے ہیں۔

یہ اندر جہاں از مرادم نشانے پریشان شد آن ہم چوشت بخار  
مرزاہ و مسجد خاک مسجد من باد و تاب آریے و آریے  
حضرت آتش کی غزل پر غصہ لکھتے ہو کہ آردو زبان میں ہے، جسے کہنے قابل  
ہے گراؤس کہ ایک ہی بندل نکلا۔ کیا روانی ہے۔

یہ تو ہے کہ اثر عشق کا بانی میں بھی تھا گریں مانتے ہوا اس سے بھی بڑی گندڑا  
فتیغ نہایا کہ نہ تھا آنا تو میں نے دیکھا تم ہمارے جو بے علم سے کٹ کر دیا  
اگ دیوہ گرداب میں آنسو ہو کر

فرد سے ایک سال پہلے اپنے والد کے ساتھ ان کو ۱۲۴۷ھ مطابق  
۱۸۲۶ء میں مزار سے فوت دی گئی۔

## درد کا کوری

## شاعرہ شاعرہ میر طبعے ۱۹۳۳ء

”جب تک ہے وہ سائے اک بخودی رہی“  
بخودی۔ زندگی وغیرہ قولانی رہی زلیخا  
ضروری قوال علیہ السلام۔ جہاں تک معلوم ہو جاتا ہے کہ تاجیہ خورہ کے بعد جعفر زلیخا  
ہو گئی وہ شاعرہ نہ ہو سکی (۲) شاعرہ شاعرہ کے صرف متعلق ہو یا تاجیہ خورہ کے متعلق ہیں۔ فرد  
نہ خدیجہ یاری کا ہونا لازمی اور ضروری ہے جس فرد پر خدیجہ یاری نہ ہو گا وہ قطعاً  
نہ ہو سکے گا۔ شاعرہ شاعرہ اساتذہ اس سلسلہ سے (۳) کسی شاعر کے ہاؤں شرے  
زیادہ شاعرہ نہ ہو سکتے (۴) خدیجہ شاعرہ شاعرہ شاعرہ تاجیہ خورہ (۵) ایک قسم پر دو شاعرہ ملک  
خدیجہ نہ ہو سکتی تاجیہ خورہ (۶) تخلص صاف اور صحیح ہو۔

ضروری مطالعہ۔ جن کے کتبہ نقد لادب میں نظم و نثر کی چند منتخب کتابوں کا اضافہ  
ہوا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ کلیات حسرت حوائی۔ غنایا تاجر مرزا آفاق۔ آردو تنقید پر ایک نظر  
و جہانیا ت فانی۔ خضر عروض۔ ساریات۔ علم انجوت۔ حدیث نام۔ تفصیل بہت  
کتاب میں لکھے اور جلد از جلد اپنا آردو کرکیز نقد لادب کو تقویت پہنچاتے  
جن کی تمام ادبی مہارت شاعرہ شاعرہ شاعرہ شاعرہ ہے۔

- (بقیہ خاصان ادب معلوم)
- (۵۹) محترمہ بیگم روشن آردو فارسی ہر کس کلمت سے سلائے
  - (۶۰) محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ ربین اشرف کلکتہ سلائے
  - (۶۱) جلیہ شمیم آردو شاعرہ بی۔ بی۔ ای۔ لی (آکفان بھائی دیشتر) بنالہ سلائے
  - (۶۲) جناب خدام عین صاحب قائم زیبائی جیلور سلائے
  - (۶۳) جناب طاہر ربین صاحب بیگم لائبریری مسور سلائے
  - (۶۴) جناب شیخ محمد احمد صاحب لائبریری بان پراکھ شعی و لائبریری شیخ محمد خدیجہ بیگم سلائے
  - (۶۵) محترمہ علی قانون صاحبہ کیرتھنا پور سلائے
  - (۶۶) جناب خان شری محبت خان بی آف کٹھری ڈاکٹر اشیا دار سلائے
  - (۶۷) جناب بلالہ خان رحمت خان صاحب مرقع جوگاندھ سلائے
  - (۶۸) جناب عبدالحق صاحب سبب نہا بھاپوری کوٹہ سلائے
  - (۶۹) جناب عبدالستار خان صاحب قائم خدیجی (دہلی) سلائے



## لمحات ماضی

وہ نمبر بربطِ فطرت پر ہیں آبِ اردوں کا  
وہ ٹھنڈی چھاؤں تاروں کی وہ نظر لاکڑوں کا  
نظر افروزہ تر سبز خطہ کہ ساروں کا  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
وہ دورہ کہ کسی کا لکنا خوف سے پیہم  
چاؤ شہم سے گزرا کبھی برگوشاں باہم  
تکلم بھی خدا ہو جائے جس انداز پر ہم  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
نگاہوں کو جھکا کر دفنِ وہ مسکرا دینا  
کبھی جادو جگا دینا کبھی بجلی گرا دینا  
کبھی کچھ سوچ کر دیکھیں روض میں لگنا دینا  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
سکوت شب کے تنائے میں جھپک رہا قافیاں  
نیاز و ناز کے شکوے ابھی وہ پیاری باتیں  
مری بزمِ نقو میں ابھی تک ہیں وہی راہیں  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
خانی ہاتھ سے جسہ چھانا یاد آتا ہے  
وہ ان کا مسکرا کر روئے چانا یاد آتا ہے  
محبت کیا، قیامت کا فائدہ یاد آتا ہے  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
تنفس کی وہ تیزی اور وہ بے ربط سے غیب  
جدا کی کے الم، الجھن اور محبت شکن مجھے  
تغافل کی اداؤں سے وہ طعنے کاڑھوئے شعلے  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
جہانِ عشق میں اسے خبر بر باد تھا ہوں  
میں اس دنیا کی رنگ و بو کا کبھی رنگ کا ہوں  
فقط ان چند کھوں کے سہارے پر ہی جینا ہوں  
مجھے گزرا ہوا رنگیں زمانہ یاد آتا ہے  
دیر نادہ عمر عثمانی جو ناگدھ

## وعدہ

بزم کو وجد میں لانا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
میں ابھی ساز اٹھانا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
ہم نشیں گانا ہوں گانا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
پریت کے گیت سننا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
اپنی آواز سے مردوں کو جگانا ہوں ابھی  
دل خواہدہ میں سوخا اٹھانا ہوں ابھی  
نوجوانوں کو سوتے جنگ لانا ہوں ابھی  
تیری دنیا بھی جگانا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
پریت کے گیت سننا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
میری کشتی ہے ابھی موت کے طغیانی میں  
کارہا ہوں میں ابھی جنگ کے میدان میں  
سے بھری رہنے کے سانی ابھی بیابان میں  
تیری محفل میں بھی آتا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
پریت کے گیت سننا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
شیخ کہنا ہے کہ آ میرا حرم اچھا ہے  
کہ رہا ہے یہ برہمن کو صنم اچھا ہے  
دند کہنا ہے نہیں ساعرجم اچھا ہے  
ابھی جھگڑے یہ جگانا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
پریت کے گیت سننا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
دیکھ دھندھلائی سی جانی ہے زلزلے کی نظر  
اپنی منزل کی طرف لوگ ہیں سرگرم سفر  
غازیوں کو ابھی بیٹے ہیں سنبھلے ساغر  
تیری جانب بھی رہتا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
پریت کے گیت سننا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
گوئیے ہیں مہرے کاؤں میں بھی نالہ آہ  
قل و غارت ہے اٹھانا ہوں میں حرکت نگاہ  
اہرمن آج کے دینا ہے دنیا کو تباہ  
سازِ عشرت بھی بجاتا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
پریت کے گیت سننا ہوں ذرا دیر ٹھہر  
نازش پر تا بگدھی

# ..... کی دائری

قسط ششم

یکم دسمبر ۱۹۴۲ء

اھ۔ یقیناً میری بیوی بھٹی میں شہر آدو کو زیناں نصیب ہوئی۔  
 ٹرین کو لاد سکتے روانہ ہو چکی ہے۔ بیچے کے قریب ہم بورنگ پیٹ  
 ہوئی گئے۔ یہاں جناب تیر کو لاری موجود تھے۔ یہاں کو لاد سکتے ٹرین تبدیل کرنی  
 پڑی ہے۔ چنانچہ میری بیٹی دیوے کے پیٹ خادم تک پہنچے۔ میں نے تیر صاحب  
 دریافت کیا کہ جناب تیر بورنگ پیٹ یہاں سے کتنے فاصلہ پر ہیں تو انھوں نے بتایا کہ  
 قریب ہی ہیں اور وہ انھیں اطلاع دینے کے لئے پٹے گئے۔ جناب تیر اور تیر صاحب  
 آئے ہی تھے کہ ٹرین روانہ ہو گئی تادیہ دونوں حضرات چلنی ہوئی ٹرین میں داخل ہوا  
 ہوئے۔ جناب تیر ملوی سے میں بہت دور سے واقف ہوں، اکثر خط و کتابت رہی تو  
 علامہ محی لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ بورنگ پیٹ کے ایک کامیاب تاجر اور صاحب ذوق  
 انسان ہیں۔ شرف بہتے ہیں اور طبیعت میں بڑی دعائی ہے۔ حال ہی میں تیر صاحب  
 توشہ ترانہ ہوئے ہیں۔ موصوف دو تین اسٹیشنوں تک ساتھ چلے تو کہ ان کے ساتھ  
 چل رہے تھے اس نے بھگور کے شاہ اور کافر میں شرم کر کے کہے اور تیر صاحب  
 کو لاد چل سکے۔ واپسی میں بورنگ پیٹ ٹھہرنے کے لئے مجھ کو روکے مگر میں انکی ذمہ  
 اسے دوست دل میں گود گزرت نہ چاہتے  
 کی طرف منتقل کرانے کی فکر میں ہوں۔ اور مجھے ان سے خاصی کے غلوں کی توقع ہے۔ کاش  
 وہ بھی میرے جذبات کا احترام کریں، انھیں ملے جیسے خیالات کو لیکر میں ان سے نصرت  
 ہوا۔ اگرچہ کو لاد میرے اسٹیشن پر اجاب موجود تھے۔ سب کی موت میں ڈاک بنگلہ  
 ہو چکے۔ غوث صاحب نے میں قیام کا انتظام کیا ہے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد  
 غلام غوث صاحب پر دولت کدہ پرے گئے۔ وہاں کھانا کھایا پھر ان کے کھانا میں تو  
 غوث صاحب کے کارخانہ میں حدود لوگ کام کرتے ہیں، اور کارخانہ کافی زنی پر ہے  
 یہاں کی حضرات ملنے کے آئے۔ محمد حین صاحب عاقلیہ ریشا پر پیرے ہیں لنگو  
 ہوئی۔ میں سیدہ بزرگ ہیں مگر تعجب جو ان ہے کچھ دیر بعد جناب دو تین میل آبادی  
 ہار پھول لیکر آئے۔ یہ نوجوان ہیں اور ادب آداب سے بھی طرح واقف شہر کہتے  
 ہیں مگر طوائش پانڈیاں کھل کر اس پر وقت نہیں دینے دیتیں۔ بڑے پڑھانے والے

۴ بیچے صبح بیدار ہوئے۔ غرضی سامان مرتب کیا، اسٹیشن کے لئے کار کا  
 انتظام کر لیا، شب ہی کو ہو گیا چنانچہ صبح علار الدین ملازم کے اسٹیشن روانہ ہو گئے۔  
 یوں تو بنگلہ کی کیف سامان غلوں سے ہفت دو چار چھوٹے کا موقع ملا ہے لیکن بنگلہ  
 کی صبح آجک نہیں دیکھی تھی۔ اس صبح کا تو کہ نہیں ہے جب آفتاب کی کرنیں صحت تاب ہوں  
 اندر سے پہلی ہی بار بنگلہ کے بندہ والا ایمان بگلائے ہوں ایسی عین کوئی دیکھی ہیں  
 ————— وہ کچھ صبح جس کی نگاہیں آتے نظر آتے کش ہیں بالکل پہلے بار دیکھی ہے بخشی  
 اور کشی میں ہم۔ ————— تازگی اور تازگی میں ہمک ————— تاروں کی اوٹ سے  
 جھلنے والی سیاہیوں پر بندہ یوں کا غارہ ————— ہر طرف ایک خاموشی اور ایسی خاموشی  
 جس میں بکوں کے چٹنے کی آواز صاف طور پر سنائی دے سکے۔ ————— زمین سے  
 آسمان تک وہی فضا۔ ————— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبز دار۔ ————— درخت۔ ————— دوسرے  
 پھول سب جاگ چکے ہیں۔ مگر کل وہاں سے بوجھل ہو رہے ہیں ————— غرض جانی  
 ہوئی بات کا بگناہا، عالم، شاعر کی اس سے براہ راست آنکھیاں کور رہے اور عمر بھر  
 میں پہلی بار دل و دماغ اتنے کیف اندر ہوئے ہیں۔ چونکہ شہر کا اسٹیشن بہت دُور ہے  
 اس لئے پہنچنے پہنچنے ہر طرف آواز جات پیدا ہو گئے۔

جناب غلام غوث صاحب مالک کارخانہ سورن بڑی نیکوئی و صدقہ خیال گواہ  
 ، میں نے اپنے آئے ہوئے ہیں۔ انھیں کی دعوت پر کو لاد کے سفر کا ارادہ کیا ہے۔ موصوف کو  
 اسٹیشن پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ ہم نے اسٹیشن پر قدم رکھا ہی تھا کہ پروفیسر  
 عبدالغادر صاحب سرودی ام۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی صدر شہر آدو میری بیوی بھٹی  
 نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ پروفیسر صاحب اسی ٹرین سے میرے تشریف لائے ہیں۔ ابھی  
 پروفیسر صاحب دو تین ہی منٹ گفتگو ہوئی تھی کہ غلام غوث صاحب بھی آئے۔ پروفیسر صاحب  
 اور اہل اخلاق ہمارے ساتھ اس ٹرین تک تشریف لائے جس میں میں ہوا ہونا ہے  
 چونکہ ٹرین کی روانگی میں دیر ہے اس لئے سرودی صاحب سے تفصیلی گفتگو چلی ہے  
 میرے اختلاف پر موصوف نے فرمایا کہ اس سال بی۔ اے آؤ میں ۲ طلبہ ۳ طالبات  
 اور بی۔ اے میں چالیس طلبہ آؤ دے کہ ہیں۔ یہ اعداد و شمار بڑی حد تک امید افزا ہیں

ہیں۔ جناب قلیل کو لاری۔ جناب بزرگ لاری۔ جناب تیرگ لاری اور جناب دوق فامیری جن بی بی بھی ساتھ ہیں۔ دو بجے کا وہ پھر واپس آئے۔ شام کو جناب حکیم سرکار زبانی تشریف لے آئے۔ سرکار صاحب کا قیام شندو پورنگ بیٹ میں ہے یہ پھر ریسہ بدن کے بہت زیادہ دسلے داسے ڈوان ہیں۔ لنگھو سے زہانت اور بکائی آٹا رہے۔ شروشاوی کے دھانات سے بھی طرح واقف معلوم ہوئے ہیں۔ پتہ عجائب میں بھی کامیاب ہیں اور شاعری میں بھی۔ غلوں کے تحت کے مظاہر میں یہ بھی کسی سے کچھ نہ ہے یہ معلوم ہوا ہے کہ جیسے سرکار صاحب بہت ذہنی تعلقات ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل ان کے شے کا اتفاق ہوا اور وہ خط و کتابت کا۔

کولار۔ ایک چھٹی سی بستی ہے۔ اس کے قریب ہی چند میل کے فاصلہ پر کولار گولڈ فیلڈ یعنی سونے کی کانیں ہیں اور بقول اہل میورا ضلع دکھنا ایک دیدنی چیز ہے محرم رہنا ہے بڑوں کی وجہ سے پور کا رے انتظام میں وقت بڑی ہے۔ مگر سارا غلوں کا انتظام غوث صاحب اور جناب قلیل کو لاری نے اس محلہ کو بھی لے کر لیا۔ سڑک کے وقت سے کچھ قبل کا رات گئی۔ غوث صاحب۔ قلیل صاحب۔ سرکار صاحب۔ بزرگ صاحب اور ہم سونے کی کانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ رات میں دو بجے پتہ بھی پڑنے لگا۔ اسے گذر کر دس کل میلے کے بعد کابینہ نظر آئے گئیں۔ قریب گئے تو کسی مقامات پر بڑی اونچی اونچی مشینیں نصب دیکھیں۔ جہاں یہ مشینیں نصب ہیں ان کے قریب دو دو ڈنک کھدی ہوئی تھیں جس سے ہمارے بنائے گئے ہیں۔ یہ مشینیں سب آدھنگ کی ہے اور زمین سے نکلی ہے ایک صاحب نے بتایا کہ اہل زمین کا خیال ہے کہ چند سال بعد یہ مشینیں پھر سونا پیدا کرے گی۔ دانشور علم بہر حال پتا کا نظر دیتی ہے۔ مشینوں کے قریب ہی بڑے بڑے کا دفانے ہیں۔ جن میں سونا دفنا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ ۳ ہزار فٹ کی گہرائی تک کھدائی ہو چکی ہے۔ اس علاقہ کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے اور یہ سب لوگ انھیں کانوں میں مختلف کاموں پر موزوں ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت ہند ۲۳ لاکھ روپہ سالانہ گرانٹ پر تیار کر رہی ہے۔ چونکہ وقت کافی ہو چکا ہے۔ اور آج شب کو کولار میں شام کو بھی ہے اس لئے نصف گھنٹے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ابھی ڈاک بنگلوں کے کمرے میں تھے کہ بنگلور سے جناب کے محمد سلیمان صاحب پر دانا آئے۔ یہ بھی علامہ صاحب سے اطلاع ملے ہیں۔ مگر ذکر سخن نسل کے ساتھ نہیں کرتے ہیں۔ ہندو نسل کے تھوڑے تھوڑے بنگلوں میں تو پرانا کاماب نے ایسی پرواز کی کہ دو دن تک نظر نہیں آئے۔ پھر آئے تو ایسے کہ جوت کو جوہر ہے جن پر غلوں عقیدت انھیں کولار بھی کچھ لائی ہو جائے صاحب محمد و انک داد بہت کا محترم ہیں۔ ان کی باتیں بڑی پیاری اور دل آویز ہوتی ہیں۔ کسی زمانہ میں دولت و ثروت ان کی غلام تھی۔ اب انقلاب کی گونج

بھگولے کھا رہے ہیں۔ مگر وہی آن بان ہے۔ پرواز صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ گزشتہ شب کو سر زمین چلی ٹاؤن ہال میں خلیفہ ہند مدد سر دار بکر اختر نے حضرت امام حسینؑ پر ایسی بے پناہ تقریر کی کہ اہل بنگلور نے اس سے پہلے بھی نہیں سنی تھی۔ ہر جگہ پارسین تحسین و آفریں کے فرسے بلند کر رہے ہیں۔ وہ جب جاہتی تھیں رلا دیتی تھیں اور جب جاہتی تھیں جذبات کو برا بھلا کر دیتی تھیں۔ تقریر ختم ہونے کے بعد ہال میں ایک حادثہ بھی ہو گیا۔ یعنی اوپر کی گیلری میں لیبر لیڈر کی قتل گیس کی بوتلیں فٹ مین کی بے پناہ کثرت کی وجہ سے گرتیں اور وہاں سے بے ہوش ہو کر گئے گئیں۔ شور ہوا کہ آگ لگ گئی۔ بندہ آخر بے دھولک اس مقام پر پہنچ گیا۔ ابھی چند ہی فوٹین کو اٹھا تھا کہ فوڈ می بے ہوش ہو کر گئیں۔ صبح ۴ بجے اسپتال میں انھیں ہوش آیا تو پچھے گئیں کہ سب بھی مرنے لگے ہیں۔ یہاں بھی بندہ آخر نے اپنی اہل انسانی کا وہ مظاہر کیا کہ جس نے دل کے گوشوں میں ان کے غلوں سے محبت کو کھو دیا۔ دن کے کولار ٹاؤن ہال پہنچے۔ سامعین کو بہت زیادہ دے تھے پھر بھی تعداد کافی تھی ڈانس پر کچھ مخصوص شرا اور عائدین بیٹھے ہوئے تھے۔ شام کے بعد وزیر احمد صاحب ایس۔ ڈی۔ او کولار تھے۔ چونکہ شام کا انتظام بڑی محنت میں کیا گیا تھا اس لئے کافی می لوگوں کو اطلاع نہ ہوئی پھر بھی فضل اللہ مولانا مدیدی الدین صاحب سر قافی ہوئی عبداللہ سطر تریف صاحب۔ حافظ نور محمد صاحب باقی تھی۔ علی عباس صاحب انسپکٹر آف پرائمری اسکولز شریک تھے۔ جناب سرکار زبانی نے علامہ صاحب مذکورہ کا کفار ت بڑی بلند آہنگی کے ساتھ کرایا اور علامہ کی علمی و ادبی خدمات پر اجمال کے ساتھ دو دشمنی ڈالی۔ پھر علامہ خیال کولار کے اراکین نے ایک مظلوم سپاس نامہ پیش کیا۔ علامہ صاحب نے بھی ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں بات پر زور دیا کہ اہل میورا اور دھوا کا لفظ صحیح حروف کے ساتھ کیا کریں۔ ایسا نہ کرنے سے ایک تو زبان بگڑتی ہے دوسرے اگر کلام پاک کی عادت کی جائے تو معنی اور مطالب میں فرق پڑتا ہے۔ مثلاً عام طور پر میورا میں "کی جگہ" "خ" بولا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایک مختصر تقریر کی اور یہ مشورہ نہایت کامیابی کے ساتھ شب کے پہلے ختم ہو گیا۔

صبح ناشتہ کے بعد جناب مدیدی صاحب وقوف پر فیضانِ کلمہ کی قیام میں لے گئے ہمارے ایشم کے کمروں اور انڈوں کی پودش ہوئی ہے۔ رات میں میورا میں ایشم کی تجارت بطور خاص خرما پر ہے۔ دن کے آدھے کی ٹرین سے واپس ہونا تھا۔ بیٹھ کٹھے بیٹھے کتہ پلا خاؤن صاحب۔ ذوق صاحب۔ قلیل صاحب اور علی عباس صاحب ایشم انسپکٹر ملکری اسکوٹ رخصت کرنے آئے۔ پھر صاحب مانت میں مجھ کو دیا تاکہ اس میں مدد کر سکے۔

بھگولے کھا رہے ہیں۔ مگر وہی آن بان ہے۔ پرواز صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ گزشتہ شب کو سر زمین چلی ٹاؤن ہال میں خلیفہ ہند مدد سر دار بکر اختر نے حضرت امام حسینؑ پر ایسی بے پناہ تقریر کی کہ اہل بنگلور نے اس سے پہلے بھی نہیں سنی تھی۔ ہر جگہ پارسین تحسین و آفریں کے فرسے بلند کر رہے ہیں۔ وہ جب جاہتی تھیں رلا دیتی تھیں اور جب جاہتی تھیں جذبات کو برا بھلا کر دیتی تھیں۔ تقریر ختم ہونے کے بعد ہال میں ایک حادثہ بھی ہو گیا۔ یعنی اوپر کی گیلری میں لیبر لیڈر کی قتل گیس کی بوتلیں فٹ مین کی بے پناہ کثرت کی وجہ سے گرتیں اور وہاں سے بے ہوش ہو کر گئے گئیں۔ صبح ۴ بجے اسپتال میں انھیں ہوش آیا تو پچھے گئیں کہ سب بھی مرنے لگے ہیں۔ یہاں بھی بندہ آخر نے اپنی اہل انسانی کا وہ مظاہر کیا کہ جس نے دل کے گوشوں میں ان کے غلوں سے محبت کو کھو دیا۔ دن کے کولار ٹاؤن ہال پہنچے۔ سامعین کو بہت زیادہ دے تھے پھر بھی تعداد کافی تھی ڈانس پر کچھ مخصوص شرا اور عائدین بیٹھے ہوئے تھے۔ شام کے بعد وزیر احمد صاحب ایس۔ ڈی۔ او کولار تھے۔ چونکہ شام کا انتظام بڑی محنت میں کیا گیا تھا اس لئے کافی می لوگوں کو اطلاع نہ ہوئی پھر بھی فضل اللہ مولانا مدیدی الدین صاحب سر قافی ہوئی عبداللہ سطر تریف صاحب۔ حافظ نور محمد صاحب باقی تھی۔ علی عباس صاحب انسپکٹر آف پرائمری اسکولز شریک تھے۔ جناب سرکار زبانی نے علامہ صاحب مذکورہ کا کفار ت بڑی بلند آہنگی کے ساتھ کرایا اور علامہ کی علمی و ادبی خدمات پر اجمال کے ساتھ دو دشمنی ڈالی۔ پھر علامہ خیال کولار کے اراکین نے ایک مظلوم سپاس نامہ پیش کیا۔ علامہ صاحب نے بھی ایک مختصر تقریر فرمائی جس میں بات پر زور دیا کہ اہل میورا اور دھوا کا لفظ صحیح حروف کے ساتھ کیا کریں۔ ایسا نہ کرنے سے ایک تو زبان بگڑتی ہے دوسرے اگر کلام پاک کی عادت کی جائے تو معنی اور مطالب میں فرق پڑتا ہے۔ مثلاً عام طور پر میورا میں "کی جگہ" "خ" بولا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایک مختصر تقریر کی اور یہ مشورہ نہایت کامیابی کے ساتھ شب کے پہلے ختم ہو گیا۔

# کو تلاش کرنے والے

## مرد و عورت

اگر ناکام و نامراد اور مایوس ہو چکے ہو قبل از وقت زندگی کے ختم ہونے کا غم جوانی میں موت سے آغوش ہونے کا بیج اور شباب میں بڑھاپے کے اثرات کا احساس کو ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہو تو ہندوستان کے مشہور۔ ممتاز اور مستند

## دوا خانہ عظمیٰ خندہ حیات ممبئی

کی طرف رجوع ہوں جسے سالہا سال کی عرق ریزی، کوشش، کاوش اور جانفانی سے مردوں کو عورتوں کے لئے آب حیات کا پتہ لگا یا ہے تاکہ مرد بھائی ہوتی جانیاں اور سرفروشت ہو جائیں۔ زرد چروں پر سرخیاں چوٹ نکلیں۔ ہانپنے، لہانپنے اور دھڑکنے ہوئے دل قوی ہو جائیں۔ آنکھوں کے سٹے، چہرے کی بھڑکی ہوتی ڈوبیاں جسم کی پیلاہٹ اور ناتوانی دور ہو کر زیادہ دن تک زندہ رہنے کا امکان پیدا ہو جائے

مردوں کی قبل از وقت موت کا سبب جریان ہے

جوان عورتوں کو قریب تک پہنچانے والا سیلان الرحم ہے

اور اس کی تیرہ ہفت دوا

اور اس کی سو فیصدی کایاب دوا



ہے۔ سفید رطوبت کا اخراج عورت کے جسم میں کوئی لگا دینا ہے۔ طبیعت معنی اور اخراج دہرے ہی ہے۔ جو کہ لگتا، نقص دینا۔ عمل متاثر نہ ہونا اور فراہم کرنے کی صورت میں کرنا۔ پتھریوں میں پتھریاں پیدا کرنا۔ دل گھبراہٹ، سرگھبراہٹ، ہاتھ پیروں میں بھڑکن، آنکھوں میں گڑھے اور چہرہ بزدلی۔ ان تمام شکایتوں کو ختم دیکھنا اور کرنا دھامی کا پہلا کام ہے۔ چند خوراکیوں میں سفید رطوبت کم ہو جاتی ہے اور بزدلی دن میں بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنے



ہے جس کی چند ہی خوراکیں۔ حیرت انگیز اثر کرتی ہیں۔ پیشاب کے ساتھ دھات یا پانی کی طرح بہتا۔ سرعت، انزال، اختلام اور رجم ہوتی جس کو جیسے اکھڑ دینا ضرور لگتا۔ لہذا کوئی کرشمہ ہے۔ مادہ منہ کو غیبی اور گھبراہٹ کرنا جسم میں تازہ خون گردش سے پیدا کرنا۔ کوئی ہوتی طاقت کو بہا کرنا نقص اور باغی کی خرابی کو دور کرنا زنگولہ کی نایاب خصوصیات ہیں۔ آج ہی زنگولہ کی ایک پیشی طلب کیے اور ہماری صداقت کا امتحان کیجئے۔ قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنے

ایک گندارہ شہید اگر دنیا میں یقین دہانہ کوئی چیز ہے تو آج ہی یہ دوا اس طلب کیجئے۔ جریان اور سیلان الرحم کا مرض مین کام ہے اتنی ہی اس کی دوا میں عمل عام ہے اور سب دیکھتے وہ ضرور مندوں کو ٹوٹنا جانتا ہے۔ لہذا ان امراتہ کے لئے دوا اس منتخب کرنے وقت ہند اور غیر دوا فائز کا خیال رکھئے۔ دوا خانہ خندہ حیات، مومندرا سے پہلے کی خدمت کر رہا ہے۔ روسا حکام، عوام اور خواص سب اس کی دواؤں کے معجز اثرات پر عمل کی اور زرد آفری سے مطمئن ہیں۔

DAWAKHANA KHND-E-HAYAT

POST BOX NO. 188 (S-A) DELHI NO. 360 (S-A) BOMBAY.

دوا خانہ حیات پوسٹ بکس نمبر ۱۸۸ (اے-اے) دہلی پوسٹ بکس نمبر ۳۶۰ (اے-اے) بمبئی

# وقت کا یہ اہم ترین پیغام

ہے ملک اختلاف و انتشار عام میں  
ہمیشہ اقوام ہے جمیعت اقوام میں  
(بیاب)

دین پچر کی ناقابل فراموش - روح پرور - دلچسپ - نظر سرب اور لافانی تصویر



لے کر آ رہی ہے جس کے دامن پرندرتوں - جہتوں اور کیف سامانیوں کے سدا بہار پھول بکھرے ہوئے نظر آئیں گے جس کے دلکش گانے - گونجتے ہوئے منگالے - روح نواز میوزک حیرتناک عکاسی اور مستغنی داد اداکاری اقوام ہند کے دلوں کو آپس میں جوڑنے کا موثر ذریعہ ہونگے

اسٹوری اور ڈائریکشن :- اے - رفیق رضوی

ایف - دین - ہمدرد پرنٹر  
کامل رشید - مکالمے اور گانے  
پروفیسر بشیر خاں ہلوی - میوزک



# مشاعر شاعر - معنی طرح - یہ فلک میرے لئے ہے یہ زمیں میرے لئے

## محسن ادب حضرت نثر نگار

## حضرت ارشد مدنی امروہوی

تو رہا تو بیچ میں دنیا و دین میرے  
در حقیقت تو نہیں دیکھ نہیں میرے لئے  
رائے آہ و بکا جو تپا ہے کون سے ضبط تو  
یہ کہوں وہ کہیں بھی نہیں میرے لئے  
واقعہ سجدوں کا سودا میں ناچا ہے  
آسمان آجائے گا میں میرے لئے  
دل جو کتا ہو وہ کرنا چلا راسخ نواز ہے  
مجھے ہو یہ حکم دل عالمیں میرے لئے  
ابکے دودھ آتینیں ہیں میں پورے  
اک جوں کے واسطے اک میں میرے لئے  
اس کا دنیا بھی ہے نکل اندکھائی محال  
اک نصیبت ہو گئی جان تریں میرے لئے  
ایک شکر کرتے جان کی زمین کو چھو کر  
قابل سجدہ نہیں کوئی زمیں میرے لئے

## حضرت منظر مدنی اکبر آبادی

## حضرت قمر نعمانی سمری

عشق کی سوز ہے میں انیس میرے لئے  
زمین کیا کیا تھا کی گئیں میرے لئے  
بچ کر دی نصرت دنیا و دین میرے لئے  
کوں دیا تو نے دل اندھ میں میرے لئے  
نسل در نسل چلیں جنوں کی توبہ میں  
عشق آبا آئیں در آئیں میرے لئے  
طرح ہی پر انھما را با دین ملوہ نہیں  
تو جہاں چاہے جگہ تو میں میرے لئے  
تنگ ہے دنیا تیرا دوق بیانی ہے کبروں  
کیا نہیں گناہ کش سجدہ کس میرے لئے  
آجکل پھر دین کا رستہ ہے منہ منہ  
دے کوئی پنجام پھر تیرا میں میرے لئے  
اب میں اچھوٹا جگہ جانی ہو خبیث خیال  
بن ہی جانی ہے شرت آفریں میرے لئے

## حضرت انور بھوپالی

## حضرت رونق دکنی (جمشید پور)

موت ہی کو بھڑکے بارب کہیں میرے لئے  
ایک آفت ہے دل نہا نہیں میرے لئے  
پھر اسی کا فردین کی یاد سے ڈر پادیا  
آسمان کم نہیں جس کی زمیں میرے لئے  
گرچہ ہے سدودھا توئی لیکن دین فکر  
بھجودتا ہے خدا روضہ الامیں میرے لئے  
آسمان تو سارے ہیں جس میں کم نہیں  
بیکیاں رکھتی ہے ذرا نہیں میرے لئے  
بھرتے جانا ہے ظالم دل کی کچھو کچھو  
دوسرا کوئی جو جسکی سرزمین میرے لئے  
شکوہ اس خالی کون کا جو دین فکر  
کھڑتا ہے در عرض بریں میرے لئے  
جسب کبھی آکر سے منزل تھا پھر قدم  
دوست بن جاتے ہیں بار نہیں میرے لئے

آسمان ہے کونے قاتل کی زمیں میرے لئے  
نذرہ ذرہ ہے قامت آفریں میرے لئے  
ہے مزیک غم کی نھی انگلیں میرے لئے  
تا سرخزاں نہیں آتے کہی جلاہوں میں  
جلوہ آ رہے کوئی بڑ نہیں میرے لئے  
نرخیز رنگ شفق میں لکشاں ہیں میں  
آسمان میرے لئے ہے یہ میں میرے لئے  
رہنا ہے جذبہ عرم دین میرے لئے  
مرن میرے دم سے قائم بہت بود ہے  
ڈرے نہ سے میں نظرائی کی منزل کی جھلک  
بھی کسی کی اک نگاہ اولیں میرے لئے  
عالی پنجام خاموشی امین اضطراب  
تنگ ارشد جادہ سہی نہیں میرے لئے  
جھوٹا لانا آسانی گذر جاؤں گا میں

جب دغا ہے ابکی خصوص نہیں میرے لئے  
وہ زمانہ ہوگا غاب میں میرے لئے  
نم را کوئی تھی تیری آئیں میرے لئے  
کیا وہ دن بھی یاد میں ہے دشمن عدو فنا  
داغ رسوائی ہے ہر داغ میں میرے لئے  
دل اگر مال نہیں تو سرگرداں ہے غفل  
شکلیں مجھے پہلے نہیں میرے لئے  
آئینہ بن جائے ہر داغ میں میرے لئے  
آنہ ہر آفتاد پرے مبروں تو ہے دل  
کوئی تارہ بھی کہیں روشن نہیں میرے لئے  
یکسی صورت قمر مکن نہیں میرے لئے  
کم سے کم اتنی تو دے جلاں کبریا آبرو  
بیکسی تمام غربت کا مری یہ حال ہے  
ظاہری اطلاق پر ہے حق بنیاد و کار

خدا جو کیک عالمی ذوق میں میرے لئے  
نک ہمارے ہے دنیا فطرت خاموش کو  
جذبہ ہر دھجی میں جو سرمایہ فون و فنا  
دو کو کس کے چاند اول میں ملو گئے  
بند ہو کر غلہ زاد حسن میں آنکھیں کھلیں  
واوہ تاب بخت کی طاعت کھڑا ہوا  
یہ حال ہے شکر کا اصل انکسار

یا آہی آہ کوں مکن نہیں میرے لئے  
ہے ہر اک نیکوئی دشمن آفریں میرے لئے  
عالم مدبر ہیں ہے آئیں میرے لئے  
دلت کی خوارشالی ہی آنکھیں میرے لئے  
موت آئی ہے پنجام میں میرے لئے  
سہ سے آگے ہے اور انگلیں میرے لئے  
یہ حال ہے شکر کا اصل انکسار

### حضرت مرتضوی سے لوری

کوئی نظر بھی نہ اٹھاؤ نہیں میرے لئے  
یہ فلک میرے لئے ہے نہیں میرے لئے  
عشق کی فطرت نہ ہوا تو مجھ کو چل نہیں  
نہیں کو تھا اضطراب بیل کی مثل نہیں  
خوفی سجدہ میں مرا ہر حرکت ہے بے قرار  
ہے ازل سے ابد نہ رہے مجھ کو سلسلہ  
یوز و شب کے تہرہ کی پیہم فطرت کا راز  
مجھ کو تصدیق صاحبہ ایم اے بی بی

ان لوگوں میں جو خواب آئیں میرے لئے  
گردش باہم کی نہیں کیا ایک رنگ نہیں  
پار مانا ہے مجھے توں فزع کے منظر  
میرے بشتانی جہاں کدی بعد مجھ کو نیاز  
بہر سکون درجہ میرا نہ جاتے وہیں  
دیکھ تو میری طرح آنکھوں میں کھیں ڈال کر  
کہہ کر پہلے سے اگر کوئی کہے تو رات دن  
جناب مولانا کثیف بہاری

چند آنسو ہیں غریب آئیں میرے لئے  
ہو نہ یہ غم و ہر روائی کہیں میرے لئے  
ایک منت خاک کی آفتاب کے دلدار رہا  
آپ اپنی رحمت مجھ پر ابھی انداز کو رہیں  
لے جنوں پہلے مجھے تو حُسن کی کسی کو دھند  
دے نہ پیہم جو اسے سجدہ ادا نہ دیکھی  
کثرت میں ہوں کثرت میں اپنے نصرت کو پہنچو  
جناب طرفہ قریشی بغدادی

یہ فلک نہ چاند نہ سورج نہ میرے لئے  
کا دنا و دنگ میں کیا نہیں میرے لئے  
اشرار و خطرات کی کی جو نگاہ مالہ  
فلز نے دکھا تھا میں کا نام میرے لئے

آتشا ہے مجھ سے شان ربّ خدا کمال  
میری نظروں میں ہے اک حُسن مجھ کی جوار  
جس جگر طرہ ہوئی مجھ کو کتب ادب کی  
جناب سہا قریشی ایدہ دو گیسٹ بھند

نہی مفید وقت آؤ انہیں میرے لئے  
حُسن کی نظیر ہی تھی گزرا جناب اندھار  
شرقی سے رہا دگر سے تو مجھ کو لے غول  
”بے سبیل مذکورہ“ بچنا نام آج سے مرا  
”اے جب پہچان کرے میرے لئے کیا درد عشق؟“  
میں شگفتہ گل کا ہوں کیا جلد کتب فطر  
جو تیرے حُسن کی میں میں میں لے سہا

جناب بزم امر و موی (کیا نور)  
گو ہوئے اب تک نہ تم ظاہر کہیں میرے لئے  
بن گیا ہوں میں خدا کو سوز ساز عاشقی  
جلوہ گر ہیں وہ میرے غم خاندان ایک میں  
روح کی جہانیاں دل پر اتر کر سے لگیں  
وہ تو کوئی ہے جن پر بخود ہی صفا لگی  
باہر و بیرون بندگی رہے یہ فیدہ استمال  
توئی شوقی کسی نظرا آتی ہے بزم آرزو

جناب شاد اداوی  
جب کوئی تسکین کی صورت نہیں میرے لئے  
آپ نے بلیں پہلے میں نظروں نصیرت فرماں  
جب تو میں جاذبِ نظر ہو کر ہو کر آگے  
پہنچا جود نے میرے حال پر بے قیاد  
دیکھ کر کوئی جو صحرانہ ہو نہ نہم تاں  
مُحَلّ، کیا جان جاہم، بادہ ہر تازہ ہوا  
آئیں میرے میری تازہ دامن حُسن کا

جناب نندو شیر کوئی  
میں نے اپنے دل کا نام لیا میرے لئے

یہ جہاں بھلائے غم نہ رہے میرے لئے

## جناب خاور جلیوی

تاجکے سنا رہوں ایٹے وعدہ کا فریب  
سوز دل کو پلنے اس کچھ کام لینا ہے مجھے  
میں تو دیوانہ ظاہری موت کا چپا ہی گیا  
آپ کو مطلب ہی کیا ہو مجھ جان زار سے  
حشر ہی ہے اگر موتوں داد بیکسی  
جسکا ہر گھمٹا فردوس مجسم ہے تدبیر  
جناب میر تقی میر کی لاری

جہ حقیقت سے ہیں وہ دنیا دہیں جہ  
میں نے کئی جس قدر انداز ہندی اختیار  
اُس کا نمونہ کم ہوں جسے صندوق ہوا  
خندہ پیشانی سے باغ غم اٹھانے کے بعد  
موت سے تسکین کی صودت ہوئی انجام کار  
دولت غم کے قادیان سے سب کچھ پالیا  
جناب رعنا نظامی (راجوری کشمیر)

خود کرنا جہاں کیا کچھ نہیں میرے لئے  
راز ہے صبح ازل کا یہ سحر آج تک  
پُر خطر راہیں مجھے مجھو ادا ہی ہیں نظر  
اپنی جولا نگاہ خوش اس کو نہا ہے مجھے  
آؤ ہو چکا ہوں میں ساحل تک میرا ہی گھر  
عشق میں سے جسے کہیں اک آہ بھڑکنے لگا  
جناب منظر مظفر لدھی (اڈنگولی اجپارن)

آٹھ گاہے اجازت آن واپس میرے لئے  
اُس سے بڑھ کر ہر گاہ حشر میں وہ بے نقاب  
ذوق نگارہ سلامت، وعدہ فردا بجز  
طور بریری بلا سے کوئی آئے یا نہ آئے  
نزع میں صورت دکھائی کسی کھان لی  
خطا باری سبزین ہند کا منظر نہ پوچھ  
جناب بیتاب کالپووی

کیوں پریشان ہوئی اندر میں میرے لئے  
زندگی کا ہر نقش ہے تیش میرے لئے  
دینے آئے ہیں نوید زیت پائین ہر گ  
زندگی ہے سحر فحشی و کین سے فلکی ہوئی  
آج کل ہیں وہ فقور جس سے طوطا طراز  
جھوٹے بیتاب کہنے میں فرار از زندگی

وہ نہیں تو توں ہی آئے کبیں میرے لئے  
اور کیلئے کرانا کا تبیں میرے لئے  
ہو گیا وہ آج با آستین میرے لئے  
دل جو ہے گلاب چلاں چھو میرے لئے  
سازگار اب و بعد اسی ہی نہیں میرے لئے  
اب عایں اٹھائے نکدہ میں میرے لئے  
پُر خطر کولار کی ہے سرزمین میرے لئے

جناب خاوضی جو پوری (مبئی)

”یہ فلک میرے لئے ہے یہ نہیں میرے لئے“  
ہر نفس ہے اک شعلہ آتش میرے لئے  
ورنہ ہر اک شے یہاں کی تھی میں میرے لئے  
کیا نگاہ حشر ہے اندر میں میرے لئے؟  
آسمان کی مازیں ہوتی رہیں میرے لئے  
آن تک ہیں مازیں افزائیں میں میرے لئے  
آری ہے محبت غلیب میں میرے لئے

حضرت عزمین اختر دارانی سرحدی کو باٹ

ہے فقط اک زندگی دردا فریں میرے لئے  
ماتے مٹا دوا دوا و طوطا حجاب اندر حجاب  
ساز ملے تار لوطے میں کچھ ہر انداز سے  
بر نفس جن کھپاں آگ سے دہکی ہوئی  
بارغ عالم کی جس شاخوں سے کھلائی ہوئی  
دولت کریں بلکہ آہ اختر تک کردوں



## جناب شہید جلی

تم اگر ہوتے تشریف آفس میں میرے لئے  
ہوتے جس ننگا موت سے وہ کفن بار  
میرے حادث کا کفن ہی ہے گناہ گار  
ہر سیکے تو زندگی و موت کے عالم سے دور  
کون دہشت ہے جس میں نہیں میں گناہ  
موت شاید حاصل میرے سکون ہوا شہید  
جناب خادم شہید جلی از دہلی

قول اچھا ہو تو کوئی نہیں میرے لئے  
جاننا چاہی ہوں ہے ہر کس میرے لئے  
میں تائیں، کچھ کیا دلی، ہو گیا تھک نام  
اسے دلی آشفہ تو کچھ چاہے ہر کہاں  
دات دن دینا تو ہے چاہے چاند سورج کو چاہے  
رفت سحر چاہے خادم کو دلی "کاکھ" و  
جناب ہلال پریمی از کوٹشی

غزوں کی کوئی صورت ہی نہیں میرے لئے  
یہ جوانیہ ابر، پہنچے، یہ بھلا لہریہ ہمار  
صوت آنکھوں ہی میں باج ڈینا غدا نہیں  
میں نے تھک کر دکھایا جس اہل پناہم  
آئناں ہوئی لگا ہر کس بھی کر لیتا ہوں میں  
میرے کچھ اٹھا سکون دل ہے اب تک ہلال

## جناب انور شہادوی

کوئی شے ہے جہاں میں جو نہیں میرے لئے  
میں دشوار ازل ہوں عالم ارجا میں  
نہرے بام و درنگا ہوں میری قدرت  
کہ اب دنیا ہی جتنی جلی میرے بغیر  
میں اپنی زندگی میرے شرب میں پیدا  
جب سے ازل میں جس پر گراؤ کو خوش

غیرت فردوس ہوئی یہ میرے لئے  
خود بخود ہو جائیگی دنیا جس میرے لئے  
انسی خاموشی بھی کچھ خود نہیں میرے لئے  
سیکھے آباد اک بزم میں میرے لئے  
کوئی ہے وہ مصیبت جو نہیں میرے لئے  
ذمگی تو کچھ سکون نہیں میرے لئے

غیر کی خاطر تو اس ہے اور میں میرے لئے  
ماہر و میرے لئے ہیں ہر جہیں میرے لئے  
تھکا رہا ہوں ہے اور ہنسی میرے لئے  
جہیں دنیا میں نہیں ہوا کس میرے لئے  
لاکھ تو ہوتے ہیں ہر پردہ نہیں میرے لئے  
اب نہیں دنیا میں کچھ نہیں میرے لئے

تو نہیں، قریح میں بنا دین میرے لئے  
اک ترے ہونے سے کچھ نہیں میرے لئے  
بندوبستوں کی نہیں راہیں کس میرے لئے  
ہو گئی پیدا شدی منزل وہیں میرے لئے  
قید لا حاصل ہو یہ قید میں میرے لئے  
وہ نظر ثابت ہوئی در آفرین میرے لئے

"یہ فلک میرے لئے ہے یہ میں میرے لئے"  
مخلین ہستی کی قائم کس میرے لئے  
دنیک جنت تیری کو جو کس میرے لئے  
اب کہاں لیکن جیت آئیں میرے لئے  
جب بھی جس جا لگی میری جہیں میرے لئے  
سر دا میں، جو کتنی میں آئیں میرے لئے

## جناب خلیق ابوالوی

میری جان نازاں بھی اب نہیں میرے لئے  
ہو مبارک غیر کو ان وقت لئے نیم  
دل کی دیرانی صدا میں ہے رہی ہو بار بار  
یہ ساں یکینیت اور یہ فضاؤ رنگ و نور  
کون کرتا خوشی و خست جلا کو بھی جاگ چکا  
کند بیکہ ہل پیش آمدہ گھڑیاں ملین

لاش یہ موت ہو صورت آفرین میرے لئے  
نفس پاکی حسن رہاں میرے لئے ہر کچھ درز  
مہم ہوں ہے اک چھپنے کو سانی دھما  
دیکھتے ہیں ہوتے محفل مری جان بیکہ  
بہر زبا فیض ساک فنی خادم نہ پوچھ

## جناب منظر کلیمی جام لوری

ہے عذاب و دھما جان حریز میرے لئے  
بہر اربے سکون بیاب اور مجر اضطراب  
کوں نہ کھوں اپنی دل کو ناز میں دروم  
میں تیری وی واسطے لایا ہوں یہ جان حریز  
پہنچے ہو کچھ سے نظر کا ماحسن نظر

## جناب حکیم عیس بدعوی

تم جو بھلاؤ تو بھلا کیا نہیں میرے لئے  
کھنک ہے میری جہیں شوق زاہر جس جگر  
کچھ تو ساں جاہتے دبست گل کے واسطے  
غار ہے دوزخ کو کچھ تو غلہ کے قابل نہیں  
مٹ گئی نفرتی مٹ بدو حرم کی عشق میں

## جناب اجسم احمد آبادی

عالم فانی میں اب اسے نہیں میرے لئے  
دھماکا دھماکا ہلکا کیا نہیں میرے لئے  
اب بت گئی جلوہ گدیر حرم کے دریاں

لے فضا کا آماں بھی کس میرے لئے؟  
ہے بہت یک پارہ آماں میں میرے لئے  
لایے ہر خدا کوئی کس میرے لئے  
پھر یہ کس کے لئے کچھ نہیں میرے لئے  
بافت نیک جنوں بھی آستین میرے لئے  
میں تو ہوں بکے کوئی نہیں میرے لئے

دلشیں تم ہو وقت ہے میں میرے لئے  
اسم و بیہ و ہوش دل کس میرے لئے  
جا اٹھا لاؤ، وہ جام آئیں میرے لئے  
اب ٹھکانا ہی نہیں گویا کس میرے لئے  
آساں شرب ہے ہر اک آہیں میرے لئے

ایک آنف ہے دل اندھ گھس میرے لئے  
میں کس کی لئے، اڈول کس میرے لئے  
جب تری حیا میں تہ میں میں میرے لئے  
جانے والی اک گاہ واپس میرے لئے  
خنگ کاٹے بھی غم میں میرے لئے

"یہ فلک میرے لئے ہے یہ میں میرے لئے"  
اٹھ کے آجاتے ہو کون میں میرے لئے  
غم ہی۔ یہ دے گروشی بار نہیں میرے لئے  
پھر ٹھکانے عداوت کس میرے لئے  
لایق سمجھو جو اب میرے میں میرے لئے

جڑ غم دوزخ عالم کچھ بھی نہیں میرے لئے  
یہ فلک میرے لئے ہے یہ میں میرے لئے  
اب ہو مکمل آیتا کر کفر دین میرے لئے

یہ جناب لاروئل ادب سے بے ہوش  
اُس نے لے آجک بن اباک نکاح و لک  
**جناب برگ باندوی**

مرے بھی ہے ایک نم زریں میرے  
کیا قیامت نعل نعل ہے ہنسیں میرے  
پھر کو نہ یوں نہ جا نہ بائیں سے مری  
اور کوئی تیر و تندر اس سے ہوا سنی پلا  
یہ بھی نعمت اپنی اپنی برگ اُن سے کیا گوار  
**جناب فارس ازاد پور**

نوجوانی لانی پیام حسین میرے  
نظر میری کوئی تھا ایک دوت سے ہوا  
زندگی مریوں نظم و نسق گفت ہر ابھی  
اب دین ہند کا لک ہے کوئی اور ہی  
انفا کا دامن اُمید خالی رہ گیا  
**جناب گور میر بھی**

اُدھی ہیں چکوں پر چکوں لے ہنسیں  
کوئی تھک حقیقت آواز سے حق عشق  
ہری خاطر جلہ و گرس آفتاب ہا ہتاب  
جس جگہ بھرتے تھے دُور و قریب میں  
خوشی غمت اور میں ہیں اب سرخ و دم  
**جناب آرزو الکیر آبادی**

دُعا دُعا ہے سر پہ ناز میں میرے  
لے لیا جب اُسک نامی کو اپنی گود میں  
نام نہ نامی و شہت کی گنجائش کہاں  
زندگی جھڑی تو دامن موت کا نہ آگیا  
حضرت سب کا دامن میری ہاتھ میں  
**جناب ثنا ایسی (از کو الیہ)**

آسمان میرے ہے اور میں میرے  
روڈ اول ہی کو ہوں سیکھتا عشقِ نسا

دس گاہ زندگی ہے باقیں میرے  
میرے دل کو مر کر کُجھ آفریں میرے

آج نام کو سب ہر حسین میرے  
ہو گئے ہیں تنگ جیب آئیں میرے  
جانبوں لے اک نکاح و الیں میرے  
ہے سے کوثر شراب انگلیں میرے  
ہاں ہے فیروز کے اور ہی نہیں میرے

ہر اداسے زندگی ہے لٹیں میرے  
حدیوں آراستہ تھی یہ دین میرے  
ہے ابھی تک زندگی کا حسین میرے  
کب اگلی ہے خزانے یہ زمین میرے  
دندہ اُسکے پاس فانی کیا نہیں میرے

مضطرب کوئی تعجب کس میرے  
کتنی رُفین تھی نگاہ ادیں میرے  
"یہ فلک میرے ہے یہ زمین میرے"  
جن گئے اُن کے نقوش پاویں میرے  
وہ ادھر ہیں مضر و قدوس میرے

اب تو ہے اُنکا تصور بھی میرے  
ہو گئی اک چیز میری آئیں میرے  
تنگ ہے محاور غریب کی میں میرے  
تھک میری میری ہر کہیں میرے  
خود کما آرزو مشکل نہیں میرے

وہ میں جب میرے ہے پھر کیا نہیں میرے  
غم مقدور ہو چکا ہے ہنسیں میرے

مادی دُنیا فیض طوبہ بیدار ہے  
اک تھرنے دل میں بیدار ہے سوا غلاب  
سر جاں جذبِ محبت سے بھکلاؤ تنہا

**جناب رفیق شہادوی**  
تھی جوں پردہ بہار و فتنیں میرے  
دیر ہو مسجد ہو کعبہ ہو کلیا یا حرم  
اے سخی بھلو کھو ماؤ دیو و مازیں  
ایک دلت سے امیر نظر و استدعاویوں  
خاندانِ دل کے کب چٹا کوں فتن

**جناب بقا جو نیوری**  
کوئی بھی شکل جواب شکل نہیں میرے  
جسے بندی آپ کی خلعت سخی غوت سخی  
میری شہیدہ مری کا یہ آرزو دیکھتے  
خود کو فیصلہ پر اپنے تم ابھی طرح  
دل کا اظہار ہے سب کوئی دلت تھا

**جناب سلطان نقشبندی بار ولوی (الولہ)**  
"یہ فلک میرے ہے یہ زمین میرے"  
زندگی میری حالت اُنکے جلو ہی کہے  
ہے رہیں خلوص میری نگاہوں میں خبر  
بھلو جو بین تھی اپنی چشم کے کوں میری  
کس کو ای سنگھان شاؤں آوازِ زندگی

**جناب نیر جلی**  
پیکرِ اعجاز ہے وہ مجھ میں میرے  
ابتدا کی آخرینش ہے جو میں نعتِ الم  
ہم نشینم میری شہت بدل سکے نہیں  
بہا ہے سے کہے کا بیکوہ چھ پرتلا  
اس طرح سکھ میں تیر ہوا ہے انتظار

**جناب عارف سیالکوٹی**  
گوشہ گشتہ شہرت آفریں میرے  
مرز بنی دوت ہے فلذیریں میرے

وہ بنے بیٹے میں ک پرہائیں میرے  
خوش تھی اُنکی نگاہ ادیں میرے  
ہو گیا جلہ و ناکسب میں میرے

بن گیا دامانِ محرا آئیں میرے  
اُن کا تنگ آئیں ہو کہیں میرے  
چھڑ کوئی تھو و بعد آفریں میرے  
اب نفس ہی کھلے ہو ہنسیں میرے  
فدا فتن ہے خاروں کا بکھیر میرے

بن گئے ہیں ہنا حرم و فتنیں میرے  
یوں بھلاؤں لے لے سکن نہیں میرے  
مشرقت تھی ہے ذہن میری میرے  
پھر کہیں ہوا پڑے اندویش میرے  
خام غرت بھی جوابیت آفریں میرے

بات کہنے کی ہے لیکن کچھ نہیں میرے  
یہ نہ ہو دوسرے کچھ بھی نہیں میرے  
کتنی باری ہو دن کی سرزمین میرے  
اپ بھرند جام آئیں میرے  
اک قیامت بن گئی باقی فتنیں میرے

کوں نہ ہو نہ زمینِ غلو بریں میرے  
اس جہری دنیاس کی امت نہیں میرے  
ہوئے ہوئے اندویش میرے  
کون کہتا ہے کہ جام ہے نہیں میرے  
اس طرح ہے بیکوہ اندویش میرے

مرز بنی دوت ہے فلذیریں میرے

تم تیرا زندگی ہو تم نشا بازی زندگی  
بھول سکتے ہیں وہ عالم خوش خواب  
جس ہوں بے عارف کسی کی یاد میں اندھ نہیں  
جناب عالی (علی ٹکڑیوں)

تم نہیں بھولیں تو کچھ بھی نہیں کہتے  
ہر نفس تھا ایک جام سا نہیں بھرتے  
گوئی اب جو یاد ہو اندھ نہیں بھرتے

غم ہی میں جلتے دھماکی غنیمتیں بھرتے  
ساتھ اپنے گئی دل کا سکون کون کاوڑ  
دہ جہاں کون ہوں ذرا مان خود کی اجازت

جب نہیں آرام دہ نہیں کہیں گئے  
کیا فاقہ تھی مجھ کو وہاں نہیں بھرتے  
خود سوار ہیں جیتے جیتے نہیں بھرتے

نئی بات افزا نگاہ اقلیں بھرتے  
یہ جہاں رنگ و بو ہے غنیمتیں بھرتے  
اندھ اندھ سجدہ اسے فوق کا روضہ عمل  
داہ اسے ایک علامت داہ لکنا ترا

دل میں اگر نیکی درد آخر میں بھرتے  
یاس میں بھرتے جو یاس میں بھرتے  
کونہ معصومہ میری جس میں بھرتے  
بنگنی دیا ان رحمت آئیں بھرتے

زندگی کے سارے سامان زندگی بھرتے  
یہ توکل ہے کہ غرض غنیمتیں جہاں دوں  
جناب قاضی ادو نوی  
چو کہ اول غنیمت کی کیا کہ غنیمتیں بھرتے

بہر مردن تھی غلط دو گز میں بھرتے  
شکوہ جو روح جہاں نہیں بھرتے  
ساتھ بھر ایک جام انٹیں بھرتے  
آپ کیوں ہیں اندھ اندھ نہیں بھرتے

جناب ارشد صدیقی ساگری (انڈیا پور)  
بھگت ہے دل مرا غنیمتیں بھرتے  
خود ہے اک بار گراں جان حق بھرتے  
کیا تری سرکار میں بھی نہیں بھرتے  
ایک عالم کون نہ ہو اندھ نہیں بھرتے

بھگت ہے دل مرا غنیمتیں بھرتے  
خود ہے اک بار گراں جان حق بھرتے  
کیا تری سرکار میں بھی نہیں بھرتے  
ایک عالم کون نہ ہو اندھ نہیں بھرتے

جناب خیال خورشیدی احمد آبادی  
دو ہے آسان تری بھرتے  
میری ہی ہستی تو جو دو بنا کر کائنات  
جناب محمد دایو نوی

تو نہیں پڑے مینا پر نہیں بھرتے  
یہ ملک میرے ہے بے یار نہیں بھرتے  
میرا گھر میں جانتا کا غلہ میں بھرتے  
موت ہے دھل سکون تو نہیں بھرتے

جناب عارف جونیوری  
بہن ہی دو بھگت آئیں جو تیری بادیں  
نئی دہاں جان کس میری جوتی بادیں  
آسمان کی کج روی نے اندھ بھرتے  
بارہ عارف اگر سر پر گناہوں کا تو کیا

موت کا پیغام آخر میں بھرتے  
اب وہ خشک لہجہ میں بھرتے  
اکی جہاں پاشیاں پوئی رہیں بھرتے  
اور کھجک جانتی تھوڑی سی تری بھرتے

جناب حبیب جونیوری  
بھگت ہے دل مرا غنیمتیں بھرتے  
خود ہے اک بار گراں جان حق بھرتے  
کیا تری سرکار میں بھی نہیں بھرتے  
ایک عالم کون نہ ہو اندھ نہیں بھرتے

تو نہیں پڑے مینا پر نہیں بھرتے  
یہ ملک میرے ہے بے یار نہیں بھرتے  
میرا گھر میں جانتا کا غلہ میں بھرتے  
موت ہے دھل سکون تو نہیں بھرتے

جناب معصوم انصاری بیادری  
اب سکون زندگی باقی نہیں بھرتے  
دفع میں میری کج رویاں بھرتے  
مجھے چھب کر جیتے جا بجا سناں بھرتے  
گوشت بزار میں معصوم وہ مجھے بھرتے

اک جہم ہر دہے جانی نہیں بھرتے  
بھول جانا اسکو ممکن نہیں بھرتے  
ہر ادا تیری ہے ظالم انٹیں بھرتے  
بھیجے ہیں میری پیغام جس میں بھرتے

جناب حبیب جونیوری  
بھگت ہے دل مرا غنیمتیں بھرتے  
خود ہے اک بار گراں جان حق بھرتے  
کیا تری سرکار میں بھی نہیں بھرتے  
ایک عالم کون نہ ہو اندھ نہیں بھرتے

تو نہیں پڑے مینا پر نہیں بھرتے  
یہ ملک میرے ہے بے یار نہیں بھرتے  
میرا گھر میں جانتا کا غلہ میں بھرتے  
موت ہے دھل سکون تو نہیں بھرتے

جناب سانی صدیقی جلیپوری  
یہ جس میں خدا ہوں بھگتیں بھرتے  
لائی ہے تاروں کے ساغر میں جانی نہیں بھرتے  
جو کج روی جانی سانی دوزخ بھرتے  
جناب فوق - تمنا رنج (گیا)

تو نہ ہوا اندھ بھرتے غنیمتیں بھرتے  
کشتاں کی سینے والی تار میں بھرتے  
کہ نہیں تو نے سے فرودیں میں بھرتے

جناب معصوم حقانی  
بھگت ہے دل مرا غنیمتیں بھرتے  
خود ہے اک بار گراں جان حق بھرتے  
کیا تری سرکار میں بھی نہیں بھرتے  
ایک عالم کون نہ ہو اندھ نہیں بھرتے

تو نہیں پڑے مینا پر نہیں بھرتے  
یہ ملک میرے ہے بے یار نہیں بھرتے  
میرا گھر میں جانتا کا غلہ میں بھرتے  
موت ہے دھل سکون تو نہیں بھرتے

جناب فوق - تمنا رنج (گیا)  
زندگی میں جس میں بھرتے غنیمتیں بھرتے  
دوب کرامل بنادی شکلات غنیمتیں بھرتے  
ہمکے گوان غنیمت کی جگہ تار میں بھرتے  
جناب حبیب جونیوری

شکر سارے نہ کون چوڑا میں بھرتے  
لام کرے کشتی جان تری میں بھرتے  
تو اس میں تھی میں تالی جی میں بھرتے

جناب ساجن انصاری جیم پوری  
دھن کون ہوتا نہ جہاں میں بھرتے  
جناب فرح عجمانی

بھگت ہے دل مرا غنیمتیں بھرتے  
خود ہے اک بار گراں جان حق بھرتے  
کیا تری سرکار میں بھی نہیں بھرتے  
ایک عالم کون نہ ہو اندھ نہیں بھرتے

# صلاحِ سخن

وہ رشک گل ہو پہلو میں ہو عالم بھی جوانی کا  
 کسی پاشن کوئی کسی دل کی اب دُعا لیجے  
 کس کو شادمان کیجے کسی کی اب دُعا لیجے  
 سنا ہے اب وہ اپنے عاشقوں پر مہرباں ہونگے  
 تروتازہ ابھی ہو جائے کشتِ آرزو میری  
 خدا کی یاد بھی کر لیں گے واعظِ عہدِ پری میں  
 تصور جیتے جی اُس زلفِ سچاں کا نہ جائیگا  
 وہ آہٹ نہیں پائی اور میں بھی جانیں سکتا  
 اناحق کہہ کے نافرمان بن گیا وہ ہاں کا دشمن  
 خدا جانے کہ کیا تھا سرِ باطن پر بظاہر تو  
 وہ آتے تو سی میں جانِ دل بھی نذر کر دیتا

نصیبہ جاگ اٹھا شیدا کا پہلو میں وہ گل آیا  
 چلے اب دورے ساتی شرابِ ارغوانی کا

وجہیم :-

مزدی تھا۔ پھر "میں جانیں سکتا" سے مغموم ورا ہو جانے ہی کی ضرورت ہی نہیں۔ صلاح سے دونوں عیب دور ہو گئے۔ حضرت آختر موعمنے جو مصرع لگا ہے وہ صاف۔ رواں۔ برجستہ اور شہ آفرین کے مغموم کے مطابق ہے۔  
 دوسرا مصرع میں بھی "یاں" نقطہ مزوں استعمال کیا تھا صلاح کو یہ لفظ نکل گیا۔  
 (۸) تیدا موعمنے مصرع نہایت پور۔ بے معنی ادب نے تزیین تھا۔ صلاح سے معنی پیدا ہو گئے اور مغموم تبیین ہو گیا۔  
 (۱۰) نصیبہ سے قند زیادہ اچھا ہے۔

اعجاز صدیقی

(۱) مصرع اولیٰ میں بھی "زائد تھا" بھرتی کا تھا۔ مصرع ثانی میں "ت" نہ تھا۔ صلاح سے برجستگی پیدا ہوئی۔ صلاح بھی نکل گیا جو پیشہ کے سن میں اسے متروک کر آؤ۔ "کا" سہم بھی دور ہو گیا۔  
 (۲) تیدا صاحب کے دوسرے مصرع میں بظاہر کوئی غلطی نظر نہیں آتی۔ اس میں رشک نہیں تھا۔ اسناد کی صلاح سے مصرع کے تودہ ہی بدل گئے۔ ابرکرم کی قرانی سے معنی ہی۔ جس پر کہہ کر کہنا اچھا پیرائے میں ہے۔  
 (۳) پہلے مصرع میں میرا ایک متروک لفظ "یاں" تیدا موعمنے استعمال کیا تھا۔ اس کا تانا

# شریت روح افزا

از حضرت مولانا فیاض قادری صاحب بدایونی

تشنہ لب اے تشنہ کام آرزو کیوں آدیں  
یہ شریت و شفق پر کف ہو جسکا رخ رنگ  
جسکی بوتل چلتی پھرتی حسن نکلیں کی شبیہ  
جسکی خوشبو نہمت گلہائے بستان چنناں  
جسکی شیرینی نبات کوڑو گنج مشکر  
جسکا ہر جرم سکوں سامان فرحت آفریں  
جو ہر شہد و لبین جو ساغر برف آب میں  
تشنگان ہاں لب کے حق میں جواب بیا  
اف یہ حدت پیش یہ موسم ناخوشگوار  
اس تپاں ماحول ان ایام نافر جام میں  
جو بانہا ز توامنع جو بغیر التماس  
فر کف رنگیں بے شریت روح افزا اکا گلاس

لہ دنیا بھر میں مشہور شریت ہے ہے "ہمدرد" نے بنایا ہے۔

قیمت فی بوتل ایک روپہ بارہ آنے۔

روح افزا کی مال بوتل ہم آٹھ آنے میں دس لے لیتے ہیں۔

گرمیوں میں تن درست رہنے کے لیے "ہمدرد" گما "نفع لیکر پڑیے۔

ہمدرد و اخا لال کنواں دہلی



# من عروض اور علمی و ادبی کتب کا پانچواں

## علمی و ادبی کتابیں

مقدمہ شروعاً شاعری اور شاعری پر فصل و مبحث و مضامین کی کتابیں۔  
 علمی بحث بہ مولانا حالی کی دو تصنیف ہے جن کا مطالعہ شاعر کو بخیر کار بآسانی ہے۔ قیمت تین  
 اردو تصنیف پر ایک نظر ضرور رکھیں۔ مولانا عبدالحق (۱) ہمارے ملک کے  
 ایک معروف تنقیدی کتاب ہے اور دو تنقیدی اور شاعرانہ تصانیف ہیں۔ یہ موصوف ہمالی  
 اس میں (۱) حقانیت کا دور (۲) آب حیات گل ہوا، خرمالہ (۳) برائی تنقید اور سند  
 (۴) نئی تنقید کی ابتدا۔ حالی۔ سبیل (۵) عبدالحق (۶) دیندہ احمد مدنی (۷)  
 مزب سے استفادہ۔ عبدالرحمن بخاری۔ راجع تنقید دینا سے آسان (۸) تری پسند  
 تحریک (۹) اردو ادب کی تاریخیں (۱۰) اردو میں شعر و نگار۔ وغیرہ مضامین جن  
 جن کا مطالعہ ذہنی انقلاب کا باعث اور اعلائے معلومات کا سبب ہو سکتا ہے۔ غرض یہ تنقید  
 کی ایک بڑی کتاب۔ حجم ۲۵ صفحات۔ قیمت ۳  
 داغ فصیح الملک بیل ہند مرزا داغ بیدی کی زندگی کے تفصیل واقعات، ان کی  
 شاعری کے نام و نمونوں پر تحقیق نظر۔ ایک مرزا داغ کے مکتوب ہیں جن کی  
 لکھی ہیں۔ ان سب سے محنت اور کوشش ہے (۱) حالات زندگی (۲) داغ زادہ  
 میں (۳) داغ جید آباد میں (۴) داغ کا دل (۵) داغ کی شاعری سے محرکات (۶)  
 بعض خاص خاص حقائق کا کلام (۷) داغ کی شاعری کا مفہوم و فلسفہ زندگی (۸) داغ کی  
 شاعری پر خالص نظر (۹) داغ کے کلام کا تجزیہ بخلاف اصناف سخن (۱۰) داغ کے کلام  
 کا تجزیہ بخلاف مضامین (۱۱) داغ کا اسلوب بیان (۱۲) داغ کا ہندوستانی زبان میں  
 نمونہ حصہ (۱۳) داغ کے تاریخی احاطہ احاطہ میں کتاب جلد ہے۔ حجم ۲۰۰ صفحات  
 قیمت صرف ۳

داستانِ عجم ادیب الملک ذابیر مرزا نعیم جلال علی آبادی مرحوم کی مشہور تصنیف  
 بزم خیال از جناب محمد مرزا بیدی۔ اس کتاب میں شاعرانہ اردو اور فارسی کی مجلس سے  
 طائفہ کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں چوبیس گویا اور حاضر زمانہ کے بہترین نمونے ہیں قیمت ۳  
 فنون الجملہ یعنی شاعری۔ مسموعی۔ فن نثر۔ اداکاری اور موسیقی وغیرہ  
 حسن کار۔ بدتر سے خوب اور معلومات و فہم مضامین۔ کتاب ایک سو گیارہ صفحات  
 کی ہے۔ لیکن اسے آئندہ نیا دوسرا بارہ ماہ ذہن لگتی ہے۔ اس کے شہزادہ  
 پرزید میر احمد علی ایم۔ اسے مزاج طبعیک چٹائی اور حضرت حکیم آغہ کی جس کے  
 خفاے اور بیابان ہے۔ قیمت صرف ۲  
 روح نظم برقی برے نیک ایک کے اکثر خرا کے کلام کا انتخاب۔ از مولانا محمود  
 روح نظم بآدھی و نڈت ملازم دکا قیمت کل دو روپے سے  
 اردو شعر و شاعری کا مجموعہ اور شاعرانہ ادب کا مجموعہ  
 روح انتخاب دہشت بیگم دکا مکمل نو روپے سے  
 مولانا ذہن کو مبارک

میں اشعار اور ان کی تفسیر مرحوم۔ یہ وہ علم الالہی ہے جس میں مولانا  
 اور ادبی محنت کے ساتھ دینے کے ہیں جو تاریخ نگار کے مطالعہ میں سادہ ہوتے ہیں۔ ہر خط کے ساتھ  
 یہی دیکھ ہے کہ وہ کس زبان کا ہے اور کس کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے۔ صرف یہی لکھا گیا ہے، یعنی  
 عالی کے کلام سے ہر خط کی فکر و تائید کا ثبوت بھی پیش کیا گیا ہے۔ جتنا یہ نکتہ طالبان  
 ادب و شعر کے مفردا ہے۔ نثری طریقہ حجم ۲۸۹ صفحات جلد ۳  
 اصلاح از حضرت علامہ اکبر آبادی، اصحاب نے اور اصلاح دینے کے طریقہ کا انضام  
 و اصول اصلاح شاعرانہ و شاعری کی کمالی مطالعہ اور ان کی توجہ۔ یہ بھی کتاب ہے  
 جو ہندی اور نثری دونوں کے شاعرانہ ہے۔ نکتہ اور ادبی اصلاحات کی نشر و تبلیغ  
 قیمت ۱۱ پہلی اور آخری کتاب ہے۔ حجم ۱۱ صفحات۔ قیمت ۳  
 مشاطہ سخن اصلاح کے نوے دینے کے ہیں قیمت ۳  
 از حضرت علامہ سبب اکبر آبادی، عروض کی سیکڑوں اور نثری اور نثری  
 اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کتاب سے بہتر کسی اور کے کلامی کے ابتدائی اہل علمانی  
 کے ساتھ ملنے پرانے جن نکتوں کے مدخل میں یہ نثری پیش کیا ہے۔ قیمت ۳  
 عام فہم عروض از حضرت منظور بیدی اس کتاب میں نہایت آسان زبان میں عروض  
 نکات شاعری اس کتاب میں عروض کے چارے بڑے نکات بیان کیے ہیں صرف  
 کے ساتھ ہر خط کے مدخل میں یہ نثری پیش کیا ہے۔ قیمت ۳  
 جملہ سخن عروض۔ جملہ نثری اور کلامی و فہم کی تفسیر میں مرزا آس جملہ آبادی کی  
 جملہ سخن بہترین کیفیت و جامع ذوق و فہم کا مذاق پیدا کرنے کے لیے  
 فکر و بلیغ معنی معنی شاعرانہ و فہم مرحوم۔ فن شاعری پر ہر قسمی معلومات کے لیے  
 نہایت بڑی کتاب ہے قیمت ۳  
 بحر۔ مثنوی۔ مثنوی۔ نکتہ کو کسے کے خلاصہ اور علم فائدہ کی نشر و  
 جان سخن بزم مزدک الفاظ کی فہم شاعری شریک کتاب ہے قیمت ۳  
 ایشیائی شاعری شاعری پر ہر قسم کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں تمام اصناف  
 البصاح القوافی علم فہم و فہم اور تصنیف کی کتاب قیمت ۱۰  
 خضر عروض یہ رسالہ علم عروض کے علم ضروری مسائل اپنے دامن  
 علم عروض کی تمام مشقوں کو مدللے دیکھ کر اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سے بہت جان  
 اور کل ہے ایک ہی نظم میں تمام باتیں محفوظ ہیں جو بانی ہے  
 قیمت آٹھ روپے  
 رکن عروض مولانا شوق قادری کے یہ رسالہ ہندی خرا کے لیے لکھا  
 جملہ عروض جملہ عروض کا مجموعہ ہے۔ قیمت ۲  
 (مصلحت و فائدہ)

مکتبہ قمر الادب دفتر شاعر اکرا

قصر الادب في شعره



سال ابراهیم بهار ۱۴۳۲ ع ————— عرصه اشاعت ۱۳ سال

منظر شدہ — خیر سیرستی — علحضرت رسوا مظلومی والی پاچہ (کاٹھیاواڑ) منظر شدہ

حکومت مالک متحدہ اگروہ وادوہ  
محکمہ تعلیم ریاست کشمیر

تعارف

محکمہ تعلیم صوبہ مملکت منورہ  
محکمہ تعلیم ریاست میور

جلد ۱۴ ماہنامہ "شاعر" اکڑہ۔ جولائی ۱۹۴۳ء نمبر ۷

شماره	مضمون	مضمون نگار	شماره	مضمون	مضمون نگار
۱	مقالات مدیری	آغا محمد صدیقی	۱۰	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲	..... کدواری	آغا محمد صدیقی	۱۱	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳	اصلاح سخن	آغا محمد صدیقی	۱۲	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۴	نقد و نظر	آغا محمد صدیقی	۱۳	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۵	علم و ادب	آغا محمد صدیقی	۱۴	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۶	امروء و آوارگی فکر	آغا محمد صدیقی	۱۵	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۷	آند و شعاری بر یک طایفه فکر	آغا محمد صدیقی	۱۶	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۸	چند و نشان مشق و فکر	آغا محمد صدیقی	۱۷	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۹	حکایت و افسانه	آغا محمد صدیقی	۱۸	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۰	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۱۹	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۱	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۲۰	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۲	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۲۱	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۳	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۲۲	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۴	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۲۳	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۵	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۲۴	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۶	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۲۵	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۷	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۲۶	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۸	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۲۷	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۱۹	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۲۸	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۰	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۲۹	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۱	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۳۰	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۲	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۳۱	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۳	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۳۲	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۴	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۳۳	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۵	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۳۴	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۶	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۳۵	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۷	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۳۶	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۸	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۳۷	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۲۹	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۳۸	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۰	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۳۹	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۱	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۴۰	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۲	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۴۱	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۳	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۴۲	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۴	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۴۳	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۵	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۴۴	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۶	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۴۵	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۷	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۴۶	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۸	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۴۷	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۳۹	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۴۸	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۴۰	نقد و سبب	آغا محمد صدیقی	۴۹	سبب آبگریزی	مضمون نگار
۴۱	مراجهت	آغا محمد صدیقی	۵۰	سبب آبگریزی	مضمون نگار

[illegible]

74

سعادۂ دین اور دنیا

محمد رفیع الدین

## خاصان ادب

(۳۱) جناب سید علی محمد صاحب تاج الدین شہید سے ملائے  
(۳۲) جناب سید شافعی حسین صاحب کوثر نقوی سے ملائے  
(۳۳) جناب سید شاد صاحب بک آبادی سے ملائے  
(۳۴) جناب حکیم مولوی عبدالرحمن صاحب شام آباد غازی سے ملائے  
(۳۵) جناب فقیر گوشت رحیم صاحب قاری رحیم دہلوی سے ملائے  
(۳۶) جناب سید غلام تفسی صاحب شام غازی سے ملائے  
(۳۷) جناب سید راشد صاحب کلاں صاحب قاری رحیم دہلوی سے ملائے  
(۳۸) جناب فقیر احمد صاحب کوثر نقوی سے ملائے  
(۳۹) جناب مولوی خواجہ الدین صاحب بنگلہ صاحب گوردہ صاحب پوری سے ملائے  
(۴۰) جناب ڈاکٹر انوار شاہ صاحب سہستانہ زیب برکوی سے ملائے  
(۴۱) جناب سید رحیم صاحب قیب آردی شہید سے ملائے  
(۴۲) جناب غلام الرحمن صاحب قلیا خانہ سیدی دہلی سے ملائے  
(۴۳) جناب عبدالرحمن صاحب نقب دوانی شہید سے ملائے  
(۴۴) جناب بشیر احمد صاحب قادیان مکن اورہ الاسلام کوٹ سے ملائے  
(۴۵) جناب سید حسین لال صاحب باگڑی جھنڈا اڑہ (سی) سے ملائے  
(۴۶) جناب جیال محمد محمد صاحب دس جگہ سید پنجاب سے ملائے  
(۴۷) جناب محمد رحیم صاحب تادم غازی دہلی سے ملائے  
(۴۸) جناب قیصر علی محمد صاحب سندھ سے ملائے  
(۴۹) جناب سید خاتون الی صاحبہ ٹانکہ آبادی صاحبہ انبالہ سے ملائے  
(۵۰) جناب محمد علی صاحب بک آبادی سے ملائے  
(۵۱) جناب شیخ عبدالرحمن صاحب شہید رحیم دہلوی سے ملائے  
(۵۲) جناب عبدالرحمن صاحب قریب رحیم دہلی سے ملائے  
(۵۳) جناب محمد رفیع صاحب قریب رحیم دہلی سے ملائے  
(۵۴) جناب محمد رفیع صاحب قریب رحیم دہلی سے ملائے  
(۵۵) جناب عبدالرحمن صاحب شہید رحیم دہلی سے ملائے  
(۵۶) جناب عبدالرحمن صاحب شہید رحیم دہلی سے ملائے

# شعر انقلاب — شکتِ جمود

ہر طرف اک جمود طاری ہے  
آشیاں ناقص ہیں سب خاموش  
ہے بظاہر سکون چروں پر  
قہر انا ہے اور دانستہ  
نہیں فطرت کو فرصت تنقید  
وہی اٹھتے ہیں جھوم کر بادل  
وہی صحنِ چین کی سالانہ  
رعد کی ہے وہی جواں کرول  
وہی خود نشید و ماہِ سحر طلوع  
وہی پھول کی ہے سنگت و شہ  
مگر انسان ہے خراب و تباہ  
تو تین جمع ہو گئی ہیں چند  
اُن کے قابو میں ہیں ضعیف افراد  
شغلِ دن رات ان غلاموں کا  
فہر ویراں ہول و رقص آباد

واہ کیا زندگی ہماری ہے  
ہے زباں بند سانس جاری ہے  
روح میں رنگِ بقراری ہے  
جبر ہے اور اختیار ہی ہے  
اسے اپنا ہی کام بھاری ہے  
وہی گلشن کی آبیاری ہے  
گل فروش کی دلالہ کا دی ہے  
وہی بجلی کی شعلہ باری ہے  
وہی تاروں کی خوشگوار ہے  
وہی سبزے کی خوشگوار ہے  
اسکی قسمت میں شہِ خوار ہے  
جن پہ دنیا کی ذمہ داری ہے  
کوئی مفلس کوئی بھکاری ہے  
جان ہی ورجاں سیاری ہے  
یہی معریتِ شہر باری ہے

لے غلاموں جو تم میں بہت ہو  
تا کہ یہ جمود بے معنی ہو  
کوششِ انقلابِ حال کرو  
اپنی قوت پر اعتماد کرو  
توڑ ڈالو جمود کی زنجیر

موت انسان پر ہو کون طامی  
خون جب تک رنگوں میں جاری ہو

سیما بک آبادی

طبع شد فاعصاب و غنائی  
در کمال و کمال

# صفحہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

انسان کی تادیب ابھی جاری ہے  
خونخواری تہذیب ابھی جاری ہے  
بن بن کے گڑھے میں ہزاروں آلات  
نمبر کی عزیب ابھی جاری ہے

برہم یہ محاربہ نہیں ہو سکتا  
نامشہ بھی فیصلہ نہیں ہو سکتا  
لوہو ادیشیل کا ہے اسکاں جنگ  
اس جنگ کا خاتمہ نہیں ہو سکتا

چھٹا سا سوال ہے بڑا بول نہیں  
کیا ملکت انسان میں بھی بھول نہیں؟  
خنی ہے زمین روز لوہا ادیشیل  
اس کے لئے کئی ترچہ کنٹرول نہیں

چین و ریشا میل اب بہت ہی نہیں  
فرق ایک محاذ پر فضا ہے ہی نہیں  
کس طرح نے محاذ تیار کرے  
برگش کو محاذت کو فرقت ہی نہیں

جنرل پول، زعمیم بنادی ہند  
ملنے کے حکمران آبا کی ہند  
یہ مرد و سیاہی میں تعجب کیا ہے  
ہو جائیں فیر یک جنگ آزاد ہی ہند

جو بھارت کے بیوت کہلاتے ہیں  
عبرت ہے کہ بھوکے وہ مر جاتے ہیں  
اس ملک میں آج ایک سو بے فلسفے  
اہلی کے بیج پیس کر کھاتے ہیں

کما ب ہے زندگی کا سامان یہاں  
ہر شخص ہے حیران پریشان یہاں  
جاری جو یوں ہی رہے گا قطعاً اس  
انسان کو کھا جائیگا انسان یہاں

گلشن میں اُجالا، نہ بیاباں روشن  
کیونکر ہو مشاہدے کی یہاں روشن  
منا نہیں تیل بھونپے والوں کو  
برقی فانوس سے ہیں ایوان روشن

مزدور کے گرد آگ کا شعلہ دیکھو  
دنیا میں جہنم کا یہ نظارہ دیکھو  
دن رات پھلک رہی ہیں مذہ انسان  
جاغور کو آتش کدہ ٹھانا دیکھو

یاد رکھیں نام کو بھلائی نہ رہی  
غالب انسان یہ کبر بانی نہ رہی  
کیا سوچا دی گئے خود مرل کو دینا  
کیا اب تری دنیا میں خدائی نہ رہی؟

# تحقیق و تصحیح

## دُلہن — یا — دُلہن

”شاعر“ بابت اپریل ۱۹۳۷ء میں بعضوں نے بذیل تحقیق و تصحیح اپنے تحریر سے بھی دُلہن کے اعراب دریافت فرمائے ہیں۔ لہذا بغیر تصحیح میری رائے یہ ہے کہ فصاحت و کفایت کے لحاظ سے یہ اپنے غلط ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ زن گلشن اُن کی زبان پر متعل نہیں البتہ بعض شہری عوام ان سے نیز تصانیف و اشخاص کو دُلہن یا دُلہن بولتے رہے۔ مگر یہ دونوں غلط یا نصف سے ساقط ہیں۔ غالباً اسی بنا پر صاحب نقائص اللغات نے اپنے لغت میں اس لفظ کے دو اعراب درج کیے ہیں پہلے بغیر اول و سکون دوم و فتح ہا دونوں درج کیے بغیر اول و فتح ثانی غلطاً تلفظ کیا و سکون و نون یعنی ہا و س۔ لیکن پہلی صحت برون گلشن لغات اہل شہر کی زبان پر رائج نہیں دوسری شکل برون گلشن لغات شہر ہے اور میری رائے میں بھی یہی درست ہے۔

”شاعر“ بابت اپریل ۱۹۳۷ء میں بعضوں نے بذیل تحقیق و تصحیح اپنے تحریر سے بھی دُلہن کے اعراب دریافت فرمائے ہیں۔ لہذا بغیر تصحیح میری رائے یہ ہے کہ فصاحت و کفایت کے لحاظ سے یہ اپنے غلط ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ زن گلشن اُن کی زبان پر متعل نہیں البتہ بعض شہری عوام ان سے نیز تصانیف و اشخاص کو دُلہن یا دُلہن بولتے رہے۔ مگر یہ دونوں غلط یا نصف سے ساقط ہیں۔ غالباً اسی بنا پر صاحب نقائص اللغات نے اپنے لغت میں اس لفظ کے دو اعراب درج کیے ہیں پہلے بغیر اول و سکون دوم و فتح ہا دونوں درج کیے بغیر اول و فتح ثانی غلطاً تلفظ کیا و سکون و نون یعنی ہا و س۔ لیکن پہلی صحت برون گلشن لغات اہل شہر کی زبان پر رائج نہیں دوسری شکل برون گلشن لغات شہر ہے اور میری رائے میں بھی یہی درست ہے۔

”شاعر“ بابت اپریل ۱۹۳۷ء میں بعضوں نے بذیل تحقیق و تصحیح اپنے تحریر سے بھی دُلہن کے اعراب دریافت فرمائے ہیں۔ لہذا بغیر تصحیح میری رائے یہ ہے کہ فصاحت و کفایت کے لحاظ سے یہ اپنے غلط ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ زن گلشن اُن کی زبان پر متعل نہیں البتہ بعض شہری عوام ان سے نیز تصانیف و اشخاص کو دُلہن یا دُلہن بولتے رہے۔ مگر یہ دونوں غلط یا نصف سے ساقط ہیں۔ غالباً اسی بنا پر صاحب نقائص اللغات نے اپنے لغت میں اس لفظ کے دو اعراب درج کیے ہیں پہلے بغیر اول و سکون دوم و فتح ہا دونوں درج کیے بغیر اول و فتح ثانی غلطاً تلفظ کیا و سکون و نون یعنی ہا و س۔ لیکن پہلی صحت برون گلشن لغات اہل شہر کی زبان پر رائج نہیں دوسری شکل برون گلشن لغات شہر ہے اور میری رائے میں بھی یہی درست ہے۔

### صنعی لکھنوی

### عبدالباری آسی

لفظ دُلہن تین طرح سے جو متعل ہے فصاحت کا ایک جم غیر دلی لکھنوی میں یہ غلط ہوا۔ برون گلشن ”شاعر“ بولتا ہے۔ مرزا آبادی کے بیان بھی اسی طرح ہے۔ لیکن خود دلی میں ”دُلہن“ بولتے ہیں۔ برون گلشن دُلہن دشمن بھی بولتے ہیں اور اس کو غلط نہیں کہا جاسکتا اگرچہ ”شاعر“ کے لئے کوئی شہر اس کے بھوت میں کسی صاحب پیش نہیں کب مگر میں نے بار الدین عہد مصنف پداوت کا یہ شعر پیش کرتا ہوں جو انھوں نے اس جگہ لکھا ہے جہاں راجہ رتن سین اپنے گھر سے رخصت ہو کر پداوت کے عشق میں راجہ ہٹ کوٹھو مار کر جا رہا ہے اسکی رانی اور اسکی ماں اس کو سمجھاتی ہے لیکن وہ ایک نہیں سنتا مجبور ہو کر گھر داسے اسکی اپنی اپنی نشانیاں دیتے ہیں۔ اسی جگہ کا یہ شعر ہے

ہ میں پیرائے بس بائیں چنگیل  
جیس پر خشنہ اُس جوگی کے کچھا

اسی جگہ کا دوسرا شعر ہے

گلے میں اُس کے ڈالی بٹ کے سیل  
کس سائیں ترا اندھیل

اسی جگہ کا دوسرا شعر ہے

گلے میں اُس کے ڈالی بٹ کے سیل  
کس سائیں ترا اندھیل

### اعجاز صدیقی

اسی جگہ کا دوسرا شعر ہے

گلے میں اُس کے ڈالی بٹ کے سیل  
کس سائیں ترا اندھیل

# بادہ منجانی صفی

حضرت مولانا صفی الحسنی کی ذاتِ گرامی منجانی زمانہ میں سے ہے۔ ان کا گھرانہ سن لکھنؤ شاعری کا ایک اہم جگہ اور مصفاً آج ہے کہ کچھ دلا  
دیکھا ہے کہ اسے روز سے دیکھ کر کچھ غم نہ ہو۔ موصوف ہر پیرا سال حقیقت دیتے ہیں۔ ادبی دشمنی دینا کو غیر یاد کہہ گئے ہیں۔ بہت سے لوگوں  
نے اسے اس وقت پر اپنی جنین دیکھی ہیں کہ سسٹینس ہیں کہ وہ ان کا کام چل نہ کر سکے۔ بچے زمین سرت بلکہ خود ان سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ہری  
عصا شت کو نہ ٹھکرایا اور اپنی تازہ ترین فریاد غزل، اشاعت کے لئے رحمت فرادی ہے  
ممنون ہوں تری نگہ التفات کا

اجاز صدیقی

بغیر محبت صافید لالہ منجانی	بدل گیا ہے صفی زندگی کا پیانہ
بنادیا ہے تجھ کے مجھ کو دیوانہ	طلسم ہو شراب ہے یہ آئینہ خانہ
دماغ ملتفت رنگ و بوئے لالہ و گل	زبان ملتزم ہائے وہوئے ستانہ
پسند سیرت یاران پاک باز مجھے	مذاق فطرت زندانہ پار سایانہ
بہم سوئی ہوئی بخود دی و ہشیاری	خدا کا شکر نہ دیوانہ ہوں نہ فرزانہ
جہاں جہاں نہیں انسان معنی انسان	مری نظر میں وہ آبادیاں ہیں برانہ
نظارہ جوئے بہار مجاز رنگارنگ	نگار خانہ ہستی میں دل جریفانہ
قمر میں جلوہ نما سر بھر شیشوں میں	حجاب نور میں دوشیزگان خمخانہ
زمانہ یونہی التار ہیگا روز و رقی	جو آج واقعہ ہے ہوگا کل اک افسانہ
خیال قید زمان و مکان سودا رستہ	حریم ناز میں موج جہاں جانانہ
نہید جلوہ وحدت مآثر کثرت	کہ جیسے شمع کی لو پر ہجوم پروانہ
حجاب و قطرہ و موج یم و کف سیلاب	یہ سب ہیں ایک مگر صورتیں جدا گانہ

الگ الگ بھی ہے پھر ساتھ ساتھ بھی سایہ  
صفی! کہو اسے اپنا کہوں کہ بیگانہ

صفی لکھنوی

# ”امراؤ جانِ آدا پر ایک نظر“

ادبی تعابض غصہ صاف ناول اور افسانے اپنے زمانے کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور سماجی فحاشیات اور حالات کے آئینہ دار ہوتے ہیں وہ تعابض بالکل کامیاب تصور کی جاتی ہیں جو اپنے مآول کا صحیح نقشہ پیش کر سکیں۔ اس نظریے کے تحت جب ہم ڈاکٹر رسوا کا ناول ”امراؤ جانِ آدا“ پڑھتے ہیں تو ہم اس زمانے کا مآول جھلکا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر وقت کے گفتگو کی یہ تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے جب فحاشا جھلکا ہوا آخر کار زمانہ ختم ہو چکا تھا اور گفتگو کی قسمت کا تدا جھلکا ہوا تھا گفتگو کے در و دیوار پر اس کی مٹی ہوئی غفلت کی داستانیں شہزادوں کی محرومیوں کے خون کی چمکی تھیں۔ شاہی عمارتوں اپنے شاندار ماضی کا خواب بکھڑی تھیں۔ رسوا کا قلم بڑے ہوتے نواہوں اور اڈم توڑتے ہوئے دیموں کی ظاہری شان و شوکت کا منظر نہیں لکھتی بلکہ اس شان و شوکت پر فانی آنسو بہا رہے ہیں جس کا تصور بھی شکل سے کر سکتے ہیں۔ شہادت کا دار و محدود و محدود ہے لیکن مآول کی دکھائی دینے والے گفتگو کے گوشے گوشے کی برکرا دیتی ہے۔ شارع سے۔ بیلے باڈار اور جہات و موت کی وہ سب سوچ ہم دیکھتے ہیں جواب بھی کیس کیس پرانے گفتگو کی یادگار ہیں۔ یہ کامیابی رسوا کے تیز شاہدے کی موزون احسان ہے کہ چوک کی دلفریب گلیاں جن کی دھانیوں کو پیشین گوئی ہے اور ہیں وہاں پوچھا دیتی ہیں جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ”خوار کے جنگ دو دیوں سے کے ہیں۔ درخ بر شہری چاندنی چمکی..... بڑے نفیسی انجان۔ حسن دان۔ خاصدان.....“ اگلا لڑا اپنے اپنے فریاد رکھے ہیں دیواروں پر مٹی آئینہ عہدہ تصویریں..... دو دو ہر ہاں ڈھو ڈھو نگار ہاں تھامے کھڑے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ جب ہم پڑھیں کہ کوٹھری کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو دیکھیں سان کھائی دیتا ہے۔ ڈوٹ۔ جھکے۔ سل۔ بڑ۔ مذہبی ہڈیاں۔ غرض کہ ہر وہ چیز وہاں نظر آتی ہے جو غریب طبقے کے لوگوں کے گھر کا زینہ ہے۔

ادبی خالق بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مآول کی اس غریب عکاسی نے رسوا کے ہاں ناول کو ایک تاریخی اہمیت دیدی اور ایسی نے یہ ناول رسوا کا شاہکار بنا دیا ہے۔

مقامات اور رسوم کے علاوہ رسوا اس زمانے کے لوگوں کی روزمرہ زندگی بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے پس خیال پر عمل کرنے میں کہ ”مآول نہیں ان واقعات کو علی العموم تحریر کرتا ہے جو پیش آنے میں دیکھے ہیں۔ ہر طبقے کے لوگ اپنے مخصوص لباس میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ گفتگو کی روانی دھل چکی ہے لیکن اب بھی بگڑے ہوئے دیموں کا ایک طبقہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ اسی شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ دھنچکا ہوتے ہیں لیکن غلطی ان کی حالت پر قبضہ لگاتی ہے۔ جوان اور پیش پسند طبقہ بھی ہے جو غلامی اور غلامی کی تکلیفوں کے شدید احساس کو شواہد سامانی کی مدد سے بھول چکا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو عمار، جہاں اور سفید داروں کے ساتھ ساتھ جن پرستی کی بدترین منزل تک پہنچے ہیں۔ سنے کپڑے پہنے طالب علم ہیں جو اپنی مختصر فرصت اور تعلیمی لباس کے باوجود اپنے کو زمین سمجھتے ہیں۔ مر با پیش کرنے میں رسوا کا کمال حاصل ہے۔ خود شہد میں میں طمان لاغز حیرت فز ہے لیکن ہم غریبی ذریعہ کہ تصویر کا دسر اور بھی پیش کرتے ہیں۔ بالکل ایسی تصویر حکومت میں دیکھ کر انسان ڈھلے مایوس ہو.....“ ”سارے بے قرار ہیں۔“

جینک کے داغ..... لال لال آگئیں۔ بوٹے بوٹے پوٹ۔ جھڑی ناک۔ بڑے بڑے دانت۔ غریب انہماک زیادہ اس پر ٹھکانا قدر لیکن گڈی کی گڑائیوں میں عمل بھی دیکھتے ہیں۔ اسکا اصل جوہر سب سے کہ ”سلوات بہت اچھی تھی۔ جو پھٹا انھیں کے گلے سے نکلے نا“

رسوا کی غفلت نگاری کا کمال ان کے پیش کردہ کرداروں میں نمایاں ہے جو مٹی کی خاموش و ساکت عورتیں نہیں بلکہ ہم ہی لوگوں کے سنے سے پھرتے انسان ہیں کہ وہ ہر من میں نیر وال، نہ جانت کے گھسے نہ مصوین کے مرتھے بلکہ ان میں اچھا بیاں اور بھائیساں دونوں ہیں۔ ہر ایک کردار غریب ہے اور ایک دوسرے سے باطل مختلف مآول ایک ہی ہے بلکہ ہی عورت کی سرپرستی میں دو عورتیں بدوش پانی ہیں۔ تعلیم ایک ہی قسم کی ہے اور پیشہ بھی۔ لیکن عادتیں بالکل متضاد صحبت میں فرق ضرور ہے لیکن زیادہ کامیاب ہونے والی بالاساب ہے اور کم کامیاب ہونے والی زیادہ کامیاب ہے خود شہد پناہ میں ہے۔ بچوں کی نزاکت اور لطافت کا ایک مجر غفلت کی تمام

ہر سرخام کا ذکر کرتے وقت رسوا کی دوسری نگاہیں مآول سے معمولی چیزوں پر پڑتی ہیں وہ اہلیت کو بے نقاب کرنے میں پس پیش نہیں کرتے لیکن مہلیت کی عریانی و آرٹ کا دامن بدنائیں ہونے پانا۔ وہ گفتگو کی ان تر شاہوں اور تخیلوں کا محسوس آئینہ ہے جو جاسوس قیس۔ اکل طائف الملوکی کی ہر گیری پر دست ہیں۔ جن میں گفتگو کے زوال کا راز مضمر تھا۔ لیکن وہ ان شاعروں کا با تفصیل ذکر بھی کرتے ہیں جن سے یہاں کے لوگوں



زینبیاں مانی شکل میں جیسے ہوئی جس میں ہستی ہے تو بچل جھٹنے میں لیکن وہ ہستی یہ ایک ہے ایک خاموش معصوم سی صورت۔ جس طرف نظر پھر کے دیکھے غفلت منکر ایسے۔ ادا سے چلے تو لا جتنا جس جھک جائیں۔ ہاتھ پاؤں سہل، زور کے ساتھ جس میں ڈھلے ہوئے۔ ہرے ہرے بازو۔ گول گلابا جامہ زیبی قیامت کی۔ یہ سب معنی میں موجود اور پھر بھی ایک ناکامیاب پیشہ ور۔ غامض خفا آنے جلنے والے رنجیدہ، خود اپنی جان سے بڑا، عشق کا بھوت سر پر ہمارا ایک یوفا سے محبت اور وہ بھی راحت کا ساتھی مصیبت پر ہنسنے والا۔ فقیر فقیر کامل اعتماد۔ محبت کوئی ہے اور اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہے دوسرا اگر وہ ارباب سم اند جان کا ہے یوں تو انسان کی صورت انکی بھی ہے لیکن وہ بات کہاں جو خورشید میں ہے۔ یہ ایک کامیاب محبت ہے۔ بیکرد اس کی نظر انکسائے کے غماہاں لیکن وہ انکسائے کا نام ہی نہیں جانتی۔ غم، رنج، غم، بد مزاجی، اللہ جس کد کد کد ہے مگر زبان خوب آتا ہے۔ محبت سہ سے کہتی ہے۔ لیکن حقیقت کسی سے بھی نہیں کہتی۔ ادا جس قدم قدم پر۔ لباس بالکل ہلکا اور گندوں سے لدی ہوئی، ہر جگہ ایک تھوڑے۔ لیکن اس کا مزید جانیں ہوتا۔ لگاؤ کی باتوں میں ایسی مشائی کہ فرشتوں کو بھی بھڑکائے اور آنکھوں میں آیا جادو کہ نہ اداوں کی بھی توبہ ٹوٹ جاتے۔ شوخی ایسی کہ متر بریں کا بڑا چادر پڑے اور خود بھی جہاں سے اور فقیر اب کہ اگر کوئی بات پوری نہ ہو تو غامض و گندہ دراز ہنکار دے اور اسی طرح دوسرے کردار گوہر مرزا، سلطان صاحب، اور غامض و خیر۔ جرت انگیز فنی کمال کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن ادا و جان کا کریم محبت زیادہ ضروری ہے اور سب سے زیادہ نفس کے ساتھ سامنے لایا گیا ہے۔ یہ تامل کی ہیروئن ہیں۔ ہمارے سامنے انکا چین بھی پیش کیا گیا ہے۔ جہاں معصومیت، شوخی سے گلے ملنے ہے پھر انکاروں پر لٹتی ہوئی جوانی آتی ہے جب بازا میں جن میں شوخ نگاہوں کی چین کشش جذبات کی دنیا میں طوفان برپا کر دیتی ہے۔ ہمارے شہر میں جن کا پورا جہاں ہے ادا خسار انگوٹیاں لینے ہوئے شباب کو جو انہی آتی ہے ادا قابل نفرت بڑھا کسی "گنگار" کے خواب کی طرح اسکی ہستی پر چھا جاتا ہے۔ عزت آب امنی کی دلخواس یادیں عاقبت کے اندیشوں سے نکرا کر زندگی کے بال بدوش بنادیتی ہیں لیکن غفلت نگاہی کا کمال یہ ہے کہ ہمیں اس نفرت انگیز جذبہ کا احساس نہیں ہوتا جو ایک طوائف کے قتل کے ساتھ وابستہ ہے۔ دسواں کردار نگاہی اس لئے بہت زیادہ کامیاب ہے کہ انسانی نقطہ خیال سے بھر دگر ہی ہوئی محبت کے ساتھ بھی ہماری ہمدردی ہے

خود خدا اور ہم اللہ کے کوکر کو پیش کر کے ادا و جان کا کردار بند کر دیا گیا ہے۔ واقعات بہت زیادہ نازک اور عریاں بیان کئے گئے ہیں لیکن آدھ کا لطیف پردہ کر کے نظر کو سامنے بھی تانے نہیں دیتا اور حقیقت کا خون بھی نہیں چوسنے پاتا۔ کردار ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ احوال سے مجبور ہو کر شرمناک اور شرمناک ہو گئے ہیں مگر پھر بھی ہماری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور ہمیں اس شرافت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جو اس کے غم کی طرف اقبال ہے۔

ناول کے زیادہ سنجیدہ پہلو پر غور کرنے کے بعد ہمیں نفسیات کے نازک اور اہم نکتے بھی نظر آئیں گے جن میں عشق کے نفسیاتی پہلو پر دسواں بہت کم ہی نگاہ ڈالی ہے اس قسم کے سنجیدہ حلوں کو ہم ناول کا حامل کہہ سکتے ہیں تو اس کے کوکر سب انہیں غلطی خصوصیات کے حامل نظر آتے ہیں۔ انسانی زندگی خصوصاً محبت کی زندگی کا ایک ضروری ٹو دو ہے جسے ادا و جان ادا کی کہتی ہیں۔ ہرے نزدیک ہر محبت کی زندگی میں ایک وہ زمانہ آتا ہے جب وہ چاہتی ہے کہ اسے کوئی چاہے۔ یہ سب کچھ کا کہ یہ خواہش چند روزہ ہوتی ہے بلکہ عشق ان شباب کے ساتھ اسکی ابتدا ہوتی ہے بعد میں کے ساتھ ہی اسکا تھوڑا ہوتا رہتا ہے۔ "خوشید، بسم اللہ اور اللہ کی زندگی میں یہ موقع آئے ہیں اور ان کی خواہشات پر تہی جاتی ہیں۔ یہ عشق ظاہر سے کہتی ہیں اور اسکی منتی بھی دہتی ہیں لیکن یہ صرف ظاہر ہی پر قائل نہیں ہوجاتی ہیں بلکہ دل کی گڑبگوئیوں میں اپنی جگہ چاہتی ہیں۔ انسانی زندگی غیر پند ہے اور یہ زندگی ایک سی نہیں ہوتی۔ زمانے کے ساتھ ساتھ جوان جذبات پر بھی پری آتی ہے اور میں کا تقاضا بھی تو کئی چیز ہے۔ خوش جوانی کی دوسرے جوانیں اپنی دوسرے گزر جاتی ہیں۔ میں اگر کران میں کی ضرورت ہونا چاہئے تاکہ اعتدال قائم رہے۔"

اس ناول میں محبت کا نظریہ عام اور فرمودہ نظریے سے مختلف ہے۔ اس ناول کے کردار عشق فرود کرنے میں لیکن ناکامیابی پر جان دینے میں جاتے اور یہ بھول کر لگی لگی مارے مارے پھرتے ہیں۔ عشق کے جذبات کا وقتی طوفان، دہنی توازن قائم نہیں ہوتے دیتا اور تھوڑی دیر کے لئے ایک غیر معمولی کیفیت ضرور پیدا ہوتی ہے لیکن زخم کتنی ہی کاوی ہوا چھا ہو ہی جاتا ہے۔ وقت اور زمانے کے ہنگامے ان زخموں کو بھر دیتے ہیں۔ کہ وہ اور ادھی محبت میں کہنے بلکہ اس منزل پر بھی پہنچتے ہیں جہاں ایک دوسرے کی غماں بھی توڑ آتی ہیں۔ خورشید دو دو دن کھا نہیں کھاتی زندگی سے بڑا ہے۔ کسی سے طاقت نہیں کہتی کسی کو زندگی کی ایدہ ہی نہیں



باتوں کا جواب بروقت نہ دیا تھا اب یاد کر رہے ہیں اور اسی طرح کانپور میں امرتھ جان مووی کے لیے لکھو اور زبان کی ایسی نقل کرتی ہیں کہ ہم بیاض ہنستے ہیں کچھ کہہ کر ارشاد ہوا کہ جس کے دلدادہ مووی صاحب اور سننے آئے ہوتے طالب علم کچھ ہیں شکم کے بغیر لباس اور وضع قطع کے ساتھ انکے پر لائے جاتے ہیں جنگی صحت میں رسوا کے خلاف پند ظلم کا ثبوت ہیں لیکن جب خلاف کی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں تو مذاق بغیر فطری معلوم ہونے لگتا ہے۔ نیز برس کے بدلے کا پٹر پر چڑھنا شاندار دنیا میں معلوم ہوتا ہے کہ باری دیکھ سکیں ایک ناموس سی بے چینی سے بدل جاتی ہیں اور بجائے اسکے کہ ہم بسم اللہ کی اس جوگت کو خوشی قرار دیں۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بسم اللہ کے کرکٹر پر ایک بڑا داغ ہے۔ ہنسنے ہنسنے یہ واقعہ ہم دیکھتے ہیں لیکن غریب اور مصنفہ ہنسے کو واقعی پٹر پر چڑھنا ہوا دیکھ کر ایک فطری سُرخ اور سرست آئینہ چمک کے بجائے ایک غیر معمولی سبیل کی پارسہ چہرے پر چھائی ہے۔

انسان انسان ہے فرشتہ نہیں اور لغزشیں اس کا طرہ امتیاز ہیں۔

سید ذکی رضابی۔ اے (آنرز)

## فکر جمیل

ہمت ذوق نظر کو آزمانا ہی پڑا  
جلوہ گاہ ناز کا پردہ اٹھانا ہی پڑا  
عشق کی خوابیدہ قوت کو جگانا ہی پڑا  
اپنے ہر نقش قدم پر برہنگا نا ہی پڑا  
خواہش تکلیف دل سے باز آنا ہی پڑا  
بھیلوں کو آشیانہ تک پہنچ لانا ہی پڑا  
دستان درو کو رنگیں بنانا ہی پڑا  
جلوہ بیباک سے دامن بھلنا ہی پڑا  
حادثات زندگی پر مسکراتا ہوا پڑا

ہمت ذوق نظر کو آزمانا ہی پڑا  
جلوہ گاہ ناز کا پردہ اٹھانا ہی پڑا  
عشق کی خوابیدہ قوت کو جگانا ہی پڑا  
اپنے ہر نقش قدم پر برہنگا نا ہی پڑا  
خواہش تکلیف دل سے باز آنا ہی پڑا  
بھیلوں کو آشیانہ تک پہنچ لانا ہی پڑا  
دستان درو کو رنگیں بنانا ہی پڑا  
جلوہ بیباک سے دامن بھلنا ہی پڑا  
حادثات زندگی پر مسکراتا ہوا پڑا

کس قدر ہمت شکن تھی تابش روئے جمیل  
ہم نے جب نظریں اٹھائیں سر اٹھانا ہی پڑا

جمیل سیوہاروی

## پیام جاوید

خودی ہے خالق آفاق عقل و وقت نمود  
مری نواہی خیز ہے مثالِ خوبِ کلام  
عطا ہوئی ہے مجھے شوکتِ خود نگاہی  
تری نظر ہے خرابِ جمال و زیبائی  
مرا کلام مزین بہ قدرتِ تحفیل  
مری خودی ہے جو قائم بناؤ کون مکان  
شکتِ رنجیت کی بہونہ خواہشوں گزر  
مجھے یہ ڈر ہے نہ کھوجائی کاروانِ حیات  
مدارِ ہفت کو اک پر اعتبار نہ کر  
سوادِ منزلِ لاہوتِ رفترا نہ کر  
عبودیت کی تناسل ہے عشق کی توہین  
خیالِ عظمتِ رفتہ ستار ہاں مجھے  
قرب تر ہے اگر یہ طلوعِ نورِ سحر  
کھٹک نہ ہی کہ مرگول میں خودی جس سے  
زبانِ اہلِ حقیقت کہیں نہیں رکتی  
خود کی آگ نہیں لالہ زارِ ابراہیم

خدا نصیب کرے تجھ کو عشقِ لا محدود  
ترا جنوں ہے اسیرِ طلسمِ نام و نمود  
نہ بادشاہتِ فرعون و سطوتِ نمود  
مری نظریں علاماتِ غایب و موجود  
ترے کلام کا ہر ایک حرف زنگِ لود  
مری جنوں نے بجھاتی ہے آتشِ نمود  
جہاں تمام ہے بیتخانہ اور تو محمود  
قدمِ قدم پہنچا اور راسخہ سرد  
پیشِ زارِ فلک بھی ابھی ہے نامشہود  
تری نظر کو ہے لازمِ جانِ لا محدود  
کہ عشق ہے ہم تن جلوہ گاہِ لا موجود  
کہاں وہ شعلہ سوزاں کہاں سوختہ دو  
میں سن ہا ہوں بھی تک رہ زحلِ سرود  
جنوں پر وہ درمی ہے ہنوز ناپسود  
ہجومِ دار و درسن ہو کہ آتشِ نمود  
اس تین میں بھی بت میں یکتوں موجود

حرمِ ناز میں بیٹھا رہا تو۔ اور یہاں

نگاہِ شوق نے تخلیق کی ہے مہبود  
افسردہ نگری

انگلینڈ کے ایک افانہ نگار چارلس میکنس کا ایک شاہکار

کمری قصبہ۔

اسے کانہے پر ایک ہاتھ تھا لیکن نہ تو وہ نرم و نازک تھا اور نہ چمکنا۔  
 ڈاکٹر نے انگلیں کھول کر دیکھا تو وہ اس کے لازم کا دست مبارک تھا۔ ڈاکٹر  
 کے ہاں مریض تو آتے ہی سنتے اس لئے لازم بھی بیکار پڑا رہتا تھا۔ ورنہ پیرسٹ  
 کی گولبریں براہتھ صاف کرتا رہتا تھا۔  
 تو کہنے لگا :-

”ایک عورت.....؟“  
 ”عورت، کئی عورت — کہاں ہے؟“  
 ”جہاں — رہنے؟“

ماتے بیٹے کے درمیان ہے اُن ہی ایک صورت کفر ہوئی تھی۔ خاکستر  
اس بڑے شمس کو ایک کُن طرف دیکھ کر بیت حیران و تعجب ہوا۔ اُنکا دل کافی لبا تھا وہ  
نامی لاس جی ریڈس تھی۔ چہرہ پر سیاہ نقاب تھا۔ ہاتھ لکڑی کے تھے۔ بالکل سیاہی و سیاہ

1. The first group of respondents (n = 10) was composed of students who had completed the course and were currently employed in a related field. The second group (n = 10) was composed of students who had completed the course and were currently not employed in a related field. The third group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently not employed in a related field. The fourth group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently employed in a related field. The fifth group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently not employed in a related field. The sixth group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently employed in a related field. The seventh group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently not employed in a related field. The eighth group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently employed in a related field. The ninth group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently not employed in a related field. The tenth group (n = 10) was composed of students who had not completed the course and were currently employed in a related field.

جی ہاں میں یار ہوں — بہت یار — لیکن جیاری کا خلق خیر نہیں ہے اور میں ہے — اپنے لیے میں نہیں دوسرے کے لیے اگر مجھے کوئی جہان نکلے جوتی تو ان کے کف اس بارش میں نہ نکلتی۔ ہاں اگر اب سے ٹھیک چوبیس گھنٹے کے بعد میں جہاد ہوتی تو اطمینان سے لٹ کر موت کو پاؤں کی۔ اس کو تو میں آدھ گھنٹے کے لیے تیار رہتی — جہاں تک کہ باس ایک دوسرے شخص کی اسرار و حالت کی خواہش لیکر آتی ہوں، اگر چہ وہ صرف انسان کی حالت

کی حدود سے گزرجا ہے لیکن پھر بھی میں بغیر کسی دیکھ بھال کے اس کو دفنانے کے خیال سے لڑ جاتی ہوں۔

یہ کہنے کے بعد عورت کے جسم میں ہنست آہنر کچلی پیدا ہو گئی۔

عورت کے الفاظ سہائی و صداقت کے حامل معلوم ہوتے تھے۔ ڈاکٹر ان پر یقین کر لیا۔ اسی اُس نے کام کی ابتدا ہی کی تھی اس لئے اسی کے دل میں دھڑکنیں جذبات کا چتر خاک نہ ہوا تھا۔

اُس نے کہا۔

”اگر اس شخص کی ایسی ہی نازک حالت ہے تو میں آپ کے ہمراہ چلا جاتی ہوں آپ نے اس سے کچھ بیشتر امداد کیوں نہیں لی؟“

”کیونکہ وہ بیمار ہوئی اور اب بھی بیکار ہے۔“

آپ بہت تھک گئی ہیں بانی کا ایک کام اس کی، اطمینان سکون سے لگ سکیں اور تیل سے کمر لیں کوئی بیماری ہے اور کس ہے تاکہ تمام حال بخیر ہو کر میں یہ فیصلہ کر سکوں کہ مجھے اپنے ساتھ کیا سامان لے جانا چاہیے۔“

عورت نے گلاس اٹھایا اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

”مجھے خبر ہے، میں جانتی ہوں۔ آپ کو میری گفتگو سنا کر کے عرض کی سی بریاب کو اس محسوس ہوتی ہوگی۔ مگر میرے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ میرے متعلق اس سے پیشتر بھی ایسا خیال ظاہر کیا جا چکا ہے۔ وہ شخص جس کے متعلق میں عرض کر رہی ہوں کل صبح اعانتِ انسانی کی حدود سے گزر چکا ہوا۔ اس کی حیات اگرچہ ایک ہنست آہنر کا حادثہ سے دوچار ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہ آپ اس سے ملاقات کر سکتے ہیں اور نہ امداد۔“

”میں کچھ اور سوالات کر کے آپ کو پریشان و افسردہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ایک میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس شخص کی موت یقینی ہے اور آج جبکہ میری معاونت سے اس کو قید پختہ کیا گیا ہے تو میں اس کو کیوں نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کو یہ بھی حوصلہ ہے کہ کل میری معاونت سے موتِ ذات ہو گئی اور کوئی تھوڑا سا مدد ہو سکے مگر پھر بھی آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے کل ہی دیکھوں۔ آپ کے طرزِ اذیت و ذلت سے یہ صاف جہاں ہے کہ وہ شخص آپ کو بہت عزیز و محبوب ہے۔ آپ اس سے بہت محبت کرتی ہیں تو اس کو کس طرح ہی دیکھ کر اطلاع کیوں نہ شروع کر دوں؟“

”تو کیا آپ اس کو کل نہ دیکھیں گے؟“

نہیں بلکہ طلب یہ نہیں ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔

لیکن اگر آپ کا غفلت کو ناہی سے اس شخص کی نہیں جان مٹانے ہوگی تو آپ پر بھی کچھ ذمہ داری عائد ہو جائیگی؟

”ذمہ داری۔۔۔۔۔ ذمہ داری کسی کا اور ہوگی۔ لیکن حق ذمہ داری ہوگا ہے جس میں اس کا جواب دے دوں گی۔“

”خیر، میں آپ کی بات تسلیم کرتے ہوں۔ مگر کیا میں ذمہ دار نہیں، جس سے اس کی ہی دیکھو نہ لگا۔۔۔۔۔“

”تو جیسے؟“

”میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ کو میری کوئی بات گراں نہ لگندی ہوگی۔ کیا عرض آپ کے پاس ہے؟“

”نہیں وہ میرے پاس نہیں ہے؟“

”اگر میں آپ کو کچھ اطمینان دینا چاہتا ہوں تو آپ اس کی امداد نہیں کیسے۔“

”ڈاکٹر نے دیکھا کہ مرید گفتگو سے کوئی اور بات معلوم کرنے کی کوشش نہیں ہے اس لئے اُس نے گفتگو بند کر دی۔ عورت جیسے معنی خیز و پرامن انداز سے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔“

(۲)

بہت سے اصحاب کو اپنی موت کا موت سے کچھ بیشتر معلوم ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر خود کو لگا۔۔۔۔۔ شاید اس بیاہ نقاب والی عورت کو بھی اپنی موت کا پہلے ہی کمال علم ہو گیا ہو۔ لیکن پھر فتنہ ہی اس کو خیال آتا کہ کچھ چیزیں موت کا علم ہو سکتا ہے نہ کہ کسی دوسرے کی موت کا۔ دوسرے عورت۔ جس شخص کا دل کھٹک رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کے کلام و یقین میں اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔ بالآخر ڈاکٹر اس نے جو پوچھا کہ عورت کے دل میں کچھ غلط ہے۔ وہ تمام رات سو کر گفتگو کر رہا تھا مگر نیند کیلے۔ شاید آج رات نیند اس کی قسمت میں نہیں تھی۔ وہ جس قدر کسی دیکھ بھال کرنا تھا اسی قدر وہ دھندل رہی تھی۔

ظہر ہو چکا ہے۔ آج صبح کی شریعہ اذیت و ذلت نے مرثیہ فرمات ہوئی تھی مگر صبح میں ڈاکٹر کو جانا تھا۔ بہت سی باتیں، گندہ واد و فتنے، فتنہ واد کی روایت کے شکیباز بھی، وہ کچھ معلوم کرتے تھے۔ مگر کچھ اور معلومات کے شکیباز اور وہ۔۔۔۔۔

کون کرک باہر پھینک دیجی تھی۔

کچھ اور دلیل کو شکل جو رکھ کے ڈاکٹر وہاں پہنچ ہی گیا۔ ڈاکٹر جس کی سے بھی اس عورت کے مکان کا پتہ دریافت کرنا تو ہر شخص نیا جواب دینا بڑی کوشش و محنت کے بعد آخر وہ مکان معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ڈاکٹر دروازہ کی بجھ کر کھٹکتا ہوا ہے، ہلکی ہلکی اس کا مطلب یہ نہیں کہ ڈاکٹر نزل تھا۔ نہیں، بلکہ وہ مکان ٹہر کے خاص حصہ سے باطل تھا پولیس اس مقام کی نگرانی نہیں کرتی تھی۔ اس لئے یہاں غنڈوں کے جوئے بھی بہت بلند تھے۔ وہ لوگ اپنی ترارت انگیزی کے باعث یہاں آکر پوشیدہ ہو گئے تھے۔ خیر، بالآخر ڈاکٹر نے زنجیر کھٹکتی ہی دی۔ زینہ پر وٹ کی چوڑائی دی۔

اندھے سے ایک شخص نے دروازہ کھول دیا۔ فطرت نے اس شخص کو یہ صورت بنانے میں خاص طور سے کام لیا تھا۔ اس شخص کا چہرہ اس قدر زور تھا گویا ابھی قبر سے نکل کر آ رہا ہے۔

”اندھ تریشٹ لے آئے مہتمم؟“

ڈاکٹر نے اندھا جانے کے بعد وہ شخص اسے نشست گاہ میں لے گیا۔

”کیا میں ٹھیک وقت پر پہنچا ہوں؟“

”جی ہاں بالکل ٹھیک؟“

ڈاکٹر نے دہشت آمیز نکتہ آہستہ آہستہ دیکھا وہ شخص گھبرا گیا اور کہنے لگا

”آپ یہاں تشویش لیں رکھتے۔ آپ کو باجی منٹ بھی انتظار نہ کرنا پڑیگا؟“

وہ شخص دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ کمرہ میں بہت رمدی تھی۔ دو کدوی کی

کوسوں اور ایک میز کے علاوہ کمرہ میں کوئی چیز نہیں تھی۔ صرف ایک تنگ انگلیٹھی میں چند

انگارے سلگ رہے تھے۔ دیوار پر سب توڑی ہوئی تھی۔ چاروں طرف سکوت و سکون کی

بادشاہت تھی۔ گھر کے باہر بھی اور گھر کے اندر بھی،

تھوڑی دیر کے بعد اسے کسی گاڑی کے آنے کی آواز ملتی رہی۔ گاڑی کدنگی

اند دروازہ کھلا۔ آہستہ آہستہ کچھ ٹھنک ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دو تین آدمی

سپر جھیل پر کوئی وزنی چیز اٹھانے سے جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر خاموشی

بھاگتی

(۳)

پہنچا منٹ غصہ تھکتے جب وہ صبح دیکھا کہ معلوم نہیں یہاں سے کب چھٹکارا دیا گیا

نور کی صورت آئی۔ اس عورت کی لہائی کچھ رنگت چھٹا تھا کہیں نقاب پر اس عورت

کے عیس میں مرد تو نہیں ہے۔ لیکن یہ نقاب مرداں ہیں اس تنگ کٹھاوتی نہیں۔

عورت آگے آگے چلنے لگی اور ڈاکٹر اس کے پیچھے چلے۔ دونوں بالائی کمرہ میں

جلد پہنچے۔ اس کمرہ میں لڑکی کا صندوق، دو تین کیریاں اور ایک پرانی چارپائی بڑی

ہوئی تھی۔ اس چارپائی پر ایک چادر بھی ہوئی تھی جس میں جگر جگر بوندے ہوئے تھے۔

چارپائی پر کپڑے ڈھکا ہوا ایک آدمی پڑا تھا۔ ساکت و خاموش، دھڑکن

اس کا سر اور چہرہ کھلا ہوا تھا ٹھوڑی سے ہوئی تھی سر پر ایک پٹی

بندھی ہوئی تھی۔ بایں ہاتھ سینہ پر پڑا تھا عورت نے اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا

ڈاکٹر نے بغیر دیکھ کر کہا،

”یہ تو مرد چکا“

عورت ایک دم کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔

”نہیں میں محترم! ایسا نہ کہتے بہت سے آدمی ہمیں انارٹی ڈاکٹر ملنے مردہ

سمجھا تھا زہدہ پاسے گئے ہیں۔ ایک بار پھر کوشش کر کے دیکھئے۔ شاید ابھی کچھ زندگی

باقی ہو۔ خدا سے ایک بار پھر دیکھئے۔“

”اب کچھ نہیں ہو سکتا“

”کیوں؟“

”بغیر جا چکی ہے اچھا کر کے پردے سر کا دو“

”میں نے کمرہ میں غصہ اٹھایا ہے۔ محترم! مجھ پر رحم کرو۔ اگر یہ شخص

مرچکا ہے تو اسے میرے علاوہ اور کوئی نہ دیکھنے پائے“

”یہ قدرتی موت نہیں مر رہا ہے۔ مجھے ذرا دیکھنے دے دو“

ڈاکٹر نے جھکے سے اوپر کا پٹر اٹھا کر دیکھا آجلا کہنے لگا۔

”اس پر کسی قاتل کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے“

عورت نے جوش میں آکر ایسا نقاب اٹا دالا۔ ڈاکٹر نے اس کے چہرہ پر ایک نظر

ڈالی۔ اس کی عمر بچاس برس کی معلوم ہوئی تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر انداز ہوتا تھا

کہ یہ عورت جیو نقاب میں بہت حسین و جمیل ہوگی۔ اس کا چہرہ درد و الم کا زحان بنا ہوا

تھا۔ ڈاکٹر نے اپنا سامانہ جاری رکھے جوئے کما۔

اس پر کسی شدید ترین وجہ کا استعمال کیا گیا ہے۔“

”جی ہاں اور بڑی بے رحمی، غفلت اور غیر معمولی اذیت دہاں طریق کو“

ڈاکٹر نے ایک مرتبہ پھر جنور دیکھ کر فرمایا کہ۔ مردہ آدمی کی گردن تھم تھم تھی۔

اور اس پر ایک گلی نشان لگنا پڑا تھا۔ ڈاکٹر نے افسانہ حقیقت حلال سمجھ گیا

اور کہنے لگا :-

”آج صبح جن لوگوں کو بھانسی دی گئی ہے۔ یہ ان جس سے ایک معلوم ہوتا ہے؟“

”بیشک محرم؟“

”ہاں کون تھا؟“

”میرا بیٹا، میرا کونہ بیٹا، جان سے بھی زیادہ عزیز۔ آنکھوں کا نور، میری ضعیفی کا سہارا۔“

”اے بھانسی کیوں دی گئی ہے؟“

”دوبہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔ عام دوپہ ہے اور بالکل عام۔“

جب یہ رونا پیدا ہوا تو اس کے والد کا افعال ہو گیا اور میں پوہ ہو گئی۔  
 ”میرا کوئی دوست دوزخ برحقا اور نہ میرے پاس دولت دوزخ۔ صرف  
 ”دل کا درد۔“ میں نے پکی پیسی۔ ”دوسروں کے بھولے برتن  
 ”ناچے۔“ صرف اس کے لئے۔ ”بہر باپ کے بچے اکثر بد چلن ادا دار  
 ہو جاتے ہیں۔“ اس نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ میں نے اسے بہت کچھ  
 سمجھایا۔ مگر میرے اس کے سامنے آنک دہڑی بھی کی۔ ”لیکن اس نے کوئی پروا  
 نہیں کی۔“ ”بہر باپ کے سامنے ہے۔“ ”دب جلا دے تو۔۔۔“  
 افعال باور۔۔۔ اور دائمی دیوانگی۔

امتیاز نیسی

## طعنہ آذری

حوصلہ نگاہ کو اذن غلط روی نہ دے  
 خاطر غم پسند کو عشرت زندگی نہ دے  
 ہمت سرکش نہ دے فرصت آگہی نہ دے  
 صحبت حسن و عشق کو زندگی دوام بخش  
 میری جبین کو ربط ہے تیرے حرم ناز سے  
 عالم ممکنات کی کشمکش اک عذاب ہے  
 تیری تجلیات کو جلوہ گری سے ضد سہی  
 کر کے فریب آشنا عالم حُسن و عشق کو  
 شمع امید کیوں جلے بزم تصورات میں  
 دامن آرزو مرا حوص ہوس سے تر نہ ہو

ذوقِ خلش کو فرصت شکوہ بے نی نہ دے  
 خون جگر ہی بخش دے بادہ سرخوشی نہ دے  
 خاطر رُخروش کو حوصلہ خودی نہ دے  
 بزمِ جلال میں مجھے قربت عارضی نہ دے  
 بندہ مجھے سمجھ مگر طعنہ بندگی نہ دے  
 قلب سکوں پسند کو غورِ شِ زندگی نہ دے  
 میرے جنوں کو تو مگر فرصت برہمی نہ دے  
 شکوہ دشمنی نہ کر تہمت دوستی نہ دے  
 فرستیں میرے ذہن کو فکر و خیال کی نہ دے  
 عشق مجاز دے مگر نظریات غریبی نہ دے

خدا تراش ہی نہیں خلا گداز بھی ہے یہ  
 مردِ خلیل کیش کو طعنہ آذری نہ دے  
 آذرِ سرحدی نہیں



# چارچمن

مئی ۱۹۴۳ء کے شمارے میں جناب خواجہ قصبہ اکبر آبادی کی فرل ایک شریک جو "لال مہر" (سٹیشن کنٹن) میں شائع ہوئی تھی۔  
 ترکہ اختیار کیا، خاصاً طبع پر ہے جو کہ نسبتاً کہ بعض ترنوکات میں جن ہی من ہوا مدیہ بھی ممکن ہے کہ بعض اختیارات میں فرمود کی جھڑپ  
 اور اسکا پرستی یا عجز طبیعت کو دخل ہو۔ بہر حال درود صاحب نے جس ترکہ کو اختیار کی صحت مفلک وہ جو پسند کیا گیا اور انا کہ  
 دوسرے شرا کو بھی بہت آزمائی لاشوق ہوا۔

ذیل کی چاروں غزلیں اسی شریک جو میں ہیں جس کا ذکر جس نے اور کیا ہے، فرق اتنا ہے کہ کس روایت بدلی ہوئی ہے  
 اور کس تا فر۔ غزلیں ہر صورت اپنی جگہ جاذب نظر ہیں اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی خاندان کے چار شاعروں کی تراویں فکر کا نتیجہ ہیں۔  
 اعجاز صدیقی

ہوں مقید غم و انبساط نہیں      مگر آئے عشق میں انحطاط نہیں  
 تو ستم شمار ہے اور خوگر ضبط میں      کروں چاک پردہ انقباض نہیں  
 مجھے دل ملا ہے ازل ہی تو الم آشنا      میں حریف محبت و انبساط نہیں  
 غم باغیاں نہیں کم جلانے کی واسطے      کروں بجلیوں کو بھی انقباض نہیں  
 جو ہو تیری رحمت بے پناہ سو مطمئن      وہ کرے گناہ سے انقباض نہیں  
 کبھی تجودی میں نکل گیا تھا زبان سے      تیرا نام لوں یہ میری بساط نہیں

ہے خمار آب کا اور آب خمسار کے  
 کسی اور نے اُسے ارتباط نہیں  
 خمار نیازی اکبر آبادی

کبھی موت اور کبھی حیات نہیں نہیں      میرے واسطے یہ تعینات نہیں نہیں؛  
 میں لٹاؤں ضبط کی کائنات نہیں نہیں      کہوں اور آب کے دل کی بات نہیں نہیں  
 مے غلکہ میں وہ آئیں جن فربہ ہر      دل غمزدہ یہ توقعات نہیں نہیں

بہ مراد شوقِ کلدی آج نقابِ رخ  
میرے شکر بھی یہ تکلفات نہیں نہیں  
مجھے شکلات بہت زیادہ پسند ہیں  
کروں تجھ سے شکوہ شکلات نہیں نہیں  
غمِ عشق دے کہ جو کائنات کو چاہیے  
مجھے چاہئے غم کائنات نہیں نہیں  
مجھے ناز ہے کہ میں وارثی کا غلام ہوں  
کبھی فنِ شعر میں کھاؤں کائنات نہیں نہیں  
میکش صابری ازولوی

تو وفا کر یگا ستم شکار غلط غلط  
کروں ترے وعدے پر اعتبار غلط غلط  
میرے دل پہ رکھ دیا تم نے ہاتھ بجا بجا  
مجھے لیکن اس سے ملا قرار غلط غلط  
تیرے کہنے سے میں کہانی اپنی سنا تو دوں  
مگر اس میں کرسکوں اختصار غلط غلط  
تجھے جلوہ گاہ میں، آپ یاد کریں مگر  
رہے ہوسن پر میرا اختیار غلط غلط  
تری خیر ہو تیرا غم ہی وجہ حیات ہے  
ہوں ستر میں مجھے سازگار غلط غلط  
گلِ داغماں جگر کو میری دوام ہے  
ہو خزاں نصیب میری بہار غلط غلط  
یہ رقیب کہتا ہے عیش سے ہے وہ بدگماں  
ذرا تو یہ کہدے ترے نثار غلط غلط  
عیش ازولوی

کوئی دہریہ ہو تیرا جواب نہیں نہیں  
جو کیا غلط ترا انتخاب نہیں نہیں  
تری ہر ترپ نہیں بر بناؤ مذاقِ غم  
دلِ مضطرب تو کی کیا نہیں نہیں  
کہیں آنے جائے نظامِ دہریہ نقاب  
ترا حسن اور ہوبے نقاب نہیں نہیں  
میری عمر بھر کی جو کوششیں ہیں رائیگاں  
میں اسے کہو گناہ ترا انتخاب نہیں نہیں  
میں فراق میں ترے شاد ہوں مجھ شاد رکھ  
ترے ہجر میں میرا دل خراب نہیں نہیں  
میری ہمت و بود میں ہے نہاں ترا شاہد  
ہو سیکل پھر بھی ترا جواب نہیں نہیں  
شکیل نیازی اکبر آبادی

# اردو شعروادب ایک طائرانہ نظر

اردو ادب پر ہونے والے۔ دوسری شاعری کو بھی چلا ہوئی تھی۔

انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے کل لوازمات و متعلقات میں نقصانات کو بیک وقت زیادہ دخل ہوتا گیا یہاں تک کہ اس نے بعض امور میں عداوت والے سے بھتا ہوا ہو کر اس لوازم کی بہت سی کو بھی سبھ کر دیا اور اس کے مفید حقیقی کو بھی کھو بیٹھا۔ دیگر متعلقات انسانی کے ساتھ شاعری کا بھی قریب قریب ہر ملک میں کم و بیش یہی مشر ہو گیا خصوصاً ایشیائی ملک میں جذباتی شاعری جسکو حقیقی شاعری کہا جاسکتا ہے۔ سبھ ہو کر تنقید محض اور ایک مفرد اور خالی شے کی کیفیت میں آگئی۔ وہاں کا تمدن جو کہ طالب نقصانات و متعلقات سے بری تھا اس لئے وہاں کی شاعری کم شاعر ہوئی۔ ایران کے حالات مختلف تھے یہاں کا تمدن و تہذیب انسانی لوازمات کے اس باہر پر آچکا تھا جہاں نقصانات زیادہ ہوتے ہیں، اور حقیقت کم انداز میں آخر میں شاعری نے بھی یہی صورت اختیار کی جسکی مثالیں ادب اب ذوق کو بکثرت بلنگی اور جلی و راحت کی اس مختصر تہذیب میں گھٹائش نہیں اب ہماری اردو شاعری پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں رنگ ہی دوسرا تھا اسکی ابتداء جبریت ہوئی تو عربی فارسی اور ہندی شاعری اپنے انتہائی داعی طے کو جسکی تخی ان میں جو جن و فنی پیدا ہونے لگے ہوئے تھے۔ جن قدر نقصانات مفروضات کی گھٹائش تھی وہ اپنا دخل کر کے نئے اور حقیقت سے جتنا بعد ہوتا تھا ہو چکا تھا۔ چونکہ اردو اکثر و بیشتر انھیں میں زبانوں کا مجموعہ ہے۔ اسلئے اردو شاعری میں بھی جنوں زبانوں کے خصوصیات کا اجتماع لازمی تھا۔ اور اس نے بھاشائے گھر میں چلایا اور شونہا کر سر زمین ہند میں جب پہلی مرتبہ اسکی نقاب کشائی ہوئی تو یہ عروس کو ہمارا اپنے ہر وہ زبان کو ایرانی رنگ و روغن اور خال و خط سے مزین کے ہر سے اپنے مالوک دل میں ہندی جذبات کو بھپاتے ہوئے اور اپنے فرقہ باز پر پا کین سے عربی نقاب باندھے ہوئے زینت بن گئی تھی۔ جو کہ انداز اور انداز ہندی کے شرافت سے اسکی درخانی حقیقت سے عود جا پڑی تھی۔ اسلئے یہ کسی بھی شاعری اور ہندو سب سے کیا ہند میں بیٹھے ہوتے اور ہندو شاعری حقیقی انھیں گنگے جمن اور وادی وندھ کے پورے خطا ناظر اور کاسی و شمر کے دلرب سالک کو نہ دیکھ سکتی تھی گمان کی مفرغہ انھیں جلا و قرات تک پہنچ جاتی تھی اور انکی آب و ہوا کی

شاعری جسکی تہذیب انسانی کے تقریباً ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے۔ ہر مین فن کے نزدیک ایک آئینہ ہے جس میں فن کے نقطہ خیال سے قورہ اپنا اپنے جذبات کا عکس خلقت کے سامنے پیش کرتا ہے اور بعض کی نظر میں وہ اپنی ذات کو محض کے فطرت کو اس فطرت کو جسکا وہ خود بھی ایک جزو ہے دیکھتا ہے اور دکھانا چاہتا ہے۔

فن شاعری کی تالیف اہل نظر سے پیشہ نہیں اور یہ کہنا ہوگا کہ اس کا بھی تعلیم میں دہی درجہ ہے جو خود تالیف ہی نوع انسان کا۔ کیونکہ یہ ایک فطری اور دہی لکھے اور انسانی کی خلقت کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی انور ہو گیا ہے مشہور ہے کہ انا اور دونا کو نہیں جانتا جو کہ شاعری بھی ہر مین کی ہی ایک قسم ہے۔ یا کم سے کم دونوں خاص ہیں لہذا اس طرح تالیف کے یہی ہوتے کہ ہر شخص فطری شاعر ہے یا بالفاظ دیگر اپنے جذبات کو خواہ انکی نوعیت کچھ ہو اور خواہ وہ خارجی اثرات کا جزو ہوں یا فنی ذرات کا حسب اقتضائے فطرت بلا تعین ظاہر کر دینے کا نام شاعری ہے۔ اپنے ارتقائی منازل پر آسنے سے پہلے ابتدائی شاعری کی یہی نوعیت تھی۔ شاعری کی موجودہ صورت بعد ان تمام خط و خال اور رنگ و روغن کے جو بعد میں اس کا جزو بن گئے۔ اگر اس ابتدائی شکل سے نقصان نظر آئے تو اس کے بعض نہیں کہ اس کی ابتدائی حالت یہ نہ تھی بلکہ تہذیب انسانی کے سکھنے میں بڑے بہت سے ارتقائی لوازمات کے کونے سے بعد ویشا کی ہر شے اپنی اصل سے متاثر اندازہ مختلف نظر آئے گی جیسی کہ موجودہ شاعری مثال کے طور پر اپنے مکانات اپنے مرکب اپنے جبروت حتیٰ کہ اور مشربات تک کو دیکھتے ہوئے اپنی اصل سے بہت ترسی یافتہ مگر پھر بھی مشابہ نظر آئے گی اور پھر وہ حضرت انسان کو دیکھتے اور دار و دن کی تصویر کی داد دیجئے۔

ہر ملک اور زبان کی شاعری اپنے ماحول اور خط و محاسب کی بنا پر مختلف ہوتی ہے اور اسکی ماحولیاتی خصوصیات سے شاعر ایک تہذیب کی شاعری ایک مخلص اور مخلص کمال قوم سے بالکل مختلف ہوگی اور جس طرح ایک آباد قوم کی شاعری ایک مخلص آباد قوم سے کی گئی تو شاعری سے سطر طے پڑتا ہے نظر آئے گی۔ اس طرح دشمنی جنائی کی شاعری اور تمدن و تہذیب انھیں کی شاعری میں بھی بڑے فرق نظر آئے گا۔

یہ نوع انسان جیسی ہیں تھے کہ نئے نئے انسان کے ساتھ ساتھ ان کے لوازمات بھی



# ساتی

بھانے در و دل اب کیوں سکوں بھام ساتی  
 تو ریت میکدہ ہے اور تیرا نام ہے ساتی  
 تری نفل ہے یا نیرنگ صبح و شام ہے ساتی  
 تری بے اعتنائی کا بھی انجام ہے ساتی  
 فغان صبح باقی اب نہ آو شام ہے ساتی  
 خزاں کا دور دورہ ہے گلستانِ تمنا میں  
 یہ ہے بیدادِ محبت لمحہ لمحہ زندگانی کا  
 تجھے آگاہ میں کرتا ہوں لیکن اڑہستی سے  
 نہ ہوگا زندگی بھروسہ کبھی اسوۂ منزل  
 ان آنکھوں کے لئے جو آشاؤں لذتِ غم ہیں  
 پر تاراں غم کو ہوش میں آنے نہیں دینا  
 مرا ظلمت کدہ کیونکر نہ معمورِ تجلی ہو  
 شگفتہ حُسن کی دینا ہے میری گرم نالوں سے  
 ہر اک نغمہ مکمل سوز ہے سازِ شکستہ کا  
 بڑی دولت ہیں یہ ٹکڑے نہ دیکھ انکو قحارِ تو  
 جانِ عشق میں شام و سحر یہ کام ہوتا ہے  
 چمن میں گل ہیں بالاکھلی چرخِ طور روشن ہیں  
 فضا سے عرش سے شام و سحر جلوے برتو ہیں

بتا دے کیا حالِ عشمِ اسی کا نام ہے ساتی  
 بلا دے زندگانی موردِ آلام ہے ساتی  
 یہاں بھی کارِ فخرِ مارِ گردِ دینِ ایا ہے ساتی  
 جسے بھی دیکھتا ہوں بے نیاز جام ہے ساتی  
 محبت ہر طرح ناکام ہی ناکام ہے ساتی  
 جلالِ زندگانی آفتابِ شام ہے ساتی  
 محبتِ آزما افتادِ صبح و شام ہے ساتی  
 تعینِ راحت و غم کا خیال خام ہے ساتی  
 جو راہِ شوق میں وابستہ انجام ہے ساتی  
 تصورِ نیند کا بھی قصیدہ ہنگام ہے ساتی  
 وہ ذوقِ بخود ہی جو لذتِ بے نام ہے ساتی  
 سرِ مرزاں ہر اک انورِ رخِ شام ہے ساتی  
 خزاں کی آتشِ افروزی بہارِ انجام ہے ساتی  
 وہی ہے کامیابِ شوق جو ناکام ہے ساتی  
 بنائے میکدہ ٹوٹا ہوا ہر جام ہے ساتی  
 بنانا دل ہر اک ذری کو کوئی کام ہے ساتی  
 محبت کی نگاہوں کا یہ فیض عام ہے ساتی  
 جہاں کا ذرہ ذرہ موردِ اہام ہے ساتی

زمین سے تا فلک چھایا ہوا ہے ایک ہی جلوہ

محبت جو کہ کہتے ہیں خدا کا نام ہے ساتی

الامتلعہ نگری

## مرحمت

نے دونوں لڑکیوں کی خوب ہاں فدا کی اور لڑکیاں اس کے ضامن طریقے سے بہت خوش ہوئیں۔

بریم کا رکن کے گھر واپس آئے ہیں سوئیلا نے یہ خبر کیا یہ وہ ایک چھوٹا سا علاقہ کی لکھ ہے۔ مگر نہایت سادگی پسند نیک دل۔  
اُس کی سہیلی نے اس سے اتفاق رائے کیا، ادا اس نے تو بہا تک کہدا کہ اگر یہ قانون نہیں اپنے یہاں کم از کم جہان کی حیثیت سے ہی دکھائے تو کیا ہی اچھا ہو۔  
"تو میں دنیا میں بہت زیادہ خوش قسمت لڑکی ہو گئی۔"  
سوئیلا نے جواب دیا۔

آج پہنچا تھا، بریم کے سر میں سخت درد ہوا تھا چنانچہ وہ سوئیلا کے ساتھ سیر کرنے کو نہ جا سکی۔ اُس نے کہا کہ وہ آج اکیلی جی بائیس کاٹیج کی قانون کے پاس ہو آئے وہ سر لاہن کو اس نام سے پکارا کرتی تھی۔ سوئیلا کو تھا ہی جانا پڑا سر لاہن گیسٹ ہاؤس کلبے چینی سے انکار کر رہی تھی،  
"سوئیلا! تمہاری سہیلی کہاں ہے؟" سر لاہن نے بریم کو ساتھ نہ دیکھ کر پوچھا سوئیلا نے بتا کر وہ درم کی وجہ سے نہ آ سکی ادا اب سے صحت چاہی تو۔  
چارہ بردوں بڑی دیر تک باتیں کرتی رہیں، ادھر ایک نے ایک دوسرے کے ملنے انجول کھول کر دکھایا، مگر سر لاہن پھر بھی اس نگاہ میں کسی قدر مینا تھی جسے سوئیلا سے کہیں زیادہ دنیاوی مگر تھا۔ آؤ کار یہ طے پا گیا کہ سوئیلا بائیس کاٹیج آجائے، اُس پر اس کی خوشی تھ کہ کچھ شکا نہ نہ رہا۔ سوئیلا پر تاک کے گھر واپس آئے وقت بے حد سرد تھی۔ اُس نے پوچھے ہی کہا یہ جہاں سے اس نے جی سر لاہن کے یہاں جا رہی تھی کہ بریم کا وہی اندھا سلی مال حیرت زدہ ہو گئیں انھوں نے سوئیلا کو اس خوش قسمتی پر مبارکباد دی اور کہا کہ وہ اپنی "چچی" کے زہر مابعدا کر سے ایسی ہی خوش و خرم رہے۔

دوسرے دن سوئیلا بائیس کاٹیج میں تھی ادا جس سے جو سر لاہن کے کسی قدر کمانہ طور پر ہے۔ پاول کے خوش ہو کر کہ منورہ قانون کی ایک ہنس کھینچتی تھا کہ اس کے پاس گدی چلی جس سے ہنسی صورت کی حالت و سجدگی

میں کامیاب وقت تھا، سوئیلا "بائیس کاٹیج" کے گیٹ پر ٹھکی ہوئی منان مرکز کی طرف دیکھ رہی تھی، سوئیچ کی نہ ترین کڑیں بائیس کے پھولوں کو چوم رہی تھیں۔ سوئیلا خاموش تھی مگر کسی گیسے خیال میں متوجہ، وہ ایک پچھلے مسئلہ پر اُکھڑ کر رہ گئی تھی، عجیب غریب محاسن سے مل نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر سری تراہن کے نام بھی بائیس کاٹیج کے ایک خط دیکر آیا ہے۔ سر لاہن نیک خوش مزاج خاتون تھی اور سوئیلا اس کو اپنی ماں سے کہیں زیادہ چاہتی تھی مگر اب وہ دنیا میں نہیں تھی۔ وہ اس کی شفقت و قربانی سے محروم ہو چکی تھی اب سوئیلا نے اس پر غور کیا کہ سر لاہن کے ہاتھوں سے اس کو کیسی بھی اچھی چیزیں ہیں تو اس کے رخا وہ ہر پہلے اختیار آتو وہ حاکم آئے۔

کاٹیج کی نو جوانی کھڑا اس وقت عجیب شش و پنج میں تھی، کیا وہ سر لاہن کے نام کا خط کھولے؟ یہ خط کس نے لکھا ہے؟ کیا یہ اس کے فضولی قریب بنے نے تو نہیں لکھا جو اس کو بہا تک چھوڑ گیا تھا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا تھا؟ ہر حال ایک دن وہ عورت کے نام کا خط کھول لینا کچھ مناسب نہ تھا کیونکہ سوئیلا اس کی چچی کی طرح تو مٹی سر لاہن نے جو ایک ادنیٰ بنگالی خاندان سے تعلق رکھتی تھی، کبھی سوئیلا کے سلسلے خاندانی معاملات کا ذکر نہیں کیا تھا، البتہ اُس نے کہا دوسری طرف پر اپنے لئے کافر و ذکر کیا تھا جو ایک بائیس کاٹیج میں مقیم رہنے کے بعد اس کو اچانک چھوڑ کر چلا گیا تھا۔  
اب سے تین سال پہلے سر لاہن پہلے کلکتہ آئی تو وہ اس دنیا میں بالکل اکیلی تھی۔ اُس نے ٹریننگ اسکول کا امتحان پاس کیا تھا اور پھر میں ایک اسکول کے اندر سلا کا کام اُس سے بہرہ کیا گیا تھا،

ایک شام کو جب سوئیلا اپنی سہیلی بریم کاوی کے ساتھ چل رہی تھی تو اس کی نو جوانی کو خفا اور دکھش کاٹیج کی طرف منتقل ہوئی جہاں بائیس کے کمرنٹ پھول آسمان میں سفید سفید ادا کی کٹر وں کی طرح لہرا رہے تھے اور سر لاہن ان پھولوں کے درمیان ایک قریب پھول کی طرح کھڑی تھی۔ سر لاہن نے یہ دیکھ کر کہ وہ نو جوان لڑکیاں اس کے کانچے سے بہت زیادہ حائر ہوئی ہیں۔ سوئیلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "آئیے دیکھو اس ناچنے کاٹیج میں چار پیچھے سوئیلا کو یہ جگہ بہت پسند آئی اور اس کی انگلیاں اس سے کہیں زیادہ اچھی تھیں، حیرت قانون



ایک شام جب ہمیش سوئیلا کے صوفے کے صلابت میں آیا تو وہ ہنسنے لگی۔  
جس میں اس نے اپنے قلم کرنے کا ذکر کیا تھا، وہاں پہنچے پر معلوم ہوا کہ اس نام کا  
کوئی شخص نہیں آیا۔  
کلرک نے بتایا کہ ریش نام کا ایک شخص مفرد آیا تھا سوئیلا یہ سن کر نفرت و غصہ  
سے سرخ و ناب کھاتی چھٹی چلی آئی۔ وہ ریش کی اس حرکت پر آگ بگول ہو رہی تھی  
جس نے غلط نام بتا کر دھوکا دیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب اگر وہ آیا تو ایک دکان  
کو فریب دینے پر آمادہ تلخ بین دیگی اور اسے بیچ خالی کر کے چلی جائیگی۔  
دو روز بعد آئیں خوش سے ناچتا ہوا آیا، سوئیلا کو اس اور اس کے  
اُس نے خیال کیا شاید اسکی عدم موجودگی میں کچھ بکلیت ہوئی ہو۔ اُس نے  
حالات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر سوئیلا نے توری پر بل ڈال کر اُسے  
دھک دیا، وہ جرات تھا۔  
سوئیلا اپنی قریب خود دلی کا مارا غصہ اُس پر اتارنا چاہتی تھی مگر اس کی نیا

نہ کھل کر، ایک خط بھی اس کے منہ سے نہ نکلا، باب معلوم ہوا تھا کہ کئی چیز اُس کو  
”اٹھارہ“ نام کی اس سے رکھ لی ہے، ایک مینی کے سامنے اسکی بڑی پر غصہ آ رہا تھا،  
وہ جیسے ہی کچھ کہنے کے لئے ”شری زوجان“ کی طرف نظر اٹھائی وہ اسکی اپنی  
خوش مزاجی کے باعث خوبصورت اور جبارا معلوم ہونے لگا، وہ اس آدمی کے سامنے  
اپنے دل کے اندر ایک عجیب نوعمری محسوس کر رہی تھی۔ دو نام —  
وہ کیا خوش ہے — اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُمیش سے محبت کرنے لگی ہے  
— اُمیش ہفتوں کے بچے کے تھوڑے سے محبت کا نگینہ پیام دور ہوا  
تھا۔ وہ دو دفعی ایک دوسرے کی طرف کھینچے جا رہے تھے۔  
”برکین سوئیلا اس سے نام میں کوئی زیادہ فرق نہیں آتا، اُمیش نے سوئیلا کو  
اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا — میں ریش سے زیادہ اُمیش کو چاہتی ہوں  
سوئیلا نے فریب سے پن کو مکرانے ہمتے کہا۔

رشدی بھوپالی

## نوائے اسد

مہر آزما ہیں لمحے ترے انتظار کے  
عبرت کی ہے یہ بات جو کل تک تھے غمگسار  
ہمت میں اک پیام ملا وہ بھی دل شکن  
بجائے یہ بہار نہ کر ناظر بہار!  
مرنے کے بعد چھپ گیا عیب برہنگی  
سب عیش عمر رفتہ کے خواب خیال میں  
ذیر مزار دن کو میں چپ رات کو اُداس  
مٹی سیٹھے پہ رکھ دی سزا و جزا کی قید  
چھوڑوں سے بھر لیں جھولیاں اور باب گشتاں  
میں تو قید تو نے بڑھادی ہے جس طرح  
بس میں نہیں جب اپنے نظام جہاں اسد  
شکوے میں پھر فضول غم روزگار کے  
علی اسد



# کاشت منظوم

۱۳ ۴۲  
درختاں اقبال کے خطوط  
۱۹ ۶ ۴۳

## درختاں :-

سو جیتی ہوں کیا لکھوں القاب میں  
فرق آجائے نہ کچھ آداب میں

آند دے دید کے لاکھوں سلام  
ہے خدا سے یہ دُعا صبیح و مسا  
گرد ہی ہوں بعد اسکے عرض حال  
آپ کے آئے ہزاروں ہی پیام  
دے سکی لیکن نہ میں انکا جواب  
کیا کہوں تمہا کیسے شکر کا قصور  
گو بظاہر خاص کچھ باب تھے  
نوک سے اُن کے شکر کب قائم  
ہاں درختاں آپ کی بیا رہے  
سانس لینے میں نکلتی ہے کراہ  
جو رہا ہے یوں تو ہونے کو طالع  
دے دے ہیں ڈاکٹر آبیکشن  
لکھ نہیں سکتیں میرے غم کو بیان  
حسرت و امید کے لاکھوں سلام  
ہوں سلامت زندگی کے نافدا  
لے زمین صدق کے عرش کمال  
ہائے مجھ بد بخت بد قسمت کے نام  
دلین کھاتی ہی رہی بس رنج و تاب  
تمہا فقط میرے مقدر کا قصور  
زیست کے سونے کبھی پایاب تھے  
لگتی ہوں جتنا ہے اتنا ہی بُرا  
چلنا پھرنا بھی اُسے دشوار ہے  
تندستی غم نے کر دی ہر تباہ  
ہو کر کیا تھک آشفست علاج  
خشب ہے لیکن مرو دل کا چین  
کپکپاتی تم تھرتھاتی آنکھیاں

آخری شاید ہو یہ عرض ذہنوں  
کیجئے لیکن نہ اسکا آپ غم  
کون ہے ایسا جسے اکرام ہے  
غم رہیگا حملہ زن جنگ ہر دم  
اور پھر ہم عشق کے ماروں کا غم  
غم سے چٹکارا دلائے تو سی  
غم تو یہ ہے تندرت ہو جاؤنگی  
ہوئی غمیں آپ سچ کہتی ہوں میں  
لیکن آیا آپ کا جب عید کا رُڈ  
روح میں اک سرخوشی پیدا ہوئی  
زندگی کا چکر لپسا میں نے مزا  
ہاں خدا سے التماس فرمائیے  
زندگی دی ہے تو دو کوئل پنجال  
اک حیات اور بیست رات  
چاہتی ہوں میں کروں نقش نگار  
ٹائٹل کا جو بھی تار بنی ہو نام  
اور کیا کہوں تو زنا ہے ظم  
غالباً پھر خط نہ کوئی لکھ سکوں  
آپ کو میری محبت کی قسم  
زندگی ہی درد و غم کا نام ہے  
ہے مثل مشہور منم کیا غم  
یہ ہوا ہے اور نہ ہونا مشہور کم  
موت ہی اچھی ہے آئے تو سی  
زندگانی کے پھٹے کہا دل کی  
اب تو پہلے سے بہت اچھی ہو میں  
غز وہ دل کو صاحب عید کا رُڈ  
از سر نو زندگی پیدا ہوئی  
آپ بس اچھے رہیں یہ ہے دُعا  
ہو سکے تو یہ دُعا فرمائیے  
رائے گاں جاے نہ یہ سال وال  
سال نو کا ٹائٹل بنوائے  
کچھ تو رہ جائے برائے یادگار  
مجھ کو لکھ کر بھیج دیجے والسلام  
غم نہ کیجئے پھر دلانی پہلے قسم

زندگانی ہونے والا آپ کی  
ہے دُعا بل بے خشاں آپ کی

## اقبال

اے مری جانِ فروزاں سلام  
اے مری روحِ درخشاں سلام

کاش تم راہِ نہاں لکھ بھینس  
سوچ کر کچھ مشورہ دینا بھینس  
توڑ بھینس رشتہ تدبیر کو  
اب بھلا رخِ عالم سے فائدہ؟  
اپنی سب پابندیاں لکھ بھینس  
اس کشاکش سے بھڑالیا بھینس  
کوئے بیٹھی جوابِ نفرت کو  
دل ہی دل میں کیوں کھائی بیٹھی  
تکڑوہ جو روئے ستم سے فائدہ؟  
دل ہی دل میں کیوں کھائی بیٹھی  
اور مجھ کو کچھ نہ ہو فکرِ عالم  
اور پروا نہ ہو کچھ پروا نہ ہو  
اور نہ ہو بیلِ چین میں نودھ زن  
دمِ جدا کرتی ہو گویا دم سے تم  
کہہ ہی ہو اس کو سناںِ جات  
کیوں دلائی ہو مجھے اپنی قسم  
غمِ حقیقت میں ہو اک گنجِ سکون  
ہے ازل سے غم ہی بناوِ حیات  
لطفِ جب سے غم کا دلی غم نہ ہو  
دل کو ہو جائے اگر عرفانِ غم  
ہے خدا رکھے تمہارا غم مجھے

محنت و ہمت کو کرو ہم غماں  
ہاں عائنِ میری ہوئی مستجاب  
مائیل خود ہی سناں کو بھجود  
میں لکھا لوں گا یہاں کتابِ کو نام  
اس محنت کا تمہاری شکر ہے  
ہو درخشاں آفتابِ زندگی  
اور ہو جاؤ دستِ یک امتثال  
کامِ محنت سے ہو گی کامیاب  
جس طرح چاہو سجا کر بھجود  
نام کا کیوں کر ابھی ہو اہتمام  
اس عقیدت کا تمہارا شکر ہے  
ہر طرح ہو کامیاب زندگی

دہر میں بنکر رہو عالی وقار  
حشر تک اقبال ہو تم پر نثار

صبا متھراوی

ما صاحبِ اقبال ہو کر تم جو  
نام نہ معلوم مجھ کو کی گئی  
موج آئی اک تلاطمِ جزیری  
چاند نکلا ابر کی آغوش میں  
چاندنی لائی امیدوں کا لہجہ  
نکل کھلا گمشدن کو کھلاتا ہوا  
گردن غم میں بھینا دل کا اریغ  
اک نویدِ سوز آگیاں آگئی  
دیکھنا تھا راہ جس مکتوب کی  
میں سمجھا ہوں تمہارا درد و غم  
سرو قری سے نہ یوں کچھ بھی کہے  
شمع پروا کے آگے ہو غموش  
سُن الفت کے مگر از و نساں  
تم بھیا چاہتی ہو راہِ زدل  
لو ستمِ کس لئے جیسا ہو؟  
در حقیقت کچھ تو ہے برہمِ مزاج  
لگ گئی ہیں کچھ نئی پابندیاں  
ایسے لکھ سکتی نہیں مکتوبِ تم  
پڑھ نہیں سکتی جوابِ اسے ستم  
چھن گئیں آرا دیاں مجبور ہو  
تم جپاتی ہو انھیں اسباب کو  
دہر میں خوشحال ہو کر تم جو  
کتنے مغموم مجھ کو بل گیا  
برقی چکی اک فخرِ انیسویں  
دارغ چکا سینہ غم کو سن میں  
دھوب پھیل بن گئے سوزِ جان  
ساز آنا سوزِ برساتا ہوا  
اندھیوں کی رو میں یا اک چراغ  
مزدہ غم بن کے حیرت جھانسی  
اُس نے امیدوں کی ٹٹا ٹٹلی  
ہے مری نظروں میں سب کچھ شرم  
پھول بیل کے لئے کوئی تار ہے  
چاند بھی جب چاہ ہی ہو غموش  
رہتے ہیں اُنک دورِ مری کے دلہ باز  
خود بخود بھٹا ہے لیکن سازِ دل  
عشرتِ عالم سے کیوں بیزار ہو؟  
اور غالب آگیا ہے کچھ سماں  
درِ دِل لیتا ہے دل میں چکیاں  
رکھتی ہو جیسا مجھے محبوبِ تم  
تم بہ آزادی مرنے مکتوبِ غم  
خط لکھو تو کیا لکھو مفرد ہو  
کیا سکوں ہو پھر دل بیتاب کو

# ہندستان صنعتی ملک تھا

• ہندوستانیوں کی رنگ آمیزی کا ہنر۔ دھاتوں زر و جوہرات کی صنعت زمانہ قدیم سے ملے ہے۔

مادیخی شیت سے ہندوستان کی صنعت و حرفت کی ترقی کا سراغ لے کر یہ ہے ہندوستان کی صنعتی شیشا کی تجارت یورپ سے تین راتوں کے درجہ پہلی تھی کہ جانا ہے کہ لفظ سندھو سے (جو بعد میں ہندو ہو گیا) ہندوستانی کی اس مراد ہے اس لفظ کا سراغ ایورجینی ہال (۱۶۶۰ ق۔ م) کی لائبریری سے ملتا ہے یعنی سکوں کی تاریخ "ہندوستانی ہاتھوں کا بیان۔ سال ۱۶۰۰ ق۔ م۔ اور دی پورٹ کا" جس میں ہندوستانی سودا گروں کے پوروں کے پوری بھڑلے کا ذکر ہے۔ ہندوستان اور بابل کے صنعتی اتحاد کا ثبوت ہم ہو چکے ہیں۔ بیلون ایکسٹیم بخاری منڈی تھی جہاں مختلف مالک سے صنعت حرفت کی اشیا جمع ہوتی تھیں۔ پنجاب، لوہن، ماوراءنہشا کے سوداگر یہاں ہفت جیس رہتے تھے۔ ہندوستان میں ٹرالیسی، بھروچ اور پاران اشیا کی برآمد اور درآمد کی مخصوص بندگاہیں تھیں۔ یہاں سے دوسرے مالک کو کپاس اور باقی دانت کی بھی پوتی چیزیں بھیجی جاتی تھیں۔ بدو زمانہ تھا جب ہندوستانی صنعتی سراغ کمال پہنچی اور ہر مذہب ملک ہندوستان کی بنی ہوئی شیشا کا دست نگر تھا۔ جنوبی ہندو سلطنت روم کے باہر تجارت جاری تھی، ہیر وڈوس (۱۶۸ ق۔ م) جو یونان کے دور اول کے اہل قلم ہیں سے ہے۔ ہندوستان کا ذکر کپاس پیدا کرنے والے ملک کے ساتھ کرنا ہوا لگتا ہے۔

• ہندوستان کی کپاس بھڑکی اوتے بھی کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

یگانہ ہنر کا بیان ہے:-

• ہندوستانی ذوق برقی لباس اور زیورات کے ٹائٹن ہیں۔ ان کے لباس نہ کار ہوتے ہیں..... ہندوستان ہی میں سے پہلے یورپ کی دنیا دیا گیا تھا کہ وہ صنعت سے متعلق نام نہان بات کی گواہی کو صنعت کو اپنی اہمیت حاصل تھی کہ کسی صنعت کو کام کرنے سے محذور کر دینے والے شخص کو بدترین سزا دی جاتی تھی۔

ایک ہانی منیر کا بیان ہے:-

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان زراعتی ملک ہے اور اسے زراعتی ملک کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہیے۔ لیکن تاریخ پچھلا دہائی کہتی ہے۔ مشرنگو مری لکھتے ہیں:-

"ہیں اس نظر سے کہ ہندوستان محض زراعتی ملک ہے۔ یہ ملک زراعتی ہونے کی بہ نسبت زیادہ صنعت ہے اور جو شخص اسے صرف زراعتی کہتا اور دیکھنا چاہتا ہے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تہذیب کے بازار میں ہندوستان کے دھار کو گرا دیا جائے۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو فریڈرک ڈیڈن کے تحت آج سے ایک صدی قبل مری لکھ رہے ہیں۔

مشرنگو مری نے بھی ہندوستان کی قدیم صنعتی ترقی کے بارے میں اسی قسم کی رواداری کا ثبوت دیا ہے۔

دو لکھتے ہیں:-

"اس دور میں جبکہ زمین یورپ جیسے تہذیب حاضرہ کی منہم بھی کہنا چاہیے۔ غیر تہذیب اقوام کا گوارا نہ تھی۔ ہندوستان اپنی دولت اور صنعت کے اعتبار سے بالآخر لازماً خصوصیت کا حامل تھا اور انھیں اسباب کی بنا پر یہ سبب زمین تہذیب عالم کی جولا نگاہ بنی ہوئی تھی۔ ہندوستان پر اقبال صنعت و حرفت کسی ملک سے پیچھے نہ تھا۔"

مشرنگو کا بیان ہے کہ:-

• ابوالمول کے عالم وجود میں آنے سے بہت عرصہ قبل۔ یعنی جب یونان اور وہ جمعیل اپنی تہذیب پر پیش ناز رہے تہذیب سے نا آشنا تھے۔ ہندوستان تہذیب و تمدن کے انتہائی داروغہ ملے کر رہا تھا۔ اس کی آبادی جو گنگا جمن اور ہر طرف صنعت حرفت کی گرم بازاری تھی، چاکلویت مندرجہ اول صنعت دے رہی تھی۔ ملک کے گوشہ گوشہ کو زمین جاڑوں نے سترن کر رکھا تھا۔

پروفیسر جیمز لکھتے ہیں:-

”ہندوستانی دھرتیوں کی چال سے بنا ہوا لاف اُٹھاتا کرتے تھے۔“

جناظر (۱۵۵۵ ق. م) کی کتاب ”بندہ اپنا“ سے یہ جملہ ہے کہ برہمناس کا علاقہ تجارت کا مرکز تھا۔ یہاں ہندوکان نہیں سازوسامان سے پرستہ تھی۔ خرید و فروخت کا بازار تھا کہ سوداگروں کو ایک لکھ کی ذمت نہ ملتی تھی۔

تیرہ کے زمانہ میں اہل ہوم کہندوستان کی بنی ہوئی خوبصورت استخبار کے استعمال کا اُتنا شوق تھا اور وہ لوگ ان استخبار کی خرید و فروخت میں اتنا خورج کو دلاتے تھے کہ سلطنت روم کی اقتصادوی حالت پر برا اثر پڑا۔

رگ وید کے زمانہ کے آریہ پیشہ منوں کے استعمال سے آگاہ تھے۔ کپڑا بننے، ہتھیار بنانے اور دھاتوں سے طرح طرح کی کارآمد چیزیں تیار کرنے۔ ہندوستان کا ابتدائی ادب اس قسم کے کمزورت سے رہا ہے۔

۳۲۰ قبل مسیح میں کندر غنیم کو مالاکا جس نے رومی کے کپڑوں کا ہتھیار ذخیرہ اور بہت سا سودا کر لیا۔ سفید پتھر سے شاید اسٹیل مقصود ہو کیٹلیا کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ چوتھی صدی مسیح میں ہندوستان کی تہذیب انتہائی غروج پروری اور تجارت و صنعت کے اعتبار سے اس ملک کا بہت بلند تھا۔

دہلی میں سکھ گیت (چوتھی صدی) کا بنایا ہوا مشہور عالم اپنی سنہوں اس بات کی تین دلیل ہے کہ اس زمانہ میں اہل ہند دھاتوں کے استعمال میں یدلوئی رکھتے تھے۔

تاریخ فروزش ہی کی دوسرے اُس زمانہ میں ہندوستان میں ۳۶ بڑے بڑے صنعتی کارخانے موجود تھے۔ مراکو پلو اور ایندیلوٹ وہ لوں بھرتیج اور کالیکٹ کو غلام ترین سماجی مذاہن تسلیم کرتے ہیں۔ حال دنیا کے قریب قریب ہر حصہ کو تجارت کا مال ہوتا تھا۔ تلوکی لباس اور ملل کی خوبی کے بارے میں مراکو پلو کہتا ہے:-

”یہ کپڑا کڑی کے جالے سے زیادہ سبک اور لطیف ہوتا ہے۔ اور

دنیا کا ہر نامہار اسے زیب تن کرنا محض کھتا ہے۔“

مالابار کے لوگ پیدائشی تاجرتھے۔ یہ علاقہ چین، عرب اور سیوانت کے سوداگروں کی جولانگاہ تھا۔

ظفر احمد شاہ ہے کہ تہذیب رنگ نے کسی جزیرہ ہندوستانی یا کدورت مناظر کو امر اور دوسریاں میں پورے تہذیب تفسیر کیا۔

مظہوں کے ذریعہ حکومت میں اس ملک کی صنعت کو برا فروغ حاصل ہوا۔

ملک کے مختلف حصوں سے ہوشیار اور متوجہ کارگر تاجری کارخانوں میں جھانکے گئے۔ اپوائٹس کے بیان کے مطابق لاہور، آگرہ، فتحپور، احمد آباد اور گجرات میں بڑے بڑے کارخانے تھے۔ اس دور کی صنعت کے نمونے دور جدید کے مناظروں کو بھی حیرت کر دیتے ہیں۔

کشمیر اور پنجاب کی شان کی صنعت شاہان ہند کی توجہ کی وجہ محنت ہے۔ زیورات کی ایجاد اور رنگوں کے امتزاج کی صنعت کو شاہانہاں کے دور حکومت میں فروغ حاصل ہوا۔

ہندوستان کی صنعت پارہ باقی اپنی ہی قدیم ہے جتنی کہ فوڈ ہنڈلنگ کی تہذیب مصر میں بعض ایسی ”مبوں“ کا پتہ چلا ہے جو ہندوستانی کپڑے سے نفوذ ہیں۔ دھاکہ کی ملل ینان میں گھنسیکا (گٹھ سے) کملائی تھی۔

ہندوستان کی بنی ہوئی چیزیں داس، امید، عرب، مصر، بکیرہ روم کے ملاوٹوں، کھا جاپان، فلیسٹن اور سیکیو کو بھی جاتی تھیں۔

ملاوٹوں نے چارلس ثانی کے حضور میں شستر مرغ کے انڈے کے سامنے کارایل پیش کیا۔ یہ بیویوں سے جڑا ہوا تھا اور اُسے جب کھولا گیا تو اس میں سے ایک بڑا بڑا دھماکا پھوٹا۔ ۴ فٹ کے قریب تھا۔ جب شہنشاہ اوزنگ زیب نے اپنی بیوی سے شکایت کی کہ لباس سے اس کا عصابے بدن جھلک رہے ہیں تو جواب دیا گیا کہ وہ سات جہول میں لبوس تھی۔

داریٹ آرمی کا بیان ہے:-

”ہندوستان میں مشکل ہی سے کوئی گاؤں بگا جہاں ہر مرد

عورت اور بچہ کپڑا تیار کرنے میں مصروف نہ ہو۔“

دھاکہ اُس کے مقامات، مولیٰ ٹیم، کورو مشدی، گجرات، کھبات اور دادی مندہ کپاس کی پیداوار کے لئے خاص طور پر مشہور تھے۔

ہمارا کوئی

**مشاعرہ شاعر :-** برائے ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء

**معرب طرح :-** ”چنگ اب خواب مجھ سے کہہ رہی ہے“

سحر، نرود وغیرہ قافی، ہوتی ہے دہن

نوٹ :- فرمیں ہر لڑکی نہ تاریخ لکھاتی جانتیں۔ مظلوم کے لئے ہر فن

مستقل خریدار قلمیں لکھتے ہیں۔ غزل، نظم، غزلیں ہر فن فروشی ہے بیچ

# شام کا سماں

دادر سے شاد کام دشمن جا رہا تھا میں  
 چروا تر رہا تھا گل لالہ شام کا  
 گاڑی گزرتی رہی تھی چٹانوں سے دور دور  
 دامن تھا تار تار برف کی نقاب کا  
 جھانک میں بجا رہی تھی سرنگوں میں فاشی  
 دیکر حسین بودوں کو انکڑا میوں کا روپ  
 سونے پڑے تھے تار کے گھنٹیوں پہ چھپے  
 تھی گرد جھاروں کے سروں پر آئی ہوئی  
 شاداب کھیتوں کی طرف جا رہی تھی راہ  
 اک مرکز خستیں پہ بنگا ہیں مڑ کی ہوئی  
 طائر سکوت شب کے لئے بدھواں ہے  
 منہ دھانے لگے تھے دھندلوں میں برکت  
 سنو لا رہا تھا لالہ غداروں کا ہنگین

شب کا جلوس اٹھنے کو تھا اہتمام سے  
 رونے کو تھی سیاہی گلے گلے شام سے  
 ناتمام

## دعوتِ عمل

جو ہو سکے تو بنگا ہوں کو کر تھلی گر  
 بن اپنی راگداز خودی خود ہی بن رہا ہوں  
 اٹھ اور دست امکاں پاک نگاہ تو ڈال  
 وہ کمر لپے جو ایک نہ ہو سکامدود  
 جھلکے گا مزین شہر اسرار و فن و عمل  
 اٹھ کے طور کی جانب نظر خراب نہ کر  
 کسی کے نقش قدم کا بھی اتباع نہ کر  
 ترا جہاں نہیں محدود تا بحد نظر  
 اٹھ اور حد سوا حل کو کر دے زیرِ دُور  
 جھلک ہے ہیں ابھی کچھ نقوش راگداز

وہ دیکھ شہر خرامی رو دو دجلہ و نیل  
 پھر اپنی سستی رفتار پر بھی ایک نظر  
 نازش پر تا بگڈھی

## قصو وار کون؟

ہزار بار ————— "تھنک یو" کہتیں سستیش جی پر جاسکدے، لنگتا ہوا  
آگے بڑھ گیا ————— اُس نے کتاب پر نام پڑھ لیا تھا؟

کالج کی خفا اور مغربی تہذیب میں پلے پڑے رنگوں اور لوگوں کی ایک دوسرے  
سے میل جول بڑھانے میں کچھ زبانیں دیر نہیں لیتی۔ ایک روز، دو روز اور پھر دو ہی  
دووں کی کہیں نہ کہیں نظریں چار ہو جاتی تھیں ————— کبھی رکش میں بیٹھنے  
سے پہلے اور کبھی رکش سے اُترنے کے بعد ————— ارادی یا غیر ارادی طور پر —————  
ہم سے کون جلنے؟ ..... شرم و جفا کا لہجہ اُٹھتا تو باتیں مکمل کر چمک لگیں  
لیکن نظریں بچا کر مکان کا تہہ معلوم ہی ہو چکا تھا۔ سستیش کو سب جگہیں اس راستہ  
سے جلنے پر زور دیکھ معلوم ہوئی تھیں جب وہ اُس راستے سے گزرتا تو کھڑکی کے شیشے  
کے اُس پار دو بڑی بڑی آنکھیں سستیش کو دیکھیں، جیسے وہ اُس کے استقبال کے لئے  
فطر تھیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت سی باتیں ہو جاتیں۔ لیکن وہاں جہاں سستیش  
کے اختیار کی بات تھی؟

عورتوں کی جالا کی کاٹوگ لہا مان گئے ہیں۔ پریشانے ملاقات کا ایک چھا  
اور آسان در کچھ سستیش کو بتایا۔ پریشانے لہجے میں سستیش ہی کے کالج میں  
تھا۔ لیکن وہ فرسٹ ایر میں تھا اُس نے سستیش سے حال پوچھا نہ تھی۔ مگر ایک ہی  
جین کے اندر اتنی دھنسی تھی کچھ سستیش، ریش کے ہاں دن دن بھر رہا لیکن  
دونوں میں سے کسی کی طبیعت نہ گھرائی ————— بارہ گھنٹے کا وقت دن ہی پہنچا  
اُس پر بھی کچھ وقت کالج میں صرف ہو جاتا تھا۔ بجیہ ابوقت کیرم تاش، ریڈیو اور  
گرافون میں گزرجاتا۔ توڑے ہی دلوں میں ریش کے ہاں کے کل گورنر سے  
سستیش کی جان پہچان ہو گئی۔ ریش کے بتا جی بھی بہت خوش تھے وہ سوچا کہ  
تھے کہ سستیش آج کے درمیان میں بڑھائے اس نے اُس کی صحبت میں دیکر ریش  
بھی کچھ سکے گا۔ پر جاکو ٹی کی آدین نکال کھیلے گا اچھا موقع ہوا تھا کہ اُسے اس کی  
طرف سے باطل طمان تھا۔ اس کی وہ بڑی ہی لالچی بیٹی تھی۔ ریش اور سستیش  
کی دوستی سے اُس نے غیب فائدہ اُٹھا یا سستیش کیرم کھینا رہتا لیکن جب پریشانے

گودالت کا کرو اس بڑی طرح کچھا کچھا ہوا تھا کہ تل رکھے کی جگہ نہ مال بھی  
تاہم خاموشی کا ہر طرف تسلط چاہوا تھا جیسے وہاں کوئی جاندار چیز موجود ہی نہ تھی۔ کبھی  
اپنی اپنی سانس روک کر پریشانے کا بیان سن رہے تھے اور سستیش کیرم کے اندر کھڑا  
سوچ رہا تھا۔ کیا ہی وہ پریشانے جس نے اپنی گوری گوری باجی سستیش کے گلے میں  
ڈال کر رکھا تھا ————— دیکھا سستیش، کام نکل جانے پر ٹھکرا نہ دینا۔ سستیش  
کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا لیکن پریشانے تو وہی تھی ————— اگرچہ ہاں باب کی  
دیکھیں ————— سہیلیوں اور بھائی کے لئے وطن نے اُس کے دل اور اُس کے  
خیالات کو بدل کر رکھ دیا تھا مگر پریشانے وہی تھی ————— سستیش کی پریشانے؟  
سامین تو دکھانے کے بحث و مباحثہ میں بھی لے رہے تھے لیکن سستیش خیالات  
کے اٹھا ہندو میں بچکے کھا رہا تھا ————— جیسے وہ وہاں تھا ہی نہیں!

جاڑے کی ایک شام تھی۔ سستیش کالج سے واپس آ رہا تھا لیکن چمک کی بیٹر  
نے اُسے سائیکل سے اُترنے پر مجبور کیا۔ وہ سائیکل سے اُتر کر ابھی دوچار قدم چلا ہوا تھا  
کہ اُس کے کان میں غیب کی ایک آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا تو ایک کتاب پڑی ہوئی  
تھی ابھی ابھی رکش سے اُتری ہوئی کالج گیل کی شاید یہ کتاب ہوگی۔ وہ کتاب لیکر لگے  
بڑھا۔ گلی کے ٹور پر کسی کی لابی چوٹی اور جا بٹ کی ساری کان رہ جھلکا اور آنکھوں  
سے ادھل ہو گیا۔

"شاید یہ آپ ہی کی کتاب ہے؟" سستیش نے بڑھ کر پوچھا۔

روانگی رک گئی۔ کسی مرد کے مقابل ٹھہرے ہونے کا شاید اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا  
شرم سے اس کا چہرہ لال ہو گیا اور آنکھیں زمین کی طرف جھک گئیں۔ روانگی نے اپنی نکل  
کناہوں اور کانپوں کا جائزہ لیا اور سستیش کے بڑے ہونے کا اندازہ سے کتاب لے لی  
لفظ "شکر" بند ہوئی کہ چکر نکلتا چاہتا تھا لیکن ابھی شرم و جفا کی دیوی نے بے حیائی  
کہا وہ نہ دی، وہ جلی گئی اور بہت دوندنگ نظر میں لگھا کھا کہ سستیش کو دیکھتی رہی  
سستیش کو "شکر" سے بھی کوئی بڑی چیز لگتی تھی، اُس نے سمجھا تھا کہ اُسے صرف  
ایک بار "تھنک یو" سننے کا موقع ملے گا لیکن شرم کی آنکھیں تو اُسے سو بار —————

اپنے گیسے گیسے ہاتھوں کو چمڑا کرتے " کہتی ہوئی کہ میں داخل چوٹی تو نہ جانے کیوں  
سستیوں کے پائے سے اٹھ کر پھر چل جاتا اور وہ "شہورہ گوشت چھڑا" ڈب " کر سکتا  
وہ بار بار ہانا رہتا اور لڑکے اس پر ہنستے، کئی بار تو اس نے تاش کے غلط پڑنے چل دیے  
اور ریش کے ذریعہ اس نے "پاگل" کا خطاب پایا، لیکن آئی ایم سوری " ہلکے سستیوں  
بنا دیتا، اور وقت کا سلسلہ بار بار بڑھتا ہی گیا.....! "

جو، نہیں تو چوبیس گھنٹہ پر سے گھر رہنا چاہتے اور اگر تم انوسٹیشن کا رونا نہ آنے  
کی وجہ سے بگڑتے ہو تو یہ لو، لکھنا اس نے ایک نادر اس کے سامنے پھینک دیا۔ سستیوں  
پر جیسے کل ہی لکھی، اس کے دل پر ایک زبردست چرکا لگا۔ سستیوں کے دل کا نامور  
نہشتہ تھے ہی بھوٹ گیا، لیکن وہ مینحلا، مگر اس کے دل نے کہا "..... نہیں!  
پر تھاک کی شادی ہونے والی ہے تو اسے کیا؟ " کیا سامان کا خافین بھی ہے  
کہ وہ کہ جس سے محبت ہو وہ چیز اس سے سلجھ چھین کر دوسرے کو دے دے۔  
میں وہاں نہیں جاؤں گا، جو سکتا ہے کہ جس جذبہ محبت سے مجھ کو کہہ کر ڈالیں؟  
سستیوں بہانہ دھونڈتے لگا لیکن نامور رہا، آخر اس نے نہیں ہنس، مگر  
ہنا اور ریش کے ساتھ حل دیا۔ اب سستیوں پہلا سستیوں نے تھاک ایک شوگر  
ہی اسے اُسے چھو دیا تھا۔ اس میں سوچنے کی طاقت پیدا ہوئی تھی مگر وہ کام کا بیہ  
اختیار کرنے کی صلاحیت تھی۔ وہاں پہنچ کر وہ فوٹا ہی کام میں لگ گیا۔ دن بھر  
اسی طرح کام کرتا رہا۔ رات کو بیکے جب وہ گھر جانے لگا تو ریش نے اچھو کر دیا  
"..... واہ واہ صاحب! اے کہاں؟ شادی کیا آپ کو گھر چھوٹا چھوٹی  
نہیں لی سکتی معلوم ہے کتنا انتظام کرنا ہے؟ سستیوں مجبور تھا۔ اسے  
رہنا ہی پڑا۔

سستیوں کے لئے اب یہ فردری نہیں تھا کہ ریش کے مکان پر اس کی وجہ  
ہی میں جانا بلکہ زیادہ تر وہ اس کی جرم جو دل میں جا کر تھا۔ ریش کو کہیں ٹپ پاتھ  
پر دیکھ لیا تو خود نظر نہ کیا کہ وہ اس کے مکان کی طرف چل پڑا۔ سستیوں اور پر تھاک دونوں  
بیکہ کر بیٹھتے اور بیکہ سے کھلی ہوئی آواز "برا برا یم کاروگ" سے دونوں ہی  
کے دلوں کے تاریک ساتھ جھیناٹتے۔  
پریم کی بیٹھیں بار بار بستی گئیں، لیکن سستیوں ڈرنا، جھمکتا اور سوچنا کہ  
وہ جو کچھ کر رہا ہے، اچھا نہیں کر رہا ہے۔ اسکا بیہوش رہا۔ اور بہت برا ہو گا۔  
کہاں پر تھاک اور کہاں وہ؟ لیکن آنا دھنا میں چلی ہوئی پر تھاک خیالات کی اس بچی  
دیوار کو توڑ پھوڑ کر کھینچتی۔ وقت گزر رہا گیا..... اب پر تھاک کی سولہویں  
منزل طے کر رہی تھی۔ اس کے نامور تھاک دونوں ہی کو اس کی شادی کی فکر لاحق تھی۔  
"..... دونوں ایک اس گھر میں رہنے کے لائق نہیں تھے کچھ دن اور گزرتے۔  
شادی کی بات چلی ہو گئی۔ دن میں کئی بار کے بدلے ایک بار..... پھر مندرجہ  
ایک دفعہ..... اور پھر مینوں میں ملاقات ہوئی، لیکن سستیوں کے لئے یہ  
کوئی تعجب بات نہ تھی۔ یہ تو بہن ہی تھا۔ آج یا کل؟ اس نے ریش کے گھر جانا کم  
کر دیا۔ تو کرنا تو کبھی ایک طرف ہی کام ہے، لکھنا ڈال دینا اور کبھی "سکے درد"  
کا بہانہ کو دینا، لیکن وہ جانا اسی راستہ سے۔ وہ جب قدم اٹھانا تو فریاد ہی طور پر دے  
اُس کی کی طرف مڑ جانے۔ جیسے اُس کی سستیوں کے علاوہ اس کے دلوں کے لئے  
بھی کوئی خاص جاذبیت تھی!

اُسے ابھی ابھی طرح بندھی نہ آئی تھی کہ اس نے ایک سایہ دیکھا۔ وہ ب  
کچھ کچھ گیا۔ سایہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پر تھاک کی حرکت اُسے بہت بُری معلوم ہوئی۔  
غریب آئے پر سستیوں نے اسے پھکارا۔ "پر تھاک! بھول جاو پرانی باتیں!  
اب تمہارا بندھن کئی دوسرے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں تم  
سے پریم کرتا ہوں اور فی بد اس سنار میں میرا پریم پہلا اٹھ، آخری ہو گا۔ پھر بھی میں  
اسے پریم کی خاطر تمہارا سولے کا سنار اٹھاتا نہیں چاہتا..... وہ نہ جانے  
اور کیا کیا کتا لیکن ہاتھوں پر گیسے ہوئے آنسوؤں کے دھڑکے گرم قطرہ دل نے  
اُس کا نہ بند کر دیا۔ "پر تھاک! پنا کی خبر نہ داری ہی دلی کا سبب ٹھنڈی  
ہے۔ پر تھاک! اب نہیں پر تھاک دیکھنا ہے، نہیں اسکا خیال دیکھنا جانتے۔ تم  
میری تصویر دل سے نکال دو۔ مجھے جلا دو؟" سستیوں نے اچھو کر ہنسا لے  
ہوئے کہا۔

سستیوں تاریخ کے کتاب پر نظر پڑے تھے پڑا تھا۔ "چوکر کھول  
کام صرف دیکھنا ہے۔ وہ کتب و مجاہد تھا لیکن دل کتنی دہری جگہ تھا اس لئے  
کتنا یاد جوتا اب ظاہر ہے۔ بیکہ ریش کا کہہ رہا تھا۔ سستیوں تم آج کل  
آنے کیوں نہیں؟ " پر تھاک بن کی شادی ہونے والی ہے تم کو کھر کے آدمی

پر تھاک سے بھی نہ لگایا۔ سستیوں میں نہیں اپنا کھنچ ہولنا  
کھنچ رہی تھی۔ سستیوں! میں نہیں بھول جاؤں گا۔ اپنے پیر میں خود

کھڑی ماروں؟ سستیش! ایسا نہیں ہو سکتا۔ سستیش غلغشت  
تھا..... تم نہیں جانتے سستیش! برابر بیاہ نہیں ہوا ہے بلکہ  
میں پیسے کئے بھی جا رہی ہوں۔ میرے پاس کافی روپے ہیں، چلنا کہیں دُور  
..... بہت دُور جھانگ چلیں۔ جہاں صرف ہم ہی دونوں ہوں۔ وہ دن کنی سزا  
ہوگا سستیش! جب ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر دن اور راتیں گزرانے لگے  
اُسکے ہنسوں کا دھواں کھٹے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ خودوں کے آنکھیں نہیں کر سکتے؟  
سستیش سنبھل نہ سکا۔

”بھلا ایک بچے رات کو کوئی انکی بات سننے آئیگا؟ بات کا سلسلہ پھر جاری تھا۔ سستیش نے  
اُپھٹے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ ”ایک بات ہے سستیش! اگر میں عدالت میں  
یہ کہوں کہ تم نے مجھے نہیں بلکایا۔ بلکہ میں خود تمہارے ساتھ بھاگی چلی اور میں تم  
سے شادی کرنا چاہتی ہوں تو تم جھٹ سکے ہو نا؟  
”لیکن ایسا کر سکتا ہوں نا؟“

”تو کیا تم میرے اوپر نہیں نہیں کرتے سستیش! جیسا کہ تم نے کہا تھا تو تمہارے  
غصے کی نظر دیکھتے ہیں کھل سکتی۔ یہ کتنی ہو چکا ہے! انہیں میں آنسو چھانکے  
”رو دُور رہ جاؤ تمہیں آنا جانا تھا۔ مجھے شک تھا کہ جب گھر جانے پر تم  
جاؤ تو صرف کی ہو جاؤ اور غصوں کی نشاہت ہوگی اور اس باب زدگی دھمکا کر اپنا  
بھگنا بھگا کر میرے خلاف بیان دینے کے لیے تمہیں مجبور کرینگے تو یہ یہ یہ کہو گی کہ میں زندگی  
گزارنے کا لالچ نہیں دیتی ناؤ دیکھتے پر مجبور کر دے!“

”ایسا نہیں ہو سکتا تم میرے ساتھ نا انصافی کرتے ہو سستیش! میں نہیں بھڑکا  
نہیں ہو سکتی۔“ پرچہ سسکاں بھرتے ہوئے کہا۔  
”جانے کب دونوں مرن گئے۔ دُور دن اور گزرتے۔ میرے دن نہ جانے کب  
میں کیسے تہ لگ گیا اور دونوں گزرتا دھمکے۔ پرچہ اپنے اس باب کے پاس بھڑکی گئی  
لیکن سستیش نے کہہ کی مٹی مٹی ساقوں میں بند کر دیا تھا۔ چلنے دفت پرچہ کہہ گئی  
تھی۔ ”گھرا نا نہیں سستیش! میں تمہیں ملتی ہی چھڑاؤ گی!“

لاچر کے ایک کھڑی اُس نے ایک مکان کی کچھ کھڑیاں کو بار پر لے رکھی تھیں  
اچھے کھڑیاں تو تہ لگ جانے کا خوف تھا۔ اس کا مکان کیا تھا ایک کچھ خاص سرائی۔ ایک  
طرف اندر کی منشی کے دلال رہتے، ایک طرف سود پر روپے دینے والے آغا، ایک طرف  
بل میں کام کرنے والی مزدور بنال اور ایک طرف سستیش اور پرچہ۔ ایک ماہ تو خوشی  
خوشی گزری لیکن اب تو اجنا دھن میں ہی اُنکے بھاگنے کی خبریں پہنچ گئیں۔ دونوں  
کی خبریں بھی نہیں۔ پولیس کے در سے گھر کے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی  
جس خوشی کے اُنکے انہوں نے اپنا اپنا کی شفقت اور پیار۔ جس آنند کے اُن  
انہوں نے گھروں بھاگی کہن کو بھڑا تھا اسکا دواں حصہ بھی سلق کے زبردست  
بندھن اور قانون کے کنگھرنے انہیں حاصل نہ ہونے دیا۔

اس گھر میں رہنے والے اُن پر شہر کر سکتے تھے۔ کوئی کام نہ دھندا  
”دن ہر دونوں بیٹھے رہتے تھے۔“ کسی سے ملنے پہنچے ہی نہیں نہ باتیں  
کرتے تھے۔ لوگ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

لیکن اُسی پرچہ کا عدالت میں اس طرح بیان  
”سات سال کی قید با شفقت۔ یہ الفاظ کو میں گونج اُٹھے۔ سستیش جیسے خواب گاہ  
سے چونک پڑا۔ اُسکے خیالات کے نام ایک ہی ساتھ جھنک کر ٹوٹ پڑے۔  
”مجھ میں سے ایک آواز آئی۔“ ایسے بڑھے گئے بد معاشوں کی ہی سزاؤ  
انکی نگاہوں میں کسی کی بوسنیوں کی کوئی قیمت ہی نہیں رہتی۔ سستیش کی آنکھوں  
کے سامنے صرف ایک لفظ ”دھوکا“ رقص کر رہا تھا اور اُپا تھا۔ وہ کیا جانتا تھا کہ پرچہ  
صرف اس کے لئے جگہ ساری دینا کے لئے دھوکے کی تھی ہے؟  
اُنکی رات پرچہ نے خود کشی کی۔ لیکن جلیک اُن کا کالی دیواروں میں بند  
سستیش کا سوچ رہا تھا کہ ان سب کے لئے قصور دار کون ہے؟

”کیوں پرچہ! جو میں بچا جاؤں تو؟ سستیش نے کوٹ بدلتے ہوئے کہا۔  
”کیوں! بچوے کیوں جاؤ گے؟ پرچہ نے فحش سے پوچھا۔  
”میں نہیں بھگنے کے جوہر میں؟“  
”واہ تم نے بھگایا کہ؟ تم ابھی کہاں رہے تھے؟ میں تو خود ہی تمہارا  
ساتھ چلی آئی!“

”لیکن پرچہ! یہاں سے لگاؤں؟ قہر سے بنانے میرا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ مجھے  
بڑا دھبہ کئے اہم دکھ ہے۔“

سستیش کو کڑھوں پر کچھ آہستہ ہی معلوم ہوئی۔ جیسے ابھی کوئی کھڑا ہوا  
یہ سب باتیں سن رہا ہوا اُنکی دھن میں گھوم رہا تھا۔ اُس نے سچا

”میں خود؟“  
”پرچہ؟“  
”دونوں؟“  
”توجہ نہ بندھا“  
پدر اور رنگ آبادی دگا



# میرے دل کا ساز

برکھائیت کی راتوں میں جب بدلی گھر کر آتی ہے  
 نغمی نغمی بوندوں میں آکاش سے مے رساتی ہے  
 باد صبا جس کو بی کر ہر گام پہ ٹھوکر کھاتی ہے  
 ٹھوکر کھا کر جب بچوں کے قدموں پر گر جاتی ہے  
 میرے دل کا ساز اٹھا کر ایک دوشیزہ گاتی ہے

ننگ برنگی کلیوں کا جب روپ نکھرے لگتا ہے  
 مست ہوا کا جھونکا ٹھنڈی سانس بھرے لگتا ہے  
 بھول جب ایسا دامن بزرگوں پرے کرے لگتا ہے  
 صبر و سکون کی وادی تم کو جب ہوش گڈے لگتا ہے  
 میرے دل کا ساز اٹھا کر ایک دوشیزہ گاتی ہے

بادل اپنے سر پر بس کر جب میخانے چلتے ہیں  
 صحن چمکتا ہے میں ہماؤں پر مائلے چلتے ہیں  
 مغل دل میں حن و محبت کے آفاقی طعنے ہیں  
 شمع کی جانب جان بخت جدم پڑاؤں طعنے ہیں  
 میرے دل کا ساز اٹھا کر ایک دوشیزہ گاتی ہے

وقت سحر کرونوں سے فضا جب جگمگ ہوئی ہے  
 مویج بجلی دینسا کے چہرے کی سیاہی بھوتی ہے  
 کلیوں کے انجام پیش قدم جگمگے روئی ہے  
 سینوں میں جس وقت محبت تغم بنا لیتی ہے  
 میرے دل کا ساز اٹھا کر ایک دوشیزہ گاتی ہے

رات کی تنہائی میں جب ارمان بھٹکتے ہیں  
 اور آنکھوں سے اشکوں کے ٹوکے اٹلتے ہیں  
 ٹوٹے ہوئے دل کے تالے اشعار اٹلتے ہیں  
 درد اور غم جب غلوں کے سانپوں میں بٹولتے ہیں  
 میرے دل کا ساز اٹھا کر ایک دوشیزہ گاتی ہے

قط، مفتوح

(۱۸) دن جنوبی ہند میں۔ بنگلور کی عظیم الشان کانفرنس اور شاہی کعبہ میں کے تاریخی منجلیاں (سیر)

طبرستان و دیگر بلاد آریستان پر پوری غریب تسلیم ملوئی۔ جناب مہاراج اور دیگر حضرات موجود تھے  
 بہتر خاص مہاراج صاحب تشریف لے کر تھیں کہ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مہاراج صاحب کی طرح  
 دوسرے لوگوں میں سے کچھ لوگوں کی طرح ان کے پاس سے گزرنے والے لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ان کے پاس سے  
 کچھ لوگوں کی طرح ان کے پاس سے گزرنے والے لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ان کے پاس سے  
 دوسرے لوگوں کی طرح ان کے پاس سے گزرنے والے لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ان کے پاس سے  
 یادگار ایک شہر میں لکھا گیا ہے کہ AUTOGRAPHا دوسرا نام بھی نہیں ہوگا  
 مانتا جو کہ ہم پر لکھ دیا ہے۔ اسٹیشن کو تین اعتراف مہاراج صاحب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ وہاں تک پہنچنے  
 کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 جناب مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 اسٹیشن پر پہنچے ہیں۔ ان کے پاس سے گزرنے والے لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ان کے پاس سے  
 پرتیک معاوضہ کیا۔ کچھ دیر بعد مہاراج صاحب اپنے لیے گئے۔ مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 جلد اٹھی۔ حضرت مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 نائنٹھ مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 کا ہے۔ کچھ دیر بعد مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 چونکہ اس وقت مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 نصف گھنٹہ بعد مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 نہیں۔ معلوم کر کے کہ کچھ دیر بعد مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 آج کی دن کو مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 کے دعوت نامے اور ان کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 کے جواب لکھ دیا ہے۔  
 مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 ہمارے ساتھ ہی موجود رہے ہیں۔ مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 آدمی کو بھیج دیا ہے۔ مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔  
 ہیں۔ ہمارے ساتھ ہی موجود رہے ہیں۔ مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔ اس کے لیے مہاراج صاحب نے اپنی گاڑی کو بھیج دیا ہے۔

# مشاعر شاعر

مصرع طرح :- ”اب زینل پی ہے اور نہ آسمان پنا“

دیر الملک حضرت مرزا غالب اکبر آبادی مرحوم

ذکر اس پر یوں کا اور ہر سیال اپنا  
ہے وہ کیوں بہت پیو بزم غیر مایہ  
منظر اک بلندی پر اتر ہم بنا سکتے  
ہے وہ جھڑو لٹ ہم نہ ہی میں مایہ  
درد دل کھول کھلک جاتوں کو دکلاؤ  
گئے گئے مٹ جاتا آپ بے عیب بلا  
تاکرے نہ غازی کریں جو دکن کو  
ہم کہاں کے دانستے، کس ہنر میں یکن تھے

بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا  
فصیح الملک حضرت مرزا داغ دہلوی مرحوم

جاہل ہے کب مرنا کوئی سخن جانا پنا  
جنب نظیر عشق آبا پھر وہ کھانا پنا  
لاکھ آنہیں آئیں لاکھ حریف چاہیں  
نہج رہے گا کوئی توبہ و پادشاہی سے  
دل میں جھڑو ہی دم دیکھو کیا نہیں گئے  
دوست اسیا دوست اکٹھے ہم میں مر جا  
لوگ اجوائے غم پوچھے کو آئے ہیں  
لداں ہوائی سے بھی ابلند کر نہیں آنا

دعوم مجھ غمخیز کی داغ بخت آئے ہیں  
برہنیں کچھ نہایت جواب ہو گراں اپنا

حضرت قاضی بدایونی مرحوم

دل ہوا محبت میں حرف امتحاں اپنا  
کون سے محبت کی ابتدا میں سے ہے  
حاصل فقر نہ ہے جو جاکا جو جانا تھا  
ہم اسے محبت کا سفر نہ کہتے ہیں  
دل پر آؤ دور نہ کہ نہیں غمناں  
ہم اسے محبت کا سفر نہ کہتے ہیں

تھا وہ نماز ان کا دل کی آغوش منزل  
بجھ کر سے غمت میں کچھ ہم تو بانی ہے  
اُس نے دل کی حالت کا کیا اقرار کیا  
نفس سجدہ گہرا کہوں شائے دینے ہو  
بھر بھی نارسا تھا اور کیا رسا ہوتا  
گھر ہے اب نظر قافی اگر کبھی میں بھی تھا  
اں بھی دہل وطن بھی تھا کہاں کہاں وطن اپنا

حضرت علامہ سیاب اکبر آبادی

ہو چکے ہر منزل کا، سلسلہ ہیاں اپنا  
بزم حسن میں ہو گا کون زحماں اپنا  
درد کو خدا کے کر دیش بدلا دیں  
دیکھ لیتی خواہدہ کارواں ہماروں کے  
سورج دائرہ منبر آشتی سے مرکز ہے  
اب کھلا کہیں اُن کی ذات کا خلا ہوا  
یہ غلط فاش کیا، طرغ غم، غش ہوئی  
سر کشا کے بھی ہم کو سجدہ کرنا آنا ہے

حضرت دل شاہ جہاں پوری

جائے زمانہ رجب شائشاں اپنا  
کھائے ٹھوکریں اکثر ہر قدم جہاں اپنا  
نگ غم سے ٹکرا کر قلب ناقصاں اپنا  
ہم اسے محبت کا سفر نہ کہتے ہیں  
دل پر آؤ دور نہ کہ نہیں غمناں  
ہم اسے محبت کا سفر نہ کہتے ہیں

ہادی بہت کی حشر خیزیاں دیکھیں یہ خبر نہیں اب تک دل شکاں اپنا  
اب ہر آنسو سے بے نیاز نہیں بھوکہ جو شہر بندگی میں رہ چکا گیا کہاں اپنا

آن تک نگاہوں میں وہ مقام ہے لے دل  
نہ روش کا مرکز تھا ہر قدیم جہاں اپنا  
**حضرت خان بہادر سید رضا علی وحشت کلثوی**

خس سے ترسے رنگیں ہو گیا سب اپنا بھاگیا زمانے پر رنگ داستان اپنا  
ہے زکرائے سے دشمن آساں اپنا باوجود دبا ہوی دل ہے شاداں اپنا  
معا بازی کی اب ہوں نہیں دل میں مدعا را با مدعا کہاں اپنا  
کوئی منزل مقصود ہندو اسطر جاؤں جائے تو کدھر جاؤں گم ہو گا وہاں اپنا  
ہے خلق باہم دونوں ہیں ترقی پر عادت جفا تیری شہیدہ فغاں اپنا  
وہل کس کو کہنے میں ہو گیا جانوں ہے غم محبت ہی عیش جاوداں اپنا  
وہ کوں جفا تک نہ کرے نہ فاکت تک ختم بھی کہیں ہو گا بار بار منھاں اپنا  
ذکر کرتے دینے میں ہوا آفتاں کا یاد اہی چاہیے بھوکہ آشاں اپنا

ہائے کفہر بدلا رنگ شاعری وحشت  
اب نظر نہیں آتا کوئی ہم زبان اپنا

**حضرت مولانا طلق گل اوٹھوی**

(سب اردو روزمرہ کے فائنے فارسی ترکی کے بغیر)

کس کو ہر ماں کہے کون ہر ماں اپنا وقت کی یہ باتیں ہر وقت اب کہاں اپنا  
اب جہاں میں باقی ہو آہ ہوشاں اپنا آؤ گے دھوئیں اپنے رہ گیا دھواں اپنا  
لے خدا گلشن لے اپنی بے نیازی کا آج حال کہنا ہے ایک بے زباں اپنا  
سو کے دان کاٹی ہے بیکس کے ہلوں جاننے نے دیکھا ہے میری گھر ساراں اپنا  
کاٹنے سے دن اپنے غم ہمارے گھر آکر خستہ حال جاؤں ہو کوئی جہاں اپنا  
اپنے کام کی باتیں اور اسکی مصل میں نام لے نہیں سکتا آدمی دہاں اپنا  
گھر نواب بھی بنا کے دیوبندی میں ہیں کیوں اٹھا نہیں لیتا سایہ آساں اپنا  
نامراد دنیا میں روکے خوب بھر جائے جل نکل ملیں ابدل کچھ نہیں بجا اپنا

جانتے ہوئے ناطق ہم وطن کی حالت کو  
دھوڑتے پھر جا کر کس لئے سکاں اپنا

**حضرت میکش اکبر آبادی**

محسن ہو گیا آؤ عشق راہ گار اپنا بن گیاں انکا شکے ہر حال اپنا

اب اسے مادہ پر پھر ٹپ کے آہو ہونا وہ کرم کس کو کیوں؟ وہ تم کس کو کیا؟  
تیرا مرثیہ ہی کیا ہو اوجیا تہ روزہ تیرا مرثیہ ہوئے رسوا حسن عشق کیا کہنے  
عشق ہے فنا آغاز حسن ہے بقا انجام عشق ہے فنا آغاز حسن ہے بقا انجام  
میں جہاں کو اٹھا ہوا ذوقی رنگ و بو لیکر کس طرح ہوئے رسوا حسن عشق کیا کہنے  
راہ شمع کھلتا ہے آہ! عمر روانہ کیا ہو اجاں تیرا دھوڑا بٹاں اپنا  
ہر قدم اٹھانا ہے انکے چشم داڑ پر کہ رہا ہو آنا نہ انکا راز داں اپنا  
انکا آدمی نکلا سیر کار داں اپنا

**حضرت منظر صدیقی اکبر آبادی**

ان کے دل میں گونج اٹھا نعرہ جہاں اپنا اب بروی کار آیا جذبہ جہاں اپنا  
عشق جو دینی اپنا، حسن قدداں اپنا عشق جو دینی اپنا، حسن قدداں اپنا  
یہ بھی ایک زمانہ ہو بارہن جہاں پر ہم وہ بھی اک زمانہ تھا جب تھا گل جہاں اپنا  
پہلے تو نہ تھا منزلوں نشان اپنا پہلے تو نہ تھا منزلوں نشان اپنا  
تو اسی مجھے میں دھوڑا آشاں اپنا تو اسی مجھے میں دھوڑا آشاں اپنا  
اب تو آساں بھی ہوا انقلاب کا حامی انہیں حقیقت میں دشمن آساں اپنا  
میری نامرادی پر آپ کا کیا کوئی رنگ کر کے اکدن سہی راہ گار اپنا  
دوبستے ہوئے کوئی پھر پھر جاتی ہیں رخ بدلے والی ہو کر دوش جہاں اپنا  
ہاں میں ہے اسے منظر راجت کا مضمون نام ادر ہے میں کدھر نہیں زباں اپنا

**حضرت مولانا اکرم منظر نگر**

کیوں اب نفس ہی کو کہیں آشاں اپنا جب نہیں گھستاں میں کوئی راز داں اپنا  
ہے قرب منزل کے آج کارواں اپنا نزع میں بہت بھی مرثیہ نفس کی میں  
جب بھی بدلتا ہے رنگ گستاں اپنا دشت نام رکھے ہیں اسکا کم نظر دلتے  
اک ہی ٹھکانہ ہے زیر آسمان اپنا کیوں نہ ختم نہ جائیں کو چست محبت کو  
راستے میں سیکھ رہے منزلِ محبت کے راستے میں سیکھ رہے منزلِ محبت کے  
زحمت اب جہنم میں ہیں گزری عازت ہو زحمت اب جہنم میں ہیں گزری عازت ہو  
یہ خودی لے لی اپنی برسی حقیقت میں یہ خودی لے لی اپنی برسی حقیقت میں  
بڑھ چکا تھا منزل کو دھوڑا کارواں اپنا دونوں جانیں باکوسلہ اب مال آفت کو  
ہو گیا ہے بیگانہ تھا جو راز داں اپنا

لے اہل شہنائے ہم کس کو داستان اپنی  
جب نہیں زمانے میں کوئی ہم زبان اپنا

### حضرت رونق دکنی

دہر میں بنائے ہم کس کداز داں اپنا  
پھر کہیں نہ چھوٹے ہم سے وقت کو تنے  
کیوں کسی کو دیتے ہم خود فکر کی رحمت  
ربط حسن و الفت کی کہوں کر ہم کو کثر  
بادشاہ و الفت نے سجدہ کو دیے داپس  
لکھنؤسے لیکن ان کی دیدن کرنے ہے  
آنکھ و آہ کی پریش جو وبال جان رونق  
جناب تذکرہ شہر کوئی

دل داغدار اپنی دل جو خوشحال اپنا  
بزم آب و گل خالی، سکی ہر ادا فانی  
ہم کو تنگ دینا ہیں ناراد ہستی ہیں  
موت پہلی منزل ہے زندگی باقی کی  
اب نہیں ہیں پروردگار قریب کیغیرزل کی  
داستان غم اپنی دکھ بھری گمانی ہے  
لے تذکرہ منزل ہے ہل میں، وہی اپنی  
جناب حلقہ قریشی بھنداروی

کیونکر اپنے مکر پر پہنچے کارواں اپنا  
کس سے کہے شام غم خندہ نہاں اپنا  
کچھ تو دل کی حالت پر دم آئے گا ان کو  
دل گیا متعدد سے غم نقد و طرف شوق  
چکے چکے دلہی سے شام ہو باتیں کیں  
آپ سے رہ رہ کر یاد حیدر رفت کی  
طرز ہیں ابھی تو ہم زمینیں باغ عشق  
جناب عالی علی ٹکری

دیکھئے تراطلوہ، حوصلہ کہاں اپنا  
کیا ہوتے جوانی کے پرتو رب نطاسے

ابھی ہی فلاں کو جو ہسار کی گرمی  
کشتہ ہیں جاں بود زندگی کو جنگاوی  
عشق کی زمانے میں آت ہوگی دیوانی  
ہفتی سے کوئی کدو پھر ہمارا نیکی  
ہر طرف ہر عالم میں انقلاب او عالی  
جناب حکمت نور سی بی - اے ناگپور

درود دل جانے سے ہو گیا جاں اپنا  
کس کا لطف آمدی چارہ ساز جا اپنا  
مرکے تری حسرت میں ہم میں زندہ جاوید  
ایک ناوک غم سے دوسراں میں غمی  
باز دہلیں میں پھر شاید آگئے پروردار  
آٹھ کے کیوں نہیں دروہم چلے آگئے  
مان کو کہا دل کا جان پرستی نکلت  
جناب فینق الفارسی شہادوسی

کوئی سوزش غم کا تھ نہ راز داں اپنا  
برقی بھی سرارہ ہو بھول بھی گزارہ ہے  
غم نہیں جو دوسری کا باہمی شکے منزل کو  
خاک گشتاں بلی بدلوں عرفی و برزی  
اوس میں کے برسے ہیں بدلوں گشتاں میں  
بیچ خاطر سستی کیوں رفیق ہو ہم کو  
جناب اختر ذوالفقاری شنگلوری

جادوہ جنت میں دل ہے کامراں اپنا  
نشہ فناہوں میں باجوں کا دیکھا ہو  
فرق بان اور دن کا ہم حوالہ اس میں ہے  
شام غم میں کیا دیکھوں واہ آئے آن کی  
خود غم میں ہی بانا ہوں بر کسی کو دنیا میں  
جناب آرزو اکبر آبادی

ہم اگر نہیں جوتہ، کل جین میں کدگی  
جام جو ہیں منزل کا اتیار کیا، ہم کو

باغیاں کے دل میں کبریاں آئیں اپنا  
ہر نفس ہے خلائی عمر جاں اپنا  
حسن کو بنایا ہے ہم نے راز داں اپنا  
پھر غلوں کے ساڑی میں چھو آئیں اپنا  
چھایا زمانے پر رنگ داستان اپنا

چشم بردہ در کھلا ضبط راز داں اپنا  
منہ چھپا پھر تری جو مرگ ناگماں اپنا  
کام آگیا آٹھ بخوفی راز داں اپنا  
جاں جو حسرت دل اپنی دل جو حسرت کا اپنا  
پھر نظر میں پھر ناپے اپنی آئیں اپنا  
اب کہاں کھلا ہو زبر آسماں اپنا  
دوستی میں ہو سکی دشمن آسماں اپنا

آنکھ میں کے بہ نکادہ و سکواں اپنا  
شوق گل پے بادشاہوں ہم نے آئیں اپنا  
دل میں غم باقی ہو غم جو جاں اپنا  
ہر کلی کی رنگ میں فوجی ہو راز داں اپنا  
سوزش نہاں اپنی درد و سکواں اپنا  
جب نہیں ہو دنیا میں کوئی راز داں اپنا

بے بلند اگر ہمت عزم ہے جواں اپنا  
برقی جو کوں دشمن کیوں نہ آئیں اپنا  
حسن جو عیاں کھلا عشق ہے نہاں اپنا  
وقت کیوں کر کو طالع مرگ ناگماں اپنا  
لے اثر بناؤں میں کس کو راز داں اپنا

حال و صی دیکھے گی شوق آئیں اپنا  
حسن نظر بھی لجاؤ، میر کا واہ اپنا



[illegible]

صورت و افکار

اعجاز صدیقی

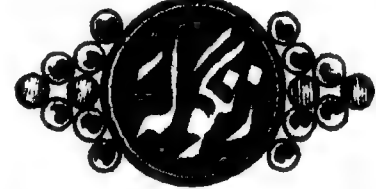
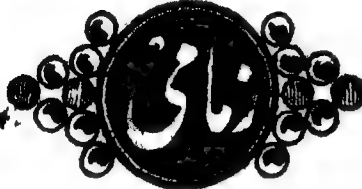
# سب جیسا کہ تلاش کرنے والے

## مرد و عورت

اگر ناکام و نامراد اور بایوس ہو چکے ہوں۔ قبل از وقت زندگی کے ختم ہو گا غم جوانی میں تم آغوش ہونے کا بیج اور شباب میں بڑھاپے کے اثرات کا احساس اگر ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہو تو ہندوستان کے مشہور ممتاز اور مستند

### دوا خانہ عظمیٰ خندہ حیات

کی طرف رجوع ہوں جس نے سالہا سال کی عرق ریزی کو شش و لاوش اور ہاتھ پاؤں سے مردوں اور عورتوں کے لیے آب حیات کا پتہ چھلایا ہے: اگر مریض ہوئی ہو یا جوانی اور بزرگی ہو یا بچہ۔ اپنے اپنے اور دیکھ کر دیکھ کر ہوسے دل قوی ہو جائے۔ آنکھوں کے صفے ہو کر کی آنکھیں ہونے لگیں۔ جسم کی پیما ہٹے اور توانائی دور ہو کر زیادہ دن بھر زندہ رہنے کا امکان پیدا ہو جائے۔  
 مردوں کی قبل از وقت موت کا سبب جریان ہے جو ان عورتوں کو قبر تک پہنچانے والا سیلان الرحم ہے اور اس کی تیسرہ بہت دوا اور اس کی تونہ بندی کا سیلاب دوا



ہے خود طبیعت کا انحراف عورت کے جسم میں ممکن ہو گیا ہے جو طبیعت مضطرب اور اندازہ دہی ہے۔ جو کہ زندگی، بغیر رہنا۔ کل زمانہ پانا اور فراموشی کے صدمہ میں گر جاتا۔ پیدائش میں کچھ شادی ہو کر اگر کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔

ہے جس کی چند ہی خوراکیں مرث آگیز کوئی مرد شباب کے ساتھ صحت کا بانی کی طرح بننا۔ صحت احوال۔ اعظم اور طبیعت ہونے سے کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔

ایک گزارش۔ اگر دنیا میں عین وفاق کوئی چیز ہے تو وہ دعا ہے۔ دعا میں طلب ہے جس سے انسان راحہ آرام میں مشغول ہے۔ اس کی دعا میں بھی عام ہیں۔ وہ کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔

لے کر دنیا میں عین وفاق کوئی چیز ہے تو وہ دعا ہے۔ دعا میں طلب ہے جس سے انسان راحہ آرام میں مشغول ہے۔ اس کی دعا میں بھی عام ہیں۔ وہ کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔ اگر عورت کو کچھ نہ ہو تو پھر یہ سب ممکن ہے کہ عورت کے جسم میں صدمہ ہو جس سے وہ نام نہان بن جائے۔



# وقت کا یہ اہم ترین پیغام

ہے ہلاکت اختلاف و انتشار عام میں  
ہستی اقوام ہے جمیعت اقوام میں

دین پچرز

کی ناقابل فراموش روح پرور۔ دُجپ۔ نظر فریب۔ اور۔ لافانی

تصویر

لے کر آ رہی ہے۔ جس کے دامن پر ہندوؤں جدوں اور کیت  
سامانیوں کے سدا بہار بھول بھیرے ہوئے نظر آئے جس کے  
دلکش گانے کو بچے ہوئے مکالے، روح نواز میوزک۔ جیترناک عکاسی  
اور مستغنی داد اداکاری

اقوام ہند

کے دیوں کو آپس میں جوڑنے کا موثر ذریعہ ہونگے۔

برادرانہ۔

ایف۔ دین

مکالے اور گانے۔

کامل رشید

ذکر۔ پروفیسر بشیر خاں دھلوی

ادارہ۔

اسٹوری اور ڈاکٹر سن

اے۔ رفیق رضوی

مانو۔ تریلوک کپور۔ سنتر۔ کلپانی۔ مرزا مشرف۔ ماسٹر نثار۔  
اکر۔ یعقوب۔ دار کا شہیری۔ قمر، انارکلی وغیرہ

(جاری کر رہا)۔

دین پچرز لنگٹن روڈ بمبئی

## نقد و نظر

۱۹۴۲ء کی منتخب غزلیں | متر: ادارہ نگارستان، قلعہ  
۱۹۴۲ء ۲۷۷ صفحہ ۲۷۷

قیمت روپے کا پتہ مخبر نگارستان ایجنسی اردو بازار دہلی۔

غالب سلسلہ میں پنجاب کے ایک نئی نئی ادارے نے منتخب غزلیں شائع کی ہیں جو کہ یہ خیال ذرا جدت اور عزت لے ہوئے تھا اس نے تقلید کا بڑی عزم و کوشش کیا تھا چنانچہ سب سے پہلے نگارستان ایجنسی نے اس کے اثر کو قبول کیا اور سلسلہ کی منتخب غزلیں شائع کر دیں یہ مجموعہ صرف تھرا اور بیلوی ہے بلکہ شاہ فرخاں ایک بڑی تعداد انسان کے بہترین کام سے جس تکمیل و مضارت کو ملے ہے۔ آخر گھنوی احسان دالیش علی اختر حیدر آبادی۔ جہاں شاد اختر شیرانی۔ آرزو گھنوی ہزار گھنوی۔ ثناء گھنوی۔ جگر۔ جوش۔ جلیل۔ حنیف۔ روشن۔ سافر۔ سال دہلوی شہا محمدی۔ سیلاب۔ صفی گھنوی۔ ظفر علی خاں۔ قراق گوہروری۔ کیفی دہلوی مہر القادری۔ امیر الحقی تھانہ۔ نجم آندھی۔ نوح ناروی۔ جمال سبزواری رضا علی دشت۔ یگانہ چنگیزی کے علاوہ بھی چند معروف اور غیر معروف شاعر اس میں نظر آتے ہیں۔

ادارہ کا یہ کہنا کہ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر کسی کی امتیاز، محض شوق کے معیار اور سخن کے حیار کو سامنے رکھتے ہوئے انتخاب کریں۔ بعد از حقیقت ہے اس لئے کہ اس مجموعہ میں بہت سی غزلیں ایسی بھی لکھی گئی ہیں جو کم وزن۔ بے وقع اور بے کین ہیں یا بے اعتبار و عود فن ان کا پایہ گرا ہوا ہے۔ بطور مثال یہ چند شعر پیش کیے جاتے ہیں۔  
تسکین کے بھی پہلو غنیمت معتبر میں ہیں ہم شاد ان کے وعدہ شام سمویں ہیں  
دل مرگ جو راو طلب میں، رفیق خدا ہم نور خدائی عشق غم ہم سفر میں ہیں  
میری اک آہ بن گئی تغصیل باد عشق سودا تال بیان غنیمت مختصر میں ہیں

کون ہے منزل مقصود کا جو حال ہے جو پہنچے ہیں وہ غریب کو گنہ گار ہیں

ظلم کو کیا کچھ کھنے والو کوئی بس ناسازدہم کہ اگر یہ مد نظر نہیں ہو تو کی ہو پھر اس کی کٹا

یہاں غزل کے کام پر اعتراض مقصود نہیں بلکہ یہ کہنا ہے کہ مرتب نے وقت و نظر سے کام نہیں لیا اور جس نے جو غزل بھیج دی وہ شائع کر دی۔ چوتھا چاہئے تھا کہ ہر شعر سے سلسلہ کی دس یا بیس بہترین غزلیں سنگائی جائیں اور ان میں سے ایک غزل اور غزل میں سے چند صوبہ پرور۔ جات آفریں اور جذبات و احسانات کو بھجورنے والے اشعار شائع کیے جاتے۔ مرتب نے ہندوستان کے بعض مشہور مغزین کو بھی نظر انداز کر دیا ہے اور ان کی جگہ اپنے حلقہ کے غیر معروف لوگوں کو لے لیا ہے۔ سلسلہ کے منتخب غزلیں اگر انھیں شہر کی ہوں جہاں علی بابہ کے غزل کو میں تمنا دہ صاحب تھا۔ احسان دالیش۔ جوش ملیح آبادی۔ علی اختر حیدر آبادی۔ ظفر علی خاں اور جہاں وغیرہ شاعر غزل میں لطیف اور بے شک احسانات کو نہیں جھوٹے۔ کاش ان متعدد خطروں کو نظم ہی کے لئے وقت دیکھا جاتے

ہر کثرت دید نظر مجھ میں آخر گھنوی۔ آخر شیرانی۔ آرزو گھنوی۔ ظفر علی خاں جگر مولاد آبادی۔ روشن مدنی۔ سافر نظامی۔ شکیل۔ بدایینی کی غزلیں نیز لغزوں کی اور سیلاب اکبر آبادی اور تارا زان لطیف کی غزلیں فکر کی آئینہ دار ہیں۔ جوین اور ہوی جگر شہری۔ آرزو دہلوی۔ خبار اسلام فیاض عرش طیبانی۔ گوہر دہلوی۔ حاتم جوہری کی غزلیں قابل اشاعت نہیں۔ ان کے علاوہ بھی غزلیں ہیں ان میں صرف دو دو چار چار شرا ہے ہیں۔ کتابت کی بعض خطا بھی رو گئی ہیں۔

اس ذاتی اختیار خیال کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلسلہ کی منتخب غزلیں ہماری کتابتوں میں ضرور ہونی چاہئے اس لئے کہ اس میں مسنگریوں کے ساتھ ساتھ جہاں رہا ہے بھی ہیں۔

سلسلہ | از جہاں شاد اختر قلعہ ۱۹۴۲ء ۲۷۷ صفحہ ۲۷۷  
ادارہ نگارستان، قلعہ ۱۹۴۲ء ۲۷۷ صفحہ ۲۷۷

قیمت روپے کا پتہ مخبر نگارستان ایجنسی اردو بازار دہلی۔  
غالب سلسلہ میں پنجاب کے ایک نئی نئی ادارے نے منتخب غزلیں شائع کی ہیں جو کہ یہ خیال ذرا جدت اور عزت لے ہوئے تھا اس نے تقلید کا بڑی عزم و کوشش کیا تھا چنانچہ سب سے پہلے نگارستان ایجنسی نے اس کے اثر کو قبول کیا اور سلسلہ کی منتخب غزلیں شائع کر دیں یہ مجموعہ صرف تھرا اور بیلوی ہے بلکہ شاہ فرخاں ایک بڑی تعداد انسان کے بہترین کام سے جس تکمیل و مضارت کو ملے ہے۔ آخر گھنوی احسان دالیش علی اختر حیدر آبادی۔ جہاں شاد اختر شیرانی۔ آرزو گھنوی ہزار گھنوی۔ ثناء گھنوی۔ جگر۔ جوش۔ جلیل۔ حنیف۔ روشن۔ سافر۔ سال دہلوی شہا محمدی۔ سیلاب۔ صفی گھنوی۔ ظفر علی خاں۔ قراق گوہروری۔ کیفی دہلوی مہر القادری۔ امیر الحقی تھانہ۔ نجم آندھی۔ نوح ناروی۔ جمال سبزواری رضا علی دشت۔ یگانہ چنگیزی کے علاوہ بھی چند معروف اور غیر معروف شاعر اس میں نظر آتے ہیں۔

دوسری نسل یا جدید شاعری اس شاعری کا نام نہیں ہے جو دیکھنے میں یا نظم سنانے کی بڑی ہوئی شکل میں بدھی ہے۔ جدید شاعری کی دار و مدار میل و نظر اگر آبادی ہی کے زمانہ میں بڑھ چکی ہوگی۔ آنا۔ اسکیل پر بھی چلیکتی۔ آفاق۔ سبک۔ جوش اور نظر طبعی اور غیر نے اس کے خدوخال کا نشانہ اُٹھا کر جوانی کے رنگ ڈھنگ سے ہمہ تن غلبہ بھی پہنچنے پر مجبور ہو گئے۔ جنگ پہلی تہذیب معاشرت۔ بات اور زندگی کی تمام حدیں بڑی تیزی کی رفتار بدل رہی ہیں۔ کشمکش مسلک گمراہی بھی نہیں مگر ہر ملک میں بول اور ناول کی اورانی ہے غلامی کی زنجیر کو اتار کر نئی نئی صورت اور صبر آنا ہو چکی ہیں کہ شب کی ظلمتوں میں بھی ان کے زلال گہرے انداز سے پیدا شدہ زخم تازہ نظر آتے ہیں۔ ان فطری تقاضوں سے شاعر اور مجبور ہو کر اگر ہمارا وہ دعائیہ حدود سے نکل کر زندگی سے قریب تر چڑھتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر ہمارے شعراء مدح کی سستی ہوئی ڈیول کی جگہ محسوس کریں تو بعد از قیاس نہیں۔ اگر ہمارے شاعر قوی و دل زدن کو چکلا ہوا تصور کریں جو حیرت کی بات نہیں۔ حقیقت یہ دور ایسا ہی دور ہے کہ قیاس انسان ایک کو کے لئے اپنی پامالی سے غافل نہیں رہ سکتا پھر شعراء کے احساسات تازہ اور تیز ہوتے ہیں۔

جہاں شاعر آخر ہمارے ملک کے نوجوان شواہیں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور اب تمام جہاں سے رفتوں کی طرف بھاڑ لگا کر ان کا نام نہ لے لیکن بستی کی طرف آنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آخر کچھ چند سال میں ترقی پانے والے خراہ میں سب سے زیادہ تیز گام معلوم ہو رہے ہیں اور ان کی جبر تک ترقی ان کے گرم احساس ہونیکا ثبوت دے رہی ہے۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں آخر نے اپنی جالیانی بصیرت کو مکمل کیا ہے۔ "انجم" سے انھیں رہا ہے اور مراجعت محنت حاصل کرنے کے بعد دوسرے شبہ ہائے جات میں قدم رکھا ہے۔ اسی لئے انھیں یہ کہنے کی جرات ہوئی کہ "زندگی صرف محنت تو نہیں ہے انجم"

سورج دینا سے الگ بھاگ کے جا چکے کہاں  
اپنی جنت بھی باتیں تو باتیں گئے کہاں  
امن میں عالم انکار میں پائیں گے کہاں

پھر زمانے سے ہم بھول کر کھانا کیا  
عشق کی خند میں ترانے کو بھولنا کیا  
زندگی صرف محنت تو نہیں ہے انجم

تیرا اس سے کشنوں کے لیے ہیں نگار  
کتنے سینوں میں جو گھٹتی ہوئی آج کا  
کتنے چہرے نظر آتے ہیں بستم کا مزار

اک نظر بھول کے اس من میں دیکھتا ہوتا  
کچھ محنت کے سوا اور بھی سوچا ہوتا  
"زندگی صرف محنت تو نہیں ہے انجم"

آخر کی کوئی بھی نظم لے لیجئے۔ اس قدر کے تمام تقاضوں کی گواہ آپ اس میں پائیجئے۔ وہ آپ کو ایک نقاد کی حیثیت سے نظر آجئے مگر ان کی تنقید کی اساس کن چیزوں پر ہوگی اس کا تعلق ان کی نظموں کے مطالعہ سے ہے وہ ادعا خلک کی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے کلام میں درستی اور سستی ہے مگر تقدیر و شمر کے لئے وہ جوانی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں زیادہ سے زیادہ لطافت، نزاکت اور طراوت ہوتی ہے شگفتگی، تازگی۔ دس اور دہائی ان کی شاعری کا خاصہ ہیں وہ پہلے ایک دعائی اور جالیانی نقاشیاں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک کش جات پر توجہ کرتے ہیں۔

سلاسل کی قریب قریب تمام نظمیں اس جہت کی ہیں۔ آخر کی شاعری میں دماغی غم کی طرح بوسنی کو بھی بڑا دخل ہے پھر وہ انظار خیال کے لئے ایسے عالم فہم اور بوسے ہوتے ان کا خلا ہے کہ پڑھنے یا سننے والا متاثر ہوتے ہیں نہیں رہتا۔ عملی و فنی اعتبار سے بھی ان کی شاعری ممتاز ہے اور ان کے یہاں ذرا سی بھی بے راہ روی نہیں پائی جاتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کہیں کہیں ان کی نظموں کو جانتے اور کہنے کی ایسی غلطی ہو جاوے جو حرا تعلق زبان فن سے ہو۔ جہاں کہ آخر کے ترقی یافتہ رجحانات کا تعلق ہے وہ بہت زیادہ ناگوار اور جاندار ہیں۔ ان کے کلام میں سستی کی کیفیت نہیں پائی جاتی بلکہ ایک اور رجحان ہے جو انھیں اس قدر کے دوسرے نوجوان شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ ملک کو گرم جوشی کے ساتھ سلاسل کا استعمال کرنا چاہئے تاکہ ہمارا ایک حقیقی شاعرانی ہمنوں کو اور زیادہ بلند کر سکے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں حضرت جوش آبادی کا ایک مختصر پیش لفظ بھی ہے۔

"سلاسل کے گرد جوش برقعہ روئی گئی ہے وہ ہندوستانی آرٹ کی ایک جدید مثال قائم کرنے اور یہ معلوم ہونے کے کوئی جوشی صورت و خیروں توڑنے کے بعد بعد نظر آدا دیکھ رہی ہے۔"

ترتیب فرسکین۔ قیطع ۲۹۸۲۲ء حجم ۱۲۸ صفحات۔ کہانی جہاں  
نئی راہیں کاغذ اوسط۔ کتاب مجلس ہے اور مجلس دیوہ زیب و رنگا کو پیش

ہے۔ قیمت پر ملنے کا بہ طے اجابتی لہذا وہ بھی روڈ اور

آکمل ادب کی ہر صفت میں ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے افسانوی ادب نے بھی زبردست ترقی کی ہے اب ہمارے افسانے ہماری زندگی سے بہت زیادہ قریب ہوئے ہیں یہ اعتبار انشاء اور طرز تحریر میں اس میں ترقیاں ہوئی ہیں اور ہمارے ملک میں ملے ہوئے اچھے لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں۔

”نئی راہیں“ افسانوں کا ایک سحر اور جادوی مجموعہ ہے جس میں اردو کے ۱۵ نئی نیاہ افسانہ نگاروں کے منتخب افسانے شامل ہیں۔ جناب قمر شکیل نے انتخاب اچھا کیا ہے۔ لس۔ بھگ۔ بہرو۔ بنگلی۔ سوان کے مجموعہ کا بھی ہے۔

ازبید کاظم دہلوی مدیر لکشن "تقیق" ۲۰۳۰ء، ۱۱۰ صفحہ  
دل کی باتیں کتابت طاعت اور کاظم ساری کے سرب ملکہ اور جلد پر  
نویسٹ گروپش ہے قیمت ۵ روپے پندرہ سالہ لکشن لکھی شاد مارا دہلی۔

بید کاظم دہلوی کے متعلق خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ افسانہ نگار ہیں اس لیے کہ شہرت یافتہ افسانوں نگاروں کی فہرست میں ان کا نام کبھی نہیں آیا۔ لیکن زیر نظر مجموعہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف افسانہ نگاری کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ انھیں چوٹی کے افسانہ نگاروں میں شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ اعتبار طرز بیان و انشاء اور انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ افسانہ نگاری کے لیے جن جگہ پیکلے لطیف اور سادہ الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے ان سب پر تہ کاظم صاحب کو قدرت ملتی ہے نفسیاتی تجزیے بھی انھیں خوب آتے ہیں اور انھیں توان کی ہر ہر سطح پر آشکار ہے البتہ بعض افسانوں کے ٹاٹ کچھ جگہ ادرے کے ہیں۔ افسانے کے لیے جہاں مزہ و تحریر میں بائین کی ضرورت ہوتی ہے وہاں ٹاٹ بھی جڑنا چاہیے۔ جڑنا کی کامقصد یہ نہیں ہے کہ وہ "شکر لک ہو مزہ کے واقعات سے محالیت کو سے یا فخر عمر کی نیلی حقیر بن جائے بلکہ ٹاٹ میں نیاں اور جگہ جہاں چاہئے تاکہ پڑھنے کے بعد بڑی دیر تک پڑھنے والا واقعات پر غور کرنا رہے۔

"دل کی باتیں" ۱۳ طبع زاد افسانوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ دلچسپیوں کا سامان رکھتا ہے۔ ابتدا میں خواجہ محمد رفیع صاحب بی بی اور دہلوی کی ایک مختصر تقریر بھی ہے اور پھر صاحب افسانے کا دلچسپ اظہار کر رہے ہیں۔  
اشارات لکھائی چھاپائی اور کاغذ اوسط۔ کتاب جلد ہے اور جلد پر ڈھنگا گروپش ہے۔ قیمت ۵ روپے پندرہ سالہ لکشن لکھی شاد مارا دہلی۔

یہ حضرت جوش ملیح آبادی کے ۲۲ جلدی اور مختصر مضامین کا مجموعہ ہے۔ جوش صاحب کے بلند مرتبہ شاعر ہیں ایک کمال الشرف شاعر ہیں ادبیات صلا جتیں بھی ہوئی ہیں چاہیں۔ چنانچہ ہمیں یہاں نظم کے شریں شاعر انقلاب کے خیالات و رجحانات دیکھ کر ہیں اس مجموعہ کے قریب قریب ہم مضمین بطور میں افسانہ "کلم" میں شائع شدہ جس میں علمی و ادبی مضامین کے مقابل میں قوی۔ سیاسی اور معاشرتی مضامین زیادہ ہیں۔ ہر سائے کے مجھے ہوتے نظام کو کس قدر نا پسند ہے دیکھنا جو مضمین کا خاصہ مشغلہ ہے۔ ان مضامین میں بھی یہ جذبہ کار فرما ہے۔ جس طرح ان کی شاعری قوم کو دل کی بغض پانی اچھلوان کی پوری قوت سے ٹوٹتی ہیں، اسی طرح ان مضامین میں بھی ان کی گرفت بہت سخت ہے۔ ارباب ذوق اس مجموعہ کو ضرور نگاہیں تاکہ ملک کے ایک بڑے خاں کو ادب کے روپ میں بھی دیکھ لیں۔

رات کا بھولا از عبد القادر سرودی ام۔ اے۔ ایل۔ بی۔ صد شہاد  
اور دیگر افسانے ریاست ہند۔ تقیق ۲۰۳۰ء، ۱۶۸ صفحہ کتابت طاعت  
اور کاظم دہلوی خوبصورت و شرف۔ قیمت ۵ روپے پندرہ سالہ لکشن لکھی شاد مارا دہلی۔

یہ دوسرا عبد القادر سرودی ان کا فاضل ادب سے ہیں جن کی تصانیف قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ سرودی صاحب متعدد تنقیدی، علمی اور ادبی کتابوں کے مصنف ہیں افسانوی ادب پر بھی ان کی تین کتابیں دستیاب افسانہ نگار اور افسانہ نگار اور افسانہ نگار شائع ہو چکے ہیں۔ ان کتاب میں موصوف نے افسانہ نگاری کے اصول اور بنیاد پر پورے بحث کی ہے۔ گویا افسانہ نگاری کے اصول ان کے دل و دماغ پر پوری طرح مرتسم ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں خود ان کا افسانہ نگار کمال کا بیاب ہو سکتا ہے۔ اسکا فیصلہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں سرودی صاحب کے ۱۱ طبع زاد افسانے ہیں اور سب کتاب یہ خود منتخب افسانہ من نفسیات کے گہرے نقوش پائے جاتے ہیں۔ زندگی کی چھٹی چھٹی باتوں کا ایک مسلسل مربوط اور یکپارہ خاکہ افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ زبان دلچسپ و جادوئی کے لیے ہوئی جاتے۔ البتہ کیں کیں آواز بیان اور جلد کو آگے کے جلد سے گرس گئے ہیں۔ اور نیا اس کی زبان کا جلد آبادی ہونے کو مزہ ان کے کمال افسانہ نگار رہا تاہم انہیں چھٹی اور یہی یہ لکھنا پڑتا ہے کہ وہ ایک کامیاب افسانہ نگار بھی ہیں۔

اعجاز صدیقی

سالِ اجلاسِ موسسہ پہلا ۱۹۳۲ء \_\_\_\_\_ عرصہ اشاعت ۱۳ سال

زید سہرستی — علیحضرت سوا مظلومی والی پاچود (کاشیماڑ)

## منظور شده

منظور شدہ

حکومت ممالک متحدہ اگرہ واودھ  
محکمہ تعلیم ریاست کشمیر

محکمہ تعلیم صوبہ مالک متوسط و برار  
محکمہ تعلیم ریاست میسور

تعارف

نمبر	مضمون نگار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون نگار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار
۱	علاء سیاب اکبر آبادی	صغیر جنگ	۱۳	۱	مقالات مدرسی			
۲	مولانا قاسم کھاناوی	زندگی کا رنگ	۱۴	۲	آجماز صدیقی	جرات	۱۴	۲
۳	شکیل بدایونی بی۔ اے	رعنائی خیال	۱۵	۳	آجماز صدیقی	شخصیات	۱۵	۳
۴	عبد اللہ مظفر گجراتی	نظیر فطرت	۱۶	۴	آجماز صدیقی	جہان سے بھلے ملک	۱۶	۴
۵	حکیم جگر مانی بیوانی	جام مانی	۱۷	۵	آجماز صدیقی	..... کی دائری	۱۷	۵
۶	یاور بخاری	تیرے کہتے سے	۱۸	۶	علم و ادب			
۷	کامل رشید	دھوبی گھاٹ	۱۹	۷	مولانا ظفر الملک عسکری صاحب اکبر آبادی	تحقیق و تنقید	۱۹	۷
۸	نعمان تاثیر	ماضیات	۲۰	۸	چودھری ابوالفضل صدیقی البدایونی	مختصر اردو ادبی ادبی ادب	۲۰	۸
۹	شفیق حماد پوری	پیام رنگ و بو	۲۱	۹	عظما رائیڈ پوری	ش اور ش	۲۱	۹
۱۰	فکر تونسوی	فکر و نظر	۲۲	۱۰	علاء سیاب اکبر آبادی	خطبہ صدارت	۲۲	۱۰
۱۱	مولانا مظفر گجراتی	میراثہ خودی	۲۳	۱۱	حکیم جگر مانی بیوانی	اصلاح سنی	۲۳	۱۱
۱۲	ذہیر زادہ ہجران کاسمی	نغمہ تہ	۲۴	۱۲	حکایت افسانہ			
۱۳	مشاعرہ شاعر			۱۳	اقیاض السبسی	تشکیل حیات		
۱۴	نشرہ کمالی۔ اہم مظفر گجراتی۔ منتظر صدیقی اکبر آبادی۔ آقا زہرا پوری			۱۴	شمس قدیر دہلوی	گوئی بتے		
۱۵	محبوب حسن آسی۔ جانب سہری۔ جمیل سیواری۔ ناز شمس			۱۵	منظومات			
۱۶	پرباز کاسمی وغیرہ وغیرہ			۱۶	علاء سیاب اکبر آبادی	شیر انقلاب		

## شعرِ انقلاب — مرا حل

یہ غور و ناز بے جا، یہ غلط نیاز مندی کہیں ضغییٰ مطلق، کہیں صرف گوشتندی  
 یہ تضاد سیرتوں کا، یہ نفاق نیتوں کا جو کسی میں بخودی ہے تو کسی میں خود پسندی  
 جو بہت بڑھا چڑھا تو، تو فلک کی فتنوں تک تری پستیوں کی منظر تری فکر کی بلندی  
 تو ہو مضطرب بھی سی، تجھے یہ خبر نہیں ہے کہ ہر ایک ہزار سالہ تراجمِ ستندی  
 قدم آزمائش کی جو یونہی ہوائے مغرب ابھی اور ہونگے گمراہ عربی تماشقندی  
 جو مری نظر سے دیکھے تو ہوائی شبدے ہیں یہ نالش عاکر، یہ ناشاطقہ بندی  
 جو بقایِ نوعِ انساں ہو خراب قتلِ غارت تو ہوا صل میں ہریت یہ نہیں ہو فتح مندی  
 تجھے ذوقِ علم دے کر نہ مجالِ آگہی دی تری طرف کو مبارک یہ خرد کی نادہندی  
 یہ نہیں دیکھو تیرا محرم، تو یہ دہر ہے جہنم کہ بغیر سوزِ حکمت کے آئی ہے پسندی  
 یہ کلمہ دیکھو، میں تری فنا کے سماں یہ نہیں حصارِ سنگیں، یہ فقط ہر شیشہ بندی

کئی قرن بعد ہو گا تجھے پھر عروج حاصل  
 جو یہ مرحلے ہوئے طے، بہ کمال پوشندی  
 سیما کبر آبادی

# جرم

**زیر نظر اشاعت کے محدث ترین و عمدہ ترین اور افضل خاصہ یعنی دیوانی ہائیں**  
 "مختصر دیوانہ افانوی ادب" خصوصی ہیئت کا حامل ہے۔ مثال معنوی نگار نے اجمال کے باوجود  
 افانوی ادب پر ایک ہر حق نگاہ ڈالی ہے۔ کہیں طنز و مزاح اور کہیں سنجیدگی و تشنگی  
 کے ساتھ موجودہ دور کی افانوی زندگی کے گنگا اور شرے ہوئے اعصاب پر نشتر زنی کی کوشش  
 کی ہے اور باتوں ہی باتوں میں یہ بھی بتا رہے ہیں کہ افانوی ادب کا کیا ہونا چاہیے۔ امید کہ  
 جو ہماری صاحب کا یہ معنوں ادبی طغیوں اور نصرت کے ساتھ نور آئندہ افانوی نگاروں  
 کے لئے خوف و فکر اور کجی کا باعث ہوگا۔ ملک کے فہم و ادب و عطار اللہ بالوی ایک  
 ذہن کے ہونے کے ساتھ ہی معنی کا پورا ہر جہ سے ہے۔ ہر شے شاعر "میں شاعر" اور اس کے  
 مشغلات کا ذکر بہت کم ملے گا۔ ہونے کے برابر ہونے تک لیکن بالوی صاحب کا معنوں ڈرامائی  
 کیفیت کا حامل ہے جس سے شاعر کی ترویج معنوں نہیں ملے گا۔ دوسرے ایک مشہور شاعر کے خیالات  
 کی تصویر کشی منظر ہے معنوں بہر حال دیکھ ہے۔ افانوی "میں تشنگی حیات" بہ شاعر  
 کے خصوصی خیالات کا جواب ایک ایسی ہی کا ایک کامیاب ترین ترجمہ ہے۔ یہی صاحب کے تراجم  
 کے تشنگی عالم راہ کے کہ وہ ترجمہ نہیں ہوتے اور یہی ترجمہ کی سب سے بڑی نوبت ہے۔ افانوی ذات  
 انتخاب اور انسانی آرزوؤں کا ایک بے کلامی کا کہ جس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں  
 مسلم ہوتا۔

حکیم کے معنوں کیا کہیں جب حضرت مولانا علی گاہ شری حضرت حکیم مولانا حضرت  
 کا ترجمہ جاری ہے اور حضرت مولانا امیر نظام لکھی جیسے شاہراہ سادہ بیک وقت شریک ہو جیسے ہندو  
 اور جس کو لاؤ گال پر چھ شادنی نامہ معنوں "میں" کو لاؤ اور دیکھیں دیوانی۔ یاد  
 رہے۔ مگر تو لکھی۔ نہان تھیں جو لکھی جیسے نوجوان آفرین نفس شاعر کا کام جنت نظر ہوتا  
 کہ ان کو کہ یہ معنوں قابل تعالیٰ ہے۔

آئندہ اشاعت میں حال چنداں ترین معنوں نالغ ہونے کے میں جنت نظم بھی نالغ  
 ہے اس کے کہ کہ تو فی نظم بھی وہ کہہ سکتے۔ شاہراہ اور سادہ میں حضرت علامہ سکت  
 ہی۔ نہان بدلہ حاصل جنت کلکڑی جگر کلکڑی۔ علامہ شری عمار پوری مولانا کمال  
 ہی۔ مولانا شری باری منانی جگر کلکڑی بکڑی۔ استاد شری۔ اعلان شری۔ آثار ہندی  
 لکھی۔ کمال شری۔ جنتی لکھی۔ آثار ہندی جنتی لکھی۔ شہرہ کا شری۔ آثار ہندی لکھی  
 افانوی صاحب راہ راہی کا نامہ اور فریاد کا نام اشاعت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

صفحات شمار اس سے زیادہ شروع کے فورس پبلشنگس کرنے کی اجازت دے۔  
 انجمن دربار سخن کے نام سے چھڑا سکتے آباد مشرقی غازی میں صاحب جنتی صاحب  
 وکیل افانوی کی بھی جنتی پبلشنگس کا نام ہوئی ہے۔ چھڑا سکتے آباد غازی میں ایک تاریخی مقام  
 جہاں کہ ادبی و شری معنوں پر سالہا سال کی جگہ رہا ہے۔ وکیل صاحب قابل مبارک ہیں کہ انھوں نے  
 یہاں کہ ادبی معنوں میں ان کے معنوں ڈرامائی۔ شعر ہی بلکہ انجمن دربار سخن "کی" فیض بھی خاندانی  
 میں جگہ قائم کر دیں تاکہ ادب و شریاد و زبان افانوی کا زیادہ سے زیادہ پروچھا ہو سکے۔ وکیل صاحب  
 کی کہہ شری اور مسلسل ادبی خدمات کو شریاد و زبان افانوی کا زیادہ سے زیادہ پروچھا ہو سکے۔ وکیل صاحب  
 افانوی دہ لکھی اس امر کے حق ہے۔ کاش ہندوستان کے دوسرے دور آؤ تو یہاں  
 اور صوبوں میں بھی ایسی ہی جگہ ہوتی اور زبان کے بچے خدمت گزار پیدا ہوں۔

اشرا اللہ یہ کرم فرمایاں کہ ماہ جولائی میں جدید وادب ہم ہو جائے واسطے نوادر  
 کا تلامذہ ہمیں کتب بھجوتے گئے۔ جو ہم نے فکر و خیال پورا کر دیا ہے۔ یہی خواہش افانوی کا کہہ جنتی لکھی

- |      |                                     |   |       |       |
|------|-------------------------------------|---|-------|-------|
| (۱)  | جنتی نمان تاثیر صاحب لکھی           | ۴ | خودار | (خاص) |
| (۲)  | حضرت قائم ہندی                      | ۱ | "     | "     |
| (۳)  | جنتی ملک فرمان حسین شہید جلی بستی   | ۲ | "     | (عام) |
| (۴)  | جنتی میکش عجمی بھریالی              | ۲ | "     | "     |
| (۵)  | حضرت عرویز اختر واری شری لکھی       | ۲ | "     | "     |
| (۶)  | جنتی لکھی محمد فاضل بستی پوری اقبال | ۱ | "     | "     |
| (۷)  | مکر مسرا عجمی شری بی۔ اسے آگہ       | ۱ | "     | "     |
| (۸)  | جنتی بریم جنت صاحب بریم دہوی        | ۱ | "     | "     |
| (۹)  | حضرت آغاز بہا پوری                  | ۱ | "     | "     |
| (۱۰) | جنتی محمد یعقوب خان صاحب سیم پوری   | ۱ | "     | "     |
| (۱۱) | جنتی عجمی قریشی دہلی                | ۱ | "     | "     |
| (۱۲) | پیر زادہ قاضی محمد حسین صاحب دہلی   | ۳ | "     | "     |
| (۱۳) | جنتی سید عجمی بھریالی               | ۱ | "     | "     |
| (۱۴) | جنتی عجمی لکھی محمد شریاد واری لکھی | ۱ | "     | "     |
| (۱۵) | جنتی آریس بسن صاحب بھلور            | ۱ | "     | "     |
| (۱۶) | جنتی مولانا مولانا صاحب بھلور       | ۲ | "     | "     |
- آہ مولانا قسمل کو لاری ۳۰ جولائی ۱۹۳۳ء کو

جنتی صاحب راہ راہی کا نامہ اور فریاد کا نام اشاعت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

# تحقیق و تصحیح

جانب کم سلام سنون "شاعر تاجہ جولائی وصول ہوا۔ ممنون ہوں

ایکے مضمون پر زید علی خان تحقیق و تصحیح مولانا عبدالباری اسی نے ڈولمن کے متعلق اپنی تحقیقات کا نتیجہ پیش فرمایا ہے۔ اسی ضمن میں انھوں نے فیضان الدین بوقت مصنف پر بات کے چند اشارے بھی یاد سے نقل فرماتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:-

تو جب ڈولمن کے گھر جایکا جانی

یہ گنگا ۱۱ اوس گھڑی ہوگا نشانی

جس لفظ کے بعد علامت متہم بنادی ہے اسکو سمجھنے میں دشواری ہوتی تو یہ بات کا نسخہ تلاش کرنا پڑا۔ میرے پاس طبع سوم کا نسخہ نکلا جس کے صفحہ ۲ پر درختوں پر چھایا ہے۔ جو تو ڈولمن کے گھر جایکا جانی

یہ گنگا ۱۱ اوس گھڑی ہوگا نشانی

اور یہ بھنسنے ہی صورت ہے جو مولانا اسی نے خود اے ڈولمن میں ظاہر فرمائی ہے اور خائن افسانہ کی عبارت جو صنفی صاحب نے اپنے جواب میں درج کی ہے اس پر بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لفظ "بولڈن" سے وزن پر وہی دیکھو دونوں جگہ متعلق رہا۔ میرے خیال میں جس طرح ہندوستان اور ہندوستان باولڈن اور ڈولمن وغیرہ دونوں طریقوں پر استعمال میں آئے ہیں اسی طرح ڈولمن اور ڈولمن دونوں رائج ہیں اور صحیح ہیں۔

(مولانا) ظفر الملک علوی ایڈیٹر "الناظر" لکھنؤ

## "ڈولمین"

ڈولمین لفظ کا استعمال چند برادری کے پتھری رائج داسو میں بھی ملتا ہے جو ہندی کی سب سے پرانی کتاب کی جاتی ہے۔ اس کی زبان ابھرنیس ہے ابھرنیس پرانی

لکھنؤ میں اس کی کچھ کاپیاں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ "گنگا" ہی لکھا جاتا تھا۔ لیکن اس کا اصل ہے۔ برہمنوں کے ہندی لکھنؤ میں لکھا جاتا تھا۔ لیکن اس کا اصل ہے۔

سورینی پاکت سے نکلی ہوئی بتلائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہندی خواہنے دوہین کا استعمال جگہ جگہ کیا ہے۔ ہما تاجر کی سہلی کا۔ معرہ ست شہر ہے

۱۱ دوہین گاؤں شگل چار

کبر کے یہاں تو اس کی بھرا رہی ہے۔ کبر کو خواہی ہندی ناگری پر جانی بھرا کاشی۔ جو اسے ہمارا ڈاکٹر شام سندھ داس کی مرتب کی ہوئی ہے۔ گو سولی تلپاس نے اپنی رائے میں دوہین اور دوہلا دونوں لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ اور دھنی پان میں تو یہ لفظ رومرو میں داخل ہے۔ برزج بھاشا کے شاعروں نے بھی اس لفظ کا استعمال دوہلا یا دوہین کی لفظی معنی شکل میں کیا ہے۔ جن کی کہ برزج بھاشا کی سب سے پرانی شرح میں ۸۴ دیشٹون اور ۲۵۲ دیشٹو کا ذکر ہے۔ لفظ دوہین دہلا بھی جا سکتا ہے۔

سیّدنا راشد خاں نے بھی اپنی ہندی کی تیز کتابوں میں دوہین ہی استعمال کیا ہے۔ ابھرنیس کے بھی کسی جگہ اپنی پہلی کتاب میں اسے استعمال کیا ہے اور دوہین ہی لکھا ہے۔ پوربی پوربی اور پچھم میں خاص دھام گونا دوہین ہی استعمال کرتے ہیں

اصل میں یہ لفظ پیراجی پاکت سے نکلا ہے جو کثیر میں اب بھی بولی اور بھجی جاتی ہے۔ اس سے یہ ابھرنیس میں آگیا ہے۔ پیراجی پاکت میں یہ لفظ ڈولما تھا۔ رفتہ رفتہ ڈولما کی جگہ ڈال دی گئی۔ ڈاکٹر گیارسن جو ۲۵۵ زبانوں کے ماہر تھے انھوں نے

اپنی مشہور کتاب (Linguistic Survey of India) میں اسے دوہین ہی لکھا ہے۔ ملک محمد جاسمی، کتب اور محققین جو سلمان صوفی خاں نے انھوں نے بھی اودھی زبان کی نامی میں دوہین ہی لکھا ہے۔ دیکھتے ملک محمد جاسمی جیسے پروفیسر رام چندر سنگھ نے آت دی ہندی دیبا کش ہندو یونیورسٹی بنارس نے مزید کیا ہے۔ اسے بنی فلیس صاحب اکبر آبادی بی۔ اے (جینڈا)

چکر ہندو مخالف ٹولٹی اور اصل پوربی میں لکھا جاتا تھا۔ لیکن یہ ۱۱ عجیب و غریب



# صفحہ خنک

## (نفسیاتی اشارات)

دُنیا ہوئی بُرقن، خدا خیر کرے  
بدلا جرخِ کمن، خدا خیر کرے  
برہم نظیرِ آنا ہے نظامِ غمی  
اک ماہ میں دو گئی، خدا خیر کرے!!

حکمت ہے نئی دستِ قضا میں کوئی  
ہے عزمِ نیا دہنِ خدا میں کوئی  
آئینہ عبرت ہے کسوف اور خسوف  
مقصودِ کلیت ہے فضا میں کوئی

ہر دل میں عناد و جوشِ نفسانی ہے  
ہر سینے میں اک جذبہٴ حیوانی ہے  
کرتا ہے سلطانِ مسلمان پہ وار  
موجودہ صدی کی یہ مسلمانی ہے!

اب فیروزِ فلاح کا رنسرمانہ رہی  
آسودگی چشمِ تماشائے رہی  
یا آدمی قاتلِ نذرِ ہادیسا کے  
یا قابلِ آدمی یہ دنیسا نہ رہی

تسکین کا انصرام ہوتا ہی نہیں  
ہنر کوئی انتظام ہوتا ہی نہیں  
گو ہوگی خستہٴ رنجِ دُنیا لیکن  
اس جنگ کا اختتام ہوتا ہی نہیں

ذلت ہی تیرے بدامنی کا  
ہوتا ہے یہی مالِ خود بینی کا  
ہے جکے دلوں میں خود پرستی و خودی  
وہ دیکھ لیں انجمِ موسیقی کا

تیرے ہاتھ سے سبھوٹ گئی  
فائنلزم کی تقدیر مگر پھوٹ گئی  
کیا وقت لے یہ غریب لکائی وائس!  
اس ضرب سے محور کی کمر پوٹ گئی

ناز و نخوت کے مدعی باقی ہیں  
یعنی جاپان و جرمنی باقی ہیں  
یہ بھی ہوں شکستہ تو کرے نصیر غرور  
دوہائے تپائی کے ابھی باقی ہیں

انسان پہ جب عروج کا وقت آئے  
لازم ہے کمال پر نہ وہ اترے  
جُڑ سائے نہیں کچھ اور جاہِ دُنیا  
کیا جانتے کس وقت زوال آجائے

لے روم سستی ہم نے کہانی تیری  
لے ہو گئی خستہٴ لڑائی تیری  
اب بھی نہ ہوئی صلح تو پھر کب ہوگی؟  
دم توڑ رہی ہے سخت جانی تیری



منصب پر فائز رہے۔ نصف مکر شاہ سے آزاد کئے گردوغدول گرفت تھے۔ رو رو کے  
شام اودھ کے دھرم بنظر تڑپائے تھے۔ آخر تڑپ رنگ لائی اور خلافت قلعے ہمارے گرد آباد  
کئے ایک مار کے دیوے آب کو طلب کر لیا۔ اُس وقت سے آج تک ایک قلیل شاہرہ پر مومن ریاست  
محمود آباد میں قناعت فرما رہے ہیں۔

حضرت تائب بہت صاف گو۔ منکر لکرا دے۔ خواہ ضعیف۔ خلق اور انھار دھ کے خوددارانہ  
ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگی نہایت سادہ اور سادگیت سے ہے۔ اُن کے خواص کو دہی  
بکھرتے ہیں جن کو مرزے قریبی تھیں تھے۔ وہ راجہ القادر رسم پتوں سے فخر اور  
اہل بیت کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کو یوں تو دین گیارہ سال کی عمر سے شاعری کا ذوق پیدا ہوا لیکن  
یہ گیارہ سال کی عمر میں وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے۔ اور ہنگو الہ آباد شاعری کے سخت خلاف  
اور جذبات شوری میں بیان۔ دیکھ کر شہر کے ایک صاحب کو مرزا ضعیف تر فریغ دہوی  
ڈھکی اسبک کھلا دیا۔ اُن کے یہاں مخصوص احباب کی صحبت تھی جس میں حافظہ ذکر کیا  
زکی شاگرد مرزا غالب۔ قاضی نجم الدین خاں صاحب برقی شاگرد حسن خاں بھادر خواجہ  
غلام غوث بھٹو۔ جسٹس اللہ مولوی دکنار شاہ خاں دہوی جیسے عالم و فاضل بھی موجود تھے۔

بندہ سال کی عمر اور پچھلے شاہرہ کی مصلحت مگر زمانہ قریب کا دہلی بھی ہو گئے۔ جب شورو  
شاعری کا ذکر پڑا تو مرزے نے بھی اپنی غزل نہ ڈالی۔ کسی نے ناددی اور کئی باہن خیال  
خاموش ہوا کہ اتنی ہی عمر میں ایسا ہی غزل کو تو کبھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ آسمان لیاگ اور صبر  
دیا گیا۔ ”پر اُسے میں چرخ کے سینے پہ پیش چٹ“

مرزے نے فوراً مصرع لگا دیا

”ایسے ہیں میرے نالہ و افغان کے بہتر“

قاضی نجم الدین خاں بوق نے ایک اور مصرع دیا اور مرزے نے تھوڑی ہی دیر میں ایک مرتبہ  
غزل کہہ کر شادی اُس کے دوستوں سے کیا۔

نوع و ذنن کا ہوں فنا خاں ہی نظموں کا ہوں مجھے دلی کامین مٹا ہوں۔ محبوب کی نیند و کام  
نہ وہ بہانہ جویم دل خیال میں کا منیم دل۔ ہوتی قطع رحم ندیم دل نہ پیام جو نہ سلام ہے  
اس غزل میں گیارہ غزلیں ہیں تو سب چھپے ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا دو شروع و اعلیٰ بہت  
خوب ہیں اور یقین نہیں آتا کہ ابتدائی شوق میں اتنے ایسے شریک جاسکتے ہیں۔ اگر اس غزل کو  
”سُر کرشمہ صفا“ مولوی دکنار شاہ خاں دہوی نے فرمایا کہ یہاں صاحب مرزے کے زندہ رہے  
تو اپنے وقت کے بہتر ہو گئے۔ تو کچھ بھی نہیں فرمایا۔

اگر تیرہویں و پندرہویں صدی کے دیکھ کر کسی میں کبھی تیرے بہت ذریعہ  
ہو جاتے ہیں۔ مجھے ہے اتفاقاً منیر کہ حضرت تائب کے کلام میں غالب ”بھی ہے کچھ اشار

ہر قسم کے غم و غصہ میں گزرتے کے برابر۔ سر و غالب کے توجہ اور پوری سے قلع نظر میں دیکھ کر  
کہ مرزا صاحب کا ایک مخصوص رنگ ہے اور اُن کے کلام کے مطالعے اُن کی انفرادیت بلکہ نظر خاصہ بر مانی  
ہے وہ خود اپنی جگہ اقراری قوتوں کے حامل ہیں اور انھیں اخلاک کا الزام دینا مناسب نہیں۔ تمام عمر کھڑ  
ہیں گناہ سے کہ کبھی اُن کے کلام میں بدی طرح کھنڈ پیدائیں ہوتی تھیں۔ عزیز اور آرزو کے  
رنگ سے اُن کا رنگ بالکل مختلف ہے۔ اُن کے یہاں یائیت ”رائے نامہ“ میں تو ان کے کچھ غزل  
کو صرف آٹھ کھڑے ہیں کہ وہ قیوم و مدد رنگ کے ایک بکے امتزاج کے ساتھ شریک ہیں جس میں  
کسی قدر نظر پایا جاتا ہے وہ عام خیال کو بھی دراستہ کچھ کو نظر کئے ہیں جس پر ان کے اشعار میں  
شدید تم کا کینہ دم نہیں ہوتا لیکن وہ بیکار بن بھی ہیں نظر نہیں آتا جو دوسرے رائے کئے تھیں  
کے کیا تھے پھر نہایت ڈھنگ۔ سلاست و روانی اور نہایت بل بل کہ ہیں یہ بکے پر مجبور کشتے  
ہیں کہ تائب کی شاعری تاخیر پائی کی حدود سے کسی قدر دور ہے اور اُس پر پوری طور کو دہائی  
شاعری کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اگر حضرت تائب اپنے مجوز کلام کے انتخاب میں یکسانیت کا خیال رکھتے اور  
ذرا توجہ کے ساتھ انتخاب فرماتے تو اور بھی بہتر امتزاجات تم ہو جاتے جو مدید شاعری کے علاوہ  
کوتہ میں اُن کے کو رنگ اشعار دیکھتے

دیا بدول میں کہیں دوست کا پست نہ ملا وہ دھنچ ہوں کہے میں بھی خدا نہ ملا  
باغیاں سے آگ دی جب آئینے کو مرے جن پہ تیرے تھا وہ ہی ہے ہوا دینے لگے  
مری داستان غم کو وہ خط کھد ہے میں کچھ اچھیں کی بات جتنی اگر اعتبار ہونا  
اُٹھو نہ آمدی کا ہم ہونا وہی جانے کہ جس نے کشمیں کو دھوئی دیکھا ہوا مال سے  
ہوئے گل بھولوں میں تھی مگر وہ نہ سلی میں تو کاشوں میں رہا اور پرتاں نہ ہوا  
قرب ہو کے دشمن دلیں گفت ہے بکارتے جاؤ کوئی ہسم کلام ہو کہ نہ ہو  
حجاب پڑ نہیں سکتا نگاہ الفت پر سخن طراز ہیں انھیں کلام ہو کہ نہ ہو

کسی کے سامنے کیونکر کھ جائے خود اپنا درد دل اپنی زبان سے  
نہیں۔ نہ جانتا ہی تو رہتی ہمارا تھا کیا ٹھیک رہتے نہ رہتے  
زمانہ برسے شوق سے سن رہا تھا ہمیں سو گئے داستان کہتے تھے  
مری ناؤ اس غم کے دریا میں تائب کنا سے پہ آہی لگی بہتے بہتے  
یوں تو حضرت تائب تمام مقامات تک پہنچے ہیں لیکن ان کی شہرت مرثیہ کی غزلیں  
ہے تاہم کوئی اور بھی ملک قابل ہے علمی و فنی اعتبار کا کیا بہت مذہب اور سادگی ادب میں  
گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ کھنڈے آوی دو کہ شاعری کو کھنڈے اور نہ سنے مرزا صاحب کا ہوا  
ہے۔ یہ خود شان کے شاہرہ شرایر شاہرہ تائب اور عام طور پر ان کا کلام پسند کیا جاتا ہے۔ وہ بڑے اعتبار  
اور زبان کے مسلم القوت ات ہیں۔

اعجاز صدیقی

## زندگی کا راکٹ

راہ گم کر دے وجودِ تنہا پر داز کے  
نالہ بہم ہے اندازِ سکوتِ اہل درد  
لے گیا کوئی بہارِ زندگی کو لوٹ کر  
ہچکیوں پر مورہا ہے زندگی کا راکٹ ختم  
اے مصیبت یہ کمالِ ابا کمالِ انا کمال  
کیا قیامت ہے کہ معینِ باغ سے گل اٹھ گئے  
ہم ہیں مجھ جتنی کھوتے ہوتے ہمارے  
ہیں کہاں پہچاننے والے مری آواز کے  
اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ چہے نیاز و ناز کے  
جھٹکے دیکر تار توڑے جا رہے ہیں ساز کے  
انہما ہے بیکسی ہے اور دن آغا ساز کے  
رہ گئے ہم کٹ گئے پر حسرت پرواز کے

لیجے ہیں دوست ناطق ہم کو بزمِ ساز میں  
دائے دیکر ہساری خاطرِ ناساز کے  
ناطق گلاؤ ٹھوی

## رعنائی خیال

رعنائی بہارِ گل و گلستاں گئی  
ملے ہی ان سے نقشِ جسم و جاں گئی  
آخرِ غبارِ راہِ محبت بھی چھپ گیا  
وہ آج مطمئن نظر آتے ہیں بزم میں  
اعلانِ ترکِ شوق تو لے دل بجا کر  
غم ہو کہ انسا ط کسی کو نہیں قرار  
اب اس خرب خوردہ مٹا کو کیا کہوں  
لب پر ہنسی نہ آنکھ میں آنسو یہ کیا ہوا  
وہ کیا گئے کہ رونقِ بزمِ جہاں گئی  
ہوش آگیا تو وحشتِ خواب گراں گئی  
کچھ دور تو نگاہ پس کاڑھاں گئی  
شاید کسی کی سستی و غارِ سکاں گئی  
ان تک اگر یہ بات زبانِ رزباں گئی  
فصلِ بہار آئی تو فصلِ خزاں گئی  
جو تیرے انجمن سے بہت شاداں گئی  
وہ غم کہاں گیا وہ سترت کہاں گئی ؟

اے کامیاب سعیِ مدا و اخطا معاف  
پھر کیا رہا جو لذتِ دردِ نہاں گئی  
شکیلِ بدایونی بی لے (پیک)

## مختصر اُد و افسانوی ادب

ہاں جو مختلف آراء تجربات گوناگوں اور متضاد دلائل و براہین کے منظر سے ہیں بڑی حد تک حقیقت کا شاہد ہے کہ ادب زندگی کا عکاس ہے اور انسانیت کا انعقاد۔ دنیا کو شہ پر اثر ترقی پر نگاہ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ادب کے عادیوں میں طرے سے نہیں موسیقی کے بکبار اور شیعہ سروں میں زندگی کے رموز گمانی اور فحشوں کی شکل میں انسانوں کو کچھ نہیں ہے۔ خصوصاً افسانوی ادب پر اس نظر سے کافی اطلاق اگر لکھنا نہیں تو بڑی طور پر ضرور ملے گا۔ انسان جب دنیا میں آیا تو اسے سب سے زیادہ کچھ اپنی ذات سے محسوس ہوئی اور سب سے زیادہ شہری چیز اپنی زندگی معلوم ہوئی اور پھر اسی اچھوت کے تحت سب سے مختلف سنے بہ الفاظ دیگر اسے اپنی ذات یا اپنے نفس کے ساتھ اپنا اول بھی عزیز تھا۔ یہ دائرہ تبدیل ہوتا ہی کرتا چلا گیا اور مشاہدہ سے متاثر ہو کر دیگر ذرائع احساس تک بھی پہنچا یعنی جو کچھ انکوں سے دیکھا تھا اس میں دیکھی لیتا تھا۔ اب وہ سب سے بہت واقعات و حالات میں بھی واسطی بائیں کے، بھنوں کی ذات یا مختلفیات زندگی سے وابستہ تھے کچھ لیے لگائے تھے کچھ کے تحت تاریخ یا افسانہ کی ابتدا ہوئی جس میں ابتدا صرف پرانیہ بیان کا فرق رہا ہو گا۔ اگرچہ بعد میں تاریخ و صرف شاید کچھ محدود رہی لیکن افسانے اسی شاخ سے ہیں بتدریج قیاس و خیال کو دخل دیکر اپنے موضوع کو زیادہ دلچسپ۔ وسیع اور جامع بن سکا۔ اس صورت میں افسانوی ادب کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود ہی نوع انسان کی زندگی اس شخص نے جس حد تک ترقی اور عورت حاصل کی کہ اس کا ذخیرہ بلند ہونے کی حد سے متجاوز ہو گیا۔ اگرچہ یہ وقتی تفریق کا ایک ذریعہ بھی لہذا اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی اور اس کو اس زمانے میں جبکہ ہر کوئی زندہ جاوید کرنے کی تخی آسان تھی وہ وجود قصص فلم دعوات اور کاغذ کے استعمال کے سوا بے ضرورت طریق پر رکھا گیا تھا جو افسانہ گئی ایک علیحدہ صنعت بن گئی اور مسلم سہنہ سہنہ کی صورت و اراغ اور ترقی کو مدد ملی۔ دیہاتی زندگی میں جانوروں کی لمبی دائیوں میں بچہ کو گائوں کے قصص کہنے والوں کی لمبی کہانوں سے لیکر دیہاتی انداز کے عجیبے نمونوں کے آبائی پیشہ وراثتوں کے طویل مدتی بیج و بیج، افسانہ افسانہ قسم کی کہانیاں اور گھر کی بڑھی و بڑھتیوں کی چٹا چٹے کی کہانی سے لگا پڑا شاہ اور غنہ پر غنہ زاد اور شہزادی کے زبان و بام تھیں تک ہر چیز اپنی شان و رخت کی مشعل و رنگ اور برگ و بار شمار کرنے کا چاہتے۔

یہ ایک طویل بحث ہے اور ہمارے موجود بحث سے خارج کہ کس قسم کے فنون کی ابتدا کیلئے فن ادب کی بنا پر ہوئی لیکن حرفہ قسم کے افسانے جتنے فروغ ہوئے وہ اپنے ہر قسم کی زندگی کی حقیقت پر روشنی ضرور ڈالتے ہیں اور ادبی حد تک عالم سماجی ذہنیت اور نظام کی آئینہ داری کرتے ہیں مثلاً "الغلیظی" ثنائی ہے کہ اس کا وجود پیش پسند نگار حقیقت سے آزاد خیالی دنیا میں مردہ لیے والا فیاض، عالی ہمت اور بلند و معلوم تھا۔ اسی طرح "بوسان خیال" اور "طہم شہر"۔ آرائش محفل وغیرہ قسم کی تعابیف علامہ مذکورہ بالا امور کے اپنے زمانے کے موجود فعل اور حقیقت اقتصادی کی بھی عکاس ہیں۔ خواہ اُن کا ذکر مکرر حقیقت سے آزاد ہو جائے ہو گا اس خصوص میں بے بداد اور صاحب قسمت فرد ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں لیے افسانے کا ذکر سے مفید ہونا اور مختصر افسانے کا اسلک بگڑنا، قصائد اور نثریات کی جگہ چھوٹی نظم کا آنا اس دور کے خاص اور مصنفین کی قلیل الوقت، کثیر الاشغال اور شغلازگہ مگر ایک نظر تو اس بات کے لئے زندگی کا پس منظر ہی ہے آج جس طرح زندگی کے ہر شعبے پر بین کی کارفرمائی ہو چکی ہے۔ اسی طرح ادب پر بھی ایسا کیفیت کا ذکر ضرور ہے اور جس طرح شہر کے طرف میں اقتصاد، عمل، تقلید وقت، تقلید زمانہ، مائت علی و نتائج کا تصور ہوتا ہے۔ اسی طرح بین سے متاثرہ فنون سے نکلے ہوئے ادب میں بھی یہ صورت ایک تصویر سے فرق کے ساتھ رہتا ہے۔ بین کا ایک خاص عمل یہ بھی چاہیے کہ وہ پرانی و متوال شدہ آثار کو دوبارہ علم حالت میں تبدیل کر کے ایک نئی چیز یا بار بار پیش کرتی ہے۔ اسی طرح ہی زمانہ ہمارے نوجوان افسانوں اٹھارہ میں حدی کے شہر کو شام کی غادر پر کھڑک پیش کرتے ہیں اور کوٹ پتلون پہنا کر مختصر اور طویل افسانوں کی شکل میں بڑے بڑے دانش محفل، زیر بحث، قلم اور ہر قسم وغیرہ ہندوستان کے دور کا خطاطی پیداوار لے کر جو بار بار پیش کرتے کرتے کہانیاں ادب کی لذت کام و دہن کو دعوت دیتے ہیں۔ ان میں جو چیزیں ہیں وہ آج بھی بادشاہوں اور نوابوں کے گھروں سے نکلنے کے بعد تجارت اور سرمے کے پچھے نواں بیکار بیٹھے ہیں اور تو بہ انصاف کے پیر و بیان کلم کی طرح محسوس کے کاغذ کی فراش پر نقش خال، دھن خال، جن خال کا کچھ مجبوراً تعریف فراتے ہیں یعنی دلیخ شکم کر کرنے کی غرض سے جاسوس نظم کیوں اور جابلو مہلوں کے ہاتھ ادب کی غیر روشنی کرتے ہیں۔ جو توجہ لگتے ہیں۔ اُن میں باعوم ہمارے دوروں کے طبل، ہیں۔ وہ نہ زندگی کو





لا رہے نمایاں دکھائے کہ بھلا سے زیادہ عروج و منصب حاصل کیا، انوس کو معلوم کہ کبے بنایا  
لغاؤ آئے ہے کہ کھل اٹھا لگا رہے اپنے جسٹائے میں طلاء فناء زلی کے تارے والی بھی  
داد دی ہے، اس فناء کے سرو کو جن دوا دفنا ہوں کے دیار میں عروج و زوال حاصل ہوا  
ان کے حصہ میں صرف تین چار صدیوں کا فرق ہے خالصتہ طور پر اولیٰ اکلا جیسا؟

ایک فناء نگار صاحب جو کچھ کی خوشی قسمت سے اس کو ملتا ہے قلعہ ہے، اپنے  
فسانے میں نئی نالی کے لئے دیوے اسٹیشن دہر و دون قرار فرماتے ہیں اور اپنے سرو کو  
دہر و دون لادھی بھوار کا کوئی نالی پہناتے ہیں اور نئی نالی کے پورے ٹیڈ سے نئی نالی  
کی کوئی ایک تارے پر پہناتے ہیں، اب ویجے دادان کی جڑا فناء دانی اور ان کی تلخ دانی  
کی اور پٹے سرو دون کی صلوات عامہ اندو نوں کی فناء نویں پرادیجے آوازہ ان  
ایڈیٹوں کی آکھوں کی حیات کا جن کے زین جریس کے تین تین چار چار ملے ہیں  
نثر جرنے لکے کے سے گرہیں کتب امت و اس ط

کار طلال تمام خواہ شد

یہ دو فناء پر کچھ بے اختیار ایک تاریخی لطیفہ یاد آ گیا تھراوہ دارا شکوہ کا ایک شعر  
جو دلی کے مسافرات میں جنگل میں اقامت کر، اس تھا بہت عقیدت تھی، ان سادھو کے  
متعلق یہ شہر تھا کہ ان کی کسی بڑا سال کی عمر سے اور صدیوں سے نہیں بولے ہیں،

تھراوہ اکثر سادھو کی حضور میں نہایت عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتا، شہنشاہ کے دربار  
میں تھراوہ کو جو درخشاں تھا وہ نائے سے ابھی طرح ثابت ہے، تھراوہ یہ شخص  
تھا سادھو ہی کی نظر غایت بھٹا تھا کہ شہنشاہ کی زندگی میں دلی کا تار و تخت حاصل  
تھا اور نام تھراوہ کی ہی اس کے نام کا سکرواں تھا، چنانچہ کہ اپنے افراد کچھ  
شہنشاہ کی درویش صفت و درویش دولت و ملت سے فائدہ اٹھانے ہوتے تار انے  
شہنشاہ کو سادھو کی خدمت میں حاضر ہونے کے آادو کر لیا، چنانچہ ایک روز شہنشاہ  
شاہجہاں نے تھراوہ دارا شکوہ سدا شدہ علانی وزیر عظیم اور تھوڑے سے قدم و ختم  
کے ساتھ چلے، دراصل سادھو غیر تفریح بھی تھا بلکہ پکا دینا دار بہرہ پر تھا اور خدا  
پر کیا وہ جانا تھا اور دارا کی عقیدت سے کب شہرت اور کب نذر کرنا تھا، شاہجہاں  
کو دیکھ کر اس سادھو کو اس کا نظم کئے کیسا سے باہر نکل آیا اور شہنشاہ کو زین و سہرہ  
آداب کہا، سادھو کا یہ خلاف معمول طرز عمل دیکھ کر دارا شکوہ نے توجہ ہاگر شہنشاہ کو در  
ہو گیا اور عقیدت دارانے ایک مدت میں شہنشاہ کے دل میں قائم کی تھی وہ شہنشاہ کے  
دل سے بڑی حد تک ختم ہو گئی، بھلا فقیر دیوی جادو ختم سے محبوب ہو جائے تو اس فقر ہی  
کیا، سوچنا ہوا فقر و درویش رجحان درویش "شہنشاہ فقیر کے ساتھ کیلک انڈیا جڈنٹ

ایسی شری دانش ہے جس کو ہم سانی سے آدھ کھٹے لکرو دگئے شہن میں پڑھیں اور جیسا  
اختیار تھرو سادگی کے طلاء اتحاد زبان، اتحاد مکان اور اتحاد کردار، جو اتم موجود ہوں اگر ہم  
یہ تو لیں بھی شہنشاہ اور ناکل سے ہے اور جامع نہیں مگر انوس کو عام کئے والوں کے فناء کا طور  
پراس مبارک بھی بوسے نہیں کرتے، دراصل ادب بقول ایک میل، نقد ادب کے کسی رہبر کی  
محتاج نہیں، وہ اپنے بانی کا ایک، چاہے جو اپنی سطح خود تلاش کرنا ہے، ضرورت احساس کی  
مذاقت اور مطالعے کے غلوں کی ہے، انکار کی قید اور ضرورت کی تھیں حاصل چیز ہیں،  
میں بھٹا ہوں کہ کتے تھگے والے تلی کاڑھی، تھانہ دون اور بعض نیوں اور بھاریوں  
کے سہارے رسالوں کے فناء کو لیں گہر کو کشش کرے تو ان کے فناء ان جملہ فنی خصوصیات  
کے حاصل ہو سکتے ہیں، صرف ہی بلکہ زندگی سے زیادہ قریب نظر آسکتے ہیں، دراصل سڑا ہوں  
کو گالیاں دینا اور ان کے مال و شے کا پرو چکنا کرنا مزدور و مکان کی جادو جادویت اور  
طرز ادبی کرنا ہی نہیں، اصل فناء نویں نہیں ہے، نہ دوس اور فرائس اور انگلڈ کے  
فناء نویں کے تھیں جس کھنتری پیدا ہے بلکہ زندگی کی صحیح رجحانی سمت کی ذہنیوں کی  
علاقہ انسانی راغوں کی تشریح اور میر کی گہرائی کی عرانی کا نام جدید فناء نویں ہے  
جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس میں حاجت سے لالا کیا ہے وہ اگر فناء کو بالائے طاق رکھ لکے  
تو ان چیزوں کو زیادہ آسانی سے لکھ سکتے ہیں فناء نویں کے اس کی ضرورت نہیں کہ وہ  
غیر معمولی قلی قابلیت کا حامل ہو یا کسی و نیورٹی کا سند یافتہ ہو دراصل قدرتی صلاحیت کے ساتھ  
ضرورت شاہد کی گہرائی اور بیان کے غلوں کی ہے کہ اگر خدا ایتھو کے ساتھ لکھا جائے تو ہر وہ  
شخص جو ایک بے سرو با عشقیت یا جاسوسی انسان لکھ سکتا ہے نہایت کباب افاد بھی لکھ سکتا ہے  
بے پٹے وقت کی شرط کو بچے وہ افانہ بچے پندہ سست صفحے پڑھنے کے بعد بانی آئندہ پر  
نظر ضروری ہے تو وہ اس سے گزر کر کہاں پہنچتا ہے، کیا وہ طویل مختصر یا مختصر فناء کے  
حدود کے اندر رہ جاتا ہے دو برہی چیز اتحاد زمان و مکان جو ترجمہ ہے  
UNITS OF TIME AND PLACE کا تھارو عام  
افانہ نگار لکھنے کی بھی کو کشش نہیں کرتے، اس کو بہر تو ان چیزوں کا کوئی کھانا بھی نہیں  
نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی اجیت ہوتی ہے اور عام صفت ان چیزوں سے خود کو بالکل کو رکھنے  
پر مجبور ہو جاتے دلتے ہوتے ہیں وہ دو آندہ سے کہنے کی فہم کے سہارے ادب کی قربانی کرنے  
پر مجبور ہوتے ہیں، یوں گہنہ کے آواز کا ہیں اور دور فر فر یا تو کسب نذر و کسب شہرت کی  
ہو میں میں عار کے ذائقہ رسائل پر ادب کا گناہ تھپے، پوپ خیال فرما سکتے ہیں کہ تھارو ایک  
افانہ نویں کے ایک سرو پہنچنے پڑے تھارو فناء دوس کا رہائے نمایاں دکھا کر عزت حاصل کی اور  
دہاں سے محبوب ہو کر دربارنا میں کی راہ قرار اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصے میں دہاں وہ





کو بھی ان کا دست راست کہنا پڑے گا۔ خواہ جس نہالی سے بھی بہت سے قابل تھوڑا فائدہ لکھے جو سیاسی نقطہ نظر سے بھی اہم خصوصیات کے حامل ہیں۔

اس دہکے آواز اور موجودہ دہکے پھلے آواز نگاروں کے خیالات و رجحانات مختلف تھے لیکن ان کے بعض افسانے بھی دل سے محو نہیں کئے جاسکتے۔ واقعی اجیری قیس زلمی، امیر، اعظم کویری، ناکارہ حیدر آبادی اور حسن عزیز جاوید وغیرہ کے اسرار خاص طور سے نمایاں ہیں۔ فرحت اللہ بیگ اور پطرس کے مزاحیہ افسانے بھی بلا نزاعاً دل دہنے کے قابل سمجھے جاسکتے۔

جیسا کہ ہم کہ چکے ہیں، زمانے کے ساتھ جب زمانے کا نظام بدلتا تو اس کے ساتھ ساتھ افسانے میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ معاشرتی حالت بدتر ہونے لگی فراغت اور سکون کی جگہ تنگ حالی اور اضطراب حدوں نے لے لی بیکاروں نے عسلی جھوک کر نیکر کر دیا۔

مشرقی عورت نے سرب کی تقلید میں پاؤں نکالنے چاہتے اور دیو داوی ہونے لگے۔

اس کے نتیجے میں بازاری عورت سے ٹھکرانا تو ہی ادب فطری رستہ پر دروہیوں کے گرد گھومتے لگا اور جس طرح سوسائٹی میں طوائف کی دلچسپی کر رہی دروہیوں پر وہ

نظر آئے لگا اسی طرح افسانوں میں بھی یہ چیز نمایاں ہونے لگی گویا انقلاب

نے بلکل کی نگاہ حقیقت کی جانب پھیر دی اور محاذ بازاری کردار نگاری کے ساتھ

میں ڈھلنے لگا اور ہوا کا چلنا اور سورج کا چمکنا۔ بازاروں کی چل پھل اور چنگلیوں

کی ہو۔ کھیر کا بعض نانا اور گڈائیوں کا گھر گھر اٹا۔ داخلی خیالات کا ہجوم افسانے کی

تشریح میں ڈھلنے لگے۔ غور کیا جائے تو ہمارے خیالات کا ہر قدم ایک افسانے کے عنوان

کی جانب اٹھتا ہے۔ ہمارے احساسات و جذبات بذات خود ایک نئے افسانے کا زمین

عنوان ہوتے ہیں اس لئے ہر جذباتی دنیا میں وہ سب کچھ پالتے ہیں جو ہیں واقعاتی

دنیا میں جسر نہیں مڑتا۔ اور یہی چیز مختصر افسانے میں جاری کردار نگاری کی ذمہ دار

ہے۔ افسانہ نگاری کا یہ انداز سادہ و سستہ ہے ہمارا ادب میں نہایت نمایاں

اور دشوار ہے اور اب تک برابر بالی برتری ہے۔ سامع کے افسانوں زخم خوردہ لوگ

خوب ایسے لوگوں کا دل میں درد رکھتے والے نوجوان ادیب اس میدان میں بڑی

آسان سے آواز سے ادب سامع کے ہر ذریعہ کا بھی طرح طرح سے تجزیہ کیا۔ اس قدر فائدہ تو یہی

کے فن میں بھی بہت سی تبدیلیاں پیدا کی ہیں اس گروہ کے بعض ادیب کا دل مادہ کس

کے اصولوں کے ذریعہ جبراً حکم دکھاتے تھے اور بعض نگار فرائڈ اور ڈی ایچ لائٹ

کے نظریوں کی تعین کرتے تھے۔ اس لئے افسانے کے بعض پہلو جاری برائی تہذیب کے

زہریت یافتہ لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا یہ طرز یکہ فن

سے ساتھ ساتھ محبت میں داخل ہے۔ فحشی جی نہ؟ کچھ لکھا ہے جیسا کہ اوپر ہم ظاہر کر چکے ہیں شوری طرز پھر زبان کی خوش بینی نہیں ہے اگر دوسرے مصنفین کے ادب میں غیر زبانوں کا فنی عنصر نہایت خوبصورتی کے ساتھ نمایاں طور پر نظر آئے لگا۔ فحشی جی کا مسلک ادب برائے زندگی خاص کے فوری ہی بعد ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جو صلاچ کے ساتھ ساتھ ادب کی لطافتوں اور تبحر کی رنگینوں کو بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا چنانچہ دوران کے ساتھ واقعات نگاری نے اس میں داخل ہوئی سلطان حیدر، شمس لطیف الدین احمد، حکیم احمد شجاع اور حکیم بیگ چغتائی وغیرہ دھماکے ملاوہ بہت سے فن کاروں کے اسرار کا مٹی اہوت راقم الحروف کے ذہن میں ہیں۔ اب اگر اس مقالے میں مختصر افسانے کے مختصر دور پر ایک مجموعی نظر ڈالی جائے تو طبع کی وہ جا بگی۔ آئیے اب دیکھیں کہ یہیم چند سے تشریح ہو کر ہمارے مختصر افسانے کا زبہ کونسا ہوا اور کس کس پیر میں پر کیا کیا حالت رہی۔

یہیم چند کے زمانے کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کے زمانے افسانے وغیرہ کے

آزموں کا آغاز ہوا تاجا، فخری، فخر علی، عبدالعزیز، عبدالعزیز، یارم، غیور نے ترکی

افسانوں کا ترجمہ تشریح کیا اس کے بعد مستور احمد، فاضل عبدالغفار، عادل علی، محبت

گو رکھو، بطرس۔ شاہ احمد عطاء اللہ، حکیم وغیرہ حضرات نے ترجمہ کی بنیادوں پر اردو

افسانے کی فنی ترقی و مضبوط کیا خورشید گلستان میں کلا دقت، ساحر، انام، قربان

وغیرہ تراجم کے وہ چند نمونہ ہیں جن کی بدولت غیر ملکی مصنفین کے فن کا راز کھل چکا

زبان میں تبدیل ہوئے اور زمانہ فن کی دولت سے لالال ہوا۔ اب کچھ عرصے سے عہد چینی

افسانے اردو زبان میں پڑنے کے عہد سے جس جانب تشریح، خدمت کھن و فنی انجام دے رہی ہیں

ان تراجم نے ہمارے ذہنوں میں مخصوص تبدیلی پیدا کر دی ہے اور ہم اپنے طبع زو افسانوں میں

بھی فن کا شوق کھلنے لگے امید ہمارے فانی میں دقت پیدا ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں فن

افسانہ نویسی نے اپنی ترقی سے بہت سے درجے طے کئے اور آج ہم فخر کے ساتھ اپنے فلسفے

اپنی دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور کم از کم اس چیز میں ہم کسی تمدن ملک سے اسنے

پچھے نہیں ملے جتنے اور صلاحتوں میں کم یا یہ نظر آئے ہیں۔

یہیم چند کے فنی افسانوں اور بعد ازاں افسانوں کی کڑیوں کو ہمارے چند فن کاروں

کی تصانیف، بہیم، حمزہ جی ہیں۔ ان کے لکھے والے کسی خاص مقصد کے پابند نہیں تھے مگر

معاشرتی اور فاضل، اصلاحی، تاروں کے اندر گھوم گھوم کر رہتا نہیں جانتے بعض کے آغاز

میں مبالغہ اور آزادی میں غریب عالموں ان ہر دورانی رنگ پروردہ آہم جھلکے نمایاں لوگ افسانے

کے تکنیکی لوازم کی کین کا شہر ضروری سمجھتے تھے اور ان حضرات میں عظیم بیگ چغتائی کو

اگر ان کا نام نہ لیتے تو لطیف الدین، حیدر سلطان حیدر، جوتی، سالک، حفیظ اور شعیب وغیرہ

ادب نہیں ہے۔ اس میں ننگ نہیں کہ یہ فیجے بھی ایک حد تک اسکے ذیل میں آتے ہیں مگر اسکے بعض کچھ اچھے اور ترقی پسند افادہ نواز لڑکیاں بھی تھیں جنکے لئے وہ ہے غلطی ہے زندگی کے چاروں طرف ادبی جواہر رزیے بکھرے پڑے ہیں۔ خود ہی میں مٹا دے کی گراہی کے ساتھ ادب و آرٹ خود آپ کو زندگی کے پہلو پہلو کھڑکڑیگا چٹا چٹا کرے لایا بابت ہدف غلط نگاہوں میں باوجود اختلاف رنگے راہ کے چراغ منزل ایک ہی ہے اور وہ ہے زندگی کی روحانی اور بعض اوقات زندگی کے ایک شے کے پہلو پر وٹنی شکل و فرم کی طرح برقرار نہ بنانے میں لیکن کوشش چند صاحب اور عاشق حسین شامی صاحب زندگی کے وہ خد فعال جنہیں خود میں دکھانے سے عاجز رہے۔ نہایت ہمگیری کے ساتھ پیش نظر کرنے میں اکثر اوقات کامیاب رہتے ہیں۔

اب باوجود کثرت کے اعتقاد غلطی ہو چکے ہیں اب چیز ظاہر کرنا نہایت ضروری ہو گئی۔ جدید فائنڈ نوٹس حضرات زبان کی غلطیوں کی جانب بہت کم توجہ دیتے ہیں انہیں کس کو وہ فن کا ہی میں اعتقاد رکھ کر جانتے ہیں کہ وہ اصل فن کی جانب توجہ نہیں کرتے اگر اس جانب بھی بونیل ماں والی عدم توجہ رہی تو باوجود ادب آنے والی نسلوں کو ایسے راستے پر لے جاتا جہاں زبان بھی دو انداز ہونے کے بعد کیٹنا سچ ہو چکی ہوگی کاش یہ حضرات کبھی کہ جتنی وہ زبان کو فن سے الگ کر کے ہیں اس کی قدر لائی غلطیوں سے صدمہ پہنچا ہے جسے اگر ذرا بھی توجہ کریں تو اپنے فن کے کمال کے ساتھ ساتھ زبان کی کامیابی کمال دکھائے ہیں۔

راقم تحریر کا دعائے شکر فارمائی ہے صرف ایک حقیقت نفس الامری کا اظہار کرنا ہے۔ نہ کہ اپنی قابلیت کا ادا مقصود ہے جس سے جس کو کس دور میں اور نہ کسی شے کی اپنی نظر پر جھانک کر مہینے یا جب جتنی مقصود ہے ناظرین کو کام اور کثرت میں سمجھ بھگت ہو کہ بے لوث ادب کا حال ہی تنقید و تہنید فرمائیں۔ اگر تنقید کا کوئی پہلو نظر انداز کیا دلی شکر ہو گیا ہو (کیونکہ میں ہمدانی کا مدعی نہیں) تو اسے ایک ہمدانی لکھنے کے سوا خطاب معمولی فرمائیں۔

چودھری محمد ابوالفضل صدیقی بدایونی

مشاعرہ شاعر مرعہ طبعی ۱۹۲۳ء

”آج پھر حسن حقیقت کو نمایاں کر دیں“

نہاں۔ خود افسانہ و غیرہ خوانی۔ کردیں روایت

نہاں۔ غزل میں ہر ایک کہ تاریخ ملک آتی چائیں۔ شاعر کے لئے صرف منتقل خود افسانہ میں جگہ ہے۔ غزل پر ہر غزالی ہونا ضروری ہے۔ ————— میجو

رومانی اور حقیقت پرست ہے اور ان دونوں حالتوں کے درمیان کی جگہ جس میں تہی جہالت کی تخلیق اور تہی انسانہ نویسی کی رکاوٹ کی ذمہ دار ہے۔ اس صورت میں ہمارے جدید افادہ نگار ایک جماعت کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں انہوں نے ادب میں بہت نمایاں انقلاب پیدا کیا ہے اگرچہ اس سے اب تک زندگی کی تبدیلیاں بڑی حد تک ان کے احساسات پر بھی اثر انداز ہوئی ہیں۔ تاہم ان میں ایک ہی قسم کے حوالہ کا دور دورہ رہتا ہے۔ افادے کی کسی شکلیک انہوں نے غریب سے بکرا اس میں بہت کچھ نیم و ترش بخوری طرز پر کی یا اگر ہم اس میں ننگ نہیں کر انہیں نہ توئی فن کے مطالعہ سے متاثر ہو کر ہی یہ صورت اختیار کی مگر پھر بھی ان کے فائدہ جملہ آئے ORIGINALITY کے حامل ہیں۔ ان میں تاہم سب سے کم سب سے زیادہ اور ۱۹۲۳ء کے درمیان کی پیدائش میں ادب کے سب سے بڑے سے زیادہ جوان نظر ہیں۔ ڈاکٹر شفیق رحمان کو کوشش چند، دیو ندرتیا رتی، اختر حسین ماسے لہری، دیوانہ مصطفیٰ آبادی، حسن عکری، حیات احمد انصاری، پندنا تھہر، شکت راج چندر شکر میہری، سعادت حسن منٹو، عاشق حسین شاہی، احمد زیم قاسمی وغیرہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں جن کے اس گراہی سے یہ مختصر اور ناقص نہایت غلطی ہے۔ خوانین ہیں ریشہ جہاں اور عجمت جہاں ہیں بصیرت جہاں کا نام خوانین میں لکھ کر دل میں خوشی گنتی ہے۔ کاش اگر کھاتے بہن کے وہ ہماری بھائی ہوتیں تو ہم آج بڑے فخر کیا تھا ان کے ادب کو بین الاقوامی سطح پر پیش کر سکتے۔ ان کے نفسیاتی تجربے زندگی سے استفادہ ملحق ہو چکے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے گزر جاتے ہیں اور ان کو بہن کے سر سے نکلے شری حجاب دانہ بیکر ہوتا ہے۔

دلی توجہ و توجہ میں ہر فن کو ترقی ہوتی رہی ہے لیکن راقم تحریر اس فن کو ترقی نہیں سمجھتا جس میں فن کی خصوصیات ذرا آئی ہو کر فاضل حصول مقصد نہایت عریاں اور واضح نظر آئے گئے۔ مشکل کے بعض فائدہ نویس اپنے فاضل کو انٹر ایکٹ کے پروپیگنڈے کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور جو کہ پروپیگنڈا نہایت خوب ہو گا نہ فن ہے۔ لہذا جب یہ اسکا پروپیگنڈا ادب کے لباس میں کرتے ہیں تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور فن کی طور پر فعال بن کر اپنی خصوصیات کو دکھاتا ہے۔ فن کا لینڈ نہیں ہوتا وہ آرٹ ہوتا ہے۔ زندگی کا آئینہ دار انداز و حقیقتات اپنے ہوں انہیں اپنے فن کے جہر و کمانے جاتے ہیں لہذا پھر ادب جو زندگی کی ہزاروں کیفیتوں میں کسی ایک حقیقت کی صحیح ترجمانی کرے وہی ترقی پسند ادب ہے اصفا حسن فن۔ حرفت کا لفظ انداز دور دورہ ان کی طرف اشارہ کر کے دو ٹوٹا اور جاگروا کر کہ زندگی کا عرصہ کو جو ہر کی ملکیت ثابت کرنا اور بعضی خواہشات نگاہوں اور جاسوس طریقے پر ظاہر سے کا نام ہی جدید و ترقی پسند

# نیرِ فطرت

اسے کہ تری نگاہ ہے جلوہ پرست رنگ و بو  
دیکھو کہ منظرِ جہاں منظرِ حشر کو پیش ہے  
کتنے عظیم و پرشکوہ سلطانوں کے کارواں  
کتنی جیسں غماریں پس کے جہاں ہوئیں  
کتنے نجوم ٹوٹ کر فرشتہ زمین پہ آ رہے  
کتنے سکندروں کے سیل چڑھ کے اتر گئے یہاں  
کتنی گونج کے رہ گئیں آندھیاں اختتام کی

فلسفہ کائنات کا مرحلہ عظیم ہے  
جنس ساز و برگ بھی ساتھ عظیم ہے

عشرِ موزوں سے آئینہ شمش جہاں کا  
سب سے مزووم میں فن ہیں راز سینکڑوں  
شام کی تیرہ نکلیاں خسرو کی سیل نور میں  
درخورد آفتاب ہے ذرہ کم سواد بھی  
شمعِ فردہ ہے ہر اک، مختصرِ ضلوع ہے ہرے  
کہنہ و ریختہ کھنڈرِ محفلِ ہفت رنگ ہیں  
آتش و آب و خاک میں جوشِ نمودیر ہے

زندگی بے رہی ہے خود آج نبوتِ زندگی

تیرے بہشت دار میں آف یہ سکوتِ زندگی!

خواہشِ جنگ و ذکر سے غایتِ زندگی ہیں  
زندگی ایک جذبہ عظیم و عمل کا نام ہے  
زندگی کو ہمارے کی چوٹیوں پر علم کشا  
زندگی کو دھام ہے تیر و تیر کی جھاڑوں میں  
زندگی کے لوازمات آگ کی دلدلوں میں دھونڈ  
عاصیِ زندگی کے اس کسل و جود پر نہ جبا  
اپنے دلچسپ قلب کو اٹھ کے حریفِ سنگ کر

سارے بابرِ وقت کی شام دھس کر جنگ کر

عبداللہ منظرِ گجراتی

پیش نظر نہ ہوں اگر ٹھوس مقاصدِ جات  
نقشِ خود بھی بے ثبات، نقشِ جنوں بھی بے ثبات

# تہذیبی

وہ اپنے تمام علمی و عملی مشاغل اُس کے ہندوؤں پر نثار کر دے گا۔ اسی لئے اُس نے اعتقاد و یقین کامل کے ساتھ کہا :-

”پیارے! یہ اپنے موجودہ شائق نام کو چھوڑنے ہی پڑیں گے ورنہ ہم لوگ فوش نہیں رہ سکیں گے“

اسے موعے جواب دیا :-

”علم کے بغیر سکون و راحت کہاں ہے؟“

مارگارٹ نے جھکا کر سوچنے لگی۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ اس نے پھر کہا:-

مہر کے لئے علم کی ضرورت ہی کیلئے اور اُسے حاصل کر کے نہیں کیا فائدہ

ہنوع کتابہ؟

رے ہو ولا؟۔ کاتم نہیں جانتی ہو کہ میں نے ایک عظیم الشان کام شروع

لور دکھا ہے۔“

مقصود دو خیرہ نے جواب دیا:۔

\* میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ میرے حیا ان موضوعات سے کوئی دیکھی نہیں

دیکھتے اور ان کے مشغلات پر کوئی علم بھی ان کے پاس نہیں ہے، مگر اس کے باوجود وہ

پنی جگہ سرور و مطمئن ہیں۔۔۔ خدا ان کو عمر طویل عطا فرمائے۔“

رہتے ہوئے کہا۔

اودھ عربوں — اگر ایک روز خزانہ لایا ہے تو عربوں سے کیا مال؟

”یہاں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ...“

نہیں ہی معلوم ہوا کہ میں موت سے بچا رہا یا نہ بچا۔ "فنا" کو دہنا

کے لئے ایک نسل و مابین لفظ بننا چھوڑوں گا اسوں کو بھانے دوام میرے ہی

ہاتھوں لپیٹ ہوئی اس نے کہ یہی میرا مقصد جانا ہے۔

اداکہ سرخوردہ اور سکنجہ محلہ اور مشہور کنوئیں کے کنوئیں سے سیرت کھانا

اسے مفضل ساتھ رکھ دو سوئے لگا کر۔۔۔ سامنے کے ساتھ دو کھنڈر

زور دے کر جلد ہی سے روئے ہے خواہ کئی کئی سالوں سے کشتی کے ساتھ رہے

[illegible]

رے موزہ صرف یہ کہ ایک عالم کا بیٹا تھا بلکہ وہ خود بھی بہت بڑا عالم تھا۔ افسانہ نگاریت

نامی ایک لڑکی سے ایام طفولیت ہی سے محبت تھی اور اب اسکے ساتھ اسکی شادی ہو چکی

قرار پانچویں نمبر — مارگلارٹ بھی بچان و دول اس پر فریقہ یعنی اور اس کی علیت قابلیت

پرستِ فقر کوئی تھی۔ اگرچہ وہ نہایت کی اچھڑ سے بھی خائف نہ تھی۔

آستے سو اپنی محبوبہ کے عظیم الشان حسن و جمال پر بے اندازہ فخر و سرت محسوس کرتا تھا

اور یہ جنت بھی ہے کہ ایسی سین و بیل کو خیر و برکت ملے گی جو چوں میں خداوند قادر ہی

نہیں۔ یہاں سے وہ زندگیاں بسر کیا کرتے تھے کہ وہ ان کے لیے ایک

ابو ہریرہؓ کے علاوہ سائنس دانوں نے جو دوا کا نام زردوستی کا دوا عالم تصا

اسدۂ سنگ اسرارہما کی جستجو اور حیاتِ فرہانی کے حصول کی غرض سے اسکا

کاشی ایجاد میں شب روز منہمک رہے گا۔

مارگاریٹ کے چچا اور علم و سرپرست خلیفہ کے ایک گروہ میں پادری تھے۔ وہ

لے ہو کہ ان تمام غیر ممکن الحصول مقاصد اور ناقابل کامیابی امور کا دیوانی محض

کہہ کر صدمہ اڑایا کرتے تھے۔

ایک روز سے مواراہد فطرت کے موضوع پر ایک سی شائع شدہ کتاب لکھواوا

بند پروردگار! اے خدا! اگر تیرے پاس ہے اس کی رائیخ و ریزہ ہونے اور کھولنے کے لیے دل

ان کا رشتہ یہ کہ وہ ایک

”اس امر سے جو کا خیال دل سے نکال دیا اور اس سے دل و دسم اور طافات

بھی ختم کر دو۔“

انگار پٹنہ جواب دیا :- صرف ایک بار نے کی اجازت جاہلیوں میں مجاہد!

انہوں نے اولاً اس بات کو ذرا غوراً غوراً نہیں سمجھا کہ جو میرا ان کے عین تعلق کے

بیش طر اس کو جائز دے دی۔

چنانکہ دونوں میں آفریں نکلتی ہوئی۔

اور گارنٹ کا خیال تھا کہ اس کے گھر والے اس کے لیے یہ ہے یہاں تک کہ

کتنی راتیں چلا رہے گئے تھے۔ ہمارے غارت کی حالت کو جو میں وہ کہ سے پہنچ کر گراں  
مار گارٹ بلی: "اور ہم لوگوں کی زندگی؟"  
"کیا اس کے لئے ہم انتظار نہیں کر سکتے ہمارے سامنے تو ایک لامحدود زندگی پڑی  
ہوتی ہے۔"

مار گارٹ نے مسکرا کر آسمان کی طرف اٹھ کر طنز کیا: "وہیں نا؟"  
اس وقت مار گارٹ صرف اتنا ہی سمجھ سکی کہ اس کا سکون جات ہیٹ کے لئے  
ختم ہو گیا ہے۔ وہ روئے لگی اور بھڑکی:۔

"اچھا تو کہا اب کیا کرنا چاہئے؟"

رستے میں جواب دیا:۔

"وہ کہہ کر دے کہ میرے علاوہ کسی دوسرے کی نہ ہوگی۔"

"اچھا میں عدو کوئی ہوں؟"

"بہرے منظر ہوگی؟"

"اں"

"سہا جات"

"اں اہم از کم ایک طویل مدت تک"

اب میں کسی لمحہ کو کہ میں تیار ہو کر اپنا کام کو سکون کیا۔ اب شاید مجھے کئی سال تک  
آگ کی بجائے کے سامنے بیٹھا رہنا پڑے گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی میں اپنے  
اسمان میں کامیاب ہو سکا اور اسے ہوتا رہے پاس ہو سکا۔ پھر ہم دونوں ایک غیر فانی  
سکون کی راحت کی زندگی گزار سکیں گے۔"

یہ سن کر مار گارٹ کی آنکھوں سے ہنسنے والی آنسوؤں میں ہنس دم دم  
کرتے لگا۔

"کون جانے کہ وہ دن کب آئے گا۔ ممکن ہے ہر وقت تک ہم سے دور شباب  
ہی نصبت ہو جائے۔"

"کیا ہمارے کسی بانیوں کی ہو۔ جب زندگی غیر فانی ہو جائیگی تو جوانی بھی  
غیر فانی ہوگی۔"

"اچھا تو جادو تمہارے یہ کل سے میرے ختم واداک سے باہر ہے۔ جس صورت  
اتنا ہی مجھ پر ہی ہوں کہ میری قسمت چوتھی ہے۔ جو ختم واداک پس آئے۔ لیکن  
ہر حال میں جلد واپس آؤ یا دیر میں، یہ یقین رکھو کہ میں تمہاری ہوں اور تمہارا ہی ہوگی۔"

اس کے بعد دونوں میں جدائی ہو کر باہمی ملاقات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ایک طویل  
دور تک سائنٹفک تجربات کی تکمیل کے لئے اور پھر دورانِ تجویز میں مختلف قسم کے لوازمات  
عمل فراہم کرنے کے لئے رستے میں زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک سفر کیا۔ اور  
پھر سرس آ کر ایک غیر آباد کوہ میں ایک مختصر سا مکان لایا۔ پر لیکر رہنے لگا۔ اس کے ایک  
کرہ کو اس نے دارالعمل بنایا۔ وہ قدیم کتابوں کے ڈھیر، پارچہ پینٹ سپر اور بے شمار  
سائنٹفک آلات سے شہر و زندگی گزارا۔ وہ نہایت ہستہ و پستہ کیساتھ اپنے  
کام میں مشغول ہو گیا۔ اس کی ایک خاص بات یہ تھی جو اپنی خواہش مرضی کے مطابق اس کی بھوک  
پاس کا خیال رکھتی تھی۔ وہ صرف ہندوستان کے ملک کی غذا و غذا کو کھانے کو کھانے  
تھی۔ مگر وہ میں داخل ہونے کی اسکو اجازت نہ تھی۔

اس طرح اس نے متعدد سال تک تنہائی میں وہ کہ وقت گزار دیا۔ نہ اسے  
یہ معلوم تھا کہ اس کوہ میں دیانت کشی کو کتنا زمانہ گزر گیا ہے اور نہ یہ پتہ تھا کہ اب  
اسکی عمر کیا ہے؟

اس عجیب زندگی میں کتنی تکالیف و مصائب اور مشکوک دنیا بھر سے  
اس کو وہ چار پہنچا پڑا۔ یہ کون بنا سکتا ہے؟

بلا خواہی زندگی خواہش پوری ہوئی اور اس کی مس و محنت باندہ ہو کر  
رہی۔ وہ ایک ایسے عرق کا معرکہ میں کامیاب ہو گیا جس کو یقیناً آپ جانتے کما  
جاسکتا ہے۔ ادب آپ جانتے بھی اتنا فریاد کہ اس کا تجربہ اس نے اپنے جسم پر کرنے  
میں بھی کوئی بھوک محسوس نہیں کی۔ اس سے پہلے اس نے جانوروں پر بھی  
تجربات کئے تھے مگر کوئی بھی تجربہ غیر ثابت نہ ہوا تھا۔ وہ اکثر جب کسی کے زندہ رکھنے  
کی کوشش کرنا تو اسکو موت اپنے آغوش میں لے لیتی تھی مگر اب کوئی شک باقی  
نہ رہا تھا۔ زندگی کا آغاز ہر نام کماں ہے؟۔ وہ اس ماز کی رہنما  
میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اب موت کے مقابل میں اس کی طبیعت کا محاذ تھی۔  
اس اسکا کردہ آپ جانتے کماں میں اس نے اپنے جسم میں دوش و دل، اذان  
فوت کو تین طرز محسوس کیا۔ وہ کافی عرصہ تک ہی وہاں اٹھنے کی دوسرے خدا کو  
محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ اس خدا کو مدد بھی کیا تھا کہ اسکا سر آدھار دوش کا لہار لایا  
کے لئے جو مدد ملتا تھا لیکن اب جتنا کہ وہ تھکا ہوا تھا اسکو اپنی دلوں میں نکال  
معلوم جتنا تھا، عالم غریب میں اس کے لئے "سائنس" کا نام نہ تھا۔ "کائنات" کا نام نہ تھا۔

لیکن شدت ترس نے اس کے جسم میں ایک لرزش سی پیدا کر دی اور ایسی حالت میں اس کے ہاتھ سے آپ جیات کی قبض نیچے گر کر ٹوٹ گئی۔ وہ بڑی تیزی سے دوچار دار ٹوٹی ہوئی نیشی پر بھٹا۔ قریب کی روشن بجتی کی ٹنگوں میں اس نے دیکھا کہ ٹوٹی ہوئی نیشی میں آپ جیات کا سر ایک غلطوہ افقی ہے۔

”ایک ہونہ صرف ایک ہونہ۔ یہ بڑا مارگارٹ کے لئے ہے اب دینا ختم ہو جائے۔ میں اس کی پروا نہیں۔ ہمارے لئے تو غیر فانی زندگی یقینی ہو چکی ہے۔“

یہ کہہ کر وہ مکان سے باہر نکل پڑا اور بالکون کی طرح سر ٹکیں طے کرتا ہوا، شہر سے گزرتا مارگارٹ کے چچا۔ بھی اس گریب کے بڑے پادری کے مکان تک دوڑا ہوا گیا۔

ان کی صحبت جو کرنے پر وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ان کے انتقال کو بیس برس گزر چکے ہیں۔

”اچھا۔ لیکن مارگارٹ؟“

اس سے سننے میں بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ اس صلیب اس سے کوئی واقف نہ تھا ایک غصہ نے صرف اُنہاں کے دل پر مار مار مار مار نام کی ایک دو تیرہ سے پہلے واقف تھی اب اس کے ذہن میں اس کا ایک دھندلا سا عکس باقی رہ گیا ہے یہ معجزہ مارگارٹ کی جستجو سے ہوئی عداوت پر آمادہ ہو گئی۔ اگر یہ رستہ سر کی سادوں نہ بنتی تو مارگارٹ تک اس کی رسائی ناممکن تھی وہ بڑھیا کی رہنمائی میں سر تک پر کچھ دھندل کر ایک جھٹکے سے دو منزلہ مکان کے سامنے رک گیا۔ اُس نے کانچے چمکے ہاتھ سے دھک دی۔ دروازہ کھلتے ہی مارگارٹ کا نام اُس کی گھنٹی کے اندر سے جواب دیا۔

”یہاں نہیں جی؟“

”نہیں سو گھر میں داخل ہو گیا اور چاروں طرف مضطربانہ دیکھتا ہوا بھاگتا رہا۔“

”مارگارٹ جینبرو! مارگارٹ جینبرو؟“

ایک زرد و رو مضبوط دانتوں اور ضخیم الجھنے بڑھیا آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی کاہنی ہوئی وقت نام آٹھ اٹھ اٹھ اٹھ گئی۔

”مارگارٹ جینبرو تو قیام میں ہی ہیں؟“

”نہیں بڑھیا ایک نام پلا ہو گئی ہے! میں مارگارٹ کی جستجو میں ہوں۔ وہ حیرت سے خولہ میں ہے۔ جہاں ہے۔ اُس کے بال شستہ“

میں۔ اُس کے لب سرخ ہیں۔ اس کے بعد دیوار پر آدیناں ایک بڑی بڑی آنکھوں والی جینے کی تصویر بیکھر رہی ہے میری مارگارٹ۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اسی نے مجھے اشتہار کا وعدہ کیا تھا۔“

مارگارٹ نے ابتداءً تصویر پر ایک یاں آگیاں اور صرف فیض نظر والی اور پھر اُس کے چہرہ پر ایک غم آمیز ترسم کی لہر دوڑ گئی۔

”میں میری ہوں۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دے رہی ہوں۔ میں اُس وقت سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ مگر غم نے بہت دیر کر دی۔ تمہارے آنے سے بیشتر ظالم و بے رحم نادنے آکر میرے اس خوبصورت چہرہ کو اس بھدڑی شکل میں بدل ڈالا۔“

”تم ہی مارگارٹ ہو۔ تمہاری یہ حالت ہے۔“

”بڑھیا کے چہرہ پر اب بھی وہی یاں آمیز ترسم کھیل رہا تھا۔“

”لیکن رستے جو تم کو کیا موقع ہے جو۔ کیا تم میں کوئی تیز رو نہ نہیں ہوا،“

درا ایک بار اپنے چہرہ کو آئینہ میں دیکھ کر وہی میرے دوست؟

یہ کہہ کر مارگارٹ اس کا ہاتھ پکڑ کر آئینے کے سامنے لگ گئی۔

رستے کو آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر بے اختیار جلاٹھا۔ اس کو اب محسوس ہوا کہ گویا وہ ایک جوانی کے عالم میں سویا تھا اور اب شست بڑھیا کے عالم میں پیدا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگا۔

”کیا میری شبانہ روز ریاضت و محنت کا یہی نتیجہ ہے؟“

”نہیں دوست! یہ تو اقصائے عرب ہے!“

”اچھا یہ بتاؤ ہمارے آخری ملاقات کو کتنی دیر گزر چکی ہے؟“

”تقریباً نصف صدی؟“

رستے جو دونوں ہاتھوں سے سر کو کڑکڑی پڑھ گیا۔ ”اودھن سر“

”کیا یہ ممکن ہے؟“

اُس کے دل میں فتنی طور پر جذبہ تاملت پیدا ہوا۔ لیکن وہ فوراً ہی

ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں غم غم کی جگہ پیدا ہو گئی۔ وہ کہنے لگا۔

”جو شخص جات ابھی کا ملک ہے اس کے نصف صدی کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟“

یہ کہہ کر اس نے اپنی انگلی میں سے ایک سونے کی انگوٹھی نکالی۔ جس کے گونہ

میں آپ جیات کا ایک غلطوہ موجود تھا۔ اُس نے انگوٹھی مارگارٹ کے ہاتھ





باہت جانت ہے۔

اب وہ اپنی ذات پر ایک زہر کا تجربہ کر کے سخت قسم کی تکالیف میں مبتلا ہو گیا تھا۔ چرخہ کر اس کے چہرے موت سے نجات حاصل کر لی تھی۔ لیکن تکالیف و معائب سے اسے چھکارا نہ ملا تھا۔ کچھ درد کی وجہ سے اس کا جسم بڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے کراہنے کی آواز دُور سے سُنائی دیتی تھی۔ لیکن پھر روخہ کو تکلیف گذر جانے پر اس کی زندگی کی سسین تیزی سے چلنے لگتی تھی۔ بالآخر وہ ایس ہو گیا۔

اس حالت سے بیشتر وہ ایک عظیم الشان ماہر سائنس کی بہت کچھ تعریف سن چکا تھا۔ اب سمجھتا اس نے اس کی طرف رجوع کرنے کا قصد کیا۔ مگر حیب یہ وہاں پہنچا تو ضیف العز ساندل بستر رگ پر دراز تھا۔

دستے کو اجازت پا کر گھر میں داخل ہوا۔ اس نے اس کے چہرہ پر کوئی انسانی علامت نہ پا کر گھر کی عورتیں اور بچے خوفزدہ ہو گئے۔ دستے کو ساندل کے پاس پہنچ کر کہا۔

”میرا اعلان کیجئے؟“

”تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں موت کا خواہشمند ہوں!“

”کل طلوع آفتاب سے پہلے ترکانا، میں تم سے زیادہ خوش قسمت ہوں۔ میری زندگی ختم ہو رہی ہے۔ موت میرے قریب تر ہے۔“

”اسکی وجہ سے آپ کو کوئی انفس نہیں؟“

”میرا کام ختم ہو چکا ہے۔“

دو برسے روز دستے کو ملے جا کر دیکھا کہ بڑھا باب ساندل بالکل زہر یا لہر لگ ہے۔ کثرتِ درد سے بیاب ہو رہا ہے تاہم اس نے پوری قوت سے ٹھکر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کل سے میں اس امر پر غور کرتا ہوں۔ سینکڑوں نتائج اخذ کئے ہیں لیکن میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ خالق کی مرضی یہی ہے ہمیں ناامید نہ رہنا پڑے گا۔“ لیکن تم ناامید نہ ہو، میری بات آخر تک سنو۔

جو کام ایک آدمی انجام نہیں دے سکتا وہ کسی آدمیوں کے ذریعہ انجام پذیر ہو سکتا ہے سائنس ایک آدمی، ایک پشت، یا صرف ایک ذہن کے نہیں ہے۔ میری تمام کتابیں بڑھ کر تہ عقیقت کا صرف ایک جزو یا کونٹے۔ میں نے عوام کے تھکن و بہبود کے لئے کچھ کوشش کی تھی۔ اس لئے کچھ مفاد حاصل کر سکا ہوں۔ تم میرے زمانہ سے

پیش کی تعریف شدہ کتابوں کا مطالعہ کرو اور میری موت کے بعد جتنی تعابیف ہوں ان کو بھی دیکھنا اور تم بذاتِ خود بھی تجربات میں مصروف رہنا۔ اگر خوش قسمتی سے تم بھی عوام کی فلاح کے کاموں کو آگے بڑھانے کے قہرِ صداقتِ علمی کا شہر ہو گئے دے سونے کا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اب تک خاموش بیٹھا ہوں؟

”ہاں تم نے اپنی ذات کے لئے جدوجہد کی ہے عوام کے فلاح کو نہیں کیا۔ جس نے اس کا کوئی بہتر تجربہ نہیں کیا۔ اگر تم غلطی کی جھلکی کے لئے کوشش کرتے تو اپنی محنت کی مناسب قیمت حاصل کرتے۔“

یہ کہنے کہنے ڈرتے ساندل کی ادھر فیس غصہ سے پرواز کر گئی۔ اس کے اعز اور اوقاف جو اس سے محبت کرتے تھے، رونے لگے۔

یہاں دستے کو کسی قدر سکون فروزا، مگر تہمتا ادا اس اور بے مہین ہی والیں آتا پڑا۔ اسے ابھی ایک غیر معلوم مدت تک معائب برداشت کرنے پڑیں گے۔ گویا اس کا دل پر اُمید تھا۔ مگر ساندل کی آخری گفتگو اس کے لئے مطمئن کن ثابت ہوئی۔ وہ اب زندگی کے آخری دور کا یقین وقوع کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔

لیکن اس کے آنے میں بھی بہت دیر ہے۔ ابھی اسے بہت عرصہ تک کام کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف مایہ ناز سے لکھنے والے سائنس کے کاموں میں بھٹکا ہو گا۔ علامتے درپیش سائنس کے کثرتِ زاریں جو بیچ دیا تھا۔ اپنی اٹھک ساعی جہد کی ثبوت ایک مقدس سید لکھ میں سنا کیج کو بار آور دیکھ کر وہ بے ساختہ بکا رہا تھا۔

”تاریکی دھند ہو گئی۔“ اب روشنی کا تصور ہے۔

اتنی طویل مدت کے بعد اس نے زندگی کے نعم البدل کے طور پر موت پائی۔ وہ اپنے تنگ قبر پر زندگی کی عبادت کندہ کر دینے کی وجہ سے کر کے مر گیا۔

”روشنی جس طرح تاریکی کو ختم کر دیتی ہے، علم اسی طرح برائیوں کو دُور کرتا ہے۔ انسان اگر درخشاں کی تلاش و جستجو میں نہیں، بلکہ فرضِ عبودیت کی ادائیگی اور پرستشِ عبودیت میں غرق و غافل رہتا ہے۔ اور روعِ دنیوی تعلقات، لاعلمی اور زہمت سے نجات پا کر اس مقدس و عظیم عالم میں پہنچ جاتی ہے جو غیر منتہی ہے۔“

اتینازیمی

(فریسیسی بی۔ بی۔ میں سے)

## جامِ مینائی

کافر کو ناز ہے ہم پر وہ مسلمان ہم ہیں  
تم نے کی وعدہ خلافی تو پشایا ہم ہیں  
دووں ہاتھوں سے بھٹال ہو کر دلا ہم ہیں  
ایک افسانہ غناک کا عنوان ہم ہیں  
دیر سے سوچ میں بیٹھے ہیں کیا ہم ہیں  
شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے انا ہم ہیں  
اپنے قاتل پر ہر خشر بھی قرباں ہم ہیں  
وہ مسلمان اگر ہے تو مسلمان ہم ہیں

کافر عشق بت دشمن ایساں ہم ہیں  
تم نہیں عہد شکن کہتے تو ہیں ہاں ہم ہیں  
تیری بخشش کی کوئی حد نہیں بنے والے  
آوہ کہہ کے نکلتی ہے دل پر غم سو  
بال بھرا ہے ہونے کوں ادھر سے نکلا  
وہ خدا سان جسے سجدہ ملا ہونے کیا  
کچھ گلہ ہم کو نہیں خون کا دعویٰ کیا  
ہم بھی کافر ہیں جو ہے وہ بیت کا فرما

دیکھنا ہے جگر انجمِ محبت کیا ہو  
یار ہے کافر بدکش مسلمان ہم ہیں

## تیری کہنے سی

زندگی گذراں کا ہے یہ عالم تیرے کہنے سے  
آنکھیں سوزاں درد جگر میں، دل افسردہ افسردہ  
کیف نہیں ہے دن میں باقی راتیں بڑاں بڑاں ہیں  
خوابیدہ جذبات، انگلیں افسردہ، دل افسردہ  
تیرا اشارہ ہلے ہی بڑھ جاتی ہے دل کی مینائی  
سوزش دل جب بڑھتی ہے آنسو بھی ٹپک کر نہیں  
تیری توجہ سے نامن بھی ممکن ہو جاتا ہے  
اپنی تباہی پر بھی اکثر تیرے کہنے میں پناہوں

عین سکون دل ہے سوزِ پیم تیرے کہنے سے  
ہے دیناے محبت برہم برہم تیرے کہنے سے  
صبح سرت ہو دی شام پر غم تیرے کہنے سے  
میری جوانی ہے خوشیوں کا نام تیرے کہنے سے  
درد جگر ہونے لگتا ہے کم کم تیرے کہنے سے  
شعلہ روشن ہو جانے میں باہم تیرے کہنے سے  
نشتر اکثر بن جاتا ہے مرہم تیرے کہنے سے  
خاک شدہ آنکھیں ہو جاتی ہیں ایم تیرے کہنے سے

دل کا سکون آنکھوں کی نیند آرام جو جانی لطف چٹا  
یاور نے کیا کیا کھویا تے شبنم تیرے کہنے سے

یاور بخار

# ”ش“ اور ”ش“

ان تمام ارباب محبت کو اٹھانے کا نہیں باز کا زرد دشت میں زیادہ سے زیادہ روبرو  
مائل تھا۔ جب سب اٹھ گئے تو انھوں نے سہول کو خوب شراب ملائی یہاں تک کہ  
جب سب کے سب مت ہو گئے تھان سے زرد دشت کے احکامات سے متعلق پوچھا گیا  
چنانچہ ادھر سہول نے اپنی اپنی واقفیت کا اظہار شروع کیا اور ادھر ادھر انھیں منضبط کیا  
جائے لگا۔ یہاں تک کہ جن جن مسائل پر تمام محبت یافتہ زرد دشت نشرہ بازوں کا  
اتفاق ہوا انھیں کجا کو کے کتاب ”زندہ“ مرتب کی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت سے  
ایران میں ادب کے ساتھ عربوں سے بہت پہلے شراب کا گہرا تعلق ہو چکا تھا پھر جب  
وہاں عرب پہنچے اور ان کے ساتھ ایک نیا اور شراب میں شراب پر پختہ پہنچا تو شراب  
نے ادب پر اور بھی اپنا گہرا رنگ چھایا۔ یہاں تک کہ جوقیت عاسی خلفا کا دور ہوا ہے  
شراب اور خوراک باہم کچھ اس طرح تعلق ہو چکا تھا کہ کوئی شراب شراب کے بغیر خوراک ہی  
نہیں سکتا تھا۔ پھر اس کے بعد اس شراب شراب نے گھل لے کر ایران میں جو مرستیان  
دنگیاں اور رنگ دیاں بھائی ہیں ان کا تو پتہ بھی کیا ہے۔ بعدی وہاں کی سکو  
صوفی پاکیزہ بھی اس سے دامن کش نہ رہ سکے نہ صرف اُنہاں ہی بلکہ انھوں نے ایران و  
ہندوستان کو ایک کر ڈالا۔ پھر اردو شاعری اس سے کب محفوظ رہ سکتی تھی؟ یہاں  
بھی شراب و ادب نے ہمیں ہر رنگین مزاج کو اپنایا۔ ایسی صورت میں پکارے شاعرانہ کلام  
ابنا دامن کیسے کھا سکتے تھے یہ بھی اس سمندر میں کدے اور خوب خوب نہاتے۔ یہ  
بھی اس رنگ میں ڈوبے اور خوب خوب ہویاں کھیلیں۔

شاد کے ایک ممتاز شاگرد (جناب اختر کاوردی) نے ”شاد کا رنگ نغزل“

”لے زرد دشت“ اور ”زرد دشت“ دونوں میں یہ پانچ پانچوں کا بغیر ہاتھ بے زرد دشت  
شہر وانی حکم فرما کر شاد کا بہت شہرہ شاد تھا۔ اسے سوچ کر سلسلے بنایا جاتا ہے  
اس نے گشت سب کے تھانے میں تون کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ اسے بعض آتش پرست باہم بھی  
کہتے ہیں۔ زرد دشتی اسکے احوالی و احکام کے مجرور کو ”زندہ“ کے نام سے شہرہ ہے۔ آسمانی صوفیہ  
کا سرتیوہ ہے جس کا  
عطار اللہ

اس معنی کا عنوان ”دو شبنم“ دیکھ کر عام طور سے لوگ ”شعر و شاعری“  
”شعیب اور شراب“ ”شاعر اور شاعر“ ”شباب اور شہاب“ ”شاعر اور شادی“ ”شعر اور  
شراب“ غرض جیسے کیا کیا خیال آرائی اور طبع آزمائی کریں گے۔ اس لئے کہ آجکل لوگ  
بالعموم ایسے ہی عنوانات پر مضامین لکھا کرتے ہیں۔ مگر میں قارئین کو اُلجھانا نہیں چاہتا۔  
دہرل میں مختلف سرخی کا مکمل عنوان ہے۔

## ”شاد اور شراب“

اور شاد سے مراد شاعرانہ بادی ہے۔ ایک دوسرے کے شاد کے اعداد (۳۰۵)  
آئے ہیں اور شراب کے (۵۰۳) گویا اس جواب سے جس طرح ”شاد“ اور ”شراب“ کا  
ابتدائی حرف ایک ہے۔ اسی طرح ان کے اعداد کے اشکال بھی باہم مائل ہیں اور  
اگر ان دونوں کو باہم فروغ کر دیں تو ان کی مجموعی تعداد ہر حال میں ایک ہی آئینگی  
(۸۰۸) یعنی وہی ”ش“ اور ”ش“ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ”شاد“ اور ”شراب“ باہم  
خیر و شر کی جیت رکھتے ہیں۔

عربی شاعری میں ابو نواس، فارسی شاعری میں حافظ اور اردو شاعری میں  
رباعی نے ”شراب“ کی وہ بھی بھائی ہے کہ خدا کی پناہ۔ ان کے دواویں دیکھنے کے بعد  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب انھوں نے اس عنوان پر اور کسی کے لکھنے کے لئے کوئی کھائش  
ہی نہیں بھڑکی ہے مگر اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ ان ہر سترہ زبانوں کے تقریباً  
ہر شاعر کے قلم سے کاغذ کی سادہ بل پڑ رنگین شراب ضرور پھیلی ہے۔ ایسا ہونا بھی  
ناگزیر ہی تھا۔

اردو شاعری جو یہ ہے فارسی شاعری کا جہاں ادب کے ساتھ شراب کا تعلق  
عربوں کے آئے سے ہزاروں برس پہلے ہو چکا تھا ”زندہ“ ہوا عربیوں کے زرد دشت  
خوب کا بہت گراں قدر مخزن ہے، شراب ہی کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ جب  
”زرد دشت“ کا انتقال ہو گیا اور اسکے متبعین و تقلیدین کو اسکے حکام منضبط طور پر نہ  
مل سکے تو انھیں بہت ہی پریشانی ہوئی اور انھوں نے خود زرد دشت کے اس قول  
کے پیش نظر کو، حالیہ سکر میں زمین سے نکلی ہوئی تمام باتیں دوبارہ آجاتی ہیں،

اور بازار سے لے آئے اگر ٹیگ  
جام جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

سے غرض نطلبے کس لہو سیاہ کو  
اک گونہ بخودی مجھے دن دن چاہئے

یقین

منت سے وہ کہے کہ ہمارا لہو پیٹے  
گرتی نہ جاتے جلد یہ بیار شراب کا  
اس وقت جلد آب کو بندہ کرے سلام  
گرا پ خوف مجھے روز حساب کا

گمراہ تھی ساتھ ایسے اشعار بھی بہ کثرت ہیں جو دو مردوں کے افکار سے  
ماخوذ کچھ جانتے ہوا اور نہ ان کی کوئی تاویل کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ اپنے اصلی معانی و  
مقاصد میں یہ پاکیزگی تمام نہایت ہی آب و تاب کے ساتھ دیوان کے معنی و مجملی سینے  
پر اس اداس کے ساتھ جلوہ فرما ہیں کہ دیوان ایک تختہ گل و گلزار ہی نہیں بلکہ ایک  
پُر بہار شجرہ بنا ہوا ہے اور مرے نزدیک اس کی اس بین فصاحت کو نظر انداز کر دینا  
یا ان کی لاجینی تاویلات کرنا یا تو مرث پاکیزہ طبیعت کی افتاد کا اثر ہے یا شاد کی  
بیان کردہ اس مجرا از حال کا اثر ہے۔

کچھ اس طرح سے چھانے ہوئے ہی منی شاد  
کر سیکھہ میں کسی نے نہ اقب ز کبیا

بر کین بر اصل مقصد اس مقام پر اس موضوع پر بحث کرنا نہیں بلکہ مرث ایک لطیف  
فسانہ نامہ ہے جسکا تعلق "ش اورش" یعنی "شاد اور شراب" سے ہے اس لئے کہ  
اگر یہ کہانی شادی نہ گئی تو شاد کی اس پیش گوئی کے تحت کہ  
اہل سلاطین کی سب کو آخر کسی ہانے تھک تھک کر  
نہ ہم رہیں گے، نہ ہم دہو گے نہ شاد یہ دانش مند کی  
بیہوشی میں وہ جاگیر، لہو لوگ اس کے لطف سے بے بہرہ رہ جائیں گے۔

ایک پُر بہار رات میں جبکہ نہر و فلک اپنی نیلگوں زرنگار ساری میں لبوس

لے یقیناً ایک ہوا فلک میں کیا ہر گھمگھما کر کہے۔ ہنر لفظ کے آخری دو شعر ہیں۔

ہی ٹوٹے بسوٹے ہیں کافی، قافیت کر  
بلوریں جام سے ای دینو آشام کیا ہوگا

چلا دے ایسی توستی کہ بخودی آجائے  
بلائے جاں ہی کجست ہوشیار ہی ہے

زادہ اگر پائیں وہی تھک کو جام سے  
تھکے تو بے پے ہو کر گونہ بن پرے

کے عنوان سے ملے گئے مگرین کے "تعلقات فخر میں شاد کی شاعری پر ایک گرافندر اور  
بسطہ تعال کھا ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ:-  
ایک جگہ فرماتے ہیں:-

"مرث شروں میں جلوہ شاد معنی کا پیدا ہے

نظر آتا ہے لفظوں کا نقطہ ہکسا لک پر وہ

اس لئے بادہ و شاعر، جام وینا، خم و چاند، رند و ساقی وغیرہ سے  
مجازی رنگ مراد نہیں بلکہ اصل حقیقت بطور استعارہ منظور ہے اور  
بقول غالب اس کے بغیر چارہ کار بھی نہیں"

یہ بالکل صحیح ہے کہ شاد کے یہاں یہ جو بھی نظر آتا ہے اور ان کے بہت سے اشعار میں  
اس حدیجی بدلتائی کی رسم اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ کارفرما نظر آتی ہے مگر  
یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ان کے بے شمار اشعار ایسے ہیں جو کچھ پڑھتے وقت  
اب معلوم ہوتا ہے کہ بدلتا شراب اندی ملی آتی ہے۔ فی نفسہ نہ تو چٹھا چلا آتا ہے  
اور یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بادہ و ساغر، جام وینا، خم و چاند اور رند و ساقی  
استعارات نہیں بلکہ اپنے اصلی معنی میں جلوہ فرما ہیں۔ اب اگر بعد جلد شرعی اور دوا  
کا زنا و طاعت غمبزی کے دریغ اسے بھی "بادہ و ساغر" کے پردے میں مشاہدہ حق کی  
گنگو "ہی سمجھا اور کہا جائے تو پھر تیر بھی وہی کوئی گنگا جو تیار نہ لے ایک ایسے ہی  
فدا پرست متفقہ حافظ مضمون نگار کی ایسی ہی تاویلات کے جواب میں کہا تھا یعنی:-

"اگر حافظ نے واقعی سب کچھ ایسی معنی میں کہا ہے جو صاحب مضمون

ظاہر کرتے ہیں تو شاد ہی حافظ سے بزرگ کی شاعر دنیا میں پیدا ہوا

ہو، لیکن اگر اس فریب نے الفاظ کے وہی معنی لئے ہیں جو عام ہیں

تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے زیادہ حافظ کی قوم کوئی اور ہو سکتی

ہے جو صاحب مضمون نے ان تاویلوں سے کی ہے"

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس عنوان کے بعض شعر شاد کے یہاں ایسے نظر آتے ہیں جسکا تعلق  
تقلید، تتبع یا نقل سے معلوم ہوتا ہے اور میں انھیں مرث ہیضہ قدیم کا فیض کہہ سکتا  
ہوں شاد

شاد

ساتی نے اسکو جھکے جو دیکھا رہتی تاب  
کا پناہ اپنا ہاتھ کر میں چھلک پٹا

سودا

کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا  
ساغر کو مے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

اپنے سیاہ بالوں میں اٹھال چنے اور اپنی پریشانی میں چاند لگا سے ہو کر  
مخوام تھی امدادی کائنات اس کے صن درخان سے تکلیف و سرور ہو کر کھڑی ہو  
میں غوطے کھا رہی تھی۔ فراق زدہ، محو دل اور جو نصیب طول خدادی نے ایوانِ شہر میں  
بٹھی بنائی کے ساتھ مل رہے تھے، یہاں تک کہ انہیں کچھ خیال آیا اور وہ سے  
یہ سے سنسن درود فراق سے اسے شاد۔ جو ایک گھنٹہ ہی کی سی تھی تو دل بٹھ جائے  
گھٹانے ہوئے گھر سے نکل پڑے۔ کچھ سی دور گئے ہو گئے کہ سنا دل لگا۔ اور پھر نظر  
دورانی اور داخل ہو گئے۔ اندر پہنچے تو دیکھا کہ کھانا نہ پڑا ہے۔ نہ تم سے نہ سمجھ نہ چا  
نہ سنا، صرف ایک ساقی ہے جو خاموش بیٹھا ہے۔ ساقی کی نظروں میں کدو سے ہیں جو  
خدا پر پڑی تھوہ جرت زدہ سا ہو گیا، شاد و ناگے کہ ساقی کیوں محبوبت ہے۔ یہ بھی  
ساتھ ڈرے کہ البتہ میری کچھ دور سے بولے یا مرانام نہ ڈالے۔ لہذا بڑے نواز  
انوار میں فرماتے گئے کہ:-

میں نعلے ساقی نہ تھا، یہی سیکھی کا ہے سدا

دہی کھٹے تو حلال ہو دہی رکھنے تو حرام ہے

ساقی نے سنا کہ انہیں ایک طرف بیٹھ گیا اور پوچھا کہ حضرت! خیر ارادہ ہے؟  
خدا نے تو جواب دیا، ارادہ کیا، بس یہی خیال ہے کہ:-

لکھنا ہے جو سب گل میں غوں پر خم ساقی

یقوت کام کا تھا کچھ تو کام کر لیتے

ساقی نے سنا کہ ارادہ کیا کہ کھٹے سب کچھ انعام ہو جائیگا۔ شاد باطنیان تمام  
بٹھ گئے، گو گھنٹوں گزر جائے کہ بعد بھی نہ خم آئے نہ پناہ۔ حدیث ہے کہ ساقی اپنی جگہ  
سے ہا بھی نہیں، شاید وہ اندر دلوں کا منظر تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر شاد بہت گھبراتے  
اور بڑی بے مری کے ساتھ فرماتے گئے:-

کہاں سے لاؤں میری حضرت! یو بآ احوالی؟

خم آئیگا، امرامی آئے گی تب جام آئے گا

ساقی اس دالمانہ بنائی اور مرتنا دارنگی پر ہنس پڑا اور ایک اداس خاص ہو کر اٹھ کر  
اُس نے شرف گون شراب سے بھر ہوا بنا اور اُس کے ساتھ ساتھ ایک بتوں  
چاند لاکر رکھا۔ شاد گئے کہ اب دور ہے لہذا مرے میں آگے اور ساقی سے فرماتے  
گئے:-

نہ تھا میں مقتدا حماد سے کا

بڑی شکل سے منوایا گیا ہوں

مگر ساقی خاموش اپنی جگہ پر بیٹھا ہا یکایک ایک اور

صاحب بھی پہنچے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ ایک رند بیٹھا ہے اور اس کے سامنے چما  
کے ساتھ سر پھر رہا ہے۔ شاد کو اشارہ کیا کہ بیٹھے کیا ہو دو رہے۔ شاد  
نے بڑی بچا کرگی سے جواب دیا:-

کوئی بنا سے تھوہ ڈال بس بے اذن کیا مکمل

یہ چمنا ہے ساقی کا کہاں کیا اختیار اپنا

مگر یہ رحمت منظور زیادہ در تک نام نہ رہا، یکے بعد دیگرے دو چار بنوا اور پہنچے  
جنہیں دیکھ کر ساقی اپنی ماری اور گلی سبت اٹھاتا ہوا بنا و چماڑ کے نزدیک  
پہنچا اور بنا کی ہر توڑ کر گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔ قفل کی۔ از کانے میں  
جائے ہی تھا دیکھ کر اٹھے اور ہر اپنے فرماتے گئے:-

جام کی بندہ دان نے تو مارا تھا مجھے

جی لیا میں قفل چنا تری آواز سے

یہ بچے تو یہ قفل بھی، کیا خاص کف رکھا ہے جب ہی تو ہونا چاہی  
علاوہ فحمت اس سہاں کدو دیکھ کر ایک مرتبہ بیاختہ بکار اٹھے کہ:-

ازہر احمی دوبار قفل سے

پیش چاکی باز چاقل است

ہر کیف، ادھر ساقی نے بھر ہوا سرخ چماڑ گورے گورے ہاتھ میں اٹھانا۔ ادھر  
خدا کو یہ خدشہ ہوا کہ ساقی کہیں یہ جام دور میری طرف نہ بڑھ دے لہذا پرتل  
PERSONAL TOUCH کے لفظی اصول کو کام میں  
لا کر بیاختہ بکار اٹھے کہ:-

"خدا ہاتھ کے اور سر لیا لب کے"

ساقی بھی چلا ہوا تھا مطلب کچھ لگا اور ایک لطیف ہنس کے ساتھ اُس نے جام  
خدا کی طرف بڑھا دیا۔ شاد بڑی قربانی کے ساتھ بیا لیکر چڑھائے اور پھر منہ پوچھ  
انوار شکر میں فرماتے گئے:-

بزاؤں تری اس عطا ہے اسے ساقی

جو ایک جام دیا، لاکھ کیا کروڑ دیا

پھر تو دور رہ دور پہنچے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ ختم ہونے پر آیا اور بے پروہ  
کا آخری پیالہ پھر شاد کا حصہ قرار پایا۔ سب لوگ قذافی طرف دیکھ کر طنز آسکر لے  
گئے۔ شاد اس رندانہ گو گلیا کچھ کہتے تھے وہ اس سکرابٹ کو طنز کچھ تو فرماتے گئے  
گردو دیا ہے جو ساقی تو تو دیا ہے جام برداں نور کدے ذرا پھان لیا

مگر جب پیاؤ شاد کو لا تو شاید بھانا بھول گئے یا پھر بھانسنے کے بعد بھی دردِ تہجد  
اپنا کام کر ہی گیا۔ کیونکہ ایک گھنٹ سے زیادہ تھک دے نہ پیایا۔ بڑی محنت کے ساتھ  
پیارے منہ سے ہشیا تو دیکھا کہ ساقی نہ ادا ہے۔ شاعر تھے نا۔ قوربات سو بھگتی۔  
ندیموں کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے:-

ساقی نہیں کوئی کہ نہ تیریں طعن میں بھندے

ہم لاکھ پسینے گھنٹا توڑے ہی نہیں ہیں

اتنے میں ساقی بنا کو دوبارہ بھر کر لے آیا، دیکھا تو شاید تھک میں جام لے ابھی تک  
بیٹھے ہیں۔ لہذا اس نے سکرا کر حق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ بس اتنے ہی میں  
یہ حال ہو گیا۔ ابھی تو دو فحشوں کا توں بھر ادا ہے۔ شاید اس اشارہ کو سمجھ گئے  
فرمانے لگے:-

ختم نہ دکھلا کہ یہ سہوہہ طبیعت میری

ساقیا! ٹوٹ کے آئی جہر آتے کی

بڑے بول کا مرنے والا تو بغیر جوں جوں تھک دے جاتی لیا مگر جب دوسرے بنا کا  
پہلا جام تھک کر حق کی طرف بھرتا ہی نہ بھرا اور دوسری ابتدا صاحب سابق تھک دے کرنی  
چاہی تو شاید گھبراٹے اور لینے کو ساقی کے ہاتھ پیر لے لیا مگر محبت تھے لہذا منہ کو  
لٹکانے بھی نہ پائے تھے کہ لڑکھڑاکے کر بیٹھے۔ جام ادا ہے چھٹ کے باقی باقی  
ہو گیا۔ جام۔ "شاعر کا دل" تھا کہ اسکی شکستگی میں آواز نہ ہوتی۔ سارا کمرہ  
جھنجھٹا اٹھا۔ شاید اسے چونک کر مینھا لایا تو دیکھا جام ٹوٹے ٹوٹے ٹپٹپٹے اور  
ساقی سکرا رہا ہے۔ شاید اس سے لہذا ساقی کا یہ تشبہ طرزِ تشکر کا کام کر گیا۔  
بڑی ندامت کے ساتھ فرمانے لگے:-

تو دے الزام پرستی کا اک افتاد تھی ساقی

مرا گونا بھرے ساغر کا چمکنا چور ہو جانا

ساقی کو یہ قدر گناہ بھائیگا۔ جس نے دوسرے جام حاضر کر دیا اور بات آئی گئی ہو گئی

(نثر: طاہر انور ص ۳۳)

بنا ہے سر آکھوں بہ مگر آج تو ساقی  
تو آپ پلا دے کہ مجھے ہوش نہیں ہے۔

ساقی بھی بگلا تھانے اور سوزِ ندکی بات کیسے حال دینا چاہتا ساقی نے جام منہ سے  
لگا دیا۔ اسے کچھ حلق سے آڑی ادب کچھ باہر گڑی جم جھپٹوں نے جو شاید کاہے کچھ جان بکھا  
تو سکرا کر ایک ختمِ ظریف نے آواز دی مولوی صاحب! نماز پڑھے۔ بیٹے ناحق شرب  
پینے کا جو مال کیلئے۔ شاید شرب میں چور تھے۔ سمجھ کر شاید نماز کا وقت آ گیا ہے  
ادھر آؤں دیکھ کر بڑی سادگی سے فرمانے لگے کہ:-

کیوں تو جام دھرا ہے کسی جگہ مینا کہہ کر بھٹکائے سر اس کا ہر نماز کرے  
اس جواب پر تمام جم محبت میں ختم کھلا کر منہ پڑے۔ شاید اس بیوی پر چڑچڑاہٹ  
ہو گئی اور نہایت برہمی کیا تھ ساقی کو مخاطب کر کے کھڑکھڑاٹے:-

پہلے جوں بھی ہو گئے آگے حریف نے کشاں پر بھال لٹ کے ختم نہ شرب تھا کہ  
لوگوں نے اب جو یہ رنگ دیکھا تو سچ گھبراؤ اور دام چکا چکا کر آہستہ آہستہ  
رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے زحمت ہو گئے۔ ساقی نے بھی سامان لپیٹا اور  
ایثار سے لیا۔ اب جو شاید کا غصہ تھا تو دیکھتے ہیں کہ:-

میکدہ میں وہ ساغر جو نہ ختم ہے نہ وہ جام جہل بے یار ہے ہم تن تنہا باقی  
ظاہر ہے کہ بھوہ کا ہے کو ٹھہرتے۔ لہذا بادل ناخاستہ شاید بھی یہ کوئی ہو کچھ نچاؤ کو  
سدا کر کہہ۔ افراط سے بی جانے میں جو کچھ نہ ہو کہ ہے

خمر مندہ بہت میکدہ و جام سے ہم ہیں

عطا راشد پالوی

(۱۰ جہیز)

- (۵۹) جناب شیخ ایم آر شاہ صاحب ایچ بی ایل بی آر این بھائی دیشو (ایثار سے مراد)
- (۶۰) جناب خادم حسین صاحب قادم زبانی جلیو سے مراد
- (۶۱) جناب لاہوری صاحب بیگم لاہوری سے مراد
- (۶۲) جناب شری رامی صاحب آڑی سالی رتا بگدھ دلا حامی شیخ محمد صاحب دوم زمین بنگلہ سے مراد
- (۶۳) محترم سلی خان صاحب جہیز سے مراد
- (۶۴) جناب خان شری محبت خان جی آف کوٹھری باٹوا (کاٹھا وار) سے مراد
- (۶۵) جناب رابعہ خان صاحب شریف جہیز سے مراد
- (۶۶) جناب عبد الستار صاحب قادم زبانی (دلی) سے مراد
- (۶۷) جناب جمیل خان صاحب صاحب شاہجہان پوری کوٹھ سے مراد
- (۶۸) محترم سنگھ بی اے برادر بھڑا رام اینڈ سنز لی سے مراد
- (۶۹) محترم صاحب بنارسی (اکابر سے مراد)
- (۷۰) محترم سید محمد صاحب کراچی سے مراد
- (۷۱) محترم سید اسماعیل علی صاحب کراچی سے مراد
- (۷۲) محترم سید غلام علی صاحب کراچی سے مراد
- (۷۳) جناب علی محمد علی صاحب کراچی سے مراد
- (۷۴) جناب عارف ابراہیم صاحب کراچی سے مراد
- (۷۵) جناب صاحب آفرین صاحب کراچی سے مراد
- (۷۶) جناب صاحب کراچی سے مراد
- (۷۷) جناب صاحب کراچی سے مراد

## دھوبی گھاٹ

آٹا نہ سحر کے پیدا ہیں اور صبح کا تارا ٹوٹا ہے  
ہنگام سحر کے گڑوں سے راتوں کے لیٹے بھاگے ہیں  
شبنم کی جھکتی بوندوں سے پھولوں کی ٹوڑی چھلکے ہیں  
چلبیل کی اونچی پھنکوں پر کرنوں کا تانا بانا ہے  
لہروں کی روانی سے کامل دل کا دامن لہرایا ہے  
لکڑی کے ٹھنڈے کھیتوں میں شاداب تراوت قصا ہے  
وہ دیکھو جینا کالج کے ٹاور کی گھڑی میں آئندہ بجے  
دیکھو تو ذرا کتنا ستھرا، پیرا جینا کا پاٹ ہے یہ  
سائے میں لگاریوں کے دھوبی کچھ میلے کپڑے دھوئے ہیں  
مخصوص کچھ انکی آوازیں ساحل سے پرے کراتی ہیں  
ان غمخواروں، ناداروں کے سینوں میں خراش آدنیس

تابندہ افق کے ہاتھوں سے ظلمات کا دامن چھوٹا ہے  
بیدار ہیں کیوں کی آنکھیں سرسبز نکلائے جاگے ہیں  
فطرت کے روپہلی شانوں پر زرین دوشالے ڈھلکے ہیں  
ہر ذرہ ہے فردوس نظر آفانہ درافسانہ ہے  
جہنم کے کنارے پھر شاعر تفریح کی خاطر آیا ہے  
ملاحوں کے دھندلے چہروں پر بے کیف حلاوت قصا ہے  
خاور کی سنہری کرنوں سے بازار کے دھندلے روپ سجے  
وہ نیگرمی کلچر کالج ہے، وہ مل ہے دھوبی گھاٹ ہے یہ  
چہرے تو ہر گ کے خنداں ہیں لیکن دل سب کے دوتے ہیں  
دھارے میں نہا کر اٹھتی ہیں گرداب میں چکر کھاتی ہیں  
فطرت کے راز ہیں یہ لیکن ان میں فطرت کے راز نہیں

”چھوڑو کو اے نادارو! اک بات میں تم سے کہتا ہوں  
یہ ستھرے پیرا ہیں والے مکر اور ریا کے بندے ہیں  
سینوں میں دباے بیٹھے ہیں ہامان ویزیدی افسانے  
رانے کا سپیدہ پتیل پردن رات چڑھایا جاتا ہے  
ہاں! اے امید کے شعلوں کو دامن کی ہوا دینے والو

شاعر ہوں، خود اپنے پاکیزہ جذبات کی رو میں بہتا ہوں  
تن کے اگلے آتے ہیں نظر لیکن من کے سب گندے ہیں  
شعلوں کے جھاکے روشن ہیں دل کے دھندلے کاشانے  
اشکوں کے لرزے بانی میں طوفان اٹھایا جاتا ہے  
ممکن ہوا اگر تو تم ان کے اب گندے من بھی دھو ڈالو

جب نور کے ستھرے ہاتھوں سے ظلمت کی جبین دھل جائیگی  
عالم روشن ہو جائیگا، ساری قلعی کھلی جائیگی  
کامل رشید





پسینہ آنے لگا۔ ”میں خود اسٹیشن ماسٹر ہوں۔ نگہت میری لڑکی تھی۔ ”میری محبت جگر سے جڑ کر رہ گئی۔ ”نگہت تو مر چکی ہے۔ ”میں انہیں خیالات میں کھرا ہوا تھا۔ ”کراس نے پھر کتنا نزع کیا۔ ”میں خاموش تھا اور حیرت کا پتلا۔

”ہاں تو میں اور نگہت ایک روحانی چاندنی رات میں ملے۔ ”اس رات ہم دونوں میں محبت کے قائم رکھنے کے بہت سے عمل بیان ہوئے۔ ”میں نے نگہت سے کہا،

”نگہت! اظہارِ محبت لے لے۔ ”مگر آج میرے جذبات کچھ کہنے کیلئے جناب کر رہے ہیں۔ میں نہیں بوجھا ہوں دیوانہ وار۔ ”میری پاکیزہ محبت میری زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہے گی۔ ”اور نگہت.....؟

نگہت میری بات کاٹ کر بولی۔

”اچھا میں تمہارا سخت امتحان لوں گی۔ ”یعنی اس طرح کہ ایک طویل سفر تک تم سے دُور رہوں گی مگر مجھے تمہارے حالات کا علم رہیگا۔ اگر تم نے میرے پیچھے کسی دوسری ہستی سے محبت نہ کی اور میری پرستش پر قائم رہے تو میں تمہاری محبت کو صادق اور تمہارے جذبہ پرستش کو راسخ سمجھوں گی۔

”کیسی باتوں کی سی باتیں کر رہی ہو نگہت! میں تمہارا ہی ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا میں اس آزمائش کے لئے تیار ہوں۔ ”اگر مجھے تمہاری جدائی بہت شائدے گی! اس کے بعد ہم دونوں جدا ہو گئے۔ ”اور آہ اس رات کے بعد وہ مجھے نہ ملی۔

”مجھے پورا پورا یقین ہے کہ نگہت میرا امتحان لے رہی ہے۔ ”دندہ وہ مجھ سے اتنی ذلت تک بغیر کسی وجہ کے دُور نہیں رہ سکتی تھی۔ ”انہاں کچھ خاموشی کے ساتھ چاندنی راتوں کو دیکھنے لگا۔

”کیا دیکھ رہے ہو چاندنی راتوں میں؟ میں نے ویسے ہی سوال کیا۔

”نگہت کو؟ ”اُس نے جہاں کے ساتھ جواب دیا۔

”اسے بھی نگہت تو میری ایک سال بھائی۔ ”میں نے ذرا پرسکون لہجہ میں کہا۔

”وہ باگلوں کی طرح مجھے دیکھنے لگا۔ ”دہانوں کی طرح آنکھیں کھلنے لگا۔ ”اکل عجیب کیفیت ہو گئی۔ ”مجھ کتے ہیں آپ نگہت مرنے لگی؟ ”اُس نے باگلوں کی طرح پوچھا۔ ”وہ تھر تھرا رہا تھا۔ ”اور اس سوال کا جواب میری پشت پر خاموشی تھی!

”نگہت تو میرا امتحان لے رہی ہے۔ ”وہ مری نہیں۔ ”جھوٹ بالکل جھوٹ۔ ”آپ غلط کہتے ہیں۔ ”اس کے بعد وہ فقیر پر قہقہہ لگانا ہوا درختوں کے ٹھنڈے غائب ہو گیا۔

”کوئی بتائے؟ ”کہ کیا وہ باگل تھا۔ ”اُس رات کے بعد اُسے کسی نے شہر میں پھرتے نہیں دیکھا۔

شمس نوید دیوبند

## تاثرات

حرم و دیر کی عظمت کو دوبالا کرتے نام لیکر ترا، در و ترے سجدہ کرتے  
یوں بھری بزم میں اظہارِ تمنا کرتے غمی یہ تو ہیں محبت، تھیں سو کرتے  
یوں محبت کے تاثر کو دوبالا کرتے وہ ہمیں اور کبھی غم نہیں دیکھا کرتے  
یاد میں آنکی بہلتے نہ اگر کچھ آنسو لے غم عشق بتا اس کے ہوا کرتے  
دل کی دنیا تو ہے مانوس جرات بخش اُس کے کس طرح تناسل مداد کرتے

نعمان تاثیر

وہ بھی تاثر تزیں اُسے دُور غم سے  
یوں محبت میں لبِ آہ کو ہم واکر لے

## پیام رنگ و بو

ہستی بے ثبات کا ہمنفسو! شمار کیا؟  
 شام سے منظر نگاہ دیکھتی ہے اصل کی راہ  
 حشر کے وعدے پر کوئی مر کے جنے تو کیا جنے  
 دیکے تسلیاں مجھے چھیر نہ میرے ہنشیں  
 گر کے زمیں سے اٹھ سکے۔ دوش ہوا بہ چل سکے  
 پیرہن خود ہے جب دست جنوں سو چاک چاک  
 جب ہے ٹپنے پر ترے اپنا مدار زندگی  
 جس بجبیں ہے کس لئے دامن ناز کی شکن؟  
 جینے ہی کی ہوس رہی اہل ہوس کو عمر بھر  
 گھر سے نکل کے دو قدم آنے کے مزار تک

عطر میں ہیں بے ہوشے جھونکے نسیم کے شفق  
 لیکے ”پیام رنگ و بو“ آگئی پھر ہمار کیا

شفیق عہد پوری

## فکر و نظر

وہ نشہ نہ دائم ہے نہ قائم نہ مکمل  
 سینے میں توج ہو تو ابلیس بھی یزداں  
 کہ نبھتی ہے مجھ سے تری میخانہ دانش  
 آدم کی ذہانت میں ہے سنگینی ابھی تک  
 رکھی نہ گئی جس کی تے سوز پہ نیا  
 آسودہ طبیعت ہو تو یزدانی بھی اتحاد  
 میں بندہ لاحد ہوں، تو زندانی اعداد  
 میں ڈھونڈتا پھر تا ہوں کہیں تیرے فریاد

دستور میں غفلت ہو تو صدیوں میں کائنات  
 اور محکمہ ترتیب کی ”شداد بہ شداد“

فکر تو نسوی

# خطبہ صدارت

(آل انڈیا مشاعرہ ناگپور (سی پی)

مفت زارہ اکیس نرم و گرامی سامعین،

مجھے بڑی مسرت ہے کہ میں اپنی عمر میں پہلی مرتبہ صدارت ناگپور سے تکلیف با  
کدہ ہوا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد شاعروں کی صدارت کا جواہر ازہب نے مجھے خوبصورت  
ہے اگر کسی بذیرائی سے میں اپنی نااہلیت کا اعلان کروں تو یقیناً یہ آپ کے ذوق انتخاب کی فہم  
ہوگی۔ اس وقت بخشی ناگپور میں ادا کرنا دلی زبردستی ہے۔

شاعروں کی صدارت اپنے اندر جو علمی و ادبی قوتیں پوشیدہ رکھتی ہے وہ دوسری  
کلی مجالس سے جگہ جگہ ممتاز و مختلف ہیں۔ میرا نظریہ صدارت سالہا سال سے یہ ہے کہ شاعر  
ادرا دلی مجالس کی صدارت صرف انھیں لوگوں کو ملنی چاہیے جو شعروادب کے مجموعہ ذوق سے  
بہرہ مند ہوں اور جمادی و علمی رجحانات اس جگہ قوتیں جس پر خیر سلسلے کا وزن ہیں  
کسی نہ کسی نوعیت سے جاری رہنا ہی کر سکیں۔ میں اپنا یہ نظریہ صدارت میں کروں شاعروں  
میں ملے روئے الا شہادہ پیش کر چکا ہوں۔ ادرا اب بھی میرا نظریہ یہی ہے کہ شاعروں کی صدارت  
عاجز ان دولت و جامہ سے زیادہ ان سادہ زندگی گزارنے والے اہل علم و ادب کو سزاوار ہے  
جو سخت صدارت پر خاموش جھٹکا بند نہ کریں بلکہ اپنے علمی شعرا سے ہمیں مستفید و مستفیع  
ہونے کا بھی موقع دیں۔

میں نے ابھی اپنے متعلق دو مختلف و مکدر دو لفظ استعمال کئے ہیں۔ میں ان الفاظ  
کو بغیر تشریح و تفصیل اپنے ذہن میں جھرا کر لے جانا نہیں چاہتا بلکہ بالوضاحت کہہ دینا چاہتا  
ہوں کہ صدارت ناگپور سے مجھے کیف کم اور مکدر زیادہ حاصل ہوا ہے۔ کیف صرف اتنا  
ہے کہ کل اسی ہال میں اور آج محمود الحسن صاحب کے یہاں یعنی جوان شہر کی زندگی  
نظیر اور غریب میں گراہی شروع کرنا دیکھا اور مجھے یقین ہے کہ آج بھی یہ ناز کی نصیب ہے  
ہوگی۔ اور مکدر یہ کہ یہاں کی غیر شعری گفتگوں میں میں جھک کر سنے اپنی توقعات کو کٹے حد  
مجھڑا کر رکھوں گا۔ جہالت اور نادبیت جہالت کی گفتگوں پر افسردہ غالب ہے کہ ہر شہر زندگی  
کے بار بار خوب نظر آتے ہیں۔ سی۔ پی۔ او۔ جی۔ پی۔ کی یہاں البتہ نہیں۔ لیکن یہ حقیقت  
نقد اور تنقید کا ہر جگہ مشکور اور مہیو میں خوشامی ہند سے نسبتاً زیادہ دور ہیں

ناگپور سے کچھ عرصہ زیادہ ادلی زندگی پائی جاتی ہے۔

میں ناگپور کے اس ادبی جہود و محو کے اسباب پر ابھی ابھی طرح غور نہیں کر سکا  
ہوں۔ لیکن اتنا ضرور سمجھا ہوں کہ ادرا اب ناگپور نے غالباً علمی و ادبی قوتوں کے لئے اپنے  
وطن کے ظرف کا کبھی جائزہ نہیں لیا۔ سب سے پہلی غریبیں یہاں ادب کے مقابلے میں  
مکمل ہے زیادہ کامیاب ہوں، لیکن اگر ادرا اب علم و ادب کو کشش کریں تو اسی  
جہود سے ادلی بیداری بھی اٹھ اٹے گی۔ اس لئے کہ ادب شمع کی طرح  
ہر شعبہ حیات کی رنگ و بو سے محفوظ ہے۔ فکر و توجہ کی قوتیں اسے جب چاہیں اور  
جہاں چاہیں ابھار سکتی ہیں اور یہ شرف ابھر سکتا ہے۔

مجھے یہ مشکور و اطمینان دہی ہوئی کہ ناگپور میں مسلمانوں کی آبادی صرف ۱۵ فیصد  
ہے اور اس ۱۵ فیصد میں بھی جاہل اور مزدور پیشہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ظاہر  
ہے کہ ان حالات میں ناگپور ادلی و علمی ترقی نہیں کر سکتا۔ اقتصادیات اور معاشیات کے  
ماہر انہی تعلیم کبھی گواہ نہیں کر سکتے کہ وہ معاشی اصلاح کے ساتھ ادلی و علمی بیداری کی  
تلاشیں کی جاتی ہیں۔ اس لئے جہاں معاشیات کی حکومت جہاں ادبیات  
کی کس پرستی لائی جاتی ہے

لیکن آج دنیا میں کوئی شک نہیں جو غور و فکر کے بعد عمل نہ ہو سکتا ہو۔ اس لئے  
ناگپور کے علمی و ادبی جہود کا سوال بھی مقامی مفکرین کی ہمت سے ضرور حل ہو سکتا ہے  
بشرطیکہ وہ فکر و غیر کی تکلیف ڈالنا فرمائیں۔

میں نے ذہن میں موت ناگپور کی ادلی زندگی کے لئے کوئی خاص عمل نہیں ہو سکا کہ  
میں اس کے لئے اپنے متعلق سے تیار ہو کر نہیں آتا تھا اور یہ ہے کہ میں ناگپور کی ادلی  
فضائل کو اتنا اہمیت اور جہود نہیں دیتا تھا۔ غالباً آکر میں غریبوں کی بہر حال حق ضرور  
چاہتا ہوں کہ ہمیں۔ ہنگامہ جہود اور دوسرے تمدن تہذیب کی طرح ہمارے بھی ادلی و علمی بیداری  
پیدا ہو۔ ہر جوان کے ساتھ کہ جب شمالی ہند اور جنوبی ہند کے شعرا اکٹھے ہو کر کیا بات و  
و علمی ہفت روزہ کے شہر کا نام بھی ضرور دیا جائے۔

ہیں۔ ان کی ہمدردی میں غلامی بلی محمد باذن رحمۃ اللہ کا قدردان دوسری تہیہ میں ان کا نام  
یا تو ان کے گھر کے علم پڑھنے والوں کے انتقاد کے لئے کہہ دیا کہ میں یا ان حالات کے  
فیض اور فائدہ بہرہ منانے میں نکل کر حاضر ہوں۔

لیکن خدمتِ ادب کا جذبہ جن دلوں میں غرقِ دولت کیل گیا ہے، ان کا نکل کر رہے  
یقین کی حدوں میں نہیں آتا۔ ادیب کسی طرح سے غریب کو سزا کر جو کہ غلامِ ادب کہلاتے  
ہیں وہ کسی طرح بھی خدمتِ ادب سے جی چمکتے ہیں۔ ارادہ سبب یقینِ نظم اختلاف  
قاسم کا سبب کوئی نہائی سیاست ہو تو مرادِ ادب سے نفقہ رکنے والے تو نالوں  
سے کیا، آفتِ اوروں کو مہمانوں اور غریب نالوں سے بھی اپنی اولیٰ شہلی بچا لیتے ہیں۔

ایک بات اصرار کر دی۔ ادب و خوشگلی منزل ترقی و ترقی کا گناہ منزل ہے  
 یہاں منزل رسیدہ اور اس کے حضرات بھی ان کا منزل تک جاتے ہیں۔ یہاں  
 ان کی حقیقت تک اسی حقیقت میں طالب علماء جذبہ پیدا کر کے باوجود ترقی کے  
 گراہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس سفر میں ایک کیا کہوں جو اسی جادہ منزل پر غور ہو  
 میں۔ منزل سے کوئی نہ رہیں۔ مگر جو کوئی منزل رسیدہ کیجئے ہیں۔

ادب و شعر کا لامحدود گنج گنج کسی نے ہاں نہیں کیا زید یا نہیں  
 کا زید سوائے ایسی سبب ہے کہ منصبِ نبوت ختم ہو گیا کہ منصبِ شاعری کی تکمیل ہونے  
 نہیں ہوئی۔ خاتم الانبیاء پیدا ہو چکے مگر خاتم الشعرا کوئی پیدا نہ ہوا۔

ایک ایسے لائق تہی لاکھ دو روادے بے کن رسد میں غرضی کرنے والوں کو  
نئی نئی جو جس سے مخلوط دسرور تو ہونا چاہئے گروادے سے فنادی اور دیم  
ناضائی سے خصوصی رہنا چاہئے

دیس ویدھ کشنی فروشد ہزار

کہ بیدار نہ شد تسمتہ برگزار

خدا جانے موجودہ کشتیاں بھی کب الٹ جائیں اور دوسری کشتیاں ان کی جگہ لے کر اس بحرِ ربّیہ پایاں میں اپنے لئے کون سے اندھے نئے راستے ہدا کر لیں۔

وقت بہت گزر چکا ہے اس لئے رخصتِ ساعت کی معافی چاہئے ہے۔ شہر پہنچے ہوں کہ میں نے جو کچھ گزر سن کیا ہے اس پر اس شہر کے اربابِ خلق و خدا بنی اپنی جگہ غور فرمائیے۔ اور جب میں دوبارہ کبھی بنکپور آؤں گا تو یہاں کی اہلِ بیداری کے مجبور کردہ رنگی کہ جس نے جن فیضان کا انظار کیا ہے تھاپس لے لولی۔

سیتا بکبر آبادی

۱۹۴۳ء

اس کو اودھ سے کسی کو زور کرنے کی جو تحریر اس کاغذ یعنی ہنگامی طرہ پر موقوف  
میں بیکر خلیا میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ انگریز کی حمایت اہل علم کو اعزاز و شہر میں  
پھونپھونتی ہے مگر متعدد ادبی مجلسیں قائم کر کے ادب کی ترویج میں کوشش کرتی ہے جسے  
میں نے بیکر کا انگریز کی عدم آبادی میں بغض و انتقام اور کھٹن ہے اتنی نئی  
آبادی میں نہیں ہے۔ آپ کا کبھی ایک نئی ادبی کالونی بنائی ہے جس میں زندگی  
اور بیداری کے آثار بیشمار اور بیشمار موجود ہوں۔ جو ادب کے لئے جھانٹا اور نئی  
قدروں سے کھنڈر وقت و گواہ ہوا اور جو اپنی ادبی زبان کے سلیس ہندوستان  
کے اردو و ہندیوں سے باقاعدہ ملے۔

انگو کے دامن پر ایک یونیورسٹی اور متعدد کالجوں کا وجود یہاں کی علمی و ادبی حالت کو دلیل ہے لیکن غالباً ان اداروں کا انوشیروانی عام زندگی پر بالکل نہیں موزوم تھا یہی زندگی کے علمی اداروں کا بھیا بھار تھا۔ ان کی شانِ درس و تدریس کے خلاف سے انھیں بھی اپنا پرانہ عام تعلیمی زندگی پر ضرور واپس جاتے۔ جس سے شرکاء متعارفہ کتب خانے میں کچھ بھی ہو جو مدرسہ اند فوٹو ایلبے دیکھتے تھے جن میں عربی مکتبہ جنتی بانی جانی تھے۔ آج بھی کچھ کچھ نفوس یہ نظر آ رہے ہیں جیسے کہ وہ حال سے علمی و ادبی ضعف کی آتش بھڑکتی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ ان نفوس مقدسہ کے دل و دماغ اوراقِ علم و فن سے محروم ہیں مگر کمالِ خاص ہو، لہذا اس لیے ہے۔ جو ان لوگوں کو ادبی کشش سے روک کر رہتے ہیں۔ ان موانعات کو تو بہرہ ورانہ کی کوششوں سے دھوکا دیا جاسکتا ہے اور انگو پر میں بلکہ کسی نئی اور خوشگوار حیات افزہ اور زندگی آموز نفاذ پیدا کی جاسکتی ہے جو شمالی ہند کے اُن لوگوں کے حشرِ نظر اور حشرِ ساعت کا سبب بن سکے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ اس متعارفہ کالجوں یونیورسٹی سے کچھ نہیں ہے مگر بہت تعلقی ایسی ہی ہے۔ جیسے کہ حضرت بنی کواغاب سے بے غن کہ وہاں ہے۔ یونیورسٹی میں اعلیٰ و ادبی قوتوں کا مرکب ہے اور اسکا اثر فہر کی عام ادبی حالات پر گہرے اثر ضرور ہوتا ہے۔

حضرات! میں نے کچھ عرض کیا۔ کہ کئی خطبہ سناؤں گا۔ مگر صرف انہی خطبہ سناؤں گا جو میرے محسوس کی وہی ہے۔ لیکن آپ حضرات کے سامنے پیش کر دی  
 خطبوں میں زبان اردو یا انگریزی کی تاریخ دیکھنے سے زیادہ اچھا ہے کہ موجودہ اوقات  
 برائے فیضان کیا جاسے اور یہی برکت دے گا۔

نمودہ ادب میں ترقی کرنے کی صحبت فطرتاً موجود ہے۔ آپ کی زبان کا کوشش ہے  
اس کے اظہار نام ضرور ان کتاب میں ملے گی۔ انھوں کی خوش فہمی سے جہاں آپ نے غور و  
کی محو کی ہیں۔ مستند و معروف حضرات ایسے موجود ہیں۔ جن کی اس صحبت علم و فن کی گفتگو

# محرابِ خودی

نہیں دامنِ دُک و بویں کوئی چیز بھی اپنی  
سہارے سے کسی کے کٹ رہی ہے زندگی اپنی  
ہر اس سجدہ اپنا اور محرابِ خودی اپنی  
تو جہ صرف کرتا ماحضہ اگر دیا قبی اپنی  
نہ ہٹنے میں مڑا ہے اب نہ ٹوٹنے سے سہلی ہے  
خجل ہو کر جھکا لیتے ہیں گردن دیکھنے والے  
غایت مجھ پہ منزل کی نہ احسانِ حق منزل کا  
یونہی بڑھتی رہیں مگر دستِ زندانِ وحشت کی  
میں اب واقف ہوا ہوں ہر کمالِ عشق وہ منزل  
دو عالم ہیں نہ ہم ہیں اور نہ انکی باد باقی ہے  
مرب کیں ہزاروں داستانیں اس سے دُنا ہے  
ہاں بھی نامِ اداوں کو فحائل کیلے نہیں دیتے  
مرے خلقت کد کر میں ہے کہاں گنجائشِ عشرت

حقیقت منکشف ہو جائیگی اک دن پائے پر  
کہاں تک ہے آلم چالیں چلے گا مدھی اپنی

آلم مظفر نگری

## نغمہ

(ذیہ طبع مجتہد کلام کی ایک جھلک)

گر یہ بے افسار ہو کے رہا  
اُن کی تلوں کا کچھ نہ نہیں  
رہ گیا شک جو سرِ دُعاں  
چورہ کی سلا بر شفقِ سبک  
قیر جی جادو بھری نگاہوں کا  
لے منہ عشقِ تیرا کیا کتنا  
داڑ دل آشکار ہو کے رہا  
مجموعہ ہونا غما غما ہو کے رہا  
ضبط کا شاہکار ہو کے رہا  
خونِ دل آفتاب ہو کے رہا  
اک عالم شہکار ہو کے رہا  
دلِ مجسم ہمار ہو کے رہا

تہر جب یاد آگئی اُن کی  
ہر نفسِ نغمہ بار ہو کے رہا

(دربارِ ہر عثمانی جو ناگدھی)

# جناسی سنگی نکت

حضرت آغاز بھی رہا پور سے آئے تھے گوانا دی کی محنت انھیں اسٹیشن تک پہنچ گئی تھی  
سکرٹری صاحب کے علاوہ بقید حضرات سے بھی روحانی ملاقات تھی لیکن شلو کی طرف سے  
آئے تھے۔ ہاؤس اور بھول ہٹانے کی رسم کے بعد ایک کار میں قیام گاؤں تک پہنچا گیا۔ تمام شرا  
کے قیام کا ایک ہی جگہ ٹھکانوں میں انتظام تھا مگر ٹری بے ٹرینا لائی تھی جس نے  
اور علاوہ سیٹاپ نے وہاں قیام کو ناپسند کیا۔ چنانچہ سکرٹری صاحب کے ساتھ ساتھ دو گھنٹے  
کی مسلسل فانی دور دھوپ کے بعد ایک اور سٹاپ پر ٹھکانے۔ تھکے اور ہوا دار بھول میں قیام  
کا انتظام ہو گیا۔ چونکہ دو گھنٹے کے بعد ہی شاعر کی پہلی نشست تھی۔ اس لیے علامہ صاحب  
تشریف لے جاتے۔ البتہ میں شریک ہوا۔ ہال بہت وسیع اور صاف تھا اور کافی خوبصورت  
لیکن صاحبین صرف دو گھنٹے کے قیام کے لیے آئے اور نہ ہی معدودے چند خواب  
عبدالوہید صاحب غازی آف گودھا بہت حد تک تھے۔ یہ نشست نظروں کے لیے مخصوص  
تھی۔ چند نظمیں مجوزہ عنوان "عالم دوست" پر پڑھی گئیں اور باقی مختلف عنوانات پر ناظمین  
جس پر وزیر شہ۔ جان شاد اختر۔ آغاز بہانہ دی۔ ادیب الیٹا کوئی الیٹس نظامی  
کے نام نمایاں تھے۔

دوسرے دن ۲۰ جون کو معصر طرح پر مقامی شوالہ اپنی فرالیں پڑھیں اور  
پروینا کے خوب فخر پر حیرت کلام نایاب۔ اس نشست میں حضرت علامہ صاحب۔ حضرت مولانا  
ناظم کاٹھوری۔ حضرت دایب رہا پوری اور دیگر مقامی و غیر مقامی شراشریک تھے  
اور گذشتہ شب کو نشست اجتماع بھی اچھا تھا مگر مقامی فرالیں بہت بت اور غیر معیاری  
تھیں یہ معلوم ہوا تھا وہاں شرا شاعری سے کوسوں دور ہیں۔ ناگہور میں مولانا ناظم  
جیسی بالغ نواز صاحب فن ہستی موجود ہے جس کے باوجود مقامی شرا کی برکات قابل  
افسوس ہے۔ کاش ناگہور کے شرا مولانا ناظم یا کسی دوسرے استاد سے استفادہ عمل کریں  
اور اردو کے ترقی یافتہ ادبا کے علاوہ اردو کی اعلیٰ تعلیمات کو اپنی پزیرائی کے لیے باہر  
جائیں۔ مقامی شرا کے بعد میرے آئے جوئے شرا جان شاد اختر شریتم نظامی۔  
ادیب الیٹا کوئی ناظم غازی الیٹا دی۔ آغاز بہانہ پوری اور علامہ صاحب نے اپنا  
خیر طرحی کلام نایاب۔

امریکین کو آخری نشست خاص تھی۔ خاص میں نے کہا کہ معصر طرح پر

راکٹریٹ کی تہاؤں اور کاندھوں کو کھڑا کرنا بھی ایک قسم کا گناہ ہے مگر طر پر بر ملا  
تھا کہ میں ناگہور اور جیشد پور کے آل ادب شاعروں کے سلسلے میں ایک رنگا رنگ سفر  
پیش کروں۔ میں فانی طر پر بھی کچھ اسی قسم کے ارادے رکھتا تھا میرے کہ بعض مخلصین  
نے ان مشعوذوں کے سحر سے خوش آمدنیات کا اظہار کیا تھا اور یہاں تک کہ کچھ باقیا  
کو جنوبی ہند کے سونے کے بعد میرا یہ سفر بھی یادگار ہو گیا۔ مگر اس کی کیا خبر کہ دستہ  
پر فہرست یا شاداب منزل میں مافر فزادوں کی اہمیت ہے یا نہیں اور سرت بخش حرکات  
پیش کیا جائیں گی؟

۱۸ جون ۳۳ء کو شوق کی فطرت نے خرویں سے کھلتا ہوا گھر سے نکلا اور تمام  
کے دھندلوں میں درجن بس سے علامہ صاحب مدظلہ کی محبت میں روانہ ہو گیا، بکند کلاس کی چوکر  
صرف ایک نشست لی کہ اس نے مجھے مجبوراً اسٹرکٹس کو محبت غیر مرقہ کھن پڑا اور وہ بھی  
ملازم کی اٹھائی جاگ دور کے بعد۔ دوسرے ادیب کی ایک نشست لی گئی جہاں پیسے سے غراور  
پڑوں اور ہم کے سوکے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اگر غریب ہندوستانیوں کی ایک جماعت  
اس گھاگھی میں دروازہ کھوکھڑے ہونے پر مجبور نہ ہوتی۔ جہاں اسٹیشن پر برادرم  
نظم قادری کو ادب سے شے شے کے نظروں سے تلاشی کیا اس کے کہ وہ بھی میرے ساتھ  
ناگہور پہنچے دلتے پہنچے پھر بعد وہ آئے مگر آج نہیں کل چلنے کے ارادے سے اس نے کہا ان  
کے چھوٹے بھائی کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہو گئی تھی۔

میں جس کبار نشست میں سفر کیا تھا اسی میں خراب قسم نظامی بھی تھے۔ یہی  
شرم صاحب ہیں جن کا ذکر میں ہنگو کی ڈری کے سلسلے میں کرچا ہوں۔ اس مرتبہ ان کا  
روڈ بالکل بلا ہوا تھا دوسرے دن دو پہر کو کھانا بھی منے بن جل کو کھایا۔ پہنچنے کی  
گرمی تھی لیکن جون میں ناگہور سے قریب ہوتے گئے اس میں کی ہوتی گئی۔ رہنم میں کہیں  
بارش بھی ہوئی۔ ۱۹ جون کو تمام کے چھوٹے ناگہور پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر سکرٹری شلو کی  
جلب قریب لہجہ نازی۔ جناب قمر فرشتی۔ جناب آذر ناگہوری۔ حضرت آغاز بہانہ پوری اور  
حضرت مولانا صاحب رہا پوری موجود تھے مولانا صاحب کی عمر تقریباً تیر سال ہے۔ رہا پوری  
سے خٹو کے گھان ہو کر تشریف لائے تھے گوانا کی محنت نے۔ گوانا میں کہا کہ میں نے  
اسٹیشن نہ آیا ہے۔ پھر کہاں لوگ اس محبت کے

مضمر متاعی اور غیر متاعی شاعرانہ اپنا کلام سنایا۔ علامہ صاحب مدد تھے اور بال بھی سامعین سے تفریق نہ ہوا تھا۔ بعض بہت اچھی اور کچھ نہیں۔ جناب جرت لکھا لکھی کی غزل میں شاعر و فی ۲۰ بجے یہ طرزی شاعر و غم ہوا اس کے بعد پھر سرحد جانا شاعر اختر اور میں نے انہیں سنائیں۔ جنہیں کہ اس راہی ہنگام سے بہت ملی۔

۲۰ جون کو حضرت مولانا مکتب کلاٹھوی بھٹائی میں نشست لینا بہت دیر تک و مشور سے ملی دینی گفتگو رہی۔ مولانا مکتب کی ذات لکھی سہی۔ لی کے لئے خصوصاً اور تمام ہندوؤں کے لئے عموماً با حنفی غرض ہے ان کا رنگ سخن سب سے اگلا اور ان کا علمی و فنی مرتبہ بہت بلند ہے۔ فاضل جہاد الوحدہ صاحب غازی آن گورہا ٹیٹ بھی دقت پر نشست لائے۔ ریاست امانت کے باوجود انہائی منکر المزاج اور خوش اخلاق بزرگ ہیں شہر شاعری سے بڑا شغف ہے اور ادب و فارسی خصوصاً شاعری۔

ناگپور کے شاعر میں بابائیان شاعر و نہ ہماروں کے ساتھ جس پر اخلاقی کاربناؤ کیا ہیں کا گمان بھی نہ تھا۔ بڑا شاعر و مہر کیا اور چلی شاعر و بدھا کہ بعض دوستوں بزرگوں اور مسنوی بھائیوں سے ملاقات ہو گئی۔ جناب جرت لکھا لکھی۔ جناب طرزی قریشی۔ جناب آذر ناگپوری اور دیگر نوجوانوں سے ہمارے آرام و آسائش کا ایک مہذب خیال رکھ۔ اور میں ان سب کا ممنون ہوں۔

۲۱ جون کی شام کو صاحب محمد انجمن صاحب بی۔ اسے سابق مدیر "نیم" بھوپال نے بڑے نجات کے شکر ادا کرتے ہیں جسے پر ہو گیا محمود صاحب بڑے علم دوست اور شاعر و ناز میں جس پہلے بھی بھوپال میں ان کی فائز تھیں سے ہوسکتا ہو چکا ہوں۔ محمود صاحب کے یہاں شاعرانہ اپنا اپنا منتخب کلام لکھ لکھا۔ ایچ بی قویہ ہے کہ یہاں شاعر و سے زیادہ دور کو کیف حاصل ہوا۔

ناگپور میں بابا تاج الدین اولیائے کے حجاز مبارک پر بھی فاضل کی سعادت حاصل ہوئی۔ ابھی مدبر امتدلی حالت میں ہے۔ فخر عادی ہے اور خیال ہے کہ دس سال میں ہزار مبارک کا علاوہ ایک آبا و دو شاداب علاوہ ہو جائے گا۔ چوسی۔ ادب و فنی اور بڑے فنی کی خلق کی یہاں کثرت ہے۔ کاش بزرگوں کے حجاز ان بخت پہلے دلوں سے پاک ہوتے۔

اراکین شاعر و کی کوتاہیوں شرا کی کپرسی بعض دوسرے اساتذہ اور شاعر کے ساتھ سامعین کا فخر و جذب ملوک اور شہر کے عام علمی و ادبی جوئے طبیعت کو متلاکد کر لیا کہ ہم ۲۲ جون کو صبح کو جب پورے کے لئے تعاد ہو گئے۔ رات بہت برفنا تھا اور خوب بارش ہو رہی تھی۔ ایک دن ادب کا ماحول کا سفر کو کم کی خوشگوار میل کی وجہ سے بہت

پر اظہار ۲۳ جون کو صبح جب پورے اسٹیشن پر شرا۔ بی ٹیلس صاحب کی اسے اگر آبادی۔ جناب سید علی جہاد عادی اور شرا شہر موجود ہے۔ یہ لوگ سب سے اسٹیشن سے ہو کر تھے جبکہ میں اس وقت بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ بابائیان شاعر و میں سے اسٹیشن پر گئی۔ ذرا حالاکر ان کو بھی اطلاع دی گئی تھی چونکہ شاعر و میں میں بارش کا بعد تھا اور ہم نے کمال شاعر و کے وہاں بھی سونا نہیں چاہتے تھے۔ اس سے زیادہ خیال ہوا لیکن اخلاقی بابائیان شاعر و میں سے کسی کو فزور آنا چاہتے تھے حضرت صاحب نے ہل کر لے دیکھا حان شمس اور ہولنا مکان پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا۔ جہاں ضرورت کی ہر چیز ہمارے ذوق کے مطابق موجود تھی۔ پھر صاحب صاحب کا انتہائی خلوص۔ محبت اور عقیدت ان کے اہتمام کے ضمن کے دو بالا کر رہی تھی۔ ان کے عزیز ناگپور شرا شہر کی ہر دقت کو دیکھ کر اور بڑے اہتمام کے نام کاموں کی انجام دہی بھی ہوئے والی چیز نہیں۔ شاعر و سے قبل میں نے ہم نے صاحب صاحب کے یہاں قیام کیا اور بلاشبہ اپنے کھر کا سا آرام پایا۔ گویا ناگپور کی کالیف کی جہاں ٹائی ہوئی۔ صاحب صاحب کے اپنے مکان سے زیادہ خاطر و ارات کی۔ صاحب صاحب کے یہاں دوران قیام بہت سے حضرات آئے ان میں حضرت مولانا کالی۔ جناب محبوب عالم صاحب اور جناب حضرت بابا لوری کے نام یاد رہ گئے ہیں۔

۲۶ جون کو بابائیان شاعر و کے مجبور کسے ہم شاعر و کے وہاں ہو گئے اور دو دن تک شاعر و کی دواستی برقی کا کھانا کھاتے رہے۔ پھر خیر باد ہم صاحب آری کو ہماری گھڑاٹ کے لئے متروک لگایا تھا گورہ غریب بھی کیا کرتے ہیں کہ ان پر دوسرے کاموں کا بوجھ بھی نظر آنا پڑا تھا وہ جس طرف سے بھی جتروشی کرتے تھے ہی طرف بھول پیدا ہو جاتا تھا جبکہ پورے شاعر و کے لئے دو معرے دیئے گئے تھے۔ ۲۶ جون کو پہلے صبح پر شاعر و ہوا۔ حال کسی قدر چھڑا تھا گراہائی مصوں اور دالیں کو لاکر ایک بڑے ہال کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ پورا ہال اور دالیں مع بالائی حصوں کے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔

معرے میں اکابر اور عادی بہت زیادہ تھے پھر بھی ان کی تعداد کافی تھی شب کے چار بجے تک شاعر و بڑے سکون کے ساتھ ہوتا رہا۔ شاعر و کے صدر شرا کھوسلا (دلی) ایم۔ اے پرنسپل السیٹنٹ ٹوڈی جیل پنجر ناٹا آن کپٹی تھے۔ شرا کھوسلا سے آج تین سال قبل بھی مل چکا تھا۔ ان سے دوبارہ مل کر اور دیکھ کر کہ وہ مجھے بھولے نہیں ہیں بڑی سرت ہوئی۔ شرا کھوسلا شہر میں ہیں اور فارسی زبان و ادب میں اعلیٰ استعداد رکھتے ہیں شاعر و کی پہلی نشست میں شرا کی تعداد بہت کافی تھی۔ متاعی شاعر و کے علاوہ کل۔ ر۔ کھو کیو اور صوبہ ہمارے دیگر جوان شرا کھوسلا میں شرا کھوسلا حضرت مولانا مکتب کلاٹھوی بھی ناگپور سے نشست لینے آئے تھے۔ قطعہ بر حال راجھا تھا اور پورا





# کی ڈائری

(گذشتہ پرستند)

(۸ دن جنوبی ہند میں۔ بنگلور کی عظیم الشان کانفرنس اور مشاعرے کے بعد یاسمینو کے تاریخی مقام کی سیر)

دن بدلی ٹاڈہ کارواں کے ساتھ آفریقا کی سرحدوں کی طرف سفر کر رہی تھی۔  
 "اس وقت قلعہ سے لیکر لال باغ تک آبادی ہی آبادی ہے ہر گھر کی کھڑکی پر گلاب لگا ہوا ہے جیسا کہ کئی کئی کی دیوانے گھر ہوا ہے۔ اس کے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مریچوں میں تقسیم ہے اور درجہ کے چاروں طرف وسیع و فراخ اور خوشامرنگی میں جن پر دھوپا سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔  
 گنہگار مشرقی جانب وہ مشہور باغ ہے جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے۔ باغ غایت خوش منظر ہے۔ افواہ و افسانہ کے سواہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ درختوں کے درختوں میں ہندو خوبورت شمشاد کے درخت سایہ لگتے ہیں۔  
 شہر کی مغربی جانب قلعہ کی مندر و عمارتیں ہیں۔ جن کے اوپر سے قلعہ مندوں کی اونچی چوٹیاں اور مسجد کے بلند مینار نظر آتے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے لال باغ پر جو خوبصورت اور خوشامرنگی کا ایک خوب منظر ہے۔ نظر کی جلتے اور اُن کے ساتھ ساتھ قلعہ اور اس کے لال باغ کے درمیانی حصہ کی گنہگار آبادی کے مکانات کو بھی دیکھا جاتے ہیں۔ ان کو اگر نظر نہ آئے کہ ہندوستان کا یہ عرصہ و مملکت اس زمانہ میں جس سے زیادہ ترقی کی ہو اور جس سے زیادہ خوشحالی اور سکون کی ہو

دیس کے دربار میں ہے اور سلطان کی گئی ہے کہ یہ لوگ کبھی نہیں آئیں گے، کہیں سالم اور کہیں شکت۔  
 دالیں ہوتے تو کھیت چوب ایک عالیشان مندر نظر آتا، کھیت کے باوجود یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کی کھیت کھانے کے لال باغ انتظام ہے۔ دوسری قوس اس سے نہیں دیکھ سکتیں۔ پورے قلعہ کے حصار میں تین مندر ہیں۔ یہ مندر سری دگن تھ کا مندر کہلاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی تعمیر ہوا ہے۔ سب بڑی بات یہ ہے کہ یہ سلطان خیمہ کے محل سے بالکل قریب ہے محل کے مشرقی حصہ میں ہی ایک کھانا ہے۔ آگے بڑھے تو پھر اور پورے ایک مینار دیکھا۔ اسی جانب کچھ فاصلہ پر قلعہ کی فصیل ہی میں جو کاوری دی سے قلعہ کے *Water Gate* لگا ہوا ہے یعنی اس دروازے سے غریب سے پانی لیا جاتا تھا۔ قریب ہی یہ جگہ تھی کہی ہوئی ہے *The body of Tipu Sultan was found here*۔ (خیمہ سلطان کی لاش یہاں پائی گئی) حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ غلط ہے، سلطان خیمہ کی لاش جنوبی حصہ میں پائی گئی تھی۔ قلعہ کے آخری دروازے کے پاس ایک ٹی کے ڈھیر کو بھی اہم مرصادی کامزاج پایا جاتا ہے جو کشت اور قریب قریب زمین دوڑے۔ آثار قائم نہ رہے کہ وہ یہ بتائی جاتی ہے یہاں آکر لوگ جو تھکتے ہیں گویا مرصادی کی غارت کا انتظام لیتے ہیں۔ مشرقی دروازے کے قریب ہی ایک بہت بڑا پتلا لگا ہوا ہے جس کے چلانے سے حصار سے ٹھنک لائی میں پانی پھر آتا تھا اور مراد ٹوٹ جاتی تھی۔ قلعہ کے یکڑوں سے سارے جگے ہیں اور اس کے اندر کی شہید عمارتوں کی بھی چند عمارتیں نکلتے حالت میں آتی ہیں۔ سلطان خیمہ کے لیے کا خاص محل تو قریب قریب بالکل ہی تہدم جو چھک ہے۔ حالانکہ شہر کی طرح کچان کی زبان میں —  
 "سلطان کا محل ایک عالیشان مسکین عمارت ہے گو ہرے یہ بالکل خیر معلوم ہوتی ہے مگر اندر سے خیانت تو تھلے ہے۔ سلطان جس حصہ میں رہتا تھا وہ محل کے ایک جانب ہے اور باقی تین جانب گودام ہیں۔ زمانہ خاندان کے راستے میں شہر بند ہے جس سے تھ۔

گراہ — صرف ۱۴ سال ہی میں سرنگا پٹم کی تمام حال آریساں اور فرمیاں خاک و بار کر دی گئیں۔ اب تھانہ نظر و رائیں ہی دیرانیاں ہیں اور تمام گنہگار کے کچھ کھنڈ بھی ملے گا جو جنہر ہی تھ پٹم کی کہ ایک بوند نہ آجی طرف خبر کر لیا جس پر اگر ری زبان میں *DUNGEON* لکھا ہوا ہے۔ یہیں سے قلعہ کی فصیل شروع ہوتی ہے۔ یہ شہر انیسویں فیصل کے قریب پہنچے تو اس سے تھ چند خانے دیکھے اور فصیل کے دامن میں کاوری ڈھکی کو تھ خانہ مافی پایا۔ ان خانوں کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ خیمہ سلطان اس میں آکر قید میں رکھ دیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہاں قزاق باسی اور ان کے گھر بڑے وغیرہ عمارتیں طرز پر رہتے تھے۔ تھیاد وغیرہ رکھنے کے مکان بنے ہوئے ہیں۔ یہ خانوں کے مینارے وسیع میں ہے۔ روشنی اور ہوا کا کافی تناسب ایک بہت عمدی ٹوٹی ہوئی عمارت میں پائی ہوئی ہے۔ فصیل کی فصیل بہت کافی

یہاں ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ ایک طرف ایک کھنڈ کی لاش تھی اور دوسری طرف ایک کھنڈ کی لاش تھی۔ یہاں ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ ایک طرف ایک کھنڈ کی لاش تھی اور دوسری طرف ایک کھنڈ کی لاش تھی۔

# مشاعر شاعر

مصرع طرح :- "جب تک ہے وہ سامنے اک بخودی رہی"

## محسن ادب حضرت شہزادہ شمس الدین اورنگزیب

کاش کہیں بھی دل کو فاشی رہی  
انسان کی بھی کب اوش زندگی رہی -  
ہم نے خزاں خزان کو نہ سمجھا اندوہ  
جب تک کہ جن میں ایک بھی بی بی رہی -  
جب مژد عاشقی کی تمنا ہے آپ کو  
کتنے یہ عاشقی میں کوئی عاشقی رہی  
کسکو خدا کا خوف تھا کس کو خدا کا  
گوینا تمام ست شہزاد بخودی رہی  
کیا کیا عاشقی میں جبر میں رہا  
صدے ہے حال رہا پس کسی رہی  
نشر فریب حال جو فضل خدا رہا  
ہم کو کی بھی نہ کسی بات کی رہی  
حضرت مولانا اکمل مظفر نگری  
گو یہ سب سبوں کے جنوریں گوی رہی  
ہر تمام دونوں جہاں میں کس نہ تھا  
سازش میں گزرتی تھی سنہا  
دل کی فتنے سوگ کا عالم نہ پوچھتے  
ہے آشیانہ بچہ تو بھر کول تمام بات  
کیا تر بیت نہ دریا ر عالم  
حضرت مظفر صدیقی اکبر آبادی  
سو، غم فراق میں جیسا بھی رہی  
ہر بات ہمارے لے گو مکتات سے  
بہرے شک پر مجھے طے نہ دیکھتے  
ہے زندگی بجائے خدا کی فتنہ کی گونج  
جھک کسی کے در پہ نہ اٹھی جین توتی  
نظر نگاہ دوست میں رہتا ہوں آجکل  
حضرت آغازیہ پانوری  
جو رنگ سے جانی پر آ رہی رہی  
باقی کہانی کی نگار غلش نور  
ہر سامنے ہرگز میں نہ نظر موت

پہنچا مجھے بسام و دایہ جلال کا  
جنگ قریب سانی جنا بدوش آئے  
دو بالی ادھر میں ادھر وہ بنا کے  
حضرت آشیہ وڑگوی  
محبت جلال میں میت تک رہی رہی  
احسان یکسی ہے جات خودی کی موت  
اندر سے فریبکی عالم ہزار  
جرت اڑے پڑی جلوہ گری عام  
آسی وہ کام کر رہے یادگار عمر  
حضرت جالب مظاہری سمری  
پہنچا غم دھام نوید فوشی رہی  
مقل فشریب کارے گراہ کر دیا  
پہنچا نہ کوئی قول انا حق کی کھنک  
امید دستگیری اہل جہاں غلط  
عرفان حق بنو عکرم خان نفس تھا  
جالب کرد نگاہ زبر فسلم صوبہ بہار  
حضرت جمیل سیواری  
جب تک مری نگاہ میں خود آ رہی رہی  
جھک گیا جمال بہ قدر نب ز عشق  
سمجھا بیان درو کو انظار عاشقی  
تھی تباہ سوز دروں سے مری نظر  
تھی آتش ہوس کہ بھوک کہ بولی نام  
میں خیر خود کو پہنچا کھٹا رہا ہیکل

جب ہلک ہلی آخر نب جان دی رہی  
سامنے میں لے کے کھٹو کھٹو رہی رہی  
دل کی لگی کے ساتھ عجب دل لگی رہی  
ما آشت امن و سکون زندگی رہی  
اب زندگی تھامے کس کام کی رہی  
مرگ سے اپنے دور حقیقت پری رہی  
اب تک مری نگاہ کے دیکھ رہی رہی  
اب تک ہر اک بات تری مانی رہی رہی  
عجب گریہ دہریں مری رہی رہی  
بالا کباب کوشش منزل رہی رہی  
دہریں مری سرف ک جہاں فوشی رہی رہی  
دینا نہ ہوں کہ مری دیکھ رہی رہی  
آدم پہ بھی حقیقت آدم غصہ رہی رہی  
یوں ہی جو منتظر نظر دار رہی رہی  
بیگانہ نوال مری زندگی رہی رہی  
کس درجہ کباب مری زندگی رہی رہی  
بروں اس اعتبار نہ ٹہر نہ رہی رہی  
دینا بڑا غم مری کو دیکھ رہی رہی  
دو نیم عشق تھی کہ ملی تو ملی رہی رہی  
نظر سے وجہ سے کون کیلی رہی رہی

لے موت تادی قلم نہ تباہ اکبر آبادی مظاہر حالی

### جناب نازش پر تابکدھی

پیش جنو جس عجب بخودی رہی  
دل میں شگفتگی زہر برہمی رہی  
دشت رہی جنوں رہا دیوانگی رہی  
باب جلا رہی ہے مجھے آتش جن  
لے دوست پر جہاں یہ شاعر بہ ہفتاب  
کیا جانے تھے سرے کچھ نفس نے یہ کیا کیا

### جناب شاعر کا مذہب صلی

کچھ نہیں کہ وہ کہ آئے کہ گئے  
دیوانہ اپنا جہی بنالیں گے حسن کو  
سر کو دینی خاک پہونک کے دیا کو برن طور  
ابو کرم زمانے پر سنا تو کیا ہوا  
آئے ہمارے آتش دل پر نام عمر  
لکھ لکھا سارے بعد حفت کے کھوکھ

### جناب پریم شہزادی دہلوی

محبت خیال میں سستی چھی رہی  
سر پہ جات مرا صرت آہ خفا  
ناؤس کی صدا میں نہاں بھی دانی عشق  
جسکی تہش نے پہونکے یا کوہ طور تک  
لے لے جون عشق، یہ بناؤ دل نہال  
کیوں پریم تھی یہ سن و محبت میں بخشش

### جناب نسیم سینا پوری

یوں عشق کی جات سمٹ رہی رہی  
وہ کی شگفتگی کو جڑا طراویں  
غم بھی کسی کی دین خوش بھی آگئی دین  
سنا ہم غنائی بھی منجنا طاعتی  
غم بھی تو ایک نعمت جاوید عشق ہے  
آہو بھی اس کو کہ دے سر داس نسیم

### جناب مولانا خلیل از سگولی

اپنی جبین شوق ٹھکن تو بھکی رہی  
نازش پر زندگی بھی کسی کام کی رہی  
لے دوست تو وہا تو عجب زندگی رہی  
یا آگ میرے واسطے کشن بنی رہی  
جب تو رہا لو ان میں بڑی دکشتی رہی  
نازش اب آرزو بھی نہ پروازی رہی

### جناب شہید چلی

جھک جون عشق میں وہ بے خودی رہی  
دیا کی جواد کوئی دن یونی رہی  
اچھا ہوا کہ دل میں ہمارے دلی رہی  
ہم کو تو آج تک وہی نشہ لہی رہی  
روز نازل جو دلیں لگی تھی لگی رہی  
شاعر کو شاعر سے جو دبستی رہی

### جناب کلیم شمس آبادی

بھکو تو بخودی میں ہی اک آگئی رہی  
اس درہم غم نواز مری زندگی رہی  
یوں آئی تو درو حسیم بندگی رہی  
دو آگ کس طرح مری دل میں لی رہی  
پر ہوش، یہ خودی، یہ مری بخودی رہی  
کیوں موت زندگی کا تار نہ بنی رہی

### جناب ارشد صدیقی ساگری از ناگپور

دیا آگئی کے روپ میں فرز آگئی رہی  
جس کو بہار میں بھی خزاں آگئی رہی  
یکوں کیوں کہ غم سے مجھے سنگ رہی  
اسد رہی بڑی باد سے دبستی رہی  
اچھا ہوا کہ دفعہ الم زندگی رہی  
جس طرح آگ دل میں لگی تھی رہی

جس کو نہ اپنے آپ سے بھی آگئی رہی  
لیکن نگاہ خرق انھیں دیکھتی رہی  
پہلی سی اب نزار میں وہ دکشتی رہی  
تو توں میں شہ پر جب لوہ گری رہی  
جب تک ہے وہ سانس اک بخودی رہی  
جبر سے مجھ کو برقی جن دیکھتی رہی

سینے میں ایک آگ سی ہبسم لگی رہی  
میرے چم شوق میں کیوں نہ ختمی رہی  
اب تو میرے مزاج میں شہید کی رہی  
تیرے بغیر زندگی بے کیف سی رہی  
میری نگاہ شوق آئے دیکھتی رہی  
بعد فنا بھی ایک تمنا ہی رہی

میرے عذاب مری زندگی رہی  
لے ہشتیں نہ پوچھ جہالت مری رہی  
”جنگ دہ سانس رہے اک بخودی رہی  
بھکو نفس میں ہی دی دیوانگی رہی  
اچھا رہا مذاق، عجب دل لگی رہی  
اُدوسے طوہ آنکھ ہماری لگی رہی

دل پر بھی رہی، تو جس پر بھی رہی  
ہم مرے مگر نہ مٹی دل سے تری یاد  
اب دشت میں دیکھنے کیا ہونا عشق  
کا نہ عبادت نہ تم نے جو آ کر تو کیا ہوا  
وہ بعد اقبال سے آگے نکل گئے  
ہونا بڑے گا دامن مہر سے بھلا

**حضرت عزیز اختر مریدی**

سماں زندگی میں بہت اہل رہی  
کوئی خوشی نقد خوشی کب نہ ملے  
جب تک جہن میں سرالشیخین نہ رہا  
گر جب تمام عمر کئی رنج میں مگر  
آفتزدوغ دارغ جگر کچھ نہ بچے  
**جناب رعنا نظامی - راجوری (کشمیر)**

دل پر محبت کی آفسر دل رہی  
ہر وقت مست لاس الم زندگی رہی  
بکلی فغا میں شام و سحر کو نہ رہی  
بہت بولوں پہ پھر بھی کبھی نہ رہی  
میری کھدیں و دشمنی ہی وہ خوش رہی  
جب تک رہی - وہن الم زندگی رہی

**قادر بنہ غادر گردین خاموی**

**جناب بانی اعظمی**

جذبات عشق میرے ابھی تک خبر میں  
اہل نگاہ سر گر بیاں رہے دام  
وہ حادثات دہر کہ اشک کی پناہ  
سوز تک بدلے خون تلون مزاج نے  
محشر میں منتقل تھا میں بارگاہ سے  
**جناب وقار جون پوری (پنجاب)**

اس پر نظر و حضرت سیاب کی رہی  
گو ان کے انکس میں سید کی رہی  
لیکن حقیقت انکی جی کی جی رہی  
کس طرح میری شارب غشاہری رہی  
لیکن نیاز عشق کی غفرت دی رہی  
اور رحمت تام بکے دھو نہ رہی

دل و غنہ لوح داس رہا ہے کل رہی  
اب سے سر نیاز میں تخلیق ناز تو  
ہر شکر د لکھار غنا - ہر غم خلا ساز  
تھانی کا نہ بھول کے آگے ڈال  
رعنا جب ان کی دل میں جگہ تھی تو کتنے  
**جناب طرہ قریشی بھٹاروی**

میں جن کی ساری غنا خوش گوار تھی  
خوش ستم خدا کی دلی دکھ روش  
تھا ہوش ہی کماں کہ ہوں میراثِ دویم  
تھی ایس ساڈا گار ہوتے قفس بکے  
عیش و نشاط دہر کا کیا اعتبار ہے  
**جناب عالی علی نگر پور**

لیکن تیرے ہونے سے میری رہی  
ہر صوں مزاج عشق میں آنا آئینگی رہی  
جنگ رہے وہ ملنے کا بخود رہی  
میں جن میں نہ فکر نفس کی گئی رہی  
دیناں تک کسی کی دھڑا تک سہی رہی

بچے بہت وہ پاس نظر دھونڈتی رہی  
طاری دال دواغ پر اک جم دی رہی  
نقدیں گارہ جوڑی تھی رہی رہی  
بہت بولوں پہ مسر خوشی لگی رہی  
ہر وقت اپنے ساتھ تھیں تھیں رہی  
بے کفی حیات میں بھی بخود رہی

دیر و دم میں صومہ ہر ماہ ہوا غنا  
دع کے دینے خود کو جنوں سا رفتن  
رعنا جمال جاں تاب کے سما  
جلووں سے انکی یاد سے ممو کر دیا  
ایک بار پائے ناز سے اٹھا سر نیاز  
**جناب جلیس الیگانی**

ہر منظر نواز تجلی تیری رہی  
فرش سے کھینچی ہوئی فشرنگی رہی  
ہر شب پر نگاہ میری سرسری رہی  
میری شب سیاہ میں بھی چاندنی رہی  
عالی نام شہر کہ شہر زندگی رہی

**جناب سیاب کالیوی**

دہن نشا و عشق مری زندگی رہی  
نزل سے دھو رہی لکا انیب نے  
ہونگی زخم بزم جاں کی جس سیال  
ہم ہی بل گئے میں قسم درود شہر سے  
نہیں ملے ہیں ہونے خود کے بن گئے  
**جناب شکار شہادوی الیگانی**

تا کام و تا مراد مری زندگی رہی  
کچھ روز اور اگر بھی غارت گری رہی  
دینا دل سے جیسی تھی وہی رہی رہی  
جنت کام کی مری دیوانگی رہی

نزل پہ اسے حسرت منزل دی رہی  
دل کو کسی کی یاد سے اس طرح تھا کھو  
مغموم دل فرودہ طبیعت شکست حال  
آئینہ خودی میں تھا تصور خود و سنگ  
یہ وہیں انکی جگہ بھول کا فیض تھا

کس درجہ بے خوفی میں دانگی رہی  
سخنم کو جیسے بھول سے دیا رہی رہی  
کتنی اداس سلام الم زندگی رہی  
ایسا بھل دہش میں بولوں رہی رہی  
بھوکہ غانی شعور میں جو رہی رہی

**جناب خلیق اولوی**

لکھنؤں پہ اعلیٰ جودم ہر خوشی رہی  
جیسے نہ انکھ کا گولی میں منقلب  
گھر تک کہیں نہ ہوئی شہر کا شہر رہی  
ان مت اٹھ کر لکھنؤ کی حیات کا شہر رہی

یہ زندگی بھی انی عجب زندگی رہی  
ایسی مے خیال کی دینا رہی رہی  
کیا کیا لاف و دوس میں آوا رہی رہی  
طاری دال دواغ پر اک بخود رہی رہی

جب تک ہے وہ ملنے کن بخود رہی  
جب تک ہے خیال سے دل بستی رہی  
وہ آئینہ فراق بول میں دلی رہی  
ہر چند منزل سے مجھے آگئی رہی

ناب حال سے، دافشگی رہی  
دیر و دم کی گنت اٹھائی نہ آگے بھی  
مگر کرب گئی بہتوں خلوت و غمراہ  
بلائی غم بہ مستحکم عشق میں رہا

نالا پہلے کا ساتھ رہا کہ جسے ملتی  
**خواب بیک با ندوی**

احساس دل میں ہوا میں اک دانگ رہی  
کب اعتبار گلشن ہستی کا قابو  
جوتے تھے گل جہاں کے نگاہیں مٹاؤ  
لے کر گئے غم نے کوئی دنیا کی آرزو  
**خواب آرزو الکی سنگھوری**

جلوئی کی ہے ہری نظر خوشی رہی  
جنگ جال یا غم سر دیکھتی رہی  
یوں تو خیال بارے میں بھاگتا رہا  
کیا کہے انکس دل دوستانہ تر  
**خواب اکرم حلیفی دھولوی**

غم سے مجھے نسا ظالم سے خوشی رہی  
تو دنیا ز تھا، تو بہت شناس تھا  
عالم تمام میری نظر سے گزر گیا  
دل کی دے آنکس جذبات سے بہت  
**خواب آرزو شہادوی**

تاثر مجھ پر کشتش بندگی رہی  
بھروسے رنگ میں کچھ ناہ رنگ نہیں  
باتی جلد جلد پر ہستی نگاہ نہی  
آؤ ہمارا فرام میں کہ کہ نہ مضطرب  
**خواب شہادوی آؤ کو الیاد**

فرمان آؤ پہ دل میں جا جان رہی  
ہری نگاہ خوشی کی بیابان نہ بھر  
بالہ سے وقت زینہ وہ بیگے جلانے  
نہاں میں وقت کے انھیں جلے نشت  
**خواب فوق نندرا پنچوی**

بکلی نفس نفس میں سرے کوئی رہی  
کرنا نظر انکس خوشی اور لگا کی بات

لیکن مری اُمید ہمیشہ بندگی رہی

جب تک رہا شباب مجب زندگی رہی  
سیر چین نظر میں مری عارضی رہی  
بشتیاؤں سے بڑھ کر مری خودی رہی  
جذبات دل ہے نہ وہ اب شاعری رہی

اور اس کی برودل ہی میں جلوہ گری رہی  
دل میں سرور و مرج میں بالیدگی رہی  
پھر بھی مجھے ہی کی کشش پہنچتی رہی  
محبت ہماری باعث افسردگی رہی

ہر طرح کا سبب مری زندگی رہی  
پھر کیوں مجھے عذاب تری دوستی رہی  
ایسی ترے خیال میں اڑتگی رہی  
آہم عذاب میرے لئے شاعری رہی

میری جیسے نکل تو جھکی کی جھکی رہی  
جوتے تھے، نگاہ میری بکھیتی رہی  
یا میری آنکھوں میں تیری جلوہ گری رہی  
باقی دل دھجک میں وہی بے کلی رہی

ان کی خوشی کیساتھ ہماری خوشی رہی  
جلوئی کو دیکھنے کی طسیر دیکھتی رہی  
جانے میں، بحر میں گے اگر زندگی رہی  
دنیا کو دیکھنے کو مجھے دیکھتی رہی

پنچ نگاہ آپ کی جب تک اٹھی رہی  
جب تک رہی وہ ساتھ کہ پنچ رہی

دکھ دو جگا جاکے میں امان مثل پرش  
جب تک نگاہ وطن وہی مجھ پر اکی فوق

**خواب فین شہادوی**  
خاک کے دُکھ جن کا محل میں یہ اثر  
گھٹیں کا خون برقی کا ڈر نظر خزا  
مجھ سے خونِ عشق کی وارڈن نہ بھر  
ناگاہ میں کس گئے دن زینت کے آفرین

**خواب آرزو پنچوری**  
محروم انکس مری سبکسی رہی  
روانہ ہے کہ تم نے پوچھا کبھی مجھے  
کیس کس ادا کو ان کی کہوں دستاویز

**خواب فوق شہادوی**  
جنگ تیری خیال سے وابستگی رہی  
جب تک نظر کو فرمت آہوگی رہی  
اُن کو تو فوق طرز خوشی تھی ناگوار

**خواب تیرا ریمینی**  
انوس اُن سے رازِ محنت دکھ سکا  
محنت سے احتراز، بیابان سے احتراز  
تیرے روئے کا رنہ آئی کوئی اُمید

**خواب معصوم انصاری بیادوی**  
کچھ اس ادا سے انکی نظر دیکھتی رہی  
خدیوہ تیرے جان نکل ماتی کا نکلے  
معصوم ہم کو نسبت والا ہے عشق ہے  
**خواب حال پریمی انکو کشی**

ہرگز نہ ترے یقین کرم کی کمی رہی  
کہہ دن ترے فراق میں یوں زندگی رہی  
جیسے خدا کو بھول گیا ہوں میں تو حال  
**خواب سلام ساگر**

خوف نظر مجھ کو بہت ناخوشاگر

کیفیت جنوں کو کوئی دن بھی رہی  
دایستہ لٹا مری زندگی رہی

طاری حواس و ہوش پارنگی رہی  
دہشت زدہ چین میں مری زندگی رہی  
میں تک ہے وہ سامنے اک پنچوی رہی  
انوس کام کی نہ مری زندگی رہی

شاید مری جذب اثر میں کمی رہی  
جیسا بنا حال مجھے دیکھتی رہی  
جب ہوا ہی جان تنہا ہی رہی

تاروئی روشنی میں بھی اک دلکشی رہی  
میری نگاہ شوق مجھے ڈھونڈتی رہی  
نما کہ عاشقی میں تری بات بھی رہی

”جب تک ہے وہ سامنے اک پنچوی رہا“  
شاید ہی جنوں کی مدد افسری رہی  
تاکام و نامراد مری زندگی رہی

”جب تک ہے وہ سامنے اک پنچوی رہی“  
لے دوست عمر مجھے محنت بھی رہی  
کلر چکے اُن سے اگر زندگی رہی

کونا ہی صدف میرے ہی دلمان کی لڑی  
آنکھوں میں رنگ اور بول پر ہستی رہی  
ایسی جنوں کی یاد میں وارفتگی رہی

”جب تک ہے وہ سامنے اک پنچوی رہی“

# جوانی اور رومان

حقیقت میں ایک جان ہیں۔ زندگی نام ہے جوانی کا اور جوانی کی جان ہے رومان اور رومان کی حقیقت ایک دلغریب خواب ہے۔ ان سب حقیقتوں کی بہترین انسان خواب جوانی ہے جکا ہر باب ایک نیا رومان پیش کرتا ہے اور ہر رومان اپنی جگہ بے مثال ہے۔ یہ عجیب قوت ہے "حادثاتی رومان" الف سے لے تک حقیقت پر مبنی ہیں اور کون نہیں جانتا کہ حقیقت ہمیشہ تلخ ہوتی ہے آپ دیکھیں گے کہ خواب جوانی کے حیرت انگیز رومانوں کو حقیقت کی تلخی نے کتنی رعبت خیز بنا دیا ہے خواب جوانی ہماری ہندو مسلم معاشرتی تہذیب کی غامض اور تباہ کاریوں کا منہ بولتا نمونہ ہے اور جس لطیف کے پرامن افسانوں کا ہر زاویہ نقاب کو نیولی کتاب ہے۔ یہ کتاب آپ کو "اپنوں" کو سمجھے اور دوسروں کو پہچانے کے اچوک بن سکھائے گی۔ ایک فہم و درک کا کچھ

قیمت صرف پندرہ

پاگل پریچی۔ نمبر ۴۴۔ نئی آبادی۔  
منظر نگار (پو پی)

عکس حال دوست مجھ کو شب فراغ  
روح کیا کسی نے پھر لیا مجھ کو اسے سلام  
جناب سلطان نقشہ ندی پارو لوی  
ان کی نگاہ میں پہنچی کام کر گئی  
لاؤں کہاں سے جو سلاہ عیش و نشاط  
سارا جہاں شکا و صائب ہوا جگہ  
جناب مجسم زندگی گیتھلی  
ہرے نواں شہر سے آتیکا انقلاب  
جاں رہے خیر تو شاید ہو ہر ماں  
جناب قد اڑہی  
وہ بات آج ہوگی خود مجھ سے مختلف  
تا عمر آئی دیر سے محسوس ہوئی  
جناب فردوس شہادوی مقیم الیگٹاؤں  
اس خوف سے نہ کر سکا غیر شبیاں  
دل جابگی بن گیا جہنم کی آگ سے  
جناب من ساگری  
اتنا باندہ ساتھ کسی ٹھکانے  
اعمال کی نہ اپنے بولے باز پرس میں  
جناب غافل از مینوں  
اقترب سے آئے من کی وہ کیف باریاں  
میرا کی خاک جھانٹے گذری تمام عمر  
جناب شاہ رحید رزادی  
ہٹ کر بے کی سمجھنے کی کوشش بہت گ  
جناب نصیر انصاری بیادری  
بھگت راب من نے محو رکھ دیا  
جناب ساجد انصاری میٹھوی  
اس جہت ل ادبائی گویا نہ کس طرح  
جناب سو من لال شہر آ از شملہ  
احوال چو کتا اکل اس کو کب کروں

ماروں ہی سے نگاہ مری کھلتی رہی  
مشق سخن رہی نہ مری شاعری رہی  
اک ایسا کام کی حقیقت بھی رہی  
اب دل میں میرے آہ کہاں نکلا رہی  
سلطان کہاں وہ پہلی سی اب زندگی رہی  
اب تک تو لڑکوں کے لئے شاعری رہی  
دل کی لگی تو اس کے لئے دل لگی رہی  
کل تک میرے لئے جو معافی رہی  
افسوس میری زندگی کا کام ہی رہی  
برقی تیاں نسیم بین کوئی نہیں  
فردوس بے دیا جو تری برہنگی رہی  
بغیر ہمارے ساتھ جہاں بکھی رہی  
اپنے کئے کی آپ ہی شرمندگی رہی  
"جنگ رہے وہ سائے اک خودی رہی"  
غافل ہماری زندگی کیا زندگی رہی  
وقت کی آگ دل میں کی مٹ گئی رہی  
"جب سہ پہر وہ سائے اک خودی تھا"  
ساجد جہاں میں کئی ہمیشہ بنی رہی  
"جب تک ہے وہ سائے اک خودی ہے"

## اصلاح سخن :- حضرت حکیم محمد افتخار علی صاحب جگر صدیقی وارثی مینائی بیوانی کا خطائیدہ شاعر کے نام

”آبر گزری کی بچہ ہونے پر بریں شاہبر اسانہ، ماہر فن ابدال الہائے طبقہ میں کیا مثبت دکن ہیں۔ اس کا اندازہ حضرت جگر مینائی کے مندرجہ ذیل کتب سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ ایسے خطاط بری تعداد میں شائع کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن میں صرف ایک ہی خطاب لکھنا کہ ناہوں تاکہ گزری کو اپنی سخاوت اور بے لالی کا کچھ اعزاز ہو اور وہ سرمے سے اپنی گونجی کر لیں۔ مگر اس کی ابتدا کم ہے اس لئے کہ گزری ”اب تو ادھ“ لکھنے کے عادی ہیں اور ان کا دھوہ ”زبان جاہلیت“ کا مجموعہ مرتب ہے۔ جب ان ادبی فنڈوں کے لیڈر کا یہ حال ہے تو احسنی جماعت کے دوسرے ماہرین کا کیا ہے جن کے منہ سے ہنوز دودھ کی پھلپھلاہٹا رہی ہے۔ طحطاہ حرکات کا سرزد ہونا فطری امر ہے۔“

### اعجاز صدیقی

داخل تو قوتِ نظم پر تیار رہتا ہے۔ لیکن سیکس بند رہتی ہیں۔ اگر دو شعروں میں ایک کی مشق دس سال کی اور دوسرے کی گیارہ سال کی ہے تو گیارہ سال کا لایا بتر کبھی لگا۔ یہاں آبر و سیاب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دس بیڑی سال کی مشق ابتدائی کون جاتی ہے۔ پچاس سالہ سال کی مشق کمال کی حد پر پہنچا دیتی ہو کسی کلام میں (۹۱)۔ تیز و تبدیل کا جادو کس کے شکل اور نہیں کس کے آسان ہے جناب آبر نے سیاب صاحب کی مصلح میں جو مصلحی نظماں استعمال کئے ہیں وہ نہیں ہونہا ثبوت دینے سے قاصر ہیں۔

نظم پر ناولی سیابی کا مطلع ہے ۷

”بانظروں جراتِ نظاں پر لایکے یا نہ پھرے فائدہ تغلیدِ مویاں کبھی“

مطلع میں سیاب صاحب نے ہر خطا غمزہ کو کسے بے فائدہ جان کر رکھا ہے۔ آبر صاحب کا کہنا ہے ایک خوشنماں کو دو صراحتوں میں لایا گیا ہے اور خود یوں جملوں فرماتے ہیں ۷

”یادِ مملوہ گری تغلیدِ مویاں کبھی“ لیکن

آبر صاحب نے فائدہ کو خوشنماں سے ”دم جلوہ گری“ کو برائے بیت کہا جسے تو ذرا غلط انصاف نہ ہو گا۔ اب مطلع کو کچھ کیجئے۔

یا جراتِ نظارہ پید کیجئے یا تغلیدِ مویاں کیجئے۔ دم جلوہ گری کی ضرورت نہیں۔ باقی رہتی مضمون ختم ہو گیا ایک شاق کے کلام سے کوئی غلط لاکر اس سے اچھا خط لگاؤ خوشنماں شاعری ”ذبت اللہ“ سے باہر ہے۔ جناب آبر کی اور بھی مہم میں ہی نہ رہے

کہیں جگو بیک جیو غافل ہے۔ جگر صدیقی وارثی از بسوا

محترم و محرم مدیر صاحب سلیم۔

رسالہ نصائح علوم و ادبیات ۲۷ صفحہ ۲ پر جنوین سیاب صاحب کی اصلاحوں پر ناقدانہ نظر ”کہیں جگر صدیقی کی نظمتے گذرا بے حدافوس کے ساتھ گزرا“ ہے کہ شہرستانے زمانہ حاضر میں اکثر حضرات نے سخن و ان صاحب کمال پر جادو بجا نہیں کرنے کو ذریعہ شہرت بنا لیا ہے تنقید و تہم کے متبادل کو پس انداز کر کے آیات پر اتر آئے ہیں جو دینائے ادب میں بدترین کم ظرفی ہے۔

آبر گزری کی اگر حضرت آسن مرحوم ماہر مویاں نے اپنے مضمون میں فرمایا ہے کہ جناب سیاب نے غلط پروگرام لکھ دیا ہے تو کیا فحاشی میں اعتبار حاصل کیا ہے اب پر ناولی پیدا ہوتا ہے۔ کیا تو کیا سخن میں بغیر مشق کمال۔ استعداد علمی و طبیعت صرف پروگرام لکھ دینا شہرت حاصل ہو سکتی ہے۔

بریں تانہ سال کی مشق مجھے نفی میں جواب دینا ہے

جناب آبر گزری سے مجھے عین اسی قدر اذیت ہے کہ آپ غلط کلام حضرت آسن مرحوم کے خاکروہ میں ادب کی مشق سمجھنا جن سال سے سماز گری ہو گئی۔ آپ حضرت سیاب کی مصلح پر تنقید فرماتے ہیں۔ سیاب تانہ سال سے دیباچہ سخن کی نشاندہی کا لطف اٹھا رہے ہیں یہ جتنے جیسے ہیں حضرت آبر کی تنقید و تہم سے بیشتر ذہانت کا پستریل کلام میں لانا کسی دلی لاش کو جان طور پر ظہور کر رہا ہے اگر کچھ کہید گی تو سیاب صاحب کے منہ طاق کر سکتے ہیں لیکن اب انہیں کیا و نثار اسلام کے خلاف ہے۔

فن شاعری وہ کوائف نہیں ہے جو جہاں طبیعت نے نام کے دیا ہے میں پہلے ہی ہے تو پہلے ہی کہہ کر ہرگز ہوتا ہے۔ جنت کے برے ہوتے ہیں

پیدائش کے وقت سب آدمی برابر ہوتے ہیں۔ مگر آگے چل کر یہ برابری ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پھر تعلیم کا فرق سے۔ تجربے کا فرق ہے۔ و نیز اسی طرح تمام شربت بوتلوں میں ہوتے ہیں۔ یہاں تک تو سب برابر ہیں۔ مگر جب بوتلوں سے باہر آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خوشبو کا فرق ہے۔ ذائقے کا فرق ہے۔ سائٹیفک تیساری کا فرق ہے۔ فائدوں کا فرق ہے۔

(پانی)

ہر صبح اور شام لاکھوں مرد، عورتیں بچے اور بڈھے صرف

شربت روح افزا پیتے ہیں

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ روح افزا کا مقابلہ اب کوئی شربت نہیں کر سکتا

شربت روح افزا

گریموں میں تندرست رکھنے والا

تمام ہندوستان کے پینے کی چیز

قیمت

نی بوتل ایک روپیہ بارہ آنہ



مسٹر دوا خانہ دہلی



# وقت کا یہ اہم ترین پیغام

ہے ہلاکت اختلاف و انتشار عام میں  
ہستی اقوام ہے جمعیت اقوام میں

دین پچرز

کی ناقابل فراموش۔ روح پرور۔ دلچسپ۔ نظریہ۔ اور۔ لافانی

تصویر

لے کر آ رہی ہے جسکے دام میں بد قوتوں بد قوتوں اور کین  
سامانیوں کے سدا بہار بھول بھولے ہوئے نظر آتے ہیں جسکے  
دلکش گائے گونجے ہوئے مکالمے اور نواز میوزک جتنائیں  
عکاسی اور مستغنی داد اداکاری

اقوام ہند

کے دلوں کو آپس میں جوڑنے کا موثر ذریعہ ہونے

ایف۔ دین

کالمے اور گائے

کاتل رشید

پروفیسر بشیر خاں دہلوی

اداکار

حسن بانو، تروک پور، منیرا، کلانی، مرزا شرف، ماسٹر نثار  
شاگر، یعقوب، دار کا شیریں، قمر، انارکلی وغیرہ

جاری کردہ

دین پچرز لنکٹن روڈ ممبئی

لے رفیق رضوی

اسٹوری اور ڈائریکشن



زیریں سوستی — علیٰ نعمت ربہ منطومی السی یا جود (کاٹھا داڑ)

INTERNATIONAL JOURNAL OF  
 DELHI  
 DELHI

محکمہ تعلیم صوبہ مالک متوسط و برار  
محکمہ تعلیم ریاست میسور

# ناگزیر

[illegible]

جن حضرات تانہ و سالانہ سیمینار اور امتحان میں حصہ لے کر دیہات میں رہنے والے شاعروں کو شاعر بنانے کے لیے پوری کوشش کی۔ ان حضرات میں سے ایک شخصیت تھیں جنہوں نے شاعری کے ذریعے دیہات میں رہنے والے لوگوں کو شاعر بنانے کے لیے کوشش کی۔ ان حضرات میں سے ایک شخصیت تھیں جنہوں نے شاعری کے ذریعے دیہات میں رہنے والے لوگوں کو شاعر بنانے کے لیے کوشش کی۔

۲۳ ستمبر ۱۹۲۳ء

اعجاز صدیقی "شاعر"

[illegible][illegible]

محسین، مرنی معاونین اور انیسان و ہمدان شاعر

محسن ادب و شعر

- (۱) محسن ادب جناب محترم بابو هرگو بند ديال صاحب نشر ٻيو گامي ٽيه سالانه  
(۲) محسن ادب جناب محترم مولوي محمد خان صاحب نشر خوجي ٽيه سالانه  
(۳) محسن ادب هر اينس عليه حضرت ڪيانه والي بيگم صاحبه آن جو نالو ٽيه سالانه  
(۴) محسن ادب وزيرزاده شجاعت خان صاحب امير جو نالو ٽيه سالانه

موسیان ادب و شعی

- ۱۶) مرتبی ادب جناب محترم سید فضل کریم صاحب الکلمہ جمشید پوڈا کینز داسٹارڈا کینز جمشید پور (ہائیکورٹ) غفر سالانہ

## معاونین ادب

- (۷) معاون ادب مٹرا ہے۔ بنی نفیس قمار بی۔ اسے اکبر آبادی سے لکھنے سالانہ  
(۸) معاون ادب مٹرا ہے۔ بنی نفیس قمار بی۔ اسے اکبر آبادی سے لکھنے سالانہ  
(۹) معاون ادب مٹرا ہے۔ بنی نفیس قمار بی۔ اسے اکبر آبادی سے لکھنے سالانہ  
(۱۰) معاون ادب مٹرا ہے۔ بنی نفیس قمار بی۔ اسے اکبر آبادی سے لکھنے سالانہ

محمد رضان ادب

- (۱۱) میرزا ابوبجاب نوی علی غفور صاحب لیکن علی میرزا علی سالانہ  
(۱۲) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ  
(۱۳) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ  
(۱۴) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ  
(۱۵) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ  
(۱۶) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ  
(۱۷) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ  
(۱۸) میرزا ابوبجاب میرزا علی صاحب علی میرزا علی صاحب علی سالانہ

## خاصات ادب

- (۱۹) جناب صاحب درہ شیعہ الرحمان خاضع تصنیف ٹوکی سے سالانہ  
(۲۰) جناب درہ شیعہ طہ صاحب ترجمہ حلیہ جہاد الی۔ اے سے سالانہ  
(۲۱) جناب دارالافتاء رام صاحب دہرہ ہندی سے سالانہ  
(۲۲) جناب بدیع مطلق طہ صاحب قرطی نفاذی آباد سے سالانہ  
(۲۳) جناب جہاد حمید انور صاحب بزم امروہی سے سالانہ  
(۲۴) جناب تاج محمد صاحب درہ شیعہ ٹوکی سے سالانہ  
(۲۵) جناب امیر حسن خاضع آفریہ بی سے سالانہ  
(۲۶) جناب حبیبہ انور صاحب انورہ صدیقی امروہی سے سالانہ  
(۲۷) جناب برجید صاحب بزم دہلوی سے سالانہ  
(۲۸) جناب طاہر کمالی لکھنؤی سے سالانہ  
(۲۹) جناب سبحان خاضع فتح آباد جیل سے سالانہ

## شعرا انقلاب ————— اپنی اپنی جگہ.....

الّا اے خردہ گیر و نکتہ چیں، کم بین و کم مایہ! سمجھتا ہوں تیری فکرِ دنی کی پست مفہومی  
 زمین آسمان کی تفاوت تجھ میں اور مجھ میں مجھے عرفاں میسر ہے تجھے دانش کی مدد می  
 ہے تیرا مولد و ماحول دہشت انی و قصبانی مگر مینو سوادِ تاج ہے میری خیم بھومی  
 مری تقدیر میں شہرت بھی عظمت بھی قیادت بھی تیری قسمت میں ناکامی و گنہامی و محسوس می  
 قلم سے میں حکومت کر رہا ہوں قلبِ انساں پر کسی کو بھی نہیں محسوس لیکن اپنی محکومی  
 ابھی تو یاد ہو گا تجھ کو، وہ سب وہ عقیدت کا کہ تو نے حیلہ لغزش سے میری کفش پا جو می  
 سن اے تو وہ گریہ تیری و سخی لا حاصل کسی تدبیر سے جاتی نہیں تقدیر کی شو می  
 ہوئی حاصل نہ تیری روح کو تسکین ہو کیسوی بنا کر مادی محور، بہت ناچا بہت گھومی  
 درخشاں بھلا کیونکر ہو ضرب برق سے پیدا مزاج ابر میں ہے فطرتاً اک نیرہ مقومی  
 دوامی گریہ افشانی ہے، رونا عمر بھر کا ہے گلو گیری کی شاہد ہے یہ تیری خستہ طقومی  
 تیری ہیئت سے ظاہر ہر خباثت تیرے دل کی فریب انقلاب تیری ریشائیل مصومی  
 ترے ہم مشرب ہم سلسلہ ہیں بوم اور احمق مرے ہم مجلف ہم مرتبہ شیرازی و رومی  
 توجہ کا نام لیوا ہے۔ مٹا جاتا ہے نام اُس کا حماقت ہے یہ نیرا ادعا ہے حتی و قیومی  
 کوئی سنتا نہیں میری، مگر براہ ہے تو ہما دیتا ہے مجھ کو، یہ ترا اندازِ مظلومی  
 جو خادم ہے، وہ ہے مخدوم اپنے ملک ملت کا بغیر خدمت و طاعت، کہیں ملتی ہے مخدومی!

مجھ کا دبے اپنا سر، قصرِ الادب کے آستانے پر  
 نہیں اس کے سوا دریاں محرومی و مفہومی

سیلابِ کبر آبادی

بہشتِ مجر

## جرعات

سب سے پہلے یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کو بھیجی جائیں گی جن کے آرڈر محفوظ ہیں۔ علامہ سید کے تازہ سلاطین شہادت کے متعلق وولر انگریز اور پرفوش ہلالی نظموں اور اجازت کا بنا جو غیر نظم بھی اس نام کے آخر میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں علامہ محرم کا ایک خط بہ صدارت بھی ہے جو ہر جمعہ عقیدہ مسلمان کے لئے قابل مطالعہ ہے "سرود غم" "غیر غم" اور "راز و معنی" اگر جلد نہ نکلیں تو ادیشہ ہے کہ ان کے لئے ایڈیشن کا اٹھارہ کرنا پڑے۔ اس لئے یہی ایسا آرڈر دیدیجئے۔

ادارہ سجاد محمدیوں سے کہ چند مہذہل معزات نے وسیع اشاعت اور لادنی شد میں خزانہ وصلی سے عقیدانہ ناظم الکلام جناب محبوب خاں صاحب وکیل مدد دربار محسن جو پڑھنے میں شرفی خاندان میں بھی شکر ہے کہ سنی ہیں کہ ہوسنے "شاعر" کی ہمدردی قبول فرمائی۔

- |      |   |   |        |       |
|------|---|---|--------|-------|
| (۱)  | جناب نھان تاثیر صاحب کراچی                        | ۲ | خریدار | (خاص) |
| (۲)  | " " " "   | ۱ | "      | (عام) |
| (۳)  | جناب شاط القادری مٹاپور                           | ۱ | "      | (خاص) |
| (۴)  | جناب مقدم بدلی اردنوی البھاری احمد آبادی          | ۱ | "      | "     |
| (۵)  | محترم شمسین صاحبہ (ناہد)                          | ۱ | "      | "     |
| (۶)  | دلالتی محی جناب خوش سرمدی                         | ۱ | "      | (عام) |
| (۷)  | جناب عارف باگھٹی                                  | ۱ | "      | "     |
| (۸)  | محترم شمسین صاحبہ (ناہد)                          | ۱ | "      | "     |
| (۹)  | جناب اکرام اللہ صاحبہ شمسین (ایڈیٹنگ ہندو گوالیا) | ۱ | "      | "     |
| (۱۰) | جناب جوی پرنگ آبادی                               | ۱ | "      | "     |
| (۱۱) | جناب غیر محمد خاں صاحب عارف باگھٹی                | ۲ | "      | "     |

### اداری فنڈ

- |     |   |
|-----|---|
| (۱) | جناب قاضی محی الدین احمد صاحب خان اولی احمد پور قریہ (بھاولپور) مصر |
| (۲) | جناب مولانا سید شاہ علی القادری مٹاپور                              |
| (۳) | جناب حبیب الرحمن صاحب سیم مٹاپور                                    |
| (۴) | جناب محمد یونس صاحب گلپشت مٹاپور                                    |
| (۵) | جناب بیٹا اللہ صاحب رحمان خاں مٹاپور                                |

اعجاز صدیقی

آہ بھائی جان، میں اتھائی سچا لافوس، ننگ آنگوں اور گزرتے ہوئے قلم سے یہ انہوں تک اطلاع دے رہا ہوں کہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۳ء مطابق ۱۲ رمضان ۱۳۵۲ء بروز جمعہ شب کے وقت براہ منظم حضرت خط صدیقی دربار اجازت لیا "اگر وہ کی ایسی ایک سال اور چند ماہ میں دق" میں بتا رہا ہوں کہ اسے بریلی میں دیکھی اہل کو ایک کما آنا بتا دانا الیہ علیہ موشاد علیہ کی آخری سانس اور ایک دن پرست کی شدت تھی ہوتی نہیں اور وہ بھی ایک سلفہ شمار تعلیم یافتہ اور خوبصورت شریک حیات کی ۱۱۱ سنسنے والے تمام مجموعہ میں کوئی حال ہو گا۔ مرحوم کی باگما سے ایک باج سال "جو" وقت آخر ہے انداز کی عمر طراز کو سے۔ علامہ شمسین خاں صاحب اور ذرا خیر شاعر "دعا فرمیں کہ رب العزت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو عطا اور براہ منظم حضرت خط صدیقی کو صفا جبریل کی توفیق دے، مرحوم کی نصو صیات ادب اہل اہل اہل اور دنیاوی جوتے کی چیزیں ہیں۔

تعارف شاعر "آپ کے سامنے ہے اور اس کے مطالعہ کو خیر تاثیر شاعر کا کچھ دیکھ کر ہوتا ہے میں طوائف و مواعظ کی آدینا نہیں جانتا اور یہ کوشش دکاوش سے قدم تھے ہو کو کوشس کو دیکھ کر ایک نکتہ "خوش" ابتدائی کیوں میں تامل ہو کر رہے گا ہر چند یہ امر بھی اہل مد میں کچھ کم قابل تشکر و امتنان نہیں کہ وہ براہ پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے بلکہ یہ پند نہیں کہ دوسرے رسائل کی طرح ایک دو دفعہ میں ہر کسے اس وقت پہلے آؤں۔

معاذین نظم و نثر کی نگارہ کی کثرت اور بے حد پیش نظر یہ کہ خلافت و اہل میں کہ خود صفحات میں انما و بھر دنیا صرف شاعر کا مقصد ہی نہیں شاعر "میں کیسے جیل اللہ رکھ شمسین ادب اور شاعر کی ہیں اس کا جواب آپ کی نگاہ مطالعہ دے سکتی ہے علمی و علمی ہر نظم و نثر پر تبصرہ کرنے کی نگہداشت ہے اور ذرا فی الوقت دل و باغ میں کبوتی دقت۔ ہاں مجھے اس کا فورہ انہوں پر کہ حبیب اللہ معین نقاد شاعر کا کلام اہل شاعر میں شائع نہ ہو سکا۔ یہ صرف صفحات کی کمی سبب ہو گا شاعر "کا دامن وسیع ہو رہا ہے اور میں ہر ماہ درجنوں میں داری میں لایا دینا شائع کر سکتا۔ ہر حال آئندہ اشاعت میں علامہ سید علامہ کفنی علامہ شمسین علامہ پوری حضرت احتشاش حضرت اللہ شمسین اللہ دوسرے شمسین شاعر کا تازہ ترین کلام شائع ہو گا۔ علمی و ادبی صحابین اور اہل علم میں زیادہ زیادہ سبب اور دیکھ رہے ہیں۔

سرود غم اور راز و معنی جو علامہ سید اکبر آبادی کی شہرہ آفاق ہیں اور جس کے ہزار ہا لوگ بے چین تھے ان کی کلمات پائیدار کیل کو جو ہر جگہ بے سرو و مرقہ کا دوسرا اہل "راز و معنی" شاعر ہیں اس نام کے آخر تک شائع ہو کر ادب و ادب کے اہل کو کچھ بچا

# تحقیق و تصحیح

## ”دلہن“ کے اعراب پر آخری محاکمہ

- گزشتہ چند ماہ سے شاعر ”میں“ کو پکڑا ہوا ہے کہ دلہن  
بروز جن گناہاں پر روزِ نکاح میں ہے۔ مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی  
تحقیق کے مطابق ”دلہن“ کو بروزِ نکاح لکھ کر دیا ہے:-  
(۱) حضرت مولانا صفی گھنوی (۲) علامہ شفیق عطاء پوری۔  
(۳) حضرت دکن شاہ جہان پوری (۴) حضرت جوش ملیح آبادی  
(۵) اعمام صدیقی (۶) حضرت دسری جہاں (۷) مولانا رفیع الدین  
(۸) ہلال برسی۔
- اور ان حضرات نے اپنے فیصلے کے مطابق مندرجہ ذیل اشعار بطور سند پیش کیے ہیں۔
- ابرینائی گھنوی ۵ نہیں بلکہوں کی ادھل میں وہ نبلی  
دلہن نہیں میں نہ رانی گھڑی ہے (آجماز)  
۵ ۵ ۵ ۵ نہیں اس تیغ کے قبضے میں چھکا  
دلہن کے کان میں انہی بری ہے (دل)  
۵ ۵ ۵ ۵ تو ماہِ مہر مری ہے نہ سہل نہ سہل ہے تیغ  
روٹھے ہیں دو دلہا دلہن لکھیں سہل لکھیں سہل (دل)  
آتش گھنوی ۵ عشرت کدہ عاشق و مشوق نہیں بلکہ  
”دلہا جی ملان تو اک شب نہ دلہن بھول  
دوق دہوی ۵ دو دلہا دلہن کی ہے بہ سلامت سہاگ کی  
آہستہ آہستہ سہاگ پر ابنِ کرماساں (اور مزی)  
۵ ۵ ۵ ۵ یارب بیشہ دو دلہا دلہن میں ہے سہاگ  
جب تک کہ ہوسے نیچے زمین اور آسمان (دعوی)  
موسے ہوی ۵ اگر چہ تارِ سببہ دلہن  
تو دلہا خانیں ہی نازک داغ (دعوی)
- ابرینائی گھنوی ۵ میں چشمِ دل ٹھکانے جب تک جو من میں  
کیا صحت آری ہو دو دلہا پر دلہن میں (دعوی)  
۵ ۵ ۵ ۵ بسک کو تیری تیغ سے کرتی ہو کیا جدا  
دو دلہا کی کہ تیغ صفا میں من کو چھوڑ (عزیز اختر)  
۵ ۵ ۵ ۵ مہلوم ۵ مہلوم کو کیوں نہ میں شبیہ دل نہ لکھی سی  
ہمارے آج سے گھر میں ہے جمن کی سی (عزیز اختر)  
نانی بایونی ۵ ادا سے آڑ میں خیر کے نہ بھیاؤ ہوتے  
مری صفا کو وہ لائے دل نہ بناؤ ہوتے (عزیز اختر)  
برائیس گھنوی ۵ بھائی کے واسطے قاسم کا لہن دینی ہو  
پڑے دامانِ جا بھوئی من روئی ہے (ہلال)  
۵ ۵ ۵ ۵ کتا خا کوئی کوٹ کے اباب دکھا کر  
مقیعہ یکن کا جو یہ باؤ کا ہے زور (ہلال)  
۵ ۵ ۵ ۵ ہوسا تہ سوازی کے ہجوم اہل وطن کا  
آگے میں ہوں دیکھ لکھ لکھ دو دلہن کا (ہلال)  
اداعلیٰ جو گھنوی ۵ ہم نے جو یار میں دیکھی ہو سادہ شریعت  
کوئی دو دلہا نہ دیکھے گا دلہن میں خوشبو (ہلال)  
صاحبِ مبادی اللغات ”دورِ نورو اللغات“ نے ”دلہن“ بروز جن لکھ ”دلہن“ لکھا ہے۔  
(عزیز اختر)
- ”فائل اللغات“ میں اس نقطہ کے دو اعراب درج ہیں (۱) بزمِ اذل و سکون دہم  
دفعہ باؤن در آفر (۲) بزمِ اذل و دفعہ نانی غلو اللغات باؤن و سکون و ن۔ لیکن  
پہلی صورت فائل اہل شہر کہ زبانِ برائی میں دوسری صورت بروز جن لکھ ”دلہن“ لکھا ہے  
مشورہ اعلیٰ میری رائے میں بھی یہی درست ہے (صفی گھنوی)





## شخصیات: خطیبہ ہندزہرہ سخن سیدہ نواب سردار بیگم اختر حیدر آبادی

ہر دور کی خواتین نے جہاں تمدن، تہذیب، معاشرت اور سیاست میں حصہ لیا ہے وہیں زبان و ادب اور شہر و ساعری میں بھی انھیں برابر کا نہیں تو کم از کم ایک حد تک شریک ضرور دیکھا گیا ہے۔ یورپ، ہوابا، ایشیا، چین، ہوابا، ہندوستان، ایران ہر ملک نے اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق ایسی خواتین پیدا کیں جو ادب و سخن کے گھٹا لک کو سدھار بنائے میں کو خاں رہیں۔ یوں ہی عورت میں فوجی لطیفہ

ہوتی ہے وہ خواتین میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں، مگر انہوں نے کبھی گھڑ زماں شرت نے ہماری خواتین کے ان جذبات کو بہت کم اُبھرنے دیا ہے اور جہاں یہ جذبات ابھرتے ہیں وہاں رنگ و نور، دس اور پیم کے کونے پتے پتے ہوتے پائے گئے ہیں۔ ہندوستان کے عہد قدیم اور دور وسطیٰ کی شاعر خواتین کا ذکر یہاں ضروری تھا لیکن عدم گنجائش رانی ہے۔ بہر حال اس دور میں ہم شرت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں بھی کچھ دایاں



پیدا ہو چکی ہیں۔ اگر مسلمان خواتین کا تعلیمی ذوق اسی طرح ابھرنے کا وہ دن نہیں ہے جب ایک بڑی تعداد میں ادیب اور شاعر خواتین ملک میں نظر آنے لگیں گی۔ چنانچہ میر جیا میر جی جعفر محمد بیگم آبدی، آدا جی بولی، راجہ جہاں، زیب خانم، معتمدہ صفیہ، قجاب انصار علی شہسبزی، سیاح آغا خانو، نجمہ صدیق، شائستہ اختر، مروددی، عصمت چغتائی اور سیدہ اختر وغیرہ ملی کی گئے دایاں ہیں۔

سے لذت لے رہے تھے جن جناب مرد سے کسی قدر زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ دوری بات ہے کہ اُسے اپنے جذبات کے اظہار کا موقع نہ ملے۔ معذرت سے کہنے انجلیوں کے رنج کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رنج عورت کی انجلیوں کو فخر و ادبیت کا جلتا ہے۔ موسیقی کے لئے کُپٹے گئے کا ہونا ضروری ہے، عورت کے گئے کا شردین کے تہما زوں سے زیادہ مؤثر اور سہل ہوتا ہے۔ اس طرح ادب و فن کے لئے جن نازک جذبات کی ضرورت



وہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہوا۔ اور اعلیٰ کے کلز اہق ہر کبھی بھیک  
محسوس نہیں کرتے۔ ان کا قول ہے کہ ایک مبلغ میں غلوں علی اور بے غلوں ہونی چاہیے۔

وہ گولوں کی بوجھار کے سامنے بھی بیڑہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہیں، یہ فعلی نہیں بلکہ اندر اور  
بیڑہ مجاہدہ جذبہ کی، بالکل ہیں، ایک نمازی میں جو وہ سیاسی پارٹیوں میں خاکساروں کی کوئی طور  
برائیں لگا دیا ہوگا، چنانچہ وہ اس تحریک میں نہ صرف ہر گھنٹہ اور اپنے عزم و دل سے اس  
تحریک میں بھی چار چاند لگا کر، جو غلوں خدا کے سلسلے میں بیڑہ کو پہلے سالاد تبلیغ اور پھر  
”سالار محاذِ کھنڈ“ بنا دیا گیا۔ سالار میں جو جنت حکومت اور خاکساروں کے دین کو کوئی

توبہ اور آخر مراد اور میدانِ جنگ میں سالار محاذ ہوئی۔ بن کر آئیں اور چند ہی دنوں میں  
علامہ شرفائے انیس اپنے بیان کا سب سے بڑا عمدہ ناظمِ جنگ محاذ ہوئی۔ ”دیبا“ موصوفوں نے  
اپنے ہمہ کا چارون لینے ہی محاذ کھنڈ کے نظام کو بھی مضبوط کر دیا اور ہزار خاکساروں کو  
احکام دینے اور سب کا مکمل انتظام کرنے کی تہادار دار بن گئیں۔ جب خاکساروں کی

تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو بیڑہ نے کا پورہ خاکساروں کا بیڑہ کا در قرار دیا، یہ حکام شہر  
اس بہت گہرا ہے اس نے لے کر لفظ امن کا اڈا بنے تھا۔ کانپور میں دفعہ ۱۴۱ بھی قائم تھی۔  
اس کا باوجود بیڑہ خاکساروں کے ساتھ پہلے لیکر شہر کا کثرت کرتی تھیں، چنانچہ کانپور کے  
کلر صاحب جادو پر مشہور پٹن پٹن ایک ہزار سو پٹن اور گورہ پٹن لکھنؤ کی کوئی

”خود مراد“ پر آئے اور بیڑہ سے جو اس وقت جرنیل لباس میں نہیں مطالعہ کیا کہ وہ فوراً  
خاکساروں کو کانپور سے باہر بھیج دیں اور پہلے پٹن کے حوالے کر دیں۔ بیڑہ نے اس  
حکم کے سامنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خاکساروں کی جماعت ایک پرامن جماعت ہے وہ  
ہندو اور مسلمان دونوں کی خدمت گزار ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکام نے بیڑہ کو گرفتاری کی

دھمکی دی اُس پر بیڑہ نے جو کچھ جواب دیا وہ قابلِ غور و فکر ہے، لکھتے ہیں :-  
”بسم اللہ میں گرفتاری کے لئے تیار ہوں آپ اپنی مشین گنز کو حرکت  
میں لائیے۔ میں حاضر ہے۔ مجھے گرفتاری تو کیا مرنے سے بھی انکار نہیں  
لیکن تلوار کی ساری ذمہ داری آپ پر ہوگی“

داخلتِ طویل ہے، دکھانا یہ ہے کہ بیڑہ کا بیڑہ خدمت کشا جہان اور جو جس ہے اور  
ان میں کھنڈ جو صلہ مندی کی آج کل بیڑہ آخر آئی اندھا زبازہ سلنگ کی صدر ہیں۔  
قومی اداروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا۔ غریبوں کی امداد۔ یتیموں کی پرورش ان کا خاص  
مشہور ہے۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ انہماک میں کتاب ہے امدادہ معر دیت ہی کہ زندگی کا  
حاصل بکھتی ہیں۔

قومی اور انسانی خدمت کے بعد جو خدمت چاہیے وہ ادب و شعر پر مبنی ہوتا ہے جس طرح  
قومی خدمت کے سلسلے میں یہ کوثر شاعرانہ اور ادبی اور شہری دنیا میں بھی وہ قدرِ ممتاز

کی نغمہ دیکھی جاتی ہیں مشاعروں میں ان کا کلام لہذا کیا جاتا ہے۔ شعر و نظم ریکانِ تقدیر  
حاصل ہے۔ وہ سرگرمی سے تیرہ سالہ ریاست یو کے دارالسلطنت جنگور میں ایک تعلیم افسانہ  
کا نفرین معقول کہ جس کے آخری اجلاس میں حضرت علامہ سہا بکر آبادی نے بیڑہ کو ”میر تقی“  
کا خطاب عطا فرمایا جس کے بعد انھوں نے ملک کی خدمت اپنے ذہن پر لی ہے اس وقت کو شاعری  
کا رنگ بھی بدل گیا، نغزل میر تقی کا بند لکھتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

جن کو ہوا تھا کبھی سینہ عالم گداؤں مجھ کو تباہ کئے بھرہ فوایا ہے داز  
ذوقِ طلب ہے تو بھر نو زبان سو گداؤں را و دغا میں ذکر فکر شیب و فراز  
آج بھی آج بندہ سنگ دیار پر بخود ہی آرزو، عمر ہو سیری دراز  
تیرہ آخرتے نہیں بھی بکثرت کسی ہیں جن میں روحانی بھی ہیں، اسلامی بھی اور باک بھی  
”نور مجاہد“ بیڑہ کی طویل نظم ہے چند شعر لکھتے :-

سلسلے سے مرے ہٹ جاؤ مجاہد ہوں میں خاکسار و عفو و حیدر و خالد ہوں میں  
مردوں میں تو ہر اک شہرہ آفاق گداؤں میں بہت تیرے بیٹے میری ہر نگہ پاک میں ہے  
آسپاڑہ سے ہی جرات و بہت کا دماغ میرے دنیا میں جلیا ہے شجاعت کا چراغ  
جان دینے پہ لکھے ناز ہے اللہ اللہ موت اک زندگی را ہے اللہ اللہ

زندگی تیغ و تیر میں ہے نہ توار میں ہے زندگی ایک مسلمان کے ایشاد میں ہے  
آتشِ داؤدی بہن مری تعمیر میں ہے خدمتِ ضرب یکٹی مری تقدیر میں ہے  
دل پر جوش میں کہ آگ دبی دکھتی ہوں خلقِ خشن حسین ابن علی دکھتی ہوں  
مجھ کو سب بادچو اسلاف کا انھوں جہاد موجودن جو مری گنگ دین ہی توں جہاد

ایک اور نظم کے دو بند دیکھئے :-

جاگ اٹھا ہے ذرہ ذرہ ادم جو موجود اب انقلاب لے شعرا ان عبد حاضر انقلاب  
آسمان پر چہرہ تان ہو گیا ہے جلوہ گر رات کی تاریکیوں پر بھا جتا نورِ کسبر  
ہائے تم اب تک طلوع صبح کی ہوئے خبر جیت ان ذروں پر جو ہیں ناساں آفتاب  
انقلاب لے شعرا ان عبد حاضر انقلاب خواب سے بیدار ہوئے نورِ حقان بہت دود  
دعوتِ خلوت عمل تو ہے شوق کا وجود لغت ایسی زندگی جز کا مقصد جو جود

زندگی نقد حقیقت ہے مسلسل اضطراب انقلاب لے شعرا ان عبد حاضر انقلاب  
انقلاب لے شعرا ان عبد حاضر انقلاب

یہ سب شعر و نظم ان کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو ان کی زندگی کا عکاس ہے۔ ان کی شاعری میں ایک خاص جذبہ ہے جو ان کی زندگی کا عکاس ہے۔ ان کی شاعری میں ایک خاص جذبہ ہے جو ان کی زندگی کا عکاس ہے۔

## معقولات

کہیں ایسا نہ ہو حد سے سوا پیدا ہو جائے  
امیر میری سے اُسے دشوار تر ہو بارِ آزادی  
پہنچ جاؤں تڑپتا لوٹنا میں اُسکے قدموں تک  
بڑی مشکل ہے، یہ ہے طور اگر نازک مزاجی کا  
خرام ناز مستغنی ہے فکرِ خستہ حالاں سے  
دل اندوہ میں محتاج ہے اُنکی توجہ کا  
تغافل سے نہ مارو اپنے ہمیارِ محنت کو  
نفس میں صید آہ و نالہ کرتا ہے، کرسی، لیکن

لب خاموش عاشقِ محشر فریاد ہو جائے  
اگر دل دامِ گیسو سے ترے آزاد ہو جائے  
اگر لے اضطرابِ دل تری امداد ہو جائے  
کہ میری خاموشی اُنکے لئے فریاد ہو جائے  
کوئی پامال ہو جائے کوئی برباد ہو جائے  
جو وہ چاہیں یہ بانٹا دزل بھی شاد ہو جائے  
یہ بہتر ہے ہلاکِ خنجرِ بیداد ہو جائے  
نہ اتنا بھی کہ بارِ خاطر میتِ آد ہو جائے

کئے کیا کیا تصرفِ شعریں جدت پرستوں نے

ہے وحشتِ مدعا اُنکا یہ فن برباد ہو جائے (غمان بھلا، رضا علی وحشت کلوی)

## سلام و عذرِ سلام

کر کے خراب عشق کو کیا کوئی کام اور ہے  
حشر و بہشت میں بھی خیر و فتنہ چند آہ اور  
ناز و نیراز سے الگ ہجر و وصال سے بلند  
قہر نہ کر تمام ابھی بات ہے ناتمام ابھی  
بعدِ نگاہِ مست کے لغزشِ گام اور ہے  
دور نہ ابھی تو عشق کو ذوقِ خرام اور ہے  
ان کی حریمِ خاص میں میرا مقام اور ہے  
بعدِ سلامِ شوق کے عذرِ سلام اور ہے  
اے کہ تری نگاہ سے کارِ زمانہ ہے تباہ  
کھوئے مدعا کہاں پایے مدعا کہاں  
شانِ نگاہ اور ہے طرزِ کلام اور ہے

زاہد پاکباز ہوں میکش مے نواز ہوں  
عشقتوں کے ہر مقام میں میرا سیلا اور ہے  
میکش اکبر آبادی

# نواب شیفۃ دہلوی نثر و نظم میں

عزیز ملک مقابلہ بہت سے آدمی طرفین کے اندر جنگ ہوئے۔ آخر نواب رضی خاں کی احسانیت راستے اور موقع شناسی کی دولت باہم صلح ہو گئی۔

لاڈلک کو اس موقع پر نواب رضی خاں کے جہر خاں ہونے کا پورا احترام پہنچا تھا۔ مصافحات دہلی میں گرگہ بول علاؤ گو گو گوہر تین لاکھ روپیہ سالانہ معمول کا ان کو خیریت کیا مگر نواب صاحب نے اس جاگیر پر قناعت نہ کرنے ہوئے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنے خدمت الرشید نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ کے نام خریدا۔ نواب رضی خاں کے انتقال کے بعد علاؤ بول گورنمنٹ نے دہلی سے لیا اور اراکین خاندان کی پیشن معزز کر دی جو ہنگامہ رسد میں بند ہو گئی۔

**تعلیم و استعداد** نواب شیفۃ نے ان بابت کے ذریعہ تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی عربی اور علم مردم و ملک کی تعلیم پانچ ماہ مالال دہلوی سے پائی۔ حدیث و احادیث میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی شیش بندی شیخ عبدالرشید سرگندھنی مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا۔ علاوہ ان کے مولوی کرام اللہ محدث سے بھی بعض علوم پر سے فی الجملہ تمام علوم دینی اور فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے۔

**تغیبات و تالیفات** تغیب لک الیٰ: حسن المسالک اور تذکرہ گلشن خیاب اور دیوان و نثر و فارسی و کتابت شیفۃ ان کی علمی یادگار ہیں۔ سفر نامے حالات فارسی میں لکھے جو شیفۃ میں ”برہ آورڈ کے نام سے طبع ہوئے۔

**شاعری** فارسی ادب میں شیفۃ کو دوری و تنگدہ حاصل تھی۔ فارسی زبان میں ان کی نظم و نثر کا درجہ کسی مشہور فارسی ادیب سے کم نہیں ہے۔ دہلی کی علمی محفلوں اور شیفۃ کی نظری مناسبت طبع کا انھیں تھا کہ سن سحر کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ساتھ آپ فکر شروع کر گئے تھے۔

اب شیفۃ اس فن کا بون میں پیر طریقت

گو ہر جہاں بھی ہے مری اکیلیں ہر جہاں

فارسی دہلی میں مکرر سن کر تھے، تذکرہ ہفت بہار میں مولوی نعیم اللہ خاں فریدی

بہندستان زیر نازی زبان کا چراغ فوت سے ٹٹا ہاتھ اور غازی شاعری کی مرطبی اہتمام کے قریب پہنچ گئی تھی مگر حسن اتفاق سے اس آخری دور میں چند صاحبان فضل و کمال خاصہ اراکین و بول میں ابے پیدا ہو گئے تھے جو علم و فضل کے علاوہ شہر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ درجہ کا رکھتے تھے۔ ان چند صاحبوں سے مراد: آزاد، علوی، یونس، میر، دشت، بیختر، غالب، جہاں، شیفۃ (عربی) سے ہے۔

نیر جویں مددی جہری کے وسط میں فارسی ادب کو چار چاند انھیں نے لگائے اور سادہ متاخرین میں گئے سبقت لے گئے۔

نواب شیفۃ بالکل لوگوں میں سے تھے جو ان بھی علمی دنیا میں عورت کے ساتھ یاد رکھے جاتے ہیں، فارسی میں تو صاحب کمال تھے ہی آزاد و میں بھی استادانہ کلام چھوڑ گئے۔ اس نکتہ نواب شیفۃ کا تذکرہ ذرا تفصیل سے پیش ہے۔

گو آپ کے سوانح نگار کیا تہ سرتی کے ساتھ شاعر ہو چکے ہیں مگر بعض واقعات پر ابھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس نگار پر بھی روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ شیفۃ شاعر ہی تھے، مگر اپنے ہمد کے بجا ان ملت و وطن سے بھی تھے۔

**ولادت و خاندانی حالات** غلط الدولہ مرزا الملک نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ شاعر میں دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد نواب رضی خاں بہادر مظفر جنگ جہانگیر آباد ضلع دہلی کے رئیس تھے اور والدہ مرزا اکیلی بیگ بہادری شہر بہ سالار کی بیٹی اور انھیں ام الدولہ محمد بیگ بہادری کی نواسی تھیں۔

اجداد نیکو شہادت سے جدید فرخ سر میں وار و بہند ہوئے۔ نواب رضی خاں اور نواب محمد خاں بخش رئیس فرخ آباد کی بھری تھے۔ نواب مصطفیٰ خاں کا قیام بھی فرخ آباد میں تھا۔ یہی وہ وقت تھا کہ سلطنت دہلی کی شان و زلال ہو چکی تھی۔ رضی خاں نے بہادر ام جوہر واد مگر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ مردم شناس راجہ نے انھیں جاہ اندوز کا افسر اعلیٰ مقرر کیا مگر اندر بھی اس وقت غیر مصلحتان میں تھا نواب لازم ہوتے ہی لاڈلک گوہر بول کی ممانعت کے لئے ہاتھ دے گئے۔ جو حکومت کینی کی طرف سے ہمارا حصہ کے اشتعال رستہ ہوتے تھے۔

دور ہو گی اکرام اللہ شہابی تصویر احمد میں لکھے ہیں :-

ماکتہ بیخ زمان داں در نظم و نثر کتا ہے زمان فصاحت و بلاغت از طرز  
کلاش پیداست و دست خاطر وجودت طبع از نثر کلاش ہوید اعمی الخ  
کریم الکفالی دانستے رمز معانی بنیادے خواص کتا دانی .....  
آن بزرگ فاسی خوش کتا گو یا کہ در شقتہ چہ دریں جزو زمان شخص  
از اہر اہر ہندوستان جنس لی نظیر شہادت خداستے عالی گرامی اور ا

پائندہ واد

مگر سید احمد خاں مرحوم آثار اللہ ابد میں آپ کے مثنوی لکھے ہیں :-

مندر آراستے جاہ و جمال زیبہ کتا و اقبال عمدہ آرا کتا و کتا  
اموہ اساطیر جہشت ..... صاحب تہذیب عالی بطلان  
سوادستہ زلی سورہ اسلمہ بر اجم لم یزلی بغض شناس شخص سخن فہمی و  
مثنوی تاجون داب بودہ کتا سنجی و کتا زنی عالم کرم عطار و در قلم رستم  
توان تو اب محو کتا علی خان صادر

رہنما میں شہنشاہ اور فاسی میں حسرتی شخص کتا ہے

فاسی ادب میں کامل و سنگاہ دیکھنے کے باوجود اردو ادب سے نہایت دلچسپی رکھتے تھے  
مگر شہنشاہ کتا کہتے تھے اس کم مثنوی کی وجہ سے گوگل کو ان پر کتا و غور و فکر نہ کیا تھا کہ ان  
ان کی بے تکلفی کے جسے ہندو نظافت سے خالی نہ ہوتے تھے۔ سخن فہمی میں اپنا جواب  
نہ دیتے تھے۔ ملاحظہ سخن میں بھی کتا فاض تھا۔ مرزا غالب سے مشورہ سخن کیا مگر ان کو بھی  
ٹوک دیا کرتے۔ مرزا غالب نے ایک قصیدہ لکھا جسکے مطلع کا اہلا مصرع یہ ہے :-  
”عبد اضعی لب آغا زستان آمد“

مرزا صاحب نے اولیٰ عید قربان کہا تھا، خواب شہنشاہ کے ٹوکنے سے عید اضعی بنایا۔  
مولانا حالی ایک جگہ یادگار غالب میں لکھے ہیں :-

”اگر ہمارا قباس غلط نہ ہو تو مرزا کے بعد انکے ساتھ بن میں سے کسی کی  
فاسی غزل ان کی غزل سے لگا نہیں کتا فہمی اور شکر کا جیسا مع  
مذاق انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا وہاں بہت ہی کم دیکھنے میں نہ آتا  
لوگ انکے مذاق کو خوشکے شرف و جہ کا میاں جانتے تھے انکے سکوت سے  
خبر کا خبر خود اسکی نظر سے گر جاتا تھا اور ان کی تحسین سے اسکی قدر  
طرہ جاتی تھی۔ مرزا غالب فرماتے ہیں :-

لے یادگار غالب صفحہ ۷،

غالب یہ فن لکھنا ناز و بدیں از رخ کہ او

نخوش و در وہاں غزل نامی صلیفہ خاں خوش کتا و  
غالب مثنوی کی خان میں مرزا صاحب کا ایک قصیدہ بھی ہے اس کا ایک شعر ہے۔

آں ہماستے مسخر پروازم کہ بال

دہو استے صلیفہ خاں می زخم

ایک جگہ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں :-

غالب زخم سے زنی جہڑائی کہ در بزل

جوں آفتابش معنی و معنیوں کتا و کتا

ایک دفعہ میں غالب صاحب کی غزل کی یاد دینے پر کہتے ہیں :-

زہے غزل و خوش غزل یاہے میں زخم و زخم یاں بودہ اندوختن را  
بنوازش دینیاں از آسان خود آرد و

سخن مرقدن خن شامت اگر آہو سے نمودن دہشتہ باغم پر خود

ناز می توانم کرد زہادہ زیادہ

بلکہ مومن خاں مومن نے قابل شکر کی استاد ہی فرما دیا اور انکی قابلیت کا اعتراف  
کرتے ہوئے شہنشاہ کے ”گلشن بجا“ کی نظر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

آن شہنشاہ کہ خود گرامی باشد مریخی سخنوں نامی باشد

اکون جہد باندا الاحدم محمد و سنائی و نفا ہی باشد

مومن ایک شعر میں شہنشاہ کی سخن فہمی کی داد اس طرح دیتے ہیں :-

زخمین او من مثنوی ساز

ہزار آفسیہ بر چرخیں آہ ساز

غالب شہنشاہ کے کلام میں گرمی اور لذت کے علاوہ مشکوہ الفاظ اور

کلام چشتی ترکیب نمایاں نظر آتی ہے۔ تلاش الفاظ اور ترکیب کی روش میں  
غالب اور مومن کا رنگ پایا جاتا ہے وہ اپنے کلام میں برقی تبر کی چوکی اور سادہ بانی  
پر غور کرتے ہیں :-

تینفہ سادہ بانی نے بہت چمکا

ورہ صفت میں لوگ ہیں بہتر ہم کو

لے یادگار غالب صفحہ ۹

۷۵ غالب شہنشاہ مرحوم نے ۱۹۲۱ء میں مرزا احمد از حضرت نظامی بانی

”تذکرہ شعرا“ تذکرہ گلشن بھارہ ۱۲۳۸ھ میں لکھا گیا اس زمانہ کی دہم کے مطابق زبان انصاری کی گئی لیکن اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ شعرا کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی کی گئی ہے اردو شعرا کا یہ سب سے پہلا تذکرہ ہے جس میں تنقید کی طرف توجہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے تو تذکرہ اردو شعرا کے لکھے جن میں ان میں تعریف کے نواں تنقیدی پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

مگر اس وقت کے طالع عادی اس امر کے تھے کہ تعریف تو مصیبت کے سوا شرف کے متعلق کوئی مجموعہ رائے قائم کرنا اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا۔ عادت ہو چکا تھا اس تذکرہ کے متعلق لکھتے ہیں:—

”تذکرہ گلشن بھارہ تجارت شستہ و دفتہ والا از یاد و گاہ است

اما خالی از اخبار نعیست چہ گلشن را خاد لازم دآل لزوم

تقصیر است انجن کہ جزوات حق از عیب خالی نیت

ان سے زیادہ غیر غلام قطب الدین خاں باطن اکبر آدمی نے زہر اگلا ہے۔  
نور محمد یلیب گلشن بھارہ کے مقابل میں لکھا ہے۔

نواب ثقیف نے نظیر اور اپنے شاگردوں کی کچھ زیادہ قدر کی یہ بگڑ بیٹھے۔  
ثقیف اڑوہ سونے غائب کی دل کھولی گرفت کی عبارت نور محمد یلیب (گلشن بھارہ)

کی اردو ہے اور نورتن مجھ کی وضع ہے۔ وہی التزام ضلع۔ شکلا میں جولاہوں کا ضلع کہیں حرف کا کہیں شو کا کہیں تیری فراغ کا رعایت غلطی سے بھرا ہوا ہے جگر مومن خاں کا ذکر جولاہوں کے لوازمات بانندگی کے ضلع میں ہے جو نہایت مضحک ہے۔

غرض کہ ایک طرف تذکرہ کی یہ قدوائی تھی دوسری طرف اس کی بے حد قدر ہوئی اور تذکرہ نویسوں نے نواب ثقیف کو سراہا بلکہ عین تعریف کی ہے وہ ہر کو خیال سے کہ ہے۔

نواب صدیق حسن خاں قنوج اپنے تذکرہ شمع انجن میں لکھتے ہیں۔

”اکثر عمر در مشق فن سخن بسر بردہ و در مراتب نظم و نثر ادای خاص

داشت و با پارسی رنجہ طبع او خفاں مناسب افتادہ کہ ہر شہرہ

سخن خوش و حرف دلگداز اگر مجموع منظوم و نثر لواری

اس معنی را سلم داری

نواب نور محمد خاں کچھ قدیم میں لکھتے ہیں۔

”حضرت ثقیف از آوازیں ہما بہ شوق سخن معروف بود و عمر سے درس

مشغل بسر بردہ و در مراتب نظم و نثر ادائے خاص دارد

و ہر دو زبان رنجہ و پارسی محکم کے کرمی طراز از من بر سر کہ دیتے

بہ روش و ادب و گوارا ہم ہفتہ کہ صفت او معنوی یافتہ ام

ثقیف کی سیاسی زندگی

تذکرہ نویسوں نے نثار خان ثقیف کی زیادہ توجہ

کے لیے کیا ہے۔ آپ کے کلمات میں جو سوانح لکھے گئے اس میں بھی نواب ثقیف کی سیاسی زندگی

پر تبصرہ نہیں کیا گیا۔ نواب اپنے عہد کے ملک و ملت کے بھی خواہ تھے اور ان شخصوں

میں سے تھے جنہوں نے اپنی کوششوں سے ملک کو قوم کی نعمت ہو چکی تھی کوئی

تدبیر کار گذر نہ ہوئی۔ حال اپنی بہادری سے جو دشمنان کی قہر ملک گیری کے اعتبار

سے اپنی جگہ صحیح گمراہی کے اعتبار سے بھی کاسب بنی۔ جاگیروں کی منبلی نے

ارباب ثروت و جاگیر میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی۔ ادھر ہنگامہ جو برپا ہوا

تمام جاگیر دار بادشاہ دلی کے ہنواں گئے۔ نواب ثقیف کے ہر مشرکوں نے

نواب کو اپنا آگاہ کیا۔ روسا میں سب سے بڑی شخصیت دلی داد خاں رئیس مال گٹھ

کی تھی ان کے رجم کے تلے غلام جید رضا زیندار پوٹو درمی۔ جدی بخش بہادر

قاسمی دین علی بلوچ شہری۔ عبداللطیف خاں رئیس خاں پور۔ اسماعیل خاں غلام غفل

نواب مصطفیٰ خاں ثقیف رئیس جاگیر آباد وغیرہ جمع تھے۔ دلی داد خاں مذکور کی

بہانجی بادشاہ دلی کے ایک قہر آزاد سے بھی غائب تھی۔ ثقیف کے متعلق بادشاہ سے

خط و کتابت کرنا تو عین تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہونے پر دلی داد خاں نے اپنے علاقہ

میں بڑی سرگرمی دکھائی، مگر بالآخر اٹھا پٹا۔ بعد ازاں ایک باغی قرار دیا گیا

کسی کو جس دوام ہوا کوئی، برس کے لئے قید ہوا۔ ثقیف کو بھی برس کی قید

فرنگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں بہادر نوہر نواب شاہ جہاں بگم صاحبہ والی

بھوپال نے بڑی کوششوں کے بعد ان کو رہا کر لیا اس معیت سے ہنجات پانچ

بعد نواب مصطفیٰ خاں نے جو خط نواب صدیق حسن خاں کے نام لکھا ہے یہاں

بہ لفظ نقل کیا جاتا ہے:—

”خط ساری کہ در زمان قتلادوں مخلص یہ بند با بنام عبدالعزیز

صاحب بہادر رسیدہ بود بر طبق آن صاحب مدوح آپ خاں

نواب مصطفیٰ خاں ثقیف آقا کی دہوی (سالہ ششم) آگاہ





# اپنے دن واپسی راتیں

خونیں ہے آکاش کی رنگت دھرتی تھر تھر کانپ رہی ہے  
 بندوقین کا ندھوں پر دکھ کر باغی ہر سو گھوم رہے ہیں  
 زندانوں کی دیواریں کو توڑ دیا ہے دیوانوں نے  
 چاروں جانب پھیل رہا ہے خون کے فواروں کا منظر  
 آگ کے شعلے، خون کے پھینٹے تیر رہے ہیں سرخ فضا میں  
 مذہب کی فرسودہ عظمت رکھ بنی ہے خاک ہوئی ہر  
 کنگلوں نے مل کر قانونی زنجیروں کو توڑ دیا ہے  
 جھوٹوں نے اونچے ایوانوں کی گردن توڑ کے رکھ دی  
 بھوک کے ماروں کی رگ رگ میں لگے طوفانِ مالِ اٹھ میں  
 مزدوروں کی آنکھوں میں ہیں کڑوی تحریروں کے فقرے  
 ابھرے شانوں والے دہقان شہروں میں جنگھاڑ رہے ہیں  
 باغی انسانوں کا لشکر شاہی ایوانوں کو دوڑا  
 ہاتھوں میں پرچم، پرچم پر ایک درانتی ایک تھوڑا

دو شیرازیں بٹ سکیں گی عصمت اب نہ سلام نہ ہوگی  
 کالی آنکھیں، نیلی آنکھوں کے آگے اب جھک نہ سکیں گی  
 مزدوروں کے سر رانیٹوں کو ترجیح نہ دی جائے گی  
 تیلے ہونٹوں لمبی آنکھوں کا اب سے پوچھا نہ ہوگا  
 باتوں پر اب قید نہ ہوگی لب سینے کا حکم نہ ہوگا  
 بھوکے بھوکے رنگ کی موت کے سایے میں جینے کا حکم نہ ہوگا

آج سے جیون اپنا ہو گا اپنے دن واپسی راتیں  
 میٹھی بولی، قسمت ترانے ام نغمے، مندر بایں

الطاف مشہدی

# کشکش

نہات کی آنکھیں بند سے بوجھ تھیں۔ بولچ زمین کے سینے سے لپٹ کر رہ گئے۔  
 والاٹھ۔ پولس گری کی آہنی گرفت میں بے چینی سے کسار ہی تھیں اور دھنسا ایک آخری  
 اٹھائی کے ہتھکنڈوں کے لئے فافوش ہو جانے والی تھی۔ دریا۔  
 فافوش، رشت اور تاریک۔ ایک مخصوص اواز بے نیازی سے بہہ رہا  
 تھا۔ کتوں کی گرفت آوازیں رات کا سستا ناہید روی سے چھین رہی تھیں۔  
 تاریک لیکن دلفریب زلفیں کائنات کے چہرے پر کھج جانے والی تھیں کہ ہم لوگ کاکڑوں  
 کے بڑے درد اڑے پر ہونے لگے۔  
 بچہ کے گرم گرم بازوؤں سے ٹکرا کر ہم بھی آبادی سے ہم آغوش ہونے ہی  
 والے تھے کہ شادی کے شادیوں نے ہماری رہنمائی کی۔ ہم لوگ گھیسے کے  
 دروازے پر بیٹھ گئے۔ جہاں راستے کی طرح موت کا شاننا تھا۔ بلکہ زندگی ہی نہ تھی  
 تھی۔ ہزاروں کا مجمع تھا۔ آتش بازیوں کی روشنی کاکڑوں کی منڈیروں کو روشن  
 کر رہی تھی۔ باجوں کی آوازیں روانہ کے "عوسی زانوں" کی طرح دل میں ایک جھلن  
 اور ردائی جذبہ پیدا کر رہی تھیں۔ ہم لوگوں کی آہستہ ٹھنکی کی رونق میں چار چاند  
 لگا دیتے۔ غریب دیہاتوں کی آنکھیں فوطا ترست سے کھلا تھیں۔ انھوں نے خلوص  
 اور محبت کا اظہار بہت معلوم انداز میں کیا۔ انھوں نے ہم لوگوں کو پیچھے بھینچ کے  
 گلے لگانا شروع کیا۔ ہر سے لے رہ نظر منہ کرنا شروع کیا تھا اس میں سبوں میں مددی کی  
 ظاہر واری نہ تھی، لیکن ریشٹ نے دہات کی روح کو محسوس کیا تھا۔ اس نے دیہاتوں  
 کی نظموں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تھا اور ان کے دلوں کی دھڑکنیں سن رہی تھیں  
 ہیر اور چٹکی چارہ آتے۔ شیرنگو، دلاور دھان اور ہادر پانڈے ہلاتے گئے۔  
 گرجن کیا، تصدق اور اتھار ہی بھی موجود ہوئے۔ غرضک ذات اور بات کا فرق ایک  
 نقش نشان نام کی طرح شاہ جوا نظر آیا۔ بڑی بڑی سفید ڈاڑھیاں، ٹھٹھوں سے  
 اونچی لنگیاں اور سیاہی نصیب جو شان پیدائش ہی صبح کاکڑوں کے کتوں پر دھولی گئیں  
 تھیں اور بڑے بڑے پیچھے ہونے لگے۔ لیکن اسکے بعد بھی چہروں پر  
 مسکراہٹ، دلوں میں ایک تڑپ آمیز جذبہ اور خلوص سے جھکتی ہوئی آنکھیں،  
 یہ تجسوس کرنا مشکل تھا کہ شادی کس کے گھر میں ہے۔

سب کاکڑوں: اسے جمع ہوئے اور پیش کو ساتھ لیکر کاکڑوں کی پڑائی کو چلے۔  
 ایک چوٹی سی حاجت برداشتگی کے ساتھ بڑھی۔ چپکتی ہوئی، بل کھاتی ہوئی۔  
 جسے رات کی تاریکی میں کوہ پڈ کا تیر۔ دیکھنے دیکھنے کاکڑوں کا میدان آدھوں  
 سے بھر گیا۔ شعل جلائی گئی۔ رات کے ساتھ آئے ہوئے لہانوں  
 کا شاندار مقدمہ کیا گیا اور تمام عزت و شہرت کے ساتھ شادی کی یہ حاجت کاکڑوں کی  
 گلیوں میں آگئی۔ شہر کے چند سفید پوش۔ آنکھوں پر عینکس لگائے، بڑی بڑی  
 بال سر پر ایک مخصوص انداز سے رکھے ہوئے۔ ہاتھ اسٹاٹے ہوئے  
 چل رہے تھے کہ خاک اس کے کپڑوں کو گندا نہ کر دے۔ ایک بڑے سفید گھوڑے پر  
 دو لہاسر جھکائے ہوئے مستقبل کا حسین خواب دیکھ رہا تھا۔ کاکڑوں کی نوجوان  
 لڑکیاں بھی بھی کاکڑوں کے کٹھنوں سے آدھاسر کھائے ہوئے جھانک رہی تھیں  
 ان سہم ہستوں کے لئے یہ نظارہ کچھ کم تعجب خیز نہ تھا۔ انکی آنکھیں بھی کچھ نہیں  
 وہ بالکل درہوش تھیں۔ وہ اپنے مستقبل کے خوابوں میں کھ گئیں۔ انکے خواب بظاہر کھنے  
 حسین تھے کتنے لکھت آفریں، لیکن حقیقتاً کس قدر دلدور اور صبر آزما۔  
 رات دروازہ پر پہنچی ہی تھی کہ لوگوں کی نگاہیں یکایک ایک نازک چہرے پر  
 جا کر جم گئیں۔  
 مرد و عورت ایک دلفریب لہجہ کے ساتھ بڑھی۔ بزرگ بڑی بڑی  
 ڈاڑھی والوں کی آنکھیں ایک خاص قسم کی روشنی سے جگمگاتھیں۔  
 حضرت بدامن مامی کے تصور سے مردہ جذبات میں ایک کشکش پیدا ہو گئی۔  
 جسمی بھوک کے مارے ہوئے نوجوانوں نے چیمٹی سنہرے کنارے کی سادھی میں پھپھے  
 ہوئے صندوقی جم کو غور سے دیکھا تھا۔ ہرے رنگ کی نازک سی چیل، سبز  
 آویزے، زقار میں مصنوعی ٹھوکریں، نوجوانوں کے دل دماغ پر بھانگئیں گئیں  
 دو لہائی آنکھوں میں آنکھیں دالیں اور گانا شروع کیا۔ "بڑی دھوم  
 سے آبا بندہ امیروں کا"۔ اور وہ لہا لہا روائے سے منہ جھاکر مسکرا دیا۔  
 شرم سے جھکی ہوئی گردن فوراً بلند ہو گئی، تھوڑی دیر کے لئے وہ بھٹکی لگا کر اپنے  
 کی کھنی جانفشانیوں کے بعد اکوٹام کا کھانا نصیب ہوتا ہے۔ اسوقت وہ ابتر

گھر کا دو اماں تھا، دُنیا کی دولت اُپلٹھو کر میں بھی کائنات کی سرسبز اس کے سلسلے ہاتھ باندھ کر  
 کھڑی تھیں، فضا ہر اسے جوئے نفلوں سے گونج رہی تھی، سرورِ جہنمِ نفوس کی گداز  
 ہی کھڑے ہوئے، ایک انسان کی نگاہ میں اس کے بدن میں بھی جا رہی ہیں۔ اُس نے ماری  
 کے آچل کر مر بڑا، اُلعاشیا توڑ سا درخشاں پیدا کیا، اور ہم کے لطیف حوصلوں میں  
 بکھلاں بھروسہ، عزت کی دان نور دکھانے اور گناہ شروع کیا۔

تو اسہر اسوالاکھ کا کٹنا ہزاروں کا

اور عز بنے غموس لیا کہ گویا دولہا چہ ہے اور ایک رئیس دولہا، اسکی چھین لیا گیا  
 اس نے اپنی مجھ کے مطابق انتہائی دلکش طریقے سے سکوائے کی کوشش کی۔  
 رُس بیل سے چلے جو سے بالوں پر ہاتھ بھرا، ایک رات کے لئے اُدھا دانی ہوئی  
 گھڑی پر سے آئین ہائی، جو شعل کی روشنی میں کسی غریب دولہا کی قسمت کی طرح  
 جلا کر رہ گئی۔ — سرور میں اسکی معلوم حرکتوں پر سکرا دی۔ عز بڑا دل بھونچنے  
 لگا کہ کونسا کہ جوان کی رنگ آمیز نگاہیں عز پر غم گئیں۔ — عز بڑا کو با د  
 آیا کہ وہ بیانیہ جو اس نے اسام میں بنوائی تھی اب سے زیادہ بیش قیمت ہے اس  
 دہن سے غرق آلودہ چہرہ کہ ہوا دینے کے لئے اٹھا اور روشنی میں چلتی ہوئی پستی  
 نیا ن کو دیکھ کر اس نے ساقیوں کے دلوں پر سائب لوٹ گا۔

بزرگوں کی بھوک لگا ہی سیلاب ہو چکی تھی، انہوں نے رسوم ادا کرنے کیلئے  
مکمل شروع کی۔ مولوی صاحب آجودہ ہوئے، اچھڑ میں شیعہ ملتے پر سکھوں کا نشانہ  
بالک لیا، لیکن غریب اور بد سے مانتے دیا، بڑی کی نظر دل میں آفتاب کے  
جھلکا ہوا۔ — محض پر ایک نہی، رعب غالب ہو گیا، فضا بجائی غولوں سے گونج  
ٹھی۔ — رحمت کے شہزادوں نے سرت کے تین گائے اور بارہا کما کی حدت  
ہام کاٹوں پر جگائیں۔ دولہ کے باپ نے نکون کی دیوی کے آگے برٹھکھ دیا اور مال کی  
بجھن فروخت سے جبکہ، ٹھیں — دولہا کی برادرت میں حیات سے زیادہ  
فیضی تھی۔

ابھی مصلح بنفقہوں کی آوازیں لہرا رہی تھیں کہ ایک کانے سے ایک شخص نے  
وہوں کو کھانا لے لیا۔ یہاں تک ایک دیہاتی سا آدمی — ٹوٹا ہوا پتہ  
کی طرف دس ہوئے بال، غلام ایک کی طرف سے ترچے ہوئے ہو گئیں۔

وہاں سے کھڑی ہو کر دنگ بڑھ کر دنگ بڑھ چکی تھی۔ تیوں کے اوپر ایک فیضہ لٹھیں تھیں۔ ایک بیاہ تھا۔ تین بیٹے لگا ہوا تھا۔ اس سے تیوں کی حبس میں دنگ خاص، اعزاسے : خدا لا، ارہام جہم، یک غور و غریب، زکاوانی سے اڑ کر رو رہی۔ وہ دھمکن کا ہونہی تھا۔ نماز پر کراہت سے خدا کو کھانا سوئے ہوئے کر کے لے کر تھی۔ اب وہ تہمت کے کھانا تلوانہ

نری کے جوتے کے کچاؤ بٹا کھین لایا، اور پھر ہی کے منڈل کے بجائے حرکت کا ٹیڈہ استعمال کرتا تھا۔ اُس نے اپنے دیہاتی بچے اور غلاموں کو ایک بڑی تہذیب محسوس کی تھی۔ اُس نے بھی محسوس کیا تھا کہ اب وہ اپنی مکمل دیہاتی نوع کی پوری کے ساتھ بنا ہوا نہیں کر سکتا۔ اُس کو تہذیب بھی ایک ایسی ریاضت جانتی کہ جو جسم، کارکن اور کھلاؤ جنس کی طرح اُس سے محبت کی باتیں کر کے وقت پر چار مارے گا کہ وہ اُس کے ساتھ ایک نوازیں سے منسلک ہے۔ اُس نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی کہ وہ تہذیب دیر کے لئے بھول گیا کہ جنگ کے بعد جنگی کارخانوں کا کام ختم ہو جائے گا۔ اس کا فرض ہو گا کہ ہفت و بڑا آدمی تھا۔ اس کو ساتھ روپیہ ہمارا ہے۔ اُس نے فرزندوں الفاظ میں طلاق کا مطالبہ کیا۔

گاہوں والوں کے چہرے سختے سے سُرخ ہو گئے۔ پٹیاؤں کی تہوں پر، چھتیاں  
نوجوانوں کا خون جوش، رہنے لگا اور گاہکوں کے مضبوط اور طاقتور جوانوں کے ہاتھ ایک  
بھلی کی کسی تیزی کے ساتھ اپنے اپنے ڈنڈوں پہنچ گئے۔ دہشت کا سمیچا ہوا ماحول غصے  
سے نکلے ہوئے ہزاروں دھاغوں کے تھانی تھا۔ ایک ایک بولت و ٹکڑے سے بدھ بھق  
کا مسلے ہو گیا۔ چمٹی ہوئی سُرخ سُرخ آنکھیں نساک ہو گئیں۔ فرسے ہوئے ہوئی ٹوڑیاں  
جھک گئیں۔ دو گھر جس میں سکون و مروت کا دور دورہ تھا گریو و زاری کی نوحہ خوانی اُڑا رہا  
تھے گئے لگا۔ جیسی دھن سے اُس سال قبل کی دھن سے بلیٹ کروڑوں فریج کی اُڑا رہا

[illegible]

اسی کے ہوا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں وضو کی حاجت پیدا کی۔ اسے (آئینہ)

## گلیانک بہار

عشق تو نیرِ عشق ہی حسن بھی دیدہ ورنہیں  
جلاؤ حسن کے لئے وسعتِ شمش جہاننگ  
دل جو جنونِ عشق کو رخصت یک نظر نہیں  
دل و نفس تو چیز کیا سخن چن بھی لے آرا  
طوفِ حریمِ رنگِ بو غایتِ بالِ در نہیں  
عشق کے عکس میں وز برقِ ڈیر کی نہیں  
حسن کی بارگاہ میں آہ کا بھی گذر نہیں  
اس کے لئے سب ایک ہیں سہاڑی رنگِ در نہیں  
کہہ گشتِ میکہہ زانوئے ناز و نقشِ پا  
راگزارِ عشق میں کوئی بھی خود مگر نہیں  
کون نشانِ راہ دے کون دلیلِ راہ ہو

دیدہ و دانش و خرد - صبر و سکون و ضبط و موش  
دل کے معاملات میں ایک بھی معتبر نہیں  
بہار کوٹی

## رودادِ محبت

محبت کی روداد ہیں بس ہمیں تم  
تصور نے دیکھے ہیں جلوئے تمہارے  
کیس عشق ہم، حسن کا فر کہیں تم  
نظر میں بھی ہوا کہ حجابِ حسین تم  
ہو جانِ چینِ بوئی غنچہ نشیں تم  
سماے ہوئے ہو نظر میں تم  
اسے رہنے دو بس ہیں کی ہیں تم  
تپشِ آفریں شمعِ پروانہ چین تم  
سنو بھر وہی لغزِ آتشیں تم  
جالِ آفریں ہم تھے عشقِ آفریں تم  
نہ پھیرو مڑا سا ز سوزِ آفریں تم  
ادھوری کہانی مری کچھ نہ پوچھو  
مجھے کہ ایک شب کی قسمت ملی ہے  
میں تارِ شکستہ کو بھر چھڑتا ہوں  
وہ روانِ ماضی کا رنگین سنا  
ٹپتی ہیں چٹکریاں ہر نفس میں

صبا پر بھی پیارا آتا تھا تم کو  
کبھی تھے وفائے پیامِ حسین تم  
صبارِ شیدی

# زبان کی وسعت اور نگہداشت

(افصح الفصحی علامہ شفیق مینائی عماد پوری متعہم الابد کے افادات سے)

اُردو کی محدود زبانی وسعت نو دیکھا کر اگلی زبانوں سے پیچھے نہ رہی ہر جہاں  
کی راہنمائی تھوڑی سی تھی مگر اس سے ہندوستان پر بھی گئی اور دوسرے ملکوں پر  
بھی سایہ ڈالنے کو اپنا دامن بڑھانے لگی۔ مغرب کے چارہاں یارو بھی اسکے مشرق نواز  
خزانے میں غفلت ہوئے گئے۔ اُردو کا شریک سربراہ ایسے دو سپہ سالاروں کی دولت ہے  
جو مادرِ ہند کی تربیت کو قبول گئے ہیں۔ اخلاقی کمزوریوں کو کھیلوں۔ دیں کی دھن اُسے  
زبان کا ساز اس طرح نہ چھڑیں کہ بے شریکے داگ کھینچ لیں۔

وسعت اور نگہداشت میں جملی دامن کا ساتھ رہے تو خلعتِ شاہجہانی  
داس اُسے اور زبانی کا سہرا سر پہنے۔ جھوڑا ریشم کے پھول آج تک کس  
باغیاں سخن کی آبیاری سے شاداب ہیں یہ مقدار ہزار داستان کے لٹنے کا نول کو بچے  
نہیں گئے، کتنا ہے یہ یار پورے فاسے کو زبان سے  
مقدار ہزار داستان دے

کثیرالاشاعت اخبار وقتِ الشیوع رسالے زبان کی وسعت میں بقدرِ منتطافیت سے  
لے رہے ہیں۔ نگہداشت ان خدامِ ادب کا کام جو نثر و نظم کا حیدرِ باقیوں میں کہنے  
میں۔ شریکِ نثر سے زیادہ نظم کا راہِ ہوتی ہے۔ نام کے نام بہت کام کے کم ہیں۔ طریق  
کھڑی سرِ مالِ خزانہ گر با اندازِ نامحاند کہتے ہیں

شاعرِ استغنیٰ صدیِ غلیم توئیں سات کی

کیا مارہنِ فن کا طین سخن انجلیوں رنگے جانے سے زیادہ ہیں۔ نگہداشت کے ساتھ  
شاہراہِ عمل کو دست دی جائے۔ پھر کڑ کا دائرہ نہ بنایا جائے کتنا ہی بڑا ہو کھنڈ  
دہلی مرکز نہ سہی نصیحت کی جماعت مرکز سہی

ہم شریک کے لکت میں آئیں  
فصحی کی زبان لیتے ہیں (حاجہ امیر اللغات)

نصیحت کی طاقت کا تعین اختلاف کے نقطہ نظر سے ہو۔ دائرہ ساری دنیا کو گھیر لے کر ہے  
قدیم نہ ہے یہ رکارڈ کی طرح ہوں مرکز پر اپنے چکر  
کے پاؤں جو مغربیوں کے پاؤں پر ہیں (شفیق)

”کاغذی خاتون ہیں بس بنے دلی رگوں کے افادات نگہداشت  
طاقِ نسیمیں اپنا جات کہ یعنی کتب خانہ منتشر نثر اور قریح  
نقلِ ساحتِ عارضی کا غدر بارو۔ کافی سولات سے بے بہرہ ہونے کی  
محذرت سہی۔ انکانِ تحریر آزاد کنندہ پیر کی انما کو بھی رحم ہی  
بکھ لینگے۔ دلت و ظلم کی جیش اُس پانچا کو کھٹکا کچھ رواج دے  
ہو نچا منزل پر عذاب کتنا ہوا آدم پر مطلب

محامدات سے پہلے الفاظِ مفردات کے بدمرکبات ہوں۔ مشرک زبان کے مرتبے میں  
قرنی، فارسی کے چارہاں ریزے بقدرِ فروت آچکے ہیں اور آتے دھتے۔ کسی زبان کا  
لفظ صحت سے دو زبان عوام پر کو تو چارہاں ریزے کے دے لکھ رہے ہیں غلط العوام صحت  
اجامی حیثیت سے کسی زبان کا لفظ صرف یہ ہو کر نصیحتیں متعلیٰ ہو جو ہری کے ہاتھ  
کا را شا ہو انگوٹھے غلط العوام صحت۔ پوچھتے غلط العوام صحت کیوں میں کیا گیا۔ اسے  
کہ غلط اور صحیح اجتماعِ فہمیں ادب میں کسی زبان کے فاعل کے کام نہ رکھا خلاف  
ادب ہے

ہزار نمونہ بار یک نر زمو ایجات

ایک استاد کا مصرع ہے ”درد درماں سے الفانٹ ہوا“  
موردِ اعتراض تھا۔ دو چند کے لئے الفانٹ ہے۔ الفانٹ تو تمام مفان الیکا  
ہو گیا۔ فغانی نہیں معنی بھی دل گیا، نصیحتانے، عاجز قرار دیا، فغانی حیثیت اور لے  
مونی پر متبر نہیں لغزشِ لغت سے ممکن ہے اُسی استاد کا جمع نثر میں لکھتے  
ذخیرہ زمزمی حوسن پوری ہدم ہے (آتش) میں جب تک ہیں وہ وہ جان بگم ہے

خوف کا شباہ جاکا خدا۔ عبادت شاعری کا ہر سکون ہم رمضان کیوں خالی  
جائے۔ سنئے قاضی جی کی طرح نہ پوچھے کس کا ہے

تو جلائے ماہ رمضان اور دواع واڈاے ماہ رمضان اور دواع

سکون ہم نے رگ جاں کو حرکت دی تھی بے اسے ہوز داسے قابض نے دل ہا دیا  
داکھوں باو اسے الوداع رمضان پر برسرِ شت؟

جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ دونوں صحیح جمادی الاولیٰ، جمادی الثانی نہیں  
واو یہ کیا ہو جو کوئی نہ بولے صحیح۔ جب بولیں وہ غلط! اہل تحقیق بولے کو نہیں سننے  
بظہر بصر دیکھتے ہیں۔ جمادی موٹ اسکی دونوں منتیں بھی بعید۔ برسرِ شت ایک اولیٰ  
دوسری آخری۔

آپ کہہ گئے ایک شاعر کہتا ہے

جو تھی تاریخ اسکی ہے مانی ہے یہ ماہ جمادی الثانی  
اسی کا نام شاعرے تو شاعر کا نام کون پوچھے، سنئے صحیح صحیح ایک مصرعے میں بات آجاتی  
یہ سن مانی قاضی بندی نہ رہتی یوں کہنا تھا

”ہے یہ جو تھی جمادی الاخریٰ کی“

آپے محنت الفاظ کی بحث میں محنت و محنت کو بھی دیکھتے ہیں صحت  
بہ تشدید جلتے حلی صحیح بخفیف غلط۔ مرض بلیغ راستے حملہ صحیح بہ سکون ثانی غلط  
شاعری کا مرض بہ سکون بڑھا جاتے تو کیا علاج ہے

مریض عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھا گیا جوں جوں دو آکی  
دائم المرض نہیں دائم المرض لکھے۔ جلائے عادت بادہ نوشی کو پیسے دائم الخمر  
کہتے ہیں، اکثر جلائے مرض کو دائم المرض کہتے۔

آجکل ہر بات کو نظم ہی میں لکھنے کی عورت گئی ہے۔ مجھے ایک ہرمان نے لکھا  
سنئے میں دائم المرض میں آپ مرض سے جلد تر صحت ہو جائے  
جواب میں لکھا: شاعرے حلی والی صحت در کا ہے، مرض کا سکون فیض ہو تو  
راحت کا سکون نعیم ہو! اور کیا لکھا۔

استفادہ یہ لفظ بلاشبہ صحیح اسکا استعمال غلط کر دیا جاتا ہے جیسے قائمہ محفل  
کرنے کے بدلے استفادہ محفل کرنا باب استعمال کی قاصبت سے محفل کرنا ہی میں ہے۔

ایزاد۔ باب افعال کا جدید مصدر بنے سنزاد کی جگہ پر آگیا ہے۔ لغت عرب میں  
نہیں استفادہ زیادت۔ مزید۔ سب کا وہ ذی۔ د اور اسکا مادہ ی۔ ز۔ د  
دیکھتے آجکا دہندہ میں فرق ڈر گیا یا نہیں۔ قبایط پر خلاف قاعدہ الفاظ بنا لینے سے

بہم خفیہ جی رہی، جس طرح کیا کر ترکی زبان میں بگم برکات فدا ہی معلوم ہے، تلو یا گیا  
خواص کی زبان بھی بہم خفیہ آتا ہے اور ہی فصیح ہے۔ تلو سلا کی میں بھی بگم کو بگم کوئی نہ  
کہنا چھو، تعریف جائز و ناجائز دونوں کی مثالیں ہوئیں یا نہیں۔

”محل کی عام گہ بانامی میں شاعرے دھڑکی ہر جنس سے اڑاں ہی رقم ہے  
کوٹے کوٹے کوٹے کوٹے۔ لوگ عربی الفاظ کا بغیر شد دے شد۔ شد دے غیر شد  
سکنت سے سخن تحریر سے ساکن نظم کے جاتے ہیں۔ فارسی الفاظ کو بھی اول بدل کر لے جوڑ  
بدل بدل اسے جاتے ہیں، نا ناوس ترکیبیں مانی دونوں سبلم گڑھ ل جاتی ہیں۔ سب کی مثالیں  
الغیر وغیرہ کے ساتھ آتے آتی ہیں۔

عربی مینوں کے نام واقعات سر وغیرہ نظم کرنے میں ہی جاتے ہیں۔ وجہ مثال  
فرہی مینا الفتح جہ تازی غیر شد ہے۔ دور حاضر کے ایک شاعر شاعر شد جہ سے  
نظم کر لیتے۔ جس زبان کی صحت کا مدار عواظ پر ہے اس میں تعریف کس طرح جائز قرار  
دیا جائے۔

واقف اپنے مدرسہ مراجعہ کا ایک ہندسہ لے نہیں سوتا اس لئے نقل کرتے ہے  
کتاب مواضع آج بھی ہے اور طبعہ دینی شرف بھی۔

مواضع کی رات آگئی جب وہاں وہیں دن بھر گئے تاروں کے سرزد شب میں  
جہر جہر آئے قرب کا بیہنام طلب میں حاضر ہوئے کا شاد سلطان عرب میں  
وہجما کہے آرام میں وہ فرقت نہیں پر رب جگہ ہے مشتاق قاعش میں پر  
(شوق)

رمضان، بیغ بیغ صحیح، بہ سکون بہ غلط نظم کر دیا جاتا ہے۔ اعراب قرآنی شاعر ہے  
شند من سنن اللہ یحیٰ احوال فیہ اللہ ان۔ کلام فصحا میں تمام بیغ صحیح ہی پاکو کا  
دو شاہس جواہری دعوت نگاہ سے خالی نہیں ملاحظہ ہوں۔

آبیر ضیائی ہے فوطہ روزی۔ جہاں میں کہتے ہیں ہند  
رمضان خوب مینا ہے سلسلوں کا

رمضان کی تعریف کس کی زبان سے کرائی گئی ہے۔ دیکھتے پھر دیروزہ نہیں امروزہ  
کے سلطان یہ خالی حال ہے یا نہیں۔

غنیطہ جو بوری ہے تمس دن خوب رہا فائز کشتی کا بردہ  
ہو گئی عید جو روزے رمضان کے آئے

”فائز کشتی کا بردہ کہنا سننی غنیطہ پھر ہو گئی عید کے کوٹے کوٹے۔ بگم پر دھڑکیوں سے  
کچھ غریب پر دیکھا عید آپ ہی کے ہے۔

اعزاز واجب ہے۔

شکور۔ یہ لفظ ممنون کا جزاؤ نیکو نیک ناموں میں آجاتا ہے جس پر احسان کیا گیا  
ممنون احسان کا شکر ادا کیا گیا شکور جو شکر گزار ہے۔

آپ رواں۔ یہ سکون ہائے کھوہ لعل کی قسم ایک بار ایک کپڑا۔ فارسی نہیں ہے  
با صاف فارسی محرم آپ رواں، عاجز، محرم کو بھی چند کچھ (عرب میں بدلاں کماں) ؟  
چادریاں بدواں بھی اسی معنی پر آجاتی ہیں۔ البتہ وہاں چادر ہے جہاں با صافیت نہیں پائی  
کی چادریاں آدھو جیسے

فرش ہے سیلاب کا سطح زمین پر بہر طواف

خوشنما ہے چادر آپ رواں برسات میں

پیلے مصرع میں سیلاب دوہرے میں برسات سے صاف جہاں ہے نہ کوئی اڑھنے والا  
ہے نہ کپڑے والی چادر، سوئے تازک محل بار یک فاضل

(محل اشغال، الفاظ پر پرانیس کا ایک بند یاد آگیا)

ہے کچھ جب گرمی ہے آرو کے لئے، تیرگی دہے گزینک ہے گبو کے لئے  
زیب ہے خال بہ چہرہ گرو کے لئے، شرمہ زیب ہے خط زکین دھکے کے لئے  
”داند آئیں کہ فصاحت بہ کلام دارو“ ”ہر سخن موعود ہر نکتہ مفاسد دارو“  
دیکھئے فصاحت کی تعلیم دی جاتی ہے اور کس سخن بیان کے ساتھ، آواز و شاعر کا  
دل کے کہنے ہیں انھوں کی بند شاعری میں کیا ہے اور اسی میں سب کچھ ہے۔

”موسم برسات“ ”لیجئے آگاہی ہوئی“، برسات ہندی اور فارسی اصناف کے ساتھ  
”موسم باران“ نسبت سے ہوتے روشن خلیے میں آتا ہے۔

ہے گھٹا گھٹو کالی رات ہے رات کا موسم برسات ہے

کالی رات بھی آگئی، اندھیری رات نہ آئی، خدا بر بھی کھڑوں اندھیاری رات بھی نہیں  
نہیں، کھڑے کے نہ بڑا دل جانے والی جالی (شیدو کی اندھیاری) نظم میں لائی جا چکی  
ہے، انھیں کا احساس بھی جانتے، فصاحت کے متروکات بے سبب نہیں۔

”فرزانی“ اور اس کی نئے فرمائیاں، آپ کس کے اندھیری میں یہ چاند کھڑے  
نکلا، ادب لطیف کی روشنی میں اندھیر ہو جائے، اس کے دھکے ہوئے ہے

فصاحت ہے نرمی جانی کا جذبہ لطیف، یہ پایا رفتراںیاں مازا مند

”فرزانیان“ پر تو شاعر خود ادا شد کہ چکا، جذبہ لطیف پر بھی اسے توبہ یہ دونوں سخن  
تکے، آجکل غزل تکے کے جانتے ہیں۔

”نرم بر چکان“ اتنی بے تکلفی سے شگ پر ہی کہ سا از نغزل بکار آٹھا۔ اور

انوکھی ترکیبیں گڑھے عجائب الفات زبیرا یعنی ہے۔

”گل جلاں“ سچائے گلستان نظم کرنے پر کہا جاتا ہے اس میں جوت ہے اب یہ کون بتا  
تھوے کی فارسی کچھ کاس ہے، شاعر گل پر گیل ہوسے ہٹنے لگی۔

ہندوستان سے واد الگ کر کے ہندوستان ہی دیاں لایا جاتا ہے تو ہندوستان ہی  
بھی جلا کر ہندوستان ہی ہو جاتی ہے بے واد کی مثال شرا سے فارسی کے کلام میں ہونے  
والے کو شرا ہی کا یہ شعر ہے

گل کی درو سدی ہو کر وستان، ہنرخ می چو طفل ہندوستان

ارے یہ شوقی کیسی؟ واد تکلی ہوئی مثال چاہئے، سان العصر اگر الہ آباد ہی گویا زبان  
حال ہوئے ہیں :-

”کھینٹے اور بھی گل پر بھی کیوں کا جوا ہے“

”تاہی“ یہ سہا ہی کا بڑا ہوا خاک ہے بقول آتش (ہندی نہ فارسی، ترکی)

پر یاگ والے جنم بوم میں چھاپی سے پیدا ہوئی ہے (دیکھو غلط فہم)

رسم ہے مودی کی چھاپی ایک، خلق کا ہے اسی چلن پر مدار

مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید جات اور چھاپی ہوسال میں دوبار

وہاں مودے کی چھاپی سال میں دو بار یہاں زندہ سالے کی تاہی سال میں چھ بار  
کیا تری ہوئی ہے بست سا کو کوفہ، سہ روزہ کو توفہ، سہ شنبہ کو شنبہ بھی نہا  
ٹولے، توہم ہو تو پوری ادھوری کیوں، بوسے کجوری والی مثل جھوٹی نہ ہونے پائے۔

آتش نے سندس کا ترجمہ کیا جھکا (خالص ہندی) آپ نے سہا ہی کا ترجمہ کیا تاہی  
لیجئے اسی جال سے نہ نکل سکی فارسی کے داد سے خود نہ نکل سکے، سچائے غریب اگر دو  
پر بھی کیا کیا آئیں، خدا حافظ۔

مضمون نام کرنے سے پہلے علم کی تکلیف ہوتی جاتی ہے، غلط طے جواب بات  
فرامیٹس بات، اور سر طانی بات، محاورات پر ششہ طریمت آئندہ لکھو گا، اس وقت  
”شاعر“ کا جلالی نمبر صرف، اساتے آگاہتے سخت عنوان تحقیق و تہجج اور حضرات کے علاوہ  
مجھ پچرے بھی دہن کے لفظ کو پچھا گیا ہے، کس وزن پر لکھا جائے کون سا بڑ  
بھاری رہے، خیر عرض کرتا ہوں :-

”دہن“ لکھو کی رنگین شاعری میں اتنی روش جواب نہیں کہ جملہ ترانس بطور  
نہ ہو، اکثر شراے خانوں کے دواویں میں دہن بھٹا تھیں ہے، خال خال شاہیں  
مقدم کی دہن برون گلشن کو ترجیح کا خلف نہ بھٹا سکیں گے دہن برون چین کی  
شاہیں کم نہیں جہاں وقت ہی کہے، ایک دہن خالی سند پیش کر دے اس سے بہتر ہو

کہ تھیں جو تھیں بہ کام سب کر لینگے۔

”ہاتھوں میں ہندی رجائی مجھ ہے یا نہیں؟“ جواب آیا گرسادہ دنگین نہ تھا  
”یہ محاورہ اس طرح میری نظر سے نہیں گزرا“ سفرِ حق علیہ کو تسکین نہ ہوئی وہ  
کہنے لگے ہندی رجنا جمع ہے تو اسکا ہندی رجنا کیوں صحیح نہ ہوگا؟ ان سے پوچھا  
کیا ہندی رجنا کا مفہم بتائیے وہ بول اُسے ”ہندی کا رنگ پر کو خوشا ہو جائے“  
پھر کیا تھا کہہ دیا گیا ایسے لازمی کا ہندی خلاف محاورہ زبان ہی نہیں خلاف قیاس  
بھی ہے۔ حالانکہ محاورے میں قیاس کا دخل ہی نہیں۔

”شادی رجائی“ غلط نہیں، شادی ایک تفریب کا نام ہے، جیسے اُس نے  
دھوم دھام سے بننے کی شادی رجائی۔

جہاں سے دنگین کوئے کا جرم شفق کے ہاتھوں پر چکا، اب ظلم سانی مانگتا ہے  
(خزینہ دہلیا جلوہ کی چاروں دیووں کو ایک باجی)

سلمان الہری ہے بغیر کے لئے کہنے غلام ہل ایک بری کے لئے  
عش بھی ہوا توں آئینے کو قدم حاضر ہو عصاب بھی دنگیری کے لئے  
(کد بجے سب لغزشیں مٹا ادب ہاتھوں آچکے نہیں چاہتا)

شفق مینائی عماد پوری

جناب مگر نا بد عمل کو قریح آبادی مغفور اور روم کے عبادہ حضرت قبلہ آبرم مینائی  
سے بھی مستفید تھے جب دو گلاس پہلے، مطلب قیام پیر سے میری ابتدائی مشق کا  
پر بار تھا، مجھ کو ہمارے ذوق شوق کہنے والوں کو ان سے استفادہ تھا، ایک غزل طرزی  
نظمی اور آئین والی تھی جس میں کسی نے دنگین پر محاورہ گفتگو شعر بھی لکھی تھا مجھے اُن کا  
ادب ہے کہ وہ شرم روم حضرت کو رُسے طرہ کر دیا۔ مجھ سے پوچھا تم اپنی غزل میں یہ تافہ  
لوٹے یا نہیں جس نے دیوان مرزا غالب کا حوالہ دیتے کے بعد کہا کہ عمر معاہدین غافلین  
فولن میں جناب کا ممبر رہا ہے

”دنگین سوئی ہے یہ مانے وہ شالہ“

دبانے کے میں نے دنگین کوئی مجھ سے یاد ہوا، ساتھ سے سنا اور لکھتوں میں نہیں بولتوں  
میں مستفید بننے سے شاد، اور دنگین غم کیا ہو، رانغہ کہہ لیں کہ دو پہرے پر دکھاتا  
ایک محاورہ صہ کل اسی دنگین کے شعلہ بنظر تحقیق لکھوں مغفون ختم ہونا ہو  
دنگین نے ہاتھوں میں ہندی رجائی جمع نہیں ہندی دنگی یا دنگین کے ہاتھوں ہندی  
جی دنگ ہے۔

صوبہ ہمارے ایک شاعر نے ہندی رجائی لکھا وہیں کے شعلہ بنظر تحقیق لکھوں  
اعتراف کیا وہ مانے حضرت قبلہ آبرم روم اُس وقت بقید جانتے تھے اُن کے خط لکھ کر پوچھا گیا

## برق و خرم

یہ سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں، ”قوس ہے کہ میں“  
زندگی ہے سرسبز اک سنی محبوبہ کا نام  
دیدنی تھا بندگانِ عشق کا ذوقِ سجود  
آہ اُن سے بچھن گئی ہے طوط و شانِ خودی  
عشق نے بخشا ہے کچھ ایسا کمالِ ذوقِ دید  
ہے ہمارا بھی تو آخر قبلہ ذوقِ نظر  
دل میں لاکھوں آرزوئیں کے جاتے ہیں گر

الطاف پرواز  
(دکن ادب ٹرسٹ، ممبئی)

دیکھئے پرواز کیا گذرے خرد کی جان پر  
چل پڑے ہیں ہم کسی دیوانہ گر کے سامنے

لے زبیر دین کتاب ”مبتاعِ کلیم“ کا ایک ہدیہ



## دوست

جب جو ہم کے سہی تنگ آجاتا ہے دل  
جب نظر آتی ہے رنجوں کی گھاٹھانی ہوئی  
نہر نھر آگئے ہیں لب آہ و فغان کو سٹے  
جب بھلتی ہیں ترنیاں میں نکلنے کے لئے  
ازدیں کسسا کر دل میں بجاتی ہیں جب  
جب کسی جوان دل کو سرخوشی تھی نہیں  
خود بخود باز نگاہ خمین ہو جاتی ہیں جب  
فدہ دہہ مکرنا ہے سنانے کے لئے

خود بخود جب بیٹھے بیٹھے بانگ انا خود دل  
زندگی بھرتی ہے جب جلوت میں گھل لی ہوئی  
راز جب ہونے میں مضمر راز دال کو سٹے  
کو دین لہنے میں ارباباں رخ دلتے سٹے  
حسرتیں اپنا کفن خود ہی کے لئے آتی ہیں جب  
زندگی میں جب ادا کو زندگی تھی نہیں  
دن کے طواریات کو مگر جو کچھ پھول لب  
گوشہ گوشہ دوڑتا ہے کھٹ کھٹ کے لئے

دوست ہا دوست جب دل خوش لب پر شاہ  
دوست ہا دوست جب دل دوسری پہ سوار  
دوست ہا دوست جو ہم مذاق و ہنر میں  
دوست کی کہ کلمے کا شہر جز دنیائیں لاج

حلقہ تنویر عالم میں نہ ہرگز گھر کے  
جو نہ بہکا تو سے بکے جو نہ پھرے پھر کے

دوست تو تھا ہے لیکن بے وفا ہے افسانہ  
دوست تو تھا ہے لیکن جوڑن سلاطین غلام  
دوست تو تھا ہے لیکن دشمنی کے واسطے  
دوست تو تھا ہے لیکن خود کا خود دنا

دوست ہا دوست مل کی دھڑکنوں کا راز دار  
دوست ہا دوست آڑے دھن کا پتہ جین  
دوست ہا دوست ہرگز ٹوٹی جی کا راز دار  
دوست ہا دوست سہما یا ر بچا آشنا  
دوست ہا دوست ہر دور و اہم کا چارہ گر  
دوست ہا دوست گلزار عقیدت کا گلاب  
دوست ہا دوست لطف و جود کا ابرو داں  
دوست ہا دوست جگہ ہر نظر میں ہر گھڑی  
دوست ہا دوست جگہ ہر نظر میں ہر گھڑی

دوست تو تھا ہے لیکن بے وفا ہے افسانہ  
دوست تو تھا ہے لیکن جوڑن سلاطین غلام  
دوست تو تھا ہے لیکن دشمنی کے واسطے  
دوست تو تھا ہے لیکن خود کا خود دنا

رنج دل کو بختا ہے سرخوشی کی آڑ میں  
دشمنی کرتا ہے اکثر دوستی کی آڑ میں

ہر قدم پر نفرت اخلاص پر سنا ہوا  
پھلتی دغا نیاں صدق و صفائی نرم میں  
زندگی کے کہنے بڑے پھر تو کاتے بھی قبول

کاش ملتا دوست ساز صدق پر گاتا ہوا  
کاش ملتا دوست فردوس و فغان کی نرم میں  
کاش ملتا دوست لیکر وطن کے دشمن بھول

غنیہ امید کھلتا چاہئے کھلتا نہیں  
دوست مل سکتا ہو دنیا میں مگر ملنا نہیں

صبا متھراوی

# بے غیت

نہیں بڑی بھی زحمت ہو چکی تھی۔ وقت کے بڑے بھاد کے ساتھ ایک زندگی کے دھارے بھی تیر گئی کے ساتھ اس کے بڑے رستے تھے۔ رفتہ رفتہ تھلی ہوئی موجوں کی طرح اس کی تیز تیز زندگی بھی شل ہو گئی۔ اسے قوی میں محال پیدا ہو گیا، چال میں سستی آگئی مقبول کی قرآن خوانی اور امامت کے فرائض میں بھی کوتاہی ہونے لگی۔ —  
میں مل ملاؤ کی شرکت میں جو کہ اس کا محبوب منسل تھا، فری آگیا۔ اسے اجاب جو عام طور پر اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اس سے ایسے جو کر گئی نہ دوست کی تلاش میں معروف ہو چکے تھے۔ — اور وہ — وہ خود بھی ہر چیز سے بے نیاز ہو کر رہ گیا تھا۔

زندگی اس کی نظر میں لذت و لذت، کیفیت و مرد اور سستی و خود فراموشی ہو گئی تھی۔ اسے سبوی بچوں کی بھی کوئی فکر نہیں ہی تھی۔ — کیونکہ اس کے رشتہ دار ان کے کیل تھے۔ نماز کے کچھ اور نئی کر وٹیں لیں، دن ہفتوں میں، اپنے ہمیزوں میں، اور جینے والوں میں تبدیل ہوتے رہتے، لیکن وہ دین کے ہنگاموں سے بے پروا، زندگی کی روزی ہوئی جگہ ٹھنڈیوں پر چل رہا — — چل رہا — — بھٹکے ہوئے راہی کی مانند۔ — اور اب اس کی ساری خواہ افیون چائے اور سگریٹ کی لذت ہونے لگی مقبول کی عدم حاضری، امامت کے فرائض میں کوتاہی کا یہی نتیجہ نکلا کہ دونوں جگہوں سے دو ایک بار متنبہ کئے جانے کے بعد علیحدہ کر دیا گیا۔

چھ ماہ کے بعد اس کو پہچاننا مشکل تھا، نشہ خوار وہ کہا ہی ہو، ہر حالت میں انسان کے دائمی توازن پر اثر انداز ہوتا ہے اور جب نشہ کرنے والے کی خواہش پر وقت پوری نہ ہو تو وہ دوم سے سوم نفل سے بھی احتراز نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ بھی افیون کے نشہ کی پیاس کا قتل آہل خوابے رستہ دار کے پیوں سے بھاگا رہا اور جب وہ بھی زیادہ عرصہ تک اس بارے کی تھلی نہ ہو سکے تو اس نے یوں ہی کے دو چار چاندی ہونے کے زلیلوں کو ٹھکانے لگا کر افیون کھا کر بے زبان صورت مرثیہ کی کے ساتھ اپنے دو درخت کو دو سروں کے گرد لپیٹ کر رہی اور خدا کا شکر ادا کرتی رہی۔ — لیکن ایک وجہ اس نے پہل بار اپنے ہی عزیز کے رتن بھاٹے سے جو کہ گرفت کو کھائے تو اس کی بیوی نہایت کے ناقابل برداشت ہو گئے وہ کہہ گئی، اس کے عزیز

اب وہ افیون کے استعمال کا عادی ہو چکا تھا، لیکن اس کی عام زندگی پر کسی قسم کا تیرہ واقع نہیں ہوا تھا۔ لباس کی صفائی، ہم ذوقی اجاب کے ساتھ نرم میلاد اور اسی نوع کی دوری، تیرہ ہی محفلوں کی شرکت و مقبول کی قرآن خوانی اور امامت کے فرائض و حسب سابق منابت ذوق و ترقی کے ساتھ انجام دے رہا تھا۔ اس کی عمر ستریس کے لگ بھگ تھی، مضبوط تھی، چہرے پر سرخی، موزوں و خال بھرا ہوا جسم، یہی اس کی ظاہری برکت وہ دنیاوی دس داریوں کے بوجھ سے عرصہ ہوا آزاد ہو چکا تھا۔ ماں باپ اور ایک بہن جو لے دیکے اس کے خاندان میں بچے تھے ایک ایک کو اسے رخصت ہو چکے تھے۔ — اور اب وہ اپنے ایک دور کے رشتہ دار کے یہاں رہتا تھا جو اس سے شش بڑے کی محبت کرتا تھا۔

اس کی آمدنی مقبول تھی۔ — لیکن فضول خرچی کی عادت نے کبھی اس کے پاس اتنا رہا جمع نہ ہونے دیا کہ وہ شادی کا باوا ٹھاکے۔ جب اس کے عزیز اور اجاب اس سے شادی کا تذکرہ کرتے تو وہ کچھ دیر سوچتا — سوچتا رہتا اور اس کے بعد صرف مقبول کہہ کر "جب قسمت میں ہوگی، خود ہو جائیگی" اپنا بیجا پھرتا — — اور اب جبکہ وہ افیون کثرت سے کھانے لگا تھا، دن اور رات کے بیشتر گھات میں سکوٹھائی کا مشقت کے ساتھ احساس ہوتا اور اس کے دل میں بھی حین قرب کی خواہش نکڑا پیا پیتے لگتی، اس نے فیصلہ کر لیا کہ شادی کا تذکرہ کیا، دو چار مہینہ میں کچھ پس انداز بھی کیا، مگر افیون کی زیادتی نے اس کے فوری پر گرا اثر انداز کرنا شروع کیے باعث وہ آئندہ ایک بیب بھی جمع نہ کر سکا!

ایک سال کے بعد اس کے عزیز نے کسی طرح اس کی شادی کر دی اور تین سال میں تین بچوں کا باپ بن گیا۔ — ایک لڑکا اور دو لڑکیاں۔ اس کی عام روش میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا وہ اپنے مشغلہ فرائض اسی تندہی، محبت اور جانفشانی سے شرکت کرتا رہتا تھا۔ — البتہ افیون کی تعداد رفتہ رفتہ بہت ہی چارہ بنی تھی جسے تیرہ سے تھپتھپ رہا تھا۔ وہ اب رات کے علاوہ دن میں بھی افیون کا استعمال کرنے لگا تھا، کثرت سے چائے بنا کر شروع کر دی تھی اور ایک پکٹ سگریٹ کے بجائے دو دو اور تین تین پکٹ دن اور رات میں پی جاتا تھا۔ چار سال میں اس کی

جانے کے۔ وہ اب بھی کبھی کبھی اپنی لاپرواہی زندگی کے کچھ لمحے بھائیوں میں جاکر گزار دیتا تھا۔ اس کی متبرعات پر بے انکسوس ملن کی، لیکن اس پر ذہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ اس کی عزیز اس سے نفی باؤس ہو چکے تھے۔ اس کی بے خبری بے بسی اور نشہ کی وارنگلی نے اس کو دنیا کی ہرزہ داری سے بے نیاز کر دیا تھا۔

اس کے عزیز جب اس کی جلی ہوئی حالت اور غیر ذمہ دارانہ روش سے پریشان ہو گئے۔ اور اس کے بھائی بھائیوں کا بار بھی ان کے ہوتے نہ رہا تو اس کی طرح ایک روز انھوں نے اس کی موجودگی میں بیوی کو طلاق دلا دی اور اس طرح چھٹائی کا جاذب کو نفس کی قید سے رہائی مل گئی۔ چونکہ اس کے عزیز نہایت شریف طبع تھے، طلاق ہونے پر اس انھوں نے انتظام کر کے اس کی بیوی کا عقد خالی کر دیا۔

لیکن وہ ——— وہ ان سب حالات سے واقف ہو کر بھی کسی طرح متاثر نہ ہوا۔ اس کی رگوں کا خون سرد ہو چکا تھا، اس کا جذبہ حریت مرجھا تھا، اس کا دل و دماغ بھرا انہوں کے تصور کے ہر تصور سے عادی تھا۔ اس کے اعضاء شل ہو چکے تھے، بالکل اس مادہ اور پیکے ہوئے کان کی طرح جس کی فصل تیار ہو اور اس سے کام کرنے کی طاقت سب کر لی جاوے۔

پھین لی جاتے!

عزیز کے دروازے کے علاوہ اب اس کے لئے ایک نادر دروازہ بھی کھل گیا تھا۔ اس کی جیس نظر اس کے بہت مہذب اور اس کی چیز کے نفیس قرار کھنے سے عادی دماغ ایک اور نیکو طلاق شدہ بیوی کے دروازے پر بھی پہنچا۔ اور نشہ کرنے کے وہ بھر بھیک کچھ نہ کچھ مانگ لایا۔ اب وہ اکثر و بیشتر اس خزنہ صفت عورت کے محل جذبات پر ہمدیوں اور چار چوبیس طرح کے ناچار فائدہ اٹھاتا رہا۔ اٹھاتا اور انہوں کے نشہ میں خواہ مخواہ رات سے بڑھ چوبیس کوں کوں کی سسل آوازوں کے ساتھ بیٹے ہو کر بیٹری اور گڑبگڑ کے کڑھوں کے ساتھ کٹوں میں جی بے خبرت زندگی اور ہر اہم رکن کے نہیں گزارتا رہا۔ تھا کہ ایک روز جبکہ وہ اسی بے دروازی پر رات کی انہوں کے لئے کچھ مانگے پہنچا تو اس کی بیوی کا خنہبر آہنچا اور اس نے اپنی بیوی کو پیسے دے کر دیکھ لیا۔ وہ اس کی خوف بھر کے پیسے بھر جلاہی چاہتا تھا کہ اس کے خنہبر نے اس کے لالہ کو ایک بھر پور چھوڑ دیا اور پیسے پھینک کر کہا۔ "اگر تیرے لالہ کو بھانپنا نہیں چاہتا تو پھر آگے اس دروازے پر گزرتا ہے۔" سننے لے لے اس نے پٹھان ہوں۔ کھڑا تھا اور بولس کا غلام آج تک بے خبر تھا۔ کیے مذہبی، بدعاش، بے غیرت۔" اور یہ کہ وہ دیکھ کر اس کی بے بسی سے کمال پہنچا۔ وہ اپنی بیوی سے کچھ نہ کہہ سکا۔ کیونکہ وہ سب کچھ جانتا تھا۔

نے اس کی دھارس بندھائی اور جب شام کو اس کا خنہبر گھر آتا تو انھوں نے اس کا لحاظ میں اس سے کہہ دیا کہ وہ اب آئندہ اس گھر میں قدم نہ رکھے۔ اس نے خاموشی سے اپنے عزیز کی سنت و طاعت کو برداشت کیا اور جب چاہا گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اب اس کی حالت اور بھی بتلی ہو گئی۔ ڈارھی بڑھی ہوئی، چہرہ پر سیاہی، آنکھوں میں بھیاں، شبلی کیفیت، اعضا میں اضمحلال اور سستی دل و دماغ پر مجرد

اور بے بسی کا خنہبر، اب خوار و معرت انہوں کے مسلسل اور باقاعدہ استعمال ہی سے اتر سکتا ہے۔ اس کے دن پر پیڑھے بیٹے ہوئے، گھر سے نکل کر وہ سولی محنت و مزدوری سے انہوں کی کچھ نہ کچھ تعداد بھاگ کر کے کھانا پکھا اور راتوں کو کھانے کھانے اور دماغ بھوک بھوک کر کہیں نہ کہیں وقت گزارنے لگا۔ وہ اب شغل محنت، یا ملازمت کا قطعی عادی نہیں رہا تھا اس کی راقص خصوصاً ہانگے

ہوتے بسر ہوتے، دن چڑھتا کہ وہ سوتا رہتا اور دوسرے موت کے سے خاموش اور اداس گھوں میں بھجوں، سڑکوں اور عام گڈ گڈا ہوں پر گھوم بھر کر ڈوچار آئے بھیک مانگ لیتا تھا، اسے اب بھیک مانگنے میں بھی شرم محسوس نہیں ہوتی تھی، سڑکوں کی آٹھائی ہوئی بیروں اور سڑکوں کے بیٹے ہوئے ٹکڑوں سے اس کے پیکے اور بے رونق دن اور تیرہ و تندر راہیں بسر ہوتی تھیں۔ زندگی

میں اب وہ کسی تبدیلی یا تغیر کا غماز نہیں دیکھتا تھا۔ بیٹری اور سڑک کے گری ہوئی بھوکا کی طرح اس کی زندگی کے خواب روشن تھے۔ اور وہ اس برصغیر تھا۔ دن کی روشنی میں اپنا چہرہ دنیا کو دکھانا نہیں چاہتا تھا، وہ نور متناہک لوگوں کی چاہ میں اور انہوں کی جنگ میں بیہوش و خراب حالی رہنا چاہتا تھا۔ وہ دنیا کے ترغیبوں کے باوجود دنیا سے بیزار نہیں تھا۔ احباب کی ابن اوفقی اور سلطان سنی سے واقف ہو چکے تھے اسے ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بیوی بچوں کی بھوک پیاس کا احساس ہونے پر بھی اسے ان کی چنداں فکر نہیں تھی۔ اس کے عزیز کا سخت ڈیر

بھی اس کے دل و دماغ پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوا۔ اسے مگر نفی تو صرف انہوں کی فریاد کی۔ بیٹے تو وہ دونوں وقت انہوں کھانا کھا اور اب اب اسے ایک وقت بھی شکل سے ملتی تھی۔ بیٹے وہ انہوں کھانے کے

بعد جائے کی چار چار، چھ چھ پالیاں بیک وقت بی جاتا تھا اور اب ایک پالی بھی نصیب نہ ہوتی تھی۔ اور ہر آدھ سے دو چار روٹیاں اور کچھ ترکاری مانگ کر وہ اپنے پیٹ کی آگ کو دبا لیتا تھا۔ اور کبھی دو دو تین تین دنوں سے خاتمہ کرتا رہتا تھا۔ لیکن بھر بھی وہ مطمئن تھا، گھر سے باوجود نکال دینے

## نوادرات

شبِ غم کی رازی زلفِ جان کو دیکھ گا  
وہ گدڑی کے تونہ پھر گدڑی کے رستے  
لڑا کر آنکھ تجھ سے نہ کھانے میں کیجے پر  
جو ہنگامِ سخن ہو کے رخصت گھر کو جاتے ہو  
ہمیں بھی ساتھ لے لو جلوہ گاہِ ناز تک پہنچی  
پڑے ہیں تو پڑے رہنے دو میری خون کے دھبے

جگر اب میکرے میں آگے ہو تو مناسب ہے  
الگ چٹکے سے تم پی لوسماں کوں کیجو گا  
نہ جانے کیا ہوا؟

آج دونوں کو سرِ مغل نہ جانے کیا ہوا  
دیکھتے ہی دیکھتے قاتل نہ جانے کیا ہوا  
عین منزل پر ہمارا دل نہ جانے کیا ہوا  
آج ہے بے کیف سی مغل نہ جانے کیا ہوا  
لطف جینے کا جو تھا حاصل نہ جانے کیا ہوا  
چل پڑا ہوں میں جو منزلِ رضا کا لیکے نام  
سمع تک جاتے ہوئے دیکھا تبھوں نے بزم میں  
ہر قدم برابر تو ہو منزل کے ملنے کا یقین  
بمچھ کو اب جو عشق میں رکھنا قدم تو یاد ہے  
بار بار کھائے میں غوطے میں بے رحمت کے قریب  
درد ہی سے تعزیت رہتی تھی دل کو عشق میں  
کیف وہ مغل میں آج آکا کسب جلا آئے  
عمر بھرا ان سرگرمِ حسیں زور رہا  
دات ہی بھر کے لئے تھیں بزم کی رنگینیاں

ہو نہ ہو دل لے لیا شتر انھیں نے آپ کا  
بہرہ کر جو دار میں دیا رہنے کا ہوا

# حکیم الامت

حال میں دینار اسلام کے بہت بڑے محقق و ملت فرما گئے۔ آپ کا نام نامی **اشرف علی مباح** تھا جو آپ نے ۲۰، ۱۹ جولائی ۱۹۷۳ء کی درمیان شب کو اس عالمِ نبوت کو چھوڑ دیا۔ یہاں حضرت علامہ کے کچھ حالات پر درخشاں کیے جاتے ہیں۔ حضرت والا کو امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہر فرد جانتا ہے۔ دو آہر ہندسے بکر و جلد و فرات تک آپ کی شہرت ہے۔

آپ جامع کمالات، صاحبِ نیکیں، نطب ارشاد و شیعہ وقت تھے جو دنیا کو دینی نیلہات سے منور و شاداب فرماتے آئے تھے اپنا کام کیا اور زحمت ہو گئے۔ آپ کے کن کن اوصاف کی سیاق کی جائے۔ قرنِ آخری میں قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھے جنہوں نے آپ کے مستقرِ خانقاہ اشرفیہ تھانہ جھون کو دیکھا ہے وہ اس امر کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ خانقاہ کا ماحول اسلامی کچھ کر آئندہ دار ہے۔ آپ کا جو تعلیم بھی پڑنا تھا، انسانی کوشش کے مطابق بدنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر پڑنا تھا۔ جادہ صفت پر کورہ استقلال بیکر قائم رہنے والے بزرگ تھے دنیا میں بیگزوں طوفان آئے۔ زمین کا نقشہ بدل گیا۔ ہزاروں حادثات رونما ہوئے۔ صد ہا جگہ جوڑ پیدا کر کے والی تحریکات نے سر اٹھا یا تو آپ اپنے مرکز سے ایک سیٹی بڑھ بھی نہ ہوتے یوں تو نابینائی سالک کو فہم و ذکاوت خاص طور پر غیب سے عطا ہوئی ہے مگر آپ کو شکوہ شریف نبوت سے وہ نورِ فرات اور وہ ذہنِ ثاقب ملا ہوا تھا کہ جہاں چمکا اور جہاں پھیلا آسانی چراغوں نے شرم سے آنکھیں بند کر لیں۔ آپ شرف سے بلا کے دین و فرائض تھے بڑے بڑے فلاسفہ اور منطقیت مقدمات قائم کر کے آئے تھے اور آپ بغضِ یزدوی اُن کے ہی الفاظ سے ان کو ایک منٹ میں گونگا بنا دیتے تھے اور زعمِ طلاق و خداقت کے سہرے خود بخود جو لیں سامنے ڈال دیتا تھا۔ غرامت اطاعت میں تبدیل ہوتی اور برآں مرید حضرت کا گرویدہ ہو کر واپس جاتا۔ خلائق حضرت اللہ و قیامہ میں بیٹا ہے۔ آپ اپنے اساتذہ اور شاگرد کا بڑا احترام و ادب کرتے تھے اور اُٹھتے بیٹھتے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان بزرگوں کی جو تینوں کا فیصل ہے کہ ان کا رو کو کچھ خد بردار گئی ہے ورنہ میرے پاس کیا دھرا ہے۔ نہ علم ہے نہ عمل ہے۔

حکیم الامت کا لقب بیکہ کہ بہت سے تلامذہ میں کو دھوکا ہوا ہوگا اور اُن کا

ذہن ڈاکٹر اقبال مرحوم کی طرف منتقل ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر مرحوم خود شاعری کے ام بکر بچے اور حکیم الامت جلیلِ علوم و فنون کے ماہر تھے اور بچنے کے مقابل میں دسٹن کو چھوڑ کر انکو مل رہے تھے لہذا عرصہ دراز سے غلوب و شین اللہ تعالیٰ نے یہ لقب انفا با فرمایا بعد ازاں ادب و ازانہ اقبال مرحوم کو بھی حکیم الامت کہنے لگا۔ حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا مرحوم نے اپنی تمام زندگی امت کی اصلاح کے لئے وقف کر دی تھی۔ چنانچہ اپنی عمر تربت اور نایف غلوب میں گزار دی اور انکی ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ آپ لندن، پیرس کی یونیورسٹیوں میں نہ پڑھے تھے نہ آپ نے کسی پروفیسر یا لیکچرار کے سامنے زاوئے شاگردی نہ کیا تھا۔ نہ آپ نے منسربا پر و کھڑے کو منہ لگایا تھا نہ آخر کی طبع کا دیوں سے کام لیا تھا نام و نمود سے اصرار نہ تھا۔ انقباب فرماتے تھے۔ غلوں سادگی کے پتلے تھے۔ نورِ مصدیریت تقدس و تقویٰ کے ماہر، میں چور بکھینا دیتا تھا اور پیرانہ و قار اور شین گنگلی ڈاڑھی سے بھانکتی تھی۔

آپ نے جامعہ اسلامیہ دیوبند میں تعلیم پائی۔ ۱۹-۲۰ برس کی عمر میں فائز تحصیل ہو گئے اور بڑے بڑے علماء و علما کو آپ سے شرفِ بہت حاصل ہوا۔ ریاست فاروقی آپ کو درویشی مل تھی، چنانچہ عالم، حافظ، قاری، داغدار، محدث، منقہ، مناظر اور طبیب بھی کچھ تھے۔ آپ کی استعدادِ فہمی کا کیا احاطہ کیا جائے۔ اللہ جل شانہ اُن اوصافِ جلیسے نماز فرمایا تھا۔ تدبیر، منطق، ذہن، نظر، سنجیاعت، محبت، استقلال، عدل، حق گوئی، حق پسندی، عہدیت، جفا کشی، گرائی نفس، بعیرت، انتظام، احابیت داسے و غیرہ۔ جن حضرات کی خوف ہو خواہ وہ دینی صاحب کی نایف کردہ اشرف القوائیم، ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے یہاں ”دسپن“ یعنی اختتام اور انقباض طوافات کا بڑا اہتمام رہتا تھا روزانہ کی ڈاک کا جواب اسی روز ختم کر کے اُٹھتے تھے اور مکتوبات بیکڑوں کی تعداد میں آتے تھے۔ ہر کام اپنے وقت پر بلانا فرماتا تھا۔ بچے دیو یا کی مانند شب و روز کام میں مصروف رہتے تھے۔ بہت کم بیمار ہوتے تھے کیونکہ ہر بات میں اعتدال ملحوظ تھا زیادہ تر زندگی اچھی ہی تھی آپ نے بیاسی سال کی عمر پائی۔

آپ تربتے سلیقہ کے دلدادہ تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو بے تربت غریبوں سے

انہیں موتی بھی ایسی تقریریں کرنا پڑیں کہ انہیں پسند نہ آئے۔ آپ مسلسل چھ ہفتات گھنٹہ تک تقریر فرما کرتے تھے تو پھر تقریریں بے دہلی یا کمزوری نہ پیدا ہوئی۔ مغرب تک فہمی ماہرین خطابت نہ کچھ پر مجبور ہو جاتے کہ ہم نے ایسا بولنے والا شخص کہیں نہیں دیکھا اور وہ بھی بیکر کسی تیاری کے۔ ہر وعظ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باپ سے سو دنہا کر لیا گیا ہوگا۔ جسے اپنے الفاظ موزونیت کے ساتھ استعمال فرماتے تھے جنہیں مستشرق شاعر بھی حیران رہ جاتے تھے کہ اس مولوی کو ایسی فصیح و بلیغ تقریر کرنا کہاں سے آگئی نکات و اسرار کا مادہ و خزانہ کہاں سے ہاتھ آگیا۔ آپ کے دین کا زانو کہ ہم مرتبہ شخص ہی پہچان سکتا ہے آپ نے ۸۰۳ھ تک میں نصف فرامی میں جنگی نیت کا اندازہ لکھوں روئے کہ پہنچتا ہے کہ آپ نے کسی تعریف کا حق محفوظ نہ رکھا۔ سب رفعا عام کے لئے وقف ہیں جس کا بھی چاہے یہ عیسائے ہزاروں مفالے اور یوں مواعظ کے آپ مالک ہیں۔ جن میں سے بیشتر قلمند ہو کر چھپ چکے ہیں جو سب کے سب علم و عرفان کے نکات سے لبریز ہیں (قارئین کرام ان کا مطالعہ فرمائیں انرا اللہ بہت نفع ہوگا) آپ کے شائع شدہ وعظ کی پستی پر یہ عنوان ہوتا ہے۔

### وعظ کا نام

مقام	ادب	کیفیت	کم	ماذا	لہ
کب ہوا (ظان روئے)	کہاں ہوا (ظان مقام پر)	کس طرح ہوا (مجھے کہانہ ہو کر)	کتنی دیر ہوا (اتنے منٹ)	کیا صفوں تھا (ظان متعلق)	کیوں ہوا (ظان متعلق)
میں ای شان	مستحق	صنعت	اشتات	میں ضبط	اشتات
کس کے لئے مانع ہے (صرفوں کے لئے سنے)	کتنی تھی (غیر حاضرین کا)	کتنی تھی (غیر حاضرین کا)	کتنی تھی (غیر حاضرین کا)	کتنی تھی (غیر حاضرین کا)	کتنی تھی (غیر حاضرین کا)

شاعروں کا نازک خیال اور متبع کردہ اکثر نسلی پسند ہوتا ہے۔ دوسروں کے مقابل میں خود کو خوش فہم و ذہین سمجھتا ہے اور اکثر کاگان فاسد تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ان مولویوں کے پاس دھڑا کہ ہے یہ تو صرف "ابو مسعود" ہوتے ہیں۔ کاش وہ اس بات پر غور کرنے کہ جن عہدہ الفاظ کا ذخیرہ ان کے قبضے میں ہے وہ کہاں سے آیا؟ یقیناً یہی جواب ہو سکتا ہے کہ عربی و فارسی سے اور عربی فارسی مولویوں کے

گھر کی لٹریچر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نہیں گفار فصیح اللسان اور جامع الکلم کون ہو سکتا ہے۔ یہ ان کے ادائاس، موصی ۱۶ ہونے میں ان کی حدیثوں کو یاد کرنے والے شعور و حکمت کے ثبوتوں سے مالا مال نہ ہونگے تو کون ہوگا؟ حقیقت امر یہ ہے کہ علمائے ربانی شاعروں کی طرح درخشاں خوبصورت الفاظ کے خزانہ استعمال کو عورت نفاق سمجھتے ہیں۔ بجا تعلق اور سخن پردہ کی ان کو پسند نہیں یہی سچی بات عام فہم زبان میں ان کو لہجہ ہے۔ اور شاعری جیسی غیر ضروری امور کو متاع غرور سمجھ کر اس کے کچھ نہیں کرتے۔ وہ الذین امنوا و عملوا الصالحات انہیں مٹی بنا رہا تھا "لہ تعوذون صلا تفضلون" کی تصویر ہوتے ہیں مگر انشاء اللہ سب ایسے نہیں ہوتے۔ اولیاء اللہ کے ہاں کسی بات کی کمی نہیں۔ ایسے صفات کو علم سے کورا اور عالموں کو بے خبر کھانے نبی کی دلیل ہے دینی احمد میں عہدہ لینے سے ان کی استعداد میں نقص نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ کسی چیز کا عدم ظہور اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ وہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور مثبت و ذرتی کر رہے ہیں ان کے ذاکر غلوب مشغول بہ حق ہیں۔ اپنے محبوب حقیقی کی بادے تھوڑی دیر کے لئے غافل ہو جانا اور دوسری طرف متوجہ ہونا ان کو گوارا نہیں بلکہ ان کے لئے بار خاظر و باعث عطلان ہوتا ہے۔

آپ بہت ہی انکس تھے اور شاعرانہ مزاج پایا تھا جس طرح اکثر اولیاء اللہ کسی غبار کے طربان سے خبر نہ لینے میں ہی طرح آپ بھی کہہ لیتے تھے کیونکہ جب کبھی جو شجرت ہو جوں ہو لہے تو سوز و گداز و شریک صدف میں ابل رہا ہے۔ جب آپ طالب علمی کے زمانہ میں بیادری کی حالت میں دوسرے رخصت ہو کر لیکن تشریف لائے تو بطور شغل غنوی زیر وچیم فارسی میں تعلیم فرمائی اس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی تو نہ کلام ملاحظہ ہو۔

ہست اذا فساد ترکیب جہاں گوش کن اذ من دوسرا اشار آں  
نیستی و ہستی و نقص و کمال اُلفت و کین با تدارسی و زوال  
نا توانی و توان رنج و سوز بستی و بالائی و نزدیک و دور  
شکر و کفران عدل و ظلم و علم و جہل خلق و بد اخلاقی و دشواری و سہل  
یار و بد خواہ و دسترس و اجنبی دوستی و دشمنی و سبکی و بری  
ناکجا با تو و ہستم تفصیل آں ہمچنین داں جملہ ترکیب جہاں  
یہ فتویٰ مولانا دہم کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ یوں تو شاہزادہ اور شاہزادی کا تقدس ہے مگر علوم و معارف سے جو ہے اس کا ترجمہ مولانا دہم کی رائے علم کے نام سے ہو چکا ہے۔



## محبت کے چند دور

کوئی الفت کا برسے ساتھ بیت مہلت ہے

تو میرا درد دل اٹھ کر کلیجہ تمام لیتا ہے

### برسات :-

وہ عہد باد و باران ہر دو دیکھ کا منظر  
اندھیری کیف پرور۔ جانفزا سادگی تلیں میں  
کبھی قہر قہم کے پانی کا رینا ابر باروں سے  
وہ نہرا منہ میری دلہن کو خواب کا ٹھکر  
محبت کی اداسی تھک کو داد آرزو دینے  
غرق آلودہ رخ پر گیسو خمدار لہر لے

حسین! ہنس، صحتیک وہ طاقا قس نہیں بھولا

نہیں بھولا وہ سادگی کی حسیں راتیں نہیں بھولا

### لب آب جو :-

تجھے وہ دل نہیں لے اچھو تک باتو ہونگے  
وہی لمحے جو دم دونوں سے دیا رنگا رنگ  
حسین! ہر دم میں عکس ماہ و انجم جھلا آٹھا  
فلک بھی تارے تارے نہ زنجی بھی، رچھٹے  
جاؤں کا تاشا و زج دریا کی وہ آویزش  
عجب رنگیں مناظر تجھے عجب رنگیں کش لگا رہتے  
ششدری چاندنی شفاف دریا، یوں سا مل  
کنا داب میں بیٹے ہوئی جاہلی کے دہار تے  
جوانی کا فنا خاک کے کھو جائیں جوانی میں  
یہ دم دفن کو ہم یمن و مہمال کا نشان رہے  
ترے دین کا ماضی کو تھانے لگا رہا تھا  
ترے گیسو پر بھی محبت نے سنوارے تھے

پریشاں ہوں مثال موج مضطرب شدت غم سے

وہ دریا آج کل بہتا ہے میری چشم پر ہم سے

### عہد آخر :-

بھرا کے ہر ربط و ضبط کے وہ مشتعل و عذر  
وہ عہد حزن پہ ہے ہر جنوں کو اقتدار جنگ  
مرے دل پر بھی اٹکے نعوریں گداز ہیں  
میری بے کیف آنوں کو ہر آنکا اشتیاق جنگ  
میری دیوان نظروں میں بھی لگے تلوی ہیں  
خدا کی خوشیوں میں مگرانی ہر ہمارا جنگ  
حسین! کو زمانہ ہو چکا رنگ محبت کو  
مرے مرے سے الفت کا پانی ہر خواہ جنگ  
میری خاکستر سستی میں ہل جگ شہر نہاں  
میں ہوں سزا پہا عہد جنوں کی یاد کا جنگ  
حسین! اب بھی ہر شاعر الفت ہو ترا و دردی  
غم خاصی کو کی زندگی ہے سو گوارا جنگ

جھانک رہے دل کی طرح ہر راز محبت کو  
تھلا سکتا نہیں میں عہد آغاز محبت کو  
وہ صدمی الہ آبادی

نعمت کے دھندلوں میں نہ رہی حال لے ہے  
دیکھتے اور زمانہ یاد آتا ہے محبت کو  
میں نمودوں میں بھی جاتی ہو غم فشاں سرشت  
مجھے اب بھی وہ لیلیٰ تھمڑے دے ہے  
تجھے بھی اچھو دینا یاد ہے دل کی محبت ہے  
نویہ زندگی بخشی تھی محبت نے محبت کو  
جنا ہے تھے تصور میں امیدوں کے کل مرے  
تجھے دیکھا تھا بے خود ہو کے جب پہل پہل ہے

### ربط و محبت :-

ترے احساس غمازہ کو کچھ کچھ آشنا کر  
تجھے بھی پہلی باتوں میں راز عشق کھلا کر  
جہاں آلود نظروں کو خواب گہراؤں سے  
اچانک میری عرض آرزو پر مضطرب ہو کر  
بھراک فضا کشش انداز سے بھی جرات پر  
لنا طو و عشق کے لمحوں کو کیف جاوداں کر

زہے الفت پر تیری غلوں کا راز داں فنا

جوانی کا حسین ہونا محبت کا جو لہنا

### ہنگام گل گشت :-

نہیں بھولا ابھی تک وہ سینہ دہلا منظر  
تجھے لک کی صورت نوجوان چھوڑ کر محبت میں  
کیسں مصمم کیماں مسکرائی جس جوانی پر  
کیسں گل پاشاں چھوڑی جس جوانی میں  
حسین! وہ دن تھکے تھکے باطن اپنا دکھانے سے  
شباق شوق و سرمستی کے گیسو گیت گانے سے  
گلانی کچھ میں خاموش جا کر بیٹھا ہے تھے

سیر عید گل سیر حزن کی داد دیتی تھی

ہمارا رنگ و بو اگر بنا تو کب باد دیتی تھی



# فرو گذاشت

پلٹ پڑا۔ دروازے ہی پر تو حال گئی جسٹپ ٹانے کے لئے لگا "تم بھی عجیب ہو  
 گئے۔ بتایا بھی نہیں، دوپٹے لگی" کیا ہوا کیا؟" گردہ وہاں نہ ٹھہرایا، ہاتھ کے  
 انور گیا اور اس کو ٹھوس ہی جو آخر میری بھی سختی اور مخالفت بھی، اس کا دل دھڑک اٹھا  
 اور ہاتھ پر دسوں میں پکپکا ہٹ، جیسے دو کی جرم کر کے ہاتھ لگا، لیکن ساتھ ہی وہ  
 اُس کے متعلق سوچنے لگا۔ یہ تو کیا کون تھی، ایسی ہے اُس نے اس طرح ہوسر جانے  
 پر کیا خیال کیا ہوگا۔ نہ جانے کیا سمجھا ہوگا وہ کیا بھی تو کس حالت میں، گھبراہٹ میں،  
 پریشان حال۔ چہرے پر راز سے مازہ نہ رہتے تھے۔ کیا کہنی ہوئی؟ اُس کے دل پر  
 ایک بوہرا معلوم ہوا۔ کوٹھری کی تار کی اور بڑھ گئی، بالائی کھڑی دیوار میں جیسے  
 اُس پر جھٹکے لگیں، دم گھٹنے لگا تو باہر آگیا، لیکن کرید کر دی، آؤ خاموشی روز نہ  
 تو مجھے سب کچھ پوچھا۔ تو مجھے؟ تھیں کون، تم بھی خوب ہو، بیماری کو  
 ایک چھوڑا جلی آئیں۔ وہ سکرانے لگی، تم نہیں جانے جیسا ہی تو سدا ہے۔

”کون سدا ہے“  
 ”اتنے بھولے نہ ہو جیسے جانتے ہی ہیں وہ بے یار و مددگار“ وہی جس کے بغیر  
 بندش می تمہارے بیاہ کی بات جیت کر رہے تھے اور اسے یاد آ گیا کہ کھردر پہلے  
 ایسا ایک تذکرہ پھرا تھا مگر جانے کیوں بات خود بخود وہی پڑی افسانہ بات  
 کو جاننے کے لیے دو عرصے منظر تھا، اسوائے شو جھانکے اس کے کسی سے یہ حال معلوم  
 ہی نہ ہو سکتا تھا اس نے شو جھانک کو کہا ”اچھا تو یہ میں شو جھانک کی گریب پھر اُدر رہ  
 سوچنے لگا کہ آگے کیا کہے شو جھانک نے اسے نہ کہا۔  
 ”کچھ اچھی نہیں“ جتنی جتنی بھی کچھ پسند نہیں۔

اُسے بھی یقین ہو گیا کہ وہ ابھی نہ ہوئی، کچھ یونانی سی ہوگی گو کہ کچھ بھی اُسکا  
جی چاہتا تھا کہ وہ اُسے دیکھے، تاکہ اسے اُسکی آفتاب اور بھی بڑھ گیا جبہ  
تیسری دفعہ آئی تو کونجھانے باتوں باتوں میں بنایا جیسا آندھا ابھی خاصی توبہ ہے  
چلتا تھا لطف، بڑی بڑی خوبصورت اکلیں، بس ایک رنگ زردا دینا ہوا ہے  
اور اُس روز کو کشش کر کے وہ اُسے ملنے لگی، ہاتھ ملتا ہوا گرداگرد کر دیکھنے کی بہت  
بڑی اور اسے دیکھ، اُٹھ اُٹھ جا کر دھڑک دھڑک کر ملے، ہرگز نہ دیکھتا تھا۔

خطا کیلئے کھٹے ایکارنگ کا وہ چارو اٹھائی تواسنے دروازہ کی دھڑیر پردہ کھڑی  
 نظرئی۔ دو کچھ گھرا گیا کہ کسی پرے اٹھ کر الگ بیٹ آبا  
 ”اند ر جل آئیے میں باہر چلا جاؤنگا“  
 اور کسی کا بازو تھام کر وہ خاموشی سے انکشاف کرنے لگا کہ وہ دروازے  
 سے پتے تو وہ باہر چلا جائے مگر وہ دروازے ہی پر کھڑی رہی۔  
 ”بٹھے رہئے نا“

”اے! اے!، بھیا آپ اپنا کام کرتے رہتے۔“  
 بچے سے شوق پانے لگا جو وہیں دروازے میں کھڑی تھی، اس پر نظر پڑنے ہی وہ  
 ہم سا گیا اور کھجک ہوئی نظروں سے کرے میں ایک چھلچھاتی سی گلاؤ ڈالی، کچھ دیر اس  
 بندھی بیٹھے رہنے میں ہرگز ہی کیا ہے وہ ادھر بھی بائیں کرتی دنگی اور میں یہاں  
 میز پر بیٹھا کھانا چونگا۔ تو تھارتو ذرا تھوہکا اور اب تو وہ خود ہی اسکو وہاں  
 بٹھانے پر مجبور کر رہی تھی اُگلے رخو آتش ہی بھی کدوہ وہاں موجود ہے۔ اب تک  
 اُسے ٹھیک سے دیکھا ہی کہاں تھا حالانکہ اس سے قبل بھی وہ دو بار اچھی تھی  
 کچھ تو تھوہکا کہ موجودگی کے خیال سے اور کچھ اتفاق اب جو کہ دو اُسے سامنے  
 زیادہ دیر بٹھرتا رکھا اور یہ برسی بات تھی کہ کچھ کسے کسی کے سامنے جائے تو  
 گھور گھور کرتے لگے اور وہ بھی ایک روٹی کو نہ جلتے اپنے دل میں یہ خیال کرے  
 جب بھی وہ آئی اُس سے مدد پر ضرور ہوتی۔ یہی ایک اب اگر وہ تھوہکر کے ماحول  
 سے الگ تھلک تھا۔ سلیٹے سے ہوا، بڑی غصت برتی جاتی تھی، گھر کی پراچی  
 چیز وہاں موجود تھیں، حق تو یہ ہے انھوں نے اُسے ڈرانگ دوم نہار کھاتھا۔ جو کوئی  
 بھی گھر میں آنا دہیں ٹھہرا جانا اندو بڑی بوڑھیوں کا راج تھا بلکہ نہ اپنے بننے  
 ٹھٹھنے کا شوق تھا نہ کمر کی ٹپ نہ اپنے سے غرض۔

سب سے پہلی سب سے جب اُس نے اُسے دیکھا تو وہ اسی کر کے میں تھی، نہ معلوم کس  
 محروقت سے اُسے کر کے میں جانا پہنچا، اُس وقت باہر سے آیا تھا، دھوپ میں تھا  
 بازار، پریشان حال، کر کے میں داخل ہوتے ہی منہ کھٹکے گا۔ اُور اُس کوئی تھا  
 جس نے وہ تھا، اُس کو دیکھ کر اُس کو کس کر کے میں تھی، اُسے اُور وہ اُسے اُور

بات کرنے اور کھل کر جانے کی تمنا فرمادیں، یہ تو وہ شروع ہی سے طے کیے ہوئے تھے۔ تو بھائی جی نے اتنی باتیں نہیں تو سندھوئی پر ایک ادا تازیانہ ہوا۔ اس نے ہفت سوچ لیا کہ وہ اب کس سے باہر جائیگا وہ باتیں کرے اور وہ خطے اور اسی دوران میں نظر میں پکا کر اس کی طرف دیکھ ہی لے۔ وہ بھی اسی طرف مڑ کر دیکھ لی۔ یہ اچکھ لیں ہی تھا، یہ پہلی پہلی نظر میں اور اکتانہام، اس کے جسم میں ایک بھر پوری سی ہوئی۔ اس نے ایک بار نظر اٹھا کر سندھوئی کی طرف دیکھ ہی لیا، وہ بھی اسی کی طرف دیکھ ہی تھی، تو انظر میں بھائیں لیکن وہ ذرا رک کر دیکھا ہی رہا، اس وقت خوابا بولی :-

”ہاں کیوں کھڑی ہو، اندر کیوں نہیں جھپٹیں؟“

تو بھائی جی موجودگی اس وقت اسکو بہت شاق گذری، اگر بوقت یہ نہ ہوتی تو اس کے سینے کے پاس ایک گولہ سا لڑکھ لگا اور وہ بونوں کے گوشے پھرنے لگے، اسکا جی چاہا کہ تو بھائی جی کو دھکا دیکر گھر میں دھکیل دے اور جب وہ دونوں کمرے میں داخل ہونے لگیں تو اسے باہر جانا ہی پڑا وہ جانتا تھا کہ شو بھائی جی یہاں بیٹھے جو کلمہ وہ صرف دکھا دیا ہی دکھا دیا ہے، درنہ حقیقت اس کے باطن میں رکھ رہا ہے اگر اس وقت وہ نہ جانتے گا تو وہ کیا خیال کرے گی جب کہ وہ اسکی موجودگی میں گھر سے باہر کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی، بعض باتوں باتوں میں اس کے کسی دوست کے متعلق پوچھ لیا، وہ بھی اس پر ہی طرح بھینچا :- یہ تو کچھ اسار و زون میں بیٹھی آواز سے تم کو پکارا کرتا ہے۔ تو وہ اس پر بھی بھلا اٹھا، ہو گا کوئی؟ وہ پھر کہتی ”بھی تو سرکش ہے نہ؟ وہ بہت روکے پن سے جھجھتا ہاں؟ پر تم کو“ اور جو کہیں وہ دو ایک بار اسکا تذکرہ کر دیتی تو اس کے آگے ہی لگ جاتی، عشق سے گرج کر بولتا ”تم ہونے کیوں پوچھا کرتی ہو، ہو گا کوئی؟“ تو وہ کھم کے رہ جاتی تو اس نے کیا کہا :- ”انھیں سمجھوں گی وہ ہے وہ اسکا بھی کھانا لیا کرتا تھا۔“

جیسے ہی وہ دروازے پرے بیٹھ کر اس کے باہر چلا گیا اور جھٹکے کے نیچے سائے میں ایک چار پائی کچین کر ڈال لی اور اسی پر سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر بیٹھا اس طرح وہ مدعا کو کمرے سے نکلے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ درہ ازہ بالکل اس کے سامنے تھا،

سے حاس دروازہ زیادہ دیر نہ ٹھہری، جلدی ہی کر کے سے باہر آگئی۔ لیکن دروازے پر رک کر وہ شو بھائی جی سے پھر باتیں کرنے لگی اس نے غور کیا کہ شو بھائی جی باتوں سے کچھ عاجز بھی نظر آ رہی ہے اور اسی نے اس کے اس طرف

کر بھی، گو یہ بات اسے بعد میں معلوم ہوئی لیکن نہ جانے کیسے اس کے دل میں یہ خیال گھڑ گیا تھا۔ اس روز کی باتیں کر دیکر پوچھنے پر اسے سندھوئی کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوا، تو بھائی جی سے کچھ جتن نفاذ ہی تھی۔ لیکن کئی بھائی جی یہ سندھوئی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھیں؟ وہ گھبرا گیا، اس کے دل کی بات تو بھائی جی نہیں پڑی؟ کیوں کیا پوچھا؟ ”کچھ تو فرسی معلوم ہوتی ہیں؟“

”ہاں! بس ایسی ہی ہیں، کچھ ہیک نہیں،“

وہ اور چوٹا ہوا کہیں اس کے ایرے پھروں سے تو وہ کچھ تنگ نہیں گئی اس نے بات پر زور دیا، کیوں کیا ہوئی، مگر وہ مال گئی ”کچھ نہیں، لیکن وہ اڑا رہا۔ اس نے دیکھا۔ یوں نہ جانتے تھی خود ہی بات پھڑو تو اگل دیگی اور اس طرح اسکی ان تمام ساقیوں کے متعلق معلوم کر لیا کرتا تھا، جو کچھ بھی گھر پر آتا کرتیں باطلو کو بات کیا کرتیں، اس نے البیسی کیا کہنے لگا :-

”اک بات تو ہے تو بھائی جی اور اس نے اپنے دل میں سائے ہوئی اس خیال کی طرف اشارہ کیا جس میں آج غور کر رہا تھا کتنے دور زور سے ہنسی ہے یہ بھی خیال نہیں کرتی کہ کوئی بیٹھا ہے۔ اور تو بھائی جی کی بات میں لگی، لگی کہنے یہ بھی نہیں بھائی جی! ماں جی کے سامنے پوچھنے لگی، تو بھائی جی کی شادی کب کیجیگا، ہم کو بھی بلا سکا جیسے کچھ جانتی ہی نہیں پڑی ہوئی ہے نا، میں تو اسکا نہ دیکھتی رہ گئی، ماں جی بھی چپ رہ گئیں، ایک بات ہو تو کہیں مجھ سے پوچھا :- یہی بھائی جی ہیں، ابھی پڑھ رہی ہیں، بیچا ہے بہت بد سے معلوم ہوتے ہیں اور پھر دال سے اچک کر گھر دیکھنے کے بہنے آپ کی طرف آگئی، جیسے میں اسکی یہ جلائی جانتی ہی نہیں، بڑی وہ ہے“ اور خوشی سے اس کے دل میں گد گدائی ہونے لگی۔

”اچھا کیا جو بھائی جی اسکا رو دیا؟“

”میں نے ہی تو اس سے کہا تھا، دیکھا کیسی سندر بھائی جی لاتی ہوں؟“

اسکی خوشی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ نظروں میں گئے ہی خوبصورت چہرے پھر گئے، وہ خوب جانتا تھا کہ تو بھائی جی کچھ کہہ رہی ہے البیسی ہو گا اس کے ساتھ بڑی ذہنیت رہے۔ یہ تو جی جی ہے۔ وہ قد بھی جی جی، اسکا انتخاب بھی جی جی ہو گا جی جی

اس نے اپنی پسند میں پھر چھوڑ دی تھی۔ جس کے لئے اسکو پورا پورا یقین تھا کہ وہ اس کے تحتو سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگی۔ اسکی شادی کرادیگی۔ سندھوئی تو وہ سدا دھکا نہ جوت نہ جانتا تھا اور نہ نظر پر اسکی کوئی امید تھی مگر اسکو جی بھر کے دیکھنے

نہ دیکھا، وہ چلنے لگی تو بولی،

”سینا کہاں ہے؟ میں اکیلے نہ جاؤں گی، گلی پر سو تڑپا رہا ہے“

اسوقت گھر میں سوائے اُس کے کوئی تھا نہیں، تو بھابھ بولی ”وہ تو ہے نہیں اور

بیٹا کے ساتھ تو تم جاؤ گی نہیں“

”بس یہ گلی ہی تو گزرتی ہے، پھر تو بڑک اور میرا گھر آگیا“

”تم تو بڑی بہادر ہو جہاں کسی نے تمہیں نظر کی اور تم نے سینڈل بیوی کی

کیوں ہے نہ ٹھیک تم تو بول چل ہی جاتی ہو“

وہ بھنبھنے لگی ”نہیں نہیں“

وہ ایسے ایسے اٹھکر بیٹھا۔ دلی زانا تو بول اٹھا ”آپ چاہیں تو گلی کے

تکڑے ٹکڑے آؤں“

”تو جہاں اسکا منہ نہ لگی، سدھانے دینی زبان سے کہا اچھی بات ہے“

وہ اٹھکر دروازے پر آگیا، وہ پیچھے پیچھے ہولی، شوہا کی موجودگی کا انکو

مزدور احساس تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اسکو باتیں بنا کر قیلا لینا تو بڑی بات ہے۔

ایسے موقعوں پر وہ اُسے جوتوں بنائی لیا کرتا تھا، وہ اسکی بات بھی مان لیا کرتی تھی

صرف اسکو دکھانے کی غرض سے یا وہ ابھی تھی ہی اتنی معصوم

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے اور چلتے چلتے اُس نے محسوس کیا کہ سدھا رگتی

ہے، اس نے پلٹ کر دیکھا وہ ایک مکان کے چوڑے پر پر لٹکائے سینڈل کا بند

ٹھیک کر رہی ہے وہ اُس کے پاس لوٹ آیا۔ اور جب وہ چلنے کے لئے کھڑی ہوئی

تو اُس نے کہا بول کی طرف ہاتھ بڑھا دیسے جو پاس ہی رکھی تھیں۔

”یہ مجھے دے دیجئے آپ ٹھیک گئی ہو گی“

”دہنہ دیجئے، جس لئے رہو گی“

وہ ٹھنڈا ہو کر رہ گیا۔ ”آپ کی مرضی، میں نے تو یونی آپ کے آرام کے لئے

کہا تھا“

”میر سی تو یہ روز کی مصیبت ہے، آپ کو کوئی تکلیف دوں“

وہ سکاڑی تو وہ دڑا جیسا ہو گیا۔ آج ہی تو کھل کر بات کرنے کا موقع ملا

تھا۔ لیکن ایک غیر محض ہوا (لوکا جابنگ گھر کے لحاظ سے خاموش تھا بھلا کہاں

چوکنے والا تھا، ابھٹ سے ہوا،

”تکلیف؟ آپ تو مجھے روزا ایسی تکلیف یا کریں میری تو یہی خوشی ہے“

وہ چپ ہو گئی مگر وہ اس خاموشی سے مطلق متاثر نہ ہوا اسے یقین تھا کہ اس

جو ساک کا مظلوم اور اندھ مظلوم ہے اسکا دھماکا دھماکا کرنا تو اسکی مثال کے

بیش زنا اس نے ٹھیک دھماکا اٹھایا اور جب اُسے ذرا تودہ اُسکی طرف دیکھنے لگی

وہ سکاڑے لگا۔

”یہ دھماکا تو میں نہ دوں گا“

”کیوں؟ یہ تو بہت میل ہے“

”آپ نے پسینہ ہی تو پونچھا ہے نا؟“

”جی“

”نہ میں کبھی نہ دوں گا“

وہ سکاڑا نہ دیا وہ پھر خاموش ہو گئی اور سر جھکا کر سچائی ساتھ ساتھ چلنے کے

پچھے ہٹ کر ایک طرف چلنے لگی۔ اُس نے اسکی یہ حرکت دیکھی تو وہ کھینا نا سا ہو گیا۔

شاید اسے یہ بات ناگوار گذری، ساری خوشی کا نور ہو گئی اور تمام خواب کچھ کرنا زار ہو گئے

”آپ نے میری بات کا بڑا مانا“

”نہیں تو“ اُس نے اسکی طرف دیکھا اور سر جھکا دیا لیکن یہ بک پڑھ گیا نہیں؟

اُس نے چپ چاپ جب میں ہاتھ ڈال کر دھماکا اٹھا اور اسے کر دیا۔ صاف

کیچے لگا

”دہنہ دیجئے“

”اب کیا کر دینا، آپ بڑا مان گئیں“

میں نے تو نہیں مانا، ہاں آپ ضرور بڑا مان گئے۔ وہ پکرائی ”ٹھیک بات ہے نا؟“

اور اسوقت اُس نے اُس کے چہرے کی طرف ٹھیک سے دیکھا تو وہ اسکو بہت بھلی

معلوم ہوئی، بہت حسین، وہ پھر بے تکلف ہو گیا۔

”تو آپ کل گھر آ رہی ہیں؟“

”کیوں؟“

”مجھے پونچھانے کے لئے جوڑا ہے“

”تو میں نہ آؤ گی“

”بالکل جھوٹ“

”دیکھ لیجئے گا“

اور اس دیکھ لیجئے گا کا مطلب وہ جانتا تھا کہ اسکی تو یہیں وہ ضرور

گھر آئیگی اور نہیں تو اسے جس کو کسی دھماکے پاس اُسکے انتظار میں کھڑا ہو گا

لیکن شو بھاہ اور شو بھاہ کے خیال سے وہ ایک سوچ میں پڑ گیا۔

شوکت صدیقی

## سریرِ تیر

”تنگا بھی کوئی اچھے نشیمن میں نہیں تھا  
 ناحق مے میٹا دے باندھے میرے بازو  
 آئی ہے جوانی تو میں بدست جوانی  
 ہم سیکھتے تھے برق بجلی سے تنگا میں  
 کرسکتا تھا کاشتر میں میں خون کا دعویٰ  
 معصوم لڑکپن کی تھی معصوم ادا بھی  
 پھیلی ہوئی تھی روشنی داغ تنہا  
 اندر سے ناداری باز آ رہی قیامت

انسانیت عام کا اک دور تھا وہ بھی  
 تھے رشتہ آزار میں بنیم کے دانے  
 محمد و نہ تھی طائر آزاد کی پرواز  
 جس کو نگہ گرم سے دیکھے کبھی بجلی  
 پھولوں کو نہ تھا کچھ خلش خار کا شکوہ  
 آزاد تھا ہر سرو و چین دام بلا ہے  
 بارش میں اچڑتے تھے نہ طائر کے لیٹن  
 زنجین فضا بھی نہ غریبوں کے لہو سے  
 ہو سکا دیا فتنے نے زمانے کو لب گور  
 گھر تھے اڑا لے جو سکون دل عالم  
 تھا درویش دل میں نبی نوح بشر کے  
 لٹ جاتا نہ کیوں تافلہ منزل ویراں  
 ہے خط کے پردے میں سریرِ آج قیامت

دشمن سے بھی کینہ دل دشمن میں نہیں تھا  
 جھگڑا ہی کوئی شیخ و برہن میں نہیں تھا  
 میٹا د کا کھٹکا مرے گلشن میں نہیں تھا  
 الیا کوئی تنگا بھی نشیمن میں نہیں تھا  
 ببل شش نالہ و شہدوں میں نہیں تھا  
 یہ طوفان تو فری کی بھی گردن پڑا تھا  
 یہ ظلم رستے ہوئے ساون میں نہیں تھا  
 اک اختر بیا ملک کے دہن میں نہیں تھا  
 جو گھر میں عذاب آج ہی دفن میں نہیں تھا  
 جادو یہ کسی غمزہ پُر فن میں نہیں تھا  
 منکر او کوئی شیشہ داہن میں نہیں تھا  
 رہن کا کچھ انداز تو رہزن میں نہیں تھا  
 عالم ہی جس اکھن میں اک اکھن میں نہیں تھا

ہاتھ آیا نہ کچھ مزیع امیر کا حاصل

دانہ میری تقدیر کا خم میں نہیں تھا سریرِ تیر کی یاد سی مینائی

غلیلی براہ کشتہ: مجددی واقعہ کا قلعہ شخصی تجارہ راجہ اور اجیتا میں موجود ہے  
(تجارہ پہلے تو ایل آگرہ دہلی و پھر توبہ کی رو چکا ہے) دیوان منظم میں مسب ذیل  
الفاظ بھی قدامت کا ثبوت دیتے ہیں:-

مل گئے۔ بانام مان۔ داک۔ اند۔ نداب۔ بسر۔ بسر۔ اٹکا۔ لک۔ سین  
جاگن۔ سستی۔ زور۔ کول۔ سول۔ جوں۔ تیاں۔ لہاں۔ کو۔ وٹا۔ نگلے۔ ہار  
بانج۔ بوجھ۔ تیں۔ تیں۔ تیں۔ تیں۔ لیں۔ لی۔ بسجدار۔ تدر۔ جد۔ بھر۔ بھر۔ اچھک  
مک۔ جیت۔ اگبر۔ جھکا۔ راسے۔ وی۔ دکر۔ محبت۔ بار۔ جگ۔ آباداں۔ دوہیں  
انکھاں۔ پریت۔ پاؤنی۔ بھینگی۔ سر۔ خوش۔ چڑھیں۔ کبھو۔ بوڑے۔ بوڑے۔ بت  
جانا۔ دیو۔ (دیجے)۔ تھما۔ پر۔ چاکا۔ شر۔ وجو۔ جن۔ لگن۔ لگن۔ تیکی۔ پنٹ  
چٹ۔ بھنگ۔ بڑھ۔ خوش۔ من۔ لکھن۔ کسل۔ ل۔ ایتے۔ تیا۔ کدھر۔ اوڑگئے  
درکا۔ جس۔ تدر۔ اور۔ چلیں۔ چلیں۔ سجن۔ ساجن۔ جکھورے۔ چھوے۔

اور دیوانِ منعم کے جذباتِ اور درخِ ذیل ہیں :—

دیکھ کر کہ قندوزوں کو لبِ لبسِ شکر کرا  
 گدگدائی خاک میں سرورِ آج گلفان کے بچ

منعم ہے بچ و تاب میں نسلِ کادلِ بی دیکھ  
 سُکرِ عباسِ طرہ و ستار کی جس

شمع اُسی بارے رخسار کوں دیکھ  
 ہوتیِ غاوس میں جگر ہے رو پوش

مناکاکِ توحیتِ من کو عرسِ ضلالت  
 نہیں بہتر ہے سیمِ خوابِ فرخوش

رواقِ نبی ہے صفحہ کی جدولِ بزمِ دیکھ  
 ایسے ہی نہیں کے میں در ہے بہارِ خط

کون سا سونو کی جگہ میں موعظِ کاشِ کھ  
 اسقدر عاشقِ نواز کوں ری جانی ہی شمع

اگر ہے سبزِ عروا و فضلِ ہر گلشنِ کیم  
 جیف ہی ہوتِ میں قی نہیں تیا بارغ

رائد دلِ ہر شوقِ بس گلے گلشن میں پائند  
 سب غلط ہے جو کوئی کتا ہی سرِ آوازِ باد

ختمِ عروا عاشقِ میں اسوتِ کاسلیمان  
 دیوگر اپنی اسکوں انگشتِ ہی نشان

۱۔ در حضرت شاہ غلام رسول قریشی تبارودی برادر حضرت شاہ حافظ منور مہر  
بابزیرانی نے ۳۲۷ھ میں غزوئہ اوقات امامہؑ بزبان اردو لکھی جسکی اس وقت

اور حضرت شاہ مولانا محمد اشرف المخلص بن مہتمم عمرانی  
القرشی بخاروی برادر زادہ حضرت شاہ غلام رسول بخاروی مصنف طاہرات  
المایہ المعروف نے لیجان اردو صحیفہ نازک اوشیشہ حاکم ہوا البسروی

ایچ کر۔ انوں لک۔ چوب (چوم) اکھیاں سچہ بنا ماتھ چین۔ کھ۔ دیدول  
آپنا سنگاں گنگا لک۔ چابا بچن۔ چاسا۔ نراسا۔ کھلا۔ کونفرندی۔ دارینہ  
بچوں کنگ بنگ۔ کچے آؤنا۔ لاؤنا۔ ہوں۔ جگ۔ پوونا۔ لٹرن۔ ان سوں  
مورماں۔ کیاں (کرواے) کمل ملی۔ پلاوں۔ پھڑی۔ تینے۔ جدی۔ کرتیاں  
ملن۔ ملن۔ دانے۔ اپنا۔ ایسے۔ بیانی۔ بچاؤن۔ روس۔ بچل بھیل۔ کھلا۔

اور غنوی واقعات امیر کے چند اشعار بطور نمونہ یہ ہیں :-

اتنی را فضل جو بار ہو۔ فلک اور ملک سب نڈکار ہو  
میرے دل میں ہے آرزوئی نام۔ حقیقت کھوں واقعات نام  
بہندی زبان میں زعفران ہم۔ نگارن نویم تریب نظم  
کتھا دھک کی جسکے سوز ہے۔ دل افروزہ گال شعلہ افروز ہے  
دعا کی خدا اگر نودہ چنس۔ سنگر بنے میاں بہر گیس  
زمین پٹ پٹ کھائی جانی دیم۔ فلک ٹوٹ پڑا یا این ستم  
غلام رسول آدسکر کھنسن  
کھڑی خلق تیرے سمن کو کھنسن

## رشید احمد قریشی تجاوی

(۱۹۱۷ء)

- (۱) محترمہ سیمو صاحبہ کراچی سے مراد
- (۲) محترمہ مس فقہ جی ویشا صاحبہ کراچی سے مراد
- (۳) جناب بیگم جلی علی محمد صاحبہ راولپنڈی سے مراد
- (۴) جناب عافتہ ابراہیم دیمت پرکار قادری باگپٹی سے مراد
- (۵) جناب خان صاحب اور خاں بی آفت ناکہ دربار گڑھ بانو (کاشیادار) سے مراد
- (۶) جناب سید عزیز حسین صاحب کٹر ہندی سے مراد
- (۷) جناب رفیق احمد صاحب رفیق نٹ ڈاکٹر سے مراد
- (۸) جناب اکبر علی غلام حسین صاحب سے ولس کراچی سے مراد
- (۹) محترمہ تولد الدین پٹیل کراچی سے مراد
- (۱۰) مشرقی دھڑائی فرزند۔ منگھڑم (پٹنہ) سے مراد
- (۱۱) محترمہ لیدی سردیم کشن۔ سلام (ضلع انبالا) سے مراد

ہندی کہتے۔ ہی شوی میں ہے  
ہماوں شہ آں شاہ شہید جاہ  
غلام رسول است ایسٹ  
ہماورہ شہ وطن لافٹ اوسٹ  
برشوی بھی لائبریری خلیلی بارخ کتب خانہ جمعی واقع خانقاہ فحیمی ملوکہ و مقبرہ  
حضرت سجاد نشین صاحب خانقاہ فحیمی ہماورہ آفتاب موات میں موجود ہے۔

جبکہ ملاحظہ فرما کر عالجواب بھوسہ۔ ڈبلو۔ ایل ہاروسے صاحب جہاد۔ لی ای  
ایم۔ سابق پرامنٹر راجکوت ڈونک وغیرہ وچن فشر راج اورنے اس کو  
جھانبات میں شہادت کے ہے موزیم خندے بنکوری کونسل برائے حفاظت کتب خانہ  
لیکچر پیر رحمت فرکار علی قدر دانی کا ثبوت دیا ہے۔  
اس شوی میں سب ذیل الفاظ بھی ہیں :-

جن۔ آپ روپ۔ ہا۔ سر پر بھاگ۔ بالی (یعنی لڑکی) بالا۔ اگا۔ دہنی۔ راکے  
سارباں۔ چوک۔ دھوون۔ ل۔ بھوں۔ تھوں۔ پریں۔ دھن دھرو۔ فنگا بچن  
سوبا۔ لاگو۔ پنگورا۔ کارنے۔ کھما۔ آنچواں میں۔ کھو۔ وی۔ موئے۔ سنن۔ کئے  
کوں۔ سوں۔ جوں۔ گڈا۔ بڈا۔ سیتی۔ پٹ۔ اوکت۔ پٹ۔ کپٹ۔ چٹ۔ کھائی  
آؤن۔ جاؤن۔ روؤن۔ دہروؤن۔ پوؤن۔ پیرے (پرسے) بھوت (بہت)  
بھلنا (بھونا) بھلنا۔ جل (بانی) اڈر۔ نال۔ چل گئے چول اور۔ تروار  
سگند۔ بگ (کھم) کئے۔ سنے۔ سورسانوت۔ دوساس۔ پھر لہ (بہن لیا)

(بقیہ خسان ادب منقسم)

- (۱) جناب شمشاد ام۔ آرشا صاحبہ پری۔ بی۔ ڈی۔ آرنڈن بھائی ویشو (انبالا) سے مراد
- (۲) جناب خادم حسین صاحب قائم زبانی جیلور سے مراد
- (۳) جناب لائبریری صاحب پبلک لائبریری میونسپل سے مراد
- (۴) جناب شیخ محمد صاحب آتش پڑنا کھجی دلا حاجی شیخ محمد صاحب جمن پٹنہ سے مراد
- (۵) محترمہ سلی خاتون صاحبہ کٹر ہندی پٹال سے مراد
- (۶) جناب خان شری کٹ خان جی آف ڈاکٹری بانٹا (کاشیادار) سے مراد
- (۷) جناب ابراہیم خاں صاحب قریب جگہ سے مراد
- (۸) جناب عبداللہ خاں صاحب قائم کٹری ڈی سے مراد
- (۹) جناب حبیب خان صاحب قریب شاہ پٹنہ سے مراد
- (۱۰) مشرقی دھڑائی۔ اسے پوڑا شہر لالام اند سنن سے مراد
- (۱۱) محترمہ صاحبہ بانو (پٹنہ) سے مراد
- (۱۲) محترمہ مس اسماء علی صاحبہ کراچی سے مراد

# صفہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

سنے میں اطمینان نے ہمت ہاری  
دائے ہتھیار، ملک کی پٹ ہاری  
اقبال گیت پہ مسوکتی کا  
برلش سے اب اٹلی کی حکومت ہاری

محور کا بال سخی ناکام بھی دیکھ  
بے جرمی، اٹلی کا یہ انجام بھی دیکھ  
نہید ہے یہ زوال مستقبل کی  
آثارِ سحر دیکھ چکا۔ شام بھی دیکھ

محور ٹوٹا، شکستہ پائے کی طرح  
اپنے نظر آتے ہیں پائے کی طرح  
اب دھوب سکتی رہی مرکز کی طرف  
برطانیہ بڑھ رہا ہر سائے کی طرح

طوائفہ و روم کے کھٹ بدلے  
لشکر نے چلن فوج نے ٹھوگٹ بدلے  
سرخ جنگ کا بدلا ہوا آنا ہے نظر  
مکمل ہے فرائض کوئی کرٹ بدلے

فاقول پر تمام دیں بے حال ہے آج  
ہے کال کا ذکر کیا۔ ہکا کال ہے آج  
پہلے مشورہ جھوٹے جنگلی تھے  
جھوکا سنا دیا رنگال ہے آج

اجناس سے یہ نفع کمانے والے  
بھوکوں کی معیتیں ٹرحالے والے  
کچھ خود غرض اور کچھ غم سیر ہی ہیں  
بنگال کو کنگال بنانے والے

غارت کئے تسکین کے ہلوکس نے؟  
ہر چیز پر کر لیا ہے قابو کس نے؟  
کایا پلٹی ہوئی نقشہ آتی ہے  
یہ کر دیا بنگال پہ جادو کس نے؟

یہ وقت ہے آزمائش ہمت کا  
موقع ہے یہی مردت و شفقت کا  
لے خود غرضو! بھوک کی پیشانی پر  
لیبل نہ لگاؤ مذہب و ملت کا

بھوکا نہیں، اک پیش کش فطرت ہے  
کس میں اس کے قبول کی ہمت ہے  
تھوڑا سا کسے خزانہ ہمت سارے لے  
بھوکے کی دعا تو اک بڑی دولت ہے

وہ چین کا پاس ناک عالم نہ رہا  
جاپان کا ہلا سادہ دم خم نہ رہا  
کے روز یہاں جہم کے رہیگا کوئی  
دنیا میں جب اقبال کے وجم نہ رہا

سیما

۱۹۳۳ء  
ستمبر

# مکتوبات

اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ محض اس غرض سے کہ آپ کی فرمائش کسی حد تک  
پوری ہو جائے۔ زیادہ نیاز۔  
نیاز کش خیر اندیش  
صفی عفی عنہ

اورنگ آباد  
۳۰ جولائی ۱۹۳۳ء

برادر محترم! السلام علیکم  
"شاعر" میں گنویں کے متعلق معترف دیکھ کر سخت افسوس اور غلام ہوا میرے  
خیال میں آپ ان کم ظرفوں کو جواب دیکر ان کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ اس ذریعہ  
سے مخالفین تمام دن خود غاموش ہو جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہمیں مختلف کجہ کالی کی حالت پر بھڑکنا  
جائے ورنہ رفتہ رفتہ خود غاموش ہو جائیں گے۔ جس وقت تک کی صورت بہہ جائیں گے۔  
خبر محترم کی ذات گرامی سے جن دعوہ کی بنا پر وابستہ ہوا ہوں۔ اُسے اپنی نظر بخوبی  
کھدکے ہیں۔ یہ کوئی از نہیں جسکا انکشاف کیا جائے۔ امید ہے کہ آپ مدح و غیر  
ہونگے۔ والسلام

زکی اورنگ آبادی

لکھنؤ شکرہ بھوپال  
۳ اگست ۱۹۳۳ء

اعجاز پیارے!

عطوف نامہ نظر نوازا، تمہاری بہادر آنکھوں کا حال معلوم کر کے بزرگس بازار  
کو بھی بھول گیا۔ معروفت کو بھی تو کبھی فرصت دے دیا کرو۔ کام کی خیریت کے باعث  
آنکھوں پر ایک دم بوجھ سا آ رہا ہے۔ اور پھر ہمارے ہمدردی آنکھیں ویسے ہی زائل  
آ رہی ہیں۔ ہمیں تو کام کے آگے اپنی صحت کی ذمہ داریاں نہیں دیتی۔ شب روز کے یہ  
گھبراہٹ نامہ زندگی سے اس طرح بڑھتے ہوئے ہیں کہ پیہر بھی نہیں چھوٹتے۔ دوا بھائی  
آرام بھی کر لیا کرو۔ خدا کرے کہ اب آنکھوں کی تکلیف دھڑھکی جائے۔

اعجاز صاحب سلسلہ۔ دعاؤں کے بعد دعا لکھا ہوں تمہارا خط بھی ملا اس  
قدر برسی کا شکریہ کیا کہ انکسار میں پہلے سے اچھا ضرور ہوں لیکن  
ابھی صحت و نقابت کے سبب پہل پھر نہیں سکتا۔ اس درمیان میں مختلف متعدد  
تھکولے سے کئی سو حضرات میری عیادت کے لئے آئے اور گئے۔ بیماری میں دعاؤں  
کی خاطر عمارات آسان نہ تھیں تو چشم محمد احمد ملنے نے ہم بہت بھلا لکھا اور کسی کو  
نقصانیت کا موقع نہ دیا۔ یہ بلا خط ہے جو میں لکھا کرتا رہا ہے پاس بھیج رہا ہوں۔  
اللہ تعالیٰ ہم کو خوش رکھے کہ تم نے خط بھیج کر میرا حال پوچھا۔ بھائی سب سے سلام  
کہن لفظ ۳۱ جولائی ۱۹۳۳ء

دعا گو روح ازناہہ صلح الہ آباد

مورخہ ۵ جون ۱۹۳۳ء  
مولوی گنج بخش

عزیز محترم

سلام سنون و دعا بکاؤ۔ طرعی غزل اور تازہ غزل غیر طرعی کلام کی آپ نے  
فرمائش کی ہے۔ غالباً آپ کو یہ معلوم نہیں کہ دت سے میں نے شاعروں کی شرکت  
طرعی غزلوں، فراموشی نظروں کا کیا ایک قلم ترک کر دیا ہے۔ میں بچاوسی کے پیٹے  
میں ہے لہذا اپنا زبانی، خرابی صحت، اضمحلال قوت، ہجوم آلام و افکار سے اب  
دل میں وہ چوب باقی نہیں۔ بالخصوص نہ تازہ حاضرہ کے تاثرات بکاسے غزل شمر  
آشوب بلکہ دہرا شوب کے لئے کوک میں گر خوشی قریب ممکن ہے

زلفن لب جہاں لبسم کہ کوئی

دہن پر چہرہ زخمے بود بہ شد

سرسلمہ مصرع میں ایک و مضمون مرکب ہے مگر ہے کہ اسی بنا پر بڑھ دیکر تازہ  
فن و دشا ہر شہرہ را بھی خیال آ گیا جو۔ اسی بحر مراثت (ہزج، مثنوی، اشتر)  
میں بطور غالب مردم ہر ایک غزل وجود ہے۔ جس مقامی پر طبع ناساز کا کنوڑ  
اگر تازہ اس طرح میں بھی چند شکر لکھ بیجھتا۔ غیر طرعی تازہ کلام آئندہ جو کچھ ہوگا  
بیحد و نگاہ۔ بالفضل غیر ملکہ کام سے ایک غزل لکھا کہ آپ کے مقررہ سالے میں



جمشید پور میں نے خط اس پر بڑا لایا تھا۔

اجملہ صدیقی ایڈیٹر "شاعر" معرفت مہ فضل کریم صاحب  
جمشید پور ٹرانس مینا مگر۔

اس پر نہیں خط لکھا تھا، اس میں ملاقات نہ ہو سکے جس نے مندرت  
کلمہ بھی کہ جس وقت ہم لوگ صبح کے دھندلوں میں سٹیشن پر پہنچے تو،  
"گڈ مرننگ" گڈ مرننگ، پڑی جگہ ہی تھی۔

اور خط میں خوب یاد آیا یہ بھی تو لکھا تھا کہ ہمارے قدم قدم پر لڑائی ہوئی مانگوں  
تمہارا سواگت کیا ہوگا؟ ایکوں یہ مسکراہٹ؟

سی۔ پی بھٹا کچھ بھی بے شک ہے تو کوئی کالک؟ شاید کسی وہ لوگ  
شائستگی کے سبق لے سکیں۔

افسانوں کا مجموعہ ہاں میں بھی سوچ رہا ہوں۔ اے کامن  
مجھے "مجموعہ افسانہ" بنانے کی تمہاری آرزو جلد ہی ہو سکے۔ مگر میں تو  
ابھی افسانہ زندگی کے عنوان ہی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

بھائی جان کی خدمت میں سلام اور تجویز کو سپار!  
یہ خط ختم ہی کر رہا تھا کہ براہم خدیوہ انصاری سابق ایڈیٹر "خاوس" بنگلور  
نشانے لے آئے۔ انھوں نے..... کی داری کی بید توفیق کی اور وہ اس  
قوتِ اطفال اندوڑ ہوئے ہیں۔

اُن کا تو بہانہ تک خیال ہے کہ اس ادبی شعور کو جلد از جلد کتابی صورت  
میں جلوہ گر ہو کر اجماع زبانی کرنا چاہیے۔ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں!  
تمہارا  
رشدی

تاریخ: ۱۱ اگست ۱۹۶۳ء

سنو با اجماع صاحب سسر اللہ۔ فریتات و باد  
تھو اظہار اس کے جہد میں فکر کے شاعر، کو تاہ دالان نہ ہو۔ انا اللہ  
الرحمن نہ ہوگا۔

مضمون کا عنوان دست اور گمراہی ہے۔ دہرے عارضے کے حالات پر نظر  
رکھتے ہوئے ناچیز تحقیقات کے ساتھ نثر کو بھی دیکھنے کا، مجھے نثر نظم کوئی لکھنا نہیں  
آتی۔ عام دماغ میں دو جہتوں کی دیکھ بھلی اور پی جانی کا خیال کچھ مزہ آئے۔ ستمبر خیر میں لکھنا

جلد موعہ نکال لیں ورنہ باسی کو دھبی ہو جائیگا، بھرا ہاں۔ آگے گئے مکلف کو  
صاف کرنا، کیا کر رہے

جوانوں میں جواں بڑھوں میں بڑھاڑوں میں لڑکا

حضرت سحاب کو سلام و نیکانہ کے بعد اگر موقع ملے تو مضمون بھی دکھا دینا اور یہ  
خط بھی کہ کتاب میں لکھی گئی ہیں لیکن صاف و خوش خط لکھا گیا ہے۔ کتاب میں  
نے ایک ہفتہ دیر کر دی اس نے دیکھ مضمون جاتا ہے۔ "شاعر" کے چار صفحے سے کم نہ  
لیگا۔ کاپی نویس سے حق ملی کا کھا اور صحت کی بات کا خیال رہے۔

"بساط سخن" کے متعلق کیا کہوں وہ خبر دینے گنج میں سرسری نظر سے گذرے  
کے بعد نہ مفت نظر ہو کر غائب ہوگا۔ یاد آئے کہ کمال سن کا غوندہ وہ نظر تھی  
آپ نے تو زبانہ بندی شروع کر کے نظر سے گزرا ہے جس میں یاد اور شے بڑھ کر کلام  
میں جو کچھ لکھ دینا تھا لکھ دیا ہے

زندہ باغی تا ابد کا رسیا کو دیتی

یہی نسبت بھی تھا اس لئے دعا کے سوا اور کیا کہوں۔

کیا کہوں موقع ملے تو بغیر مدت علاج نہیں مضمون ادبی با شعرا نہ ملاقات کا تذکرہ  
نکالوں گا۔ خداوند کے آئین "شاعر" باغی تا ابد کا رسیا کو دیتی ہو رہے آئین تم آئین۔  
ایک صاحب نے مجھ سے بھی کہا تمہارے دو شاعر دوں کو کتاب صاحب نے ڈال دیا۔ لاہور  
قوتِ اطفال اللہ۔ یہاں نظر یہ ہے

ملاع نیک ہر دو کاں کہ باخدا

بہت خوب ہوا میں کتر اپنے سے اور کسی کو نہیں گھننا وہ تو بہتر ہیں میں اُن شاعر کے  
خوش ہوں جو مجھ سے ہو سکے دہرے بھی، سکونہ کرے انکی ملاقات کا کیا کہنا؟ "شاعر" لاہور  
میں جو کچھ ہے خوب ہے۔ جوت بخت پر آنا صدقاً کہنا بھی مدعا عدال سے ہر بھی پوری  
توفیق ہے۔ حضرت اس مرحوم نہایت نیک نفس تھے۔ مجھ سے پہلے پڑھنے کی بھنت  
ایک شاعر کو میں نے کی۔ میں ٹرا گیا۔ خدا بخیرے بہت سی خوبیاں ہیں مرے واسطے میں  
اب کہاں آجس اور کہاں جس۔ یہ نام تو حسن تر یعنی ہے شاید معلوم نہ ہو خیریت کے  
خطاب میں ہر وقت میں گنجائش نہ ضرورتاً اس میں آجکل یہ بھی بیش قیمت کی کتاب پکا  
ہے۔ بڑھات کی لامی بخت کہیں بھر بھی تو شروع ہو کر دھڑلے سے جس بھی سبکی، بندہ سبکی  
تو اچھا فریاد ہے بند رہے۔ دافع ہو کر جو الجوع کے عنوان ایک مضمون لکھا گیا تھا مگر  
حجیت کے خیراز سے کچھ کو کہا جانے لگا، بھائی، سہاں فرست۔ طاقت، ضعف، بصیرت، آئین  
کے سببیت ذات کو دیکھنا بھی شوار۔ طاقت کا عشق ہے تو اسی ہند

# ..... کی ڈائری

(۱۸ دن جنوبی ہند میں۔ بنگلور کی عظیم انسان کا نفرنس اور شاعر کے بعد یامیو کے تاریخی مقامات کی سیر)

دیباچت بلائے پھرنے کے بارے کا ویری ندی کے کنارے بنایا گیا ہے، کسی قدر سرسبز و شاداب بھی ہے۔ صرف اس لئے کہ پھولوں اور پودوں کی غورو پرداخت کی جاتی ہے۔ لیکن جو عمارت بارے کے لئے دہناڑ ہے اسے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس پر توجہ کم صرف کی جاتی ہے۔ یہ سلطان شہید کا ایوان عام ہے اسی میں مجھ کو وہ اور سلطنت انجام دیا کرتے تھے اور یہیں سے ہلال انعام کے فیصلے صادر ہوتے تھے۔ عمارت دو منزلہ ہے بالائی حصے میں ایک کمرہ اور پھر کاپے اور نیچے وسیع ال، یہی جھوکہ سلطان کی نشست گاہ تھا۔ ذرا اور شمالی سلطنت کے لئے سامنے ایک برآمدہ ہے۔ پوری عمارت نقش ہے اور طلائی نقوش بہت زیادہ ہیں۔ ان نقوش و نگار اور بعض تھاویر سے سلطان کے زمانہ کی مصوری کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ مغربی دیوار پر دربار اور امرار کی تصاویر ہیں سلطان آخر نویس پٹو سے پونا۔ محو علی والا جاہ۔ نظام الملک۔ بالابانو۔ نواب کوڑیہ۔ شاہنواز وغیرہ۔ ایک تصویر میں جدر آباد کی فوج کی واپسی دکھائی گئی ہے۔ انھوں کی دو قطاریں ہیں۔ جن کی عماریاں خالی ہیں۔ اسی طرح مختلف مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ یہ وہی عمارت ہے جس کے متعلق ڈیوگک آف ولگڈن نے اس میں کئی سال قیام کے بعد لکھا تھا کہ:-

”جنت ارضی یہیں ہے“

اس عمارت کو دیکھنے کے بعد ایک خاص تاثر ملے کہ وہاں سے چلے اور کا ویری کے کنارے آئے مگر نہ اُس میں وہ خود تھا اللہ فیضانی جو کبھی سلطان شہید کے ہمدم بھی رہے۔ سست رفتاری بھی کچھ باوجود جرت نہیں

(باقی - باقی)

اعجاز صدیقی

مقامات کے قریب ہی مسجد اعلیٰ واقع ہے۔ اس مسجد میں سلطان شہید باپ کوٹت نازداد کیا کرتے تھے۔ محل سے مسجد میں آنے کے لئے ایک ٹھوس راستہ تھا۔ حدود دروازہ سے صرف اس لئے داخل نہیں ہوتے تھے کہ نازبوں کو ادب احترام کرنا پڑا اور اس طرح ان کے وقت عبادت میں خلل واقع ہوگا، لہذا اُس ٹھوس دروازہ سے داخل ہونے کے بعد قریب ہی چلا جگہ ملتی وہیں سلطان والا کھڑے ہو جاتے۔ اب یہ دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ یہی وہ مسجد ہے جس کے قریب ہزاروں مسلمان شہید جنگ آزادی ہوئے اور جن کے خون کے توانوں سے مسجد کی دیواریں ایک تہ تک سرخ ہیں۔ مسجد کے دو حصے ہیں ایک زیریں اور دوسرا بالائی۔ جتہ زیریں کی درمیانی محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے:-

کہ حضرت سلمان اندر زان ماضی  
تقریر مسجد کے گردناش نہاد افعلی  
در اسرار ان فرخ سلطان میں بنا کرد  
آن مسجد کی کہ کش لکھ گذشت اعلی  
طاعت است چوں بر نواختن سخن دخی  
روشن چو یوسف باند چو فیض پیرا  
دار دندان زمرہ ان صفیر حفا فخر  
محراب کش آد آیسندہ دا بلحا

مانند زرجو جی اگستہم راستے تاریخ

طاعت راستے ثابت۔ اٹل نمود الفا

اس مسجد میں چار کتبے اور بھی ہیں، ایک میں اگلے حسی دوسرے میں بول مقبول صلعم کے ثنائی نام۔ تیسرے میں احکام جہادی سبیل اللہ اور چوتھے میں غزوات پیغمبر کے متعلق احادیث مذکور ہیں۔ اس اعتبار سے یہ مسجد اپنی مثال آپ ہے۔

مسجد کے منار بھی کافی بلند ہیں اور آخوی منزل پر جانے کے لئے باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔ جگہ میں جگہ منتظر عاصف تیسرے اور شاہد عاصف کے ساتھ ایک منار کی بتوں کی منزل پر ہوگا، مگر منار میں بت چھوٹی ہیں اور راستہ بھی بہت تنگ تھا کہ کم لوگ چھوٹے گال بالائی منزل قاتمی تنگ تھی کہ بجائی تیسرے کو اپنی جماعت کا احسن

سے فرزند بھی ہیں وہ اب یہ مسجد جس سے ساتھ لطیف نظارہ میں شریک ہو رہی ہے۔

## مشاعرہ شاعر مصرع طرح: ”جاگ اب خوابِ بحد سے کہ سحر ہوتی ہے“

محسن ادب حضرت نشتربنگامی ایدو وکیٹ اورنی

جناب مرزا عالم پوری

باعث درود دل و درد جگر ہوتی ہے  
کیا بتاؤں میں کہا تک میں نگاہیں بیری  
سادگی سے تری لاشن کے ہے انکار  
مٹ گئے ہم تو قوت میں ہیں کیا معلوم  
سفر ملک عدم بار گزرتا ہی نہیں  
مست و بخود خوری یاد میں ہیں کیا مابین  
بند رہی ہے جو قوت میں کسی سے نشتر

جائے کیا چیز حسینوں کی نظر ہوتی ہے  
وسعت دل میں کہیں قدر نظر ہوتی ہے  
یری ہر بات میں اک بات مگر ہوتی ہے  
نام ہوتی ہے کہ دنیا میں سحر ہوتی ہے  
دیگر گئی ہے نہ تکلیف سفر ہوتی ہے  
نام ہوتی ہے کہاں بھی کہہ سکتی ہے  
نام بھی بیری بہ انداز سحر ہوتی ہے

بائے اٹھے ہیں تو داس کو خبر ہوتی ہے  
زندگی وہ ہے جو مر کے بسر ہوتی ہے  
آنکھ کھلتی ہے تو محدود نظر ہوتی ہے  
مدوا تخم کی طاقت سے سحر ہوتی ہے  
حسن والوں کی نگہ ساز نظر ہوتی ہے  
دیکھتے کتنی مسافت پہ سحر ہوتی ہے  
کیا وہی پھر غلطی بار دگر ہوتی ہے

حضرت جذب عالم پوری

جناب شفا گوالیار

منقول عالم طلعت میں بسر ہوتی ہے  
جب مر گھر سے وہ ہوتی میں سحر کو ذمت  
زندگی عشق کی ہوتی ہے عبارت جس سے  
عمر بھرا الٰہی خبر کو نہیں ہوتی وہ نصیب  
پڑھ ہی جاتی ہو نصرت میں کو دل کی عشق  
جی نہیں پاتا سجدہ سے اٹھان مشرق  
بغیض نبی ہیں بھولوں کی شمع میں دل و جذب

نام ہوتی ہے قص میں سحر ہوتی ہے  
کیا بتاؤں جو قیامت مر گھر ہوتی ہے  
کہیں وہ آہ بھی نمون اثر ہوتی ہے  
آپ کے بے خبروں کو جو خبر ہوتی ہے  
چاہتا ہوں کہ نہ ہو پھر مگر ہوتی ہے  
جب تصور میں تری راہ گذر ہوتی ہے  
کتنی دیکھیں گلستان کی سحر ہوتی ہے

یہ بدر ہوتی ہے دنیا بھی ادھر ہوتی ہے  
موت آتی ہے نہ بکثرت سحر ہوتی ہے  
کتنی مصمم محبت کی نظر ہوتی ہے  
کیا کہیں عشق میں کس طرح بسر ہوتی ہے  
حسن والوں کی ہر گھر نظر ہوتی ہے  
جنگلی ہوتی ہے سحر انگلی سحر ہوتی ہے  
ہائے کیا چیز محبت کی نظر ہوتی ہے

حضرت ارشد صدیقی امروہوی اکوٹہ

جناب فیصل از سکولی

ایک حالت میں تری عمر بسر ہوتی ہے  
جاگ اب دور مسافات داخوت تابا  
اب بدلے کو ہے دنیا کا نظام کس نہ  
دیکھتی ہے بدل نظام کی جو حالت انداز  
دل سے جو درد ہیں دھلی جاتی شمع کو بھی  
اب تو وہ جلوہ ہر اک شے میں نظر آتا ہے

”جاگ اب خوابِ بحد سے کہ سحر ہوتی ہے“  
”اٹھ کر دنیا سے ستم زبرد ہوتی ہے“  
یہی تشکیل جاں بار دگر ہوتی ہے  
ہم نظر کیے ہیں اکوہہ نظر ہوتی ہے  
کہیں وہ آہ بھی نا لایم اثر ہوتی ہے  
مٹا اٹھ کر تکبیل نظر ہوتی ہے

نام گلشن میں نونداں میں سحر ہوتی ہے  
بے خودی قابل امکان نظر ہوتی ہے  
نام ہی باعث تخلیق کس نہ ہوتی ہے  
چشمِ داخل بھی کہیں جلوہ مگر ہوتی ہے  
ہر گھر گل میں نہاں میں شمع تر ہوتی ہے  
کیوں وہ غریب جن زبرد ہوتی ہے  
انگل اکنت میں یہ نہ کیب اثر ہوتی ہے

## جناب قدیر شمس فرخ آبادی

شام ہوتی ہے ہادی نہ سحر ہوتی ہے  
دن گذرنا ہے دوش بہ دوش کفر  
طلعت ہم کو جوں نیز کھینچے واسے  
شکوہ ہے آری عشق میں بے مانی  
غلوں دل میں بلانا تھا ایسے ہوئی  
بکوں نکاح جو راستہ بڑا بڑی نافرمانی  
انقلابات جاں کاسے یہ مطلب سحر

## حضرت شفیق کوٹی

کوئی تھے ہوجے درویش نظر ہوتی ہے  
میری تمہاری سہا دیتی ہے مصلحت ان کی  
ششدر آئے تھاجان تھیں وہ ہوت  
کیا خبر اس کو لذت کفر پیدا نہ ہو  
کھل ہی جائیگا قیمت کاشت کوڑا کوڑ  
کس! احسان غم ان کو نہ ہو شفیق

## جناب پیر محمدی

کوئی نمونہ وفا ہے کوئی مقول جفا  
کاش ہر مزاج ہستی یہ فوارش کی نظر  
آج جہان ہو وہ دروغ چین جان بیمار  
نور منزل کا دھندلے روشنی افقوں کی دہر  
پھونکے پھونکے بولے برقی محبت مجھ کو  
موہ لیتی ہے نظر شام آؤدھ کی نیشہ

## جناب سہا قریشی (ڈرو و کیٹ بھٹہ گوالیار)

عاشقوں کے دل بوجھ سے کوئی پوچھے  
بے نقاب آپ کے جلو کو کبھی ہونے میں  
جھانک میں نارولی، بکلیوں کی ہنر بڑی  
خون آنا دہے وہ کچھ بھی کہی کچھ بھی کرے  
ضاحب آنا دہے آ یا تھا جہاں پرواز  
کچھ اٹھیں لوگوں کہ مال ہے مذاق ہستی

## جناب آذر ناگپوری

پھر مری سکت قیامت کی فکر ہوتی ہے  
پردہ جلوہ رنگیں کو الٹ دینا ہوں  
کس قدر سلسلہ شام شب غم ہے دراز  
لالہ گل سر داغ نجم اشتر و برقی جال  
ایسا ہی عکس مقابل نظر آتا ہے مجھے  
جاگ اٹھا عشق کی چپٹ کا اشارہ آذر

## جناب سالک باگمی ناگپوری

آج یہ آہ جگر ہوں آڑ ہوتی ہے  
درید دل حد سے گزرتا ہے نہ کم ہوتا ہے  
دن تو ہم کاٹ ہی لیتے ہیں کسی طرح نگر  
میری دنیا سے محبت ہے وہ خاک جہاں  
گھر سے نفرت ہے، بیابان کو چھوٹ کھڑے  
بے پے جھوٹے لگا ہوں میں سلک اکثر

## جناب شوق شہادوی

اس طرح زندگی عشق بسر ہوتی ہے  
دیکھ دینا ہے سکون زبرد ہوتی ہے  
ایک مرکز پر ٹھہرتے نکاحوں کا، نجوم  
درود کا عالم نکلیں نہ بدلتے دیکھا  
دن جدائی کا تو گذرنا چڑی ٹکڑے  
مال وعدہ ہی شوق عینت کچھو

## جناب طرہ قریشی بھٹہ اروسی

بندہ درس قیمت وہ نظر ہوتی ہے  
پوچھ اس ایک خور کا قصور کچھ سے  
کوئی منزل ہو گندہ ہی جلی جاتی ہے  
دکھ لیتا ہے وہی بلی نفرت کا جال  
بھاگتا ہی مغل میں فنک سے طرفہ

آج دنیا کو سکون زبرد ہوتی ہے  
جب دُعا میری ہم آغوش آڑ ہوتی ہے  
میں ہوتی ہے نہ بکنت سحر ہوتی ہے  
کیس ان طووں کو نکلیں نظر ہوتی ہے  
جب کبھی آئینہ دل یہ نظر ہوتی ہے  
زندگی شبنم کے ہوں میں بسر ہوتی ہے

یکدمی شام نصیب کی سحر ہوتی ہے  
میں وہ دے کے باغدار دگر ہوتی ہے  
شب تیری، دیم شکل سے بسر ہوتی ہے  
شام ہوتی ہے کبھی اور نہ سحر ہوتی ہے  
اب کہاں دیکھنے کی عمر بسر ہوتی ہے  
جب مری سکت وہ پُر کین نظر ہوتی ہے

دیر میں شام تو کب میں سحر ہوتی ہے  
”چوک اب خواب محبت کے سحر ہوتی ہے“  
فرصت جلوہ بھی ہنگامہ آڑ ہوتی ہے  
شام ہوتی ہے یہاں اور نہ سحر ہوتی ہے  
رات اب دیکھنے کی عمر بسر ہوتی ہے  
وعدہ شام کا آغاز، سحر ہوتی ہے

زیرت جس کی یہ آغوش سحر ہوتی ہے  
عمر چکی تیرے دامن میں بسر ہوتی ہے  
گندہ اٹھیں جوانی بھی ٹھہر ہوتی ہے  
جس کی لپے ہی گریبان یہ نظر ہوتی ہے  
اس میں ناقد دیکھ ارباب ہنر ہوتی ہے

۱۰ موجودہ دور کے شاعروں کی طرف اشارہ ہے۔ طرہ

### جناب ساقی صدیقی جیلپوری

زخم دل پر جو کبھی آن کی نظر ہوتی ہے  
دبہ خونی میں جانی اگر ہوتی ہے  
یوں تو میں سب عالم میں ہزاروں جلو  
کیا کچھ اب بھی نہیں میری نسبت کا نہیں  
کی نسبت جو لوں رہے تھے میری نگاہ

### جناب منتظر کلینی جام پوری

لاذت درد کی کھان کو خبر ہوتی ہے  
ہوش میرا کسے تھے کوئی نہیں باک  
آگہا تھا کہ بھی نہیں دیکھتے وہ دنیا کو  
وہ بھی نہیں تھیں کہ نظروں میں بسر ہوتی تھیں  
منزل عشق کا ہو جاتا ہوں رہبر شکر

### جناب وقار رضوی جونیوری

شب زلفت میری اس طرح بسر ہوتی ہے  
ہو گیا شمع پر روانہ فدا یہ کہہ کر  
در دل دولت دین خدیوہ اخلاص وفا  
سب پر ساقی کی نظر خاص ہو لیکن کچھ پر  
نہ کہ الفت کو وفا ایک زمانہ گذرا

### جناب پریم شیدائی دہلوی

جس پر اکی برقی نظریں نظر ہوتی ہے  
نوز شمع کی کس کس کو خبر ہوتی ہے  
اس طرح خاتم الم ہے مری سستی پر محیط  
دیکھ تو فزیر دل جلوہ گاہ دست نہ ہو  
پریم آنکھوں میں مارا وہ چمے جاتے ہیں

### جناب اختر ذالقی بنگلوری

عشق کا حق میں نہ کیوں حق ہر غلاق نفا  
دیکھتے بھی نہیں وہ جانب ہستی مڑ کر  
بے خبر تو سوز و غم حشر سے ہے کیوں  
فاطرت میں جن پہل ہے لعلی دل کی

پردہ لالہ و گل سے مجھے یک کام آئے

### جناب بیاب کالیوی

جیسے جلی ہوئی کھان کی نظر ہوتی ہے  
اک نئے عالم پر کیف میں ہونا ہوں  
کچھ بتا دیجئے اسے میرے دل آرزو  
پلے پیٹاری میں دیکھیں ہیں بود بھی ہیں  
تھو کو دل سے نہیں جناب فانا اترے

### جناب شان بھادیسوری

درد و شب ہوتی ہے اور شام دھو ہوتی ہے  
شب زلفت ہوتی ختم ادبے نالہ باقی  
بزم عالم میں کسی کو کئی طلب ہی نہیں  
نالہ نیم شبیں ہو کہ نفاں کسری  
شان الفت کا نقاب ہے کہ جو پڑا میں

### جناب کیل ازمدوی (مشرقی فاندیش)

ای امید میں اب غم بسر ہوتی ہے  
بتلا سے غم زلفت کو نہیں ہوش اتنا  
دن دہائے دل عاشق جو پرا لیتی ہے  
پیش حق شمس کیاد کجا وہ اسے غافل  
چو زکرا انکور ہوں کر کے مہاکیں وکیل

### جناب اکرم صغنی دھولوی

عمر ساری اس حشر میں بسر ہوتی ہے  
ناکے موت کی آغوش میں آرام کشی  
جس سے فغان زندے میں اٹھا کئے ہیں  
شدت ہجر کا عالم تو ہی جو جس میں  
ہائے کیا میرے سوانح بخت اکرم

### جناب خاور شہاودی

دل پر جس میں محبت کی نظر ہوتی ہے  
نقش پرستے زرد پانا ہو ہر گز دہ غنا  
پردہ گل میں نہاں ہے میں ان کے جلو

دوست کی آنکھ فقط دوست نگر ہوتی ہے

نظر نا حالت دل زبرد زبر ہوتی ہے  
جب بھی تصویر زری پیش نظر ہوتی ہے  
کیا بھی خاتم الم کی بھی سحر ہوتی ہے؟  
درد دل کی مریک اب کو خبر ہوتی ہے  
یوں بھی تویر سر راگزار ہوتی ہے

دل میں پیغم غرض تبر نظر ہوتی ہے  
کس کو راحت تر دہان سحر ہوتی ہے  
غم پر لپکے اس طرح بسر ہوتی ہے  
ہر ادا عشق کی محسوس ہوتی ہے  
راحت میں میرے پیش نظر ہوتی ہے

دیکھیں اب ہم پر خیانت کی نظر ہوتی ہے  
خاتم کب سوتی ہے کس زلف سحر ہوتی ہے؟  
ان حسینوں کی وہ درد دیدہ نظر ہوتی ہے  
چونکہ اب خواب کدے کہ سحر ہوتی ہے  
وہ جہر ہونے میں مخلوق ادھر ہوتی ہے

ابا نہیں ہوتی ہے ابل کی خبر ہوتی ہے  
چونکہ اب خواب کدے کہ سحر ہوتی ہے  
وہ اعلیٰ ہوئی الفت کی نظر ہوتی ہے  
دل کی فراہ بھی محروم اثر ہوتی ہے  
غور کرنا ہوں توجہ میں بسر ہوتی ہے

حالت ہوش ہوں نوریہ دگر ہوتی ہے  
دشک خود شہری ماہ گندہ ہوتی ہے  
جو کل کلین ہے تسکین نظر ہوتی ہے

اُن کے جلوہ جویں اب ذہن و نظر میں نمود  
"ایکے نظر و عمل سے یہ نفسا فل فادور  
جناب تشا اموی

جمع کے تارے بھی بھیسائے لگے ہیں اکلیں  
موت آجاتی ہے ہوتی ہے مگر ایسی بھی  
اک نہیں ہوتی یہ حال ہی کی اُن کو نہر  
کلکٹس سر ہے شب جگر مری جانِ نریں  
استن آہِ دل و قلب و جگر سے ہر شیار  
جناب طلال پریمی از کوکشی (دیاست دھار)

دیکھتے کب ہیں مریں کی خبر ہوتی ہے  
عمر و سنہ تغیروں کی بسر ہوتی ہے  
دل کے پردوں پہ ہیں بیکار کچھ سب کی  
چاک کر لینے ہیں دامنِ فنا ایسا  
دل انھیں دے کے ہم اس زکوٰۃ کو بیکار  
جناب مومن شیدائی دیوبندی

دستِ آہ کی گوتا بہ اثر ہوتی ہے  
خزلِ عشق جب دل کی نظر ہوتی ہے  
جادو ختام پہ یوں حکمتِ ظہر جانا ہوں  
کیفیت و قیاس سوانحِ جنوں دل کی  
موج گردابِ محبتِ یابی میں ملے جلی کشتی  
جناب حکیم شمس آبادی (مجمعی)

ہوں وہ مزارِ محبت کو نہیں جھکے جسر  
درِ پڑھ جانے سے تندرست بجا و تکیں  
وہ فضاؤں میں ہوا شورِ قیامت برپا  
حال کیا اب کو معلوم نہیں ہے میرا  
کے جلوں سے حکیم کلام چھرا گڑا لی  
جناب فیض شہادوسی

برے انکوں بزدلے کی نظر ہوتی ہے  
موت دے کر دیا ہنگامہ محشر برپا

دل کی دنیا میں اندھیرا سا ہوتا ہے  
دیکھنا ہوں جوتا ہوں خاکِ دل کو  
ذخما کو دلِ مجروح پہ راتوں کو راتوں کو  
جناب اسم سیتا پوری

دلِ محبت میں شبِ روز بسر ہوتی ہے  
دل کی دگر دگر ہے اکرا دکا عالم پیدا  
بلے پے لشکرِ ماموس مجھے ہوتا ہے  
عشق کیجئے اسے عاشق کی نظر میں بھیس  
دیر و کب ہو، کلیسا ہو کہ بنگا نہ نسیم  
جناب جلیس مالکانوی

کعبہ افزا غش در و جگر ہوتی ہے  
گریہ غم کو مرے چشمِ غفارت کو نہ دیکھ  
خون پروانہ جانبِ از کا دکھا یاد  
جلوہ افزا دہے جب سو دردِ جلالِ انگلیں  
یہ حقیقت ہے کہ میں نازش ہوتی ہو تکیں  
جناب عصمت قریشی بلا پوری

جس سے برہم تری درمیدہ نظر ہوتی ہے  
مسکراتے جیمنوں کا تغافل جس پر  
کوئی کشتا ہی نہیں بری دکھے دل کی صدا  
عشق کوں فادکٹوں ہی کے نگہِ حرکت  
حضرت آوازِ سو کو فیض کی عصمت امید  
جناب ارشد صدیقی ساگری (اناکور)

مائلِ زلیت اُسی بت کی نظر ہوتی ہے  
شدتِ درد سے نکلیں جگر ہوتی ہے  
کیوں لی زارِ ابا جی جی جو بسر ہوتی ہے؟  
دیکھیں میں کس پہ خیانت کی نظر ہوتی ہے  
جناب فوق نمدانگجی، گیاوسی

نارِ آہ کی خودش میں محشر ہوتی ہے  
شکرِ صد شکر مسلسل شبِ اکام کے بعد  
اب خدا مست مجھے لے دبدہ ز ہوتی ہے  
"جو تک اب خوابِ محمد سے کہ سوہ ہوتی ہے"

کیا اسی طرح شبِ غم کی محشر ہوتی ہے  
روشنی طور کی نادرِ نظر ہوتی ہے  
مسکراتے ہو تو تاروں کی نظر ہوتی ہے

قلبِ سو ایک غشِ تاب جگر ہوتی ہے  
یک تاروں میں نصیب میں کدھر ہوتی ہے  
شفقت جب تری مجھ کی نظر ہوتی ہے  
حسن کی بات بہ اندازِ دگر ہوتی ہے  
ہر گدہ اہلِ محبت کی بسر ہوتی ہے

ہاتے کیا چیزِ محبت کی نظر ہوتی ہے  
انھیں انکوں میں نہاں پائے ہو ہوتی ہے  
نزدگی شمع کی درود کے بسر ہوتی ہے  
ہر گلی باغ کی فردوسِ نظر ہوتی ہے  
حیرت افزا، مری پروازِ نظر ہوتی ہے

نزدگی میں سے کب انکی بسر ہوتی ہے  
ترجمانِ دل مضطر و نظر ہوتی ہے  
تم جہر ہوتے ہو دنیا بھی ادھر ہوتی ہے  
یہ عصمت تو غریبوں ہی کے سر ہوتی ہے  
دیکھ کر کلفت و خیانت کی نظر ہوتی ہے

مائلِ زلیت اُسی بت کی نظر ہوتی ہے  
شدتِ درد سے نکلیں جگر ہوتی ہے  
کیوں لی زارِ ابا جی جی جو بسر ہوتی ہے؟  
دیکھیں میں کس پہ خیانت کی نظر ہوتی ہے  
جناب فوق نمدانگجی، گیاوسی

نارِ آہ کی خودش میں محشر ہوتی ہے  
شکرِ صد شکر مسلسل شبِ اکام کے بعد  
اب خدا مست مجھے لے دبدہ ز ہوتی ہے  
"جو تک اب خوابِ محمد سے کہ سوہ ہوتی ہے"

کہا ہوں میں عازکِ بہت کی مگر  
تجھے دیتی ہے صداقتِ بناہی وطن  
جناب عالی علی گمری  
جب انھیں اپنی اداؤں کی خبر ہوتی ہے  
کیا کہوں کیا زری زردہ نظر ہوتی ہے  
مردنی پھرئی نظر کی رنجِ جسم پر  
لے رہے درِ میدانِ زسویں حیرانِ دھماں  
جناب انور شہا دو می  
مزل عالمِ تقدیس کو طے کرتا ہوں  
شامِ غم لاکھ معائب ہو کارا کو لے  
اڑتے آتے ہیں اوجھن سے نیکینِ منظر  
شامِ غربت میں جانا بیٹھ گیا میں آنور  
جناب تاباں القادری مدنی پوری  
آئینا نگہوں میں پرلِ آبِ دھواں کے بہت  
یوں تو شبِ تاریکِ مصیبت کی سنس کوئی سحر  
اُن کے چہرے سے ہوا اُن پر ہم کو معلوم  
کیا ہوئی وہ مری خود اُڑتی الفتِ تاباں  
جناب قدا جملی  
موجِ رازِ حقیقت جو نظر ہوتی ہے  
تو نے سو جا بھی کبھی عیش میں نہ نہ والے  
وہ عمارت سے جاں کو نہیں کیا کوئے  
میں نے دیکھی تو نہیں اپنی نگاہوں کو قدا  
جناب برگ اڑ باندہ  
موت کی نیندِ سرمشام سے سوئے والے  
دیکھ لیتے ہیں یہ دل لاکھ جھپٹا کوئی  
بلے خبر عشق میں ہے جس کو جسم کو ملد  
جناب کیف رائے بریلوی  
دل کو میری نہ بچھے دل کی خبر ہوتی ہے  
بڑے انداز سے بیوتِ مہا مہا ہے

دیکھو کب یہ ہم افروز ہوتی ہے  
جو کب اب خوابتِ اپنے کہ سحر ہوتی ہے  
تجددِ نظارگی اپنی نظر ہوتی ہے  
سب سے پہلے میں عالمِ بدیدہ ہوتی ہے  
کتنی جانور مری آدھ ہوتی ہے  
اس طرح حضرت عالی کی بسر ہوتی ہے  
میری زبانِ نظر کھلے بسر ہوتی ہے  
راحتِ افرا شبِ امان کی سحر ہوتی ہے  
مری شکل کی پروازِ جد ہوتی ہے  
تا سحر سے یہی مزل ہر نگہ ہوتی ہے  
گنگہ اُن سے بڑا از دگر ہوتی ہے  
تو نے دشمن کے تصور میں ہو ہوتی ہے  
وہ بدیدہ ہوتے ہیں کیا بھی ادھر ہوتی ہے  
اب تو غیروں پر غایت کی نظر ہوتی ہے

یاد آجائے میں دناؤں فرکانِ مجھ کو  
جناب غافل از بتول  
نہ سہی آج کسی دن تو مگر ہوتی ہے  
رحم کر کچھ تو غمِ ہجر کے دینے والے  
اُن کو ہے شوقِ جنائیں بودہ کا نوکر  
جناب سخی دکنی  
یار کے حسنِ تصور میں سحر ہوتی ہے  
وہ بھی کیا دن تھے کو نظر سے نہ تو قہر ہوتا  
جناب معصوم القیادی سہا پوری  
نہ تو خدائی زوہ سے نہ تو شر ہوتا  
اب تو معصوم مجھ کچھ لہو آتا ہی نہیں  
جناب طالب قریشی مہمان پوری  
فرش رہ آکھوں گا میں بن بادیوں  
قول طالب کا دیکھیں یاد میں اپنی نظر  
جناب شیراد قریشی سہا پوری  
تسے دیوانوں کی یوں عمر بسر ہوتی ہے  
کتنی بڑے دروئی آو سحر ہوتی ہے  
جناب متن ساگری  
دیکھتے کب وہ ادا بار دگر ہوتی ہے  
جناب آزاد کھمبھی  
دن کی بات کیں صبح کیں شام نہیں  
نیرے وحشی کی یوں ہی عمر بسر ہوتی ہے

مشاعرہ شاعر مصرع طرح بر ماہ نومبر ۱۹۳۳ء

"عشق کو حسن کے آداب سکھائے نہ گئے"

سکھائے۔ بنائے وغیرہ توانی نہ گئے روایت

نوٹ غزلیں ہر لہ کہ تاریخِ نگہانی چاہیں۔ شاعرے کے صرف منتقل فرما رہے  
غزلیں بھی لکھتے ہیں۔ غزل پر غیر مری ہوا غزل ہی ہے۔ میجر

# اصلاحِ سخن

جنابِ ظفر گیلوی کی خدمت میں عرض کیا کہ علامہ ناطق گل کو ٹھوسی کی اصلاح

توجہ دے۔

(۱) زندگی دوام کو حاصل روغنِ حیاں، کسبِ معنی تھا موت سے پہلے مرعہ میں زور دیا اور مطلع اچھا ہو گیا۔ مگر میری رائے میں دونوں مرعوں میں زندگی کا رہنا مطلع کے حسن کو کھو رہا ہے۔ اگر پہلے مرعہ میں زندگی بکھل جائے تو بہت اچھا تھا، موجودہ صورت میں یہ مطلع برا نہیں ہے۔

(۲) "گودا ہوا نظام" اپنی جگہ اچھا تھا لیکن اصلاح میں حرفِ اشارہ، کہہ کر دوسرے مرعہ کو زیادہ مؤثر کر دیا گیا۔

(۳) "مخلیل یکہ" صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مرعہ سُست تھا۔ اصلاح سے چست ہو گیا۔

(۴) "خیر بھی اچھا ہے اور اصلاح بھی" مرعہ ثانی کے اعتبار سے جات کی جگہ خیال ہی بننا چاہیے۔

(۵) ظفر صاحب کا مرعہ "مرعہ ثانی" سے زیادہ مربوط تھا۔ حضرت ناطق کی اصلاح سے لطف پیدا کر دیا۔ اب خدا مرعہ کے تہجد دیکھئے۔

(۶) یہ شعر کچھ اچھا ہوا تھا۔ اصلاح سے غمِ زیادہ واضح ہو گیا۔

(۷) ایک ہی مرعہ میں دو جگہ "میر" کچھ اچھا معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس میں دل جڑیں بنا دی گئیں۔

(۸) ظفر صاحب کا مرعہ قطعاً تھا مگر اصلاح نے زیادہ زور پیدا کر دیا۔

(۹) اپنے مرعہ میں اپنی بے حس اور آواز تھا۔ مطلع نے ترکیب کو دور دیا اور مرعہ بڑھ گیا۔

(۱۰) شعر کے معنی و مضمون کو مطلع نے "شاہین" کی ترکیب کے تحت اضافہ کر کے بہت لگ اسے صحیح سمجھ کر میری "آئینِ سخن" ایک ابا جامع لفظ ہے جس میں شاہین، جوانی، رضائی فرضِ مہر کچھ پایا جاتا ہے اگرچہ اس کا ثواب ہو سکتا ہے تو پھر حسن کا بڑھاپا بھی ہونا چاہئے۔ ان میں و ثواب یا بے ثواب حسن لکھا جا سکتا ہے۔

(۱۱) "فردوسِ نازک" غلامی پہلے مرعہ میں کر کے بہت دور دور سے میں ہلکا ہے تھا اصلاح سے یہ بڑا عجیب اور ہو گیا۔ اگر کوئی ادبی نہ ہو تو اس آواز میں کہیں کہیں مرعہ اولیٰ کی اصلاح میں "تو" لفظ کل ہے۔ دوسرے مرعہ میں میں کی جگہ "مگر" بہت خوب ہے۔

(۱۲) "پھر بھی" اقداب بھی میں کوئی خاص فرق نہیں اب بھی زیادہ سلیس ہے۔

اعجازِ صدیقی

موت کو پہلے مرا کہہ دینا، موت کی زندگی دوام ہے کہتے ہیں جو زندگی ذوقِ فنا کا نام ہے

دیکھتے یہ کارگر جات کا پتہ بھانپتا ہے ۲ صبحِ نشاط دلِ دری میں سواختا ہے

بزمِ سرور میں زری ہر کوئی تحملِ یکہ میں تلخ و خوشا کا نام ہے ۳ قید میں مبتلا، ایک شکستِ جاہ ہے

خیالِ رگنبدِ حیات میں در و درم کا ذکر کیا ۴ یہ تو نگاہِ فکر کی منزلِ ناما ہے

یہ بھی دین بولی کی، دین کو واسطہ نہیں اپنی خوشی کا ذکر کیا اکی خوشی کا کام ہے

کام کی بات تو یہ ہے سخنِ سلیقہ چاہئے یعنی حصولِ دعا طرز

ابھی حصولِ سعادت کے نام پر ہنسنے ۶ صحبتِ دوسری سخی علی کا کام ہے

دلِ حیرت کیوں پر حیرت سے دیکھوں ہر دمِ نازیں ۷ یہ بھی تراغما ہے وہ بھی تراغما ہے

اب میری آرزو نہ پوچھ چکے تیرے عشقِ افسانہ آرزو نہ پوچھ ۸ میری نگاہِ حیرتیں دلِ کاری پر ماہ ہے

چاہئے ہم کو بادہ شوق لہ لہ کر یعنی بقدرِ ظرفِ دل ۹ بزمِ تراغما میں جاں بوس ورام ہے

کیفِ نگاہِ شوق ہے سخن کی بارگاہِ ۱۰ خانِ شبابِ سخن کیا دید کا اک نظام ہے

لفظ، الٹا سے کچھ کان میں کہتے ہیں مگر

بہن تو کہہ رہی ہے ہر روز اس کے ۱۱ اس کی بھین نہ نہیں کہتے وہ ہلکا ہے

۱۲ آنکھوں میں لٹک لٹک ہے آہ، شکارِ آسما جی شہاں دہر سکونِ دل ظفر پھر بھی اسی کا نام ہے





(۱) محسن ادب جناب محترم بابو ہر گو بند دیال صاحب شتر ہنگامی شتر سالانہ  
(۲) محسن ادب جناب محترم مولوی محمد خالص صاحب شتر خورجی شتر سالانہ  
(۳) محسن ادب ہر رائیس علیہ حضرت کینانہ والی بک صاحبان خورجی شتر سالانہ  
(۴) محسن ادب وزیر زادہ شتر عمت خالص صاحب شتر خورجی شتر سالانہ

ہے

معاونین ادب

[illegible]

خیال  
مکنند حیات  
در صحن بدو  
این که در حلقه  
کام کی بات تو  
بس بحر صیقل  
دل تو  
یکون در حیم  
اب مرگ آرزو  
چیکو آرزو است  
چای  
باده شوق می

## خاصان ادب

(۲۱) جلب حاصل اور دین اعلان غائب متفق ہو کر سے سلطان  
(۲۲) غائب جبکہ غائب غائب ہو کر ہو کر ہو کر سے سلطان  
(۲۳) غائب لاکھ نام غائب ہو کر سے سلطان  
(۲۴) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۲۵) غائب جبکہ غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۲۶) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۲۷) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۲۸) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۲۹) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۳۰) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان  
(۳۱) غائب غائب غائب غائب ہو کر سے سلطان

49

# بحث ششم اصول الفاظ کے اعراب

ایسے بہت سے الفاظ ہیں جو عام طور پر ہماری بیل چال میں آتے دہتے ہیں نیز ادا اور شراپے کلام اور معانی میں بھی کثرت استعمال کرتے ہیں لیکن اکثر تخط میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً کوئی محبت کہتا ہے تو کوئی محبت کوئی فضا کہتا ہے تو کوئی فضا کیوں نہ آپ فضا میں ایسے الفاظ کے کچھ اعراب بعد تحقیق نقل دیں جو عام طور پر سب کے کلام آتے ہیں تاکہ ناواقف حضرات کو تخط میں آسانی ہو۔  
افسر احمد مگری

الفاظ کے اعراب کے سلسلے میں اس سے پہلے بھی متعدد حضرات قیود لایکے ہیں مگر میری بے پناہ معذرتوں نے اس سلسلے کو چھیننے کی ایک اجازت نہ دی۔ گو اعراب کی توضیح زیادہ وقت نہیں ہے لیکن اتنی آسان بھی نہیں کہ ظم برداشت کھانا چاھاؤں بہر حال اس اثنا سے یہ سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ اسے چند مخصوص الفاظ پر ایک مخصوصہ کیا جائے گا بلکہ زیادہ ہے کہ الف سے یکو سیمے تک جتنے الفاظ ایسے ہیں جن کے اعراب میں غلطی کا امکان جہاں سب کچھ اعراب لکھ دیے جائیں۔ ذیل میں الف ابدال صمد و ک قیطن شروع کی جا رہی ہے۔ اس میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے تلفظ میں شاید بہت کم لوگ غلطی کرتے ہیں۔ لیکن امکان غلطی ضرور ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے اعراب کے ذرا سے اختلاف سے معنی میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔  
سکھ ایدہ ہے کہ محققین اور مشاہیر اس تذکرہ میں سلسلے پر نگاہ رکھیں گے اور میں مجد منون ہو گا اگر وہ اس سلسلے میں رہ جانے والی کسی کوتاہی یا غلطی سے اگاہ فرمیں گے۔  
مدیر

غلط اعراب	صحیح اعراب	تشریح	غلط اعراب	صحیح اعراب	تشریح
آتش	آتش	بکرا، بعض لوگ ت بالفتح بھی بولتے اور لکھتے ہیں لیکن ت کو ذی بے کے ساتھ زیادہ بولا جاتا ہے	آہنی	آہنی	ہ۔ بالفتح
آباد	آباد	الف معصودہ	اجتاج	اجتاج	ت۔ بالکسر
آخر	آخر	خ بالکسر	ایجاد	ایجاد	بالکسر۔ دو اکرا
آخرت	آخرت	د ساکن نہیں ہے بلکہ بالفتح ہے	آباد	آباد	بالفتح۔ بعد کی جمع
آزردگی	آزردگی		ایلاف	ایلاف	بالکسر
آسودگی	آسودگی		اکلاف	اکلاف	
آفت	آفت	فت بالفتح	اکام	اکام	
آفرینش	آفرینش	ن بالکسر	اکام	اکام	بالفتح
آجہی	آجہی	ک۔ بالفتح	اکام	اکام	فیون۔ اقوار۔ ثابت کرنا
آبادش	آبادش	ی۔ بالکسر	اکام	اکام	ثبت کی جمع
آصفیہ	آصفیہ	ص۔ بالفتح	اکام	اکام	ت۔ بالکسر
			اکام	اکام	مجم۔ کرنا

(بیمعروف پر بیٹھے)



افزون مکان تو اب تر محبوب علی خاں چادر دہانی اختیار و کینہ  
 اندامی کافر بخا اور قیل و قعد کے خطاب سے مراد افزاں ہے

معاذ اللہ طاقت کا مزین ہلایا ہے۔ یہ فروری میں کب پرشکوہ تھوڑی سی طرح دیکھ چکا ہوں۔  
 افسوس کہ اس طرح کھڑو دھڑک کر دادوں کا ترچہ جو باہر نکلوا اقبال کی کتاب۔ قابل  
 اور حسرت و غم کے رنگ میں لکھے گئے۔ تنقید کا یہ کس قدر غلط اصول ہے۔ میں  
 کتاب چلو جو شیوہ جس رنگ میں کتاب ہے اس کے مطابق دیکھنا اس کا نہیں حدود  
 میں جائزہ لینا چاہیے۔

مولانا آزاد فقیہ ری، حضرت مولانا حسرت موہانی کے متعلق فرماتے ہیں :-  
حسرت کے بیان کا طرز ہے، وہ عقائد و معنی انہیں اس کی کو شش ہے  
وہ اودھیات پیدا کرنے کا دانشور، لیکن یہ تمام باتیں اس کے بغیر نفل  
پر قربان ہیں۔ حسرت کی فن کا ترجمہ نرم و لطیف انما زب بیان  
الفاظ کی سب سے بہتر۔ فادسی ترکیبوں کی عظمت اور متوازن خیالات  
 سے پیدا ہونے والی ہم آہنگی، ریب کلر کا پس چیزیں میں جاتی  
 ہیں جو میں (اور فادسی) کے اور کے کلام میں نہیں ملیں۔ حسرت کا کلام  
 سادگی اور کلاسی کے کلاسی کے اتنی حسین و دلکش چیز ہے کہ کمال  
 سننے کے آئے گی جس میں دیکھنے کو بھی چاہتا ہے؟  
 اب مولانا آزاد کا ارشاد حضرت طہل کے متعلق دیکھئے :-

اگر ایسر زندہ ہوتے تو وہ خود ان اہل بیت کے حق میں غول گئی  
سے دھجدار ہو جاتے۔ جناب عجل کے ہاں سلاطین بیان کا عالم ہے  
کہ گویا ایک آدم و سبک رو چتر ہے جو بکے زعمے کا تیرہ بنا جلا جاتا  
ہے۔ ان کا گھڑی رنگ بن اسعد نمبر ہوا اور دلشیں جو کہ تھکی  
دیو کے اناں اس کے سلینے بہ کہو بھلا دینے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے  
عجل کے ہاں نہ تعویذ ہے نہ قسط، ذکر کی مصروف آخرت  
ہے۔ نہ ذکر و خیال کی بلندی، لیکن ان کے کام کی سادگی، روانی  
بے مصلحتی اور خیالات کا کبھی ہوا ہوا اس گلاب کا سا شبنم ہے جسکی  
خفا کو گل بوئے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجل اس وقت ہجو  
الکلیکے تھکے واسطے ہے۔

منورہ بالا اقتدار کو دیکھنے کے بعد مذکور کی بات سے کہ قبلِ حشر کی مشافہی میں کیا فرق ہے؟ بقول مولانا آزادؒ: ”نعمتِ نبوی (۱) دونوں کا سنگِ نعلِ خدیج ہے۔“ (۲) خلافتِ نبویہ اور مسیحی فرقہ دونوں کے جہاں ہیں (۳) دونوں کے جہاں اور ہر طائفہ کے جہاں میں ہے اور فرقہ بھی۔ اگر ان الفاظ کو جو نیازِ صاحبانے (دونوں) اساتذہ

(بندہ مخفی و لہجہ منوعہ)

کی گردن میں استعمال کیے ہیں، اعلیٰ نظر رکھا جائے تو تجوید کی ہر مرتبہ ہر جگہ ہر میں نہیں  
کھینچنا کہ مولانا حضرت عثمان کو تو امام المصطفیٰ کا خطاب دیدیا جائے اور وہ نماز کا صاحب  
کے طور پر اس آواز سے بلند غزل گو مکتبہ لہذاں کا کوئی ہمسرہ نہ ہو یا بقول ان کے دھڑکتے  
کی شادی بکلیسا آفتاب ہے جو بیکر کی دلیل کے این روشتی و حوریت ساری دنیا سے فیلم  
کا اقباس ہے، لیکن حضرت علیؓ کو فاضل باقدس آج کل صحت اول مافول گوہر میں کہا  
حالا کہ لہذاں دو صیغہ دونوں کی قریب قریب یکساں ہے اس لئے ہندوستانی تعدادوں کے  
اس دستور قدس کی زیر نگین ہے۔

مولانا زنجبوری کے حضرت علیؓ کے کلام کی جو مضامین بیان فرمائی ہیں انہیں کے  
بہاؤن ایک مختصر انتخاب طور پر کلام پیش کر رہا ہوں، میری ذاتی رائے ہے کہ اور وہ کی  
مترجم سے تعین رکھتے ہوئے کسی علیؓ کے کلام میں دعویٰ نہ کریں، کی ایک نیاں جگہ جو آئے  
کلام میں بتلاں، خطبات میں اور چھاپا ہوا لفظا میں جو نہیں پائی جاتی۔ وہ جو کہہ سکتے ہیں  
ایک نوازن اور ناسبت کے ساتھ کہتے ہیں۔ وہ فن اور تعلقات فن کا بھی پورے طور پر خیال رکھتے  
ہیں۔ البتہ ان کا قدیم کلام کسی قدر چھٹکا اور عامیانہ ہے۔

### ..... (انتخاب کلام) .....

شاہد شاہ۔ زکنا۔ نہ تسم نہ کلام پاس بیٹھے ہیں مگر وہ نظر آتے ہیں  
اخبار حال پر مجھے قدرت نہیں رہی، ان کو یہ وہم ہے کہ محبت نہیں رہی  
اک شمع ہے مزا یہ وہ بھی ہوئی، کہا دیکھ کر بلاؤں نسیم کو کہیں  
او آگہ فرما کے جلنے والے، ہم بھی تھے کبھی رکھا نظر میں  
چھینے والے مجھے خبر نہیں جو، مگر خوش بردہ درجی ہے  
شیت جب یونہی تھری تو میری کیا خطا میں، حرم کو دھڑکنا ہوں سائے تاجہ آنا ہے

ابراہیم شاہ۔ دھڑکے سے دیکھ کر دینہ تر وٹ گیس  
ماہ و انجم بر نظر پڑنے لگی، ان کو دیکھ کر زمانہ ہو گیا  
جس کی جلوں کا میں عالم کیا کہوں، ایک عالم ادب سدا ہو گیا  
نہ نے آکر مزاج پوچھ لیا، اب کبیت کہاں سنہلے ہے  
مزا پیر کے یوں چلی جاتی، یاد آگیا، دوشن کسی کا  
بھگوا، برق نہیں چرہ آفتاب نہیں، وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں  
آتے آتے آئے ان کو خیال، جاتے جاتے بے خیال ہو گئے  
نک کے چھوٹے تیرے کتا ہو جوں، مقدم کو بچہ رسالت ہے

امجاز صدیقی

فطرا عراب	صحیح اعراب	تشریح
آجرام		جرم کی جمع۔ یعنی طمان۔ چارہ
اجال		بن کی۔ شکوہ۔ خزاں
اجلال		جل کی جمع
اقادگی	اقادگی	د۔ بالغ
النباس	النباس	تہ۔ بالکسر
النبات	النبات	تہ۔ بالکسر
النباب	النباب	تہ۔ بالکسر
النباس	النباس	تہ۔ بالکسر
النبہ	النبہ	ل۔ مجرم نہیں ہو بلکہ اس پر نفخ ہے
النبوت	النبوت	ل۔ بالغ۔ ان کی جمع
النبوت	النبوت	کا۔ مشد دہے
انارت		امیری۔ حکومت۔ بالکسر
انارت		نشان۔ علامت۔ بالغ
انالہ	انالہ	انالہ بالکسر
انتران	انتران	تہ۔ بالکسر
انجال		بالکسر۔ ناک۔ کان کا ٹٹا
انشال		شکل کی جمع

صنعتی جنگ چڑنا۔ ۷۳ قبل ترین منہ ہے کہ تہ فانی نہیں ہو رہا ہے  
محنت جملہ کار سب زطلہ، اکثر میں شمع سفر میں ہیں اور اس مہینے کے آخر  
تک واپس نشتر لیں آئیں گے۔ اختتام

مشاعرہ شاعر۔ مصرعہ طرح برآمد، جنوری ۱۹۳۳ء  
کے لیے مخفی تیار ہے  
انتھاری۔ بھیراری و فرد فانی ہے درین  
انتھاری۔ بھیراری و فرد فانی ہے درین  
انتھاری۔ بھیراری و فرد فانی ہے درین

# آثار اتحاد لاہور سے کیل پور جاتے ہوئے

حد سے باہر گریہ بھاری کی دوی کاغذ  
گھانٹوں کے پنج و جسم مضبوطیوں کے کٹاؤ  
کھانسی دھت ناہوار کی حالت نسیم  
تریت پلے ہوئے لبے کثافات بلند  
دھوپ کو ڈبے گا کی کوئی کرؤں میں حار  
یوں نظر آتے تھے رساؤں کے نقشِ رگزار

ایک حاجن اور اس کے ساتھ ایک اسکالپر  
توندھے ریش کا کھدو کے دہن میں مزار  
سود غلامانہ شخص میں وہ ترتیب زبوں  
پایس کی شدت سے بد سر سر تقویریں  
دندم معصوم کا اصرار پانی کے لئے  
آج کل کباب جو تھوڑے نفاذ برہمی ریاس  
باب جلا باکر یہ پانی مسلمانوں کا ہے  
فخر خرا کر اٹھ سے بچے کے پانی کرینا

الان واسخو یہ جذبات نفس لقا زاد  
یہ تو اماؤں کی خامی ہے دلوں کا ٹھوٹا  
اس زمین پر اس خطی کے موت بہرے نہیں  
جذباتِ محروم و قوت کا ہو جن میں الزام  
تھوڑے قدر و قات کا بوسیس کے کبھی  
جو اندھا کوئے رولنے میں محنت کے علم  
میں تو ہر مذہب کے بالی کو سمجھنا ہوا  
جس کا انداز میں وہ اچھا انداز و ذوق  
سیر کر کے جہانِ عالم کے بیت المال میں

اس میں وقت کے پورے فیصلے کی مشین  
اس میں وقت کے پورے فیصلے کی مشین  
اس میں وقت کے پورے فیصلے کی مشین  
اس میں وقت کے پورے فیصلے کی مشین

احسان دانش

ST. LOUIS, MO., FEB. 10, 1906.







(۳) قادیان سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

(۴) ان کی فکر و فکر بالی نہیں آتی۔

(۵) ان کی کاوشیں اور عدم توفیق تھے۔

جب ترقی پزیروں کی یہ تمام باتیں سنیں تو میر صاحب نے جو شاعرانہ  
انہیں حقیقی شاعر کا خطاب کس طرح دیا ہے اسے شک اگر کوئی بھی نہیں کر سکتا بلکہ  
"یہاں" لائے تو ہمیں اس کی بہت افواہی کرنی چاہئے۔ لیکن یہ حجت جو حقیقی شاعری  
کی شہرہ سے کہیں دور ہے (اس لئے کہ حقیقی شاعری قواعد و ضوابط کی  
باجائے بہت افواہی اور پیرائی کی مستحق نہ ہو سکتی ہے) بہت اس کے  
عوام کی توجہ افواہی کے لئے اور بھی گراہ کر سکتا ہے کہ اس حجت کو اس طرح  
مردم نہیں کیا جاسکتا کہ اسے اصل حجت کہل سکے۔ مگر یہی زبان پر قدرت حاصل  
کرتے۔ دوسری زبانوں کے ساتھ قادیان سے بھی مستفید ہوئے اور دنیا کی سبکے  
اور زانہ فنیہ و عدم قدرت کے وہ توفیق اور قادر الکلام میں تبدیل کر دے جس  
جاعت کا حسی و توجہ جو شاعر قادر الکلام شاعر اور قادیان اور عربی کا ماہر ہو  
تغیب ہے کہ وہ جاعت ان الزامات کی کوہ دینے۔ ادب اس اصلاح کے اندر  
"بلکہ درس" (تلمذ اور) بھی اچھل ڈوغم کی طرف ہے۔ ایک وہ جس کے  
ڈروں یا جوں کا کوئی وزن نہ ہو سکتے اور ایک وہ جس کے وزن میں کمی و وزن  
نہیں ہوتا یا نام نہ نہ آپس میں ہم وزن نہیں ہوتے۔ پھر ان لوگوں کو جو دیگر  
نہ کر دیا جائے کہ وہ بلکہ درس (تلمذ عربی) پیر فانی و روایت کیس لیکن کسی  
وزن میں نہیں ۹

اگر آزاد نظم لکھنے والوں میں اتنی ہی تبدیلی پیدا ہو سکے تو تمام انہیں کم از کم شاعر  
تو ان ہی سکتے ہیں اور ان کی نظم کو نظم کہہ سکتے ہیں لیکن یہاں موجود وہ  
شاعر ہیں اور ان کی نظم نظم ہے۔ بلکہ انہیں شاعر اور ان کی نظم کو نظم نہ کہی  
کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ جو شاعر صاحب کے حقیقی شاعر والے نظریے پر پورے نہیں  
آتے اور شاعرانہ بہت بڑی و پیرائی نظر نہیں آتے۔

(۵) باوجود اس حجت کا جواب حضرت جو شاعر بہت مفصل اور اپنے پورے نظم  
کے ساتھ دیا ہے۔ یہاں جو شاعر کے مضمون لکھنے کی بہت صحت دہی اس میں جو نظم  
اٹھاؤ گے۔ آٹھائی گئی ہے۔ یہ کہہ سکتے کہ خداوندی کی توہین اور سلاطین کی کلالہ لکھنے  
کا الزام اور اس کے لئے کہیں بھی ہاتھ نہ تھے۔ بعد ان کے لئے اس خطائی پر تیس  
کرتے کہ اس سے بہتر اور گہرا اور بڑھاپا شاعرانہ حجت میں اس حجت کا جواب دیا جاتا

میں دیکھا ہے۔

(۱) اللہ! سب سے پہلے نے ادب کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے جو شاعر  
فرماتے ہیں کہ وہ معروف خدا اور مذہب کے باب میں عام رات سے بالکل غفلت اور  
رکھتا ہے لیکن یہاں تک کہ زمین اور دل آزاری کا تعلق ہے اس سے اپنی شدید  
بے تعلقی و بیزارگی کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ! یہ ادب خداوندی کے معروف خیال کے  
خلاف آواز و زور بلند کرتا ہے۔ .... اس آواز کی پشت پر باوجود شاعرانہ  
ادب پاکیزہ زمین جذب ہے جسے رش و مہابت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ...  
اسکی وجہ یہی اس ہے کہ اس کے زبان پر آتے ہی بلا ارادہ و نیت خود بخود اس کی طرف  
کی دل آزاری ہو جاتی ہے جو حقیقی و فکر کی جانب مائل نہیں کئے۔ آج جو تیر و میر  
پر مشرب جب ایک لافظ البظرفان نے قاراں کی چوٹیوں پر لات دیکھ کے غلام  
آواز و حق بلند کیا تھا انوقت ایک عرب کی بھی دل آزاری ہوئی تھی لیکن یہ کہ کمال  
ہے جو کہہ سکتا کہ قاراں کی اس آواز کے پس پردہ دل آزاری کی بہت کا فرق تھا  
اس بیان سے جو شاعر صاحب اور ان کے دماغ کے دماغ کا ترقی پسند اور ان کی  
لیکن یہی علامت اور باغی نہایت سامنے آ جاتی ہے۔ جو شاعر صاحب عالم اسلام کی ترقی  
سے غازی کھنکھارنے والے ادب کو رش و مہابت کا دیوہ دے کر اسے مستغرب  
کے توجہ کی طرف سے لکھ کر انہیں دیکھنا چاہتے ہیں کہ جس طرح جو شاعرانہ ان کی  
کوہ قاراں کو ان کے دماغ کی کوہ قاراں پرست کا پتلا دیا تھا۔ یہی لکھتا ہے ادب اسلام  
لکھے ہوئے لوگوں کو جو خداوندی کے خلاف علم کلمات بلند کر رہے ہیں۔ یہی لکھتا ہے ادب اسلام کے  
"خداوندی کے خلاف ایک اور سر خدا پیدا کرنا چاہتا ہے جو خطا غیر حسی  
عاطفانہ، محمداور سائنسٹک، نیز عوامی جو، جو اوہی و دعت، اوہی حکمت، اوہی  
مصلحت و بعثت اور اوہی تجدیدی کے سوا پر پورہ آئے۔ کیونکہ اس دنیا کا خدا  
ہرگز آنا چھوٹا نہیں ہو سکتا جتنا چھوٹا خدا، اہل ذہاب نے پیش کیا ہے۔

یہ ہے مئے ادب کا حقیقی نصیب العین اور اس نصیب العین کو پہنچنے  
کی کو شش فرغ ہوتی ہے درس نفاذی اور شہواتانہ سے! یہ غور ظاہر ہے۔ اور  
یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ فاضل اور نفس رستوں کا خدا کیا ہوگا؟  
لاہ و بیل کے زوال کے بعد اب اگر کوئی اور اپنی ہستی کو خدا انسانے کا وجود دار  
بانی وہ کیا ہے تو وہ مرث شیطان ہے۔ خیال یہاں بہت کامیاب ہے۔ نئے ادب کے  
باوجود اس کے کہ مرث لکھا جائے۔ یونان کے انہم رست خرد نے بھی سیکھ کر وہ خدا  
بلکہ لکھے اور ہندو مذہب میں بھی لاکھوں خدا بلکہ موجود ہیں۔ اگر ہندوستان

یہ نام خدا ترقی پسند شرا بھی بہ خیر جان کا لکھ ایک خدا اہد بنائیں۔ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ بلکہ وہی رحمت کلمات کی جسکا الزام انھیں ان کی کوششوں کے بار آور ہوئے سے پہلے دیا جا رہا ہے۔

حضرت جو سن اور ترقی پسند شرا کو معلوم ہو چاہا ہے کہ مسلمانوں کو حقیقی خدا کی فکر نہ ہو برس پہلے بل جیسے اور نہ صرف وہ اسکی اہمیت اور ہیبت کے قابل ہو چکے ہیں بلکہ کم و بیش مادی دنیا کے آگے سرحدیں بھٹکا چکے ہیں۔ اب اگر ترقی پسندوں کو کسی نئے خدا کی ضرورت ہے تو وہ مسلمانوں کے خدا کی بنائی ہوئی کائنات، زمین و آسمان سے منظر کسی دوسری فضا میں نئے خدا کو تلاش کریں۔ اس لئے کہ زمین و آسمان مسلمانوں کے خدا کی ملکیت میں ہے۔ واللہ مملک السحابات وکلا جن میں مسلمانوں کے خدا کی زمین پر اور آسمان کے خدا کے آسمان کے نیچے رہ کر وہ اپنا کوئی دوسرا خدا تلاش نہیں کر سکتے۔

گدشتہ: میں تحت سماوی و علیہ سب سبائی و لیکن یہ ایک ایسا خواب ہے جو قیامت اور فضا میں تجربہ نہیں ہو سکتا یہ گراوی قرآن کو کچھ کر نہ پڑھے گا تو جسے اور نہ اسلام نے جس خدا کو دریافت کر لیا ہے۔ اسکی اہمیت و کبرائی کی موجودگی میں لا الہ الاہ کے والوں کو بھی "اللا الہ" ہی کہنا پڑنا ہے۔ نیا ادب جو قبول جو حق صاحب کے دہری زبان سے بھی ناسط ہے، عربی قرآن کے حقائق و معانی کا کچھ سنا ہے؟

(ب) جو حق صاحب نے ایک اور حق خدا کے ماننے والوں پر یہ کیا ہے کہ اگر وہ خدا کے اسنے واسے ہیں اور زبان ہی سے نہیں بلکہ دل سے بھی خدا کو ماننے ہیں تو وہ آج جا رہا ہیں، نادار اور محکوم کہوں ہیں۔ یہ سوال اپنی فکر قابل فکر و غور ضرور ہے اس قدر کہ مسلمان واقعی مسلمان نہیں ہے وہ خدا کو زبان سے خدا کہتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتا۔ اسکی نازیبا اس کے سمجھ اور اسکی نام جیسا دیں ریاکارانہ، فاشیائی اور فتنی ہیں۔ وہ اس کے پیار، جاہل، نادار اور محکوم ہے۔ لیکن اس نے خدا کا عدم وجود کہاں ثابت ہوئے؟ یہ تو کہا ہے خود جو خدا کی ایک دلیل میر ہے کہ اس کے قتل و حکم کے مطابق جو قوم اپنے اعمال و افعال کی اصلاح نہیں کرتی وہ دنیا کی سرداری اور طیار و سپرد کی منت نہیں ہے۔ جب تک مسلمان، مسلمان رہے انھوں نے تمام کرہ ارض پر حکومت کی۔ تمام دنیا پر اپنا سکہ بٹھایا۔ بادشاہ بن گئے، عمارتیں بنائیں، اور کھیل و خوشی نے بے شک سب سب سلاطین عالم کے سر بٹھا دیے۔ ان کے توتلی تاج چین نے اور ساری دنیا خدا کے نام پر سر نہ کی۔ انھیں کوئی نہ ۱۰ ان کو نہ مومنین کی طرف سے کچھ لیا تھا وہ وسیع الصیغہ مسلمان جو خدا کی مخلوق خدا کے لئے تھے انھیں اپنی زندگی پر کیا جیسا کہ اسلام کے متعلق کو بھی ایک مادی زندگی دے گئے۔

مگر یہ مسلمانوں کے خاتمہ و اعیال میں نہ ٹھہرا اور اہل بیت پر کیا ہو گیا تو وہ نہ صرف ارض اللہ کی خلافت و سرداری سے محروم کر دیئے گئے بلکہ اپنی ہی روح کے محکوم و قیدی بن دیئے گئے اور آج بھی محکوم ہیں یہ کچھ جیچ لیکن مسلمان و متحدہ کے اور حقیقی حق، اثر جاننے کے بعد بھی یہ گمانا نہیں کر سکتا کہ اس کے خدا کو کوئی کھانا لے سکے خدا کا پوری صفوں میں استیلا کر لیا جائے اور اس کے خدا کا عوام کے سامنے ذاتی آزار آجائے۔ ایک بزرگ باب کا خاتمہ جیسا ہے باب سے کتنا ہی باقی بچا نہ ہو جائے لیکن وہ بھی کچھ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کے سر پر اس کے باب کا گلاب دے دے پھر یہ تو بے ادب اور خدا کا معاملہ ہے مسلمان ریاکار، بیاد، جاہل، نادار اور محکوم ہیں۔ یہ فرق نہیں ہے۔ احساس غریب بھی میں جو وہ ہے مادی و فنی ۱۵ مسلمان آج بھی ایسے بل گئے ہیں جو خدا کو خدا اور اس کے احکام کو فرض ان کے دل سے ان کی پابندی کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمانوں میں ہم کو دیکھیں گے مسلمان ہندو خدا میں جو وہ ہیں تو ان کے سامنے سب کا یہ حق تفاوت کئے دن اپنا پھر وہ آرا مسلمان ہے؟

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوئے کہ مسلمانوں کے خدا و مذہب کا منکر آواز دے دے ترقی پسند ادا کیا خود کسی مذہب و خدا کے پیکار ہی اور بے ایمان ہیں یا اگر نہیں تو پھر انھیں کیا حق ہے کہ وہ روہن کے الزام دیں و ایک حملہ میں جب سب نے پہلی تو ایک کا دوسرے کو الزام پہنکی دینا طاقت ادا پہل نہیں تو اور کیا ہے؟

(ج) جو حق صاحب کی اس آئے سے بھی مجھے پورا اتفاق ہے کہ کائناتیں اور فلسفہ، جو مدت سے خدا کی تلاش میں ہے اور جسے اوقت تک تحقیق کرنے سے یہ پتہ چلا ہے کہ اس کے کثرت پر ایک توانائی بھی ہے جو اسے پر نعمتات کو کہتے ہے: حقیقتاً کفر کے رد میں اسلام ہی کا کام کر رہا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان کے بے دینیوں سے کچھ کام کریں۔ ان کی تحقیقات میں مدد دیں ان کی شکایت میں آسانیاں پیدا کریں: ایک انجمن تحقیقات بنائیں۔ جو خدا اور حقیقت و حقیقت مذہب کے ثابت کرنے کے لئے تصدیق و تہلیل اور ترجمے شروع کر دیں اور ایک برقی حقیقی جوابات کے نام سے جاری کر کے تمام منکران خدا کو ان کی تہذیب و عقیدت کے ساتھ رحمت دیں تو بہت ممکن ہے کہ دنیا بھر میں اللہ کے پیارے بندوں میں سے کوئی آج باقی جاتی ہے باقی نہ رہے اور خدا کے منتظر انسانی مخلوقات میں سے کچھ خاتمہ ہو کر دونوں برائی کو جس کی صورت کھل جائے؟



اس کے مصلحتات، اندھا دودھا غلط پتہ راہی کے موضوع کو آراء و شعری سے  
بیشہ کے لئے حذف کرنا ہوں۔

اس اعلان کا نتیجہ ہوا کہ میری کثیر جماعت کے ہزاروں افراد نے (جو نام  
ہندوستان اور اہل اسلام کے ہندوستان، اہل اسلام اور اہل اسلام کے پیچھے ہوتے ہیں)  
تک امداد کر لیا کہ وہ آئندہ شراب، ساقی، اسکے مصلحتات اور ذرا دودھا  
کی جوین و شہنشاہ کو موضوع کلام نہ بنائے۔ چنانچہ آراء و اشعار کی  
گوشت و خوار سالہ اندیش میں اس کے تفسیر و تفسیر کو ایک ایک شعر بھی ایسا پیش  
نہیں کیا جاسکتا جس میں شراب پینے کے لئے کاغذ نہیں موجود ہو۔

جوں صاحب آگے مل کر لکھتے ہیں کہ اسلام فزونی لطیف کے فروع کی اجازت  
نہیں دیتا۔ اسلام رکس نقد غلط و مکرور، بے بنیاد اور غیر متولی بالاسلام ہے  
ہمیں دوسرے فزونی لطیف سے ہوتی بحث نہیں، لیکن جہاں تک شرع و شاعری کا  
تعلق ہے، ہم ملکی وجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں کہ جناب مولیٰ کریم اور صاحبائے اعلیٰ  
و اصلاحی شاعری کے لئے بھی نہیں فرمایا۔ جدید نوعی میں شعر کا میدان و اشعار  
کلام حسی حقیقی و فنی ہے۔ شعرا جو شعری حقیقی شاعر تھے وہ ظاہر و باطن کے لئے  
تھے اور شاعری محنت اور سحر محال بھی جاتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ جدید نوعی میں دوسرے فزونی کی تعلیم و ترویج پر  
زیادہ زور نہیں دیا گیا اور تعلیم و ترویج کا دائرہ مقرر قرآن مجید تک محدود رہا۔  
لیکن آپ کے ہمدردانے دوسرے فزونی لطیف کی طرف بھی توجہ کی۔ دور و مکان  
تمام ہو گئے تھے ان میں ادب، گفت، اور شعر کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ جو حضرت  
عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے "قلوا اولادکم الشعر" (تم اپنی اولاد کو شعر کی تعلیم دو) حضرت  
عبد اللہ بن عباس کی درگاہ میں قرآن کے انداز کی تشریح، اسرار و حکم اور  
مسائل و احکام کے علاوہ نادر و شعر اور قصص و آیات عرب کا درس بھی ہوتا تھا  
اور دور و دور میں بھی عربی فزونی عرب میں مہارت و بصیرت رکھتی تھیں۔ چنانچہ  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، قرآن، حدیث، فقہ، اسرار و دین و صفات کے علاوہ طب و طبائے  
ایام عرب اور شاعری میں بھی بڑی دستگاہ رکھتی تھیں۔

صحابہ میں متعدد صحابہ اپنے تھے جو عوام و اہل علم و ادب کے فاضل تھے اور فاضل  
کا فرق تو یہ کہ مولیٰ اور مولیٰ میں کیا کیا جانتے تھے اور مولیٰ میں کیا کیا جانتے تھے  
کے علاوہ اس علم پر کہ آپ کے کلام شاعری کی کیا کیا جانتے تھے۔  
لکھنوی - ص ۱۸

یوں تو اردو ادب اسکے مصلحتات پر متاثر ہوتا رہا ہے اور اردو  
شاعری کے گندہ کا حکام اور معنوی و فرضی جذبات کی نقد و نقدوں کے لئے نہایت  
کی ہے۔ لیکن بعض اجتماع، مخالفتیں اور توجہیں ایسی بھی ہیں جگہ تاریخی مثبت  
دی جاسکتی ہے اور حکی موجودگی میں ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ کسی انجمن کو بالکل ہلکا  
اور یکایک اس ادبی قیاسی کے متاثر کا احساس ہو رہا ہے۔

مختص مولانا حالی بانی تہذیب اسلامیہ (آج سے ۶۶ سال قبل قریب  
ایک ٹک صدی پہلے) تہذیب و اسلام کے نام سے جو سندس کہے، اس کے بعد  
اردو شاعری کی روایت، ابتداء، گنگوہی و دیگر اندک کے خلاف چند اصحابی تازیانے  
ہیں۔ جو شعرا کے غیر زینت حدی سے برابر پڑے ہیں۔

یہ شعر اور قصائد کا لہجہ فخر  
زمین جس سے ہے زلزلے میں برابر  
ہوا علم دیں جس سے ناراض سارا

وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا  
بہا شکر کہ کی گزیر سب  
نور و فکر جس کا فاضل خدا ہے  
گنگوہی و ان پوٹ جیسے سارے  
جہنم کو بھر دینے شاعر ہمارے

سخن جبے یاں آج حق ہمارا  
ہر اک کذب بتاں ہے ہمیں گوارا  
بے بند میں اس سے ادا کیا ہمارا  
ہمارے جو جس کی جوتی دو ہمارا

جو تہذیبوں میں سب جاتیں گزیر  
بے دم ہمارے شہر چوریں غریب  
بہ کہ جاتیں بہت جوش و ہمارے  
کس بل کے خوں کچا پکتا سا ہے

گزشتہ ۶۶ سال میں مولانا حالی مرحوم کے ان اسلامی خیالات کی ترجمانی و ترویج  
وقت و قضا برابر جاتی رہی ہے۔ مولانا حالی کے بعد ۱۲ مئی ۱۳۲۸ء کو جس کا  
خلع فاضل کے ایک آل اندیشا سے "جس میں سے ایک خطہ عدالت پڑھا  
اور اس میں ایک طویل تفسیر و تفسیر کے بعد اعلان کیا کہ میں آج سے شراب اور

جدید صائب کے بعد بھی خاندانِ بزمِ اہلسنت کے اکثر خلفائے فزونِ لطیفہ کی عمرِ اندرونِ شاعری کی ضرورتِ خدمت و حقارت کی جھلک برپا ہوئی، ولید بن عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، مرزا خان برہان علی، شام بن عبد اللہ کے جدید میں بھی شروشر کی دردناک باریز درجہ اتم ہوئی رہی۔ خلفائے بزمِ صائب نے بھی اس فن کو بیکار کمال لانا، فرنگِ جدید بننے سے کہ اسلام کے مجدد و مصلیٰ اور مجددِ فزولِ فزولِ لطیفہ کی تربیت، تنقید اور ترقی میں برابر کوششیں کیں رہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے فزولِ لطیفہ پر جو قہر، بطورِ خاص مبدول کی اس سے تاریخِ ہند کا مطالعہ کیا ہے، وہاں کی تاریخ کی تائید کی ہے کہ اسلام فزولِ لطیفہ کے فزول کی اجازت نہیں دیتا، کشتہ رنظ اور جھڑپ ہے۔

قرآن نے سورہٴ شعراء میں شاعروں کی جو حیثیت کی وجہ سے مستثنیٰ رکھے ساتھ ہی یہ مستثنیٰ بھی اس کا حکم ہمارے جدید میں بھی ہے کہ اسلام میں شاعری کی ترقی کے ساتھ ہی شاعر کی بہت اہمیت ہے۔ فزولِ لطیفہ کی ترقی کے لیے جو قہر، بطورِ خاص مبدول کی اس سے تاریخِ ہند کا مطالعہ کیا ہے، وہاں کی تاریخ کی تائید کی ہے کہ اسلام فزولِ لطیفہ کے فزول کی اجازت نہیں دیتا، کشتہ رنظ اور جھڑپ ہے۔

آج کے جگہ و جگہ صائب نے ایک سوال کیا ہے کہ آغا: اسلام سے لے کر کم و کم جھنگت مسلمہ تک کسی ایک مسلمان شاعر نے بھی اسلامی حدود کے اندر رہ کر شاعری کی ہے؟ یہ خود ہی اس سوال کا جواب ملنا چاہیے دیتے ہیں کہ کسی ایک مسلمان شاعر نے بھی یہ نہیں کیا ہے۔

باز یہ چونکہ صاحب کا تخلص عائد ہے بلکہ خاندانِ بزمِ اہلسنت میں کسی کے بعد نہ کسی کے مسلمان شاعر حضرت عثمان بن ثابت، حضرت حمزہ بن عبد المطلب حضرت علی رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ بن خطاب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم

حضرت عامر بن ابی اسحاق، حضرت کعب بن زید وغیرہ نے بھی کئی شاعرانہ کلام جو اسلامی حدود سے باہر ہو۔ جو کسی نے بعض شاعر اسلام کے اسرار و کلام کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے۔ جس کی تعداد بتائی جاتی ہے ان میں کلام و کلام بتایا دے تو اس سے حضرت زین العابدین، حضرت خنساء، تمام شاعری بھی ایسے ہی ہیں، ان میں کلام کے علاوہ ہر نوع کے فارسی اور اردو شعر کی ایک طویل فہرست ایسی تیار کی جاسکتی ہے جن کے کلام میں اسلامیات کی حدیں قائم رہتی ہیں لیکن یہ ایک متغیر مضمون کا موضوع ہے، جس کی یہاں بحث نہیں ہے۔

اگر اس کو "اسکول" کی سمجھیں تو اس میں بھی ایسی حالات ہیں کہ کسی نے کہا کہ اردو شاعری سے اگر مالدار اور فزول کو حذف کر دیا جائے تو کم از کم فاضل و سجادہ نشین ضرور رہ جائے اور موضوعاتِ شاعری کم از کم اسے مذہب اور شائستگی ہوں کہ ہر فزول اور ہر نظم ہو بیٹھو، ہاں، ہوں، اور باپ باجائی کے سامنے ہر کسی کے جھک کے سنا کر جاکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر اسکول کی شاعری فاضل و سجادہ نشین، ملک محمد ہے لیکن یہ مفرد کہا جاسکتا ہے کہ اس میں تھوڑے "کو دخل نہیں ہے۔

فالب اور اقبال کے یہاں ہے تنگ تھا ہے اور یہ لوگ "اذا واد" بالظفر وادرا "کی ذیل میں محبوب ہو سکتے ہیں لیکن اگر ان کے کلام سے ایسے خدا شاعر نکال دیے جائیں جن میں خدا و مذہب کے ساتھ استغناء کیا گیا ہے تو سیکر و دل شاعر ایسے باقی رہ جاتے ہیں، جو دریں اصلاح اور پیامِ مذہب کے حامل ہیں۔ غالب اور اقبال پر کلاموں کے اس خطا و ذوال کے احساس سے بگڑے فزولیت اور یہ حیثیت طاری تھی۔ اس لئے کہ اذائیں انسان طال لاء کے مطابق ان کے کلام میں کہیں کہیں خدا اور مذہب کی بناوٹ "کا جذبہ پیدا ہو گیا اور قصورِ خدا کے خلاف ان کی زبانیں دراڑ ہو گئیں۔ غالب کے متعلق یہ جانتے ہیں کہ ان کی زندگی منہموم و مغلوب، اور بایں و پرانہ پیشہ گزری، ایسی حالت میں ان میں اس پر جو بڑا دخل اور بدگمان ہو جاتا ہے، جس کی باوجود ترقی و تخیل، ایک مقصد باری نہیں ہوتی۔ رہے اقبال، تو جو کہ وہ خود خدا و خودی تھے۔ اس لئے اپنی خودی میں کہیں کہیں خدا سے بھی لکھ گئے۔ لیکن ان شاعر کے جتن و مشاغل ان کے تمام کلام پر ہموار و کلام نگار بنا برسرِ خیال میں پائی ہے۔

آفریں حضرت عثمان بن ثابت پر جو کہ صرف آپ ہی صوری میں ایسا کی جاسکتی ہیں۔

- (۱) یا تو شاعروں کو ان اقبال و اقبال میں جب سابق آزاد چھوڑ دیا جائے۔
- (۲) یا پھر ایک بدلتا ہوا فاضل و سجادہ نشین کا حساب قائم کر کے مسلمان شاعر کو

قطعی مجبور کر دیا جائے کہ وہ اسلامی حدود سے یک سر ہو جائے۔ تھامو اور جو شاعر  
تھامو کر کے اسے بلوری سے خارج کر دیا جائے۔ اودھ آواز اسلام سے لے کر  
آج تک کے تمام مسلمان شاعر کے دواویں، کلیات اور مذاکرے خدا ترن کر کے دنیا کو  
گندل اور پینیا فی اسلام کو ان کے دل سے پاک کر دیا جائے۔

میں عرض کر دیکھا کہ یہ دونوں فیصلے حالت غضب میں اور سماں ادا فرمایا گئے  
ہیں اور دونوں ناممکن العمل ہیں۔ شرابی شیشہ افساب ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی  
ہیٹ ہوتا رہے گا۔ حق تنقید اخلاط ان کے زبانی سے دنیا میں موجود ہے۔ اور  
وہ فی تبدیلیوں کے ساتھ بیت باقی رہے گا۔ تنقید شاعر کے کلموں و محاسب کلام کو باہر  
کرتی رہے گی۔ شاعر ہی اسلامی حدود میں محدود بھی نہیں کی جاسکتی۔ اسلام خود ایک  
عالمگیر اور غیر محدود و شیعہ ہے۔ اور اسی طرح شاعری بھی۔ دو غیر محدود ایک دوسرے  
کی حدود میں محدود نہیں ہو سکتے۔ البتہ ممکن ہے کہ اسلام کے شیعہ اخلاقیات کی نظر  
مسلمان شرا کو زیادہ سے زیادہ متوجہ کیا جاتا رہے۔ تو یہ بالکل سچ رہا ہے۔ جو شاعر  
خود واقف ہیں کہ بعض غماز پر (مثلاً علی گڑھ ادرام ترنہ کے دو شاعروں میں)

مسلمانوں کو ان کفریات اور انویات کے سننے کی تاب نہیں رہی تھی جو ان کے کانوں  
میں ٹھنسی جا رہی تھیں اور بہت سے خدا ترن مسلمان بطور احتجاج اٹھ کر چلے گئے  
تھے۔ کیا اجتماع کسی کو بلوری سے خارج کر دینے کے برابر نہیں ہے؟ ان ہیوں  
علاوہ جہاں جہاں خدا اور مذہب کے خلاف خیالات ظاہر کیے گئے۔ وہاں بھی جو شاعر  
صاحب نے دیکھا ہوگا کہ لوگوں نے مقہور، بیٹھوں اور شور و غل کے ساتھ اس کے اٹھا  
کی داد دی۔ سجدہ کے ساتھ کسی نے نہیں سنا۔ مقہور اور بیٹھوں کا اگر شاعر طبعی  
داد کلام کھولے تو یہ اور بات ہے ورنہ ان باتوں سے تو ہی ظاہر ہوتا ہے کہ سامین  
شاعر کا شعور اگر اسے ہیں اور شور و غل کا اپنی تفریح و ہتھ اڑکا کر ٹوٹی رہی ہیں۔  
شعر کے دواویں اور کلیات کو خدا ترن کر کے کی ضرورت نہیں بلکہ ان پر سخت  
نظر انتخاب ڈال کر از سر نو شاعر کی ضرورت ہے۔

بھے نہیں ہے کہ تنقید ادا اور شرا جو بالکل خدا و مذہب کے خلاف عمل جہاد  
بلند ہے۔ ہوتے ہیں تنقید کی مسلسل ضرب افساب سے گھر کر اور اپنی لاعلمی کو کشوں  
سے تھک کر ایک دن "خدا اور مذہب" کے سامنے اپنے علم کے ساتھ اپنے سرور کو  
بھی گوں کر دینگے۔ اور وہ دن اور دو شاعری کے لئے بیخ کن کر لادیں ہوگا۔  
آج کل کرشن گروہ از کار جہاں بکشا  
گوریں نکد بفرانظر بہتر ازین

سیاب اکبر بادی

۲۲ ستمبر ۱۹۴۲ء

## کمالات کمالی

آج رو بہ نسکیں ہے صدمہ ہمارا  
بلے نیاز منزل ہو، فافلہ گزشتہ  
کوچہ وفا میں کل ان کے نقش پائے  
جذبہ طرب! کم ہے ساز گرنی نخل؟  
موجب جاہت ہو خواہ وہ روحانی  
بار بایب ہو کہ بھی کہیں سر کا کرتا  
نہر نام ادبی و خود ترپ بھی بخشش  
ریت کا گھر وندہ کیا خلد بن جائے گلا

کہہ گئے کمالی ہم کچھ کے سے تاطن کے  
لطف اُسی کو آئینے ہو جو، ہم زباں اپنا

کمالی گلا وٹھوی (جینڈہ)



## حیرانیاں

زنگ جہاں بہ طرزِ دگر دیکھتا ہوں میں  
جب انتہاءِ سوزِ جگر دیکھتا ہوں میں  
جلووں کو اب محیطِ نظر دیکھتا ہوں میں  
انکوں کو آج تک نہ ہوئی ابرو نصیب  
ہنگامِ انتظار نگاہوں کا ہے یہ حال  
اب ترکشِ سستم میں کوئی تیر ہی نہیں  
اب دل ہے کہس چمن کی ہواسے اثر پذیر  
اک جلوہ لطیف ہے نظروں کے سامنے  
ہر سو بختیوں کی ٹپنی ہیں بجلیاں  
یعنی جو نصیبِ سرفرازِ قدرتی کے چرخ پر

یہ انقلابِ شام و سحر دیکھتا ہوں میں  
دل تمام کر کسی کی نظر دیکھتا ہوں میں  
وہ میرے سامنے ہیں جدھر دیکھتا ہوں میں  
فرمان کے سوتے دہن تر دیکھتا ہوں میں  
دوانہ وار جانبِ در دیکھتا ہوں میں  
گھر کے چاکِ قلب و جگر دیکھتا ہوں میں  
زخموں کو غرتِ گل تر دیکھتا ہوں میں  
خُن بہارِ شام و سحر دیکھتا ہوں میں  
اے حیرتِ نگاہ کدھر دیکھتا ہوں میں  
اُن ہستیوں کو خاکِ بسر دیکھتا ہوں میں

نا کامیاں امید سے احوال بدل گئیں  
ظلمت میں اب تو نورِ سحر دیکھتا ہوں میں  
دل شاہجہاں پوری

## بھول گئے

بہرِ خوشی تھی کہ سود و زباں کو بھول گئے  
چمنِ سکھ لطفِ غمِ باغیاں کو بھول گئے  
پکھو لیے لوگ بھی تو رہ نورِ دمنزل سے  
ہماں پہنچ گئے وہی لہو ضبطِ فطرت تھا  
فخس کے نام سے ڈرتے تھے ہم گستاخ میں  
ہمارا دل بھی تو ایک از دانِ فطرت تھا

لی خوشی تو غمِ جاوداں کو بھول گئے  
فخس میں روئے ہمارے خداں کو بھول گئے  
جو جل سے چار قدم کاواں کو بھول گئے  
گماں یہ تھا کہ ہم اپنے گماں کو بھول گئے  
ہماں وہ ہیں ملا آتشاں کو بھول گئے  
کمالِ نم سے کیا لڑواں کو بھول گئے

ضیاء نے ہی تھے سجدے ابھی جس کیلئے  
کہ بندگانِ صنم آستان کو بھول گئے  
ضیاء میرٹھی

انڈھیرے میں؟

تو ہر جلدی سے ہانی تو بنا دو۔ شوکت نے اپنی ہن سے گہرا مٹ کے لیے جن کہا۔  
تو ہر نے ادھ کی نہیں کہ ایک طرف نگہ کر باغان اپنی طرف گھٹیا۔  
تو ہر نے اس کی جلدی کر دھیر سے ایک دوست باہر بیٹھے جس شوکت نے دوبارہ  
تو ہر نے شوٹ کر کہا۔

”اودہ شوکت بولا، لیکن ہمارے روزِ طلاق کا مسئلہ تو درپیش نہیں ہے۔“

کیوں چوچو؟ جگر عورت ایک ہاتھ گتے کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ اسے مار رہے دھکا دے بس دس دس وہ آپ کے بچے کو دھوکوں کی خاطر ہر آپ کے قندوس میں پوشی نظر آنے لگی، عکس اس کے اگر اسے دوشوں کا کال نہ ہوتا تو وہ آپ کے چہرے پر ایک کڑی فوج والی ابدھرا آپ بچے کی انہوں خاک کرتے۔

”ایسا بھائی جان! آپ تو عقلی پرسوں جلتے ہیں بناوڑی ہوں،“ زہرے نے ڈلی کرتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔

شوکت یہ کہتا ہوا ہر کسے میں پگلا کر کہہ دواؤ کہ کھٹک دینا یہ کہہ کر پانچواں دھکا۔

زہرے نے جلدی جلدی پانچ کی گھڑیاں بنائیں اودہ صاف ہی جاکر مرنے والے کسے کہہ دواؤ نصیحا، شوکت پانچ لیکر باہر چلا گیا۔

آپ عورت کو اس دردِ مظلوم کیوں دکھاتے ہیں؟  
 "اس لئے کہ ہر عورت سے ظلم ہے۔ ہندوستانی بیوی جانتی ہے کہ اس کا  
 شوہر اپنی ذات سمجھنے کیوں آئے گا؟ لیکن وہ خائیں مردوں سے کہہ کر درد آ کر کھینچ  
 ہے۔ کھانکھلاتی ہے، پانوں داتی ہے۔ لیکن خستے آن نہیں کر سکتی۔ اسکے برعکس  
 اگر کوئی مرد جو بیوی سے اس قدر زیادتی کرتا ہے کہ اس کا منہ زور جاسا گیا  
 ہے۔ اس لئے کہ عورت کو مائتھرتی اور انتھادی آندھی حاصل ہے۔"  
 "حکایت کچھ عروں خال کرنے لگے اور شوہر دلی ہی دل میں سوچنے لگے  
 پر کھینٹ اٹھی۔ اس کی پہلی جاہ رہا تھا کہ نوجوان اس قسم کی آہیں کسے جانتے اور وہ کبھی  
 دیکھنے سے اس کی پہچان نہیں ہے۔"

تکھن میں تھا کہ اس کے لئے نوجوان کی فرودہ اندرون سے کسی بانوں میں

[illegible]

دعا پر غور سے کی جو دل سے کتنی ہلکی دھڑکن ہے، ابھی وہ دھڑکنوں کی کیا کہنا۔  
 جہاں جات کی جگہ نہ ملے، اس کے لئے دلی توجہ جانا کہ ان کی پوری باتیں سنیں۔ لیکن میں  
 وہاں اتنی دیر تک کھڑی رہ کر بیٹھی رہی۔ اماں تو دیکھ ہی چلا کر گئی ہیں۔  
 وہ مجھ سے قریب دیوار سے ٹکی ہوئی بیٹھی تھی۔ باورچی خانے میں اُبل کر دیوں  
 کا بدبو دار دھواں کھڑا تھا، آج وہ دھواں مجھ کو سخت دکاؤ دے گا اور وہی غصوں کی یہی غصہ  
 پہلی بار وہ اپنے گھر کو قید خانہ سمجھ رہی تھی، مگر وہیں سے کالے باورچی خانے کو  
 کال کو ٹھہرا دیا جانی باب سے اپنے نکولان اسلام کو بچنے کے جو اٹھیں پھر انہی زبان کے  
 کوڑوں سے اُنکے گھر سے دل پر بھریں مارا کرتے تھے اور مال وہ بھی تو بیماری عورت  
 تھی جو بالترتیب کے طریقے پر بڑے کوڑوں کی خاطر گھٹ گھٹ کر زندگی بسر کر رہی تھی، چنگا  
 باب بھی تو اکثر اس سے لڑا مگر وہ چلا جاتا اور پھر بہت دات گئے واپس آتا۔  
 زہرہ روٹی پکا کر پھر نکلی تو دیکھا شوکت آگن میں بنگلہ پر لٹا ہوا وہ بھی  
 آہستہ سے اُس کی پائنتی پیڑھ گئی۔ اہل بیہوشی وہ حسب معمول اپنے دونوں کانڈرہ  
 کرے خود اس سلسلے میں اس سانس سے نوجوان کے شعل بھی کچھ کچھ جس نے ان کی  
 آں میں اُس کے نو پورے احساسات کو سمجھ کر جگا دیا تھا، لیکن شوکت نہ جانے کس  
 خیال میں پڑ گئے تھے، مادہ میں بیٹے کچھ دھنڈو ہا تھا۔ زہرہ کا دل چاہا کہ اُس سے پوچھے  
 کہ آج کون آیا تھا لیکن فوراً ہی خیال آیا اگر شوکت سے ان سوال کر دیا کہ تم کیوں  
 یو جی ہو تو کیا جواب دو گئی۔  
 باب اپنے بھائی جو دل سے بہت غصہ کو کوٹا ہوا گھر میں آیا۔ زہرہ جلدی  
 کہہ کر کھانا کھانے لگی۔ ساتھ ہی اُسے خیال آگیا، بڑا عجیب اہمنا سا، اگر کبھی میں  
 اس نوجوان کے سامنے کھانے کھاؤں تو ————— پھر وہ اپنے اس پرہیز خیال  
 پر خود بخود مسکرائی۔ لالین کی دھم دھن میں بڑے سفید سفید دانت چمک اُٹھے۔  
 اُس دات اس سے بہت پھر کھانا بھی نہ کھایا، ادھر وہ جلد ہی تمام کاموں  
 سے محنت باگیا بنے ستر پر چلی گئی۔ وہ سب سے آگے نکل کر اس نوجوان کے  
 منہ میں۔ جانے کیا کیا ہو چکا ہو جاتی تھی۔ مگر وہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہ جانتی تھی  
 کہ وہ ایک نعلی صورت آدمی ہے جو شاید اس کے بھائی کے ساتھ ہی پڑھا ہو گا، اور وہ  
 اپنے دل میں غلام صورتوں کی طرف سے بے پناہ جلدی دیکھتا ہے اور بس —————  
 لیکن وہ تو اسے ایک بدصورت ہی دیکھ میں اپنے ساتھ دیکھ ہی تھی، ہندوستان کی  
 کنواڑی اگر کسی مرد کے حسن کے گھر سے لگتا ہے، اسے انفریک جانتے ہو کر کہے —————  
 وہ دل ہی دل میں گھبراہٹ سے دیکھتا ہے، دیکھتا ہے، دیکھتا ہے۔

اسی آگ۔ میں اس کے لئے کتنی دست تھی۔ وہ انگریز رات کی کٹافش میں اپنے چنگا پر  
 پڑی آندہ زدن کا تصور دیکھ رہی تھی۔  
 اس امر داہنی بروی سے کس قدر ریت کر چکا جس کے در و دل سے بھی  
 واقع ہو کتنی برسرِ زندگی ہوگی، پھر اُسے اپنا نام دل باورچی خانے کی کان کوئی  
 خفا میں چھپے ہتھکپ سے چھپ چھا کر کونے زکوٰۃ بڑا کر چکا۔ بلکہ وہ بنگلہ زاد پرند  
 کی طرح دال ڈال رہی تھی۔ بے پناہ سے کچھ لگی، پھولوں کو گدگداتے کی اور  
 پھر خوب اونچی آہستہ کی اپنے سانس کے ساتھ کتنی عجیب سی زندگی ہوئی  
 زہرہ خیالات سے پھر پھاڑ کر تھیں، کئی قواہل کی اونچی دنیاس میں نکل گئی۔  
 تو بعد رت سرخ سرخ پھل بالکل دیکھتے ہوئے انکاروں میں بیٹھے اسکے گرد  
 جھوم رہے تھے، جن بڑے بڑے تیلیاں بھی ہوئی تھیں، اور وہ ان بے شمار پھولوں  
 میں پھولناں ہی گھومتی پھر رہی تھی۔ آسمان پرستہ نہ بادل وہ دے پئے تھے  
 جن میں سے عجیب قسم کی شامیں نکلی نکلی کہ ہر طرف سوزا برسا رہی تھیں، اور پھر ایک دم  
 سب پھول پھولنے لگے، تیلیوں کے لیکن یہ جھلس گئے اور آسمان پر کالے کالے غولوں کا  
 بادل دھندلنے لگے۔ وہ اکیلی اندر سے میں غور کر کھانے پڑی۔  
 پھر وہ دیکھنے لگی۔  
 ایک بہت بڑے مجمع میں وہ اداس کا زرد ان مانتی کھڑے ہیں، سامنے  
 بکے بکے اسٹیج پر ایک بولا بھی داہنی سے مزاج کھڑے کھڑے پھاڑا کر کھڑی ہیں  
 "برادراں! تم اپنے ترم کی بات ہے کہ اُنہی خدا اور روحانی کے  
 حکم کے طاعت اپنی محنتوں کو شریک ہمارے طریق آؤ اور کدیا یا  
 زہرہ نے اُنہی مانتا اور بیٹے اُس کے فون میں چنگا دیاں پھر ایک اُنہیں وہ بھری  
 ہوئی شرف کی طرح اپنے ساتھی کے ساتھ السالو کے کھانے تھیں، مانتے ہوئے میں نے  
 میں گرتی تھی اسٹیج تک پہنچ جاتی ہے اور مقررہ کو اُس جگہ سے دیکھ کر کچھ بولتی ہے  
 چاہتی تھی کہ اسکا ساتھی اُسکی نظروں سے اوچل ہوگا اور جیسے زہرہ کی قوت اُٹھارے  
 ساتھ فراد ہو گئی۔ مجمع ایک وقت تک ٹھہرے ساتھ ٹھہرا تھا۔ زہرہ کی  
 آگہ ایک بھٹ سے نکل گئی۔ وہ اپنے بنگلہ پر پیسے میں ستر اور پڑی تھی کچھ نہیں محض  
 خواب ادھر بڑائی۔  
 دات بنگلہ چلی تھی اور دات سے بیکے بیٹے چارہ تھے وہ دو بار کھنے کی  
 کوشش کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ اس خواب کو بھولنا چاہتی تھی، اُس نے نوجوان کا تصور  
 چنگا کھانے چنگا نہیں دیکھا۔

”موت پر ایک خواجہ دیکھ کر شریع کی سنہرا دو پہلا بیدار سا خواب —  
وہ جوان اسے خواب کی دھن میں یاد تھا۔

اب وہ آرام کی نیند میں تھی۔

حسب معمول سو رہے تھے، مگر اچانک اس نے فوراً ہی دوبارہ آنکھیں  
بند کر لیں تاکہ اپنے دماغ میں خواب کے مزے چکے جیسے اس کے  
زہرہ! اب آپ کی کوئی آواز اس کے کانوں پر ہونے کی طرح پڑی اور وہ  
چونک اٹھا جیسی۔

”اب تم کو بھی ہے تو ایک آواز میری کھانکھٹ دفر جانا چکا۔“ بابت کہا،  
اور جیسے اسے خواب سن رہا تھا۔ وہ بھراؤنی دنیا میں تھی جہاں سے اٹھ کر کھانا کھانا  
جیسے بھٹن صاحب کا اور وہ ہر صبح سوئے کمرے پر دو کوئی بھی زندگی کا حاصل تھا۔  
اور وہ جس سے اس کی تھی زندگی کی کیا نیت بھی کتنی دہال جاں ہوئی ہے۔

”ابھی مل رہی ہے“ باب نے اسے غصے میں دیکھ کر زور سے ڈانٹا۔ اور وہ جب پتا  
نہیں چلا کہ کھڑی ہوئی لیکن اس کے دل میں طوفان اٹھنے لگا کہ دیکھو بھائی جان کتنے  
نرسے میں سو رہے ہیں ماضی کی نہیں اٹھنا چاہے جب تک سوئیں۔ کیا بھال جو کبھی  
لام کا رو کو دیں۔ اگر کبھی لڑکوں کو بھائی جان دربار سے بان ہی لا دو تو شاید  
میں بچہ لگ جاتے۔ صوفے کا کچھ جاننے کے دن بھر یہ بے پلنگ کے باغ وڑا  
کریں گے یا بھر سرسبز رہا کریں گے۔ ایک بار بانیے کہا تھا کہ تم آدھ سال سے براہیل پڑھ کر  
پہنچتے نہیں ہوئے۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ کتا جانوں اور تمہارے بھائی میں  
بھونکنا چاہوں۔ پس اتنا ہی سن کر کسی آگ کی تھی، گھر سے نکل جانے کی دھمکی دی  
پھر اٹھانے لگا اور دو کھانسیں جلتے بازو دکھائی دیں۔ لیکن میں چلبے دن بھر سے جوتے  
بھی اٹھاؤں تو جس دی دانت ڈبٹ پڑے تھے۔ یہ لوگ جانتے ہیں تاکہ میں کپڑے  
پاک کر لیں۔ اگر میں بھی دینی صاحب کی دھن کی طرح کالج کی پڑھی ہوئی اور اسکول  
کی پڑھی اتانی ہوئی تو آج میں یہ سب بھی میری عزت کرتے۔

یہ پورا منہ تھا کہ زہرہ کے دل میں اس قسم کے خیالات جگ رہے تھے  
اسی دن وہ کسی بڑے شخص کے گھر چلے گئے اور باب کی دانت ڈبٹ  
پڑ جانے پر چکا کر دینے کے اسے کوئی کوئی نرسوں سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ  
پہلی بار اپنے بہت بڑی دل میں لگتا تھا۔  
زہرہ کے زور میں کی جیسا کہ آج کے ان سے ٹکرائے آئی تو پھر وہ اپنے  
کو جان بھر کر شہزاد چاہنے پر تیار ہو گیا۔

”اسے نالہ! آج تمہارے آباؤں پر سب سے ہے؟“  
نالہ نے اپنے بیٹے ابلے ہوئے بالوں میں الجھا ڈال کر سر کھانے ہوئے  
جواب دیا۔

”دل میں تک تیز ہو گیا تھا مجھ سے“  
”تو کیا ہوا غلطی انسان سے ہی ہو جاتی ہے؟“  
”انسان سے ہو تو ہو لیکن لڑکوں سے نہیں ہونا چاہئے۔“ فریب راجہ  
باب کی خوفناک چوکیاں یاد کر کے رو پڑی۔

بہت جگہ کی روکیاں انسان نہیں ہوتیں، زہرہ، نالہ کے آندہ دیکھ کر  
کھپائی نہیں سن دی، پھر بولی ہم لوگ ان تاق چیل کی بی بی رہتی ہیں۔ اس نے  
جلی ہوئی چٹائی ڈالیں جس میں پھٹے ہوئے نالہ کی زرد اور اس صورت کی طرف دیکھا  
ارہی ہیں! رہے ہیں دسے جب تک پورے بھائی کی مار کھائی ہوئی  
سنبھالا تو چلے ہڈیاں میں جوت دینے لگے اور جب جوان ہوئے تو  
اس کے آگے وہ چپ ہو گئی۔ اور دیوار پر ناخن سے لکھ کر کہنے لگی۔  
”نہرو نے اتنا ہی کیا ہے اس کی بات پوری کر دی۔“

”اور جب جوان ہوئے تو کسی مرد کی خدمت میں ایک لڑکی کی طرح موزے پا  
گیا۔ ٹھیل خدمت کی تو صبح و شام ہیٹ بھر اور وہی ایک دن کر چکے تھے۔“  
نالہ کے منہ سے ایک دہلی ہوئی آواز نکل گئی اور وہ بڑی سرت سے کہنے لگی۔  
”پھر ہم لوگ ہیں جو پھر ہیں۔“

”اوتھ! تم کیا جانا نری، یہ وقت ہو۔ جانتی ہو پورب کی عورت کیسی ہوتی ہے؟“  
زہرہ جلدی جلدی اس کو جان کی کسی ہوئی تاجس دہرائے گی۔ لیکن  
نالہ ڈبلے تک نکال کر جلدی سے جھگڑی کہ کوئی وہ گوشت کھن پھوڑائی تھی۔  
”ہاں لگاؤ زہرہ“ خوک نے بڑی ہی طاقت سے کہا، کیونکہ آج دلی میں  
کسی بار جوان بہن کی چوکیاں کھانچا تھا۔

”ابھی لیجئے“ زہرہ جلدی جلدی تھی، شوکت باہر نکلا، وہ جلدی جلدی  
باہر نکلا پانی پانے بیٹھے تھی، کچھ ہونا بڑی احتیاط سے لگا کر بارک کٹی ہوئی  
اور اچھی قال کر بڑی نفاس سے گوبیاں بنائیں اور خالی میں چن کر کھانہ  
سے مردانے کوسے متن کوسے میں گئی جیسے کوئی معصوم بچہ ان کے دھن کی  
پوچھال خاطر جاتی ہو کہ میں اندر مل گیا تھا کہ وہ زور سے ہنسنے لگی رہی  
کے ہمارے بلے کوسے میں چوکی تھی۔ جلتے ہیں اس نے جھٹکا کھانے کا

تھا تھا اس کا ہر کھلا ہوا تھا جیسے وہ بہت خوش ہو۔

”اندھیرا تھا ٹوک کھا گئی۔ تیرے کے چمٹے ہوئے ہوں

سے نکلا۔

ٹوک کھدا تھا

”کیا آپ کا فیصلہ آپ کے والدین کے لئے بھی قابل قبول ہوگا؟

”اندھیرے میں تیرے مشق کے آگے تو اسے ٹوک کے کیا پاؤں گے؟

والدین انکی آنکھوں میں آنسو دیکھ گئے۔

تیرے ٹوک کر رہ گئی۔

نوجوان کہنے لگا: ”اے انھیں میرے فیصلے کے جھگ جانا پڑا۔

تیرے کی نظروں ٹوک کے جوتے سے کل ہوئی پان کی گوریوں پر تھیں

تو ٹوک کھاتا جاتا تھا۔

اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ دزدوں سے آنے والی رو شین کا افسانہ

کی تھا لیکن کیا معلوم تھا کہ کسی کے سامنے آجائے سے ہی دزدوں انھیں آگے

لگیں گی۔

”اب جاری شادی ہو گئی۔ نوجوان نے اپنے قلمے اچکا کہتے ہوئے کہا: اور

”اوپان بنالاد“ ٹوک باہر ملنے کہنے لگا۔

تیرے کو اب معلوم ہوا کہ دروازے کی دراز سے رو شین کے بکائے اندھیرا ٹوک رہا

اندھیرا دیکھتا ہوا رہا کہ کسی کے سامنے آجائے سے ہی دزدوں انھیں آگے

تھا۔ پاؤں کی تھالی ایک جھک کے ساتھ زمین پر گر پڑی اور وہ ہاتھ پھیلا کر اچھے

اندھیرا دیکھتا ہوا رہا کہ کسی کے سامنے آجائے سے ہی دزدوں انھیں آگے

ہیں سارا تلاش کرنے لگی۔

اندھیرے میں لالین نے کمرے میں داخل ہوئی اور باہر سے ٹوک۔

اندھیرا دیکھتا ہوا رہا کہ کسی کے سامنے آجائے سے ہی دزدوں انھیں آگے

”کیا ہوا؟ ٹوک نے دیوار سے لگی ہوئی تیرے کو دیکھ کر پوچھا۔

اندھیرا دیکھتا ہوا رہا کہ کسی کے سامنے آجائے سے ہی دزدوں انھیں آگے

اجرہ سرور

## عشق و مستی

میرے دل کو خوش نہ آیا تراذوقی فکر سندی  
بے زوال مرد و عورتی و غیرہ پسندی  
کبھی شہ نہ رہے نہ جاتے میری فکر سندی  
تو غمیش دول تھا دکھا میں جاگ سر سندی  
تو خود آشنا ہو مومن کہی کفر خود سندی  
نہ نظر میں کا بیانی نہ خبر میں جو سندی  
تھے سرگراں نہ گردے نہ نگاہ کی بندگی  
بچے چپ نہ کر سیکھا نہ کھلم لطف بندگی  
میں جو بھٹا شاہانہ تو اسیر خود سندی  
مرا تیرے جنوں ہے سبب بزم تیرے  
بھی اصل گفتنی ہی عہد تیغ بندگی  
ہوئی انام حقیقت نہ کہ عہد خود سندی

یہ خود کی سادہ کاری یہ میری ادنی پسندی  
نہ وہ داب خروانہ نہ وہ سو زعارف نہ  
تیری زندگی پہ طاری ہے نشا افروختنی  
میری آرزو خودی سے میری جستجو خودی کر  
تو اور جادو داں ہے ترا بحر بیکارال ہے  
تیری فکر ادنی عمل کا یہ تضاد کیا لایے؟  
میری چشم منظر میں شب و روز توئی ٹپے  
مرا دل دکھا ہوا ہے میرے شکر کئے ہو میں  
تو اسجدہ دایہا نہ مرا سجدہ غمازبانہ  
نہ خود کی خلوتوں میں نہ خود کی جلوں میں  
تو خودی کی زندگی سے ابھی آشنا نہیں ہے  
وہ جاں لہز میرے میرے نور خودی ہے

خدا و خال عشق و مستی وہ علی کی ضرب کاری  
تب تاب عشق و مستی یہ خانی لالہ بندی  
آفسر سہابی احمد گری

# راہزن سے

بھوک کے مارے ہوئے حول سے تیار ہیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

خون پی پی کر بھرنے والے انسانوں کو ہم  
موت کا ہروپ بھرنے والے شیطانوں کو ہم  
آسمان جاتیں کرنے والے دیوانوں کو ہم

راکھ میں تبدیل کر ڈالیں تو بیری پار ہیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

راہزن! اچھا وطن آباد کرنا ہے ہمیں  
اک نیا عالم یہاں ایجاد کرنا ہے ہمیں  
دور استبداد کو بر باد کرنا ہے ہمیں

ظالموں کے واسطے ہم موت کا آزار ہیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

میں پڑے دور کے بندوں کو جانی چین ہیں  
یہ منبع کبر و نفوت ناگہانی چین ہیں  
زندگی کے دشمنوں کو زندگانی چین ہیں

ہے یقین ہم کو کہ یہ آئیں گے مار ہیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

اُٹھ کر موجودہ تمدن کی فضا تارک ہے  
منزل مقصود اس منزل کو اب نزدیک ہے  
زمکے مالوں کو کھل ڈالیں آؤ ٹھیک ہے

غیر توں پر ہے جوانی جراتیں بیلادیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

غریب و فاقوں کی بوسیدہ عظمت کی قسم  
آئندہوں کا رخ بدلنے والی اہمیت کی قسم  
گوہوں میں اینٹھنے والی شجاعت کی قسم

ہم بغاوت کی شیلی آنکھ سے سر شاہیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

یہ حکمتیں ہیں پیمانہ: یہ فضا میں سب فضول  
بادلوں کے چھٹاؤر و پھٹاؤر ہیں سب فضول  
بیکسے سافرا سب ساقی اٹھائیں یہ فضول

زندگی کے رخ سے ظالموت کے آثار ہیں  
ہم زمانے کو اُلٹنے کے لئے تیار ہیں

کفکش یہ زور ماناؤں کو اس سے ہے  
مرد ہیں ہم اور ہیں دنگی کا پاس ہے  
زندگی کی سانس رکنے کا ہر اہل ہے

«درد الطاف مشدی»

# سیاسی ادب

ظلمت و درخت اور اہمیت کو کھودیا ہے۔

انقلابی خراس کے حریت و مساوات کا لگا ہوا ہوا اس عہد میں۔ ہر موسم میں اور ان فضائل میں غرور و غرور پر ہم الگ اس طرح کہ وہ اپنی شکل و رنگ کو ختم کر چکا اپنی جڑوں کے رگ و ریشہ کی حیات و نشو و نما سے باہر و صحرانہ اپنے بگ و گل کی رضائی و فرشتائی کھو چکا۔

ساربان و ساربان کے تناؤ و درخت سے فنون لطیفہ کا حکم ادب کو اپنے دست اور پلاؤں میں لکر لگا پھل سے اٹھل گیا۔ دہی فن جو طبع و با ست سے پہلے جاوی معصری زندگی بھاری معصری نظام کی گھاٹ پتیاں کیوں جس "جادو کشان" بن کر نمودار ہو رہا تھا۔ اب وہ اپنے ظلمت کی شکل میں ساری فضا سے جانتے پر چھلے گا دہی جن جو پہلی غیر فطری طرز زندگی کے پیدا کردہ رنجوں کے اندال میں مر رہا تھا کام دیتا تھا وہ اب انقلابی گردنوں کے زیر اثر افسانوں پر شستر تیز اور زندگ فضا کی کونے کونے سے تیار ہو گیا۔

چنانچہ سیاسی ضرورتوں اور تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ادب نے رنگ بدلنا شروع کیا اور سماجی تقاضوں کے اشارہ چشم و بارہ پر آرٹ اور فن بھی دھکی دھکی کر بھجھ کر بھگ گیا۔ کلمہ کے علوم و فنون اپنی مستقل قدوں، اپنی مستقل جیتوں کو بھجھ کر میٹھا و ریاست کی جھڑ میں نہ صرف جنس کر رہ گئے بلکہ ان کا اقتضا و معاشرہ کا وجود گم ہو گیا تو تک تھیں وہ کی وجہ سے اپنے مرکز تعلق سے ہٹ چلا پڑا۔ پس سے اس مسئلے کے "ادب ریاست ادب" صحیح نظر ہے کہ "ادب ہوائے زندگی" بحث و نظر کے درجہ سے سے مراد نکالا۔

یہ اہم مسئلہ ہے کہ اس پرست کافی خاموشی کی جا چکی ہے جو مخالف و مخالف ہوں ہوں کو مختلف طریق سے اجاگر کیا جا چکا ہے۔ ہر فرقے نے اپنے مقابل کے دلائل کا تجربہ کو کے زعم خود قید لگی مادہ فرادہ ہے۔

لیکن نگاہ حقیقت میں ابھی بحث نہ کرنا صدر نشہ نہیں ہے۔

سب سے بڑی عینیت یہ ہے کہ ہلکے صاف و سادہ ادب کو کون سے اس سے خنک و سحر وادسی بن گئیے کا راہ دکھایا جا رہا ہے۔ جبکہ اس پر بھانجمن، سرسبز و ناز و گلزار

جنگ فطیم کے آغا نے لیکر مودہ جنگ عمومی ایک دنیا نے سائنس کی علمی و عملی کوششوں سے چند برکت انجمن ترقی کی ہے وہ آپ اپنا جواب ہے۔

اگر ہم اس دہی صدی کے محبوب طراز کا نام نہ جاتا اور تیز آفریں نظریات پر نگاہ نہ لگاتے لیکن کوشش کریں تو ہمیں انہیں نکر و نظر کو عجیب و غریب میدانوں میں دوڑانا پڑے گا۔

جانت و موت کا کوئی نظریہ، محبت و معاشرت کا کوئی سا ذوق نگاہ، حکومتی نظریوں کا کوئی سائنسہ بھی یا نظریوں کا کھنک و محسوس میں زہریت انقلابی فطیم انسان تیز اور بڑی کڑی تبدیلیاں ہیں۔

علوم و فنون کے ارتقا کو سلسلہ رسل و رسائل کی دست نے فوسوں اور ملکوں کے نوادہ کو دور کر دیا ہے شکل تھی کی دیرسانی فوسوں کو بہت حد تک ہٹا دیا گیا ہے اور سارا عالم ایک مسلسل آبادی کے مختلف ملکوں اور اہل علم ایک خاندان کے مختلف افراد کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ جتنی جبر و کفر کی ختم ہو رہا ہے اسی قدر تیز و جلی زیادہ ہو رہا ہے۔ جتنی سائنسوں اور فاضلوں کا کفر و غما جا رہا ہے۔ اسی معاشرت کو تعلقات میں اختلاف و جھڑ جا رہا ہے۔ سائنس اور دیگر دل و دماغ میں باہمی تعاون، آدیت و روحانیت میں باہمی کشش پر اڑ رہی جا رہی ہے جسکی بنا پر ہمارا تمدن، ہمارا تہذیب، ہمارا نظام تعلیم، ہمارا دینی و فکری زندگی کا کنوڑ کی بجائے کے دونوں پاؤں کے چرخ برپا ہو چکی جا رہی ہے۔

جب جانت و معاشرت پورے طور پر اس سے متاثر ہو رہی ہو تو ادب عالم کا اس سے نڈر ہونا ناگزیر ہے کیونکہ ادب زندگی کا پورہ ہے اور جانت و معاشرت ہی ہے۔ جب زندگی ہی پورے طور پر انقلابات کی تیز جارحانہ دہی سے زندگی کے نریمان وادیں میں اٹھ چکی لیکن ناخوار ہوا ضروری ہو، جانت و معاشرت کی تیز جارحانہ دہی سے متاثر ہو رہی ہو تو ادب عالم کا اس سے ہٹنا ناگزیر ہے۔

لیکن اس دہی صدی کا سب سے عجیب کا نام یہ ہے کہ اس نے محسوس و فنون کے ایجاد و ترقی کے سلسلہ میں جہاں انجمن پیاں سماجی سے اہل عالم کو مرچوں تنہا بنا لیا ہے۔ وہاں پیریز بھی ناقابلِ ملاحظہ ہے کہ اس نے علم و فنون کو اپنا آذر و گھر بنا کر خود علوم و فنون کی

نظر افروز خاصہء دامن نگاہ کو برقیل بنانا تو کیا ہو گھر دامن کو بھڑائی نصیب نہیں ہو۔  
 ایک شیخی ادبی زبان کے لئے تو نہ لکے ہی ہو دائرہ نگہ خیال بستنا ستر ہوا، بھٹکنا  
 جرئتِ مخوانِ مذہب کی دیکھیں ہمارے دیکھ کر دورِ سعید کی ہم دکھا ہو، لیکن جس زبان  
 کو آغازِ طوفان ہے ہم دائرہ کی داستان لڑائی ادبائی غمغئی نہیں (انہوں) سے  
 متاثر فرمائی کی فکر دائرہ سر پر ہوگی سرتوں، شادانوں، خندہ و قہقہہ کی گم باز رویوں کے  
 اندر ہی دم توڑ دیتی حکومتوں کی تھوڑی نشانیں ہوں۔

وہ زبان جس نے جب سے انہیں کھولیں اپنے چاروں طرف انحطاط و اداریہ گھاؤں کو جھلپا ہوا، انہیں دیکھ کر پھر یہی کاساں بندھا ہوا دکھایا جو کہ جو کبھی بادل و دھوکہ سر پرست کامیاب کی طرح، جب نہ ہوا اس کے لئے توڑی ہوئی خوشحال و فراخ خاطر کی کدو میں یکدم مصلحتاً لبادہ اٹھا دینا جس طرح مفلوک و ضابطہ جو اسکے ادب کو ایسی سہاوش جلائے دیں جس پر گفتگو دینا کا حلق فیلان شان پر ٹکنا ہے۔ — ٹیڑھی اور ام کی دھڑکیاں نہ موت کے مکمل پہلوؤں کا آئینہ دار سوا کر تلبے بکر ملک کی مکمل معاشرت و زندگی کے نمائندے غنہ کی رنگ آمیزی بھی اذیتاں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

جہاں انسانی سہ ماہر اصل کی کسبِ حُسن و اخلاق اور تہذیب تمدن کی تخلیق میں  
 بقدرِ اجماعِ عقل و طبع کمال حاصل ہوا ہے وہ اسکے عالمِ انزات سے واضح ہے

ادب نہ صرف افراد کے عقائد و خیالات میں نہایت انقلاب پیدا کرنے کا ذریعہ ہے بلکہ جاحظوں اور دیگر محفل کے عقائد سے نظروں بھی اتار دینا علم ان کی تہذیبوں پر برا اثر کرتا ہے کہ ان کی نگاہوں میں زندگی کی کھلیاں کو مٹی کی مٹی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

ادب جو ایسے ادب بھی انسانی خیالات میں انقلاب آفرینی کا ذریعہ رہا ہے لیکن جب اس میں ہلچل کی تباہ کاری کا بار بار کا کاذبہ متحرک عمل ہو جاتا ہے جب اس میں وقتی خصوصیات کی انجام پذیری کا حقیقہ خال ہو جاتا ہے تو کائنات کی صداقت، فن کا خلوص اور خدا و ادب کی روحانی بلندی کی خدمت چھو جاتی ہے، سچ و دھماکا کا خاتمہ ہو جاتا ہے جب ادب میں ہلچل کی عناصر پروں سے کار کا رہے ہوں تو ہم کو قیبن کرنا پڑتا ہے کہ بلندی قوم کے ذہن پر نہ تنگ ہو چکے ہیں، داخلی رقصے سو کہنے میں اور ایجاد کی نوعیت منظر پر ہو چکی ہیں۔ طیارے میں ابدی رقص خال کا ذادہ وجود نہیں رہا، جسکی ہر روح وقتی جزو دل کو لے کر بچر میں شامل کر کے مرد و جذبات میں زندگی کی ہر روشنی آباد نہیں ہے۔

پھر مرد و بچوں میں باوجود تفریق نسل کی پیدا کرنے کی کاشتکاری کی جارہی ہے اور رنگ و خداداد احساسات میں کڑواؤ اور آسائش کے جوڑے لگنے لگنے کی صورت میں ہر

ہیں سیاسیات و اقتصادیات کے دفع ممکن مسائل سے بروہا کو انھوں نے فراموش کیا ہے لیکن سربراہان جو کہیں لکھنا دانا دعا قابلت ہوتے آگے بڑھے کی ضرورت ہے اور جو میں انقلاب کی دفع ضرورت ہونا چاہتے لیکن مزما کی تبدیلیاں کیسے طوائف الملکی (الکرم) کی اجازت نہیں دے گا جسکے نئے نئے تصور ہی تہی بنی نظریات کرنا، ادب کا فریضہ جیسا ہے لیکن ضرورت اور سیاست وقت کے تحت ادب میں تبدیلی کو نا غالباً سب سے بڑا آلہ ہو گیا کیونکہ لڑ بچہ زندگی ہی کا دوسرا نام ہے۔

کیا آپ زندگی کو بے کیف اور وارث کی منت سے گزرتے ہوئے سکون کا گذرا  
 بنا رہے ہیں؟ اس قسم کی نوعیات کے قلعے نور ذکی کی شام اور پرندوں پریدہ ہوتے  
 اور قاب جوئے رہتے ہیں جو کہ بے استقلال و ثبات سے کام لیں گے۔ ہمارے کی منت  
 کسی نصیب نہیں ہوتی۔

حیات انسانی کی سبب بانی اور خونِ مزاجی کے مستحق اور کرم کھانا پھیل چلا ہو  
 اس میں سرمدی برہمن کی نہیں، بلکہ ہر مخلوق ہر امر ایک ناقص اور فاقہ جاکھان ہے  
 ادب میں کلمہ و حرف نہ ہوتا ہے لیکن عود بلند نہیں بلکہ مسافت کا پتہ ان کے لبہ و نواؤں میں  
 ادب کو کوئی شہر ہے نہ جہانِ آج انتخابِ نظری یا فلسفے کے طائران کے مطابق ہمارے  
 اندر زندہ نہ رہتا۔

آسان ہے کہ توحید کی حقیقت نگاہی، آسان ہے کہ مذہباتِ اسلامی جو حقیقہ کی  
 رنگینی خیال یا تصور کے پورے انداز، نظری کی جزئیات پر کسی اور کتاب کی مانند فراموش  
 کرنے کی تاک خالی کے لئے تیار ہو کر بیٹھا رہے۔

عاطف و سخاوت اور غالب نے کسی سیاسی شک کے یا مبرک کی حیثیت سے  
 پہنچا دی کہ جو نہیں کہے بلکہ مرثیہ کا لہجہ نڈت نگاہی، غالبانہ ہنر دی  
 کے شوق سے کہ ان کے اسلوب کمال اور ہر کہ کہ ہے

میں نے اپنے لیے یہ سب کچھ کر دیا ہے۔ میں نے اپنا سب کچھ اس کے لیے قربان کر دیا ہے۔



اگر غرض کہ غرض کی تصویر جوئی نقوشوں میں کچھ مانی ہے۔ کیوں؟ اگر اس کے کعب  
محت و سراپہ کا اندام اقتصادی یا خاد کی شکل میں ہاں ملے یا نہ ملے وہ بدیہی  
ہر کہہ گیا، آئینہ کی طرز جوئیں سے اس کے کہ نقوش کے گرسے گرسے میں جا لیا اور  
لوہ میر جہد یعنی رنگ انگار ہوا کہ کتاب وہ انور کی شمس ہے۔

ماوراء ادنیٰ مثبت سے مراد کہ مقام مقصد بننے کے کہ کسی بااست دال کا  
خیال بھی نہیں ہو سکتا۔

ادب کا کام زندگی اور دنیا فخر کی تصویر کشی ہے۔ جات آفریں نقادوں کی  
میں بڑی ہے لیکن جب وہ کسی سیاسی بلڈ کی طرح سیاسی اصولی کو ثبت کرنے کے لئے  
دور جواز ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگے تو ہیں نقیب کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے درجہ کو  
جو کرنا ہوا اور ادبوں میں جنگ ہے۔

کون کتاب کے معاشرت کے گھنٹے ناموروں کو مستطام پر نہ لانا چاہئے؟  
نصیر و صحبت کے دیکھنے کے نقوش کو بر لاندہ نظر کرنا چاہئے؟

کس کی مجال ہے کہ انقلاب آفرینی کی بجائے کو باگوش قرار دے؟ اس کا کون  
خلف پیش ہے جو روح اس کی واول سے نا آشنا ہے کہ ہم غلبہ کا رنگ ہوا  
ہو۔ بھلا اس نارنگی اذہ خود میں عوام کے جذبات و رجحانات کو نظر انداز کر کے ہم  
کہا نہ کہ سر خود ہوتے ہیں؟

لیکن کیا صرف یہ ہے کہ گورنہ تقلید یا انقلابی جنت ہم کو باہر و جہنگ  
کچھ نہیں ہو سکتی۔

ادب اور معاشرت کی تاثر پذیری بالکل سلب ہے لیکن سراسر تعالیٰ یا مہیا  
ہنگامہ لائی بھی ہمارے حریفہ کا رہیں غل اخلاذ ہو کہ خود معاشرت کو لپٹ لپٹ  
پھینک دیتی ہے۔

بقول حضرت کیفی مقول استدلالی اور جزیرے اور فردانی جذبات نے دیگر۔  
اگر ہم ان دونوں میں تضاد ہی خط نہیں کھینچ سکتے۔ اگر ہم ملکی خصوصیات اور ناموس  
اطلاق کی بہت کو نہیں سمجھ سکتے تو ہم کو اپنی عقل و خود کا نام کرنا پڑے گا۔ ہمارا ادب  
میں بے جھجکاؤ تصور اور خیالی نقیب جسکی تردید کے لئے علم کتب میدان میں آنا پڑا  
نواب میں چھوٹا خیال نقیب اور اثبات جو اس کے لئے ہو رہی ہیں۔

اگر کل و بلبل رزق و گیسوی خاموشی کو اس لئے نائن قرار دیا گیا تھا کہ وہ  
ایران و صفا و میدان کی خاموشی تھی۔ مٹا ہی خصوصیات سے ماری تو مزب کی  
دریادہ گری کو بھی کسی طرح غائب نہیں کیا جاسکتا۔ آئٹ کا نظریہ اگر حالیکہ نظریہ

ہے کہ وہ صرف ادب کی نظیر میں کم ہو کر نہیں رہتا، بلکہ خود کم ہو جائیگا اسان شاعری  
فردیت سے اسے اسے اپنی ہی نہیں جس پر نئے نئے تارے اپنی رنگین شاعری  
سے زندگی کو رنگین بنا رہے ہیں۔

جس کے مطلع پر دنیا جادہ طلوع ہو جاوے ٹھنڈی ٹھنڈی کرنی سے ترقیوں کے  
دریاؤں میں دروہر پیدا کر رہا ہو۔ اور جس کے آفریں پر ایک نیا آفتاب سر ادا ہو  
فیض پاش پر جو ہم پر شاعری کی طرح زندگیوں کو بکھیر رہا ہو۔

یعنی ہم ادب عالی (کلاسیکل لٹریچر) میں کہنے اور پیدا کرنے کی ضرورت  
ہے۔ قوم میں اس سے زندگی کی لہر خود بخود پیدا ہو جائے گی۔

ادب کا کام زندگی کی تصویر خاندانہ شکل کی صفت طرازی ہے۔ تو اس سے  
خامہ آفتاب میل بالنعمان پر جو خدا کا کام نہیں ہوئی کی شاعری کا کام صرف  
چکنا اور رنگ کا ہے۔ کائنات میں بعض چیزیں ان شاعریوں سے جھلکنا کہ  
ہو جائیگی اور بعض زندگی کی حرات محسوس کر سکیں گی۔

جسین گدڑ کے بچوں کا کام خوشیوں کا بکھیرنا ہے کئی اس سے نیکیں ہو  
بیسے لطف اس سے کوئی غرض نہیں۔

اسی طرح ایک بار ہمت فن کا کام تخلیق ادب ہے۔ تو کون کون کا نظم تو  
سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ اپنے شادمانہ نظری اور محسوسات غوی کو لا کر کلاسیک  
دستے اس سے سو فخر طاس برتن کر کے کا مجاہد اور اس ہی میں آراش کی  
ایمانداری اور دیانت کشی ہے۔ کیونکہ آدھ کا اطلاق تمام تر اخلاص میں ہو چکا ہے۔

کائنات میں ہر دم کی برآمدی، ہمارے جھوگوں، باختران کے مضبوطوں سے  
تبدیل حال کو، محظ بہ محظ ہوئی رہیں ہیں۔ باطل آیا، آسمان پھیلا گیا، اگر جا، جس  
اور نکل گیا، ان لہزات، ان انقلابات سے ادب کے ذہن میں جو تاثرات درج ہو گئے  
وہ کمال دیانہ لہری سے اچھکے پھوٹش کو دیکھا خواہ اس آئینہ میں ہمارے جلوہ آرائیوں  
کا عکس ہو یا خراال کی ہلکت سلاخیوں کا پر تو وہ ان کششوں سے آزاد ہے ہوتے  
خوش کی روحانی کے فرائض انجام دیتے۔

یہاں ہو جو کم نہیں ہے کہ بعض دماغوں میں نہیں پیدا ہو کہ جب ادب کی سادہ فطرت  
کے لئے اور وہ بھی علم کی زندگی کے لئے بھائی نہیں ہے۔ اس کا تاثر و خلق جبکہ  
سلح اور نورانی کی فائنٹی ہی سے ہے تو ادب اگر عوام کے تقاضوں اور فطرتوں  
سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے تاثرات کا انبار کرنے لگے تو ہمارا ادب قوم کا منہ دھکا  
رہتا ہے کہ کیونکہ ادب کی ریشہ انشاں باور ہوں جب عوام کا گھر ہی نہیں تو

حاجت میں پہنچے گا تو کوئی سوچے گا، اس کے کلام میں زندگی کی دھڑکنیں نہیں محسوس ہوتی، وہ دیکھ کر اس کے کلام میں جو سکینگی۔

جب ایک صاحب ذوق انسان کو جو اس میں بیدار تھا افسانے کے درمیان نشوونما، تعلیم و تربیت پائی، اور جان بواؤ گیا وہ عوام کے افسانہ ہونے سے پہلے کیا وجود بھی ہوتا؟ دیکھ کر عوام کی افسانے سے بھی روشن اس نے جو سکے، اگر واقعی ایسا ہی تو ہم کو اس کی سیموں انکساری اور خوش مذاقی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

اپنے ماحول کو سمجھ لینا، اس کی بنیادیں اور دیگر انہیں مک پہنچنا ادب کے لئے شرط اول ہے، ایک صاحب ذوق انسان کے دل میں ایفیت احساسات کا ہجوم کی رنگی شکل میں اپنا راستہ نکال ہی لیتا ہے، اس فن کی طرح جس کا اہل ہوساں پائی سخت سنگلاخ چٹان کے سینہ کو جبر کو بھونٹتا ہے، جو زور و شور اور جوش و خروش پائی میں ہرگز دو میدانی خود ساختہ نہروں اور جد و جہد دلوں میں کہاں آسکتی ہے؟

بہت سے دیکھ ہی معنی ہیں ادب برائے ادب کے خواہ اس کو لاپس برائی زندگی سے تفریکہ جانتے، الفاظ دیگر تفریق آراہ سے میں نے کوئی سادہ ادبی آواز دی، ادبی سادات کا بھی نال ہوں، اسی کے ساتھ ادب کو زندگی کا آئینہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں اس لئے میں اپنی زندگی کو افسانہ زمین و جبل، اعتقاد پاکیزہ و دگرگشت بنانا چاہتا ہوں، ادب اور فن کی جھلک نظر آئے، اگر ہادی زندگی کا آئینہ بنانا آدھ اور کدھر ہی تو ہمارا ادب بھی حسن و جمال کی جلوہ بازی کو محسوس کرے گا اگر ہادی سیرت، ہمارا کردار اہل سببوں میں گھرا ہوا ہے تو ہم کبھی بھی ہنسنا ادب نہیں پیدا کر سکتے۔

جب ادب کا سرخوردہ (ادب) ہی غلط اور گندہ ہوگا تو اس کو صاف و شفاف پائی کی توقع کبھی بھی نہیں کی جاسکتی۔

پس مذکورہ بالا نظریات کا اختلاف ذرا غلطی کو زیادہ اہمیت نہیں دینا اور ان

سیاسی جاعتوں کو ہٹا کر ایک اور نقطہ نظر ہے، "فروع انساں کی خدمت" و جدی الحینی

جانتے مسافرت کے مسائل کی رہنمائی ادب کے ذریعہ سے کس طرح ہوگی؟ حالانکہ ہر حاضر نے ان کا ہر بار یہ دلائل دیے اور دل کو لادو، ادب اور عوام کے درمیان حامل قیوں، آؤ گے ہمارے دیا جگہ آرٹ کو سراسر ساز کے لئے وقف کر دیا ہے۔ پھر ادب پر ان کو ادب کے بدلے جو وہ غلطی پر جا رہا تھا تک مچ ہے؟

اس نظریہ کی مخالفت میں لب سے زیادہ کا سبب بھی جو ہے لیکن ادب برائے ادب کی تشریح یہ نہیں ہے کہ ہم کو اس سے بھاگنا، اختیار کر کے ایک ایسے خیالی گنبد میں جانیکیں جہاں خود اپنی صدائے بارگشت کے علاوہ اند کوئی آواز نہ سنائی دے۔ بلکہ ضروری یہ ہے کہ افسانہ وہ دل کے رنج و کوشش اور غموں والی دنیا ہے، جہاں زندگی کی ہفت رنگ شامیں منتر ہوئی رہیں، ادب صرف دنیا کے خارجی واقعات ہیں، ایک فن (مقالہ) کے ذریعہ احساسات کی تکمیل قیلا کر لی ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ صفت کا رکواپی صفت کا رکھ سکے کسی خارجی دباؤ کی پابندی جو ضروری ہے مگر خود نفس واقعہ کے اثرات کا رہن منت ہونا چاہئے، اگر آرٹ ہی ادبی ہے تو وہ ہے جو کوئی مطلق کو جیش کی رہا ہے تو اپنے فن اپنے ارمان کا خون کر رہا ہے اپنے داغ پر غلطی کیسے کا مرکب ہو رہا ہے ہمارا ہی صفت کی کہ سبائی کی توجہ غفلت ہے کیونکہ بقول یکا بیل "کجاء نقاش بنو ہا نول سے نہیں، مگر داغ سے توجہ کھینچتا ہے" جب وہ قارئین واقعی ہی کو پہلے سے کو مٹھا اور من لگے افسانے کی زندگی جاوید شاہکار کی امید ہے سو ہے۔

ایک حقیقی فن کار، ایک سچا ادیب ہمیشہ ان پابندیوں سے آزاد رہے گا، لیکن کیا وہ بھی کدے انسان کی ہمدردی سے بھی دست کش ہو سکتا ہے؟

نہیں! ہرگز نہیں، اگر وہ واقعی ادیب ہے، واقعی آرٹسٹ ہے تو کبھی بھی عوام کے جذبات و احساسات سے نااہل نہیں رہ سکتا، بلکہ عالمگیر ہمدردی اور وسیع محبت و اگت کے سماجی ہونے کی حیثیت سے تمام کائنات کا درد اس کے سینہ میں محسوس ہے، پریم اور پیار کی آگ اس کے ہر پردہ میں شعلہ برپا ہے پھر بھی اسے عوام کی رہنمائی

جوانی کیا ہے؟ تارین کی چپ ہو  
جوانی کیا ہے؟ پھولوں کی چپ ہو  
جوانی کیا ہے؟ تنداؤں کا جیلو  
جوانی کیا ہے؟ سکینے کی چپ ہو  
جوانی کیا ہے؟ تارین کی چپ ہو  
جوانی کیا ہے؟ پھولوں کی چپ ہو  
جوانی کیا ہے؟ تنداؤں کا جیلو  
جوانی کیا ہے؟ سکینے کی چپ ہو

## کلامِ محبت

نہ دم توڑے تشنہ کلامِ محبت  
 کر گیا وہ کیا احترامِ محبت  
 نفس در نفس موج در موج پیہم  
 ترا پاس ہونا، ترا دور ہونا  
 مقاماتِ احرار سے بے خبر ہے  
 تری ذات سے ابتدائے تمنا  
 حقیقت میں وہ بے نوا بانوا ہے  
 کوئی ظاہر نہ دے کاش کمدے  
 ابھی صرف گردش ہے جامِ محبت  
 سمجھتا نہیں جو مقامِ محبت  
 چلا آ رہا ہے پیامِ محبت  
 یہ صبحِ محبت وہ شامِ محبت  
 تڑپتا ہے جو زیرِ دامِ محبت  
 ترے نام پر اختتامِ محبت  
 جو سب کچھ لٹا دے بہ نامِ محبت  
 تری زد سے اونچا ہے بامِ محبت

نثارِ فداکار کی شاعری کیا

زبانِ تمنا، کلامِ محبت

آمرے

نثارِ اٹاوی

اپنی خوشیوں کے عارضی جذبات  
 کوششیں ہیں کہ غم سے جاؤں  
 زندگی ڈھال کر مصائب میں  
 تیری رحمت کا استہرا لے کر  
 کہہ رہی ہوں نہ کہ ستم کو کرم  
 موت کی دواہیوں میں جا رہا ہے  
 کل ادا دل میں جانِ داؤ لگی  
 غم میں تحلیل کر رہی ہوں میں  
 خود کو تبدیل کر رہی ہوں میں  
 اپنی تحلیل کر رہی ہوں میں  
 اپنی تزیل کر رہی ہوں میں  
 خوب تباہی کر رہی ہوں میں  
 کتنی تعبیل کر رہی ہوں میں  
 آج تشکیل کر رہی ہوں میں

زندگی کی حقیقتیں نجمہ  
 صرف تحلیل کر رہی ہوں میں

نجمہ تصدق



یہ باتیں تمہارے دل سے نکلی تھیں، دل میں گر گئیں، میں بھی ایک خیالی مجنوں  
 رہنے لگی۔ جس نے ایک موتی بنائی پریم اور جاہ کی موتی؛ انداس کو اپنے دل کے منہ میں  
 لٹکا لیا۔ اب میرا دل گنگا کے دل کی طرح تلک نہ تھا، وہ موتی خندہ و کوازش سے میرے  
 نعور کو رام بدوش رکھتی، اس کے خیالی سے میرے سارے وجود منوی کو سحر کر لیا، غمی  
 نوید دوا لگی، لیکن میں دیا لگی میں زندگی کا کینہ نام تھا جس سے فرنا لگی کی زندگی خالی  
 ہوئی ہے۔

میرا دل دیکھ داگ کھانے لگا۔ جیسے آتش نفس منی کا نذر، خنکان مغل کو  
 بجا یک بیمار کر دے۔ میرا دل دفعتاً زندہ اور سدا ہو گیا۔ میں کی لگن سے رنگ کا اب  
 احساس پیدا کر دیا، جس میں خودی کے ساتھ بے خودی اور بے خودی کے ساتھ خودی  
 ادا کر گیا۔ غمی میرے دور و شب اس طرح گزرنے لگے کہ جس کی بھائی باں یعنی  
 اور کس اس کا سراپا، وہ بت کر دے کہ صدمہ تھا، دل کے منہ کا صدمہ تھا، جان دار اور  
 جان نواز، اس میں ہونے اور چھوٹنے کی قوت تھی، وہ شہابِ ثاقب کی طرح روشن تھا؛  
 سو کے باپ میں بھی غمی کی کشش تھی اور اس کی پر بھائیوں میں بھی، انھیں اس کی  
 پر بھائیوں سے بھی جو خاص نور سارے جسم میں سنسنی پیدا ہو جاتی، اور اب اس  
 جس میں منظر اب آئینہ نسکین ہوتی، نگاہوں کے چھوٹے اور کھانے سے ایک دل نواز  
 بے دلی پیدا ہو جاتی؟

مجھے مہدی کو تھرا ہی میری طرح کے ساتھ لڑی طرح ہم آہنگ ہوئی، اس نے یہ کہنے  
 کی ضرورت نہیں کہ پریم اور مودہ کے اس کا رو اور جسم کی ادنیٰ خواہشوں کو مطمئن دین  
 نہ تھا، یہ سب تصور کی کار فرمایاں تھیں، باوجودیکہ یہ برات تصور ہی مجھ پر ہی شروع اور  
 جان تھا، لیکن میں نے اس کو بھی اجازت نہیں دی کہ اس کی نگاہیں میرے جسم تک  
 پہنچیں، میرا سراپا میں بھی کبھی اس کے برابر نہیں ہوا۔ شاید یہ تعلیم و تربیت کا  
 اثر تھا۔

مات اپنے پرول پر، دنیا جانی کے لئے زندہ کا تختہ لائی، لیکن میرے لئے ریاس  
 دن بن گئی تھیں، دن کے خود بخود ہنگام میں میرے لئے تنگ تھا اور مات کے سکون  
 میں دفنانا۔ — — — — — سمندر کی وجہ صوفت چاندنی راتوں میں دشت پہاڑی کرتی ہیں،  
 لیکن میرے حالات کے لئے صوفت، چاندنی رات تھی، صوفت کی کرنیں نور سحر  
 تھیں اور چاندنی کی کرنیں پیامِ لٹاؤ:

اس دفعہ جنوں سے بے بہت سے خزاں لگیاں سکھائیں، طبعِ غریب کی لگاؤ لگاؤ  
 کے متعلق تصور رات بدل گئے۔ درد قبول کی پروا نہ رہی، توہم کو کب تک کوئے اور باہر

دیکھ کر رہنے لگا، آگیا۔ خوب زشت کی حقیقی درد و فیت دل نہیں ہو گئی۔ اب  
 میں اپنے آپ کو دل سکتی ہوں۔ پہلے میں اپنے آپ کو کھانے میں حیرت زبانی تھی،  
 لیکن اب کھانے میں گراں تر کھتی ہوں کہ نہانے مجھے انسان پیدا کیا ہے کھر بھر  
 میں کسی کو میرے اس ذہنی انماک، میری ہمت کا پتہ نہ مل سکا، پتہ نہ چل سکا، میرے کھانوں کا  
 کیرا بن گئی غمی پہلے میں میرا زیادہ وقت بیٹے، کھانے، مہینے اور کھانے پر ہے میں  
 گزرتا تھا، اب اور زیادہ ہے آپ کو شوقِ ظہر کرنے لگی، کھانا بننا تو کم تر شوق کی  
 غمازی کر دیتا، شروع میں زیادہ وقت کھاؤں سے کھینے میں مرن کر دے، اب آتھ  
 میں ہے اور دل نعور ہی پر تھکے دھان میں، کوئی کیا جان سکتا تھا کہ میں کہاں پہل  
 کیا کرتی ہوں اور کہاں جاتی ہوں؟ لیکن اب کھانا اور نہانے میں میرے ذہنی انماک  
 کی پردہ دہی نہیں ہو سکتا۔

میں اپنے انھیں تعورات میں گن گئی کہ آہستہ آہستہ دوسروں کے مجھ پر  
 تر فرم گیا، اور میری روح میں گتیاں ڈالنے لگے۔ اب تعورات میں جسم کے فاضلہ و جل  
 ہو رہے تھے، اس کشش کی وجہ سے دگ دگ میں انشعاب سی ہونے لگی۔ درد و کرب  
 دامن ہو گیا، انگلوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے، ادا ان کے جلو میں چلنا  
 ہم نفسِ منتیں، کچھ کچھ کہ میں آنسوؤں کو ضبط کرتی، اور سانس روک کر چھپوں کو  
 مومن تھی، بیگنی بڑھتی تھی، ایک آواز تھی جو میرے نفس کے آسمان گونڈوں سے  
 اٹھتی، ہر رنگ و پے کرانی اور اس کی حد سے باز گشت سے میرے جسم کا دوا دوا  
 کاتب جاتا، یہ آواز پیلے نرم تھی، پھر ترخ ہوئی، غمی جس کو کشش پیدا ہوئی، ادب کا خزانہ  
 میں گئی۔ وہ آواز کیا تھی؟ — — — — — تصور لکھ صوفت مگر کی کہے، پھر تصور ہے۔  
 تو، جو اپنے خیالی پریم کی یہ کائنات ہی ہے یہ جزل ہے، غمِ خیالی سے بالآخر، اپنی  
 جان را بھگائی کو، تو زمین کی رہنے والی ہے، زمین پر وہ، بادلوں کی دنیا میں نہ جا،  
 تیر جی آتا، انسان خیالی سے نسکین نہیں پاسکتی۔

کئی پہلے اسی حال میں گزرتے، تعورات اور دوسرے کھانے سے، اب میں  
 اپنے آپ سے دشت کرنے لگی، یہی شروع ادا م کے اندر ہے جس جگہ رہی تھی؟  
 پہلے میں سونا ہی نہیں چاہتی تھی، لیکن اب میں کشش کرتی کہ میرا دل گنگا کے  
 خندہ نہ آئی۔ بلکہ سے کھانے کی کشش میں بھی کیا یاد ہو بھی جاتی تو کبھی کبھی  
 کو نہ تھی، دلی دھڑکنے لگا، ایسا محسوس ہوتا کہ میرا جسم پہلے کے تاروں سے سس  
 ہوا ہے، میرا دم کسے لگا؟

بیگنی کے بھی دل نہ کھے کہ دلوں کے ڈٹے ہوئے، آتے ہوئے، ایک غریب میں

میں نے دیکھا کہ میرے دل کے منہ کی موتی نے روح وغالب اختیار کر لیا ہے۔ وہ  
 ہادی گوشت کا ایک کشیدہ قامت نوجوان تھا، بہت نمد، بہت البیلا، اس کے بسم  
 میں اس کا دل جھلکا تھا، وہ خاندان کے تمام نوجوانوں سے زیادہ نالائستہ تھا اور  
 شاعر بھی۔ جس میں اس کو دیکھ کر ششدر و مرعوب ہو کر رہتا تھا۔ یہ آغاز نہیں کر سکتی کہ اس کو دیکھ کر  
 خوشی زیادہ ہوتی یا حیرانی؟ حیرت کے ساتھ خوشی، خوشی کے ساتھ حیرت لازمی تھی۔  
 ہم دونوں نے ایک دوسرے کو اس سے پہلے کسی نہ دیکھا تھا۔ جس میں اس سے بے خبر تھی،  
 وہ مجھے اس بات پر حیرت آمیز حیرت کیوں نہ ہوئی کہ تصور نے بہت کم ہونے کو ہی  
 کہ نہ بدتر یا خیال اس طرف جلتے کہ مجھے خوشی میں بات پر ہوئی کہ میں نے اپنے  
 تصور ہی پر تم کو دیکھ لیا، نہیں، بات نہیں۔ مجھے خوشی اس بات پر ہوئی کہ وہ بھی  
 مجھے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ غیر متوقع کامیابی کی سرشت اس چہرہ پر نمایاں ہوئی، اکھیں  
 مسکرائیں، خوشی کے آنسو نکلے اندام اس کے وضادوں میں جذب ہو گئے۔ اس کا چہرہ  
 حلقہ رہ گیا۔ خیر اس کے تصور نے بھی کوئی صورت گری کی تھی؟

میں اپنا اس کامیابی پر بہت مسرور تھی، مسرور کوں نہ ہوئی۔ مجھے برا تصور  
 پر تم مل گیا تھا۔ اب میں بھی اس دنیا میں تھی، جس میں سچ کو تم نے مجھے پریم کا کیت  
 سنایا تھا لیکن پیادہ پہلی، تم خوش نصیب نہیں اور میں بد نصیب ہوں، تم نے جانا  
 اند تھادی چاہے پوری ہوئی، مگر میری چاہ میرے لئے بھر موند ہے! میری چاہ کو  
 خوش کامی نصیب نہ ہو گی، مگر خدا لوین۔ میری چاہ کو اپنی پسند کی حیثیت پر آیا ہے  
 مجھے خدایا سے باز اور میں میری مرضی کے خلاف بھا جاتا ہوں میرے دل کا خون کر کے  
 مجھے دلہن بنایا جائیگا، کتنے بکدلتا اور اچھے ہوتے ہیں بادی سماجی زندگی کے  
 تار! — میں سوچتی ہوں، میری سوچ چنی رہتی ہوں، کیا میری زندگی اس دنیا کی  
 مانند ہے، جو اس لئے نہیں بنا کہ سمندر میں جا ملے بلکہ اس لئے بننا ہے کہ

مگر گزشتہ میں جاکے ٹھنک ہو جیت! اب میں نظر اسی منہ کی بکلیوں ہوں، جس کی  
 صورت حسین لی گئی ہو، جھپٹنے، اسے بگھٹنے میں گرا اٹھوں نے منہ خاندان کو  
 منہ سے محروم کر دیا، لیکن ہر شخص محمود میں ہوتا، اینٹ اور پتھر کے کھنڈ خاندان  
 کو دیکھ کر ان کا جاسکنا ہے، دل کے منہ خاندان کو دیکھ کر ان میں کیا جاسکتا، جسم کی  
 پوجا کا طریق اور ہے، دل کی پوجا کا طریق اور، زبان کو بولنے سے روکا جاسکتا  
 ہے، آنکھوں کو بولنے سے روکا جاسکتا ہے، لیکن دل کو پرہیز نہیں روکا جاسکتا،  
 بھول اور نکت کی طرح ہم دونوں ایک نہیں کئے جاسکتے، ہم دونوں کی  
 زندگی ایک ہے، ایک ہی رہے گی۔ میں نے محبت کی بلندیوں پر چڑھ کے ایک  
 سندھ پریم کو پایا ہے، میں محبت کی وہ نہیں کر سکتی۔ میں اس کی خاطر تنگیوں  
 نظروں اور غموں جھڑکیوں کو برداشت کرتی رہی ہوں، برداشت کرتی ہوں کی  
 یہ نہیں ہو سکتا کہ عاشق میرے خط سطر کو دلی دیں اور میں ادھر نہ جاؤں، جدھر  
 مجھے جانا چاہئے اور ادھر چلی جاؤں، جدھر مجھے نہیں جانا چاہئے۔ کوئی تکی چڑاؤ  
 یا تھا سکتا ہے، میں اپنے آپ کو جھگاڑ نہیں بنا سکتی، جو تادی میں رہتی ہے  
 اور جب آؤنی ہے تو آؤنی!

بہت بری بننا، کھیں پیادہ پہلی! اس ابتلا اور اس بھران بے پایاں  
 اس اندوہ محبت نے مجھے غم کا لباس پہنا دیا ہے۔ صرف ایک آرزو ہے کہ وہ مجھے  
 لی جاسے جس کو میں نے دلی اور عقل کے شہر سے اپنا جوتن ساتھی بننے والا رہ گیا  
 ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں تماری ہوں، میری اور تمہاری زندگی ایک ہے  
 لیکن کیا میری آرزو پوری ہو گی؟ آہ، نہیں جانتی، کچھ نہیں جانتی۔ شہرت تو یہی خیال  
 زندگی کا سہارا ہے کہ دل جیت لیا اور دل باور دیا۔

## جلیب اشعر

میری لغزشوں نے گرا دیا، مجھے خاکدانِ خراب میں  
 یہیں کن علقہ میں لگا! کہ عدم سے بود میں آگیا  
 جسے اصل بندگی کہ سکون جسے عین زندگی کہ سکون  
 کئی ایسا سجدہ نہ مل سکا میری پوری خود دہا میں  
 مجھے ایسا انگ بھی کہ عطا۔ جزو کرم سو ہے التجا  
 کہ میں ثوب جاؤں میں غلامی ایسا مظلوم آج میں

جسے کہ رہا ہے بہار ہے، وہ سرابِ شجرہ کار ہے  
 یہ فریب نقش و نگار ہے جو باہر عالم خواب میں

## سرود ازل

اولا اسرار و رمزی آماوی

## بھولے بچہ کے خواب

یہ سہانی لکشاں اور یہ مہرہ و آبِ نسیم ہیں،  
 دن کے ہنگامے میں کتنی تلخیاں بہتی ہوں میں  
 کس قدر ہرنگ و محزون، کس قدر بیکار  
 جملہ بے رنگ بن کر سامنے آتا ہے دن  
 جب غروبِ مہر سے رنگین ہو جاتی ہے شام  
 میکدہ بردوشِ سائے جب بڑھاتے ہیں قدم  
 اس طسرحِ شب کی پری آتی ہے پرتولے ہو کر  
 رات کے دامن سے جدم جھانکتا ہے ماہِ تاب  
 بادِ شب کی سرسراہٹ ہے کہ آوازِ باب  
 سارا عالم نیند کے افول میں کھو جاتا ہو جب  
 یہ ہوا میں آتشِ نغمے سناتی ہیں مجھے  
 عیدِ رفتہ کی کہانی دل میں دہرائی ہوں میں  
 کیوں بھٹکتی ہیں نگاہیں چار سو دیوانہ دار  
 اٹھندے یادِ ماضی کیوں ہے اتنا انتشار  
 ہمت اے بیتاب دل ہشیار اے تمکینِ ہوش  
 کیا نہیں ہے یاد تم کو پیر ہندی کا پیام  
 "بستی عالم میں ملنے کو جُدا ہوتے ہیں ہم  
 خودِ شرفِ ہی سے روشن ہے شرارِ زندگی

منکشف اب دل پہ رازِ منزلِ مقصود ہے  
 ڈھونڈتی تھی جسکو وہ تو دل ہی میں موجود ہے  
 شیریں

## ہمارا ترقی پسند ادب

گذشتہ جنگ عظیم کی ہولناکیاں ختم ہونے پر دنیا بھر نے ایک نئی کوشش کی۔ ہر شعبہ زندگی میں ایک نئی ادب کا تلاش میں محسوس کی جانے لگی۔ جیسے یہ اپنا چلا بدلنے کے لئے گہرا دھی تھی۔ نئی نئی اصلاحات کا مطالعہ شروع و ختم شروع ہو کر پک جانے لگا۔ سیاسیات، ادبیات اور اخلاقیات غرض ہر شعبہ زندگی میں نئے نظام کی تخلیق ہونے لگی۔ نئی چیز عموماً ناکمل ہوتی ہے۔ زمانے کے سلسلہ در در و اس میں بانداری اور کھل کے پور پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی حال جنگ عظیم کے بعد نئے نظاموں کا ہوا۔ چونکہ جنگ عظیم کے بعد فراع قوتوں کی طرف سے انسانی زندگی کا رویہ ظاہر ہوا اس لئے متوجہ قوتوں میں بھی اتنا باندی کا رویہ اٹھائی دیا۔ میں پیدا ہو گیا، چونکہ یہ دونوں نظام — فراع و متوجہ قوتوں کے — ایک قسم کی ضد غلط مفرد اور شدت پسندی پر قائم تھے جس لئے کسی قسم کی دور اندیشی سے کام نہ لیا جاسکا بلکہ صرف موجودہ حالت کو بدل دینے کی خبریں زیر غور رہیں۔ یہ سوچنے کا موقع نہ تھا کہ ایسے آئندہ نتائج کیا ہونگے۔ یہی ممکن پسندیاں اور شدت و دیگر موجودہ جنگ کی ہوائیوں کے ذمہ دار ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہے۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کے دوش بدوش ادبیات میں بھی ممکن پسندی سے کام لیا گیا — حالانکہ ادب ایک مستقل چیز ہے اور اس کی بنیادوں میں ذاتی، غرض کوئی مل کو دنیا سے تباہ کر دینے کے شرف و ہمت، ذاتی، فراعین سے یہ اصطلاح ذاتی پروپیگنڈا ہے۔

دوسرے خوب غلام حاکم کی طرح ہندوستان نے بھی روس کی ہرگز منظور سے ایک فوری اثر قبول کیا، یوں تو ہر شعبہ زندگی میں مکمل و مکمل طور سے اس کی آڑ لگئی لیکن ہندوستان ادب نے عموماً اور اردو ادب نے خصوصاً روسی ادب کی بہت سی خصوصیات اپنے آپ میں جذب کر لیں۔ ادب کی دو قسمیں کر دی گئیں "ادب برائے ادب" اور ادب ہوائی زندگی" ہیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ آیا ادب برائے ادب کبھی خاص یا نہیں بلکہ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ادب اردو نے موجودہ دور میں ادب برائے زندگی کا نظریہ اپنے پیش نظر رکھا۔ یہ تین الفاظ واقعی بہت خوبصورت ہیں اور عام طور پر ان کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر ملک کے ادب میں اس ملک کی محاسن اس طرح دکھائی جاتے کہ اس کے خصوصی مفرد و خاص واضح اور نمایاں ہوں۔

نہیں کہا جاسکتا کہ "ادب ہوائی زندگی" کے نظریہ کے بعد کے دماغ میں ان الفاظ کے معنی بھی یہی تھے جو موجودہ اردو ادب میں سے جاتے ہیں یا اور کچھ لیکن اگر ان الفاظ پر دل و دماغ کو دعوت ٹکروی جاتے تو مذکورہ بالا معنی اس کے علاوہ بھی کچھ اور نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ ادب اور زندگی ایک دوسرے کے لئے ہر وقت ناگزیر ہر قسم ہیں جبے دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہو۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ زندگی ادب کے لئے کہاں تک ضروری ہے اور پھر ادب زندگی کو کہاں تک متاثر کرتا ہے۔

زندگی اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ کچھ انسانی مشا و کیفیت دکھتی ہے کہ ہمیں ایک ہی جگہ منفی و مثبت عناصر کا اجتماع مل جاتا ہے۔ یہ مشا و عناصر جب کموسات پر اثر انداز ہوتے ہیں تو آدمی کے لئے ایک چیز نکل جاتی ہے چاہے وہ خوشی کی ہو یا غم کی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ہم ایک چیز کو ایک لمحہ سے دیکھتے ہیں تو ہنسی پڑتی ہے اور اگر دوسرے پہلو پر نظر جاتی ہے تو آنسوؤں کا سیلاب بہنے لگتا ہے۔ یہی وہ حالتیں ہیں جن میں سے انسانی مادہ طبعی حالات شرکی صورت، اختیار کرتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم ہر چیز کو ایک ہی لحاظ سے دیکھتے ہیں اور ہمیں اس سے ہمدرد پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ ہمدردی ہفت کے لئے قائم رہتی ہے اس کے برخلاف کبھی کوئی چیز ہمیں مسکرانے کی دعوت دیتی ہے ہم ہنسنے لگتے ہیں اور ہنسنے سے بچتے ہیں اور یہ خوشی عرصے تک دلی میں باقی رہتی ہے۔ یہی سب صورتیں ہیں ہم دونوں عالموں

اور نہ ناک تھا اور خدمت خلق کے لئے یہ آواز اٹھائی گئی تھی۔ اس لئے ہمدردی کے جوہرے گلوں نے سکھ کر انگوں پر جگ دی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر جگہ والی چیز سوزا نہیں ہوتی۔ اگر واقعی اس شخص سے جو کہ انسانوں کی خدمت اور امداد کا علم ملد کرنا تو آج یہ جنگ عظیم کا دور بدینہ ہوئی۔ وہ بھی جی کہ یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح روس دنیا کی حمایت کا خواہش مند تھا اور اس کے لئے فردوسی تھا کہ وہ دنیا کے سامنے ایک ایسے بارے میں پیشا ہوا ہے جس پر شہر چوند گئے ہوں، وہ جانتا تھا کہ جنگ عظیم کی سلسلہ شب بیداریوں سے تھکی ہوئی آنکھیں آہ ام لینے کی کوشش کر رہی ہیں اور وہ اس حال میں کہ خستہ بارے کو چہرہ پر ہر پیریاں کو دیکھ کر کہیں۔ روس کا یہ خیال بڑی حد تک صحیح تھا لیکن — اس میں بانداری نہ تھی۔



میں بھی پایا جا سکے۔ فرزندِ خدا کی ادب پر مجھ واقعات کا عکس ڈالتی ہے تو ادب اُن حقائق کے پیشتر نظر غالب رہو بدل کرتا ہے۔ گویا اندک در لغز ہے اور ادب غیبی۔

اب ہیں یہ یہ کتاب کہ آیا موجودہ اردو ادب میں ادب برائے ذہل کے نہ ہو گا  
 احوال یعنی شخص کو بڑی طرح غور و فکر کیا جاتا ہے یا نہیں۔ میں بہر حال کہ شخص  
 یا کسی اور اس کے ساتھ ساتھ حیرت بھی ہوتی ہے زہارِ عربیہ، دل پر  
 ایک نگہ عمل اور آواز ہوتا ہے۔ اور وہ ہے شخص، ہمارے ادب میں جو کہ حیرت  
 میں سر ہلکا دیکھنے میں آتا اور اللہ تعالیٰ بچ دیتے ہیں اور وہ ٹری منڈک کا سیلاب ہوتا  
 ہے لیکن دوسرا پہلو ————— غلام ————— شاید اب تک سخن تو میرے ذہن کا سا  
 وہ غلام عورتوں کی ہر روزی کا نقشہ نہایت زبرد اور الفاظ میں سخن کے ہیں  
 وہ شکل سراب داروں کی چہرہ دیکھوں کی دل کو بھٹے میں ہمارے لیکن زبانی  
 کہہ دے ان زانوروں کے کتاب سے خبر لوشی کہنے میں۔

ایک عام شخص اور ایک ادیب میں یہی فرق ہے کہ عام آدمی کسی حالت سے متاثر ہو کر دیکھتا ہے لیکن ادیب اس حالت کے بوجھ اس کے شوق اور اس کی تیراغ و تحریک کے ذریعے ابھی غور کرنا پسند کرتا ہے اور پھر اپنا تجویز دینا کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اس کا اٹل دینے کے لئے اور فہموں میں اتھارنے کے لئے دو دوڑا دینے کے لئے ایسے ہی ایجوکاتر ضرورت ہے اور حقیقت یہی لوگ ادب براہے دھنک کے طور پر دیکھتے ہیں۔

میدار کیلئے عرض کیا، ادب ایک مستقل چیز ہے اس کے لئے نہایت خود نوکری ضرورت ہے اور جو فن ایب جو ادب رست زندگی کا نام نہیں قطعاً نہیںوں میں جھٹلا کر گئے ہیں دراصل ادب اردو کو ذوقِ اعلیٰ بخانا ہے جس اور وہ صرف ایک ہی ہو گا ورنہ ادب رست نہیں ہیں اور جو کہ یہ بلو غیر دوسرے پہلو کے ناکمل اور بے تکلف ہے اور بے تنقید و طبقہ سے غیر ملکی ہے۔ چارے نادان اعلیٰ اور ادب نے جوڑے ہیں نہ تنقید لگا کر چھڑ رہا ہے جس کے نتیجے میں عفوئی اور گھناؤنے پرن کے کوہِ کھار کا مل نہیں آگئے۔ پھر اس طرح ہوا تو ایک دن ناسورین کرنا فہم اعلیٰ ہو جائیگا۔ ضرورت ہے کہ ہر عمل پر حجامی کیا گیا ہے تو سرعام کا بھی انتظام کیا جائے ورنہ مگر نہیں ہے کہ وہی حالتیہ در ۴۔

مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ہم انسان کو کیمینٹ انسان کے دیکھتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں کو ایک آدمی زندگی بھر نہیں دوسکتا۔ ہمیں یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ ہم ہر شے خوش بھی نہیں دے سکتے۔ فقہوں کے بعد انہوں نے غزوہ جی اور اگر انہوں نے زندگی میں جہر پیدا ہونے لگے۔ ہمیں رونے کے بعد دنیا چاہئے چاہے وہ ہر خدشہ کی کون نہ ہو تیر تو جی شاعر غمخیز ہیں۔ لیکن وہ بھی ہنستے ہیں۔ یہ بات سمجھنے کی کو شش کرنے ہیں اور انہیں غمخیز ہونا ان کی ساری سنی شراب کی ہی ”دھکا“ دینے لقی ہے۔ سودا اپنے زمانے والے نہیں ہیں لیکن کیا انکے غمخیز کے لیے ایک لکڑی نہیں ملو جی؟ ہیں اگر سلو جی تو اسے کہ زندگی اور ادب کا لٹکا کر اٹھان ہے اسی سے ہیں اسکا بھی احساس ہو جاتا ہے کہ ایک ادب کو ————— جواد اب برائے زندگی کا قاتل ہے۔ زندگی کے مقابلہ میں یہ نظر ڈال کر ایسی بات ماننا دوسرے الفاظ کا جامہ بڑھا دینا ہے۔ تا کہ غلط ٹھاکر جواد اب کی زندگی ہے، قطع نہ ہونے پائے کسی مرض کے علاج کے لئے مریض کے حالات سے بڑی واقف ضروری ہے ہی وہ ہے کہ جب ہم زندگی کی کسٹوریاں دہر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کو روک دینے سے واقف ہونا چاہئے تاکہ صحیح علاج ہو سکے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مرض کی تشخیص کر بھی لی جائے تو علاج کیا طریقہ ہو گا؟ اگر دوسری بحث کا آغاز ہوتا ہے لیکن کچھ زمانہ چلے گا تو کہ ادب برائے زندگی کے غمخیز ہیں اسکا بھی جواب ہو پڑا ہے ہم یہ سمجھتے تھے کہ زندگی نہیں ادب کے لئے ضروری ہے۔ اتنا ہی ادب زندگی کے لئے ضروری ہے۔

ابھی تک ہم نے ادب اسکے زندگی کی ضرورت پر بحث کی تھی اب ہم بتانا ہے کہ زندگی کو ادب کی تفریق ضرورت ہے۔ ہمیں پہلے جو جھگڑا تھا جس کے ادب زندگی کے لئے کہیں زیادہ مفید ہے۔ مگر زندگی ہی سے ادب کی ابتدا ہوئی ہے۔ جس ادب کو ہم ادبِ راست زندگی کہتے ہیں اسکی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ زندگی کو فائدہ پہنچائے اور اصل ادب جو راست زندگی کو کامیاب کر دے اس شخص کو انیس ہے بلکہ وہ زندگی کے لئے اس کے نامزدوں کے لئے بھلا۔ روحی حوالی انھوں کے لئے دروازہ دیکھ کر یہ اس مستقبل کے لئے دستِ شفقت ثابت ہوتا ہے وہ ایسے طریقے بتاتا ہے جس کو دنیا کی جانب سے آزادی کی تسکین دینی ہو سکے۔ اسکا کام ہے کہ زندگی کو خوشگوار اور خوشگوار بنائے۔ لیکن اس کے ساتھ اسکی نفسی یہ محنت بھی رہتی ہے کہ انسان اپنے فرائض میں اس کے پیش کردہ طریقے اس کو آسان اور مطابق خاطر چلائے جائیں کہ انھیں عمل

## مقام دوست

آسمان خود ترے کو چے کی زمین ہو لے دوست  
یہ سماں اور دو عالم میں کہیں ہے اے دوست  
پائے اقدس پر ترے مری جیسی ہو لے دوست  
نقشِ تعمیر یہاں نقشِ ذکر ہے کہ نہیں  
دلگ لانا ہے ہمیں شام و صبح کا عالم  
ہر طرف اور ہی الفت کے اثر کا عالم  
نظرِ انور ہے ہر جلوہ معصوم یہاں  
زندگی پانی ہے ہر جھنسی موبوم یہاں  
کھینچ لایا ہے مجھے جذبہ کامل اے دوست  
ذرہ ذرہ ہے محبت کا پرستار یہاں  
خارج از بحث ہے خود ہستی اغیار یہاں  
کس کی سرکار سچا لے کو ہے دربار یہاں  
کبوتر و طور شرف پائیں جو بکھائی کا  
امتحان اپنی نگاہوں کا ہے منظور یہاں  
چشمِ نظارہ ہے اور جلوہ ستور یہاں  
عام ہے سیکرہ عشق کا دستور یہاں  
ہاں سجاتی ہے ہمیں بزمِ حقیقت میں لے  
بانگی ہیں اس کے لئے کتنی دُعائیں میں لے  
دیکھے جب اپنے قریب غلوتِ دایاں میں لے  
بھڑسی کیوں نہ رہے عشق کے دیوانوں کی  
نورِ اکبر جہاں ہے تری عظمت کی قسم  
یہ عنایت کر لگا ہوں کو جوانی دے دی  
دایمہ عنایت ہے اے دوست سرِ دل سے مجھے  
اپنے دل کو ہمیں آسودہ منزل کر لوں

اے نہ ہے ادب کہ تو عرشِ نہیں ہے لے دوست  
ہر نظر کے لئے اک نقشِ جیس ہے اے دوست  
میں قریب ترے ہوں تو میرے قریب ہو لے دوست  
یہ زمین مرکزِ صد جن و نظر ہے کہ نہیں  
دیکھتے رہے یہاں نفس و فہم کا عالم  
دل کے عالم سے جڑا گا نہ نظر کا عالم  
دیکھنے والا نہیں دیدے محسوس یہاں  
موت کہا ہے یہ کسی کو نہیں معلوم یہاں  
بن گئی اب مری منزل تری منزل اور دوست  
ایک اکٹھے سے عقیدت کا ہے اظہار یہاں  
جو میں نااہل وہ پاتے ہی نہیں بار یہاں  
ہر نظر حق کی ہے غاشیہ بردار یہاں  
ہمیں موعظ ہے دو عالم کو جیس مسائی کا  
یوں ہی لہرائی رہے برقی سرطور یہاں  
لاکھ پردے سہی چھتا ہی ہے نور یہاں  
جو بھی ہے جو عشق بادہ معصوم یہاں  
ہاں ہمیں پانی ہے مزارِ محبت میں لے  
بارہادی ہیں محبت کو صدا میں میں لے  
خود اٹھائے ہیں حجابات درخشاں میں لے  
ہمیں آباد ہے دنیا مرے ارمانوں کی  
تجھ پہ قربان ہوں امانِ محبت کی قسم  
ہلے ہی دل کو محبت کی لٹانی دیدی  
اس سے بڑھ کر ہے حلق تری منزل سے مجھے  
مقصودِ زندگی عشق کو حاصل کر لوں

حرزِ جاں کر ہی لیا ہے ترانام اب اے دوست  
نقشِ دل ہو کے رہے تیرا تمام اب لے دوست  
آغا بہر ہانپوری

تمثیل  
رہنمائی

## ہمارا کون؟

افراد:-

شاید — ایک لابیائی قسم کا انسان، کالج کا پروفیسر یا شادی شدہ۔  
 ثریا — شاید کی بوجی، تعلیم یافتہ۔  
 ارشد — شاید کا غیر خواہجہ۔  
 جمیل — شاید کا بے تکلف دوست۔  
 شیخانی — ماما اور کھلائی۔

(منظر:- ایک آدھار سٹرو — شاید اور ثریا یوں کھڑے  
 کا آواز کرتے ہیں)

شاید - ثریا، کیا کھانا ہے۔ مجھے آج کالج ذرا جلدی چاہیے!  
 ثریا - کھانا تو ہے ہی ہوا چاہتا ہے۔ کیا کوئی خاص کام ہے؟  
 شاید - ہاں خاص ہی کچھ — کیا کچھ ایسا ہے آج؟

ثریا - ماش کی دال اور بیگن کا بھرتہ —  
 شاید - ماش کی دال کی بات تو فریسنے ایک مرتبہ افغانی بھان کھائے ہو کتنا تھا  
 کہ اگر ہندوستان میں کوئی فوٹ نہیں شے ہے تو وہ ماش کی دال ہے —  
 لیکن یہ بیگن کا بھرتہ آفیم کیوں بکایا کرتی ہو۔

ثریا - واہ! آپ کو معلوم نہیں کہ بیگن میں بہت کافی پروٹین پائی جاتی ہے  
 شاید - (غافل سے بوجی) کیا خوب؟ تمہاری ہاتھیں دینا سے نرالی ہے۔ نیم سے کھانے  
 کدیا کا جگن میں پروٹین پائی جاتی ہے؟

ثریا - اچھا — دیکھو — یہ تو عصمت کا تازہ پریم — اس میں دیا ہوا  
 ہے کہ نہیں؟

شاید - لا حول ولا — عصمت کا تازہ پریم — کیا خوب — جلد بھی  
 کوئی قابل قبول دلیل ہو سکتی ہے۔ اسی سے تم کو تو یحیٰ کی کوئی انگریزی  
 کتاب دیکھنا چاہیے کہ صحیح حقیقت ہو سکے۔

ثریا - تو کیا اسے جسے رسالہ میں جس نہیں کا مضمون ہے وہ غیر تحقیق اور محلو آہی

کے تعلق ہو گیا ہے؟  
 شاید - اسٹنڈرڈ — مجھے مضمون لکھنا پڑھا کیا، اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن  
 ہاں میں سمجھتا ہوں کہ — غالباً — اس میں ولایتی بیگن  
 ہونا چاہئے — فقط ولایتی رہ گیا ہے۔ اس لئے کہ ٹائر ایک ایسی  
 چیز ہے جس میں بہت کافی چیتیں ہوتی ہیں۔

ثریا - ولایتی بیگن اگر معصوم ہوتا تو ٹائر زبان خود خاص و عام ہے —  
 ٹائر ہی کھا جاتا لیکن —  
 شاید - (بات ٹائر) اچھا — کل میں ایک کتاب لاؤنگا —  
 اس میں دیکھ کر یہ فہرے ہو جائیگا۔ اسے شیخانی —  
 ادیشخانی۔

شیخانی (آتے ہوئے) جی سرکار!

شاید - ارشد سو گیا؟

شیخانی - سو گئے ہیں سرکار — لیکن ابھی انہوں دینا باقی ہے۔  
 شاید - (متوجہ ہو کر) ہائیں — یہ انہوں کیسی؟ ثریا کی تم ارشد کو انہوں

دینا شروع کر دی ہے؟

ثریا - کیا کیجائے — آج کل خدا جانے کیوں بہت رولہ ہے —  
 اور دور کو اپنی جانی بھی ادھی کر لیتا ہے اور کچھ بھی پریشان کرنا ہو —  
 اجابت پائی میسی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں دانت نکل رہے ہیں یا کیا معذہ ہو؟

مشاہد۔ تھی بہ انہوں دفون دینا تو بھک نہیں۔ یہ کس کتاب میں تم نے دیکھا؟  
ثریا۔ لیکن پھر گھر بار کیونکر کیا جائے۔

مشاہد۔ شیخانی کس مرض کی دوا ہے؟

شیخانی۔ حضور میرا حساب کر دیں اور کھانا سناٹ کر لیں۔ ہم سے بیویوں دن کی بیخ بکار  
نہیں سنی جاتی سرکار۔ بچہ لکھانا عذاب ہو گیا ہے اور پھر حضور انہوں دینا  
بھی بند کر دیں گے تو نہ معلوم اس کی کیا حالت ہو جائیگی۔ ایک تو دن بھر کھڑے  
دھونا۔ اور پھر۔۔۔۔۔

مشاہد۔ (گود کر) کیا کبھی ہو؟ اچھا اگر تجھے نوکری نہیں کرنا ہے تو کل تیرا حساب  
ہو جائیگا۔

ثریا۔ آخر انہوں دینے میں نقصان ہی کیا ہے۔ ہم نے تمام ترسے گھوڑوں میں کیا  
ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے۔۔۔۔۔ شاید کسی رسالہ میں بھی میں نے۔۔۔۔۔

مشاہد۔ اچھا رسالوں کی بات تو تم رہتے دو۔۔۔۔۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ عورت  
کے اگر ناک نہ ہوتی تو۔۔۔۔۔

ثریا۔ (بات کاٹ کر) یہ کیا آپ کہتے ہیں۔ عورتوں ہی کی جعلت تو مڑکی تو دنا  
تعلیم و تربیت اور عادات و اخلاق عالم وجود میں آئے ہیں۔۔۔۔۔

عورت۔۔۔۔۔

مشاہد۔ (بات کاٹ کر) بس میں تم نے میرے دل کی بات کہ دی۔ واقعی عورت ہی  
اپنے بال بچوں کی پرورش و پرورش کی تمام تر ذمہ دار ہے اور یہی چیزیں  
تم پر واضح کرنا چاہتا تھا۔

(اچھے چہرے)

انہ۔۔۔۔۔ تو بچ گئے۔۔۔۔۔ اچھا بھئی کھانا نکالو۔۔۔۔۔

آخر دیر ہو رہی گئی۔۔۔۔۔ مجھے جلد پہنچنا ہے۔

۔۔۔۔۔ (اسی روز شام کو)۔۔۔۔۔

مشاہد۔ ثریا۔ اب کتاب اس میں پھر کتم کو معلوم ہو گا کہ کھانے کی چیزوں میں  
فیصدی کتنی قوت پائی جاتی ہے اور کون کون سی چیزوں کی کیا کیا تاثیر ہے

۔۔۔۔۔ یہ دیکھو کتاب کے اوراق الٹ پلٹ کر سننے کی آواز

اٹھا۔۔۔۔۔ جس میں بہت زیادہ قوت دار عناصر ملتے جلتے ہیں

بیمبیل۔۔۔۔۔ یہ چاول۔۔۔۔۔ یہ سرگ کی دال۔۔۔۔۔ یہ مٹر۔۔۔۔۔

دیکھو کہیں بھی اس میں بیگن کا ذکر ہے۔

ثریا۔ لیکن میرے خیال میں ہوتا ہی چیزیں اس کتاب میں کھنے سے رہ گئی ہیں  
مشاہد۔ کیا خوب؟ اس سے بہتر انجمن پر دوسری کتاب نہیں، میں نے تمام لائبریری  
جہاں ڈالی ہے، تب یہ کتاب دستیاب ہو چکی ہے۔

ثریا۔ ایک مرتبہ میرے چچا ایک پرچہ ”لگاڑ کا لاسے“ تھے جس میں باب الاستغفار  
میں اکثر کھانے کی چیزوں کا تذکرہ تھا۔

مشاہد۔ ان رسالوں برمت جاو۔۔۔۔۔ میں نے تم سے نیٹل بارکھپے کا اردو  
صحافت استاذ بن گئے تھے، ایک دفعہ اس پر درخش جاتی رہی ہے کہ اسکی تیلیوں  
میں وہ جسات نہیں کہ وہ زیادہ روشنی کی مخل ہوتے۔

ثریا۔ یعنی اس سے مراد کیا ہے۔۔۔۔۔ آجکی؟ کیا اردو دنیائے صحافت  
تو بہ تو بعض بیکار اور فوجیہ ہے؟

مشاہد۔ جنگ۔۔۔۔۔ لیکن اردو جو کرم کو از سر نو اور OVER NEW  
کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

(شیخانی داخل ہوتے ہیں)

شیخانی۔ بلگم صاحب، ارشدیاں کو لے لیجئے تاکہ میں چلے اور گٹے ٹھوڑوں۔  
مشاہد۔ ثریا۔ ارشد روز بدزد بھائیوں ہوتا جا رہا ہے کیا اسکی شکایت

اب تک رنج نہیں ہوئی؟

ثریا۔ آپ نے جو دھلا کر دی تھی اسکا استعمال تو برابر کیا گیا۔ لیکن اس سے  
کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

مشاہد۔ اچھا آج میں پھر ڈاکٹر سے حال کوگیا۔ لیکن تم نے بہتر نہیں کیا دینے دوا  
۔۔۔۔۔ یہ دوا تو بچوں کی بیماری کے لئے اکبر ہے

اچھا ہاں۔۔۔۔۔ میں بھول گیا۔۔۔۔۔ دیکھو یہ ایک کتاب اور ہو۔۔۔۔۔

زیادہ صفحات نہیں ہیں اس میں تم کو بچوں کی پرورش و پرورش کے

اچھے اچھے اصول ملیں گے۔۔۔۔۔ تم اسکو ضرور پڑھنا اور جانک

ہو سکے گرا مطالعہ کرتی رہا کرو۔۔۔۔۔ ساتھ ہی ساتھ مغزیں بھی

لکھنا شروع کر دو۔۔۔۔۔ ملک و قوم کی یہ بھی ایک بڑی خدمت ہے

بکھیں اس طرح تمہاری معلومات میں بھی اضافہ ہو گا اور طبیعت بھی بہتر ہو گی؟

ثریا۔ بہتر ہے۔

۔۔۔۔۔ (دوسرے روز صبح)۔۔۔۔۔

شاید اسے شیخانی — کھانا تیار ہے؟  
 شیخانی سرکار بھی چلنا چاہتا ہے — اب ہانڈی چھانے جا رہی ہوں۔  
 شاید — ہائیں — چلنا چاہتا ہے — ۹ بج چکے ہیں اور ابھی تک کیا  
 سو رہی تھی — تیرا دماغ تو خواب میں چوکیا ہے۔  
 شیخانی سرکار برقعہ نہیں ہے — کیا کروں میرے سے کپڑے دھوئی  
 تھی — پھر اندھیاں کو نلایا دھلایا — جب دودھ  
 پیکر وہ سو گئے تو چیلے پاس آئی۔  
 شاید — اور بیگم کہاں ہیں۔  
 شیخانی — ہاتھوں والے کمرہ میں ہیں سرکار۔  
 (شاید جاتا ہے)

شاید — کیا ہو رہا ہے تریا —؟  
 تریا — حضور لکھ رہی ہوں۔  
 شاید — اچھا میں تو اب کچھ جا رہی ہوں — سوا نو بج چکے ہیں۔  
 تریا — کھانا کھائیں نا —  
 شاید — کھانا بھی تیار نہیں ہے۔  
 تریا — میرے سے تو آپ نہ معلوم کہاں چلے گئے تھے — درندہ ارشد  
 کو ذرا ہلاکت دینے کو کھانا شیخانی تیار کر لیتی ہیں تو صبح سے آپ کے کھنے کے  
 مطابق حضور لکھ رہی ہوں۔

شاید — اچھا — ہاں — فیڑھیک ہے — آج جمعرات ہے  
 پہلے دو گھنٹے میرے خالی ہیں۔ بہت ٹھیک ہے —  
 لوں جانا ہوں — ہانڈی دیکھ لیتا ہوں —  
 (شاید جاتا ہے)

شاید اسے شیخانی — کیا کر رہی ہو — معاف کو وغیرہ تیار ہو!  
 شیخانی — جی ہاں تیار ہے — لیکن ابھی گوشت نہیں سویا ہے۔  
 شاید — گوشت کو مت دھویا کرو — دھوئے اسکا ذائقہ جاتا رہا ہو  
 — سمجھیں —  
 شیخانی جی — سمجھ گئی۔  
 شاید — کھی کہاں ہے  
 شیخانی — اے حضور — آپ کا بیکو ٹھیک کر رہے ہیں — میں بھی

— تیار کر کے دیتی ہوں — کہتے تو بیگم صاحب کو بلاؤں —؟  
 شاید — نہیں نہیں — بیگم صاحب حضور لکھ رہی ہیں — لہذا  
 میں نے یہ سوچا کہ خود ہی دیکھ جال کروں؟  
 شیخانی — جی آپ کی مرضی — یہ لیجئے کھی کا مرنجان — پیاز تو  
 کھاٹ لوں؟  
 شاید — پیاز کا کیا ہوگا — پیاز سے گوشت نہیں بگھار جاتا ہے —  
 ونگس سے یا میتھی سے بگھلا کرو — آئندہ ہرگز ایسا نہ کرنا —  
 اچھا بتاؤ زکریا کو کسی لائی ہو۔  
 شیخانی — ٹائٹل میں سرکار۔  
 شاید — ٹھیک ہے — لیکن گوشت جب تیار ہو جائے تو ٹائٹل کھاٹ کے  
 ملا دینا۔ —  
 شیخانی — سبک نہ رہیں گے حضور  
 شاید — کہتے ہی تو رہنا چاہئیں — تاکہ اسکا اثر آئن نہ ہو —  
 (بچہ کے رونے کی آواز)  
 شاید — اچھا شیخانی میں پھر آؤنگا — ارشد اٹھ بیٹھا ہے ذرا اسکو  
 باہر لے جانا ہوں — اور ہاں دیکھو تم میرے کھنے کے مطابق  
 سب کام کرنا —  
 شیخانی — بہت اچھا سرکار  
 (شاید جاتا ہے)

شاید — راہ میں اٹھ بیٹھے — آؤ آؤ — روتے بکوں ہو  
 جو نہیں سیر کر رہیں —  
 (دروازہ کھلتی جاتی ہے)

شاید اس وقت کون آدھکا —  
 (بچہ کو گود میں لئے باہر جاتا ہے)

جمیل — ہوشیار  
 شاید — ادو — جمیل — تم کب آئے — جھانسی سے  
 آ رہے ہو کیا؟  
 جمیل — ہاں مجھے تجھے ہی دو بہن کی ٹرین سے فیض آباد جانا ہے بہت ضروری  
 کام ہے میں نے سوچا ٹرین میں دیر ہے جب تک تم سے ملاقات کو لی جائے



(اور جتنا ہے)

شاید۔ ارے تریا تمہا بھی نکلیں ہو۔ اب چلو تو یہاں سے۔  
 تریا۔ ایک منٹ۔ ایک۔ ایک۔ منٹ۔  
 شاید۔ کچھ نہیں۔ معلوم ہے کہ باجمیل کھڑے ہیں۔ پھر بھی لگا دے  
 کر دیں دھڑا دیے بھی ہو۔ چلو بس اب یہاں سے فوراً جاؤ۔  
 تریا۔ ارے۔ ارے۔ دوات۔ دیکھو گر بڑی۔ اور آخر سارا  
 صفحہ خراب ہو گیا۔ جاؤ بھئی۔ ساری محنت پر پانی پڑ گیا۔  
 (تریا جاتی ہے) (شاید دروازہ کھولے)  
 شاید۔ آؤ بھی جمیل۔ اندر آؤ۔

(جمیل داخل ہوتا ہے)

جمیل۔ بھئی شاید۔ اب تو وقت بہت تنگ ہے۔ (گھڑی دیکھ کر)  
 صرف ڈیڑھ گھنٹہ گاڑی میں باقی ہے۔  
 شاید۔ اچھا تو بہتر ہو گا کہ آؤ بس سواراٹ چل کر کچھ کھا لیں۔ میں بھی  
 صبح سے کچھ نہیں کھا ہاں اور شاید تم بھی!  
 جمیل۔ بات کاٹ کر، کون۔ کیا بات ہے۔ کیا، موجود نہیں؟  
 شاید۔ نہیں ملا تو موجود ہے۔ لیکن کئی بات ہے کہ تریا مضمون  
 لکھتی رہیں اور میں بچہ کو کھلا رہا تھا۔ کچھ دیکھ بھال نہ ہو سکی  
 بیشعانی ابھی تک کھانا تیار نہیں کر سکی ہے!  
 جمیل۔ اچھا بیشعانی ہو کر کھانا جلد تیار نہیں کر سکتی۔ عورتوں کا  
 کام تو خود جوڑیں ہی بہت ہونی لای، اطمینان اور محبت سے کرتی ہیں  
 نجیب ہے کہ۔

شاید۔ (بات کاٹ کر)۔ جب تک ہے۔ لیکن شعیانی ابھی ڈشٹ ہے  
 کھانا پکانا نہیں جانتی۔ اگر بچاتی دکاتی ہیں ہے تو کچا بچا  
 جمیل۔ تو کیا ابھی دیکھ بھال نہیں کر سکتیں؟  
 شاید۔ ان کو مضمون نگاری سے فرصت نہیں ملتی  
 جمیل۔ (نہل کر)۔ عورت کو مضمون نگار ہونے کے بجائے اونیوزنگ داہی  
 کا منظر انداز کرنا ہونا ضروری ہے۔

شاید۔ ارے کھئی۔ امیر خانہ داری، پرورش اولاد اور دیگر باتیں  
 کے ماحول بھی تو پہلے معلوم ہونا چاہئیں۔ بھلا بڑی کرنگی تو کیا

یہی وجہ ہے کہ میں نے ان کو کتب بینی اور مضمون نگاری پر  
 توجہ دلائی ہے تاکہ انکی اصلاح ہو سکے۔ اور وہ ایک سلیقہ مند  
 بیوی بن سکیں۔

جمیل۔ نہیں۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے شاید۔ ایک عورت  
 خوب جانتی ہے کہ اپنی حسبِ ثبوت اور ضرورت کھانا کس طرح پکایا  
 جاتا ہے اور ایک ماں خوب جانتی ہے کہ اپنے بچہ کی پرورش اور  
 تربیت کس طرح کی جاتی ہے۔ قدرت خود اس کو سب کچھ  
 سکھا دیتی ہے۔ مرد کا کام بچہ کھانا اور باورچی خانہ میں  
 حکمرانی کرنا نہیں۔ مضمون نگاری، کتب بینی فرصت کی چیز ہیں  
 ہیں۔ عورتوں کا گھر بڑے دروازوں سے عمدا برا ہو کر مضمون نگاری  
 کرنا کوئی احسن فعل نہیں ہے۔ بہتر طریقہ زندگی کو دو اچے دیناروں کا  
 فرض آؤں ہے۔ تم نے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ تمام دراصل  
 اور انہوں میں۔ اچھا۔ جتنی شاید۔ آؤ چلیں۔ اس لئے  
 کہ مجھے کہیں دیر نہ ہو جائے۔

شاید۔ ہاں۔ اچھی بات ہے۔ میں کپڑے پہن کر ابھی آیا۔

۔۔۔ (اُسی روز شام کو)۔۔۔

تریا۔ ذرا آئندہ کو لے لیجئے۔ مجھے ایک مضمون کے لئے کچھ نکات نوٹ کرنے ہیں۔  
 شاید۔ مجھے یہ کتاب ختم کرنی ہے۔ اور ابھی۔ دونوں کتابیں بھی دیکھنی  
 باقی ہیں۔

تریا۔ اچھا وہ میرے مضمون آپ نے دفتر میں دیدیا تھا نا۔

شاید۔ وہ مضمون جب میں کالج جا رہا تھا۔ نہ معلوم کہاں کا پی سے  
 نکل کر گر گیا۔

تریا۔ اب۔ کیا کہا آپ نے۔ مضمون گویا۔ دیکھئے تو کس مشکل  
 سے۔۔۔ (ارتدرونا ہے)

شاید۔ دیکھو ارتدرو کو بھلاؤ۔ فیادہ روئے نہ دیا کرو۔ بچے اس طرح  
 چڑھ چڑھے ہو جاتے ہیں۔ ابھی ابھی میں نے اسی کتاب میں ایک جگہ پڑھا ہے۔

تریا۔ اچھا میں ذرا دیکھوں کہ مضمون کی نقل میرے پاس ہے کہ نہیں؟  
 شاید۔ تریا۔ تریا۔ دیکھو مجھے کچھ دے دے ہیں۔

ذرا کڑے تو کس سے نکال دو اور ہاں — قبیل میں بن وغیرہ بھی لگا دینا  
 دیکھو — ایک بات اوسے کل صبح میرے ایک دوست  
 کھانا ہمیں کھائیں گے — لہذا تم ابھی سے سامان وغیرہ منگوا کر رکھ لو  
 اور سنو — دیکھو — ایر — !  
 ثریا (بات کاٹ کر) جس پر سب کچھ بد میں کر دنگی — اب خود دیکھ لیجئے گا  
 میں اپنا مضمون —  
 شاہد اور ہاں — کیجیے — صند و چرسے دام نکال لاؤ۔  
 ثریا لیکن مجھے کل والا مضمون مل کر رہا ہے —  
 شاہد ہاں اور سنو — مجھے چاول کے ساتھ بالائی ضرورت گولین —  
 ثریا (جھنجھلا کر) بھی میری جان نہ کھائیے — میں کچھ نہیں —  
 شاہد — شیخانی — اوستیخانی!  
 شیخانی (داخل ہوتے ہوئے) جی سرکار  
 شاہد دیکھو کل ایک عذاب کھانا کھائیں گے — تم ثریا سے دام لیکو کچھ  
 وہ کہیں ابھی جا کر بازار سے سامان لے آؤ — درز دات ہو جائیں  
 تو دو کاغذ —  
 ثریا دو کاغذ کس جہلے میں — میرا مضمون —  
 شاہد لا حول و لا قوۃ — اچھا شیخانی تم جاؤ —  
 (شیخانی جاتا ہے)  
 لاؤ — کہاں ہے تمہارا مضمون — میں دیکھوں —  
 ثریا (کچھ کتابیں الٹ پٹ کرتی ہے) یہ رہا — یہ ہے اسکی نقل  
 — ادھر ادھر کی ہوا ہے — غیر — آپ کو پڑھنے  
 میں زحمت ہوگی — پڑھ کر کیا کہیے گا۔  
 شاہد نہیں — مجمل کہنے سے کہ تمہارے مضامین میں بھی سخت صلاح کی ضرورت  
 ہے۔ بغیر نغرائی کے اور ہلاسی کو دکھاتے ہوئے کہیں بھی مضمون نہ بھیجا  
 جاتے۔ اس سے بھی بنائی اور رخت ہوتی ہے — میں شروع کر  
 چکے ہیں کیا یاچوں — لیکن تم —  
 ثریا اچھا — ذرا ارشاد کو لے لیجئے — میں آپ کو دکھاؤں۔  
 شاہد ذرا دیر سکے — بھی خدا کے واسطے — مجھے یہ کتاب پوری لگتی ہے۔  
 ثریا لیکن میری کھانے وغیرہ کا اظہار تو کرنا کہہ سکتی ہوں — ابھی سارا  
 مضمون نہیں لکھا باقی ہے — خود ہی دیر سکے لے لیجئے —

شاہد اچھا تو یہ مانا — لیکن شیخانی کے واپس آئے تک —  
 ثریا ہاں ہاں بس شیخانی کے واپس آئے تک — میں اسے دم دیکر روانہ  
 تو کر دوں — (اخذ جاتی ہے)  
 (شاہد بیکہ کھانا ہے — بچہ روزانہ شروع کرتا ہے — شاہد پریشان ہو کر آواز دیتا ہے)  
 شاہد ثریا — اسے ثریا — کونہ اس نے پھر وہاں شروع کر دیا —  
 ثریا — اسے خود ہی دیر بھائیے — جب ہو جائیگا — اچھا ہاں شیخانی تو تمہارا  
 جلدی کی جلی جاؤ — دیکھو بچہ نہ رہنا — بس چاول، آشور اور  
 گھی لیتی آؤ — جلدی جاؤ؟ — (بچہ بار بار دہراتا ہے)  
 شاہد (انگ آکر) بھئی ثریا — یہ اپنے بس کے نہیں — کونسا لڑکھن  
 نہیں تو میں انہیں چھو لے میں لٹا ہوں — اے — اے —  
 — بس اب میں بالکل آزاد ہوں — تم جاؤ — تمہارا کام چلے۔  
 ثریا ہاں ہاں — بچہ بگڑا ہے اور آپ کا بچلے — اسے گودی میں لے کر  
 باہر نکال لائیے۔ میں اتنی دیر میں اس مضمون کو صاف کئے لیتی ہوں —  
 شاہد بھئی — یہ کام اب کھڑے نہیں ہو سکتا۔  
 ثریا (انجیب سے) نہیں ہو سکتا — کیا مطلب؟ آپ نے کبھی کیا نہیں کیا؟  
 شاہد کیا تو ہے — نگرا نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچہ کھانا اور توں کا کام ہے  
 براہِ اختیار سے خوب ہوتا ہے۔  
 ثریا رشید ذات کو چھوڑیے۔ ذرا اسے لے لیجئے۔ بھلا پھر مضمون نگاری کی کجی  
 آج کل وہ نور دوں کا کام ہے نا؟  
 شاہد جی — کیا کہنے آپ کی مضمون نگاری کے بہتر ہے آپ اب مضمون نگاری  
 چھوڑ دیں —  
 ثریا واہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بھلا میں اور مضمون نگاری چھوڑ دوں۔  
 جس نے مجھے بہترین خانگی اور اور تربیت الخال کی تعلیم دی —  
 شاہد تمہارا خیال بالکل غلط اور سزا پاہل ہے؟  
 ثریا وہ کیسے؟ — آپ تو کہتے تھے کہ اس کا بہترین طریقہ ہے  
 شاہد (گھبرا کر) اچھا بھئی — اب میری جان کھائے مجھے کیا ختم کرنا ہے۔ لہذا یہی چلا۔  
 ثریا ارے ارے — ذرا سنے تو —  
 شاہد میں سب کچھ سن چکا — اب تمہارا کہنا وہی ہے کہ تم کا کتبہ میں اور مضمون نگاری کے  
 گھر کی دیکھو حال آؤ خدا کی برکت سے وہ بھی لکھی ہو — تمہارے آپ بھی بہتر ہو  
 (خدا کی چاہ و قدرت کی پوری تعریف ہے) — کسٹور پریمی



## افکارِ عالیہ

کسی جا پھر نظر آجا مالِ آرزو ہو کر  
دلوں کو ٹٹنے والے نظر کے روبرو ہو کر  
رواں ہیں آنکھ سے آنسو خلوص شوق تو دیکھو  
کسی کو یاد کرتا ہوں ہمیشہ با وضو ہو کر  
یہ عالم ہے کہ ہر داغِ تمنا گلشنِ عزم ہے  
چلا ہوں اس گشتاں سے خرابِ نگِ بو ہو کر  
مدد اے دیدہ خوں ریز میری بات ہ جاؤ  
حضورِ داد و بخششِ پنچوں سرخرو ہو کر  
ارے اوجِ عنایتی حجابِ مستقل کب تک  
کہیں میں خود نہ کھو جاؤں خرابِ حشو ہو کر  
فروغِ ہمسراجم سے مجھے تسکین نہیں ہوتی  
مزاج ہے کہ تم جلوہ دکھاؤ روبرو ہو کر

بتاؤ تو سہی سرور یہ آخر ماجرا کیا ہے

بتوں کو پوجتے ہو تم ہمیشہ قبلہ رو ہو کر (الحق، سرور والی سیر وانی)

## تجربات

ہر نظر اک کلام ہے ہر نفس اک پم ہے  
حسن کی رنگداریں اب بھی اک مقام ہے  
برخوشِ حُسن دوست ہوں بزم میں درِ جام ہے  
کفر ہے جنبشِ نظر، جنبشِ لبِ حرام ہے  
حُسنِ نظر نواز کا آج یہ فیضِ عبا ہے  
اب مری صبح صبح ہے اب مری شام شام ہے  
منزلِ دل ہی کی طرف آئے ہیں خود بخود قدم  
ہر نفس ایک میکہ، ہر نظر ایک جام ہے  
دہ کوئی میں انبیا کی، فرقِ نسا زونا کیا  
حسن اگر تمام ہے، عشق بھی تمام ہے  
رفعی میں ہیں تجلیاں کو نہ رہی میں سجلیاں  
ٹوٹ رہے ہیں بار بار سازِ نفس کے تار تار  
دلے دلِ مضطرب ٹھہر کھیت کچھ آج کام ہے  
دشت میں جانِ فیس لی، کوہِ بہ جانِ کوہن  
عشق کو سکوتِ دل بنا، عکدہ جیات میں  
لوٹ رہے ہیں بار بار سازِ نفس کے تار تار  
یادہ چمن کی روشنی، یارِ نفس کی تیر کی  
طالبِ غم جو تجھ سے ہوں اس کے ادب سکوں  
عظمتِ عشق کی قسم، عصمتِ حُسن کی قسم  
میںج ازل کی بخودی، شامِ ابد کی غایتی

حیرت لہجہ لاری

حیرت اک آفتابِ کادل میں مری مقام ہے

# پوسٹ آفس

ہر اضافی دس میل کے لئے ۶۵ میل تک ایک پنس زیادہ لیا جاتا تھا۔  
۶۵ میل سے ۹۵ میل کے درمیانی فاصلہ کے لئے ۹ پنس  
۹۵ اور ۱۲۰ میل کے درمیانی فاصلہ کے لئے دس پنس  
۱۵۰ سے ۲۰۰ میل کے فاصلہ کے لئے ایک شنگ  
۲۵۰ میل سے ۳۰۰ میل کے فاصلہ کے لئے ایک شنگ ۲ پنس  
اور ہر اضافی تلو میل کے لئے ایک پنس۔

مارٹینو کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ کارنر اپنی جوانی کے ایام میں  
ایک ڈسٹرکٹ میں سیر کر رہا تھا۔ اُس نے کسی پوسٹ میں کو ایک جھوٹے جس ایک  
عورت کو خط دینے پر دیکھا۔ عورت نے الٹ لیٹ کر خط کو دیکھا اور کہتے ہوئے  
والس کر دیا کہ وہ ایک شنگ کا پوسٹج لگا کر نے کی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ کارنر  
نے یہ معلوم کر کے کہ یہ خط اُس کے بھائی کا تھا (بعض نے بیٹا لکھا ہے) محصول اپنی  
جیب سے ادا کر دیا۔ پوسٹ میں سے جلد کے بعد عورت نے بتایا کہ اسکی رقم کس طرح  
ضائع ہوئی۔ اس میں اور اُس کے بھائی میں یہ طے پا چکا تھا کہ وہ ہر چھ مہینے  
ایک سادہ کاغذ تلفون کر دیا کہ بیکار اور اس طرح وہ (بہن) بلا ادائیگی محصول اسکی  
خیریت معلوم کر لیا کریگی۔

روڈ لینڈ ہل جسے پنی پوسٹج سسٹم کا بانی کہنا چاہئے۔ اس داستان سے  
بہت شاعر ہوا اُس نے شاعر میں پنی پوسٹج کے متعلق جلد جلد شروع کر دی۔  
ابتداء کے کاروں اسکو بڑی شکل کا سامنا کرنا پڑا اور اسکی تحریک کو مجوزا نہ بنایا گیا۔  
پہلے محصول کتب الیہ دیا کرتا تھا اور محصول فاصلہ اندر اسکی ذل کے حساب  
سے وصول کیا جاتا تھا۔ پارلیمنٹ کے ممبر اپنے ادا ہونے کے بعد اس کے لئے اصول و خطوط  
بنا محصول بھیج سکتے تھے اور اس کا رسی تا زمین کے خطوط کا بھی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔  
وہ لینڈ ہل نے اس طریقہ کار کی شدید مخالفت کی اور ۱۸۴۳ء میں ایک  
پمفلٹ عنوان پر پوسٹ آفس دینا قائم کرنے کی جس میں طریقہ قدیم کی مذمت  
اور اپنی جدید سسٹم کے محاسن کو بڑی وضاحت سے پیش کیا اور اسکا مطالبہ کیا  
کہ (۱) محصول مرسل کو ادا کرنا چاہئے۔ (۲) اور اسکا محصول وزن کے اعتبار سے

پوسٹ آفس کا اکاؤنٹ پہلے پہل ۱۵۵۲ء میں دیکھنے میں آیا۔ ۱۵۴۲ء میں  
ایک پوسٹ آفس جسکی ڈاک لندن سے آؤت براہ راست دونوں پہنچتی تھی معرض وجود میں آیا  
لیکن یہ زیادہ وقت تک قائم نہ رہ سکا غیر مالک سے مرسلات اور سکا جت کا انتظام  
پہلے پہل ملکا ایزبیتھ کے دور حکومت میں سوسائٹی آف فارن مرچنٹس کے ذریعہ کیا گیا  
اور اس قسم کے سب سے پہلے پوسٹ آفس کا قیام ۱۵۶۶ء میں ہوا۔  
چارلس اول نے ایک فرمان مجریہ ۱۶۳۳ء کے ذریعہ مالک غیر کی ڈاک پوسٹ آفس  
کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے بھیجے کی مخالفت کر دی۔

سب سے پہلے پوسٹ آفس ۱۶۳۵ء میں قائم ہوا اس شان میں مراسلات  
لشٹر ملکر ماف میں بین دن سے زیادہ کی نہ ہو۔ پھر پنی میں ڈاک کے ذریعہ بھیج  
سکتے تھے۔ کسی شخص کی اجازت نہ تھی کہ نجی ذرائع سے خط و کتابت کر سکے اور پوسٹ آفس  
کی تمام آمدنی سرکاری خزانہ میں داخل ہوتی تھی۔  
شستر جوین صدی عیسوی کی سول وادار نے پوسٹ آفس کے انتظام کو کچھ  
ترمیم کے لئے درجہ درجہ کر دیا لیکن قیام اس کے فوراً بعد ہی متعدد اصلاحات عمل  
میں لائی گئیں۔

پنی پوسٹ کی ابتدا تھریری پنیس میں ۱۶۸۳ء میں ہوئی دیکھو ہم اور  
کوئین ایس کے دور حکومت میں وقتاً فوقتاً اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔ دیکھو ہم نے  
تقسیم مراسلات کے لئے میل کو پنیس سسٹم کو رواج دیا۔ اس تمام عرصہ میں محصول  
بجورجسٹن کے لحاظ سے محوب ہوتا تھا۔ لندن کے ۸۰ میل کے فاصلہ پر رواج ہونے والے  
مقالات کی مراسلات کے بین پنیس لئے جلتے تھے۔ اس سے زیادہ فاصلہ دلے کے لئے  
بشرطیکہ وہ اننگلینڈ میں رواج ہوں۔ چارپنیس لئے جلتے تھے۔ آؤت براہ راست ملکا ایزبیتھ  
مراسلات کے ۶ پنس لئے جلتے تھے۔

شرح محصول میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں اور بالآخر ۱۸۱۳ء میں  
بیمین جنگ دار کو کے ایک سال قبل حسب ذیل زمین میں متروک گئیں۔۔

۶ میل سے کم فاصلے کے لئے ۲ پنس  
۱۵ میل کے درمیانی فاصلہ کے لئے ۴ پنس

ہونا چاہئے نہ کہ باغیادہ فصل (۳) جہی پوشیج کے طریقہ کو تمام مملکت متحدہ میں رواج دینا چاہئے۔ پارلیمنٹ میں اس کو کیسی موافقت میں بے شمار درجائیں گذریں۔ اس سلسلہ پر غور و خوض کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ جنرل ایچسٹل نے تحقیقات کے وہ رپورٹیں بیان کیا کہ انھوں نے اس طرح سے زیادہ لغو اور بوجھل نہ تھی کسی اور نہ تھی۔

۱۸۲۹ء کو مشاہیر ملک وائس نے جو ایک چھوٹے چانسلسر نے اپنا جوتی نظم عام پڑھائے ہوتے تھے اس پر کہ یہ جدید صودی ہے کہ مراسلات کا حصول گھٹا کر ایک بیس پر لایا جائے۔ پارلیمنٹ کو بلا حصول مراسلات بھیجے کا حق حاصل نہ رہے۔ نیز سرکاری مراسلات کی بلا حصول ترسیل پر سخت نگرانی کی جائے

۱۸۳۰ء میں مشہور ہوئے کہ رسل نے جہی پوشیج کے طریقہ کو رائج کیا ہو گا تھا ہی میں محدود رہا جس مراسلات کا وزن پانچ اونس سے زیادہ نہ ہوتا ایک جہی پوشیج لکھا اب اس دستور پر باقاعدہ مقررہ ہونے لگا اور مشہور و لائسنس کی جو ایک چوٹی

اسی سلسلہ میں ایک قدم اور بڑھا دیا گیا یعنی نومبر ۱۸۳۳ء سے ڈاک دینا جاری کے ذریعہ بھی جانے لگی۔

پارلیمنٹ کے ممبر ۱۸۳۶ء سے اپنے مراسلات بلا حصول بھیج کر دے تھے۔ اب ۱۸۳۷ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کی رو سے پارلیمنٹ کا کوئی ممبر بلا حصول خط نہ بھیج سکتا تھا۔ ۱۸۳۸ء میں ہونگ جنک ڈپارٹمنٹ اور ۱۸۳۹ء میں ٹیکسٹائل سروس کا ذریعہ ہوا۔ ۱۸۴۰ء میں پوسٹ کارڈ عالم وجود میں آیا۔ ۱۸۴۱ء سے بعد خط و کاغذ کی ایک نسخہ تک کر دیا گیا اور اس طرح بلا حصول ایک جہی پوشیج آؤس ہو گیا۔

پوسٹل آرڈر کا رواج ۱۸۴۸ء میں مہما انگلینڈ اور نوآبادیات میں جہی پوشیج کا رواج ۱۸۴۹ء اور آسٹریلیا میں ۱۸۴۹ء میں ہوا۔ مراسلات کے حصول میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

بہار کوئی

## میخانے میں آ

کیف برساتا ہوا استی کے میخانے میں آ  
پھرنے سے ہوتا زہ قصہ طور و حکیم  
ہو نہیں سے تاکہ پھر آغاز صبح وصل عیش  
مضطرب ہیں جذباتِ جگر تو سے دور و شب  
خاکِ محفل سے اٹھیں تمہیں ہزاروں فنا  
آٹھادے اتیار و شبِ گلشن کے حجاب  
ہے لبِ خاموشی ہر بیتِ صوتِ حسنِ طلب  
پلوئے ہر ذرہ سے پیدا ہوں لاکھوں گلشن  
تیرے دیوانوں میں جاگ اٹھے شاہِ گزشتہ  
ذوقِ الفت چاہتا ہے پھر نئی اک زندگی  
زہد کی آگاہیاں ہو جائیں نذرِ خودی  
تری صورت کے دکھادوں بھوک لاکھوں تو بھی

ساغرِ مہتاب میں آگل کے میخانے میں آ  
صبح کے جلووں کی تابانی کے فلسفے میں آ  
لیکے جلوے اپنی، فرقت کے برقعے میں آ  
از سب زو عشق کے برباد کاشائے میں آ  
سودا شِ عہدائے یہاں بکے چلے میں آ  
دشمنوں کا راز نہ بکرا نے دیوے میں آ  
لے اے داسے حسن کی تصویرِ تجلے میں آ  
خالقِ رنگینی کو نین و برائے میں آ  
نالہ زنجیر کی صورتِ جنوں طے میں آ  
بکے اعجازِ سجاد کے فلسفے میں آ  
لے شعورِ زندگیِ بیس کے دلے میں آ  
اکہ نونمبر سے دلے آئے میخانے میں آ

الم منظر نگری

واقف اسرارِ وحدت تا ہوں افرادِ جہاں  
بے حجامانہ خدائی کے جلو خانے میں آ

## طوفان سے کھیلے

کچھ اور بڑھ کے عالم اسکاں سے کھیلے  
انجمن سے کھیلے نہ تباہاں سے کھیلے

کچھ اور بھی بلند ہو باز کچھ نگاہ شوق  
آؤنگ بے شاہ و افسرِ بے شاہاں سے کھیلے

زنگنی خیال ہے رختاںِ حیات

عبدِ خواں میں بادِ بہاراں سے کھیلے

جب دولت کا بھی گوشہ دلائلِ ہاتھ آئے

پھر خود ہی اپنے گوشہ دلائل سے کھیلے

جس نے نگاہِ شوق کو بخشاں میں جڑاں

اسکی نگاہِ وصلِ سال سے کھیلے

زنگ بہار و جلوتِ نوخیز چھوڑ کر

کبتک جوں میں خاکِ بیاباں سے کھیلے

اسکی نظر کو پہلے پشماں سے کھیلے

پھر دلکشی چشمِ پشماں سے کھیلے

لغاتِ مضطرب بھی نکل آئیں گے ضرور

بیابانِ دل کے سازِ پوئیاں سے کھیلے

اب فخر کے ہیں تر ہواؤں میں زلفاں

کبتک کسی کے ناوکِ شرکاں سے کھیلے

سوزِ دروں سے آپ جو کھیلے کئے تو کیا

ہمت اگر ہو سحلابِ عرباں سے کھیلے

دوستِ کھٹ کے تارِ نظر بن گئے تو پھر

محسوسِ از تنگِ زنداں سے کھیلے

ساحلِ شکرِ دروں سے میں بنائے

اب آگے بڑھ کے دریا طواں سے کھیلے

اچھا نہیں ہے حسن کی روباؤں کا کھیل

کمرِ خمور ہے شوقِ پشماں سے کھیلے

اقبالِ آہراں

## تجدید

الہی! ابھی سی یہ سانس یہ بھرا بھر

یہ ٹپکتی ہوئی حسرت سی زری باتوں سے

دوبی دوبی سی یہ نظریں یہ کیسی نکلیں

جیسے نو سو نہ سکی آج کئی راتوں سے

تو اور اس درجہ مرے عہدِ فاس سے یا اس

کچھ بھی ہو کچھ کو تو ناشادہ ہونے دوں گا

دلیلی جائیں گی نہ مجھ سے زری نکلیں ناک

تیری نظروں کو تو فریاد نہ ہونے دوں گا

ترا دکھنا ہوا دل اور نہ دکھ جائے گا

کیا ترے دکھ کا بھی احساس نہ ہو گا جھکو

یہ ترا لطف بہ مخصوص وفا میں بسری

ان وفاؤں کا بھی کیا پاس نہ ہو گا جھکو

کیا اٹھا لیگی مجھے حسرت کی زنگین ادا؟

لوٹ لے گا مجھے کیا شروع نکلا ہوں کوئی؟

توڑ دے گا کوئی کیا ہر وفا کے رشتے؟

باندھ لگا لے گا کیا نور کی بانہوں کی کوئی؟

اب کوئی تجھ سے جدا نہیں سکتا جھکو  
چھین سکتی نہیں تجھ سے تو زلیخا جھکو

جانِ شکرِ زلف

شکستہ طوطی

کسی پرمیٹڈ سے بیٹھ کر کچھ دیر تک بچھنے ہوئے اسمرت دامنطاط کے لہجہ میں اُس نے کہا:-

”اچھا آپ اس طرح کام کیا کرتے ہیں؟“

میں نے غمزہ وانگہ کے انداز میں مسکرا کر جواب دیا: ”جی ہاں؟“

”کیا آپ کافی عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں؟“

”صرف چار سال سے“

”میں نے بھی کچھ لکھنے کی سعی و کوشش کی ہے۔“

میں نے کسی قدر درشت انداز میں کہا: ”کیا آپ نے کچھ لکھا بھی ہے؟“

”ہاں ہاں۔۔۔ میں اپنا مضمون اپنے ہمدرد لایا ہوں۔ آپ اسے یقیناً پسند  
منہ نہیں گے اور شائع کر دیں گے۔“

”کیا آپ مضامین بہت عرصہ سے لکھ رہے ہیں؟“

”نہیں صاحب! میرے دل میں یہ معلوم کئے عرصہ سے تاثرات و تحلیلات ممتنع تھے۔“

ابو یوسف قرطاس پر مفضل ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنی فرہنگِ حیات کو کھانوں

صحیح دیا ہے۔ اب میری کچھ جہ نہیں آتا کہ اپنا دقت کاٹوں تو کس طرح کاٹوں۔

سچائے نویر نے لکھے لا کام شروع کر دیا ہے۔ ابھی جو سلع عرض کیا ہے تاکہ میں اپنا

مصر میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ میں اسے طبع کرانے کے لئے آپ کو دوں گا۔ آپ دو چار مان

بہتے اب بھیا دل ہی دل میں ابس کے کہ کو یا بابر کی طرح کے دوبارہ جنم لیا ہے۔

”جس طرح کہ اس شخص میں اس طرح کے جسم کے لیے ابھی ابھی پریس کر دیا جائے۔“

— بس کہ آپ رو برویجے ہو تو اس میں سہارو نہ پاؤ گے۔ اے اللہ! میری طرف سے دعا ہے کہ

وہ ایک شاخدار اور بڑا فکیلا درخت تھا کہ اس پر تو ایک کسے آتا تھا۔ غلاموں نے اس پر ایک ٹوک تودہ

سکون و اطمینان سے غم نہ رکھو، اگر اُن کے لئے دوست سے بھی

وہ لوگوں سے کام نہ کرے گا۔

میں نے بھی شہر میں ایک حفاظت کی زندگی ہے، آپ کہنے میں لگتا ہے

مجلس شورای اسلامی

اپنے کام میں بدستور مشغول رہنا کہ جسے میں نے جواب دیا: "میں تو ایسی  
استعدا سامان نہیں ہے جقدر کہ آپ خیال کر رہے ہیں۔"

اُس نے کہا:۔ آسان نہیں؟ — کیا آپ مذاق کھتے ہیں؟ —

میں نوٹیں لے رہا تھا اور جلد ہی تیزی سے قلم چل سکا لکھنا شروع کر دیا۔ الفاظ پر الفاظ

نکلنے شروع ہو گئے۔ برے کوئی کھنڈ بھر میں یہ مضمون کھنڈ الٹا ہے۔

میں نے اپنا ضروری کام ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

”کہاں ہے آپ کا وہ مضمون؟“

”یہ ہے — یہ میری شوقِ اولیٰس ہے — میں اسے بہت ٹھوکر

اچوت میں دبے ہوئے نگاہ آپ چار آنہ فی لائن کے حساب سے دیدیجئے گا، آئندہ مضامین کے

متعلق ہم لوگ پھر ملے؟

”بہت بہتر۔۔۔ دوپہر کے اندر اندر اس مضمون کے متعلق آپ کو میری

وہ اسے معلوم ہو جائے گی؟

میں نے اس سکون کے سوا کوئی اور آپ کے لئے دیکھ کر اس پر ایک بار غور کیا۔

غروبِ ستارہ آفتابِ افقِ محبوب

میں نے اسے آج ہی پھانسی دے دوں گا۔

اُس نے مرتے آگس، انداز میں مسکرا کر کہا:۔

”آب و حیاتِ تیرہ و تبدیل کر دیکے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ میری

مشق اولیس ہے۔ خیر میں اب آپ کا قیمتی دفت زیادہ خراب نہیں کرنا چاہتا۔

اگر آپ اپنی جیب سے ایک گھڑی نکالیں۔ ملوں۔ پھر بند ہو گئی۔

کیا آپ کی ٹھوس توجہ خراب ہو گئی ہے؟

”اے صاحب! ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا کہ اسے درست کرائے لایا تھا

پریشان کہد با صاحب — پریشان کہد با!

”جی ہاں بہ تمام گڑھی ساز..... اچھا، لایے دیجوں میں اپنی

طہری۔۔۔ تباہی میں اسے درست ہی اردوں!

بھر پر تیرا نظر ڈال کر اس نے کہا: کیا آپ گھڑی سازی جانتے ہیں؟

”نہ جاننے کے برابر؟“

”اُس نے ہر سہ ماہ میں گھڑی دیدی۔ میں نے اپنی مرضی کے تعلقاً خلافت طوع و کرہ کا گھڑی کا ڈھکن کھولا، پھر اپنے جاؤ کو گھڑی کے یزدوں میں ڈال دیا، انکی پینڈ سے نکل کر برقی شعل پر منتشر ہو گئے۔

میں نے تڑپ کر کہا: ”معاذ کھٹک نہیں معلوم ہوتا؟“

یہ کہہ کر گھڑی کے باریک سے ہر ایریجنگ کو دونوں آنکھوں سے کھینچ کر باہر نکال ڈالا۔ اُسی کے ساتھ وہ تین پینڈ سے اندر نکل کر میز پر منتشر ہو گئے۔

کرسی پر بیٹھ ہوا وہ شخص نہایت تشویش و ریش کی اور بددی و کراہت کے ماحول میں سے کام چارہ لے رہا تھا۔ اُس نے برسے اضطراب اور فکر مندانا انداز میں کہا: ”کیا بات ہے؟“

گھڑی میں جیچہ پڑنے سے پکڑتے ہوئے میں نے کہا: ”اس گھڑی کے اندر اس قدر پینڈوں کی بھرپور کوئی گئی ہے کہ اب یہ کہا دشوار ہے کہ گھڑی کس میرے بند ہوگی“

وہ شخص ایک جلی جلی جوت کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ایک نظر پرزے نکالی ہوئی گھڑی پر ڈالی، پھر جلا کر کھینچ لگا۔

”آپ گھڑی کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں؟“

میں نے نرم لہجہ میں جواب دیا: ”جانتا بھی ہوں... اور میں بھی“

”کیا اس سے پیشتر آپ نے کسی گھڑی کی مرمت کی ہے؟“

”اگر میں مصافحہ کے ساتھ عرض کر دیتا تو..... یہ برقی شعل ادلیس ہے؟“

اُس نے گھڑی کے تمام پینڈوں کو ایک ایک کر کے جھجھکے ہوئے طیش و غلیظ مزاج سے انداز میں کہا:۔

”آپ جس کام سے بالکل واقف نہیں ہیں اُس میں سبب اندازی کی ضرورت ہی کیا ہے؟“

اب میرے ناراض ہونے کا خبر تھا، بیچ کی قدر بلند آواز سے کہا:۔

”آپ کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ کس بل بوتے پر اپنا مضمون شائع کرانے کے لئے تشویش لائے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک گھڑی کے پینڈے کو کھل کر دوبارہ ڈال کرانے کی آفندہ دشوار و مشکل ہے اور بہترین ادبی مضامین لکھنا آسان؟“

ہم دونوں ایک دوسرے کو گھبرنگ نفرت خیز انداز سے دیکھتے رہے۔

بعد ازاں ہم دونوں ہی ہنس پڑے۔

اُس نے کہا: ”اگر میرا یہ مضمون درست نہیں لکھا گیا ہے تو میں آپ کو کوئی دوسرا مضمون لا دوں گا“

میں نے جواب دیا: ”میرے لئے اگر آپ کے پاس کوئی دوسری گھڑی ہو تو وہ بھی ہر اہل قلم کے لئے ایک طبعی مشق کرنے کے لئے شایہ دم دونوں بیکہ جاہل“

دو سی صفت

”اکاروی اودش شینکو“

امتیاز نسیمی

۰ (۱۰) ۰

(بقدر خاصان دیہ مضمون)

۵۰۔ جناب نسیمی: آرتھو صاب ایچ۔ بی۔ ٹی۔ آرتھو پتالی ویتو (انبار سے سالانہ)

۶۰۔ جناب خادم حسین صاحب غلام نریانی جیلور سے سالانہ

۷۰۔ جناب لائبریری میں صاحب پبلک لائبریری میونسپل سے سالانہ

۸۰۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب آرتھو پتالی ویتو (انبار سے سالانہ)

۹۰۔ محمد علی خان صاحب کٹر مناجا پبلک لائبریری سے سالانہ

۱۰۰۔ جناب خان قمری حضرت خان قمری آرتھو پتالی ویتو (انبار سے سالانہ)

۱۱۰۔ جناب ابراہیم صاحب محبت خان صاحب شرف جوالاگھی سے سالانہ

۱۲۰۔ جناب عبداللہ خان صاحب قائم کوئی (دہلی) سے سالانہ

۱۳۰۔ جناب حبیب خان صاحب عقیدت شاہ جوالاگھی کوئٹہ سے سالانہ

۱۴۰۔ مشرق مسکن بی۔ اے پرورش پبلک لائبریری (ایڈمنسٹریٹو) سے سالانہ

۱۵۰۔ محمد صاحب جلال پبلک لائبریری (ایڈمنسٹریٹو) سے سالانہ

۱۶۰۔ محمد صاحب اساتذہ طوطی صاحب کراچی سے سالانہ

(۱) محمد یونس صاحب کراچی سے سالانہ

(۲) محمد شمس الدین صاحب کراچی سے سالانہ

(۳) جناب بی بی بھائی محمد علی صاحب داولپٹہ سے سالانہ

(۴) جناب عارف ابراہیم یوسف پراگھادی بنگلہ سے سالانہ

(۵) جناب خان صاحب آرتھو پتالی ویتو (انبار سے سالانہ)

(۶) جناب سید جعفر حسین صاحب قمر سندی سے سالانہ

(۷) جناب رفیق احمد صاحب رفیق لٹل کلاکٹری صمد گنجی سن پور سے سالانہ

(۸) جناب اکبر علی غلام حسین صاحب شریف داسے کراچی سے سالانہ

(۹) محمد توفیق نور الدین شال کراچی سے سالانہ

(۱۰) مشرق ممتاز محمدی جوت لٹل کلاکٹری صمد گنجی سن پور سے سالانہ

(۱۱) محمد لکھنوی سرپرست کلاکٹری صمد گنجی سن پور سے سالانہ

(۱۲) جناب محمد جلال صاحب قمر سندی سے سالانہ

(۱۳) جناب یونس صاحب کراچی سے سالانہ

## نغمہ دل آویز

مبارک باد! اے آوازِ خیمہ  
 میں بھولوں آج اپنا ظرفِ تقدیر  
 ٹھہر! اے دامنِ بادِ محبت گاہ  
 کہاں لے جاؤں یارب! دیدہ دل  
 یہی ہے نصرتِ پیار ہی دل  
 نزاکت میں شبِ غم کی کہوں کیا؟  
 بنی ہر سانس، سولی زندگی کی  
 مدد! اے حُسن کی سادہ مزاجی  
 کہ چشمِ دل ہوئی ہے اشکِ آمیز  
 نگاہِ مست سانی ہے کرمِ ریز  
 ہوئی جاتی ہے آتشِ شوق کی تیز  
 کہ حُسنِ پردہ در ہے عشقِ آئینہ  
 کہ اُس کو زندگی سے ہے پرہیز  
 کہ دامنِ اس کا ظالم ہے سحرِ پریز  
 کہ ہر امید میری ہے دل آویز  
 کہ عشقِ فتنہ خوب ہے فتنہ آئینہ

محبت کی فقط نام آوری ہے  
 کہاں فرہاد؟ کیفی! کیا ہے پرویز (نثار) کیفی چریا کوٹی

## جواہر پاکے

جلوے کسی کے شام و سحر دیکھتے ہے  
 سب جس طرف کہ وہ تھے ادھر دیکھتے ہے  
 ایک تھے وہ اگرچہ سیاہ و سیدھے  
 وہ لاکھ دور دور رہے چشمِ شوق سے  
 تھیں کس قدر حبیب وہ رہیں فراق کی  
 وہ آئے دم گئے وہ بنے وہ خفا ہو کر  
 تھے کسی کی آگ میں گزبانیں کئی  
 تاج کچھ اُسکو ہم نے خدا تو نہیں کہا  
 ہر رنگ میں رنگِ دگر دیکھتے رہے  
 ہم انکا انتخاب نظر دیکھتے رہے  
 پھر بھی مزاجِ شام و سحر دیکھتے رہے  
 لیکن ہم ان کو بیش نظر دیکھتے رہے  
 تارے بھی انتظارِ سحر دیکھتے رہے  
 شب بھر بھی فریبِ نظر دیکھتے رہے  
 دل چل رہا تھا دیدہ تر دیکھتے رہے  
 کیا ہو گیا گستاخ اگر دیکھتے رہے

پیش آئے ایسے وقت بھی جو ہر جا میں  
 دُنیا کو جن میں زیر و زبر دیکھتے ہے  
 جو ہر ڈبا ہوی

مستقل :-

## مکتوب

دفتر مالگیر لاہور

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

برادر محترم اجماز

سالانہ خیام اندر بعد جسٹڈ پکٹ ارسال خدمت ہو چکا ہے۔ امید ہے  
طاہر ہوگا۔ مالگیر قدرے لٹ تھا بہر حال اب تک پہنچ گیا ہوگا۔ دراصل کچھ لینے  
مذہبین ذالک کی عملی تفسیر بنا رہا۔ اس لئے کام بروقت نہ ہو سکا اور وہوں پہلے  
چند یوم کی تاخیر سے شائع ہوا۔

اب مالگیر کا خاص نمبر سسٹھ زیر ترتیب ہے۔ ازراہ فائز شاہ علامہ سیاب  
غفلت اور بے تاملانہ کلام ۲۰ اکتوبر تک بھیج دیجئے تاکہ نوبر کی اشاعت میں غلطیوں سے  
اس ملاحظہ فرما کر غلطیوں کی تصحیح آپ کی ذمہ کی سہمی ہے۔ مجھے امید ہے آپ فردرغہ  
پس کے اور دوسروں کو بھی شرکت کی دعوت دیں گے۔ بذمہ فہرہ کتاب سے بھی  
ذوین کلام کا مضمون لکھا ہے کسی شاعر بھی ہی آپ کو اس مضمون میں تھوڑا سا  
لکھ چکے ہیں۔ اس لئے بن چار کا نام گھٹیا چٹھائی نہ ہوگا۔

اس جینے سے خیام کی ترتیب تدوین میں انقلاب پیدا کر رہا ہوں، لیکن  
”نگلی دال“ کے باعث شاید میرے ارمان پورے نہ ہو سکیں۔ بہر حال اس جنگ  
کے زمانہ میں جو کچھ بھی ہو جائے قیمت ہے۔ سب سے بڑا قدم شاعروں کے خلاف اٹھایا  
ہوں۔ چنانچہ شاعر خیام تک فلم خور کو دیا ہے۔ یہی میں تو شک کیا ہوں ان لوگوں  
سے عجیب قسم کی مخلوق ہے۔ مخالفہ فہمدی و جوان شرابی استاد ہے۔ میں اس لئے  
ساتھ کھٹے ہیں۔ میرے پاس اتنا وقفہ تھا کہ اصلاح و ترمیم میں وقت ملتا کہ کوں  
وہ خاموش رہے لیکن میں نہ رہے گا بائیں ذہنی کی بانسری کھٹائی ہوں۔ اس کے  
وہ افلاطون کا کامی ہوں جسے لکھا تھا اگر میری شاہجہاد قائم ہوگی تو میں  
اوروں کے لئے کوئی گمانش نہ رہے گی! میں افلاطون وقت تو بنائیں چاہتا۔

لے سگرت کے لئے دیاسائی ملگنے لگا تھا تو ایک چکا دی یاں گڑھی آجکل  
میں بڑی غائبی ہے۔ عجیب صورت ہے!

اس لئے ان شاعروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جن میں شاعرانہ جذبہ قدرت کی طرف  
سے دولت کی گالی ہے۔ لیکن عوامی محسن، خاندان میں پھینے گئے، شریکیت میں  
ان کے لئے ”شاور گن گولن“ کی عاشق میں ہوں۔ بلکہ اس سلسلہ میں میری مدد کر سکتے؟  
تہجیک کے کنارے آباد ہو۔ اگر جس قہاری جگر چڑنا تو ہندوستان کے نام شاعروں کو قہار لایا  
میں موت دینا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو ملک مصر نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا تھا۔ یہی  
ایک نرنگ کے ذریعہ سے سب گمانوں کو جٹا کر لڑوں کے سپرد کر دینا اعدائے عمل کے  
مناظر کو کھڑے کر کے لڑنے سے بچانا تھا۔ جس کم جہاں پاک

صاف کرنا شاعروں کے خلاف بہت کچھ زہر آگلی ہے اور آج وہ دراصل  
یہ ہے کہ کل نام نہادوں نے قاتل ایک کر لیا ہے کہ خیام کے مالگیر کے دفتر پر تو واروں  
جس غارت کو اٹھا ہوں اس میں ایک عدد قتل ہوئی ہے۔ بنا ڈالنے تو مولویوں کے مشن  
کلبہ، لیکن میں شاعروں کے مشن کہا ہوں کہ ساپ کی طرح شاعروں کی بھی کئی  
فیس ہیں۔

اچھا چھوڑو اس کو اس کو۔ آدم بر مطلب۔ خاص نمبر کے لئے فرمیں جو اود  
ادریسرا بندہ ادیب با شاعر، بر بھی ایک مضمون لکھ چکا۔ اور دوسروں سے بھی لکھواؤ  
کیوں منظور ہے؟

آگئیں تو اب ٹھیکہ ہیں نا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت و عافیت سے رکھے!

سبیلی

ادشا منزل گفتو

اجماز بھائی۔ عید مبارک ہو،

اجوہ سرود کا خط آیا ہے۔ انشا اللہ جلدیہ شاعر کے لئے فائدہ دوا  
کر چکی۔ غالباً آپ کے خط کے جواب میں ہی انھوں نے یہی تحریر کیا ہوگا۔ یقیناً یہ  
افسانے غیر ملبوم ہونگے، میں نے تاکید کر دی ہے۔

صبح روشنی کا واسطہ ملا۔ کل بہت مصروف ہیں۔ لکھا ہے۔ ایک جلد نزل  
لے بھر بہت ظلم کیا میری سواں پتے ہی ہضم کرالیں۔ ایک ہی وقت میں ترمیم میں



نہیں مٹی خلافت اور ہمہ گاہ لاجورد کے عید غبروں کے لئے افسانہ خوانہ کو تاہم میں۔  
خدا انور سے بچاتے اسدغہ ناگہ کی خوب نصرت کی ہے بہت خوشہ میں شائے بزم کی  
آمد آ رہے جب ہی تو امر ہے۔

مری دنیا منظر ہے آپ کی  
اسی دنیا چھوڑ کر آ جاتے

آپ نے میرا افسانہ اس شام سے ہی آؤ شائع کر ہی دیا۔ آپ کی مرضی۔ حالانکہ  
اس کے لئے تو میں آپ کا درگاہ کی بھی لکھ چکا تھا، پھر ناگوار ہونے کا کون سا مال؟  
دوسرے شام سے کے لئے انشاء افسانہ بھی لکھا۔ سب کا شاعر ابھی تک نہیں ملا۔  
معلوم اسدغہ تاجیکوں کی حمد ہی ہے۔

ذکی رضا صاحب سے میرا واقعہ نہیں۔ اسدغہ پوچھ رہی ہیں جو میں  
کی برائیت اس پر حمد ہوں۔ امر آؤ جان آدا ران کا معنوں دیکھ کے کا اشتیاق ہے  
اس سے قبل شاپکار میں آدا اور رتو؟ ترکیب کو غلطی کا ایک معنوں دیکھا تھا۔ بہت  
خوب لکھا ہے، دیکھنا ہے، فکر صاحب نے کون کون سے تاریک پہلوؤں پر روشنی  
ڈالی ہے۔

بھائی سے میرا سلام عرض کر دیں۔

احسان دانش کہتے ہیں کہ "دن" آلہ تیار دیکھو استیضاح ذیل کے شام سے  
میں سے تھے ۱۰ آپ سے کہتے ہیں کہ لوں کی یاد دیکھنے کے لئے بے چینی سے  
انظار کر رہا ہوں۔ !! ————— آپ کا حرکت حدیقہ  
۲۸ ستمبر ۱۹۵۸ء

کیا ابھی کئی غزیر معصوم ————— دلہنگی کے لئے ————— نہیں  
اس آواز کا شاعر یہ اعتبار میرا یہاں نظر و شریعت بلند ہے! ایک وقت  
ہندوستان کے ارادہ اور شاہ کو بکھا جمع کر کے ارپا دفع کی لٹنگی کو بکھا دینا  
— صرف آپ کا کام ہے۔ اگر بار خاطر نہ ہو تو قہرا اسرا نکوہ میں کیے —————  
اس آواز کے پرچہ میں کتابت کی جتنی غلطیاں ہیں اور یہ کتابت مجھے صرف اس مادہ کے ہی  
پرچہ کے معائنہ نثر سے ہے۔ غالباً آپ مجھ سے اتفاق کریں گے۔ ————— ہوئے تو  
ایک غلط تار شائع کر دیا کیجئے یا اسکی ذہن ہی نہ آئے دیکھئے ناگزیر شاعر مراعتراض  
سے محفوظ رہے۔

ایک دیکھائی دے گا یہ عنوان ہاؤ کون "شاعر کے آئندہ فکر کے لئے  
اصول کر رہا ہوں ————— امید کہ آپ اسے یہ اعتبار زبان اور طاقت  
بلند فرمائیں گے۔ اردو ادب میں دیکھائی دے گا میں ڈراموں کا فقدان ملے  
— میرے بھائیوں کو بکھرنے لگے اور محمد دیکھائی دے گا میں  
افراد کے دیگر ادب اس طرف بہت کم تو کہ ہے۔ ضرورت ہے کہ مختصر  
ڈراموں کا ایک سلسلہ قائم کر کے اس میں صحت خیال و ادبیت بیان اور شہنہ  
زبان کو سمیٹا جائے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

میں اب بجاہت ہوں ————— ہم دونوں کا سلام  
آپ کا ————— سکھو پوچھی

دہلی۔ دفتر "کشتان"

کرمی و عمری؛ سلام سنوں

"مشاعر" نظر سے گزرا۔ سچ سچ سرٹ ہوئی۔ آپ نے اچھے نفاذ کی  
زبان میں چھی ٹہلی باتیں کی ہیں اور سخن مستزاد قسم کے برعل اشارے بھی کئے  
ہیں۔ میرے بھائی، اختر بانڈہ افسانہ نگاری کی نہرت پر کٹر دل ہے مذہب کو  
عام لکھے جاتے ہیں، بہر حال مجھے خوشی ہے کہ آغاز اچھا ہوا ہے۔ خدا نے چاہا تو  
انجام بھی اچھا ہوگا۔ آپ دوستوں کی دعا اور ہمدردی شالی حال بہتر چاہئے۔  
ملازمہ پرچہ ارسال خدمت کیا جا رہا ہے۔ نئی کتاب اپنے خواب تیار ہو رہی ہے؟  
مکاتیب محرم کی خدمت میں سلام ناز۔ تو نے یہ کہہ کر مزاح گویا بھر جوگا۔ دار السلام  
خادم  
نور محمد علی مدنی

صرف یکڑہ ادب بھوپال۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء

عمری۔ نسیم

"شاعر" بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء میں عالم اخبار میں پورول ہوا —————  
نکیرہ! سچ تو یہ ہے کہ ایسے نفاذات حالات میں جبکہ اچھے اچھے رسلہ آخری سانس  
پر پہنچنے کے خاطر میں ہونگے، خاطر کا ذوق و ہوا اعلیٰ سے کم نہیں —————  
یہ تو کچھ آواز کا اعلیٰ ذوق ہے جو نفاذ کو سہنے سے لگاتے ہیں، یہ ہے اندر اس محملہ کن  
دور میں ناموافق حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کو نفاذ دے رہے ہوں۔ خدا کو شے خاطر  
آئندہ بھی میرا سابق اپنی دعاوات کو برقرار رکھ سکے۔ آمین!  
امید ہے آپ صبر بھائی، بکھ بجاہت ہونگے —————

## آوازِ ضمیر

عیش ہے لطف ہے، سترت ہے  
 آپ کی یاد کی عنایت ہے  
 حُسن کا کام دلربائی سیبی  
 عاشقی متقاضیِ فطرت ہے  
 اب تو آہی گیا وہ حشرِ خرام  
 اب قیامت کی کیا ضرورت ہے؟  
 ہر جگہ ہر گھڑی انہیں کی یاد  
 اب تو جلوت بھی مجھ کو خلوت ہی  
 آنکھوں آنکھوں میں کہہ یا میں نے  
 کہ مجھے آپ سے محبت ہے!  
 مقصدِ زندگی ہے آپ کی یاد  
 آپ کا تذکرہ عبادت ہے  
 ہر گھڑی آپ کے تصورِ عین  
 ہر جگہ میری حق میں جنت ہے  
 ضمیر البرکاتی

## جذباتِ فضا

چارہ چشمِ غنڈا کیا ہے  
 آخرا میں درد کی دوا کیا ہے  
 وہ سجاہل سے پوچھنا ان کا  
 عشق کیا چیز ہے وفا کیا ہے  
 مائلِ التفات ہے کوئی  
 سوچا ہوں یہ جو کیا ہے  
 دیکھتی ہے اُسے نوکِ دنیا  
 آنکھوں میں وہ دیکھنا کیا ہے  
 سب میں بہن اگر جلوس  
 کس نے پوچھ کر کہا کیا ہے  
 دیکھ لطف کی نگاہوں سے  
 یہ نہ پوچھ کہ مدعا کیا ہے  
 کوئی بوسہ کون دل کا نہیں  
 جلنے تقدیر میں لگنا کیا ہے  
 اُسے آغازِ عشق کا وہ سکون  
 ابتدا کیا تھی انہما کیا ہے  
 آج چہرے کیوں ہیں میت  
 کچھ نہ کہنے کہ باجو کیا ہے  
 لب تک آتا نہیں کوئی نالہ  
 بات یہ حضرتِ فضا کیا ہے  
 فضا جالندہری

## تجلیاتِ تہ

ایک رنگیں نگاہ نے مارا  
 جلوہ بے پناہ نے مارا  
 حُسن کا اس میں کچھ قصور نہیں  
 مجھ کو میری نگاہ نے مارا  
 تیری عصیاں نوازیوں کی قسم  
 انفعالِ گناہ نے مارا  
 ستمِ خاص کا تو کیا کہنا  
 کرم گاہ گاہ نے مارا  
 حُسن کی دلکشی سے اذیت  
 فرصتِ یک نگاہ نے مارا  
 پوچھ اُس سے نزاکتیں دل کی  
 جس کو تیری نگاہ نے مارا  
 حسنِ پرچہا یوں کے وہ پ میں تھا  
 جلوہ ہمسرہ واہ نے مارا  
 حشر ہوتا کبھی نہ رازِ عیاں  
 اہتمامِ نگاہ نے مارا

غیرِ زادہ حشر عثمانی (جنگل)

# کی ڈائری

(گزشتہ صفحہ)

(۱۸) جنوبی ہند میں۔ لنگور کی عظیم اٹان کا نفرین اور شاعر کے بعد بابت بیورو کے تابخی مقامات کی سیر

دفع کہے اور ابھی سلطان شہد کے مزار پر بھی ماضی دہی ہے۔ اس کے ناکوں  
کائنات شرفی سمت پھرا گیا۔ چند منٹ کے بعد گھبراہٹ اعلیٰ نظر آئے۔ اسی کے نیچے  
بادشاہ حوت سلطان بیوا کو وہ خاک ہیں۔ بیرونی حصہ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت  
باغ ہے۔ جہاں سے مندر صاف نظر آتا ہے اور صلال و جروت کا ایک باغ بلا کسی مشن نظر  
ہوتا ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف برآمدہ ہے جس کی چھت رنگ سیاہ کے ستونوں پر  
لگی ہوئی ہے۔ مقبرہ کے سرخری دفعہ ہر دیاں بائیں تارکین کندہ ہیں۔ مشرقی دروازہ  
سے اندر داخل ہوتے تو پہلی قبر سلطان کی واقعہ و اجودہ کی نظر آئی۔ اسی طرح جنوبی  
درہ اندسے کے مقابل قاب جیدر علی اور مرنل دروازے کے مقابل سلطان شہد  
کے مزارات ہیں۔ سلطان کے مزار پر سرخ غلاف پڑا ہوا ہے۔ گویا آزادی کی راہ  
میں سلطان نے جو فون بجا تھا اس کی یادگار ہے۔ ہر طرف باغ میں قوت اور افسردگی  
چھائی ہوئی دیکھی۔ پھر رنگ سیاہ اس کثرت سے مقبروں میں لگا گیا ہے کہ داخل خود بخود  
ایسی ہو جاتا ہے۔ وہ دروازہ پر بجا قطعات کندہ ہیں۔ ان کے گواہ بھی یاد گواہی کے بناء  
کے ہیں جن پر انہی دانت کا کام ہے۔

مقبرہ کے صحن سے ملی ہوئی مسجد متصل ہے جسے اب مسجد احمدی کہتے ہیں سلطان  
کے مزار کی زیارت کر کے دل و دماغ خلقتا فردہ ہو کر رہ گئے اور ب پر ایک غریبی  
کی طاری ہو گئی۔ جی گھبراتے لگا اور ہاں سے جلد ہی اٹھ کر اسٹیشن ڈالیں  
آگے۔ ٹرین آگئی تو اور لگا جن آدمی بار تاجدار آزادی جو خطا کی دیا کہ ملکہ کدی ہیں۔  
سرنگا شمس سے بیڑی کی مسافت کچھ زیادہ نہیں ہو۔ اگر مراعہ نظر غلطی نہیں کر لیا  
ہے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم شاید ایک گھنٹہ میں بیورو پہنچ گئے ہوتے۔ سرنگ  
عامریس کن گناہ سرگیش۔ صاف گڈوڑا ہیں۔ اس کے باوجود جنگلوں کی سی، اندک اندک  
اور دفعی میں اس میں نہیں۔ حالانکہ وادہ جیو کا یہاں ایک حالت ان محل۔ کسی باغ  
اور ایک چھٹی سی چھاڑی کا ہے۔

مشرق کا ہے یہ سرسبز سالانہ کوں نہ ہو لیکن قہر اہمبت خوش ہر دور۔  
ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ صرف تمام جنگ قیام کا قصد ہے اس لئے خانہ کی کے ساتھ بڑے چھو  
ایک جگہ رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر یہاں کی خانہ فرم نظر نہ کرالاح ہوئی تو یہاں چھوٹا مکمل

ہو یا بیلا۔ چنانچہ رقم صاحب کی بکٹ دست کے یہاں پہنچے۔ اتفاق سے وہ بھی موجود تھے  
مگر ایک کردہ ہیں خود دل گیا۔ سالانہ دکھا دکھا گیا۔ کچھ دیر کسل دور کیا اور پھر سر ہٹے  
کے لئے نکل گئے۔ سبک پٹے بیورو کے ٹپ محل کو دیکھنے کا کوشش کی گئی، مگر  
جنگ کے خطرات کے تحت پاس نہ مل سکا۔ گویا یہ ہندوستانی شاعروں کی جماعت بھی  
جوانوں کی جماعت تھی۔ ہر حال محل کے بیڑی سے اچھی سمت اور طول و عرض کے  
اعتبار سے اسکی شہادت دے رہے ہیں کہ محل واقعی محل ہے۔ محل کے کئی بڑے دروازے  
ہیں جہاں ہم پہنچے ہیں وہ غالباً صدر دروازہ ہے اور محل کے ہزار ہا چھوٹے چھوٹے  
کا ایک ٹیکسٹیں کد ہے۔ ہیں بتایا بھی گیا کہ خاص خاص مواقع پر ان پر ٹیکسٹیں  
میں شمعے لگا دیتے جلتے ہیں اور محل رنگینوں کا کٹر بنایا جاتا ہے۔

جہاں یہ بیورو کے محل کی دوسرے محروم جگہ۔ مگر سونہر مجلسیں ہوتی ہیں۔ اسے  
دیکھنے کی حاکم اجازت ہے اور کٹ کے اندر داخل ہوتا ہے۔ اس محل کی طرارت غیر ایسی  
کوئی خاص نہیں ہے۔ لیکن اس میں جن فادات اور عجب و دروازہ جیروں کو جمع کیا گیا  
ہے وہ واقعی قابل دید ہیں۔ تفصیل تو فرم کر نہیں لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ  
ظروف۔ تعمیر۔ چھڑیاں۔ جنگ و دیاب اور ہر قسم کے ساز بچتے۔ صنایعی  
کے نادرا و نادر و ناکار۔ تلواریں اور خدا جیسے کمال کمال موجود ہیں۔ ہر چھٹی کو چھٹی  
چیز عجائبات عالم میں سے کہی جاسکتی ہے۔ حیرت و شگاہ اور لذت نگاہ سے  
ہر قدم پر وہ چار ہونا ٹپا ہے، وقت کم اور اپنی طرف کھینچنے والی لذتیں زیادہ!  
ایک حساس شاعر کے لئے تو ہر صفت ہزاروں خوبوں کی حامل ہوتی ہے۔ جس طرح  
وہ ایک شاعر کے لئے جگر لادی کرتا ہے اسی طرح اُسے دوسرے صنایعوں کی فرق  
ریزی کا بھی پوری طرح احساس ہوتا ہے پھر مصعوں کی اور شاعری کی تو  
جلی درامن کا ساتھ ہے۔ تعمیر پر رنگ میں جسیں تو ہم کہہ رہے ہیں۔ اور پھر  
محل کا تعمیر و گمانائی و تیزا کی دوسرے نکو انساں سے رہی ہیں، ہندوستان کے قریب  
قریب نام بالائی صورتوں کی تمام کاروں کے بہترین نمونے یہاں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ چٹائی آٹہ  
کی بھی حصد تعمیر و آواز دہا۔ (باقی: باقی)

اعجاز صدیقی

# جدید روشاعری میں سلام و مرثی اور نوحہ سونے کے دو عظیم نظمیں مجموعہ

## سرود غم

## نصیر غم

(دوسرا ایڈیشن)

شہد اکبر ملک کی سزودہ صدائے برسی پر شاعر مشرق کا ہدیہ پیام و سلام  
(انحضرت علامہ سیاح اکبر آبادی)

سرود غم کے بعد شمع افروز نظموں لگداز مسلمانوں اور صلاحی باغیوں کا مجموعہ  
(انحضرت علامہ سیاح اکبر آبادی)

دل نشیں رباعیات، دلدوز سوز، دلکش نظموں، دل ہلانے والے مسلمانوں اور دل آگیز پیاموں کا وہی مجموعہ ہے، جس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل جانے کے بعد تیسرا ایڈیشن بھی ایک نشوونما رکھتا ہے۔ اب عقیدہ تمدن ان امام علیہ السلام کے بے حد اصرار پر منسلک دوسرا ایڈیشن کثیر روپیہ صرف کر کے چھپوایا گیا ہے۔ یہ ایڈیشن بعد نظر ثانی خاص اہتمام سے چھاپا ہے۔ اسکی قبولیت دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ کو پہلے ہی سب جلدیں ختم ہو جائیں۔ اور پھر کئی قیمت پر پیر ایڈیشن تک کوئی نشوونما نہ مل سکے۔ اس کے اگر یہ مجموعہ آپس میں ہو تو آج ہی اسکی ایک جلد طلب فرمائیے۔ حجم یکصد صفحات، سائز ۲۹ x ۲۲ قیمت فی جلد ۶۰۰ روپے

اب یہ بات دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ ہر سال شہید کر ملک کے معزورین قصر الادب سے جو نذرین عقیدت پیش کی جاتی ہے۔ وہ ناقابل مقابلہ ہے۔ آپ "سرود غم" میں علامہ سیاح دہلوی کی قوتِ قلم ملاحظہ فرمائیے۔ ان کی عزائی نظمیں، اور ان کے سلام بیک وقت دلوں میں لرزہ مچا دیتے ہیں۔ اب دہلی میں دیتے ہیں اور سندھ والوں میں جوش و خروش پیدا کر دیتے ہیں۔ اب نصیر غم میں ان کی اجماعی ادبی قوتیں اور حسن عقیدت ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں ان کی انہی نظمیں، نئے سلام، نئے غمے اور نئی دیباچیاں آپ کی مجلس کو کیف و اثر اور وجدان و روانہ سے بہرہ ور کریں۔ اس کے علاوہ نصیر غم میں ایک جلد میں آفرین خطیرہ صدارت بھی ہے جس کا مطالعہ اٹھارہ مملکتوں کے علاوہ مسلمانوں میں ایک جذبہ عمل اور ایک باطنی قیام پیدا کر دے گا۔

حجم یکصد صفحات، سرود غم، سائز ۲۹ x ۲۲، قیمت فی جلد ۶۰۰ روپے۔ گواہی کاغذی ہی عمر حصول ۶۰ روپے۔ اس میں یہ کہ جلد از جلد حاصل کرنے کی جلد ایڈیشن بہت کم چھاپا ہے۔ اس میں یہ کہ جلد از جلد حاصل کرنے کی

ملنے کا تہہ بہ تہہ مکتبہ قصر الادب دفتر شاعر اکبر

پیش رو کا ہے

# مشاعرہ شاعر مصرع طرح :- "آن پھر حُسنِ حقیقت کو نمایاں کر دیں"

## حضرت مولانا ناطق گلاؤٹھوی

جان دینی ہے تو اداست قرباں کر دیں  
آہی تریکِ طلب سے دل نہ لاناں کر دیں  
دوست گندہ کو کھو آہام کو سے آئینے کیا  
کفنیں رُحہ کے حلقین عجم ہستی چائیں  
الاسا سال ہے اگر تکی داماں سحاب  
خام غم کو فوجی دیر سے پہلے کئے  
لے گیا چین کے بیت کو خدائے ناطق  
حضرت شہر ہنگامی ایدو وکیٹ اور فی

دل کے بلوں کو ہم اپنے جوانیاں کر دیں  
صرت دید و نہ کھڑ ہوں مگر ڈرنا ہوں  
رات کو آتے ہیں وہ کو غریباں کی طرف  
لاؤ گل سے وہ کس طرح اٹھا دیں پردہ  
جب جھڈا رنگہ فنی ہے جھٹ اُس کی  
متغی ہو کے دیں یہ، یہ خود شاد ہے  
دستِ ذوق نظر اپنی سلامت شستر

## حضرت قمر تقویٰ بے پوری

وہ اگر اپنی قسسی کو نمایاں کر دیں  
د فرما ہوں اگر دشت میں آتا ہوں  
فرط عجاں سے ہے دائرہِ مہر دانا  
بخت دل بزمی حوت نہ آتا و کس  
کُن کے روداد پریشاں کی گیسو دیکھ  
ذوقِ دیدار کی ہر سمت جلا کر کس  
کام میں جذبہِ صادق سے اگر ملے حشر

## حضرت برنِ صدیقی فنجوری

دلِ برباد کے ذوق کو پریشان کر دیں  
خوابِ سوزِ طربا لے دل ہنگام طلب  
عمر بھر میں ہیں ابلطین جات آپ ہے  
نظرِ بادبانِ کرم ہے ہی لے ابر کرم  
یہ تو ہو گا کہ اندھیرا نہ ہے گادل میں  
ساتھ کو دونوں شب غم و شہ سوئی کی کٹھا  
خاکِ ناچیز ہے اُٹاں جو ناشتے میں

## جناب محشر قرخ آبادی

اللہ ہو کسادیہ نصر ادبہ ایساں کر دیں  
تاجِ تخت کو کھکا دیں درِ مظلومی پر  
قعرِ گرد ہے کیا، کنگرہ کسری کیا  
آ کر ہیں شاہِ منصور کو مجبور و حال  
تنبکے خواب کا عالم یہ رہے کا طاری  
ہیں احاسِ ابری ہی نہیں ہے دہن  
کام لیں آن بھی گزرم حوالا کو محشر

## جناب سہا قریشی ایدو وکیٹ بھٹ

اک نئے ڈھنگ سے آغازِ بہاں کر دیں  
جذبہ کسے میں جنسِ دامنِ مدبارہ میں  
ہائے بے بالی ہی قوت پر واز نہیں  
جب تو کھجور کا کام آجیہا آپ کے ہیں  
لیجے قیدِ نفس بھی مجھے داس آہی گئی  
پس طار ہے ہی اک غمِ تنہاں کا  
لفظِ افلا بھی جو جاکے سما کی ہستی

اپنے افرا غم کا اُنھیں حشر کر دیں  
سازِ غم چھٹکے ہستی کو فوجیاں کر دیں  
نشتِ آبِ اود بھی ہو پتہ کی جا کر دیں  
اپنے دامن کو ہم آؤدہ جیاں کر دیں  
لاؤ بھر شمعِ تنا کو فستہ زان کر دیں  
ٹوٹ کر تازی قلم بھر بھی جو اناں کر دیں  
رتی کو بھی وہ اگر جاہن و اناں کر دیں

بائی ظلم کا شہزادہ پریشان کر دیں  
سر بلندوں کو بھی اب سرنگریاں کر دیں  
ہم وہ ہیں ذریعہِ عالمِ ماکاں کر دیں  
مخمرِ نقشہ طلب میں ہمسراں کر دیں  
میں کو شہ کے پردہ میں کو نمایاں کر دیں  
ایک ٹھوکر میں شکستہ در زان کر دیں  
ہم ہرک منزل دشوار کماں کر دیں

لاؤ ہم اپنے گریباں کو گریباں کر دیں  
اُنھیں قتلوں کو اگر چاہیں طفاں کر دیں  
باغیاں کشا جو کیا دادِ زہراں کر دیں  
کر یہ آموگلی خارِ مینساں کر دیں  
شوق سے آپ نشینِ مراد ال کر دیں  
آپ فارشِ غناؤں کو فزوناں کر دیں  
ایک شہر بھی جو وہ دقیقہ جیاں کر دیں

## جناب وقا جون لوری (پہلی)

کبھی ناہل، کبھی جہاں کبھی گریاں کر دیں  
منظر شام و سحر کو ابھی تک کر دیں  
زحمت چارہ گری بس نہیں دیناں کو  
ڈربہ عصمت نظارہ پر جوت اسے گا  
عرف آئینہ پر سوخت سبب جہاں  
نہیں رواستے ستم جھکو کر نہ رہے  
جلوہ حق نظر آئے سحر سحر وفا  
جناب پریم شیدائی دہلوی

جمع بعد ازل کے اجڑا اسے پریشاں کر دیں  
جانہ عشق میں ملت کاٹاں ہی نہ رہے  
اپنے ہر ذرہ ہستی میں ہے اتنی تابش  
ہو گئیں ادھی دھار وفت کی راہیں  
دوسم گل ہی پر سوخت نہیں عشق دل  
قوت ذوق نظر ہے کچھ انجین نہیں  
پریم کے بعد نہ پھر کوئی دگر وفا

## جناب رحمان نظامی - راجپوری

آؤ ہندو کو کمرنگ گلستاں کر دیں  
تو ہم اس عکسے کو آئینہ سماں کر دیں  
اس غلیبے کو بھی فردوسِ بیاباں کر دیں  
مٹ چکے ہیں قلعوں انگوٹیاں کر دیں  
ہم اگر سوئے نظر اپنا نمایاں کر دیں  
کہ جو شیرازہ اکھا پریشاں کر دیں

## جناب طرہ قریشی بھٹنڈاری

ایک ہنگامہ امین یہ داماں کر دیں  
حقن کو عشق کی صمدت کو نمایاں کر دیں  
منظر جہاں تاب کی گریں کیوں ہوں  
جذبہ جذبے داس میں تری پریم غم  
ملنے شکوہ تار کی بزم ہستی

بشکے نہیں ہر میں سو وہ اسے کر دیا

## جناب خلیل ازگولی

آؤ بل جمل کے یہ اک کار نمایاں کر دیں  
لعلت اجاسے میری بس بھی بھول کر دیا  
دل سے اٹھتی ہی نہیں سو بجا سحر وفا  
صحن گشت میں ابھی آئی نہیں بویا سیم  
ہلوئے بدل میں ہواک خطوہ ہلاں نہیں  
مخل عشق میں خاموش ہیں کون پھیل

## جناب عصمت قریشی بلا سہلوری

دشت عشق کو عالم پر نم نمایاں کر دیں  
سوز کوسا کے ہلوئے نمایاں کر دیں  
آستے الباس بھی کوئی دن کرے بولنے  
ہو تو باؤں میں کسی طرح ہم آغوش چین  
میں مجھ بھلا زینت بھی نہ اک گلہ بپنے  
کیا صفت حضرت طرہ کی کیاں پر عصمت

## جناب سیاب کاکوی

کچھ دیکھو وہ موعال پر سماں کر دیں  
طوبہ آئیں وہ، یاد دل کو ہم پر دغا  
بکسی بیخ دالم خواب کی بائیں ہو بائیں  
پھر کریں عالم سادات و اخوت کا چین  
چوڑ کو مشعر میں دودا و محبت اپنی  
ہم اگر نوز نو چھڑ دیں رہنا بیاب

## جناب بخت اکبر آبادی

اپنے اعلان رنگے پر نمایاں کر دیں  
پھر کسی فکر و ذہن کی ضرورت ہی نہیں  
کیوں غیروں کو گرائی بکے پریشاں کر دیں  
درد میں اس آج کیں ہے نہ کیوں صلہ کر دیں  
باغیاں بھگدیں بر باد کی دیرانی کو  
فیض علامہ سیاب کے کچھ نہیں

ہم اگر اپنی شنا کو پریشاں کر دیں

منزل عشق ہے دھواں دھواں کر دیں  
شام و نماں کو جو ہم صبح بھلاں کر دیں  
دردناک دوزا نہیں ہم بھی پریشاں کر دیں  
لے جنوں پہلے ہی کیوں چاک کر بیاباں کر دیں  
جب بھی چاہیں سے خالق طوفان کر دیں  
حقن کوسا زحمت پر غرقاں کر دیں

## جناب سیاب کاکوی

چاک دل چاک جگر، چاک گریباں کر دیں  
ایک ہنگامہ سبب محض اکھاں کر دیں  
اجنی صمدت توی صمدت کو نمایاں کر دیں  
گل بدماں نہ سہی خار بدماں کر دیں  
وہ بے جاں اسے دین گناہ کر دیں  
وہ بے جاں اسے حاجت بیاں کر دیں

## جناب سیاب کاکوی

نڈکی کا نہ سہی موت کا سماں کر دیں  
ہے یہ مقصد کی صمدت کچھ جہاں کر دیں  
ہم اگر مڑ ملے زینت کو آسماں کر دیں  
پھلے اسے انسان کو انساں کر دیں  
کیوں نہ اس زندہ دیشاں کو کشاں کر دیں  
قد و ذرہ کو گلستاں کے خوشاں کر دیں

## جناب سیاب کاکوی

آج ہم کس کے لئے کچھ مریاں کر دیں  
ہم اگر آج سماں کو مسلاں کر دیں  
اہل سرباہ جو ہر جس کو انداں کر دیں  
مخل فضاں کیسے دنیا کو دیراں کر دیں  
کرم و طاعت سے کواکب ستاں کر دیں  
تحت کمال عمر کا کاشا خاں کر دیں

### جناب عارف سیالکوٹی

آؤ پڑھو حق محبت کو خستہ دل کر دیں  
آؤ پھر وہ غنائوں میں پھر لڑیں  
بے حجاب آئے وہ ایوانِ حضور میں بھی  
سلکِ عشق میں محبتِ خاطر سے لے لے  
انک حسرت سے بے گھر نہ لکھی محرم  
جناں شکرِ مال و فاکر آبادی

نورِ عشق مجازی پہ یہ احساں کر دیں  
کون کسے نہیں دردِ محبت کا علاج  
ہم نہیں فوسے وہ اپنی دہلے دہلے  
نظرتِ چرخِ بہنِ خود ہی بدل جائی  
دیکھ ہم درسِ وفا و محبتِ عالم کو وفا  
جناب شانِ اولیسی۔ احمد پور شرقیہ (بھادونپور)

ذکرِ قدسِ سرہ جولوہ کو نیاں کر دیں  
دلِ تاباک کی تسکین کا سال کر دیں  
حسبِ انجیمِ محبت کی تلافی کر کے  
زندگی بافتِ مکیہ لے لے دیا کیوں ہو  
فیض ہے معریتِ سبکدوشِ اجدادِ حقان  
جناب انور ذائق بیگلوری

دل اگر راہِ محبت میں گیا جاسے دو  
چشمِ دیدارِ طلب کو نہ ہی حسرت وہ  
ہم سسرِ بزمِ ہی انظارِ حق ایک کے  
جو نہ دشت کو ہمارے لہجہ دیکھا لیا کر  
اسے اثرِ ماز میں ہر گز نہ رہے ناچھوڑ  
جناب منظر رحمان مظفر پوری

دہری زرع ہے گلشنِ یاسِ اُبد  
تج کا کون شہِ ہستم پھر نہ منت  
تو اگر جو شِ جوں اب بھی نہ دھوئے  
دیکھیں چنے اگر باغ میں تیرا حاکم

اس خاذا کو خستہ دوس بدلائیں  
آؤ پھر سازِ محبت کو خستہ نواں کر دیں  
سر سے تار یک غنائوں میں جرفاں کر دیں  
بکوں نہ شیرازہ ہستی کو پریشان کر دیں  
انتہا میں خطری کو بھلا میں کو طواں کر دیں

خود ہی وہ حُسنِ حقیقت کو نمایاں کر دیں  
وہ اگر چاہیں نظرِ ذال کے دریاں کر دیں  
وہ جاکر کسے ہیں لاکھ پریشان کر دیں  
سوزِ نہاں کو اگر ہم شہِ شہِ انشا کر دیں  
ستم و جور کو پھر حافِ یہ میدان کر دیں

دووں عالم کے اندر دل میں جا کر دیں  
ایک جھوڑ کو شہِ رشیدہ احساں کر دیں  
عمر و اندازہ کو فروس بدائیاں کر دیں  
زندگی وقتِ شادِ طوطاں افشاں کر دیں  
وہ اگر چاہیں تو گو گوں کو فرو توں کر دیں

جان نکل جی ہم اس راہِ مرغزاں کر دیں  
استغورِ جلوہ گوی حُسن کی انداں کر دیں  
بکوں اس نو دلِ پیاں کو پشماں کر دیں  
ہم ہر اک ازہ کو چاہیں تو بیباں کر دیں  
وہ اگر حُسنِ حقیقت کو نہ بیا کر دیں

کاش وہ آسے یہ شکلِ مرئی ساں کر دیں  
بہشِ دماغ ہی کچھ میں چٹاں کر دیں  
منزلِ عشق کو ہم ادھ کچھ سال کر دیں  
موجِ کُن کی خستہ چاک کر لیا کر دیں

### غزلتِ عشق کو خستہ گدا ہی نہیں

جناب منیر اثر اکبر آبادی  
آپ کے دم سے ہے ترتیبِ بہارِ عالم  
وقتِ نظمِ گلستاں ہے کل اُن میں  
پر تو حُسن سے ہوا جیٹل آنکھیں پھٹن  
جانِ دول کی ذوقیت میں حقیقت کیا ہو  
کاش چکر ہی آخرِ عشقِ مہرِ دل میں

جناب عالی۔ علی نگر ولہ  
وہ بتِ غازیں سولوں کو جفاں کر دیں  
یکہ نہ نکل جوں لاکو کی سال کر دیں  
ناکل ہے بہت جی میں ابھی نوزِ طغش  
نہ ہی عشق میں حقیقتِ خاطر نہ دہی  
کفر و زحالی میں نہ کچھ فرق رہا اے عالی

جناب انور نوحی ابوالوسی  
درد و کدوہ مرسے درد کا دریاں کر دیں  
طالبِ دید ہوں دیکھ کی فاضلِ جہے  
گورے قمر سے کچھ کم نہیں وہ اپنا  
شب کی بات نہ رہ جاسے کسی کے دل میں  
ذال کو بر خیزد ایک خیانت کی نظر

جناب سلطان نقشبندی  
بزمِ کدوہ مرسے درد کا دریاں کر دیں  
دیم آؤ ہی وہ آج سائیں مرئی الطیر  
دل تو ہم دھنا نزل دی ہی کچھ ہیں انگو  
بھگیاں چھوڑے گوانے جو ہستم سے گر  
داغِ دل داغِ دماغ میں اب تاب کو

جناب انور شہما دوسی  
پر تو حُسنِ حقیقت کو نہ بیاں کر دیں  
درد کو راحت و آرام دلِ دواں کر دیں  
نہیں آج ہے اگر آپ کو تسکین دینا

کہ نہیں ہم ہر حشر کی پشیمان کر دیں  
آپ چاہیں تو بیباں کو گلستاں کر دیں  
گل کدوہ سائیں کہ کھیل کو فرو توں کر دیں  
منکسرِ غلب پہ وہ جلوہ نمایاں کر دیں  
وہ بھی چھوڑے خدا دشمنِ اہل کر دیں  
اندازِ مزین یہ مراغہ نہ دیراں کر دیں

استغورِ کفر کو چھائیں کہ اہل کر دیں  
ان کے دامن ہی کو آؤ گناہ گریاں کر دیں  
درد کو آنا بٹھائیں کدوہ دریاں کر دیں  
یکوں نہ شہِ رشیدہ ہستی کو پشیمان کر دیں  
وہ اگر اپنی بھلی کو نمایاں کر دیں

عشق کی منزلِ دلِ دشاں کو آساں کر دیں  
حُسنِ ستور کدوہ اب تو جفاں کر دیں  
ہم اگر چاہیں تو بے باک اہلِ طواں کر دیں  
آپ اگر حُسنِ حقیقت کو نمایاں کر دیں  
دعا گناہ کی دلِ آؤز کو فروزاں کر دیں

آج پھر حُسنِ حقیقت کو نہ بیاں کر دیں  
کاش آنا تو مرسے حالِ بہاں کر دیں  
اب جو وہ آئیں تو بے جان بھی تو لیا کر دیں  
نہیں سٹلے مرئی دل کے پشیمان کر دیں  
سے کے وہ حُسنِ قبول اور دھوکا کر دیں

دل کے آئے کو آئینہ عسافاں کر دیں  
خود ہی بدلائیں تو تسکینِ سال کر دیں  
درد کو درد کو کچھ اور فروزاں کر دیں

اپنی نظروں میں ہے وہ جلوہ مژنگ ازل  
خلوت شوق میں کہ جاہی رہیں ناز و نیاز

### جناب شوق شہادوی

جلوہ طور سے نظروں کو پریشان کر دیں  
کچھ نہ کچھ یاد تو باقی ہی رہی دل میں  
ظرف سو سنی کا ہزاروں کو مائل ہوئی ہو  
حسرتیں ماز کر دیں تنگی دواں کا لنگر  
پھر اٹھا شوق وہ اک نغمہ کین وستی

### جناب شاقب بڑوانی

یہ تو ممکن ہے علاء دل سوزاں کر دیں  
انھیں ہو جو ہر ذوق نغمہ کا مقصود  
کسی صورت سو تو ہو دور یہ تار کی غم  
بھگے یہ ضد کہ نہ آئے کوئی دل کی امید  
اور در ہی کوئی نا قب نہیں سچوں کے لئے

### جناب ارشد صدیقی ساگری

وہ اگر محسن کے جلوں کو پریشان کر دیں  
تاب نظارہ نہ مانے کو رہے یاد ہے  
عشق ناکام سے کمد کہ ابھی ہرگز  
ذوق نظارہ دکھائے یہ جو ہم اکین کلیم  
پھر کراؤ ہوا بر کوئی نغمہ ارشد

### جناب غلیق ایلووی

اچھے دیوانے بھی ہیں عالم اسکاں میں بھی  
پھر نہ کوئی جہان بخشش باپ لہر  
قائد احمد کے سال سو گنا اس طرح قریب  
اب نہ پڑھیں دلی یوس کو روادام  
سلب ہو سکتی تین طاقت پر داز غنیمت

### جناب فاسخ اودے پور

مذاکرہ میں ہیں ہم باغ کو دریاں کر دیں  
بکھری ہوں میں چہلے پھر باغی بہرگز

جس پر پڑ جائیں نگاہیں سو حیران کر دیں  
آپ آفر کو بھی ہر اڑ سبشتاں کر دیں

”آج پھر محسن حقیقت کو نمائیاں کر دیں“

مغفلیں آپ سجا کر حری دیواں کر دیں  
وہ سخی کو سب طور نمایاں کر دیں  
دل کے ہرزہ کو دوست پر مایاں کر دیں  
دل کے بھی ساز شک کو غم خواں کر دیں

عشق ایسی نہیں شکل ہے آساں کر دیں

اسے جلوں کو ذرا آنا حد امکان کر دیں  
آؤ پھر بزم محبت میں چو اغاناں کر دیں  
انھیں اور مان کر پوری مایاں کر دیں  
کس لئے سر کو نہ وقف درجائیاں کر دیں

اہل نظارہ کو آئینہ حیراں کر دیں

آپ تو شیخ حقیقت کو فر دزال کر دیں  
ہم در فطرت غم کو تو نمایاں کر دیں  
جس کو طرک اک شکر عراں کر دیں  
کوہ گل کی لطافت کو نمایاں کر دیں

ایک ہمت سے جو با حشر کا طوفاں کر دیں

بزم کوئین کے ہرزہ کو کھٹاں کر دیں  
ہم تنہا کی ہر اک صبح کو طوفاں کر دیں  
آپ انسا ہی میری حال راجاں کر دیں  
مربع آزاد کو گرد آہن نہ مایاں کر دیں

دیکھ لیں ہمیں دوسرے بیاباں کر دیں

حسن پوشیدہ کو ذرا چو نمایاں کر دیں

عمر ہر سوزن تدبیر رو کر نہ سکے  
عمر پھر عیش کے سامان کے چنگ لئے

خوگاہیں کو جو ہم دیکھتے ہیں لے فارغ

### جناب یحییٰ دیوبندی

جلوہ محسن کو کچھ اور دستہ اداں کر دیں  
تیرے دیوانے اگر چاک گر مایاں کر دیں  
ہیں جو ہنسا راغبین بن قیو غم نہ جات  
پھول مڑھ گئے کھلائیں مادی کھلا

آج خرد میں تخیل کو سجا کر اپنے

### جناب ممتاز ازگھندہ

ہم ہیں افق آفر آہ و فغاں سے اپنے  
کیا کہیں اہل محبت کو، شہ لوگ ہیں جو  
یہ بھی بیٹے کا بے مقصد کوئی بیٹے والو  
سب کچھ آسان ہے آئینے آباں پر مرا

میں تو محبت میں ہی آئے کو نکاح و تر

### جناب انجم کاظمی ازبجاریں

آپ یہ درد محبت ہر اک آساں کر دیں  
دووں عالم کا سکون کوئی لے نہ جاتے  
اپنی آنکھوں کا انھیں مرتبہ معلوم نہیں  
شرط الفت ہے یہی موت کو ہمیں آواز

شعری کا ابھی آغاز ہے لیکن انجام

### جناب مازن بن بزباب گدھی

فرصت سب جو ہم کو نہیں ہے نہ بھی  
اغت یہ ویراں کدہ عشق یہ تار کی غم  
اب بھی باقی ہے وہی حوالت یا مان طبع  
طور و ایمن کی کوئی قدیس ہو نہ آتش

### جناب خادم تراہوس ازبجلیو

موج نہ کوئی جہاں دیدہ گریاں کر دیں  
آپ بسا دو عالم ہوں میں ملو جہاں

تیرے دیوانے اگر چاک گر مایاں کر دیں  
وہ ہی اس طرح ہیں بے شرم مایاں کر دیں؟

دلیں آنا ہے کہ اس باغ کو دیلاں کر دیں

یعنی ہر ذرے کو فردوس جہاں کر دیں  
دل کے ہر ذریعہ کو مژنگ گلستاں کر دیں  
کیوں نہ دیوانہ کو آواز نہ نڈال کر دیں  
اور کیا مذہب خواں اہل محبت کر دیں؟

محسن کو عشق کے پردوں کو نمایاں کر دیں

آج چاہیں تو با حشر کا طوفاں کر دیں  
جان کر جان کو نہ رستم جہاں کر دیں  
خود پریشان ہوں عالم کو پریشان کر دیں  
وہ اگر چاہیں تو شکل میری آسان کر دیں

اپنی محبت سے حوالہ میری عیاں کر دیں

میری بھانگی عشق کا درماں کر دیں  
آپ جس کو بخشنے سااں کو پریشان کر دیں  
جس جگہ چاہیں وہیں طرک ساماں کر دیں  
اس سے پہلے کہ وہ تسکین دلی چاہاں کر دیں

لفظ فرمایاں جانا و غم خواں کر دیں

کیوں نفس ہی کو نہ ہرگز گلستاں کر دیں  
ٹوٹ کر عمر سے تاری ہی چٹاں کر دیں  
آگ کو آؤں بھی چاہیں تو گلستاں کر دیں  
آن کو جب چاہیں جہاں چاہیں مایاں کر دیں

ہم گل جائیں تو ہر فطری کو ظاہر کر دیں

آئیے شان محبت کو نمایاں کر دیں



نازناں ہو یہ ہنگامہ الفت میں جود  
 کاش وہ اپنی نگاہوں کی کبھی اسے غلام  
 جناب ناظم از جلدین  
 نور دہاں سے آہنیے کو فروزاں کر دیں  
 پیری خاق نگاہوں میں ہے تاریک جہاں  
 نظر طوط پر پھر چشمہ تماشا کی ہے  
 ناظم اب حضرت سیب کے شاگرد ہیں ہم  
 جناب رفیق انصاری شاہدہ  
 سوز ہستی کو زمانہ پر نمایاں کر دیں  
 آپ ہی نے مجھے آواز عشق بخشا ہے  
 وصلیت نہ کرے کہیں قرب حاصل  
 تاجے تنگ صحرایاں کو شکوہ  
 جناب منظر کلیم جام پوری  
 بندو آؤ نفس میں ہیں چراغاں کر دیں  
 آج پھر طوط ہے دیکھنے والوں کا جہنم  
 ان یہ بوقت ہو وہ پھل پڑیں کھلے  
 لطف آنے پر لٹی دل میں منظر  
 جناب کلیم حسن بادی اذہبی  
 ابد مدت سے ہے آجوی ہوا دل کی بستی  
 وہ تو کیا اٹکا تصور بھی نہ لاؤں دل میں  
 ٹوٹ سکتی ہے یہ زخم غلامی کی ابھی  
 اپنی آنکھوں سے ملا کر وہ کسی روز کلیم  
 جناب رفیق نشاط سابعینی (بنگال)  
 اللہ نظر آپ جو اسے مرشد و راہ کر دیں  
 لڑتے دشمن کو وہ گراپے نمایاں کر دیں  
 سکہ شوق مسل کا تعاضد یہ ہے  
 عشق کے سوز کو بھل میں چھا کر تیری  
 جناب وحشت انصاری المینری  
 جہزہ میں ازل وہ جو تمسایاں کر دیں  
 پھر سے خون کے قطروں کو صفا کر دیں  
 میرے ہر تار رگ جہاں کو غم نواں کر دیں  
 داغ دل کو مرے خود بندہ رخاں کر دیں  
 آج لہو آگے سر طوط چراغاں کر دیں  
 کاش وہ برق نقاب کو عریاں کر دیں  
 وہ اگر چاہیں کو پھسے کو غم نواں کر دیں  
 غلت دہریں انکوں سے چراغاں کر دیں  
 آپ ہی اب میرے ہر درد کو دہرا کر دیں  
 دل یہ کہلے کہ ہر صبح کو طوقاں کر دیں  
 بکوں نہ ہر درد کو بھلا کر دیں  
 سر د آہوں کو یہاں شعلہ بھاماں کر دیں  
 آج وہ حشر حقیقت کو نمایاں کر دیں  
 ہم بہتے فرح کہ ہم ماسخ داناں کر دیں  
 ہاں ذرا دردہ زلفوں کو پٹیاں کر دیں  
 آپ چاہیں تو سے زنگ گستاں کر دیں  
 بھلو مجبور میرے آگراں کر دیں  
 خون مسکے آگ آج ہم انداں کر دیں  
 زباہ خفق کو بھی کاش سماں کر دیں  
 آج ہر داغ عبت کو مسخہ زماں کر دیں  
 عشق سکھو کو پویت رگ جہاں کر دیں  
 ساتھ آئے ہیں بہاروں کو وہ نیکو وقت  
 جناب انس الدیدی از پاولہ  
 تیر کو جتنی لکھی کاسن وہ دہاں کر دیں  
 عید مہنی کا اعادہ جو سماں کر دیں  
 فصل گل آگئی کیوں نہ بھنا آبا ہے  
 دیکھ جنش میں ہر ظلم و زہل و اسد  
 جناب ضیا انصاری  
 لڑتے عشق میں ہیں کچھ اور اضافہ ہو جائے  
 میرے دہرہ و دل دادی میں تاجیں  
 تپش دل کا میں مرگ بھی باقی رہی لطف  
 نبض جذبات میں آجائے حرارت جو حیا  
 جناب عارف امراہیم بانگولٹی  
 جلوہ طوط کے امراہیں نہاں دل میں  
 جان دے کر ہی الفت میں شاکر ہستی  
 فائدہ دل مرا مدت سے پڑا ہے دیراں  
 دل رو دینا تھا دیا، جان ہوتی اس کو  
 جناب زخمی  
 سمجھو، دوسری کی مروت نرم و دیر کو ہو  
 اس میں بدایا نہ ہو حسرت و ادا کا خیال  
 زندگی بچی رہے موت کی آغوش میں کیوں  
 فصل گل آئے تو ہم خوش جنوں میں زخمی  
 جناب طلش درودی پروودی  
 دل کے دافوں کو جو دہاں نمایاں کر دیں  
 دفعتاً وہ تیغ اور سے اکٹ دیں جو نقاب  
 جنیں ساحل نہ لڑاوی جنیں پیش چہر میں  
 جناب آزاد مہمی  
 عشق ہند کو ہند رنگ بہاراں کر دیں  
 دھند تفریق اگر گرو مسلمان کر دیں

فصل گل آئی ہے چو چاک گریبان کردیں  
لاش آجائیں وہ جان گل دشمن کردیں

و جہاں آئے فتادوں میں پریشان کردیں  
اودھل کو سر سے فردوس و اماں کردیں

جناب قسیم ترمذی کینٹھلوی  
باد سے انجینہ کدیں کہ آئے دلی میں

آپ اتنا ہی مرکب حال پر احساں کردیں  
سحر شہزاد کا عباد اس عیال کردیں

جناب قاضی ادونی

آج پھر سخن حقیقت کو غایاں کردیں

جناب جی دکنی

آج پھر سخن حقیقت کو غایاں کردیں

آہ سوزناں سے اگر کام جگر سوزنے لیں

آشیاں پھر کدیں گلشن کو بیاں کردیں

گلشن دہریں ہرمت چراغاں کردیں

آج پھر سخن حقیقت کو غایاں کردیں

ہے یہ اچھا کہ نہ منت کسی میں گریہ پڑا

درہ میں سے ہر کردہ کا دماں کردیں

سلسلے اپنے و آہستے کبھی آئینہ

ہم وہ آئینہ ہیں کہ جبرائیل کردیں

جناب صاحب انصاری پیمروسی

یعنی ہر خار کو صد رنگ گل کردیں

چندا جواہر پریشان کو جو قہر سرری

آج پھر سخن حقیقت کو غایاں کردیں

سلسلے آخر طوطی کی غنچہ لعل پر ہو کر

ترو طوطی میری نظر لعل کو نہ جبرائیل کردیں

حال دل لکھتے ہو گراں کو نہ بیاں کرتی ہے

کیا تھا ہوں کو غایاں غم نہاں کردیں

اُن کو شعلہ ستلاہیں اگر ہے ساجین

نشر عین کو پیرست و گج جاں کردیں

جناب کف کوئی

یوں تو ہے بافت میرا دل اُن کا خیال

جناب محمد اولوی

ذرتے ذرتے کو جواب نہ تباہ کردیں

نہ غم چاند سارو بھی نہیں ہیں دشمن

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

ہم اگر دار غنیمت کو غایاں کردیں

حال دل نکلتا اُن پر کسی عنوان کردیں

نہ غم چاند سارو بھی نہیں ہیں دشمن

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

کبھی نہیں کبھی نہیں کبھی نہیں

حال دل نکلتا اُن پر کسی عنوان کردیں

نہ غم چاند سارو بھی نہیں ہیں دشمن

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

دیر بس اُن کی نوازش کی جسے نقد ہوا

وہ اگر چاہیں تو محمد کو سلطان کردیں

یوں تو ہے بافت میرا دل اُن کا خیال

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

جناب فاضل ازہر بٹولی

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

دل کے داغوں کو سر نہم چاہتا کردیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

دار غم دل کے اگر اپنے غایاں کردیں

دل کے داغوں کو سر نہم چاہتا کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

میں مفضل ابھی ہو جاتے وہ بالا اگر ہم

دل میں آئے گلشن کو بیاں کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

علم خوش چوڑی ہوتے فرد ہے غافل

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

جناب شہناز گوہر الہی

جہاں میں جانوں کو درد کا دھماکا کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

آج کل خوش ہے مشق تصور اپنی

ہم نفس کو ابھی چاہیں تو گلشن کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

نذر کا دقت ہے آجائیں وہ پریش کو نہا

اپنی قسمت پہلے آج فوٹا اُن کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

جناب کامی و بیورسی

دل فتادوں کا سر نہم ہے اچھو دل کا چین

اسے برباد کریں آپ کو دیوان کردیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

لاکھ ممکن نہیں سوزد بخش دل کا علاج

وہ اگر چاہیں تو کامی ہو عنوان کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

جناب بیارے لال ایم۔ اے

آؤں میں سے اسے شگفتہ کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

خوشی میرے دہان وطن ہے اپنا

تیرے لئے کدیں گراں کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

خوشی میرے دہان وطن ہے اپنا

تیرے لئے کدیں گراں کردیں

جلالت ہے تلوں کو بھی دیا نہیں

اپنے مودوں سے بھلے امداد جلال کردیں

## اصلاح سخن :- جناب ابو محمد زکریا صبا گیارہ کی غزل پر حضرت سرریا بری مینائی کی اصلاح :

آبِ حیاتِ عشق پئے جا رہا ہوں میں ۱ <sup>اے موت تجھ کو زیت</sup> ثمرِ مندہ موت کو بھی کئے جا رہا ہوں میں  
 اذواں ہے سودا یا کہ گراں یہ خبر نہیں ۲ <sup>اڑناں ہے یا گراں ہے سودا</sup> دل دے رہا ہوں درد لے جا رہا ہوں میں  
 تریاق ہے کہ زہر نہیں <sup>کسے کوں</sup> اسکا امتیاز ۳ جو مجھ کو ل رہا ہے پئے جا رہا ہوں میں  
 وہ بھی تھا ایک وہ بھی کر دامن <sup>سودا تھا ایک وہ بھی کر دامن</sup> یہ بھی ہے اک جنوں کے لئے جا رہا ہوں میں  
 دنیا ہے کتنی کتنی عالمِ افساد دیکھنا ۵ جینا ہے ناپسند ہے جا رہا ہوں میں  
 ٹہس ہے مجھ جہان نہ ہو جائے ناپسند ۶ <sup>دُڑا ہوں دوست دل عالم نہ ملے ہو</sup> اتنا بلند ذوق کئے جا رہا ہوں میں  
 عریاں مائلِ زلیت ہے ہمت کی ڈانڈی ہو ۷ <sup>جدد</sup> اپنی سی کشمکش کر کے جا رہا ہوں میں  
 ہر ذرہ سر بلند ہے آغوشِ باد میں ۸ پستی سے دریاں لے جا رہا ہوں میں  
 ہن جان دے کے بھی یہ پشیمانیاں مری ۹ جیسے کسی کا خون کئے جا رہا ہوں میں  
 کعبہ کدھر ہے دیر کدھر کچھ خبر نہیں ۱۰ <sup>کعبہ کدھر ہے دیر کدھر کچھ خبر نہیں</sup> صبا سرابِ شوق پئے جا رہا ہوں میں

توضیح :-

- (۱) مصرع ثانی میں موت کو ثمر مندہ کرنے کو بھی ایک غم تو پیدا ہوا تھا لیکن جلیانے مصرع کے  
 یہ غم بھلا کر دے "موت کو زیت کرنا" کیا خوب مصرع ہے۔
- (۲) پہل مصرع میں سودا کا انصاف رہا تھا۔ جملہ سے یہ عیب دور ہو گیا اور مصرع بھی  
 جست ہو گیا۔
- (۳) "نہیں اسکا" جس مدد سے مانگی نہ تھی وہ کسے کون ہے۔
- (۴) دونوں مصرعوں میں جنوں "عمل نظر تھا اس لئے فاضل قادیانے ایک مصرع میں سے  
 لفظ جنوں نکال دیا اور اس قول کے ساتھ کہ غم میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی۔
- (۵) کتنی عالمِ افساد "مجھ نے دیکھا ہے دنیا بھی کبھی عالمِ افساد بنا دیا اگر  
 ایک ہی مصرع پر دنیا "اے عالم" کا اسنے قریب واقع ہونا مناسب نہیں معلوم ہوتا
- (۶) مصرع اولیٰ میں جو کتا تھا اسے اکو بھی رنگ عالمِ افساد دیکھنا  
 ہے یہ بھی رنگ عالمِ افساد دیکھنا
- (۷) صبا صاحب کا مصرع اولیٰ بیت (اور اس کا مفہوم غم و افسانہ تھا) — مصرع کو  
 مصرع میں بندی اور مفہوم میں مطابقت پیدا ہو گئی۔
- (۸) مشرق کا مفہوم قبل جملہ واضح تھا اور نہ بعد جملہ واضح ہو سکا البتہ اصلاح کو  
 "ہمت کی داؤد ہو" اور "کشمکش" کا نقص دور ہو گیا میری غیر رائے میں صبا  
 صاحب کا مفہوم اس طرح واضح ہو سکتا تھا
- یہ جانتے ہو کہ کتنا ہے مائلِ زلیت اک جہدِ زلیت کئے جا رہا ہوں میں  
 (۹) "میری کی کڑی" ہی کہ ضرورت تھی۔
- اعجازِ تصدیق

# سائنسی فک فاقہ کشی

ذرا ان صحت کے سامنے دیکھئے دسترخوان پر کتنی قسم کے مergen اور لذیذ کھانے رکھے ہیں اور ذرا ان کا جتہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اتنا کھاتی ہیں مگر تہی سے چڑا لگا ہوا ہے۔ آنکھیں زرد اور دھنسی ہوئی ہیں۔ خون بدن میں نام کو نہیں۔ پھونک مارو تو روئی کے گالے کی طرح اڑ جائیں۔ یہ حضرت سائنسی فک فاقہ کشی کہتے ہیں،



ان کا جگر خراب ہے۔ کھانا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتا اس لئے جسم اس کھانے سے پوری غذائیت حاصل نہیں کرتا۔ جیاتین کی کمی ہے۔ اس لئے بدن نہیں بڑھتا۔ فولاد اور چونے کی کمی ہے۔ اس لئے خون نہیں جھلکتا۔ ان کے لئے شربت اکیر خاص کا استعمال ضروری ہے۔ شربت اکیر خاص بعض خاص یونانی اجزاء آرن فولاد اور کیلیم اور جیاتین کا ایک خاص مرکب ہے۔ جسے سائنسی فک طریقے پر بنیر ہاتھ لگاتے بنایا جاتا ہے۔ یہ شربت جگر کو خوب قوت دیتا ہے۔ خون اور خون کی سرخی کو بڑھاتا ہے۔ وزن میں اضافہ کرتا ہے۔ چست بنا دیتا ہے۔ بیٹلس دن میں صورت بدل دیتا ہے۔

قیمت

فی شیشی ایک دوپہ آٹھ آنہ

ہمسند و خواہاتہ دہلی کی خاص ایجاد

## منظور شده

حکومت ممالک متحدہ اگر وہ داودہ  
حکومت تعلیم ریاست کشمیر

منظور شده

محکمہ تعلیم صوبہ ممالک متوسط و برار  
محکمہ تعلیم ریاست میسور

[illegible]

۱۹۱) مرثیہ ادب جناب محترم میان نیرتاشہ خاں صاحب غفرلہ مبارک کن شریعت ایشہ خاں صاحب مرحوم کے بیوم فطر ریاست گوالیار فتحہ سالانہ  
۱۹۲) مرثیہ ادب جناب محترم سید فضل کریم صاحب مالک جشد پورٹا کینز و سٹاڈٹا کینز جمشید پور (ڈانانگر) فتحہ سالانہ  
۱۹۳) مرثیہ ادب جناب سید محمد علی صاحب قلعہ جالندھر سالانہ

معاونین ادب

(۳۲) جناب سبحان خان صاحب فاضل جہول کے رسالہ:

(6) مہلکون ادبِ مٹری۔ بی نہیں مآثر بی۔ اے اکبر آبادی مٹری سالانہ

(۴۳) جناب پیدل جدر صاحب آبادی مجسید پور سے ۱۸۸۰ء

۱۰) صاحبِ دوپٹا بیرونی محبوبِ حسنِ عاقبِ آسمانی سونہری رُکی (جنتی) علیہ السلام

(۳۴) جناب ید افتخار حسین صاحب کو کڑھنوی کو ماہرہ سے رسالہ

(۹) مکتوبہ لاہور: بحوالہ تصدیق ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ پیرو رسالہ ادیب، دہلی، صفحہ ۳۸ سالانہ

(۲۵) جناب شیر رفاد صاحب برگ ہندی سے ملاقات

۱- اصولی ادب جناب محبوبہ دارا فرعل صاحبہ میاں لکھنؤ سالانہ

(۳۶) جب عجم ہوئی عبد الرحمن صاحب شاور کا تذکرہ ہے کہ

تبریز و الزاد

(۳۸) جناب سید غلام مرتضیٰ صاحب سکسٹھ سنٹر دی ستر سالانہ

میدروان ادب

(۱۱۶) محمد و ادب جناب مولوی عبد الغفور صاحب سہلان جالندھری مدظلہ سالانہ

(۳۹) جناب کنود فاروق علیہ الرحمہ صاحب قادیان اُپس بنڈو سیکرٹری سالانہ

(۱۳۶) ہمدردیاد بہ محترمہ بیگم صاحبہ بدکرم علی صاحبہ لیسٹم گوالیادی مرقوم علیہ رحمۃ اللہ

(۴۰) جناب بقول احمد صاحب تحریر علم گدھی سے سالانہ

۱۴۱) محمد و ادب جاب (عبد الغفور) روح دکن اسید اور غفر

(۴۱) جاب بنیادی نظر الدین صاحب مکتبہ امدادی دہلی

۱۹۱۱ء کے ایک ادیب جیاب ایمل جو مرزا کا بڑا دوست تھا،

(۳۳) غلام حبیب الرحمن صاحب عین آرومی منشوریں سے رسالہ

(۱۶) محدود ادب جناب نواب زادہ مشکور حسین خان صاحب قیس آباد بنڈو ریلوے

(۴۴) جناب عبدالغفور صاحب کتاب پڑوان ایلیٹ سٹیم سالہ

(۱۸) صدر داد ب جنب بد ظلم محمد شاه صاحب رئیس مظلوم روم قیوٹ ضلع جنگ ع

(۴۴) جناب من بوہن لال صاحب باگری بھنڈوٹہ (سی۔ پی) سکس

(۱۹) مهدیادب فخر بنی جلال اراکیم صاحب ریاست نامہ علیہ السلام

(۴۶) جناب محمد حسین عابدی صاحب قلم تلمیذِ اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ

(۱۰۱) محمد و ادب جاب محبوب عالم اچیل عہد دربار کھن پور پڑھ (انشر علیہ السلام)

و اما در باب اولی که در این کتاب مذکور است که

ماہان ادب

(۲۱) جناب صاحبزادہ یحییٰ الرحمان خان صاحب شفق کوئی شاعر سالانہ

(۳۹) خواجه جواد رسی. بی مجاور صاحب مہمیں سے ملائے

(۱) جب جلیب صاب فریسیں پیڑوں کا با۔ اسے کٹر مارا۔

(۹۱) غاب کفر فان حسن صاف نیت و عمل عین سلیم مالان

۱۲۳۱) غلام سید مظفر حسین صاحب خوشگوار کو آزاد کرانے کے

(۵۲) جناب عبدالکوف صاحب فوق سکون فرمایا اقبال لائبریری ننداری (گیا) طے رہا:

(۱۰) جناب محمد عبداللہ خان صاحب بزم امدادی سے رسالہ

(۵۳) جناب محمد زین العابدین صاحب جناب عالی پر سی طے مراد

(۳۶) خطیبِ نوبتِ مباحثہ تدریسِ خبر کوئی مکمل مالانہ

(۴۴) جناب پندتہ نے ائمہ صاحب کمال قادم نام بایں میں جو دھندلے سے بیان کیا

(۲۶) جلیب اسٹرین کا انتخاب آؤ بیٹی سیدہ مالانہ

(۵۵) جناب محمد اکرم اندر جانب ہمالیہ کی ایترو دیت بخند کھینچے گا۔  
(۵۶) کیا سال کا کوئی خاص روز ہے جس کا ذکر ظہور اور ہوا میں ہو گا۔

(۱۸) کتاب طبیبان العرب صاحب اردشیر علیه السلام  
(۱۹) کتاب اردشیر علیه السلام

(۵۴) فخر محمد بن علی آقاخان قزوینی بزرگ سیرک کهنه در سال ۱۲۰۰

100-443887-100

[illegible]

## شعر انقلاب — بھوکا ہندوستان

آج زباں پر ہے دنیا کی " بھوکا ہندوستان " برا  
بات یہ ہے ایمان کی، ہندوستان مرا اک دولت ہے  
بھوکا ہندوستان کو کس، آگاہی کی شان نہیں  
قطب منارہ - جامع دہلی - اور ہوائی تاج جاں  
اگر کس کا گوردوارہ ہو، بندر اپن کے مندر ہوں  
انک ہوں تاج کی رونق ایلورا کے عمار جاں  
شاہی قلعے، دہلی، لاہور، آگرہ میں باقی ہوں جاں  
جس خطے میں دودھ کے دریا، شہد کی نهریں جاری ہوں  
سینا ہالوں میں جیکے اک بھیڑ ہمیشہ رہتی ہو  
علم کی اور صنعت کی دولت سے گھر ہوں سمور جاں  
کھیتوں سے سونے چاندی کی پیداوار ہو عام جاں

بھوک کے تھے نئے نئے، کانٹ گیا ایمان ہرا  
بھوکا اس کو کتنا ایک تو میں ہے اور اک ہمت ہے  
بھوک یہ یہ وعائیت کی، بھوکا ہندوستان نہیں  
ماضی کی عظمت کا گوشتے گوشتے میں ہو راجہ جاں  
جاں مساجد اور بھوالے انداز سے بڑھ کر ہوں  
اب بھی دولت باغ جاں ہوں اور ہوں شالامار جاں  
جنا - گنگا - راوی - جہلم کینٹ آگس سانی ہوں جاں  
عشق کے ہوں تواج مندر، حسن کی اسیر بنی ہوں  
سیر کی اور تفریح کی جس میں دوج رنگین رہتی ہو  
بشیر اور گیت کے دس ساگر سے پھل رہا ہو نور جاں  
غلے اور میوے سے بھرے ہوں کوٹھے اور گودام جاں

کیا اس ملک کو بھوکا کہنے والے تنگ نگاہ نہیں؟

کیا وہ اپنی تنگ نگاہی سے اب تک آگاہ نہیں؟

ہند کو بھوکا کہنے والے خود افلاس کے مارے ہیں  
ان کو اپنی بھوک کے صلی راز کی خود پہچان نہیں  
بھول گئے ہیں یہ نہ سب کو دل میں خدا کی یاد نہیں  
ان پر غلامی کی اک لعنت، صبح و شام برستی ہے  
دال اور پن خیرات اور صدقہ دینے کا احساس نہیں  
جو اپنے رزاق کو بھوکے، رزق اُسے دے کون کہاں  
سے پھیلے، کھیل نائے اب بھی قائم ہوتے ہیں  
بھوک ہی جو اک آخری چارہ، بیکاروں بدکاروں کا  
بھوک ہی کیا اب موت بھی ان پر اپنا رنگ جائے گی

روحانی افلاس نے بابا، اپنے پاؤں پر ہے ہیں  
بھوکے ہیں خود ہندوستانی بھوکا ہندوستان نہیں  
قرآن، وید، گرتھ سے یعنی ان کے گھر آباد نہیں  
یہ محکوم ہیں۔ امن و سکون کو ان کی روح ترستی ہے  
دولت تو ہے اب بھی۔ لیکن ایمان ان کے پاس نہیں  
جیکے پاس نہیں کھائے کو وہ بھی ہے فرعون کہاں  
شاہد اور ثواب سے ہو کر مست ہزاروں سوتے ہیں  
بھوکا رہنا ہی بہتر ہے، غفلت کے بسا روں کا  
یہ تو مٹی کھا نہیں سکتے۔ مٹی ان کو کھائے گی

جہرے ہیں مرجائے ہوئے اور ہاتھ میں ل کی قاشیں ہیں

اٹھتے بیٹھے مرنے میں یہ، چلتی پھرتی لاشیں ہیں! یہاں کبر باہی

اعجازی فن



## تحقیق و تصحیح

## بعض الفاظ کے اعراب

(قسط دوم)

الفاظ کے غلط اعراب کا سلسلہ قریب سے زیادہ پسند کی گیا اور ہر طرف سے زور دیا جا رہا ہے کہ اسے پایہ تکون تک پہنچا دیا جائے۔ مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ مشاہیر ادباء اور شعرا بھی اس سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ اشاعت میں آتش کے غلط اعراب شائع ہو جانے پر متعدد حضرات نے لکھا۔ "آتش" بالفتح صحیح ہے اور بالکسر غلط، نصیحتے آدو اسے آذر کہے ساتھ ہی ہوتے اور کہتے ہیں۔ زیر کے ساتھ (آتش) صحیح نہیں ہرگز "فرنگیہ امینہ" میں مولانا رحمہ اللہ ارجوزہ کا ایک شوالیہ بھی موجود ہے جس میں آتش بالکسر خانیہ میں آیا ہے لیکن ایک مثال قابل قبول و سند نہیں ہو سکتی

غلط اعراب	صحیح اعراب	تشریح	غلط اعراب	صحیح اعراب	تشریح
اسلوب	اسلوب	الف۔ بالضم	انعام	انعام	نعت دینا
امراض	امراض	بالکسر۔ یعنی بیمار کرنا	انعام	انعام	نعم کی جمع
امراض	امراض	بالفتح۔ مرض کی جمع	انفاس	انفاس	عہدہ اور نفیس ہونا
آمریہ	آمریہ	مزاج کی جمع۔ ز۔ بالکسر	انفاس	انفاس	نفس کی جمع
اسک	اسک	م۔ بالکسر	انفاس	انفاس	ن۔ بالکسر
الاک	الاک	بالکسر۔ مالک کر دینا	انفاس	انفاس	ن۔ بالکسر
الاک	الاک	الف۔ بالفتح۔ ملک کی جمع	انفاس	انفاس	ن۔ بالکسر
اعراف	اعراف	الف۔ بالفتح	انفاس	انفاس	ن۔ بالکسر
امن	امن	م۔ مجزوم ہے۔ مفعول نند	اولی۔ اولی	اولی۔ اولی	پہلی بون چہیز
امور	امور	الف۔ بالضم	اولی۔ اولی	اولی۔ اولی	پہلی بون چہیز
امہات	امہات	م۔ بالفتح	امہات	امہات	امہات
اناس	اناس	الف۔ بالضم	امہات	امہات	امہات
انضام	انضام	ت۔ بالکسر	امہات	امہات	امہات
انتخاب	انتخاب	ت۔ بالفتح	امہات	امہات	امہات
انتداب	انتداب	ت۔ بالکسر	امہات	امہات	امہات
انتشار	انتشار	"	امہات	امہات	امہات
انتظار	انتظار	"	امہات	امہات	امہات
انتقاد	انتقاد	"	امہات	امہات	امہات
انتظام	انتظام	"	امہات	امہات	امہات
انتہا	انتہا	"	امہات	امہات	امہات
انبدال	انبدال	"	امہات	امہات	امہات

اعجاز مدنی

# صفحہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

خطرے میں جو لینان کی آزادی ہے  
یہ ایک نیا جیلہ بربادی ہے  
مصر و عرب و عراق میں ترکی میں  
اس پھرنے اک آگ سی بھڑکادی ہے

گہرائیاں جنگ کی مھلک اٹھتی ہیں  
سوئی ہوئی ظلمتیں جب اٹھتی ہیں  
جنگاریاں جو دبی ہوئی تھیں ایتک  
اب تیز ہواؤں سے بھڑک اٹھتی ہیں

اندیشوں کی ہر طرف گھٹا چائی ہے  
اطراف جہاں میں سنسنی پھیلی ہے  
ہے عالم نزع سافنا پرطاری  
یہ جنگ کی شاید آخری ہچکی ہے

بنگال میں بھوک کا وہی عالم ہے  
اودانی غارت بنی آدم ہے  
جس ملک میں انقلاب کی آمد ہو  
اس ملک میں ہو مبنی قیامت کم ہے

پرساں نہیں کوئی بھی گراں جانوں کا  
ہے زور یہاں غرض کے دوانوں کا  
آنا نیت آج ان کا منہ تکتی ہے  
بنگال میں اب قحط ہے انسانوں کا

کس کسبہ غلط کار ہیں اہل بنگال  
سرباے میں سرشار ہیں اہل بنگال  
عصمت ہی نہیں عورتیں توئی ہیں نہ وقت  
اور ان کے خریدار ہیں اہل بنگال

ہر ملک بھکاری ہے اب اسکے در کا  
اخلاق جہاں گھر ہے میرے گھر کا  
بھوکا نہ ہے کیوں یہ مراہنڈتاں؟  
بھرتا ہے اب اس سے پیٹ دینا بھر کا

ہو کر ناشاد و شاد رہ جائے گی  
دنیا یونہی نامراد رہ جائے گی  
یہ دور رہیگا نہ زمانے کا مگر  
اس دور کی دل میں یاد رہ جائیگی

کیا جانے مستقبل بیداد ہو کیا  
ماحول ستم سے ستم آجکا ہو کیا  
افسانہ سال حال تو ختم ہوا  
اب دیکھتے سال نوز کی دوداد ہو کیا؟

محکوم نہ ہوں دیت غلامی سے تباہ  
عمسیر بے جاری ہو بارب کو تباہ  
نصرت آئے شام حال آوشام طلال  
لیکھ صبار سال نو، بسم اللہ!

# شخصیات

## شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی

کے نام سے ایک ادارہ تعینت ذالیف کی بنیاد ڈالی۔ جو اس وقت تک قائم ہے۔ اور جس کے ذریعہ علامہ تاجور اردو کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایک بچوں کا رسالہ بھی اسی ادارہ سے شائع ہو کر مقبول ہوا۔ "ادبی دنیا" کچھ مدت تک بعد علامہ تاجور کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ہر چند موصوف کو اس سلسلے میں شدید نقصان ہوا اس کے باوجود اپنے ذوق خدمت سے مجبور ہو کر سن ۱۹۳۳ء میں رسالہ "شاہکار" جاری کیا جو اس وقت تک نکل رہا ہے۔ لیکن بعض مضامین کی اشاعت سے فیاض ہوتا ہے کہ "شاہکار" سے بھی علامہ تاجور کے اثرات کم ہوتے جا رہے ہیں۔ علامہ تاجور کی پوری زندگی فاضل علمی و ادبی رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ پنجاب کی ادبی فضاؤں میں ان کے نفوس اور فوری کاموں کے کارگر اثرات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف وہ بہترین فن داں ہیں تو دوسری طرف نکتہ دس ات د۔ عالم بھی ہیں اور ادیب بھی۔ غرض نظم پر یکساں قدرت حاصل ہے متعدد کتابیں تعینت فرماتے ہیں انجمن ارباب علم پنجاب کے ذریعہ اردو شاعری کی اصلاح و ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کی اور ایک اعلیٰ پروگرام پیش کیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پنجاب کے بعض شعرا کی بے راہ روی میں علامہ تاجور کا بھی ہاتھ ہے۔ لیکن یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ترقی پسند نوجوان شعرا میں علامہ تاجور کے خلاف کی تعداد کافی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ موصوف کے ابائے سب کچھ پورا ہے۔ جس وقت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے درس و تدریس کا مقصد ہرگز علم و فن سے روگردانی نہیں بلکہ وہ قوانین حدود میں رہ کر ترقی پسندی کی نفی فرماتے ہیں۔ "شاہکار" کے ذریعہ بھی غلط الفاظ و محاورات و دیگر پرودوشی ڈالے رہتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ وہ اردو شاعری کے لئے پرانی حکومندیوں کے خالق ہیں۔ لیکن ان کی ترقی پسندی اسی عزم و کمال سے جہاں تک علمی صلاحیتوں کا خون نہ ہو۔ اردو شاعری میں فوٹو گراف اذنان کی ترقی — بے فائدہ نظموں کا رد و ان (لیکن بحر و وزن کے ساتھ) محبوب کے لئے کوٹ خیر کا استعمال۔ خیالات و ظہیمات کے اعتبار سے اسے ہندوستانی شاعری بنانا۔ غیر فطری خیالات سے پاک کرنا۔

مذکورہ کسی رسالہ میں علامہ تاجور کی یہ چند طور نظر سے گذری تھیں:-  
"جو کہ میرا مجموعہ کلام ابھی تک شائع نہ ہو سکا اس لئے جو جدید دور کے نام نہاد نقادوں کے دائرہ خرافات سے آجنگ خازن ہوں"

علامہ تاجور کا یہ احساس اپنی جگہ بجا، لیکن اس دور کے نقد و تبصرہ کی وجہ کا دیوں پر اگر موصوف غور فرمائے تو یہ احساس بھی سیدانہ ہوتا۔ اردو تنقید میں جانبدارانہ عنصر اس بڑی طرح متاثر ہو گیا ہے کہ اگر کچھ کچھ اور بنا دینا کچھ مشکل ہی نہیں۔ جیسے چاہا اس دور کا بہترین فن داں اور جسے چاہا اسے اقبال۔ قافی۔ سہاب۔ حسرت۔ جوش وغیرہ سے ہندو بالا ثابت کر دیا گیا۔ نہ کچھ پانچ دیاں ہیں اور نہ زبان پر۔ رہا "مبار" تو "پسند اپنی" اپنی "دلا مضمون" ہے۔ ہر حال اردو تنقید کی بلخندہ شویخاں نقاد کے لئے موجب تامل نہیں ہوتی چاہیں۔ موجودہ دور کا دستور نقد کی طرح بالکل شخصیتوں کو اپنی زولیدہ نگاری کا رخ نہیں بنا سکتا۔ باطل کی طبع کار یاں ایک نل ضرور مانہ ہو کر رہیں گی، اور علامہ تاجور جی فاضل اعلیٰ ہستیوں کے کمالات کا اعتراف کیا جاتے گا۔

علامہ تاجور کا پورا نام احسان اللہ خاں ہے ۱۸۹۹ء میں نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ نسباً درانی افغان ہیں۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے برادر معظم سے حاصل کرنے کے بعد ۱۳۲۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اشرف ان کی عمر صرف دس سال تھی۔ ۹ سال تک علوم مشرفہ کی تعلیم حاصل کی اور درس نظامی کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۹ھ میں لاہور آئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۱۱ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۱۵ء میں فاضل کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۱ء میں علامہ تاجور کی زیر نگرانی لدجانے آفتاب اردو شائع ہوا۔ لاہور آئے کے بعد ۱۹۱۱ء میں "خزان" کی ادارت کی اور ۱۹۲۲ء میں دیال سنگھ کالج میں فارسی اور اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ کالج کے افتتاح کے بعد تمام وقت اردو علم و ادب کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی سال رسالہ "تہا پل" لاہور میں دیر صاحب کی حقیقت سے خالی ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں اپنا ذاتی رسالہ "ادبی دنیا" نکالا جو انتہائی کامیابی کے ساتھ غلط ہوا اور ادبی دنیا میں ایک خاص مقام کا حامل ہوا۔ اس سے قبل ۱۹۲۲ء میں "ابو مرکز"

زبان میں رس اور نوع پیدا کرنا اُن کا علمی نظر ہے۔

سلاطین میں حکمران ہند نے علامہ موصوف کی خدمات اور علم و فضل کے اعتراف میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔ اس خطاب کے ملنے کے بعد اعتراف کمال کے طور پر جو خطوط شاہکار میں شائع ہوئے، انہیں دیکھنے کے بعد موصوف کی شخصیت کا صحیح مسرہ خان ہوتا ہے۔ وہی بھی جو لوگ علامہ کو قریب سے جانتے ہیں۔ انہیں اُن کے علم و فضل اور ادبی و شرعی قوتوں کا اچھی طرح علم ہے۔ اصناف سخن میں کوئی صنف ایسی نہیں ہے جس پر انہیں کامل عبور حاصل نہ ہو۔ کچھ تو اپنی خاموش فطرت کچھ دوسروں کی قوا میں بے جا ادب کچھ علمی شغل سے آجنگ انہیں تسلسل کے ساتھ شاعری کے میدان میں آئے کی اجازت دے دی اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعرانہ قوتوں کے اعتراف میں لوگ جھجک محسوس کرتے ہیں۔ دورِ ظاہر ہے کہ جس کے رشد و ہدایت کی روشنی سے اس دور کے بیشتر ترقی یافتہ نوجوان شمس اس کے سینے روشن ہو گئے ہوں وہ بذاتِ خود کیا ہو گا۔ جہاں کتب خانے علم ہے علامہ تاجور کے پاس کافی سرمایہ کلام ہے جس میں انہیں کم اور غریبیں زیادہ ہیں۔ اُن کی غزل کا رنگ قدیم اور جدید کا ایک درمیانی ٹکس ہے وہ بالکل سبٹ نہیں کہنے بلکہ ندرت الفاظ کے ساتھ ندرت خیال بھی ہوتی ہے اور بعض اشعار تو زیادہ سے زیادہ جذب و اثر کے حامل ہوتے ہیں۔ سادگی اُن کے کلام کا مضمون ہے۔ چونکہ اُن کی حیثیت صرف شاعرانہ ہی نہیں بلکہ وہ بحیثیت ادیب بھی ایک ممتاز اور بلند درجہ کے حامل ہیں۔ اس لئے ان دونوں حیثیتوں کو تنقید کے وقت سامنے رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص صرف غزل ہی کا ہو کر رہ جائے اور اُسے دوسرے علمی و ادبی شعبوں سے کوئی تعلق نہ ہو وہ اگر غزل میں انفرادیت پیدا کر لے تو یہ دوسری بات ہے لیکن ایک ایسے شخص کی غزل میں انفرادیت کی تلاش بے معنی ہے جو ایک طرف تو شوخ و شاعر بھی ہے اور دوسری طرف کامیاب ادیب بھی۔

میں ذیل میں علامہ تاجور کی غزلوں سے جو انتخاب پیش کر رہا ہوں اُسے دیکھنے کے بعد کوں کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے غزل گو نہیں ہیں۔ غزل کی تمنا میں جب وہ خواب میں آتی ہیں تو ہی بچے کیلئے دل کوٹنے لگا ہوا ہے وہ غزل گوں کا یہ دھڑلہ نہیں جس کی ہر سیر کے نام زبان پر آتا ہے

عربی طرحے دل میرا میں امن لے کر ہر دم  
اس فتنے کو غور و شدت اس طرحے کو دنیا پر

محفلِ مشعر بھی موتی نظر آتی ہے مجھے ڈھونڈتی ہیں بے نظریں ہی ہنسنے نہیں

جھٹے دوست بنی رہنا ہی منزلِ موت وہ کھدے ہیں مجھے انگوٹیاں ہاں میں  
محبت؟ آہ محبت کی زندگی مت پوچھ بڑی مصیبتوں میں مبتلا رہا ہوں میں  
سے سیری خاک کے کندوں میں ہر خود بیعت کہیں انہیں تو نہیں یاد رہا ہوں میں

دل دلا دلا دل کی آرزو دلا دے جیلے میں کیسے اعتبار انقلاب آساں کروں  
سب ہر ایک مجھ سے پوچھتا ہے میری زندگی کا اتنی ساری دنیا کو میں کیونکہ آزاد کروں

کیا دیکھ کر دیکھ ہی سکتے نہیں اُسے اپنی نگاہِ شوقی حجابِ نظر ہے آن  
کلنک تھی دل میں مرث آزاد می نفس آزاد آن ہیں تو غم بال و پر ہے آن؟

شانہ مجھ کو محبت کی خود فراموشی کہ اپنے بھولنے والے کی یادگار ہوں میں

## نقص

”سردِ غم کے لہجے اور غزلوں، نگارِ اسلاموں و صلاحی باہمیوں کا جو سرِ غم  
اور حضرت علامہ صاحب کی بکرا آبادی“

آپ سرِ غم میں علامہ صاحب کی قوتِ علم و فاضلہ کے جس اُن کی عزتی تعلیم اور سلام کی بکرا آبادی۔  
جس کو زینت پیدا کر دیتے ہیں اور دلا بھی دیتے ہیں۔ ”نقصِ غم“ اُن کی اجمالی ادبی قوتیں اور  
حُسنِ محضت کا خطرہ ہے۔ اس کی نئی تخلیق۔ نئے سلام۔ نئے غم۔ اور نئی زبان کا پاک  
محاسن کرکٹ وائسے بھر رنگی۔ اس میں ایک بھر آفرینِ فطرتِ صلاحت میں شامل  
کتب مجاہدے اور طبعِ رفیع صورت رنگین گرد پوش۔ قیمت ہر ملکہ محمولہ ایک  
(پاک آفرین بک چھاپے اور طبعِ رفیع ہونے والا ہے)

مکتبہ قصر الادب دفتر شاعرانہ

# طاق کسریٰ نے کہا

فاظد منزل مقصود سے تھا دور ابھی  
میں ٹھہتا ہوا صحرائی طسٹ جا نکلا  
چاند کی زرد شعاعیں صدفِ عنانِ گہر جیت  
رکونِ تھامبرے سوادِ ثمت کے پھلے میں  
زلزلتِ دو ریشہ مرغ کا بھلا ہوا جال  
روح کو چین نہ تھا قلب کو آرام نہ تھا  
طاق کسریٰ کے مناروں نے کیا بچھو خطاب  
تو نے ذروں کو جلتے ہیں رموزِ اوند  
تو سمجھتا ہے جسے بادۂ دوشیں کا حصار  
کیا مری فطرت رفتہ تھے معلوم نہیں؟  
مشعلِ ہر جہان تاب ستاروں کے محل  
اوسن کا فطرۂ ناجیز ہوا ہومہرِ فو  
کار فرما ہے خودیِ برودہ زنگاری میں  
تازہ کاری سے عیاں گلشنِ جنت کی بہار  
کیا عجب، ہو پیشِ خوں ک کوہِ دوشن  
سینہ لالہ صدف ہے گہرِ شبنم کا  
لبطنِ ماحول پہ چھا جاتا ہے جسکا سودا  
وہ ظلماتِ تنظم ہے تیسرے تقدیر  
ہو گیا سویر کمنِ کعب سے اساطیرِ فوں  
کون کہتا ہے جہاں تودہ فاشاک نہیں

کتنی تھی بانگِ جس اور ذرا دور ابھی  
یعنی باز بیکسریٰ کی طرف جا نکلا  
دل گئی مجھ کو غم کا ہش فردا سے نجات  
تھی ابھی تک مے باقی مے پالے میں  
صید کر لیتا تھا اک کھٹے میں شاہین خیال  
تھا کوئی پارہ لوزاں دل ناکام نہ تھا  
کستورِ نغمہ قتال ہے توئی فطرت کا باب  
ڈال دی گردن اہرین زرداں میں کشت  
اس میں پوشیدہ ملے آئے ہیں قوموں کے مزار  
کیا وہ کیفیت رفتہ تھے معلوم نہیں؟  
رقود کسار میں بیتے ہوئے نور ستہ کنول  
روزِ اول سے ہیں سب تیری خودی کے پرد  
شمعِ ایوانِ محبت کی ضیا باری میں  
تازہ کاری میں نہاں عالم نوے اسرار  
ارضِ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کی کرن  
جس طرح خاک بھی اک جزو ہے جامِ جم کا  
قلبِ فطرت میں بنانا ہے نشیمن اپنا  
کہتے ہیں اہل نظر جس کو طلائفِ رب مجر  
اور باندہ ہوا قصیر غلامی کا ستون  
زندگی موت ہے گر شعلہ بیباک نہیں

لوہ تدبیرِ راک حرف بھی تحریر نہ کر  
یا مکافات "تو تقدیر سے تعبیر نہ کر  
افسر احمد نگرہ

”اذا رخوا تین پرایک نظر

میں ملا آئے۔

نصویرِ نظرِ رئیسِ بابہ ناز قابلِ تدریج کے توفیقِ دہم کی کمی ہوئی ایک جوانی  
یا گیارہ سالہ سنوں کی ہے۔ اس میں داخل ہونے کے کم بیش دس سو شانہ و خواجهین کا تذکرہ  
خلیفہ فریبیہ اور نوریہ کا سلسلے میں قانون کے متعدد اشارہ کیا گئے کا نام کی نسبت  
کوئی شکل اسے قائم کرنے کی کافی گنجائش رکھتی ہے۔ نسو کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے  
کہ صاحبِ تالیف نے بڑی تحقیقات و جانفشانی سے کام لیا ہے۔ یہ نادر احکامِ عمومی  
عمومی شاعر کو بھی نظرِ آماز نہیں ہونے دیا۔ فارسی میں کہنے والی خواتین کے حالات  
بہ زبانِ فارسی خطِ تحریر میں لائے گئے ہیں اور اگر شاعر کے متعلق کسی قسم کی حاضرِ جوابی  
یا جبرست گئی کا کوئی نادر لفظ لکھ لکھنے کا کوئی بھی ایسا حالاتِ انضباط سے لے کر  
گیارہ سالہ شاعر کی فطری دہانت اور طبعی برہمی کا معتاد روشنی پڑے۔ عرض یہ کہ کسی  
جہت سے بھی نسو نہ جاکر ایک اعلیٰ درجہ کی متفاد قابلِ اعتماد تالیفِ تعلیم دیکھنے کی  
کوئی وجہ کم نہیں پائی۔

[illegible]

صاحب مضمون نے بگ جان جاتی کے والد کا نام فرید الدین خاں لکھا ہے، جبکہ  
یہ نظر میں اُن کا نام فرید الدین خاں درج ہے۔ اسی طرح حیدری خاں حیدر کا  
نوعہ افشار احمد خاں تحریر فرمایا ہے جو شہادت الہی شہید ہونا چاہتے تھے۔ لہٰذا ہم  
دکن کو عبید انصاف الدولہ کے بجائے اذاکا جس عبید نظام الدولہ لکھی گئی ہے اُن کے  
دعویٰ کے شرکاء روہیلہ بندہ اور درہ گئی کے تیسرے عبید میرا خرم صاحب اذاکا کے

اساتذہ شاعر اگر کہہ دیں جو سنگم سے جاب جواب مولانا مفتی انعام اللہ شاہی کا ایک مضمون  
"اذکارِ زوجاتین" جب میری نظر سے گزرا تو مجھے مٹا اسی موضوع پر اپنے کتب خانے کا ایک کتب خانے کی نسخہ  
بادیگ بڑی تلاش و جستجو سے جس نے اُسے بحال لایا۔ میرے حقیقی برادرِ معظم شریعت پسناء  
حق اللہ جناب قاضی مزاح الدین احمد پانڈہ وینیات حال قاضی دھرم پور کے درختی ہے  
جس کو میرے والد الیز گوار شریعت آباد بالین پور قاضی جلال الدین احمد مرحوم مدظلہ سابق  
قاضی دھرم پور نے اپنے والد قبیلہ جناب والاحا مدظلہ سوس قاضی فیض الدین احمد کوئی کہہ سکتا  
قاضی دھرم پور میرا حضرت شیخ ہمارا الدین دیکر کا قاضی کے ایک کتب خانے سے جو پرنسپل کے نام  
سے حدود دھرم پور ہو چکا تھا، بحال سلامت و ماوراء اللہ محفوظ کرنا چاہتا۔

صاحبِ افکار کو عرفی فاضل کے لئے جید عالم ہے آپ کو فن کو منتقل ملنے لگے اور حدیث میں بی یوں اعلیٰ حاصل تھا بہت لوگ آپ سے سفید و سفیق ہوتے رہتے تھے مکت اور شاعر کی سے بھی اچھا لگتا تھا۔ آپ کا کلام میرے محقر سے آج بھی کچھ اٹنے کی زینت ہے محقق بھی اعلیٰ درجہ کے تھے۔ آپ نے بڑی محنت و دقیق کے ساتھ کج و کج مغربی تاریخ و مابالغ کیا تھا تا کہ کو نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے ترتیب کیا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ بھانوس میری عدم وجہی اور غفلت کی وضاحت ہوگئی۔ فارسی میں آپ نے فن کی ایک جھوٹ و ظلم کتاب تالیف فرمائی جو عرفی فاضل کی ایک نادر و سفید کتابوں کا مجموعہ ہے۔ فاضل کو فاضل نے ان تمام کتب ہائے علمی کی ایک مکمل فہرست افادہ ذاتی کتب میں درج کر دی ہے۔ عرفی میں آپ کی انھیں سے ایک رسالہ ہے جس میں منتقل کے دقیق و سچیدہ مسائل کو باوضاحت نہایت آسان طریقے سے حل کر دیا گیا ہے۔ تو اس میں میزانِ مطلب پنج گنج اور زبر کا مجموعہ درج ہے آپ کی یادگار ہے ایک صاحب کے یہاں جتنے عالم میرے دادا اقبال کو ہم کے موصوفے تھے۔ آپ کی تربیت میری جیسی دیکھتا تھا۔ میری تربیت سے ترن جو رہا ہے جس میں بعض امر تو ایسے عجیب و غریب درج فرمائے گئے ہیں کہ فصلِ جلال روا جاتی ہے۔ اس کے دیکھنے سے اعزاز و تہنیک کے صاحب موصوفہ کو کتاب پر کس درجہ جوش و خروش تھا۔ آپ ہمارا بڑا بڑا عالم و ہادیہ کے یہاں ایک تمام زہد سے پرانہ رہتے تھے۔ ہمارا جو باجی روایہ لکھنا بھی آپ سے بہت افسوس تھے اور اس کا ذکر مخالف فرما کر کرتے تھے۔ آپ یہ بات دھولپور کے قاضی میرزا ناصر آباد پر دینا میر میر اور دہرا دھری اس کے لئے لکھتے تھے جو باجی وقت سے خود کوئی طور پر ہمارے قاضی خان

ذائقہ واقفیت پر مبنی ہے، جنائی بگم فضا کو زد و کوب کیا تو دل تیرا لپ ہے جو نہ خود ہذا زوہر  
مگر کوئی دل جو پایا جلتا ہے، غریب بگم میرا کرت علی ہیں جھکو مضمون صد میں محسوس  
برکت علی درجہ کیا ہے ————— تمام بھی انکا امیر الناس ہے جس طاقون  
کو قابل ملاحظہ مضمون نکھارنے والہ لکھ کر کسی ڈاکٹر کی بیٹی کیا ہے، اسکو مومن نسخہ  
ذہن نظر سے راویہ داد کے ساتھ لکھ ہے اور کسی چھپے کی دفتر باڑہ سینا رام دہلی کی  
ہے والی درجہ کیا ہے، اختر اول کے دوسرے مصرع میں دل ہی سے ہم کو جلا دیا  
والا اصل شدہ ٹھوڑا نسخہ ہذا میں دل کے ہیں کو جلا دیا، تحریر ہے اور اس کے قطع  
کے دوسرے مصرعے میں ان کے کہتے ہیں اس کا استعمال ظاہر کیا ہے، انک کے  
پتے شریک کے دوسرے مصرعے میں جس جگہ ہے اسے کافر زسا لکھ ہے دہلی میں نہیں  
میں تجھے تو اسے بت ترسا پایا جاتا ہے، اذکار میں سلطان بگم دفتر غائب تھا الدلہ  
ہمارا لکھوئی کے شریک کا دوسرا مصرع اس طرح تحریر ہے

”مٹے ہی آکھ رہ گیا منہ کھکے ہائے دل“

اس میں منہ کی جگہ نسخہ موجودہ میں ہے، ان کا نام سلطان بگم نہیں بلکہ سلطان بگم  
درج ہے، ہر بگم علی خاص غائب ہوتے ہیں صاحب کا تخلص صاحب اذکار نے  
بگم علی ہر کیا ہے اور نسخہ ہذا میں لکھی کا انکار کیا گیا ہے، اس کے قطع کے پہلے شریک کا دوسرا  
مصرع ”آکھیں میں لڑاؤں کبیر اس رشک تیرے“

ہونا چاہئے اور تیرے مصرعے میں جاں دل کا استعمال کیا گیا ہے وہاں ہی کا استعمال  
ہونا چاہئے ہوتا ہے، جو تیرے مصرعے میں تیرا نظریے دب جانے کی عجیب تصویر ہے  
کی کہ ہے، اس ختم پر بار نظر صاحب نسخہ ہذا نے تحریر کیا ہے، بگم صاحبزادی میر علی  
کے پہلے شریک کا دوسرا مصرع نسخہ موجودہ میں

”اب کہتے ہو کیا کہنے ہیں بار تو رکھا“

درج ہے جس کو صاحب اذکار

”تو کہتے ہو کیا کہنے نہیں بار تو رکھا“

لکھے ہیں، جس طرحی تخلص رکھنے والی بی بی کا اصلی نام عارفہ صاحب اذکار کا بیوی بھتیجی  
ہے، جدی خاتم جلدی کے قطع کا دوسرا مصرع مضمون میں ہے  
”جو کہ تجھ سے پھر ادہ جدو سے“

لکھا گیا ہے اور نسخہ ہذا میں

”جو کہ تجھ سے پھر جدو سے پھر“

تحریر ہے، ذیل میں کچھ نثریہ اشعار کے مصرعے لکھے ہیں جنہاں سے جو درجہ

جھکو اذکار میں بنالینے ہو گئے

یا الہی یہ کس سے کام پڑا

دل تیرا ہے صبح و شام پڑا

اس شعر کو خیر سے نہ بیا گیا، نسخہ ہذا میں یہ جتنا بگم مینا زوہر جہاندار شاہ  
کے نام کے ساتھ درج ہے، شروع سے سو ب کے ہوئے باقی دو شروں  
کے انداز کی دوسرا سی کا بار بھی صاحب اذکار کی سلامات پر ہے ضرورت  
کا اصل نام اس نسخہ میں شریف النساء اور اذکار کی معرفت لکھا ہے۔

یا صاحب کا قطع جھکو انھوں نے کمال نزع کیا ہے اذکار میں یہ شعر روایت  
درج ہوا ہے، اسکی روایت بجائے ”کوہے“ کے ”گلی تیرا چاہے“ لکھی  
کا استعمال ۱۹۲۵ء میں ہوا ہے، نہیں معلوم ان کو اذکار نے خود تحریر کیا ہے یا  
کی نالینے بنائی جا رہی ہے، کیونکہ جو گلی گئی، اسی طرح فاطمہ بگم کبیر دفتر خود  
نصرت الدلہ ہمارا ۱۹۲۵ء میں اشغال کوئے والی دوسری بی بی صاحبین اشغال  
اذکار میں موجود ہیں۔

اگر وقت نے سادھت کی تو اثار ارشد کسی فرصت کے موقع پر ان یا تباہ  
خواتین کے حالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرونگا

آخر میں میں اپنے محقق فاضل مضمون نگار جناب شہباز سے مندرج ہو گیا کہ  
وہ براہ کرم میرے اس مضمون کو کسی اور روشنی میں ملاحظہ فرمائیں، خدا گواہ  
ہے کہ اس کو میری مراد صرف یہ ہے کہ اہل ذوق کے سامنے زیادہ سے زیادہ  
مجموع واقفیت پیش کر دوں، سلامات اور احسان ہونے ہوئے اس سے قطع نظر  
کہ نامیرے نزدیک گنا و منکر اور نیک کے مراد ہے، البتہ اس کا تعجب ہے کہ  
ایک ہی موضوع پر دو مختلف گھڑاؤں میں دو یکساں علی نسخوں کا پایا جانا کو کر ممکن ہوا۔

معذرت خواہ

فاضل زادہ) معراج الدین احمد معراج دھولپوری

مشاعرہ شاعر۔ مصرع طرح برائے ماہ فروری ۱۹۲۲ء

”جو خود کو بان چوہہ بکاسی کی بجلی کجے“

پیکل۔ زندگ و غیرہ قوائی کے روایت  
نوٹ۔ فروری ۱۹۲۲ء میں آجانی جاپس، خادیم کے طرف منتقل فرمایا  
فرمایا جگہ تھے۔ فروری ۱۹۲۲ء میں خادیم کے نام سے شہر فرمایا کہ اذکار صاحب

## فتنہ معصوم

ہے ہر ارا از جنوں ایک فتنہ معصوم  
کے خیر کہ تو کس وقت باخبر ہو جائے  
ابھی چین میں ترے خار ہیں نہ نکبت گل  
ہے میری توبہ بھی عزم گناہ کی صورت  
جیات و موت ہے تفریق سادگی کو تری  
ہے اس طرح سے تری عینک میں آمد گل  
یہ بھی ہیں دل میں وہ سادہ نگاہیں تری  
تو ہی ہے درد، تو دل کا علاج نامنظور  
تری نگاہ میں اپنا مقام کیا دھونڈوں  
مات کر جو میں اظہار عشق کر نہ سکوں

ترا تیاک بھی ہے دل کی مصلحت کے خلاف  
ترے نثار! تو میکش کی نظم سن کے نہ ٹھوم  
میکش اکبر آبادی

## تاثر محبت

زبان شمع سے اظہار درد دل تو کیا ہوگا  
ستم کی ہر ادا اب تک تو ہمدوش قیامت ہو  
جہنم کی طرف لے جانے والے اہل عیال کو  
سکوت حزن و تاثر محبت اسے معاذ اللہ  
بکھر کر کارواں سے فخر کی منت بجا لیکن  
نہ اس عشق کی مجبوریوں سے ماوراء ہو کر  
محبت میں وہ کام آساں ہے جو دشوار ہو جائے  
ہے یاد عشرت رفتہ پر فتنہ زندگی اپنی

غور و اتنا ٹھیک اس شوخ کی بے اعتنائی پر  
کہیں تم کو سمجھ لے وہ کسی قابل تو کیا ہوگا  
ٹھیک بلوچی



# شامِ زندگی!

یعنی خدا کے لئے ہر روز زندگی بسر کرتی رہی گی۔ اُس نے ایک مرتبہ کہا تھا: مجھے تمہاری دیکھ بھال کر کے، تم تمنا نہیں ہوگی۔ مجھے تمہارے جتن کیلئے اور وہ تمہیں آرام پہنچائیں گے۔ اُسے یقین تھا کہ واقعی وہ خوش رہ سکے گی۔

سب سے پہلے وہ آٹھ گھنٹے کی نوبت پر ٹوک کے کہا، اے اب بد گھڑی کے خیال اور اب وہ میرے خیال ہی، ان سب نے اپنا فرض ادا کیا تھا، لیکن ہر حال اب وہ اس کے لئے نہیں تھے۔ وہ اب اس کے بیٹوں کی طرح۔۔۔۔۔

اس کے محنت جگر معلوم نہیں ہو سکتے، انہوں نے اپنے گھروں میں اس کے ساتھ ایک اجنبی کا سا سلوک کیا تھا۔ ایک ایسا اجنبی جو اُس سے کوئی تعلق نہ رکھتا جو محض جو

طوبہ ذکر بارداشت کیا جائے۔

اس طرح سے اس کو بڑی دقت ہوئی کسی شدید احساس نے اس کے دل کو ہلادیا، اس کا دل جنت آرام اور طاعت کا تمنی تھا وہ چاہتی تھی کہ اس کے لئے اپنی مصروفیات سے کچھ وقف نکال کر اُس کے پاس آئیں، اُس سے باتیں کریں اور اس کے خوراک لیں، جس طرح وہ بچپن میں دور دور کر کے پاس آیا کرتے تھے، مگر اُس نے آج تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا، میں طویل سالوں نے اس کو ابھی طرح ہی دکھا دیا تھا کہ سب سے بہتر طریقہ خاموشی اور سبے تعلق رہنا ہی ہے، وہ مجھ سے معرفت، تیز اور بیقرار تھی، ماں کی طرح وہ ہمیشہ انھیں اپنے دل میں محبت کر دیا کرتی تھی، لیکن کیا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس کی بھلی زندگی کس طرح گزرتی ہے؟ بسا اوقات اس کے چہرے پر افسردگی چھا جاتی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔۔۔۔۔ لیکن کسی کو اس کی پروا نہیں تھی وہ ہمیشہ اُن کے کاموں میں اپنے بیٹا کے کی کوشش کرتی، تاکہ اس کی تنہائی کی گھڑیاں بھلائیے معلوم نہ ہوں، جہاں وہ کسی کام میں آئی امداد کو نا چاہتی، جھڑک دی جاتی اور اس کی ساری آکندہ میں خاک میں مل جاتی اور اُس سے یہ محسوس ہونے لگتا کہ فیروز جیسا بتاؤ کیا جا رہا ہے۔ کئی بار گھٹکے دھواں میں اُس نے اپنے کو غمزدہ دیکھا، بیکار، بے وقوف اور تنہا محسوس کیا۔ وہ چپ چاپ اپنے جھسٹے کو جھپک کر دیکھتی جاتی اور اُن کے ہاتھوں پر دھک دیتی، ایک ایک کے لئے

وہ ایک جھسٹے سے گھر کی کڑک کی سے پاس بھی ہوتی تھی، سر پہر کا وقت تھا۔ سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور وہ اُداس نظروں کو سامنے والی عمارتوں کی خالی دیواروں کو دیکھ رہی تھی، دور۔۔۔۔۔ کہیں باغ میں بچوں کی کھل رہی تھی۔۔۔۔۔ لالہ کی سرخھی اور چمک آنکھوں میں آری جا رہی تھی اور برفش کے بھول۔۔۔۔۔ شوق کے اذغوانی رنگ کو اڑا رہے تھے۔ اب سے تین سال پہلے اُس نے فرحت بخش لالہ کو جھسٹے سے دیکھا تھا، گلاب کی لطیف خوشبو ابھی تک اُسے محسوس ہو رہی تھی، اس کے فوج کو کوسے پہلے تین سال ہو چکے تھے، تین طویل۔۔۔۔۔ تنہا۔۔۔۔۔ اور اُداس سال!

اُس کے چار بیٹے تھے۔۔۔۔۔ اور سب کا مایاب زندگی بسر کر رہے تھے بہر آج گورنمنٹ کیل تھا، ترکہ دہی میں ڈاکٹری کر رہا تھا، گنگا بیٹی میں ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا اور آغا کھن میں ایک سٹیوڈیو چلا رہا تھا، سب خوش حال اور سرور تھے۔ اب تین سال پہلے صورت حال بالکل بدلی ہوئی تھی، اس کا فوجی زندہ تھا، مگر اس کی موت کے بعد سب نے اس کو کھلادیا تھا، دن اس میں امید پر گزرتے گئے کہ ان میں سے کوئی فزور اس کو بار کھیلے، مگر یہ احمقانہ امید تھی، وہ اپنے کاموں میں بچہ مصروف تھے، غیر یہ کوئی خاص بات نہ تھی، وہ بالکل پڑھی عورت تھی، مگر انھوں نے ایک ڈیڑھی عورت سے اپنی کامیابیوں کے زخم میں نہ ہی ٹوڑ لیا تھا۔ انھیں اس کا احساس ہی نہ تھا کہ بڑھاپا ہونا کتنا کٹھن ہے۔۔۔۔۔ اور زندگی کو تیزی سے گزرتے ہوئے دیکھا اور پھر یہ کسی کے عالم میں پیچھے رہ جانا کتنا ناگوار ہے، ان سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ بڑھاپے کی تنہا زندگی کو کچھ سکھیں گے یہ کتنا بے کیف اور انا دینے والی زندگی ہوئی ہے،

اس نے اپنے فوجی زندگی میں بڑھی ہونے کی کوئی پروا نہیں کی تھی، اس کے فوجی کی محنت اور قربانی اس کے لئے بڑی طاقت اور سوت تھی اُسے کھانے کے بعد وہ ایک ایسی دنیا میں جاوے گا کہ سب سے بہتر تھی، بالکل نئی اور تنہائی تیز تھی، تنہا، جتان دیکھنا نہ رہے تھی۔

وہ فوجی کی محنت کے لئے کھانا کھا کر محسوس نہیں کر رہا، اُس کے فوجی کو اس کا



## عورت اور موسم گرما

جس طرح فصل غومیں نوشگفتہ صبح و شام  
جس طرح صبح گشتاں میں ہمیں غاؤں کی ڈھوپ  
جس طرح ہر قطرہ شاداب نیسان بہار  
اپنے فطری جوش و مستی میں عورت بھی دینی  
جراتِ نظارہ کو کرتی ہوئی کفرِ آشنا  
رات کا پھیلا ہوا چاندنی بیکھری ہوئی  
مسکراتی ہوں فضا میں خواب کی آغوش میں  
باغِ جنت سے چرا لائی ہو خوشبو کائنات  
کوہ و صحرا، باغ و میدان سبز و گلِ انار  
نوبہار و نوشگفتہ، پُر جمال و پُر ضیا  
اور پھر ایسے مناظر میں پریشانِ دلبری  
چاندنی کا فرش ہو ہم صورتِ حسنِ سحر  
عورت ان رنگینوں میں اپنی عنائی کے ساتھ  
قابلِ برداشتِ نظارہ نہیں ہوتی کبھی  
اس کی جانب سرسری سی بے محابا نگاہ  
باوجود اسکے بھی عورت کا وجود جلوہ گر  
کاش عورت! تو بھی ہوتی بھول کیوں کی طرح  
مرمریں طویر سے ہوتے ہم آغوشِ نگاہ  
جس طرح کیوں کھٹکے جس پر اکافق تلاش  
آو لیکن غمخو و گل کی لطافت بھی تو خود

یا چمن کے لالہ زاروں کی ہمارے سرخ فام  
بھول کیوں کو عطا کرتی چراگِ بیکھری و پ  
بخشتا ہے ہر صدمت کو اک حیاتِ ابدار  
بادائے سادگی و باشگفت و تازگی  
ہو کے رہ جاتی ہے فصلِ گل میں جانے کیا کیا  
اور ہوا کے نرم دھوکوں میں خشکی ہو بھری  
ظلمتیں روپوں ہوں جناب کی آغوش میں  
ہر نفس پر جھوم کر انکڑائی لیتی ہو حیات  
ساحل و دریا، درخت و نخل، بام و درگزار  
زندگی، ہنسا ہوا اک بھول ہو فردوس کا  
اک کشادہ اور نورانی مسہری ہو کبھی  
ناشگفتہ اس پہ کلیاں جا بجا ہوں منتشر  
اک لطیف و سادہ تر اندازِ زیبائی کے ساتھ  
بے سکون کر دیتی ہے جذبات کی آسودگی  
واسنِ نظارہ میں بجلی کو دینا ہے پناہ  
مشبہ بنی آرام گاہوں میں ہے فردوسِ نظر  
باغ میں کھلتے ہوئے شاداب غنوں کی طرح  
لطفِ نظارہ اٹھاتے تجھ سے ہم شام و بکراہ  
ہوتی تیری ذات بھی ناقابلِ آغوش کاش!  
ناز میں کیوں کی دوشیزہ صباحت بھی تو خود

دقیق ہے نئی سی نزہت اپنی کھولنے کے لئے  
گر مٹی آغوش میں یا مال ہونے کے لئے  
شفقِ ٹوٹتی

ادب جدید کی سیمین جہات پر بارہا نقہ پشانیوں پر بنی ہوئے ہیں گویا ایک نئے  
 خلاؤ کی منظر آواز زین میں کی گئی تھی۔ اسے ایک شکوکہ ہوئے نے جنس تمدنی کی اور اردو  
 اصیل ادب کا نفرین بنائے اسے دھل کو (جہاں تک تعادیر کا تعلق ہے) سب پر ظاہر کر دیا۔ لیکن  
 ادب جدید سب خاصوں میں نیچے والا تھا۔ اسے اومان سے بھی ترس رہے تھے۔  
 ۱۰ اردو اصحاب ادب کا نفرین نے بقول رسالہ "خام" پانچ اعتراضات کیے  
 ہیں۔ میری تحریر سے چونکہ اس کا نفرین کی کارروائی نہیں گذری ہے اس لئے رسالہ "خام"  
 کی وہ پانچ پریل باہوں (اعتراضات حسب ذیل) ہیں۔

(۱) مغرب زدہ نگراں کی نثر ادب افلاکی و کردار کو براد کر رہا ہے۔  
(۲) زبان میں بیجا تفرقات کے ادب کو تباہ کر رہا ہے  
(۳) خواہش کی نشا عت کر رہا ہے۔  
(۴) بلیک دس کی کسی ناموافق طراز اردو چیز کو جو بہت ہی گھٹیا اور مضحک ہے۔ وہاں دے رہا ہے۔

(۵) خداوند مہربان کی توہین نہ کہے لوگوں کی دل آزاری کا ارتکاب نہ کر رہے ۔  
 معلوم ہوا ہے کہ رسالہ "ایضات" میں جو حق صاحب طبع آدمی نے اپنی جانوں  
 اعتراضات کا جواب دیا ہے میرے سامنے شایع ہے اور جو حق صاحب جوابات  
 الی رسالہ "خاطر" بابت اہل تبرہ اخلاق ہاتھ لگاتا تھا اس اشاعت میں حضرت سیاح  
 کر کے لکھ کر دیکھ کر یہ حضرات سزاوارتہ ادب و تقاضا میری طرف سے گنہگار ہیں جس میں جو حق صاحب  
 کے الزامی جوابات (ان اعتراضات کے جوابات جو اردو ادب کا نغمہ ہیں) —  
 عجیب نہ ہے۔ بطور ادب و ردی تو یہ ترکیب ذرا معلوم ہوتی ہے — بہر حال  
 اس کا نغمہ ہونے کے اعتراضات کے جوابات کے سیر حاصل جوابات دینے کے لئے ہیں۔

ہم ان نام جنہوں پر پکے گئے قبل کانفرنس کے اعتراضات کو نظر ثانی کا  
مکمل کرکھنا چاہتا تھا۔ کانفرنس نے اپنے پہلے اعتراض میں منظر منسوب زود "کنکر  
یہاں جس کو نکال کر ترقی پسند اسکے فروغ " اعزاز میں جہاں کا اضافہ کیا ہے۔ ہاں  
بعض کو نکال کر مزیں اب کے ساتھ افغان جنس کیا ہے یہ تبصرہ ہی بنیاد پر جو ہر ایک



زبان کو بی، پنجاب و حیدر آباد کا پیشہ و منکر دکھانے کے لئے مؤرخین نے حیدر آباد میں بہت سے جدید الفاظ وضع ہو چکے ہیں جو ہماری حمایت کے مستحق ہونے چاہئیں۔

تیسرے اعتراض پر پھر یہ دونوں بزرگ افراد و نفرات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ ترقی پسند ادب و ادبیات کی اشاعت کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں جو من صاحب کا ارشاد ہے کہ تمہارے ہاں بھی تو اسی قسم کے خوش موجود ہیں۔ مولانا سجاد نے ہوا فرمایا ہاں ہیں تو مگر آپ ان کو درخور اعتناء کیجئے ان دونوں حضرات کے جواب اور جواب کا جواب کو اگر اپنی جانب سے ایک چھٹے سے مکالمہ میں درج کردوں تو شاید یہ مسئلہ کچھ حل ہو جائے۔ اس لئے حضرت جو من اور مولانا سجاد کی کس ملاقات ہوئی ہے۔ جو من صاحب سجاد صاحب کو دکھ کر سے لہجہ میں کہتے ہیں:-

”مولانا! اننگ ٹیڈو کو ڈھم گوں کو کیا کہوں، کجست میرے لباس کو بیلا بناتے ہیں۔“

”حضرت آپ کا لباس ہے تو بیلا اس میں رنگ نہیں“ یہ سجاد صاحب جواب دیتے ہیں۔

”اچھا یہ بات ہے تو صاف کیجئے خدا اپنے کپڑے بھی تو دیکھتے کس قدر کیفیت میں جو من صاحب کہتے ہیں۔“

”میرے! نہیں تو ایسے زیادہ کیفیت نہیں ہیں“ یہ سجاد صاحب گہرا کر فرماتے ہیں۔

”جی! یہ فیذا آپ کا لباس صاف نہیں ہے اور یہ جو آپ کے ہاتھ میں بتی چھوٹی چھوٹی گھڑیاں ہیں (خدا کے دوادیں) انکے اندر سے بھی کھڑے بیلا بڑا کھانک رہے ہیں۔“

”اوسے یہ! وہ یہ! یہ سجاد صاحب چند گھڑیاں بھینک کر فرماتے ہیں۔“

”یقیناً ہاتھ میں آئندہ انکے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ میں نے تو ان کو آپ کا خدا کا ہتھکڑا کہہ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔“

اس کے بعد یہ دونوں بزرگ جدا ہو جانے میں

مولانا سجاد نے یہاں جو من صاحب کا غلط (یا الزامی) جواب سنا اور اس کی ذمہ داری لے لی۔ مولانا سجاد صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے تو ان کو آپ کا خدا کا ہتھکڑا کہہ کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ مزدور کی اجرت زندگی پر خون کے آنسو بہاتا ہے اور سرمایہ دار کی خود غرضانہ طبیعت پر ہنسنے لگتا ہے، غرض وہ فطرت و مصلحت پر انشیں مضامین لکھتا ہے لیکن کبھی اس نے اس پر بھی غور کیا کہ اسکایہ اقدام محمود السابنت کو کتنی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا؟ وہ چپکے چپکے آدمی کو آدمی کا دشمن بنا رہا ہے اور اس بھان کٹا کشش، رتیخ اور دشمن آباد نفسا سے پھر بھی ایک جہان پیدا کرنے کی توقع باطل کی پرورش کر رہا ہے کیا اس نے مٹھ فورڈ (دینا کا سترلی ترین انسان) کی فکر تو ہی خدا (یہ غریب ایک بسکٹ بھی بھجھ نہیں کر سکتا ہے) کا بھی خیال کیا۔ کیا ترقی پسند ادب نے کسی سیکھ کر مرضی کے خلاف تقسیم املاک کے پیدا کردہ آلام کا بھی اندازہ لگایا، کیا اس نے کسی بایا، عیفت و دوشیز کے قابو میں جذبات پر بھی کان دھرے۔ کیا اس نے کبھی جابر مائٹوں، سخت گیر آقاؤں، شد و پند پر دھیروں پر بھی تڑوکیا؟ کیا اس نے عیض و مغرور ڈاکٹروں اور میکینوں کی بھی خبر لی اور کیا اس نے اس زمانہ کے ملٹی واکٹس کے مجرموں سے بھی اجناس اٹھائی ہیں؟ محض نیچے ملنے کی چند غور و فکر کو جنسی بھوک کا سہل حصول و آوارہ گیری کے پورے کمال سے بنادینا ادب میں ترقی نہیں ہے۔ آفات و آفات کی فتنان کے باوجود مزدور کی قانع زندگی میں ایک پتھر پیدا کر دینا تو ادب کا ترقی کی طرف قدم اٹھانا نہیں ہے۔ ادب کیا ہے؟ عام انسانیت کی جھجک کو سننے والا گوشہ نشین، شہر و اطالیہ، طبقات تمام انہوں کے دلوں کی دھڑکنیں سننے، اگر آپ نے ایک بڑا دل کے دل پر بھی غصا، طاعن لائم سکون بخش دے تو سکھایا تو ادب ہے۔ تاکن ہے کہ جلد کا جھجک و سفاکی، سطر ع ادب کے قدوں پر نہ آجائے۔ ادب ایک تہذیب پسند شغف ہے جس کے خورد پر ختم ہیں لیکن دل میں پیار ہی پیار بھرا ہو جائے۔ کیونتی نیند ادب محدود مہارت کی جہان داری سے عام حمایت کا بوسہ اپنی بنیانی پر پکھلتے ہے؟ اگر وہ جماعتوں میں انتشار پیدا کر لیتے تو وہ ادب نہیں ہے جمادات ہے، اگر وہ انسانی کجست کی شرح کو بگھل کر لے لیتا ہے تو وہ ادب نہیں ہے شربے۔ اگر وہ جہانی چورے کو شائے کو، شائبے تو وہ ادب نہیں ہے نقبے، اگر وہ عصمت و حرارت کی سبیلوں میں عربی و فحش کی مٹرائے پھیلانے کو لکھتا ہے تو وہ ادب نہیں ہے مٹھاس ہے۔

جو من صاحب کے وہ میرے اعتراض کے جواب ایک سجاد صاحب کے جانے آئے سے میں بھی متفق ہوں۔ بلکہ جب جو من نے زیادہ اتفاق کر لیا۔ ان الفاظ کا تصرف اضافہ سجاد صاحب علمی و ادبی حیثیت سے کس طرح فرمائیے۔ موصوف کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ اگر تصرف و افتاد کو نمبر اولیٰ کرے تو اس میں کوئی قیامت نہیں ہوتی۔

ثابت کر دیا۔ اگر محبت کی نظر اسکو نہ لگائی ہوتی تو وہ ہینہ ہینہ پوری کتب تاب سے رشہ طلب دنیا کی نیرنگی کو مٹاتا رہتا۔

ترقی پسند ادب مجھے بتائے کہ اس نے اپنے انداز آدم سے کتنے اعتباری امور امن کا فائدہ کیا، کس صوبہ عام مساوات کی داغ بیل ڈالی، دوسروں کی خاطر کتنے اپنے عزیز اقارب کو تھامے کتنے غرض کاروں کی پٹیاں بول کو عرفی حراست انفعال سے نفاک کیا اگر اسے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ ادیب کا فیل ہند ہے کہ اپنی کارکردگی کے تنازع کی مساحت کو تا چہرے تو رہندہ ہی بنادیکے خود بخود اندر کس قدر غیرت نفس، لرغین النفسی، خود بخادی و خود داری پیدا کرنے میں ترقی پسند ادیب کا بیاب ہوا ہے۔

ترقی پسند ادب نے اب تک صرف یہی بتوکیا ہے کہ وہ ہر قدیم اصول سلوک کو جو اس ہلا دینے کے لئے آگے بڑھا ہے۔ وہ دنیا کی تعمیر نو چاہتا ہے لیکن اس کو اس سے غرض نہیں کہ خشت اول کی کچی کا عمارت بر کیا اثر ہے۔ وہ عقلماند عالم کے خلاف عدائے احتجاج بلند کرتا ہے، وہ دیرینہ نظریات سے بغاوت کی کیفیت کو لپیے تاکہ اسکو اپنے قوانین کے استغفار میں سمول ہو، تاکہ وہ ایک چھائی عالم پیدا کرے انسان میں ایک حوص ابدی پیدا کرے، ہر وقت ہنگام رہا ہے، ہر خیال میں سکون پیش خیم ہے جو دکا اس لئے کر، کڑا، انتہا را، انتہا، دہشت، گنت دھوئیں اور ایک عالم سنسنی سے ہر وقت دارو گیر کی فضا قائم رہے یہاں تک کہ بقائے صلح کا قانون سب جگہ پھیل جائے کیا یہ ادیب ہے؟ کیا یہی ادیب کا فرض ہے۔ اسکا جواب کوئیل یہ دیتا ہے۔

”ادب دل کا سکون، روح کا قرار اور ایک عام مہیا ہے“  
کتنا اچھا ہوا کہ جس دل کے گوشے سے نکلی ہوئی تنہا ہے کہ ترقی پسند ادب اپنے کفریات، توہین فواحش اور ایک عام الجھاؤ کے بدنام داغ کو اپنی دھمت میں کر جاتا کہ جھٹکے اور انسان کے اسی مآذوف مصدق جسم پر آشوبی رکھے جہاں درد ہو، درد میں جس اذیت کو کہ دینے کو نہیں بلکہ راحت پہنچانے کو اور کاش جوئی جیسا قادر الکلام، جادو بیان و دلشس و آواز اس مقدس شش کی نیل کرے جسکی ہمارے زمانے سے ذرا قبل عالمی نے ابتدا کی تھی اور اقبال نے اس میں جان ڈال تھی۔ جو شش کے ہاتھوں اسے کاش وہ کل ہوتا۔ کیا اچھا ہوتا کہ کھار جو شش کے ہاتھ سے یہ ایمان موزن تر اسے نہ نکلتے۔

”بادشاہ پڑھی میں ایک ہنسنے والی نند کا شہرہ“ وہ شہرہ یہ ہے۔

جہت پسند نفس جسم پر یہ مہلا لباس کیوں؟ اسے صاحب آپ تو ترقی پسند ہیں۔ آپ کو تو برائی قطع و بردے گندے لباس کو دفن کر دینا لازم تھا۔ آپ نے اپنے پیشرو کی کثافت کو کیوں اختیار کیا۔ یا اگر ہمارا لباس تھا اسکو ہمارے لئے بھڑ دینے۔ ایک ترقی پسند ادیب کے کپڑے تو سفید باقی رہنے چاہئیں۔ اسے جسم سے تو خوشبو کی بٹیں آنی چاہئیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے جسم و لباس سے اسی لعین کے بھکے اٹھ رہے ہیں جو آپ کے خیال میں ان گھروں واسے لباس کی شاعر ہے۔

کیا جو شص صاحب اس ثانی اعتراض کا جواب دے کر خود بھی مطمئن ہیں؟ میں موصوف ہی سے دریافت کرتا ہوں۔ آپ نے شیخ سعدی، علی حزیں، ولی، ہودا غالب، انشا، داغ وغیرہ وغیرہ کے کلام کی رسالت کی جانب اشارہ کر کے اپنے نام کے تمام ترقی پسند ادب کو کوک شستہ تسلیم کر لیا ہے۔ مولانا بیاب کو تو اسے جواب میں اتنی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہ تھی

اسکے بعد کا جتنا جواب لکھا ہے میں سب صاحب سے متفق ہوں اور موصوف نے ان سب پر پوری روشنی ڈالی ہے اور معقول جواب دیا ہے۔

ترقی پسند ادب کا اسکو پ دراصل بہت وسیع ہونا چاہیے، مگر ہمارے ترقی پسند ادب نے صرف اسکو زویدہ بنا دیا ہے بلکہ بہت محدود کر دیا ہے انکے ادب کی جان محض اشتراکیت ہو کر رہ گئی ہے۔ اول فاشیزم کی دست ہی نقل نظر ہے اور اس جنگ نے اسکو بھی گرا ب و آنا تنگ کر دیا ہے کہ وہ اپنی دہلیز کے باہر قدم نہیں رکھ سکتی، کیونکہ اسے اندر سے بین الاقوامیت کو خارج کر دیا جا چکا ہے۔

اشتراکیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ میرے ضمیمہ علم سے بھی نظام یگر کے نام سے ایک کتاب زیر طبع ہے جسکی رو سے پچھلے جتنے کے موافق اخبار مسلمان لاہور میں آچکی ہے۔ اس نے اب اشتراکیت پر زیادہ سے سے کو ناخبر مزوری ماحولم ہوتا ہے۔ صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ یہ کچھ ایک (میری مراد کا دل مارکس کی تشریح ہو کر) محض تصویر ہے۔ جب بھی اس نے پوکش کی طرف سے قدم بڑھایا غیر مکرانہ انداز ماسا دھار کان کی وجہ سے قدم سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اسے بغل اسلام پر عمل ہے۔ اس نے کئی سال تک محل کی کوئی پرچہ نہ اپنے تمام و کامل ارکان کو کندن

لے سکتی، علی حزیں، ولی، ہودا، غالب، انشا، داغ کا کلام ترقی پسند ادب کے ذیل میں کہاں آتا ہے؟ (ایڈیٹر)

اخلاق یعنی کی جیسے ہے۔ اور خلق کے معنی متداول لغات میں یہ ہیں۔  
 ”بالضم و بفتح بن۔ فوسے و عادت و مروت۔ و اکثر اطلاق اس بدوین قبہ  
 بریک آید۔ و عاصی بقدر بدو کی معنی فوسے بد آید (غیاث) وہ علم جس میں  
 تہذیب نفس اور عادات و معاش و غیرہ کی بحث ہے (غیروز)  
 بضم۔ فوسے و عادت و مروت و دین۔ (منقضب) فو، عادت فعل  
 خوش مزاجی (غیروز) عادت۔ مروت۔ سبھاؤ (فرہنگ فارسی)  
 کردار۔ فارسی لفظ ہے اس کے لغوی معنی یہ ہیں:۔

بالکسر۔ طرز و روش۔ (غیاث) کار و عمل و فعل (جہانگیری و بران)  
 طرز، طریق، عاصہ، شکل، کام۔ خصلت (غیروز) اس تعریف سے معلوم ہوا کہ  
 اخلاق کو سماجی اخلاق اور کردار کہ اطوار کے معنی میں سمجھا نہیں جیسے بلکہ خصلت  
 اخلاق و کردار کے معنی ہی عادت و اطوار ہیں۔  
 اب ان دونوں الفاظ کے انگریزی معنی سنئے:۔

اخلاق۔ *manners, disposition*  
*virtues, morality,*  
 کردار۔ *Action, dailour, art.*  
 یہ معنی بھی مندرجہ بالا معانی سے ہم آہنگ ہیں گمان کا منہم *Ethics*  
 اور *conduct* سے پورا نہیں ہوتا *Ethics*  
 علم اخلاق اور اصول اخلاق کا نام ہے اور *Conduct*  
 چل چلن سلوک اور رہنمائی کو کہتے ہیں۔

جب اخلاق و کردار کے معنی عادت و اطوار مسلم ہیں تو قیسی صاحب پر  
 کہنا کہ یہ اضافی نہیں بلکہ خلق میں اور ان کا بدلنا ناممکن ہے۔ کس قدر غلط ثابت ہوا ہو۔  
 ”عادت و اطوار“ یا اخلاق و کردار بدلے جاتے ہیں۔ یہی دوسری بات نہیں ہے۔ اگر  
 اخلاق کی تعمیر و تشکیل ناممکن ہوتی تو خرق کا سب سے بڑا مفسر اور انسان کامل  
 جس کے سامنے کسی مغربی فلاسفہ کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، یوں ارشاد نہ فرماتا کہ۔  
 ”و اخلاق با خلق اللہ“

اس او شاد ہی سے یثابت ہوتا ہے کہ اخلاق انسانی ہیں۔ بنائے جاتے ہیں اور  
 ان کا بھایا بڑا بنانا انسان کے اختیار میں ہے۔ یعنی ان میں ہر گز تبدیلی کا  
 امکان ہے۔

قیسی صاحب کے ذہن میں ان اخلاق کے مطالعہ کے وقت غالباً غسرت یا

دامین ترک و متعاطل برق و انش کہ نکلی نہیں اب جائیدہ ام سے آگ  
 نہ رہا کو غروب سب کے چھینٹوں میں نہ  
 اب دل و جاں میں لگاؤ و غلام ہو آگ  
 کل لگائی تھی کیوں میں سلاطین آگ  
 آج اسے کفر کے جھوکوں کو فرداں کر دو  
 کاش جن کا ظلم من مہم کی داد خواہ اور داد طلب ہم کی شہری کے لئے وقت  
 نہ ہوتا بلکہ اسے ہونٹ لٹکاتے اور یہ ظلم مجھے ان سے نکلتے ہے  
 تبر و سناں و خنجر و شمشیر آرزوست  
 با من بیا کہ مسلک شہیر آرزوست  
 یا کمال وقت و سوزا کی زباں پر یہ مناجات ہوتی ہے

یار ب دل سلم کو وہ زند و فنا دے  
 جو قلب کو گرما دے، جو روح کو ناپے  
 یا وہ کل و توحید کی یوں تبلیغ کرتا ہے

ما عصاب لا لہ داری بدست  
 ہر علم خوف را غوا ہی شکست  
 خوف را در سبب او راہ نیست  
 خاطرش پر عجب فرات نیست  
 مسلم قوم کے برف سے زیادہ سرد و محو کو جو حق صاحب کی آتش بڑائی  
 جھکا سکتی ہے۔ وقت ہے کہ وہ اپنی قوم پر احسان فرمائیں ہر مذہبی پوش اور دہند  
 شعرا اپنے رنگ کو ترک کرے قوم کو زندگی کی گھونٹیں پلا رہے۔ کیا آپ کو اپنی قوم  
 سے ذرا محبت نہیں کیا آپ کو اسکی عظمت و زلف کا مطلق باس نہیں۔ ادب وہی زندہ  
 رہتا ہے جو فو و زندگی کا حامل ہو کیا فو ب کما ہے کسی انگریز مفکر نے۔

*literature that does not  
 last is journalism and  
 journalism that lasts is literature.*

(جو ادب زندہ نہ رہے وہ محض صحافت ہے اور جو صحافت زندہ رہ جا  
 وہ ادب ہے۔) جو حق صاحب کا ادب زندہ نہیں رہ سکا کہ وہ صحافت نگارش  
 سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ آج کل کی صحافت زندہ ہے اس لئے وہ ادب ہے۔

## قیسی امپوس

اس مضمون میں بعض الفاظ کے معنوم و معنی اور بعض دوسری باتوں میں جو  
 غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُسے زائل کر دوں۔ قیسی صاحب نے  
 جو حق صاحب کے ”ذوالغافر“ اخلاق و کردار کے مکمل انتہائی پراعتراف کیا ہے



NATURE تھی۔ اسی لئے وہ ان کے اسانی ہونے سے حکم ہوتے  
فطرت الہیہ نہیں دیتی۔ بہار اپنی جگہ سے منتقل ہو سکتے ہیں مگر فطرت انسانی غیر متحرک  
نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی اسی فلسفے کا قول ہے۔ لیکن کہاں انسانی فطرت اور کہاں  
السانی اخلاق دو کردار ہیں۔ اخلاق بنائے جاتے ہیں۔ کردار زمین کے جملے ہیں  
اس لئے دونوں اسانی ہیں اور دونوں میں امکان زمین ہے۔

اخلاق یعنی عادتیں بھی اور بری دونوں قسم کی ہوتی ہیں۔ اسی لئے لوگوں کو  
”فوش اخلاق“ اور ”برا اخلاق“ کہا جاتا ہے۔ ایک فوش اخلاق شخص برا اخلاق ہو سکتا  
ہے اور ایک برا اخلاق، فوش اخلاق بن سکتا ہے۔ اسی طرح ”السانی کردار“ بھی  
بدلتا رہتا ہے۔ آج قلمی صاحب اپنے معاشرے کی دھبے ”باو“ اور ”کولک“  
کھلاتے ہیں۔ اگر وہ کلی ”کلمہ“ ہو جائیں تو ان کے کردار کے ساتھ ان کا یہ اتنا نہ  
بدل جائیگا اور سب انھیں ”کلمہ“ کہنے لگیں گے پھر اگر وہ صرف ”ادب“ ہو جائیں  
تو ان کا کردار پھر بدل جائیگا اور کوئی انھیں ”کلمہ“ نہ کہے گا۔ سب ادیب کہنے لگیں گے  
وہیں کلام خدا۔

اب قلمی صاحب تسلیم کر لیتے کہ انسانی اخلاق دو کردار معنی اسانی ہوا ہیں۔  
وہ دلیت نہیں ہیں ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور ہمیشہ بدلتے رہیں گے۔  
قلمی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ قلمی صاحب کا جواب نہ تو عاری ستر پوشی  
ہے نہ اس میں کسی چال کد سے کام لیا گیا ہے اور نہ کہیں قلمی صاحب ہے بلکہ جو قلمی صاحب  
نے ہر اعتراض کا جواب اپنی ذہنی دیانت داری کے ساتھ دیا ہے اور جس طرح ان کے  
کلی اعتراض کا براہ غلط نہیں ہے اسی طرح سب جواب کا انداز بھی غلط نہیں۔ صبر اور  
فطرت کا اندازہ نہ لگائے میں قلمی صاحب خود غلطی ہوئی ہے اور اس کے وہ خود دہرا رہیں  
اپنے بزرگوں پر اعتراض کہنے سے پہلے معترضین کو اپنے پہلے علم و عمل کا جائزہ  
لے لینا چاہئے۔

قلمی صاحب کہتے ہیں کہ اخلاق کا تعریف و افتادہ سیما صاحب علی دلسانی  
جہیت سے کس طرح فرمائیے گے؟ موصوف کے پاس اس کا کیا سیما ہے؟

(ا) اخلاق میں تعریف و افتادہ ہونا چاہئے (جواب) اگر اس سے کہ تعریف و افتادہ  
کی بحث زبان کے ساتھ تھی نہ کہ اخلاق کے ساتھ۔ پھر اخلاق کا تعریف و افتادہ کیا  
معنی؟ میں نے عرض کیا تھا کہ جو تعریف و افتادہ ہو وہ علی ادبانی جہیت سے غلط  
ہوگا۔ اسکی مثال میں دو دی تھی، پھر میری جگہ میں نہیں آتا کہ قلمی صاحب کا  
سوال کیا معنی رکھتا ہے؟ تعریف و افتادہ کا معیار علی دلسانی جہیت ہے کہنے  
کے بعد معلوم ان ہی کو سمجھ لینا چاہئے تھا۔ اور سیما کیا ہوگا؟

قلمی صاحب نے ”ذرات ہندی“ پر جو مختصر ملاحظہ کیلئے وہ نہایت موفاد  
ذہنیت کا مظاہر ہے۔ جس کا لہ کا جواب کلامی سے کہ جواب غیر منکر کو کلام خدا  
بنانا نہیں چاہتا۔ لیکن قلمی صاحب کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قدیم جو موصوفات شاعری کا  
ترک سب سے پہلے بنے کیلئے۔ جو کثافت اور میل انھیں نظر آ رہی ہے وہ صرف  
ان کی تنگ نگاہی اور کم نظری کی کثافت اور میل ہے وہ یہ اسیان نظر میرے نام  
کلام کے مطالعہ کی ذمت اٹھائیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ سب سے خدا کے علی الاعظم  
اور دو شاعری میں کئے جہاں انقلاب پیدا کر دئے ہیں۔ نظم و نظم فرل میں بھی میں نے  
استدراک موصوفات جدیدیاں کر دی ہیں کہ فرل اپنے درجہ معین سے بڑھ کر اور فرل سے  
اور آگے کی اور چر معلوم ہوتی ہے۔

آج میں مجھے براہ فہوس یہ بھی کہنا چاہئے کہ وہ معترض جو حضرت جوش کے کلام  
میں آڑ دھبے سلک شیعہ، مناجات، زندہ ختمانی، اور تبلیغ و حیدر دیکھنا چاہتا ہے  
خود ادب آڑ دھبے کی بحث میں مغربی فلاسفوں کی کفری، کینٹ اور آرنلڈ کی انکس  
کامرین منت اور عقل نظر آتا ہے اور اسے مثال دینے کے لئے منکرین مشرق کے  
اقوال بھی نہیں مل سکتے۔ یہی وہ مغرب زدگی ہے جس کا الزام نئے ادب پر ہے۔ اور  
جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے نوجوان معنوں نگاروں کو عربی اور فارسی الفاظ  
کے معنی و مفہوم میں بھی متالطے ہو رہے ہیں۔ قدر کر۔

سیما

دباجی

تمہیں امداد کی امید ہے کہ سی نشینوں سے  
طلب کرتے پھانی پتھروں کے خشک سینوں سے  
اپانج بخدا اول اور بوسیدہ نشینوں سے  
حجاز فیروز آبادی (از جود جیور)

# ”اُس“ کے نام

مری آنکھوں کی حشریں تری حشر توں پہنچا رہوں  
مری روز و شب کی یہ غلطیوں تری جلتوں پہنچا رہوں  
یہ مرے خیال کی پستیوں تری غلطیوں پہنچا رہوں

خلش انتظار کی دیدنی ہو اگر تو تھک کر دکھاؤں میں  
مرے دل پہ بیت رہی جو کبھی سن کے تو سناؤں میں

ترا عبد طفلی و سادگی مسلم ازل کا کمال تھا  
ترے خدو و خال کے زاویوں میں بہت کمال تھا  
نہا بھی غایت نظر ہی تھا تجھے کسی کا خیال تھا

مرے اختیار میں ہو اگر تو تجھے وہ وقت دکھاؤں میں  
مرے دل پہ بیت رہی جو کبھی سن کے تو سناؤں میں

تری زہد پاش اداؤں نے مر کو دل میں مٹا دیا  
تری مست سنگھانے مجھے اور مست بنادیا  
مجھے دس کے درس پریم کا مکر دل کا نو زہر بھادیا

تو کہے تو پریم بھرے وہ گیت زبان عشق پہ لاؤں میں؟  
مرے دل پہ بیت رہی جو کبھی سن کے تو سناؤں میں

وہ شروع عالم عشق کی کبھی وار داجیں تو یاد کر  
وہ ہی ذوق و شوق کی کر کے کبھی یاد آتیں تو یاد کر  
تو جو کہتی تھی کہ نہ بھولوں گی ذرا اپنی باتیں تو یاد کر

مجھے تو نے دل کو بھلا دیا، تجھے کیوں دل کو بھلاؤں میں؟  
مرے دل پہ بیت رہی جو کبھی سن کے تو سناؤں میں

ترے غم میں جاں زندگی نہ سکون ہے نہ قرار ہے  
مرے دل میں تیری ہی یاد جو زرخیز عشق ہی کا قرار ہے  
میں نہ اس کو پہلے سمجھ سکا ترا وہ سن کا یہ پیار ہے

مرے اختیار میں ہو اگر تو تجھے بھی خوب جلاؤں میں  
مرے دل پہ بیت رہی جو کبھی سن کے تو سناؤں میں

ترا رنگ روپ کا تھا تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
میں نکلا تیری ادا کا تھا تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو  
ترا عبد مجھ سے وفا کا تھا تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ترے عہدِ ماضی کے راگ بھر کبھی سا زخاں پہ لگاؤں میں  
مرے دل پہ بیت رہی جو کبھی سن کے تو سناؤں میں

پہلا شمارہ

ریڈیائی تمثیل :-

## حرم سرا

شاہ پور :- (آہستہ سے، رگ، ارک، کر) فردوس — اے فردوس!

(کسمپسنہ میں کپڑوں کی سرسراہٹیں چوڑی لہائی ہیں)

فردوس :- (بھی ہوئی آواز) کون؟

شاہ پور :- گھر گئیں، میں ہوں۔

فردوس :- تم؟ شاہ پور،

شاہ پور :- ہاں! ہاں! میں ہوں

فردوس :- تم یہاں کیسے آئے؟

شاہ پور :- یہ بھی بتا دوں؟ کد لگا کر، اس درپے سے، ملنا جو تھا۔

فردوس :- جانتے ہو تم اسوقت کہاں ہو۔

شاہ پور :- ملکہ عالم کے حضور میں۔

فردوس :- اچھا اب تم جاؤ۔

شاہ پور :- (حیرت سے) فردوس۔

فردوس :- ہاں ہاں تم یہاں سے چلے جاؤ۔ (عاجز ہو کر) جانے کیوں

نہیں! کیا مجھے بتا دکنے پر تے ہو؟

شاہ پور :- میں اور نہیں تباہ کر دوں، کبھی اس پر غور بھی کیا؟ ذرا بری طرف دیکھو

— دیکھتی کیوں نہیں؟

فردوس :- یہ نہیں کیا ہو گیا ہے؟

شاہ پور :- شاید کچھ برصورت ہو گیا ہوں۔

فردوس :- کبھی بائیں کر رہے ہو شاہ پور۔

شاہ پور :- اچھا اب میں جا رہا ہوں۔ صاف کرنا فردوس، نہیں بہت تکلیف

ہو جاتی۔ قابل نے ادھر میرا لٹا دیا اب کی آئی سر کوئی کو میں جا رہا ہوں

یہ ہم پر ہے پردہ کی گئی ہے۔ کل جلا جاتا تھا۔ تم سے لے کر نبی جاتا تھا

لیا لیا۔ ارمان پورا ہو گیا۔

(دھڑول کی چاب آئی غم آگئی فنون کا آواز میں ابھریں)

فردوس :- جارہے ہو شاہ پور۔

شاہ پور :- کہیں نہیں تباہ نہ کر دوں۔

فردوس :- یہ تم کہہ رہے ہو؟ جانتے جھوٹے ہوئے بھی انجان بن رہے ہو۔

شاہ پور :- شاید۔

فردوس :- کیا صرف جلانے کے لئے آئے تھے۔

شاہ پور :- کاش میں ایسا کر سکتا۔

فردوس :- تم بھی مجھ سے ناراض ہو گئے (بھرتائی ہوئی آواز) اچھا —

(مختلہ ہر سکوت)

شاہ پور :- (آہستہ آہستہ ہلکا کر دیکر آئے ہوئے) تم سے تو میں ناراض ہی نہیں

ہو سکتا فردوس۔

فردوس :- شاید

شاہ پور :- نہیں فردوس مجھے اب جانے دو، یہ شاہی محل ہے یہاں ہاں ٹھہرنا

مناسب نہیں

فردوس :- وہ تو غنیمت ہوا، آج میں نے سب کمزوروں کو تباہ کر دیا تھا۔ صبح ہی تو طبیعت

کچھ سست تھی۔ اکی جاؤں، جاؤں میں تو اور بھی دم گھٹتا ہے۔

شاہ پور :- شہنشاہ، شکار سے کب تک واپس آئے گے؟

فردوس :- کئی روز میں آئیے، کل ہی لوگے ہیں۔

شاہ پور :- تم یہاں اچھی طرح ہو فردوس؟

فردوس :- بہت!! مجھے یہاں تکلیف ہی کس بات کی ہو سکتی ہے۔ جھوٹے میوے

تک سب پر میرا حکم منسوب اور دل کا کیا ذکر، خود شہنشاہ ہر وقت

میری نظریں دیکھتے رہتے ہیں، ادھر میری زبان سے کچھ نکلا اداوار

خزانہ پوری ہوئی۔ وہ تو ہر وقت ایسی اختراعات رہتے ہیں کہ میں

ان سے اپنی کوئی خواہش ظاہر کر دوں۔ تم نہیں جانتے شاید وہ جھوٹ

کتنی محنت کرتے ہیں۔ جلا جاتا ہے اب کیا چاہتے۔

شاہ پور :- پھر تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ یہ بھلائی عادیج جیسے رسول کی

بجاء ہو

فردوس۔ ادب میری طبیعت ہی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

شاپور۔ طبیعت کیوں نہیں ٹھیک رہتی

فردوس۔ میں کیا بناؤں؟

شاپور۔ (سرد آہ) دیکھنے پر اسکا ساتھ اچھا لو کہ نہیں کیا۔

فردوس۔ میری ایک بات مانو گے؟

شاپور۔ میں نے اسکا ہر کب کیا۔

فردوس۔ تو تم اس صبر پر نہ جاؤ۔

شاپور۔ کیوں؟ شہنشاہ کے حکم کی جس کیسے کم عدد کی کر سکتا ہوں۔ پھر انھوں نے

انے بڑے شراروں کے ہونے ہونے استفادہ واری مجھ کو

دیکھے

فردوس۔ اُف! تمہیں تو کچھ بھی نہیں۔

شاپور۔ کس بات کا؟

فردوس۔ یہی کہ آخر شہنشاہ نے تمہارا ہی انتخاب کیوں کیا؟ اور تمہی لوگ

موجود تھے۔

شاپور۔ یہ انکی عزت افزائی ہے۔

فردوس۔ یہ تو تم جانے ہو کہ بادشاہ سلامت تم سے خوش نہیں۔

شاپور۔ ہاں! یہ میں فوراً دیکھ رہا ہوں

فردوس۔ آخر یہ کیوں؟

شاپور۔ یہ کیوں؟ (ڈراڈگ کر) میں تم سے محبت ہو کر رہا ہوں؟ مگر انھیں

انکی کیا خبر؟

فردوس۔ انھیں سب کچھ خبر ہے۔

شاپور۔ (گھبرا کر) انھیں معلوم ہے۔

فردوس۔ ہاں!

شاپور۔ تو پھر

فردوس۔ تم اس صبر پر نہ جاؤ

شاپور۔ اب تو میں مجبور ہوں

فردوس۔ تمہاری جان خطرے میں ہے۔ اچھا تو تم آگے میں تو نہیں خود ہی

اطلاع پورا کرنے چاہی تھی۔

شاپور۔ گماب کی ہو سکتی ہے؟

(پڑا ہر سکہ کی سرسراہٹ، خدوں کی چاب)

کنیز۔ کلک عالم

فردوس۔ کون؟ سارہ (گھبرا کر) یہ۔ یہ۔ شاپور۔

کنیز۔ مجھے سب کچھ خبر ہے۔

فردوس۔ تم بہت گھبرائی ہوئی ہو۔ خیر تو ہے۔

کنیز۔ غضب ہو گیا کلک عالم۔ فالجہاد شکا سے واپس لوٹا آئے۔

آپ کے پاس تشریف لارہے ہیں۔ کینز کا دل نہ مانا اپنی جان پر

کھیل کر چلی آئی۔

فردوس۔ اچھا تم جاؤ

(خدوں کی آواز آتی ہے)

شاپور۔ میں جا رہا ہوں۔

فردوس۔ اچھا! دیکھو دہاں نہ جانا

(خدوں کی چاب)

شاپور۔ کوشش کرو دنیا۔

فردوس۔ ٹک کر رہ گئے؟

شاپور۔ درجے کے نیچے پاہی کھڑے ہیں۔ اب کیا ہو گا۔

فردوس۔ (رک کر)۔ اچھا میرے ہمراہ آؤ۔

خواجہ سرا۔ (دور سے) نکلتا۔ ادی سسٹل۔ او سوں کینز مالیں باہ

تشریف لارہے ہیں۔

(گھر بھر کی جھنجھٹائیں، ہمارے خدوں کی آواز

نزدیک آتی جا رہی ہے۔)

فردوس۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا

شاپور۔ اچھا تو میں دیکھ رہا ہوں۔

فردوس۔ ٹھہر جاؤ

(خدوں کی آواز دہریں کی جلی پھڑک رہی ہے)

سسرانہیں۔

بادشاہ۔ کون؟ شاہزادہ روم سراہیں۔ یہ کنیز فردوس؟ اچھا تو کیا ہو گا

نکلتی ہے، سرسری کی آواز ہوتی ہے (محبت دیکھی ہے تو بادبٹ کا خراب  
بھی دیکھ لو فردوس

شاہزادہ۔ عالیجاہ! مجرم تو میں ہوں۔

بادشاہ۔ شاہزادہ، ہمارے حضور میں اور یہ جبارت کیا تم سزا سے بچ جلتے۔ اچھا  
نکا تو تیار۔

شاہزادہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے عالیجاہ! شاہزادہ اپنے شہنشاہ کے حضور میں کیسے تیار  
اٹھا سکتا ہے۔

بادشاہ۔ باتیں نہ بناؤ شاہزادہ، ہم جانتے ہیں تمہیں ہمارا کتنا خیال ہے ہمارے  
ناموس پر ڈاکو ڈالو، قتل کو کھل ڈالو، منہ پر تھوک کر کہتے ہو جس عزت  
کرتا ہوں، خاک بھونکنے کی کوشش مت کرو

شاہزادہ۔ لیکن عالیجاہ!!

بادشاہ۔ میں نے آج تک کسی بچے پر اتنے نہیں اٹھایا میری تلوار کو آج اس پر  
بھروسہ کر دو

شاہزادہ۔ عالیجاہ!!

بادشاہ۔ خاموش! اگر تمہیں ہمارا خیال ہے تو تلوار کیوں نہیں اٹھاتے، ہم  
مگمگے رہے ہیں۔

(تلوار نکالنے کی سربراہی)

شاہزادہ۔ عالیجاہ، شاہزادہ کو خدا نے بنایا۔

بادشاہ۔ تو سنبھلو

(تلوار پٹنے کی کھٹ، کھٹ)

بادشاہ۔ واد کیوں نہیں کہتے؟

شاہزادہ۔ میں تو صرف حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔  
بادشاہ۔ موت سے بھاگ رہے ہو شاہزادہ، بزدل مت بنو، تم سپاہی کی  
توہین کر رہے ہو۔

(تلوار پٹنے کی کھٹ کھٹ جاری)

شاہزادہ۔ مجھے خوف ہے کیس میری تلوار نہ اٹھ جائے عالیجاہ۔  
خون دیکھ کر اندھا ہو جاتا ہے۔ میرے سر سے یہ جتنی بھی خون  
کدھا میری نظروں کو دھندلا جاتا رہی ہے میں مجھ جتا جا رہا ہوں  
کہ میرے قتل مقابل کون ہے۔

بادشاہ۔ کوئی ارمان رہ نہ جائے۔ بچو

شاہزادہ۔ آہ (ہرج کر) عالیجاہ، سپاہی اندھا ہو گیا۔

(چمن، ان، ن، شہنشاہ کو گڑوٹنے کی آواز آتی)

فردوس۔ (ہرج کر) کیا کر رہے ہو شاہزادہ؟

(فردوس کی دلدوز آواز)

شاہزادہ۔ یہ کیا کیا تم نے فردوس؟ میری ہی تلوار کے سامنے آنا  
رہ گیا تھا۔

فردوس۔ فیصلہ نہیں ہونا تھا تم نے تو سلطنت کا جواں رہی مجھ دیا تھا۔ میں  
کیسے دیکھ سکتی تھی!

شاہزادہ۔ عالیجاہ! اب تو جھگڑا مٹ گیا، شاہزادہ کو معاف کر دیجئے  
بادشاہ۔ فردوس، فردوس! —

شوکت صدیقی

## اندازہ وقت

حقیقت کی جہاں میں نور باری ہوتی جاتی ہے  
لطف بڑھتی جاتی ہے ضیاء ماہ تاباں میں  
فضا کی تیرگی، باطل پہ طاری ہوتی جاتی ہے  
سگ دیوانہ کی آواز بھاری ہوتی جاتی ہے  
سیماب کبر آبادی

## فکر بند

جوان کے در پہ جین نیراز مند نہیں  
عجب شے ہے محبت میں خود فراموشی  
ہونچ اری کے سہارے سے بام مقصد تک  
جو ہوش ہے تو اجل کی پھکار سن فاضل  
نہاں زمانے سے راز عشق مرا  
چمن میں خطرہ عباد کی شکایت کیا  
جہاں میں حسن مداوا بکف توبہ موجود  
سمجھ گئے جو شب و سحر ازجادہ عشق  
حقیقت ہے محبت ہی زیور آن سال

عجب شخص ہے ارشد کو جانتے میں ہم  
وہ انکسار محبت ہے خود پسند نہیں  
ارشاد صدیقی امر وہی

## نوٹے آزاد

بس کہتے، ہمارا کام نر ہو چکا  
رشد اب تو پردہ محل اٹھائے  
دست جنوں نے آنکھیں کھلیں لی قبر  
اب ابتلائے عشق کے وہ لوگ کہاں  
اب سرو بال دیوں ہو دھوا سدا  
اسے بھی وہ تو زلف پریشاں ہو چکا  
دامن ہزار بار گریبان ہو چکا  
تا حد اشتیاق میں حیران ہو چکا  
جب تار تار میرا گریبان ہو چکا  
میں تو کسے ہر اسے کھینچاں ہو چکا  
شکے گا یہ بھی مدعاں ہو چکا  
یعنی ہماری موت کا سالن ہو چکا

آزاد لاکھ بار رہا ہے صنم پرست  
آزاد لاکھ بار مسلمان ہو چکا  
آزاد شیرازی الہندی

# الطافِ مشہدی اور رسالہ "شاعر"

نہا ہے، ان کے اس طرزِ عمل کو کسی طرح محمود حسن قرار نہیں دیا جاسکتا وہ اپنے کسی مین مقصد کے آگے تفریق کے ساتھ تفریق تو ہیں کے ساتھ تفریق کر کے ہیں تاکہ تکیل مدعا بھی ہو جائے۔ اور ان پر عناد و نفاد کا الزام بھی عائد ہو۔ پی کے شعراء کو محض ادب کے خیر بنایا تو ساتھ ہی یہ بھی فرادیا کہ وہاں اب تک تھے چاند تارے جبکہ ہیں ان کی تباہیاں اب تک قائم رہ چکی۔ پنجاب کی تفریق کی کہ وہاں شعراء و ادباء کی اتنی کثرت ہے کہ تھے شعراء و ادباء تمام ہندوستان میں ہونگے اتنے صرف پنجاب میں ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی گھبراہٹ کہ پنجاب کے شعراء و ادباء کی کثرت دکھائی دیتی ہے اور کچھ نہیں۔ اس کثرت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ظن میں میں کچھ گہرا پس ضرور مل جائیگا۔ دیکھئے کس نوعیت سے تفریق تفریق میں منتقل کر دی گئی ہے۔ اسی طرح پنجاب طرزِ کاظم عابجا پنجاب کے متعلق گہرا فانی کو لایا ہے، چنانچہ پنجاب کی قدرتِ آفرینوں اور قدرتِ طرازیوں کی تفریق کے بعد ارقاد فرمائے ہیں "وہاں ردِ عمل کی جگہ سنجیدہ انقلاب نہیں ہوا، بلکہ جمہوریت ہوئی ہے اور کچھ نہیں سوچا جاتا کہ آل کیا ہوگا، یا غلط دیگر طرزِ صاحب کے نزدیک، ہل پنجاب آل نا اذلیش ہیں۔"

تھے میرے خیال میں یہ کوئی گالی نہیں ہے بلکہ امر واقعہ ہے۔ اگر مجھ سے کوئی شک کہہ کر بیٹھے اپنے اندر زیادہ اضافہ نہ کر پنجاب نے پیدا کرے۔ وہی آج تک پیدا کر کے تو میں اس روشن حقیقت کو کوئی نہ جھٹک سکتا ہوں، اس سلسلے میں میرا اخبار ناظر کی نقیبتا بجا اور حق کے مترادف ہوگا۔ میری حقانیت کو خیارِ اشتباہ نہ مانا گیا و ظلم ہے۔ لیکن اظہارِ حقیقت گناہ نہیں۔ ————— اعجازِ صدیقی

تھے اگر پنجاب خطِ انقلابیت پر غور فرمائے تو وہ قیناً طرزِ صاحب کی تائید کرے۔ بد فہم کی شاعری، عربانی کا اشتہار و اعانہ اور ظلم سے روگردانی، قربانی منی رکھو ہے؟ بلوچستان اور زبان و ادب، علم و فن اور پالی کوئی اردو کی زلفیہ شاعری کو تو نہ تو۔ بروقت تعاقب ہوئی ہے اور ذوقِ بندہ و ج میں مری طرح عرق ہو رہا ہے اس کے ذریعہ خطِ صاحب پیدا ہوئی کہ وہ؟ ————— اعجازِ صدیقی

جون سلسلہ کے رسالہ "شاعر" اگرچہ میں ہندوستانی پریت کے گیت کا مصنف ایک مضمون نظر سے گزرا، صاحب مضمون ہیں جناب طرزِ تفریق ہندوستانی، آپ نے مضمون کی ترتیب تدوین میں کافی حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اور اپنی حق پسند کردہ ادارہ کا مظاہرہ بھی کر کے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے دل و جان سے جو ایمان کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے شعراء و ادباء میں الطافِ مشہدی کی روز افزائی شہرت و قبولیت اور ان کی ہندوستان میں عظمت کے بڑھتے ہوئے مطالب کو متغیر تفریق کے خاص و فاشل ہو، دیکھنے کی جھٹ کا شش کر رہے ہیں۔

طرزِ صاحب کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے صرف مشہدی صاحب کو بدین متغیر بنانا کافی نہیں معلوم ہوا اس لئے انھوں نے دوسرے پنجاب کو نشانے پر رکھ لیا جسے مشہدی صاحب کا وطن مطلق ہے۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے اردو کی خدمات کے اعتبار سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں باہم مقابلہ کر کے کسی کو گھٹایا اور کسی کو

لے جاتا۔ خطِ ۱۰۰ کا مضمون اس قابلِ تہنہ کر کے لیا گیا کہ ہندوستان کے ادارہ کی قریباً ہزار روپے کا اقتباس بھی ہے کہ طالع و موافق دونوں آواز میں ناظرین کے قانون تک پہنچا دیا جس جہان میں کسی کو کچھ سنا ہوں خطِ صاحب نے اپنا پورا جوا لیا مضمون اس روشنی میں ترتیب لیا ہے کہ پنجاب طرزِ تفریق کے تمام اعتراضات، بیجا بے بنی، برہمنی ہیں اور پنجاب خطِ ناظرین دوستی، اتحاد، ہوا اسلام ہوتا ہے کہ اس کے سامنے طرزِ صاحب کا ہر خط خط اور بے بنیاد ہے اس کے دوسرے مضمون یہ ہونے کہ ادارہ "شاعر" بھی میری تصدیق شمار ہے اور اسے اچھی بری تنقیدوں کی گزیر نہیں۔ کاش خطِ صاحب میری اخلاقیات کی طرح کو کسیں کر کے کی گزیر۔ فرمائے اندوہ موجودہ ادبی وفد کے حالات و واقعات، میرا بکلام اشد شعرا کے سلسلہ ہونے والی تنقیدوں سے کہ حق واقعت ہوتا ہے۔ ان کا جوابی مضمون یہ خبری کا نتیجہ معلوم ہو رہا ہے اور اس سے مترشح ہے کہ وہ ایسی تنقید پائید کر رہے ہیں جن میں یا تو صرف کاشمن سے جھٹ کی جائے یا پھر صاحب ہی صاحب گئے جائیں۔ صاحب و محاسن کا احراز، اذہم و تنقید کا ماحول بہتر ہے، اصل پند نہیں۔ خطِ صاحب لکھتے ہیں کہ طرزِ صاحب نے "مضمون کا ماحول کر کے کسی کو گھٹایا اور کسی کو چھایا" ————— گویا ان کی نظر میں تمام صوبے کیوں ادب کی خدمات مساوی ہیں کیا خوب؟

خطِ صاحب میں انھوں نے اپنے پانچ پانچ کے خیالات کے انداز میں خدمت کر رکھی ہے کہ ایک جگہ کہ "مضمون میں ہندوستان میں" ————— اعجازِ صدیقی

مشہدی صاحب کے خلاف خاموشی کے لئے اس طرح شدید احتجاج کیا کہ  
جنا ہے جس کی نیکلیوں فرمائی جاتی ہے کہ پہلے تو اکثر اقبال مرحوم کا احترام کیا  
اور ان کے بعد کے شاہرہ شہر کا ذکر ہوتا ہے پھر ارشاد ہوتا ہے پنجاب کی ایک شخصیت  
یہ بھی ہے کہ وہاں غزل سے زیادہ نظم کا ذوق پایا جاتا ہے مگر ایک عالمی راہروی  
کی مرکز پر پہنچے نہیں جی۔ تنویں ایک شاعر اپنے مخصوص مقام پر پہنچ جاتے ورنہ  
دو اسی رنگ کسی کے یہاں نظر نہیں آتا، پنجاب کے شعور کی غیر شگفتگی اور منزل پر پہنچنے  
سے پہلے تھک جانے کی ایک ٹی وی ویڈیو بھی ہے کہ اہل پنجاب اپنی ادب نوازی یا  
موجودی بھڑکی سے مجبور ہو کر ہر کس کو سر پر بٹھاتے ہیں، وہاں پر ناسخا  
ایک دو مال ہی میں صاحب کی بھجوانے خواہ پھر انسانی مسئلہ بند ہی کوئی ہوگا  
نہ ارباب پنجاب یہ سوچتے ہیں کہ اس کی تعریف میں دیر بالقدوس ہیں یا نہیں، اس طرح  
پنجاب کی مدح و ذم کی بھمانہ آرائش و نالاش کے بعد اتفاق صاحب کی شاعری کی بجا  
توجہ منہول ہوتی ہے، فرماتے ہیں۔

”پنجاب کے جس مشہور اور فوجانہ شاعر کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں  
وہ بھی اپنے صوبے کی عالم پسندی سے بہت جلد متاثر ہو گیا۔۔۔۔۔  
پریت کے گیت کا مصنف الطاف مشہدی اپنے صوبے کے باہر بھی  
کم و بیش شہرت رکھتا ہے، اس کی نظمیں اور گیت اخبارات و رسائل  
میں شائع ہوتے رہتے ہیں، الطاف کی شاعری میں حقیقت جالندہری  
کا فانی عنصر اور آخر خیرانی کا روحانی تصور شامل ہے اور انھیں  
دونوں رنگوں کے انراک کا اس کے یہاں متوازن ہے مگر اس کے  
گیت اتنے جاذب نہیں جتنے حقیقت جالندہری اور دوسرے شاعر  
کے ہیں“

مجھے جہت ہے کہ قلم صاحب نے مشہدی کے متعلق ایسی محدود و ناقص  
رکھے ہوئے ان کے خلاف قلم اٹھانے کی جرات کیلئے کہ آپ مشہدی کی شاعری پر

لکھ قلم صاحب نے اس الزام یا اعتراض کا جواب مدلی کول نہ دیا اور کہوں نہ لے  
مشہدی کا نام لگائے جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں مشہور و مقبول ہے کہ  
جس سے کوئی شاعر کوئی اخبار اور کوئی رسالہ خالی نہیں رہتا۔ ناقدین جن کے ذکر  
پر مجبور ہوتے ہیں اور جن کے کام کے مجھے کئی کئی بار چھپ کر صاحب ذوق اعلیٰ کو  
فیوض کی تہنیتیں دی گئی ہیں، اچھا زہد یعنی

شعور و علاقہ پر توجہ طلب ہی دور دے دے ہیں۔ ہندوستان کی بات تو یہ ہے  
کہ ایک کتاب کو سامنے رکھ کر بھی تنقید و تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی مصنف کی کامیابی  
سامنے ہوں تو سہاں اٹھتا لیکن یہ ضروری نہیں ہے ہاں مصنف کے لئے یہ ضروری ہے کہ  
وہ بازاؤں میں بیاری چیز ہی پیش کرے اگر وہ ایسا نہیں کرنا تو اسے سخت قسم کی  
تنقیدوں سے بھی ناراض نہ ہونا چاہئے۔ اچھا زہد یعنی  
شعور یہ عقیدہ نگار سے زیادہ نہیں۔ جانب اتفاق مشہدی ہر اس مجبور کے درد دہاں ہوا  
نام سے شام کو کہ لکھیا بکار دیکھ لکھی کے لئے جو میر کی لکھی تھیں، ان کی شامت ہی کی  
بکھڑکت تھی، اچھا زہد یعنی  
شعور یہ ہے کہ حقیقت جالندہری اور آخر خیرانی انقلابی شاعر ہیں لیکن ہر شخص یہ سامنے پر  
مجبور ہے کہ حقیقت اور آخر کے بدلے ملے شعور کے گہنوں میں حقیقت اور خیرانی میں شگفتگی۔  
بقیہ صفحہ ۳۱ پر دیکھئے۔





یہ ناول جیسے ہی مصنف شادی کی بہترین محاسن سے ہے۔ یہ بھی محبت کی بات ہے کہ وہ دیکھا جانتے ہی ہوئے کہ سلطنت کا کوئی حکم ہوا میرا ہے نہیں جس کا کام بھی بااؤسک اہل ان کے سلطنت کا حکم دیا لیکن میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہی محبت کو فرقہ واریت کسی شاعر کے کام کو ایک بہت نہیں کہتے جیسا کہ میرا حکم دیا کہ شادی محبت کے از صاحب کی ہمیں کر رہا ہے گی۔ فرقہ واریت نے ہر گز حکم اختیار کرنے کے تحت متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ اخبارات میں گرام بھی ملاحظہ فرمائیں اور فرقہ واریت کی رائے کی احکامات کا اندازہ لگائیں گے۔

مجھے ہوش میں آئے کہ رومانہ کردوں لکھا ہوں سے بھروسہ کچھ جانا جلا جا  
آؤ کر رہ گئیں ہیں جیسے نظر میں لگا بیٹے میں مری زخموں کو تیروں کو محبت ہوئی جانی ہے  
اگر دے نصیب کہانی ہے وہ خفاں جو عمر بھر ہی ہے فریب اثر سے دور  
کچھ اس طرح کچھ پری آئے وہ ہنسے ہر ذرہ پھول بن گیا خاک مزار کا  
بناتے ان شروں میں کون سی خواباں ہیں اور بات ہے کہ یہ اخبار کسی کو  
پسند نہ آئیں تو کوئی شاعر اس کا ذمہ دار نہیں کہ اس کے کام کا ہر حصہ ہر شخص کو  
پسند ہی آئے، اگر فرقہ واریت صاحب کو رومانی کام پسند نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے  
کہ رومانی کام کو محبوب قرار دیا جائے، وہ مرائی اور ناجائز ہے تو بہت سے  
خوف فرما سکتے ہیں۔

اس کے بعد فرقہ واریت صاحب کی ایک نظم بعنوان میرے پری جمال  
کے چند بند پیش کئے ہیں، اس نظم کے متعلق بھی مترق کو بے بڑا اعتراض ہی  
ہے کہ انشراحطاف صاحب کے یہاں بھی پنجاب کے دوسرا ادبا اور شاعر کا سا  
جیسی بی بی ان موجود ہے۔

فرقہ واریت صاحب لکھ کر فرما رہے تھے شادی صاحب کے کام پر انھوں نے کئے  
ساتھ پنجاب کے دوسرے شاعر ادبا کو کیوں بیٹھ لیا۔ یہ راہ شاید قافیہ بندی  
کچھ میں نہ آئے۔ اس خیال کے متعلقہ تخیل میں پورا ہو جائے اور  
آپ کی رواداری اور حق پسندی رجحان نہ آئے۔ آپ نے ایک جگہ پنجاب کی تفریق  
میں درجن بھر پنجابی شاعروں کے نام لکھ دالے ہیں، اب یہاں اس اندیشے سے

کہانی یہ کہہ دے کہ پنجاب دوسرے شاعر کے کام میں بھی تو ایسے عناصر موجود ہیں، شادی صاحب  
کے ساتھ دوسرے شاعر پنجاب بھی شادی کے کام میں گدائی لگے گئے۔

فرقہ واریت صاحب نے اس اعتراض کے سلسلے میں شادی صاحب کی ایک نظم "قول، اہل ایک  
بند اور کہیں کے دو مختلف شریک پیش کئے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔

میرے پہلو میں صاحب الطاف وہ

کہا کہوں اس رات کی کیا رات تھی

اگر اس قسم کے شعر کو بھی شادی صاحب نے اختیار فرما دیا جائے تو کسی شاعر کے کام  
کو اس میں بے باک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

معلوم نہیں شاعروں سے تو یہ کیوں کی جاتی ہے کہ ان کے انکلا و خیالات غلیب  
سبحہ کے غلیے سے ہر گز ہونگے، فرقہ واریت صاحب دانستہ یا نادانستہ اس محبت کو غلط نہیں  
دیکھ جاتے کہ شاعر کا کام اور انھیں اس شاعر کو مقصد نہیں ہو رہا ہے اپنے زمانے کا  
آئینہ دار بننا ہے بلکہ یہ کائنات دہرے ہر گز کا ایسا شاعر ہونا ہے جس کی فکر کرنا ہے۔  
شادی صاحب ایک ایسا ہی شاعر ہے جو بجا طور پر انقلاب پسند شاعر میں شمار کیا جاتا ہے  
وہ خود اپنے ایک قلم میں جس کا عنوان "شاعر غریب ہے" اپنی نسبت لکھتے ہیں۔

مجھے کہ شاعر غریب کہتے ہیں تو کہنے دو کہ مجھ کو کیا غلام بیم و زور پر باد کہہ  
سے جس میں صلا زور کو محبت کی نسبت کو جہاں میں وہ نیا عہد جواں بنا کر کہے  
اب آپ ہی فیصلہ کیجئے اپنے شاعر سے۔ امید کرنا کہ وہ اسی دوسرے میں پھر کرنا  
رہے گا جسے اب سے تیرا سال قبل کے شاعر غریب کہتے ہیں اور غریب وہ نامی کی بال  
کیوں کو بیٹھا رہے گا اس پر کتنے بڑا ظلم ہے۔

فرقہ واریت صاحب اور ان کے ہم نوا انقلاب و تفریق کے بڑے ہوتے بلکہ کہہ سکتے  
جس طرح باسی، ساشی، انصاری اور ساشی انکلا و خیالات میں انقلاب عظیم برپا ہو چکا  
ہے۔ ادبی و شعری رجحانات بھی تغیر پذیر ہو چکے ہیں جو لوگ ان تغیرات و انقلابات سے  
اضطراب و پریشانی محسوس کرتے ہوں ان کے لئے دیناے ادب و شعر میں کہیں جائز اس نظام  
نہیں مل سکتی۔ مترق نے شادی صاحب پر بعض علمی، فنی اور سانی اعتراضات بھی کی ہیں

لکھ اس شعر سے جو وہ فعلی کیا آئینہ دار ہے یہ ہے اگر شاعر غلیب دیتے تو کم از کم خود کی  
دانش میں جڑیں تو نہ دہرائے۔ الطاف شادی کی انقلاب بن کر لکھ کر فرقہ واریت صاحب نے جو  
جرحیں ہیں..... انھیں کوئی انقلابی شان نہیں کہتے۔ یہ شعر فیضان الطاف صاحب کے تھما ل  
چلے ہی کا لکھتے اور یہی دہرے کہ اس پر اعتراض تھا اعجاز صدیقی

لکھ انھوں نے کہ خط صاحب نے ہر بات کو لکھا ہے۔ فرقہ واریت صاحب تو رومان اور  
تروانی کے مطابق ایک اچھا اور باریک انتخاب پیش کیا ہے۔ مگر خط صاحب کچھ بھی  
کہ ان اخبار میں اعتراض کیا گیا ہے۔ حالانکہ جن اخبار پر فرقہ واریت صاحب کو اعتراض تھا  
ان پر انھوں نے نشان لگا دیتے تھے۔ اعجاز صدیقی

جو بہ خیال میں اس نے چنداں قابل اعتنا نہیں کر وہ بہت جیس پچھے ہیں۔ زیر توفیق  
الطہار میں ایک شعر ہے ۵

میں دکھلا کے زخم جو کہ رہا ہوں  
کسی شوق کی گفتگائی نے لوٹا

اس شعر کے معنی اہل میں دکھلا "آپا ہے جو داخل متروکات ہے لیکن یہ کوئی ضروری  
نہیں کہ تمام متروکات ہر شخص کے لئے قابل تسلیم ہوں اور اس درجہ کہ وہ ان میں سے  
کسی کے استعمال کو بھی نفع حاصل کرے۔ ایک شخص کا ذوق یہ ہے کہ وہ دکھلا کی نسبت  
دکھلا کو زیادہ صبح بکھتا ہے تو کسی کو تو نہیں کہ اسے غلط و غرار ہے۔ بعض اہل علم  
اور ادب بار تو شریک میں ہی استعمال پسند کرتے ہیں۔ ایک اور شرط ملاحظہ فرمائیے ۵  
چشم طاہر میں چراغ شام ہے آتش بزم

بیکار وہ موزن نہاں گردانی میں ہے

اس شعر کے معنی ان میں بیکار ہے مگر اس کے "پر" آپا ہے اور جو کہ یہ بھی متروکات میں  
خفا ہوئے ہیں بچے یہ شعر بھی ہر تیرا اعتراض بن گیا، لیکن طرہ صاحب کو معلوم  
ہونا چاہئے کہ اس موقع پر بعض متاخرین ادب بار مگر اور لیکن بکارت پر استعمال کرتے  
ہیں اور اس میں ان کو ایک خاص مصلحت محسوس ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں "پر" اور  
برفانی کی "پر" کی نکل اسے شریک میں شریک پیدا ہو گئی ہے، اس صورت میں یہ شعر  
ہرگز قابل اعتراض نہیں قابل توفیق ہے انہوں نے طرہ صاحب تنقید کو اپنے پیچھے  
لیکن ان کی نظر وہ نہیں، شہری صاحب کو بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ مگر کی جگہ  
پر استعمال کریں، اسی طرح اگر طرہ صاحب اس کا استعمال حرام سمجھتے ہیں تو ان کو بھی  
شریک حوت ہونے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ ۵

اور ملاحظہ ہو،

غیر مانوس ترکیب کے استعمال کے ثبوت میں یہ شعر پیش کیا گیا ہے ۵

پھر چھلکے کوئے گلرنگ بیانیے میں ہے  
آج شاید بیخ نہاں خوش بختانی میں ہے

اس شعر کے معنی ان میں بیخ نہاں خوش بختانی میں ہے ترکیب واضح ہے جو طرہ صاحب  
کے نزدیک نا مانوس ہونے کے باعث ناقابل استعمال ہے سوال یہ ہے کہ نا مانوس ترکیب

۵ محمد بنی بحث میں ہم نام کی تاویل میں ہمیں متروکات کا استعمال اگر کسی کے نزدیک  
جائز ہو جائے لیکن ایک نا مانوس ہے کہ ہمیں کی طرف اشارہ ضرور کرے۔ اعجاز صدیقی

کی توفیق کیا ہے؟ نا مانوس ضرور ترکیب قرار دی جا سکتی ہے جو توفیق کی جاسے اور  
اہل اولیٰ استعمال ہو۔ اس کا خلاصہ ہر ترکیب کی ایجاد اور اس کے استعمال کو ناجائز  
قرار دینا ہے گا۔ خلاصہ ہے کہ اس طریقے کو کبھی رد نہیں رکھا جا سکتا، کیونکہ اس طرح  
زبان کی توسیع و تنقیح کا امکان ہی ختم ہو جائے گا، اب میں طرہ صاحب سے نہایت  
ادب کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ اتفاقاً شہد کی نئی ترکیب ایجاد و اختراع کر کے اردو زبان  
کو ترقی دی ہے یا اسے منزل کی طرف لگے ہیں۔ کیا وہ مورد الام و توفیق ہیں یا  
قابل توفیق؟

شہری صاحب کی ایک مشہور نظم میری جہان کے ایک بندہ میں ہے ۵

سادن ہے تم ہوں میں جوانی پہ ہے بھمار

بیشے میں ہیں رہی ہے کوئی دختہر بہار ۵

اس شعر میں جوانی پہ ہے بھمار بندہ صاحب سے طرہ صاحب نے شعر گزرا ہے بیانیہ لیکن ایک  
تشریح نہیں کی۔ غلط "کوئی" کے معنی میری کچھ میں بھی نہیں آئے لیکن مشتہر گزرا ہے

۱۳ جن نئی ترکیب کو جمہور کا ذوق و دہقان اور علم و فن کی صلاحیت قبول  
کر لیں وہی صحیح اور مانوس ہیں۔ بیخ نہاں خوش "آپا" معنی دلفریب اور ترکیب کے  
بجائے بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ اعجاز

۱۴ یا تو غلط صاحب "مشتہر گزرا" کی توفیق سے واقف نہیں یا پھر دانستہ  
چشم پوشی سے کام لے رہے ہیں۔ یہاں بھی جواب کی وہی شان ہے جو دوسرے  
اعتراضات کے سلسلے میں تھی یعنی صحیح اعتراض کو غلط کر کے پیش کرنا اور جواب اس  
زیادہ غلط دینا، دیکھئے اتفاقاً صاحب کا پورا بندہ بول ہے ۵

سادن ہے تم ہو، میں ہوں جوانی پہ ہے بھمار

بیشے میں ہیں رہی ہے کوئی دختہر بہار

اک لغزش میں جس کے لئے دل ہے بھمار

ساغر میں آج بھر کے "پلا دے" سے وصال

میرے بری جہان

۱۵ میں پہلے مصرعے میں تم "اور آخری مصرعے میں پلا دے" ۵  
کچھ مشتہر گزرا ہے یا نہیں؟

ایک غلط صاحب اس معمولی بات کو کہہ گئے ہونگے

اعجاز صدیقی

طرح صاحب کا ایک مقصد ہے معلوم نہیں ہو سکا۔

جہان مکمل، انسانی اور فنی افلاطون سے متعلق طرف صاحب کے اعتراضات کا معلق ہے۔ اس کی حقیقت ایک حد تک تاریخی کام کے لحاظ سے آج کی، اب میں صرف دو باتیں عرض کر کے اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں، ایک بات تو یہ کہ کوئی انسانی کلام محبوب و استقام سے کلیتہاً پاک نہیں ہو سکتا، اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے تو وہ ہرگز درخشاں اعلیٰ نہیں شہدی تو بہر حال ایک نوجوان شاعر ہے۔ اسلاف اور موجودہ اکابر میں کتنے ہیں جن کے کلام میں محبوب اور استقام نکالے نہیں جاسکے ہیں اور طرز صاحب کی طرح اگر کوئی اس خوشگوار فرض کی ادائیگی کی سعادت حاصل کرنا چاہے تو کس کہنہ مشق اور متذللہ شاعر کے کلام میں اس کی گنجائش نہ ملے آئے گی؟ اور دوسری بات یہ کہ کسی ہے کہ شاعر کے

ایک جیسے لاسمک ہے یہ ہے کہ وہ جذبات و خیالات کے مقابلے میں جھٹی جھٹی عقلی قیدوں کو جتناں قابل اعتنا نہیں سمجھتا، اگر برائے نام عقلی مقصد کے نام سے بھی کوئی عمدہ اور اچھوتا خیال بندھ رہا ہو تو وہ اسے باندھ لیتا ہے۔

محمد صابر ضبط ایلم۔ اسے (کلکتہ)

یہ ای کامیاب طبیعت ہو، آفریننا اور عرض کر دنگا کہ ضبط صاحب سب ان شاعرانہ رنگ و بھونچوں میں نہ ہو کہ وہ عقلی کلیتہً اس طرح کی نظر کو دیکھیں۔ جنوری ۱۹۳۲ء کو تھے شاعر میں اعلیٰ شہرہ کی شادی ہو رہی تھی ایک مضمون لکھا ہے وہ اعلیٰ کی بیوی کا جو مقام نہیں کہے گا اور اس کو دیکھ کر ضبط صاحب بھی یقیناً خوش ہوئے۔ طرز صاحب کے مضمون سے ضبط صاحب کو فخر حاصل ہوا ہے اور کوئی بات نہیں۔ اجماعاً تصدیق

## عکین شام

جان کی اُتیموں میں تاریں ہے اور شام ہے  
روئے گیتی ہے ایک اندوگی بھائی ہوئی  
بھر گئے یادہ نغماؤں میں صدیوں کے سجوم  
سائے چھتوں میں ہیں تاریکیاں محو خرام  
بھونچروں میں عود میں کہنے لگیں روشن دیے  
سبز شاداب سالیں لے رہا ہے سرد سرد  
گل بانوں کے ترانے گونجتے ہیں دشت میں  
سو گئیں سورج کی کرنیں اودھ کرکالی ردا  
دن کے شہزادے کا داب خسرو می جانا رہا  
رفتنہ رفتہ آسمان پر جم گئی بزم نجوم  
داستوں کے بیج و غم پر بیج و غم کھائی ہوئی  
میری آنکھوں میں زمانہ ہے سب پوش و کوش

ہاتھ سے جانے کو ہے اب عشق کا جزو لطیف  
آنسوؤں میں دھل رہی ہے آرزو کی داستان  
محمد اسحاق خاں شہور

## یاد

پھر وہ حیرت گاہ غمہائے کُن یاد آگئی  
شبامِ غربت میں مجھے صبحِ وطن یاد آگئی  
بلبلِ رنگیں نوا کو دفعتاً دُور از چمن  
رونقِ رنگینیِ صحنِ چمن یاد آگئی  
گلستاں در گلستاں ہیں میری لہنگیں غلو تیں  
پردہ در پردہ کیسی کی انجمن یاد آگئی  
جب کسی صبحِ مسرت سے ہوئی دو چار میں  
مجھ کو نادانستہ اک شامِ محن یاد آگئی  
زندگی کے دالہانہ دور کی گذری ہوئی  
اک شبِ نغمہ طراز و نغمہ زن یاد آگئی  
آگیا جب مجھ کو آرامِ وطن کا کچھ خیال  
تلخی بے مہر می اہلِ وطن یاد آگئی

دیکھ کر پردیس میں نجمہ یہ تو قیر ادب  
دیس کی ناقدری ار باب فن یاد آگئی

نجمہ تصدیق  
۱۴۰۱ھ - ۱۳۸۱ھ

## آگ پانی

شاروں سے یہ بارشِ کبوتِ دستی، یہ بھگی ہوئی شبِ سہانی سہانی  
جو دیکھے گا میرا جنوںِ محبت، سُنے گا جو میری غم افزا کہانی  
یہ دُور جنوں اور یہ فصلِ بہاری، کوئی تاکے راہ دیکھے تمہاری  
کہاں نجمہ میں باقی ہے اب اتنی جوارت کوں نجمہ میں کوئی دُکھت  
نہ بنا، نہ ساغر، نہ جام و سیر ہے، نہ اب بزمِ مذاں میں ہاد و ہوا  
ادھر تیرے آتشِ جذبہ دل، ادھر آنسوؤں کی بھری گلدہی ہے  
وہ زلفیں کجیرے جو گلشن میں آیا، گلے بھول کھلنے کی مسکرا دی  
تڑپنے لگے آسمان پر تارے، فسردہ ہوئی شمعِ بزمِ محبت  
یقیناً سہرِ بزمِ اشعر کسی نے سُنا دی ہوائی غم افزا کہانی  
اشعر ہاشمی طبع آبادی

## بھکاری

کرہ میں میز پر دو آدمیوں کے لئے کھانا لگا ہوا تھا۔ زمین پر دیں میں چھ توپیں رکھی تھیں۔ الماری میں مرہ جات اور پھل وغیرہ رکھے تھے۔ ہلکی شراب کی بوتلیں بھی کافی تعداد میں موجود تھیں۔

”مٹر لاڈلین؟“ اندر سے کنا شروع کیا۔ میں آپ سے ایک بیگ لگنے کے لئے آیا ہوں۔“

”بھیک؟ میں دینے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ اس کی دوسرے حوام کو قسم کی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“

”جی ہاں، میں آپ سے ایسی ہی چیز کا خواہشمند ہوں جس کی دوسرے آپ کو اور آپ کے حوام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“ اندر سے کی آنکھوں میں ایک عجیب کشمکش تھی۔

لاڈلین نے اندر سے کو بیٹھے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب ہی کرسی کچھ کر بیٹھا۔

”مجھ پر صاحب؟“ اُس کی آواز میں ایک خاص زور تھا۔

اس سے تو آپ بخوبی واقف ہیں کہ دو سال میں نظام حکومت کے غلام تحریکات کا محکمہ دبا ہوں۔ اور میں ہی ”تعلیم و تہذیب“ نامی کتاب کا مصنف ہوں کیا آپ مجھے مقدمہ نمویوں کے اظہارِ شکوک کا موقع نہیں دے سکتے؟ غیرت تو آپ کا

فرض منصبی بھی ہے۔ میں تو آپ سے کسی اور چیز کی بھیک مانگنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

”سُنتے؟ میں ایک پریمی ہوں اور میری محبوبہ قید خانہ میں مقید ہے۔“

لاڈلین نے اظہارِ ہمدردی کے طور پر سر ہلایا۔

”اندر سے بھیک کنا شروع کیا۔“

”میں جانتا ہوں کہ آپ میرے ہناؤ خانہ دلی کے داڑھی لسنے کو بخوبی سمجھتے ہیں۔“

”مٹر لاڈلین؟“ لگے میری محبوبہ کے پاس پہنچاؤ کے لئے ”پورٹ بسٹ“

جہاں میں قید رہا کرتا تھا وہاں مردود و ملوث ہو گیا۔“

”مٹر لاڈلین؟“ میں نے صرف یہی بھیک ہے۔“

لاڈلین کھٹکھٹا کر ہنس پڑا۔ اُس نے سلاسنے ہنس کہا۔

انقلابِ فرائض کے اہم میں کوئی بھی خود کو اہم و مہتمم تصور نہیں کر سکتا تھا۔ چاروں طرف قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا۔ کسی کو گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا جاتا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد زندہ دار و رسن کر دیا جاتا تھا۔

آندر سے غالی سڑکوں پر چل رہی تھی کہ کتنے کتنے تھک کر سینہ زنی کے کنا سے

آجیٹا۔ مذہبی سے اُس پر سانسے والی پہاڑی پر شہر و مہر و جل خانہ تھا۔ اس نے جیس فنانس کی رہیں حال دیکھ کر آہ سرد بھری۔ وہاں اُس کی ٹریک حیات ”نوی“ مقید تھی وہ لڑائی سے بے انتہا محنت کرتا تھا۔ گویا اُسی اُس کی جمع رہا تھی۔

”مذہبی میں“ نقاب کی شائین سنبھ رنگ کی تخلیق کر رہی تھیں۔

آندر سے اس قدر طمانیت و سکون بھی محسوس نہیں کیا تھا وہ کپڑے اُتار کر پانی میں گھس گھس کر۔ نہانا اُس کے دل و دماغ کے لئے ذرت و ذرت کا باعث ثابت ہوا۔ اب وہ بخوبی غور و خوض کرنے کے قابل تھا۔ بیکار دو گھڑا ہو گیا۔ شاید

کسی غم پر پہنچ چکا تھا۔

اب وہ شاہی محل کے قریب ایک ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میز پر چائے

پین جاسی دیتے۔ ہونا لوگ کی فرسٹ کلاس تھی۔

اُس نے بڑے اطمینان و سکون سے کھانا کھا کر شروع کیا۔ ہاتھ دھو کر اُس نے

آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا۔ لباس کچھ زیادہ خراب و دستہ۔ تھک چکی دھت آفریں تھیں

تھی۔ پھر اچھی طرح مٹھن و سندھو کر اُس نے سڑک کی جانب قدم بڑھائے۔

دوسرے چہرے کے لیے وہ بڑا مکان تھا۔ آندر سے دروازہ پرچی ہوئی تھی

وہاں یہ مکان جلالان کریمو سے لاڈلین کا تھا۔ انقلابی عدالت عالیہ کا کمرن ہونے کا

سے وہ کافی محروم تھا۔

لاڈلین نے اندر سے بھیک کر دیکھا کہ کہیں یہ کوئی دشمن تو نہیں ہے۔

”جی، مجھ پر کھانے کے دو دو ہر وقت و فز و دہ رہتا تھا کہ نہ معلوم کب اور کس سے

تمیز دار پر لڑاؤں جاؤں۔“ چورازنہ اور جھگڑاؤں کھیں، لہجہ تو کھوں کے ساتھ

لڑاؤں پر غریب کن ہوئی تھیں۔ جبکہ تھوڑے نہیں کہ اور بٹاش سلوم ہوتا تھا۔ اُس نے

دروازہ کھول کر آندر سے کو اندر بلایا۔

”آندے! تم تو ریت سے کہیں زیادہ قیمتی شے کے طالب ہو۔ تم تو دائمی رشتہ  
بنا چاہتے ہو۔“

پھر وہ کھڑا ہو کر بچا رہنے لگا۔ ”ای نا ای نا ای نا!“

ایک دراز قد، منور و خوبصورت عورت کمرہ میں داخل ہوئی۔ وہ نیلے رنگ کی  
پوشاک زیب تن کئے ہوئے تھی۔

”اینا بیاری“ — لارڈ آئین نے اسے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔  
اس شخص کو کبھی نہ بھولنا۔ ہم لوگوں کی طرح یہ بھی نہایت خوش قسمت ہے۔

یہ بھی جانتا ہے کہ کھاتے بھانے کتنے لذت رساں ہوتے ہیں۔ یہ اپنی محبوبہ کے پاس  
جل میں جانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ نول ایک ساتھ پھانسی پر لٹک سکیں — اینا!  
کیا اسکو یہ بھیک نہ دی جاتے؟

”کیوں نہیں؟ اینے نے زہی کے ساتھ کیا۔“

تم بھی کبھی بوباری! ان دونوں پریموں کی استعداد و اعانت ہمارا فرض ہے  
آندے! مجھے اپنا بندہ دیو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم آج رات جل میں کودو گے۔  
”آپ بوندہ وعدہ کرتے ہیں۔“ آندے نے قدرے لڑیہ آواز میں کہا۔

”ہاں“

آندے کی آنکھوں میں لشکر و احسان مندی کے آنسو جھلنے لگے۔

لارڈ آئین نے ہاتھ بڑھائے ہوئے کہا۔

”آندے! جب ہم اپنی محبوبہ سے جا کر ٹوٹاؤں سے کہہ دینا کہ آج لارڈ آئین  
اور اینا بھی تمہاری طرح بہت خوش ہیں۔“

آندے اظہارِ رشتہ کر کے طور پر کچھ بھی نہ بولی سکا۔ اسکی آواز بھرا اٹھی غمی۔

لارڈ آئین نے پھر کہا۔ ”کسی اجرت و نذرانہ کا خواہشمند ہونا انسانیت کا  
اقتضا نہیں ہے۔“

پھر اس نے اینا کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”کون جانتا ہے کہ اس ملک  
کے زمانہ میں ہمارا ترک آجائے۔ آج اس مبارک کام کی خوشی میں ہم لوگ کچھ  
کھاؤں ہیں۔ آندے تم بھی ٹھیک ہو۔“

”آندے اب سرور تھا۔“

شام کو کوسو ادوکل صبح

اس کے ساتھ ساتھ تختہ دار۔

(فرانسیسی معنی: آئین بیرونی)

ایمان نسیمی

## التماسِ رفت

(۱) اے حسنِ ازل دیدہ ادراک عطا کر  
روشن رہے جلووں سے حیرم دل دیدہ  
آنکھوں کو مری سُر نہ لولاک عطا کر

(۲) کس نہ رہوں میں جراتِ بیاک عطا کر  
دے عزم و عمل کی تو مجھے قوتِ باقی  
دنیا نہ دکھا، مسکنِ افلاک عطا کر  
پر وازِ سبک، فطرتِ چالاک عطا کر

(۳) عالی نظر و جراتِ بیاک عطا کر  
رو بادِ ہوس و دشتِ محبت میں ہونجی  
پھر خاصیتِ شیرِ غضبِ ناک عطا کر  
تو عشقِ سکا وہ جذبہ چالاک عطا کر

(۴) آنکھوں کو میری شہدِ نمناک عطا کر  
ہر ذرے کو خورشید کی آنکھوں میں بٹھائے  
مُتش کو کرے آبِ وہ فاشاک عطا کر  
اُڑ جائے جو افلاک و فضا عطا کر

شاطا لطافہ درسی (مناظر)

## پیغامِ سر

اقوام جہاں کی ہے بے لست عزم و مل سے  
نور و شمشاد ہے، سنبھال اپنا سینہ  
کیوں تیری نظر کو ہے ہوس تاجِ شہی کی  
ہے میری نگاہوں میں کوئی اور ہی عالم  
تھی قوت و ابھار ہے جس نظر کی بے لست  
جینے کی تہا ہے تو کر دیں کی حفاظت

فرمانِ فتنہ میں ہی رازِ نہاں ہے  
پر شور و خطر ناک بہت سیل رواں ہے  
الفقر کی شمشیر سلاخ کا نشان ہے  
اور تیری نظر میں ابھی یہ کہنے جاں ہے  
آبادہ بچنے پر اسے برقی نہاں ہے  
قومِ مسرت کی کاہی تارِ رنگِ جاں ہے

اے خوگرِ غفلت! مرا پیغامِ سر

درماں ترے دکھِ کامے نالے میں نہاں ہو  
آباد شاہ پوری

## آجکل

پھر نظر میں حسن کی جلوہ گری ہے آجکل  
یہ نضا، یہ بھول، یہ تارے، یہ ہلکی جادوئی  
اب محفل کے لئے افسانہ بنکر رہ گئی  
اب کہاں وہ عشرتِ دل کی طرب افزائیاں  
آئیے پھر نقرئی جلوئے لٹاتے آئیے  
اے اللہ بر تو حسنِ ازل کی شوخیاں؟  
دو دلوں میں ہو رہی ہے گفتگوِ حسن و عشق  
آہلِ پر دل بریناں، انک اکھوں سے رواں  
جل رہی ہیں کینتِ الفت کی ہوا میں تیز تیز  
مستقل اک کیف بنکر روح میں لڑتے

سرسرِ زمانِ میری زندگی ہے آجکل  
عمارتِ رفتہ پھر صدائیں مڑ رہی ہے آجکل  
کتنی سنی جس میری خاموشی ہے آجکل  
بیکلی وجہ سکونِ زندگی ہے آجکل  
میری آغوشِ نظر و براں بڑی ہے آجکل  
ڈرتے ڈرتے سے عیان و شہر کی ہے آجکل  
ایک مرکز پر یہ دنیا رنگِ گنتی ہے آجکل  
منتشر سا کاروانِ زندگی ہے آجکل  
ہر نفس گویا پیامِ سر دی ہے آجکل  
پھر محنت کی فضا بے کیف سی ہے آجکل

پھر خراجِ اشک لیتا ہے غمِ دردِ نہاں  
تھر پھر ہم سکونِ زندگی ہے آجکل (فہرستہ) تھر عثمانی جوان گدھی



# کراچی سے ایم گڑھ تک

علیہ فیروز قادری مخفی نام حضرت مولانا بدیع الدین صاحب مدظلہ العالی

جانب قادریہ کراچی

۱۲ مئی ۱۹۳۳ء

محرمی و منلی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون

معرض آکر نام غیرتین چند طور پر درختم کر رہے ہیں۔ امید کہ زیر نظر سند را کہ  
نمون فرمائیں۔

پچھلے دنوں مشہور اگر وہ میں مولانا درد صاحب کا کوئی ایک مضمون علامہ  
اقبالؒ سے متعلق "خودی اور اسکا صحیح مفہوم" شائع ہوا تھا جو مجھ قدر اتفاقہ کی نظر  
سے بھی گزرا۔ درد صاحب نے "خودی" کے قدیم اختلافات کے ساتھ مولانا اہل صاحب  
جبرامی کے بعض ان مسائل کا بھی جواب دیا جس سے تصوف باطنیہ صوفیہ پر  
اثرات پائے جا رہے تھے۔ میں نے بھی بعد میں فلسفہ خودی کے متعلق اپنے ناچیز  
سے خیالات کا اظہار کیا جو "شاور" میں اظہار میں آچکے ہیں۔ اس میں خصوصی وجہ کے  
قابل حضرت حافظ شیرازیؒ کا واقعہ تھا۔ اتفاقاً مجھ عمرہ ہوا کہ میرے کتب خانہ علیہ  
کے بوسیدہ اوراق میں خواجہ حسن نظامی صاحب کا ایک طویل مضمون "نثر امرا و خودی"  
بھی دیکھنے میں آیا تھا جس میں اقبالؒ کے زاویہ نظر و بحث تنقید کی کمی تھی اور حافظہ  
کے متعلق چند حقائق کا بھی اظہار کیا گیا تھا۔ اب وہ میرے پاس موجود نہیں۔ پھر کچھ دن  
ہوئے کہ کتاب جوہر اقبالؒ دیکھنے میں آئی اور مولانا اسلم صاحب جبرامی کی کامیابیوں  
کامل طور پر پڑھا گیا۔ مجھے جرات ہوئی کہ ہاں سے شہرہ مدین میں سے مولانا شمس الدین  
لکھنوی صاحب متعلقہ مآخذ سے بھی جدا ہو کر خیالات ظاہر کئے گئے تھے۔ تاہم اس سے  
بھی مترت ہوئی کہ آپ نے اقبالؒ کو اقبالؒ کی نظر سے دیکھا گو صحیح اختلاف بحث ہے  
میں بھی اسی نظر سے اقبالؒ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو مغرب ایک لب لب  
مقالہ اس سلسلے میں اقبالؒ کا نظریہ تصوف پر درختم کر دیکھا۔ جوہر اقبالؒ سے کچھ  
میرے غلامیہ قلم کار میرا بھی ہاتھ آیا اور اس سلسلے میں خصوصی طور پر میں آپ کے

اقدامات کے لئے بہت ممنون ہوں۔ حافظہ کے متعلق میرے پاس شرح لسان الغیب  
مولانا میر ولی اللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل۔ ایف۔ اے۔ آباد موجود ہے  
یہ اس کے بھی اقبالؒ و حافظہ کے خیالات کا مؤثرہ پیش کرنا چاہتا ہوں اس  
سلسلے میں آپ سے بھی تمہنی ہوں کہ سند صدیق ایلو کے متعلق اپنے خیالات عالیہ کو  
استفادہ تجلیں بہت ممنون ہو گا فقط والسلام

- (۱) کیا حضرت حافظ شیرازیؒ کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ شراب نوش تھے؟
- (۲) حافظہ کی فکر و نظر مجاز و حقیقت میں کیا جوہر مہمانیت کی آمیزہ دار ہے؟
- (۳) حافظہ کا پایہ محض شاعرانہ نظر سے لندھا یا ادبی حقائق کی بدولت؟
- (۴) اقبالؒ کا حافظہ کے اختلافی نظریہ کن اباب پر متغیر تھا؟

## جواب

دارالمصنفین عظیم گڑھ

نمبر ۱۰

کرم السلام علیکم

عنایت نامہ اور مضمون پڑھ کر خوشی ہوئی کہ مجھ پر کھ لوگ اور بھی کوئے خطا  
اور کچھ دماغے موجود ہیں۔ تصوف عابداً یا علمائے متعلق جو کچھ کہا جائے وہ درت  
ہے مگر خاص جس تصوف کے خال میں وہ تو دروغ دین اور سربراہ غلام ہے۔ ارباب  
ظاہر کا اس باب میں کہنا قلیٰ نظر کی دلیل ہے۔

اقبالؒ کوئی صاحب دینی نہیں کہ ان کے قول و عمل میں خطائیں ہو سکتی  
نہ وہ عالم تربیت اور واقف طریق دین تھے وہ بے شبہ مخلص اور بیت مخلص اور  
دین اسلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر بیت کے شہداء تھے۔ حضورؐ سے  
ان کو مشت تھا۔ دین اسلام کی بڑی غیرت تھی ایک مسلم کی جنت سے بھی ان کا ایک  
پایہ ہے مگر ان کے قول پر مسائل دین کی بنیادوں ان فساد کی راہ ہے۔ جن لوگوں میں

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کی حد نہیں جیسے جہاں جو ہی صاحب فہرہ  
بجلا وہ اقبال کو کب خاطر میں لائے دالے ہیں۔ اگر ان کے احواد آداسے ڈاکٹر  
اقبال مرحوم کے خیالات سے بظاہر مطالعت کیں کہیں نہ ہوتی ہے۔

اقبال اگر اکابر تصوف کو دانتے خود قادر و مہر کے گردیدہ کہیں جہت وہ  
قادر بہ خاندان میں مرتبے اور خود محو سے اس بات میں خود چلتے تھے کہ وہ  
کس کی محبت سے مستند ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک دو نام بتائے تھے۔ اب آپ کے  
سوالات کے جواب ہیں۔

(۱) حافظ کی شرب نوشی پر استدلال ان کے اشارے کو مانج نہیں مہینہ نے  
شراب کا لفظ عشق اور جوش و شہی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس کو ان لوگوں  
نے بھی استعمال کیا ہے جن کا یہ پسند ہے۔ غالب جیسے افرادی بخود کو بھی یہ  
کہنا پڑا ہے

ہر چند ہوشادہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و عریجے بغیر

ہمارے زمانے میں یہاں غیر آبادی عزابت کے سب سے بڑے خاور تھے  
مگر انھوں نے عمر بھر نہیں پی۔

(۲) حافظ کی فکر و نظر عشق و شہی پر مبنی ہے جو کام کیا جائے اسی جذبہ کو  
کیا جائے وہ خواہ خدا پرستی جو یا دنیا پرستی ہو شاعر کے الفاظ دو جہیں ہوتے  
ہیں یہ سادہ کے اعتبار سے ہے کہ وہ کس چیز کی اختیار کرتا ہے۔

(۳) دونوں مشینوں سے

(۴) اقبال کا خیال تھا کہ حافظ بخودی کی شرب فلسفے مت ہیں اور  
اس سے قوم کے فوائے غمی میں ایفون کی سی سستی اور بے عملی پیدا ہوتی ہے اور  
اقبال بخودی کی تعلیم دیتے تھے جن میں فوائے عمل کے جدوجہد اور طوفان آب و باد  
سے متحرکیت کا مضمت ہے۔

والسلام بید سلیمان

۲۲ مئی ۱۹۲۳ء

(دوسرا مکتوب)

عزیز فقیر محمد انصاری علی کراچی

میرزا محمد جون ۱۹۲۳ء

عزیز و منجلی حضرت مولانا صاحب زادہ ضامن

سلام سنون

گوی نامہ عالم ہوا۔ مجھ دعا فائدہ پر آپ کی خصوصی کرم فرمائی باعث  
انتظار ہے۔ آپ کے گرانقدر خیالات سے مستفید ہونگا۔

یہ اتفاق کی بات ہے کہ حضرت مولانا صاحب زادہ فرات سے قبل اپنے  
محالات کی نقل کر لی تھی لیکن وہ نہیں ملے ہو گئے۔ اب وہ سوالات مکمل طور پر  
میرے ذہن میں محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے نقل نہیں ہوں کہ آپ تکلیف فرما کر میرے  
ان محالات کی نقل ارسال فرما کر ممنون فرماؤں۔ میرے خیال میں چند امور  
وضوح طلب ہیں۔

(۱) قادر بہ خاندان میں کس بزرگ سے اقبال شرف بہت رکھتے تھے اور  
آپ نے کن بزرگوں کے اسرار بتائے تھے؟

(جو کہ میرے ملنا بزرگوار علیہ الرحمۃ پر سبیل مذکورہ اقبال کے متعلق  
ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اقبال کو آپ کے بزرگ بزرگ شیخ اکمل حضرت مولانا  
الکمال سید گل حسن شاہ صاحب قبلہ فاضلہ قادری بانی تہذیب شرف عقیدت و  
ارادت حاصل تھا۔ جب کہ میں نے اپنے معترضین "اقبال کی خودی" شاعر" اگر وہ  
بابت ماہ فروری ۱۹۲۳ء میں لکھا ہے۔)

"شاعر" اگر وہ میرا معترضین "اقبال کا لفظ تصوف" نقل ہوا ہے جس میں  
چند ایسے ارشادات بھی آئے ہیں۔ میں اس سلسلے میں ایک جمود متعارف تھا چاہتا ہوں  
فی الحال خون طوائف خودی کرنا ہوگا۔ جو میرا اقبال "میری خودی سے گذر چکی جو فی الحال  
جس صاحب رشیدی سے میرا مذاکرہ صوفی شرا کے فرمودہ لفظ ہے اور مسئلہ  
وحدت الوجود کے متعلق ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مختلف "صہبہ" مولانا  
غلام محمد ام۔ اے۔ ایم۔ ایل۔ او۔ عربی۔ مولوی فاضل سب جج بموسٹریٹ دہلی  
جنوں سے متعلق انجیل ہوں کہ اسلامی تصوف میں پینتھی ازم و وحدت الوجود

قرآنی حقائق سے موجود ہے اہدیانانی و دنیائی سرمایوں سے نہیں لیا گیا یہ متشرعین  
بیدار کی غلط فہمیاں ہیں ان مسائل پر مجھے ایک مرتبہ ڈاکٹر محمد انصاری لکھا تھا  
میں نے لایا ہے مولانا عبد اللہ رشیدی صاحب جانا زمانہ سہ ماہی کی جانب  
سے لکھا تھا کہ مولانا سلیمان خودی صاحب ہماری فکر کے مخالف ہیں وہ وحدت الوجود  
پنٹھی ازم کا مشرک اندلس کے عیسائیوں سے ملتے ہیں کہ یہ خیال ان سے

سلاواک میں آیا (مولانا عبید اللہ شریف) سے ان مسائل غصہ کو کیا ہی زاویہ نگاہ سے پیش کرنے پر مجھے ہولی اٹھان رہا ہے جسکا اظہار میں اپنے خط میں جو ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کے نام لکھا گیا تھا کر چکا ہوں کہ اسلام کوئی ازم کے اثرات کسی حقیقت سے بھی بالکل سے وابستہ نہیں کئے جاسکتے (غیر متجاہث ہے میں اس کے متعلق کسی مادی وقت میں اظہار خیال کرونگا۔ آپ نے لکھا ہے کہ "نہ وہ (اقبال) عالم غریب اور واقف علوم دین تھے۔" موجودہ اقبالیات سے تعلق رکھنے والے تو مصر ہیں کہ اسلام کا تلف ام نو یعنی (Islam as a new religion) اقبالیات سے رتبہ جو کہ کو اقبال علوم قدیم و جدید سے آگاہ تھے۔ اقبالؒ کو اندازہ ہر رنگان محفوظ کے قائل تھے میں غور بہ دست ہے میرے خیال میں تو خود ہی بھی خدیشاں اجتہاد کی نفرت ہے جو خدیشاں خلافتی میں سے لیا گیا ہے میں نے تو حقائق کے ارشادات ایسے بھی دیکھے جو ذرا دل و روحانیت اور قرآنی تعلیمات کے داعی ہیں بلکہ ایک مذہب اقبالؒ حقائق کے بھی پیرو ہیں۔ غرض کے دور میں اقبالؒ اس راہ پر گامزن تھے۔ بعد میں ایک درجہ میں حقائق کی حقیقت میں نظم بھی لکھی ہے۔

دکانوں میں سفر میں نہیں کئے لیکن محققین اس بارہ میں بڑا افساد کرتے ہیں۔  
سلاواک حریف نے وعدہ الوجود کو مانا ہے۔ وعدہ الوجود کو نہیں۔  
میں تو اس راہ کا اتنا مسافر ہوں میں کیا اور حقیقت اس کی ایک  
ہر حال میں ہے نزدیک تو وعدہ الوجود ایک حال ہے۔ قائل نہیں جس پر یہ حال  
طاری ہو جائے وہ معتقد نہ ہیں۔

آج کا یہ شعر پڑھنے کے قابل ہے۔  
حضرت منصورؒ کے ہیں انامی حق کے ساتھ  
داؤدؑ تکلیف فرماؤں جو اتنا ہوش ہے  
حافظؒ مرنے کو خود بخود تھے حکیم بھی تھے اور ان کی شرب بھی ہر گاہ ایک ہی  
شراب میں دلائل اسلام

تیسریاں  
۲۳ جون ۱۹۳۳ء

ہوئے بزم سلاطین دلیل مردہ ولی  
کیا ہے حافظؒ نہیں کوئے راز یہ ناش  
کسی صحت میں حافظؒ کی بخود ہی سے اسرار خودی کے روز بنائے کی کوشش کر دنگ  
تا کہ..... حافظؒ کی شرب کے مرتب سے آشنا ہوں اقبالؒ تو خود علم دین  
کی بلند مرتبہ کے دلائل خدیشاں تھے۔ زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا آپ کی کرم فرمائی کا  
بہت بہت شکریہ فقط دلائل اسلام  
راقم الختم محمد بشیر احمد قادری علی جامع قادریہ کراچی

نوٹ:- اس مکتوب کے بعد ایک مرتبے میں فقیر نے اظہار خیال کرتے ہوئے عرض  
کیا تھا حقیقت میں حال و حال کا اختصار صوفیہ اسلام نے برقرار رکھا ہے مگر یورپ  
کے مشرقین کے خدیشاں خیالات کے پیش نظر ہیں اس سلسلہ کو علمی پوزیشن میں  
ظاہر کرنا ہے ادب سلسلہ خود ہی قائل رہا بگذر مرد و حال شرب میں مرد کا ملے پال خفا  
آئینہ دار ہے جیسا کہ میرے نام بزرگوار علیہ السلام ہیں شوقی عالم فیض (حصہ اول) میں  
ارشاد فرماتے ہیں۔

آٹھ جو پردہ دہائی کا تو ایک ہی ہے نور و گزرتوہ انا کہیں کہاں کہاں سوز  
نہیں خود ہی میں کسی نے کبھی خدا پایا خدا کو پایا تو ایسا نہ کچھ پتا پایا  
بہر علم و عمل کے قبل و حال حال بے عیش حقیقی کے ہے وصال حال  
جو اصل راز ہے ہوگا نہ قائل سے معلوم وہ ہوگا خود سے اور کتب حال سے معلوم

نہ دفتروں میں ہے وہ اند نہ قائل میں ہے  
وہ نور ذات خدا طلب اہل حال میں ہے  
یقیناً یہ عالم کا اخبار کا دہائی کشن اور حیرانی نظر ہے۔ مرد کا کتاب ہے  
نزدیک عشق و الہوس راغب ہند صوفیہ غم روانہ کس راغب ہند  
عرب آباد کو بار آید بگوار ابن دولت مرد مگر کس راغب ہند  
مختفی القادری علی کراچی

## جواب

نمبر ۱۲۶

دارالکشفین انظم گڑھ

کرم اللہ علیکم  
مجھے یہ علم نہیں کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم قادریہ سلسلہ کے کس بزرگ سے مراد  
تھے مگر یہ ہے کہ آپ کے نام صاحب مرحوم کی بیان بھی ہو۔  
سلسلہ وعدہ الوجود اور وعدہ الوجود و دوزخ میں ہیں علامہ صوفیہ ان

# طشت ازبام

لوں اور ایسی چٹکی جو نہ صرف حماس باغز کر دے بلکہ اس کی جلیں اپنے استاد مرحوم کے قریب پہنچنے پر بھی کم نہ ہو چکے۔ "خود ہی اپنے دام میں مبتلا آگیا" چند دن کے لئے جناب الحق چھوڑ دی ادارہ شاہکار لاہور میں شمال ہو گئے تھے بھر کیا تھا۔ آئی کے جھاگوں چھینکا ڈھانچا۔ فوراً غوری نے ایک لبا چوڑا خط جناب الحق کو لکھ دیا جس میں التجا میں بھی کس اور خوشامد بھی، گھڑی کو یہ غرض تھی کہ یہ خط قعر الادب تک پہنچ جائے گا کہ نہ قریب اس حلق کا مرکب بھی نہ ہوتا ایسے اور بھی چند خطوط آئے ہوتے ہیں مصطفیٰ دہی خط لکھ کر رہا ہوں جو الحق صاحب کے نام لکھا گیا ہے۔ اسی سے سادگی علی کھل کر رہ جاتی ہے غوری کی شکست ہے ایسی جسے کسی بے باکی۔ بے تاباں اور قعر الادب کی قوتوں کا اعتراف خود اس کی زبان سے نہ آئے۔

”جو نہ مجبور التجا کوئی“  
انجاء اصدیقی

نفاذہ جیالوں

20 - 8 - 43

انجی محترم۔ دام ظلم

ننگی کی مسلسل تباہ راسخوں میں کوئی سافت ایسی بھی آجاتی ہے، جب ایک پریشان دل و دماغ انسان کی حقیقی سترت سے ہم آغوش ہو کر چند لمحات کے لئے فو کو زندوں میں کھینے لگتا ہے آج کا دن میرے لئے ایسا ہی مبارک و مسودوں ہے جس میں اپنے محرم بزرگ قابلِ فخر بھائی کا اخوت شامہ فرخوس نظر بنا کر خوشی میں نہار ہا ہوں، جھوٹ جوتا ہوں تو کافر، شگفتہ کر رہا ہوں تو مرتد۔  
————— کتنا ہوں سچا کہ جھوٹ کی عادت نہیں بھگے  
یوں بھائی شفقت بزرگ کا زکاب بھی تھا صفا خاک اپنے چھوٹوں کی یاد کو حرفِ غلط کی طرح بوج دل سے بٹا دیا۔ جدیوں میں غمخیز۔  
————— استاد کے بعد تو آپ کا فرضِ خدائی کہ ہمارے مجروح دلوں پر رحمِ شفقت لگا کر ہمارے دلیجی کوئی گتے آفرما دی خطا کیا تھی۔ کیا ہم آپ کے چھٹے نہ تھے یا آپ ہمارے بڑے نہ تھے؟

جی تو نہیں چاہتا کہ شاعر کے قیمتی صفحات میں ان جاہل اور گندہ تاثرات حاضر ہوں گا ذکر کیا جائے جو اپنے آپ کو حضرت مولانا حسن اہرودی مرحوم کا شاگرد بناتے ہیں اور جن کی ہرزہ سراہیوں سے مرحوم کی بھی پلید چور ہی ہے لیکن دو بار یاد ہو چکا ایسی ہیوں پیدا ہو جاتی ہیں کہ لطافت کوئی ات میں تبدیل ہی کرنا نہیں ہے جو ان کی سنگلاخہ سے۔ "جومات میں برسنے ان چھوٹا بڑوں کے جذباتوں کی تھیں۔ بس کچھ نہ پوچھے ایک ایک اُس کی ٹرپ اور لکھ کر اس کی جارہی ہے اور اتنی کہ پکڑوں صفحات میں لکھے اور علامہ سیاب کو گلاباں دینے کے باوجود ہنوز وہ ترخہ ہے جس پر میری چند سطور سے اُن کے دلوں میں پڑ کر وہ گئے تھے اب طرح طرح کی تاویلوں کی جارہی ہیں۔ جھینب شاکہ بعد ہی ہے اور اصرار کیا جا رہا ہے کہ علامہ سیاب یا دریشاد مرہادی کو اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ قصہ یہ ہے کہ یہاں بڑا آگاہی جگر بگے ہونے لگے کہ ان کی ہرزہ سراہیوں کا جواب قعر الادب سے ضرور دیا جائے گا اداس طرح ان کا مقصد شہرت پر اور جو بے گلاس میں انھیں ناگاہی ہوئی اور یہی خیال اب جانتے جا رہا ہوں۔ خدا کوئی ان سے پوچھے کہ کس بات کا جواب دیا جائے اور کسے دیا جائے۔ کیا مسلمان کے عرضوں کو بس کو۔۔۔۔۔ کیا کوادہ جالوں کے سحر ہی لگائے دے اسے سحر کو۔۔۔۔۔ اور کیا ظفر کو جس جگر کے نامی کا ہے سچیاں رگڑنے والے فخر کو۔۔۔۔۔ ہرزہ کوئی مقبول اثر امن ہے اور نہ کوئی سنجیدہ بات۔ احرامن زود کو کتا ہے جو داغ علم و فن دکھا جو کہیں جاہل بھی پڑے گھوٹی براہِ امن کر گئے ہیں، اثر شاعر سے آؤنگ، اضیاء اثر اشاعت کی کجالی کی گئی ہے جواب پہلے معنی لوگ کر چکے ہیں اور جس کا مقبول جواب دیا جا چکا ہے۔ مجھے اور زیادہ تفصیل میں جاننے کی ضرورت نہیں، میں تو اب سے جتن پہلے لکھ چکا ہوں کہ مولانا احسن مرحوم کے یہ نفاذ و نفاذ کا ذمہ عمر بھر قعر الادب کے خلاف اپنے غمخیزوں اور تجربہ کو سکے دیکھیں کہ قعر الادب میں بسنے والوں پر اثر چھٹا ہے یا نہیں، انشا۔ اللہ انھیں اپنی تحریروں کی بے اثری کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا۔ رہا یہ سوال کہ مسلمان یا نوزیہ شگفتہ کسی شے مشورہ میں کھڑے ہو کر اپنی جانوں کا خوف بطور اثر امن دینگے قضا میں ہر مسئلے میں مدفن امن بات یاد رکھیں چاہئے کہ شاعر کا اسے انھیں بھانے ٹھکرے کو کوئی اہدہ اس کے بعد نہیں ملے گا کہ ہر لکھائی پڑے گی۔۔۔۔۔ خبر یہ تو انھیں وقت پر معلوم ہو جائے گا کہ کسی کو کوئی دینے کا تجربہ کیا ہے؟ انھیں جھانپنا ہے کہ ان کے ایک اور تذکرہ چٹکی

بائنصوص میں تودہ دہانہ ہوں کہ جیسے مستند بھائیوں کو بھی حق  
بھائی بھائی اس لئے کہ قدرت نے کوئی برادرِ مادر زاد مرحمت  
نہیں فرمایا تھا۔ غیر۔

اب بھی پوچھا تو ہربانی کی، مگر خدا کے لئے اب نہ بھولنا  
کیونکہ اب ہمیں زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے کہ سب بھائی  
مقدم ہو کر رہیں۔

تقریباً ڈھائی برس سے یہاں صاحب مجھے اچھے ٹیپے  
ہیں، میں بھی ان سے پہلے بھرا بیٹھا تھا، اس لئے کہ ان کی  
طاہر کی سے غلط پروپیگنڈے نے جہاں ان کی ادنیٰ تجارت کو  
فروغ دیا، وہاں زبان کے ساتھ سبیل ماں کا بھی سلوک  
کیا ہے، اور مدبروں کے حملہ اکابر ملک برجن میں آگے بڑھے  
اندامِ موم بھی شامل ہیں، دودھ نادر دماغ اپنے فرائض  
سے کرائے کے بیان نہیں کئے جاتے، صبر کی حد ہوئی ہے، میں بھی  
خدا کے بھڑے پرائے سامنے آگیا، اور ایک میدانِ اردچکا ہوں  
یعنی "شر و فساد" جو بروئے قسمت و قواعد غلط ہے، جو جو  
میں نے اسکو جائز ثابت کیا۔ وہ اس کے خلاف تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ  
مری مخالفت میں، آراء تھیں اور میری موافقت میں ۵۸  
جن میں تیرہ سال کی جوٹن مسلمان، دیگر پیش، بھگت، دل  
تاجور۔ جن کا بھی۔ دتا تیرہ کیل۔ جبکہ حق۔ زور، اور احمد  
مدینتی۔ حق مدینتی، دیگر حق کے علاوہ شہزادہ ارشد گرجانی۔  
خواجہ ناصر ذوق دہلوی مروہ میں کی آراء و اسناد شامل تھیں۔

یہ سلسلہ دہناتے چلے لاہور۔ رام گلی میں جاری رہا۔ اب ان کی  
نہر لی ضعیف "دستور اصلاح" پر سلسلہ تنقید نہ نئی "علم  
میں گرا رہا ہوں۔ ان کے تازہ کلام پر تنقید "سیما بھوٹی" پر  
کے عنوان سے "نئی دنیا" لاہور میں جاری ہے اور یہ چھوٹا  
رجہ میر نے منتخب کیا گیا ہے کہ خواہ میں ان کی طاہر کی کی نفس  
کھلے۔ رسالہ "خصانت" حیدر آباد میں ان کے اڈیٹر جلیل کے  
پیشے صدیق احمد زہری) ان کی اچھالوں پر ملاحظہ میں سلسلہ دینی  
تفریح کر دی ہیں، یہ سب سلسلے ملک میں جسے شوق سے

پڑھے جارہے ہیں، اور حسبِ مراد نتائج مرتب کر رہے  
ہیں، اور ہر برادرِ مادرِ احسنی مسلمان نے "علم عجم" پر  
انجامِ پارسیں لاہور میں مسلسل تنقید جاری کر دی ہے  
اور برادرِ متبع احسنی جلال آبادی نے رسالہ "دستگیر"  
دہلی میں رسالہ "شاعر" کے بابِ تحقیق و تفسیر کی پول کوئی  
شروع کر دی ہے۔

ملک کے اور بھی متعدد مضمون نگار ہمارے ساتھ ہیں  
اور اپنے تنقیدی مضامین سے علاوہ صاحب کی مزاح پر سی  
کر رہے ہیں، یہ ہے رودادِ مختصر۔ اب چاہتا ہوں کہ یہ  
سلسلہ بہت زیادہ ترقی کرے اور بڑی تعداد میں رسائل  
ہمارے ہم نوا ہوں۔

اس وجہ سے بھی آپ کے لاہور شریں لیجانے میں  
بہت مسرور ہوا ہوں کہ اب ہماری اسکیم آپ کی امداد سے  
بہت چلے گی۔

اور آپ ہیں اس کام کے لئے بہت سے رسالوں کو  
آدھ کر لیں گے۔ وقت ہے کہ ان کا ملک پر اتنا اثر چھایا  
ہو ہے، کہ لوگ ان کے خلاف مضامین کی اشاعت سے ڈرتے  
ہیں، ہر حال خواہ آپ موافق ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس  
خیال سے کہ آپ کے چھوٹے ایک کام جاری کر کے ہیں، لاجلہ  
آپ کو ان کی مدد کرنی ہی ہوگی، ورنہ آپ کے چھوٹے  
بھائی شکست پاجلیٹنگ، جو کو غالباً آپ کی غیرت کو آواز دے کرے۔  
مکمل ہے علامہ تاجور "شاہکار" میں یہ چیز بند نہ کریں۔ لہذا  
ان کو موافق فرور نہائیے۔ تاکہ کوئی صاحب اس میں ان کے  
معلق کوئی سلسلہ جاری کر لیں۔

جواب کا جینی سے نظر ہوں، ایک قلم و قریل تازہ و فیلو  
ارسال خدمت ہے۔ سیدیاں نے آپ کی ملاقات کی خبر دی تھی،  
میں تو آپ کے گرامی نامہ کا منتظر تھا، ہاں بھائی دیوانی صاحب  
خوب اچھا چاہے۔

آپ کا  
ابراہیم حسینی گنوری

آپ کا جواب  
ابراہیم حسینی گنوری

یہ سب سلسلے ملک میں جسے شوق سے

## مشاعر شاعر مصرع طرح :- عشق کو حُسن کے آداب سکھائے نہ گئے

حضرت شہر بننگامی اٹل دوکیٹ اورنی

ہم سے آنسو غم آفتاب میں بہا ہے نہ گئے  
گورنر میں ہیں جیکے سب لٹا آئے  
اُن کی تھلیق نہ ہوتی تو بہت اچھا تھا  
پس دیا چھوڑ کے بسمل کو رشتہ قاتل  
بادا اس کے وہ جتنا بھلا یا اُن کو  
کبھی خود داروں کو ہاتھ سے ملنے دیا  
تا خود غالی کی امید تھی جن سے نشتر  
حضرت ضیاء فتح آبادی ایم۔ اے

دل کے ٹکڑے کسی چندان نہائے گئے  
چھائیں جان بچھڑکے گھاسیں بسکن  
دی کو عاشق سے بیٹے میں جن اٹھاروں کو  
کوہ گردی کا ہار ہی ہے جاں میں چوہا  
ہے وہی تذکرہ شاد و سوسے ہوشیاب  
عشق سے ہرگز عرفان حقیقت کچھ کو  
اسے قیام اور تو جو مرد ہاں سب تھے گر

جناب میناب کاپلوی

لاہر شہر کی صحبت سے ہڑائے نہ گئے  
عشق کے نقش کسی طرح ملتے نہ گئے  
یوں تو ہر طالب دیدار کی قسمت جاگی  
گوشتان ہوا اقیانوس سراپا نہاں  
دور گرد ہلکے حادثہ تھی بھی ہر شکر  
آپ آرزو نہ ہوں میری پریشانی سے  
اور بھی ہیں جو ہر گروہم انداز شہنشاہ

جناب ارشد صدیقی ساگر

جن میں آؤ حُسن عشق بچائے نہ گئے  
ہرے زہک تو دل ہی کو کہتا ہے گناہ  
بیٹھے ہیں بیٹے نظر آگاہ دھڑکتے حُسن  
لفظ بہت کہ بچے ناز سکھائے ہم نے  
ناز تھا ظریف نظر ہیں اپنے بسکن  
ہائے اُس غلام حور کی سادہ لوحی  
صوفیہ ہر تھے نقش ہی اپنے ارشد  
جو غم عشق کے انھوں بھلائے نہ گئے

جناب انجم حسینی تر یا قوری

عشق بیاں کو کیا درس بچاؤ نہ گئے  
ریشم جو ہر بھی ہے باقی اثر سوز و غم  
دل یہ پہلو میں کہاں سوختہ سالوں کے  
پھر فز و زان نہ ہو کہ دل میں ہے اداں کے  
بے حقیقت نظر آئی تھی ہیں آتش دل  
عبد بگین کے مری حوسہ سے دل سے انجم  
جناب غلیل از سگولی

جن سے امید تھی صحبت و وفا کی ہم کو  
جانے کیا چیز تھی اس شور و غم میں نہاں  
انجم صبح سے انجام شب ہجر کے وہ  
شبنم کے آست تھے ازل سے جو دفائے تھے  
تھک گئی دُعاؤں کے نگہ رگین کا ویران  
ہرگز سے سائزہ ہوشیار ٹیشن کو غلیل  
جناب حکیم آسمی تر یا قوری

وہ تصور میں نہاں تھے بھائے نہ گئے  
اُن کے کرکٹ میں بھی ادا بہت باقی ہیں  
یہی آئے بھی گئے بھی گمراہ نہ گئے  
حُسن دلدوز کے کاٹھ جو چھلے نہ گئے

دورِ زمانہ کہیں باد سے اُنکا عالم  
جامِ صبا نہ دیا ہاتھ سے مجھ کو نہ می  
مشتاقِ طعنے بھٹ کر نہ نکلا  
ضبطِ اچھے بگرا بنے محل پر اتسی

### حضرت برحقِ حقہوری

ہر سہ دیکھے تھے اچھے اچھے سرِ قائم  
ہند کی آنکھ جہاں دیکھنا حسنِ خلل  
اُنکی رفتار کی خوشی میں ہیں منور ہوئے  
مجھے فیر سے محلِ تری محفل نہ ہوئی  
دستِ سرِ عشق کے جذبات پر اُڑتی تھی

### جناب طرفِ بغدادی

لب پہ نیکو کتری بیدا کے اُسے دے گئے  
سانے اُنکے کبھی اُنک جہانے دے گئے  
دل کے ارمان رہے بکے وادِ کاشکا  
ہفت آہ کجا، جس رائے نالہ کبھی  
بات گوی ہوئی عشق میں قردِ بنی

### جناب سلیم مہروردی گوالاری

جس سے اسرارِ عشق کے چہنے دے گئے  
جن میں باقی کبھی اہلِ سرستی کی  
گرمیِ ذم کی خاطر سے ہم نے مانے  
مشکوٰۃ دور کی منزل پہ سراسر محفل  
شدتِ پیار سے یہ حال ہوا اچھا سلیم

### جناب فیض نقشبندی گوالاری

سجدۂ شوق جو کونے ڈکھان ہوا دوسرا  
ہنسیں! جلوہ گر حسن کا دستور نہ پوچھا  
بت پرستی میں بھی کلامِ دل ہا ہا ہا  
جن سے ہوجاتی تھی دردِ فراقِ جنتِ تلخہ  
کیا ہوا! جھٹکے گر مہملی عالم پہ فیض

دو تالیے ہیں کہ مجھ سے تھکا دے گئے  
تہ سے دو زہر کے بھی گھونٹ پلاؤ دے گئے  
ہم سے اچھے رہے جو ہوشِ بھاکو دے گئے  
اس کو دنا ہوں کہ کیوں انک بھاکو دے گئے

ایسے کوئے کے ڈھونڈ کر لوگائے دے گئے  
چین سے گھر میں رہے ہم کبھی نہ دے گئے  
ایسے فتنے جو زمانے میں بھانے دے گئے  
جنگ اک ہم تری محفل میں بھاکو دے گئے  
جب ابھر آئے دہانے سے دہانے دے گئے

دل کے حالات کسی طواری نہ دے گئے  
فہم کے اخلاقی کھوکھوٹے نہ دے گئے  
یہ فیض کبھی ساحل سے لگاتے نہ دے گئے  
خام غم آگے سے انہو بھی بھاکو دے گئے  
ایسے کچھ ہم کو وہ دھکے کہ بھاکو دے گئے

کب وہ منور صفت دار پہ لائے دے گئے  
بجودِ برکت کبھی ہوش میں لائے نہ دے گئے  
سربِ ذم سے فتنے جو نہ لائے دے گئے  
جب خدمِ جانبِ منزل ہی بھانے دے گئے  
دل میں اُپدے کے فتنے ہی جانے نہ دے گئے

### جناب مال برحق اڑکوشی

سلطے ہم سے جنت کے ثبات نہ دے گئے  
دل پہ کتابت کہ دامن کو بھوٹا اُنکے  
ہم نے تو بارِ زمانے کو سینا یا لیکن  
کاسمِ سماںِ محنت پہ وہ پھیر دے گئے

### جناب شمس آبادی

شوگرِ راہِ محنت میں اُٹھاتے نہ دے گئے  
ہم کو بے راہ روی برکوی الا اُنکے  
روشن کر تھکے سے ملدو بھانے دے گئے  
کتنے دھوکے تھے اُنکے کو بھانے دے گئے  
حق تو یہ ہے ہمیں منوں کرم ہونا تھا

### جناب شان ادوسی احمد پور شریقی

اُن سے آوازِ برکت کے چھاتے نہ دے گئے  
موجِ یہ بھی رہا حاملِ نالہ بھی ہوا  
آندو دل میں رہی اود سنائی نہ گئی  
پاسِ آدابِ محنتِ خانقہ اوی خان

### ابو البیان جناب نازش ریاض بگٹی

جس سے ہونٹوں کو ابھی اپنا پائے نہ دے گئے  
جس چیز کا نامِ محنت ہم دے گئے  
کیا سنا ہے اُنکے اود اود محنتِ آفر  
دامنی دہر میں حاصل ہو بھٹ دیا کو تو

### جناب وفا جون پوری

اک جھلک دیکھ کے پلٹا کھڑا پائے نہ دے گئے  
اللہ اللہ یہ تم کو دلی منزلِ زبست  
یہ گلہ تھکے سے ہے اوی دیدہ و نیاز کچھ  
سلبِ حق تو یہ گویہ دم پر ہادی دل

زخمِ بخشتے تھے جو اُس نے دکھاؤ نہ گئے  
اور وہ بزمِ تصور میں نہ آئے نہ گئے  
مٹ گئے ہم تو زمانے سے بھاکو دے گئے  
بربطِ دل یہ ازل سے جو نہ لے نہ گئے  
بھول جانے پہ بھی بھولتے بھاکو دے گئے

کتنے فتنے تھے اُس سے بھگاتے نہ گئے  
اپنی مرضی سے ہمیں نہیں آئے نہ گئے  
نیرے نہ سے کئے تھکے شاکو دے گئے  
کتنے منور سردار چاہتے نہ گئے  
مخزنِ کھوکھوٹے بھی تو نہ لے نہ گئے

ضبط کے بارِ مری دل سے اُٹھاؤ نہ گئے  
خمن سے پھر بھی بڑا اُٹھاؤ نہ گئے  
کامِ بگٹی ہی رہے اود بھاکو دے گئے  
اُنکے کھوکھوٹے لبِ اُٹھاؤ نہ لائے نہ گئے

یہ نصیب کے جہانات نہ لائے نہ گئے  
بریت کے گیت مری سا زبہ لائے نہ گئے  
یہ بڑے دردِ بھوک گیت تھے بھاکو دے گئے  
اُن سروں کو جو زبہ درد پہ بھگاتے نہ گئے

نیرے دولے کبھی ہوش میں نہ لائے نہ گئے  
کھوکھوٹوں کو دردِ حادث میں کوئے نہ گئے  
ہم سے اسرارِ محنت بھی چھاتے نہ گئے  
لاکھ کی کسی کمرِ آنک بھانے نہ گئے

لے مراد حضرت علامہ سیاح دہلوانی

### جناب نسیم سیدنا لوری

جو وطن ہے ہم جس میں ہے نہ گئے  
دلِ مصلحت اُن کی دکھائے نہ گئے  
طوبہ ہو کہ نہ آئے، بڑی میرٹ کو  
منفصل آج نہ ہوں، سرزمِ نسیم  
جناب ثاقب ساطع پروانی

اُن کو لغاتِ اہم ہائے سنائے نہ گئے  
کبھی جیاد کا ڈر تھا تو کبھی کیسی کا  
اذنِ توبار ملا بھول کو بردانے کو  
جذبہٴ حشر کو ہم اپنے کہیں کیا ثابت  
جناب قاصر راوری

اُنکا اُنکے ہیں تو کھنکھانے لگا نہ گئے  
کو دیارِ بڑی تلے غبارِ اسے دوست  
کیوں تیرے شوق میں ہے حضرتِ تھمہ رنڈا  
جناب خیالِ قمر نشی احمد آبادی

حُسن کے ناز دے لے روئی ہونے کے دود  
کہنے لاکسی ناکام کا بچہ اور اکام  
ان سے ناخبرِ محنت کا گھر ہے بیکار  
جناب طالبِ عالم دار مسند پرا

زہبِ حُسن کا یہ سائنے جا کر نہ گئے  
نندگِ خاک میں ملے کا صلہ خوب د  
مُورِ محشر کی حد سے بھی نہ اٹھو ہم لوگ  
جناب عالی علی نگری

قبضہ کی لہج، محبت کا ادب، پاسِ وفا  
پردہ دکھائی دے رمت نے بیکاروں کا  
ان المانیات گراں کا بھول میں مل مال  
جناب انجم کام شمری

موت کا یہ وہ عالم کہ اُسی توبہ ؟  
نزدکِ اُن کی نہیں موت سے کم دنیا میں

کھوتے بول اُن کی تباہی کے پائے نہ گئے  
ہم سے وہ اور پشیمان بنائے نہ گئے  
میری دانت میں جلو کی کھائے نہ گئے  
عشق کو حُسن کے آداب کی سے نہ گئے

عشق کے گیت کسی سے میں بھی گائے نہ گئے  
فصلِ گل آئی کر لغت اُٹھائی نہ گئے  
اک ہیں آپ کی مغل میں بلاؤ نہ گئے  
لاکھ کوششیں یہ بھی دل کو بھلاؤ نہ گئے

خاک میں گھر بنایا ملے نہ گئے  
بابر سے دلِ بھر بھر کو بھائی نہ گئے  
تیرے کوپے میں کسی روز نہ آؤ نہ گئے

کہا وہ انداز تھے جو تم کو کھائی نہ گئے  
تم سے ٹپٹے ہو دل بھی تو خاؤ نہ گئے  
دل کو خود درمے آداب کھائی نہ گئے

اپنی روداد کے دو لفظ سنائے نہ گئے  
نہ سے ڈو بھولی بھی رہت پہ چڑاؤ نہ گئے  
لب جاں بخش سے فردی جو ناؤ نہ گئے

فلک ایسے ہوئی آنسو کہ بہائے نہ گئے  
ہر سیرش جو دمِ شربِ بلائے نہ گئے  
خدیجوں کو بھی ازل میں اُٹھاؤ نہ گئے

ہوش میں آئے بھی ہم ہوش میں نہ گئے  
تیرے اُتوں کو جو بہت ناؤ نہ گئے

### جناب خلیق ایوبی

اُن سے بوسہ کج زبانی کے اُٹھائے نہ گئے  
خود کھج لیتے وہ رودادِ محبت، لیکن  
غایاں دیکھ کے ہم ترسی آوازِ درا

### جناب نفرت اروی

کھوتے کھوتے جو نہ پتا تو یہ پھر کیا ہوتا  
بس وہی دانتِ حُسن کے تیرے زینِ کباب

### جناب سلطان بارو لوسی

عال کی جود طرازی حقِ نظرِ شش اتنی  
دہرِ رانِ عدم آباد کا عالم، توبہ !

### جناب کیفیل از سگولی

میری ہمت تو زانے سے ٹھادی تو نے  
ہو نہ جائیں وہ کہیں حشر میں بدنامِ کفیل

### جناب محمود ایوبی

ہیں بہارِ ترسے اندازِ نسیم یہ شاد  
لیے گل، بادِ بہاری سے کھلاؤ نہ گئے

### جناب اسعد السدیدی لکھنوی

نفرتیں ہوئے لگیں دیکھ کے جودہ ان کا  
عشق کو حُسن کے آداب سکھائے نہ گئے

اُن دھلے ہوئی طرح بھٹکے نہ گئے  
طالبِ بد کو بوسے بھی دکھائے نہ گئے  
اُنکو اشارہ بھی میرے سنائے نہ گئے  
نکھ سے سہی ہو کر وہ دھجی بھلاؤ نہ گئے

دل کے دھوون ازل ہی ہو گاؤ نہ گئے  
تاسِ عشق سے نفرت جو شاؤ نہ گئے

نفسِ باطنی پہ قدم ہم سو گاؤ نہ گئے  
لیے روئے کہ کسی کو بھی شاؤ نہ گئے

کیوں مرے نفسِ وفا تمھو شاؤ نہ گئے  
اُس کے دلِ بھر بھر سے دکھائے نہ گئے

جناب شاد زمزمی  
یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو بڑے آبِ تاب سے  
بڑی تعداد میں شائع ہو گا

## شاد زمزمی

یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو بڑے آبِ تاب سے  
بڑی تعداد میں شائع ہو گا

مرحوم شاد زمزمی، مولانا سید باہت علی ندوی، بڑا صاحبِ ہاؤس  
مرزا مرحوم، بڑا صاحبِ ہاؤس، صاحبِ بھڑا دی، سے و جناب ارشاد ایم۔ اے۔ حضرتِ عظیمِ بانی  
دفعہ اول کے تمام مضامین مکمل ہو چکے ہیں

مشتہقین اس زیر میں موقوف سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں تو جلدی کریں

اس حرکتِ اعلیٰ خاص و برکت مال کو نہ ہر تو فرما دیں یہ نام لکھا ہے۔

سالانہ چندہ - لکھنؤ - چندہ شناسی

المنہر فیتر زمزمی - گیا (مستوفی ہند)



# اصلاح سخن

جانبے لانا حفظ شدہ شاہ عنایت مولیٰ صاحب تاجان القادری کی قول پر حضرت علامہ خان بہادر  
سید رضا علی دہشت لکھنوی کی اصلاح

یہ بھی سنا ہے کہین برقع

لفظ بے معنی ہوئی ثابت نقاب حُسن دوست ۱ چھوٹا پڑتی ہے شارعِ آفتاب حُسن دوست

ہے حریفانہ تقابل، دینے والا میں نہیں

لب عوض اُنکے جہاں میں جلوہ فرما ہوں میں ۲ عشق صادق بنگیا میرا جواب حُسن دوست

خود نائی پر وہ آادہ ہے لیکن کیا کر دں

بلے جانی کے تو ہیں پہلو پر اسکا یک اعلیٰ ۳ رعب حُسن دوست ہو مجھکو نقاب حُسن دوست

عبرت آئیں حالتِ شبنم سے یہ ظاہر ہوا ۴ بن نہیں سنا کہی ہرگز خراب حُسن دوست

کرتے جلتے ہیں شکایت تشنگی ذوق کی ۵ پیتے جاتے بھی ہیں آنکھوں کو خراب حُسن دوست

تھا شمالِ قطرہ شبنم جہاں میں ایک رات ۶ چھوٹکی مجھکو شارعِ آفتاب حُسن دوست

دیکھنا ہے پھر مجھے تاباں تماشا عشق کا

۷ از سر نو چھڑتا ہوں پھر باب حُسن دوست

توجیہ :-

(۱) مصرع اولیٰ ہے مطلقاً تھا اطلاق نے دونوں مصرعوں میں بجا بیا کیا "چوٹ پڑتی ہے"

میں غلط تھا "چھڑتا" جس پر ناچا ہے خدا اگر اس مصرع پر ہو نہیں سکتا بھی برقع بند باندھا تو برقعہ

(۲) تاباں تھا ایک مصرع کسی حد تک جواب حُسن دوست کی غیور توضیح تھا لیکن اطلاق میں

"جواب" کی رعایت سے حریفانہ تقابل دکھایا اور مصرع کافی اچھا ہو گیا۔ گو لطافت

اور شیریں کم ہو گئی۔

(۳) تاباں صاحب کے مصرع میں صرف کسی الفاظ کے حالاکہ نہ ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ

اُصول سے "پر" بمعنی "مگر" استعمال کیا ہے، اس کا بدلہ ضروری تھا۔ پہلے بہت خوب

دکھائی ہے، اب جہاں تھے خود نائی "کیاں اچھا ہے"

(۴) حضرت قطرہ دہشت نے صاف فرمایا اس شعر میں اطلاق کی ضرورت تھی، اول تو

مصرع ثانی کا منہم کل نہیں دوسرے کوئی پرکھ "کل" غلط ہے، اور صرف "کہی"

جنا بے صحت "چھوٹکی" مصرعہ بنا چاہا "چھوٹکی" بھی غلط ہے۔ میری

خیر رائے میں مصرع کا اس طرح ہونا مناسب تھا :-

چوٹ آئیں حالتِ شبنم ہے میرے واسطے

اور دوسرا مصرع اس افادے سے

بھول کر میں ہو نہیں سکتا خراب حُسن دوست

(۵) اس شعر کے دوسرے مصرع میں بھی "کا کل" بالکل غلط ہے۔ پتے مکے بد ہو جاتا

کو واقع ہونا چاہیے تھا۔

یا اسے بول بنایا جا سکتا تھا :-

کرتے جلتے ہیں شکایت تشنگی ذوق کی

آئید کہ قطرہ دہشت میری اس فقرہ کو توجہ کو اختیار اس پر محول دفتر میں ہے بلکہ

انتھن دانے کی ملکوت میں ہے خدا فی ہے آگاہ فرما دیجئے۔

انجاز صلیبی

# کھوئی ہوئی طاقت کی واپسی



مطلوبہ ہے کہ انسان اپنی طاقت کو برباد نہ کرے اور اگر کسی پانچ بیانی یا عقلی سے اپنی قوتیں کو بیٹے تو ذہن کی تلافی کی کوشش کرے۔ جو لوگ اپنی کھوئی ہوئی طاقت کی واپسی کا انتظام نہیں کرتے ان کو وقت سے پہلے بڑھا پانا غیر تابے یا طرح طرح کے حاضوں میں مبتلا ہو کر زندہ دگور ہو جاتے ہیں۔ پس ان لوگوں کو جو کسی بیماری سے اٹھے ہیں یا کسی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں یا لا مشورہ ہے کہ وہ جلد سے جلد قوت کمزوری دور کر لے کی تدبیر کریں۔ ان کو ایک ایسی دوا دے کر کہ جس سے بھوک خوب لگے۔ غذا اچھی طرح ہضم ہو۔ خون بکثرت پیدا ہو۔ اعضائے رکیک کو زندہ ہو لے پائیں۔ مددہ کمال درست رہے جگر اور فیملی کو فی شکایت پیدا نہ ہو۔ یہی دوا صرف ایک ہے

جسے سالہا سال کی محنت و جانفشانی اور بے شمار تجربوں کے بعد سب سے بہتر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا نام

## بشریت کسیر خاص ہے

اس شربت کی ایک عیشی تمام جہانی کمزوری کو دور کر دیتی ہے۔ ہزاروں آدمی اس کی دولت اپنی کھوئی ہوئی طاقت واپس پا چکے ہیں۔ اگر آپ آپ کے گھر میں کوئی بیماری سے شہنشاہ اور اسے بیماری کے بعد کی ناتوانی ہو یا کسی اور وجہ سے کمزوری لاحق ہو تو بلا میں دیش شربت کسیر خاص استعمال کیجیے اور دیکھیے کہ مزید ایک ہفتہ میں آپ کو کتنا فائدہ پہنچا ہے۔ آپ کا وزن بڑھے گا۔ رنگ نکھر جائیگا۔ طبیعت ہر وقت اشتیاق رہنے لگے گی۔ تمام کالی ہستہ اور کسلندی دور ہو کر آپ کا دل طور پر متن درست اور طاقت ور ہو جائیگا۔ قیمت فی سفیدی دوا (دولن کے پیر) ایک روپہ آٹھ آنے۔

ہمدرد دوا احسانہ کمال کنوئیں دہلی

جلد ۱۵      جنوری ۱۹۴۴ء      نمبر ۱      قصر الادب کا خالص علمی و ادبی ماہنامہ



زمرد پرستی

اعلم حضرت رسوا مظلومی والہی یا جود (کاٹھنڈا)  
علیناب سزا صدیق محمد خالصا ریونیو سٹر (ناہر)

منظور شدہ

محکمہ ہائے تعلیم صوبہ پنجاب، صوبہ ممالک متوسط و برابر ریاست ملو، ریاست کشمیر، حکومت ممالک متحدہ اگروہ دادہ

پچھڑو سالانہ

عوام سے	۱۰۰	مداوین سے	۱۰۰
خواص سے	۱۰۰	مربوں سے	۱۰۰
مردوں سے	۱۰۰	مغین سے	۱۰۰
انہوں سے	۱۰۰	مربوں سے	۱۰۰

ششماہی فی پرچہ ۴

اشاعت گاہ

مکتبہ قصر الادب لکھنؤ

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	ہندی اور مسلمان	علم و ادب	۸
۲	اردو شاعری پر ایک تجربی نظر	محمد حسین صدیقی	۱۲
۳	اردو کے چند جوان مرگ شاعر	محمد حیدر ہمدانی	۱۷
۴	مکتوبات	احمد علی بک بکری، مجاہدہ سرتگر، شوکت صدیقی، مجاہد خاں	۳۷
۵	انگریزوں سے	افتر علیچ آبادی	۲۱
۶	تین طاقتیں	خدیجہ مستور لکھنوی	۲۲
۷	ورثہ	منظور رضوی	۲۹
۸	شعر انقلاب	سیاہ اکبر آبادی	۵
۹	صنمو، جنگ	سیاہ اکبر آبادی	۶
۱۰	نذر تیر	احجاز صدیقی	۲۰
۱۱	فرض اور محبت	یادو بخاری	۳۱
۱۲	دو راگ	کمال رشید	۳۲
۱۳	اک فسانہ ناتمام	فضل الدین آبرام۔ اے	۳۳
۱۴	ناثرات	نعمان تاثیر	۳۴
۱۵	گل رنگین	المنظر گفتری	۳۴
۱۶	تبرکات	ناظم کلاؤٹھوی	۳۵
۱۷	دیہات کی شام	سمیرا بکری، مینا	۳۵
۱۸	مقالات مدرسی	روحی دکنی	۳۷
۱۹	جرعات	احجاز صدیقی	۷
۲۰	شخصیات	احجاز صدیقی	۳۰
۲۱	تحقیق و تنقید	احجاز صدیقی	۳۲
۲۲	اصلاح سخن	احجاز صدیقی	۳۳
۲۳	حضرت شمس الدین عظیمی	مشاعر و شاعری	۴۴

محسینِ مرنی، معاونین اور انیسان ہمدان شاعر

محسنین ادب و شعر

- [illegible]

## نوروز مشترک سالِ ہجری و عیسوی کی ہم آغازی

## شعر انقلاب

ایک ہم نعمتِ نوروز کی تحدیث ہے  
ہے مگر رجحان میں دو ملتوں کے انتشار  
اک طرف انکارِ رنگیں میں انگ آئی ہوئی  
سرخوشی و ساقی و نغمہ فانی اک طرف  
مست آنکھوں میں سرورِ بادہ رنگیں ادھر  
دو نئے سالوں کا یگی جلوہ آغاز دیکھ

اور پھر دونوں میں یہ تفریق سوزِ ساز دیکھ  
ہیں نمودار آج دو معجزِ آفتِ پرِ پاس پاس  
دو بہاریں آئی ہیں باغِ جاں میں ساتھ ساتھ  
”جنوری“ کا آفتاب، افسانہ نوروز ہے  
اپنی نظریں جذب کر کے صبح کے انوار میں  
دورِ حاضر کی تجھے ہر صبح آئے گی نظر  
یہ تعریف ہے محترم کا جو عالمگیر ہے  
چار سو پہلے ہوئے ہیں واقعاتِ کربلا

آج اک انسان اور حیوان میں کیا فرق ہو  
خون میں تہذیب کیا انسانیت بھی غرق ہے  
”جنوری“ کی صبح اک نوروز لائی بھی تو کب  
شام ہے پھر وہی صبح قیامت کا طلوع  
عشرت یک لگو کب، جب ہو مصیبتِ انہی  
بے سکونی بیشتر ہے، عافیت کم یہاں  
سال بھر اب تو محرم ہی محرم ہے یہاں

کاش یہ انسان اپنی قوتوں سے کام لے  
کاش ہمت اس میں ہو تجدید اور ترمیم کی  
منہبط ”انسانیت“ کا اک نیا آئین ہو  
ختم ہوں جھگڑے یہ سب تخریب اور تیر کے  
کاش اس دنیا میں ایسا بھی کوئی نوروز ہو  
کاش اس دنیا میں ایسا بھی کوئی نوروز ہو

سیماب کبر آبادی

# صفحہ جنگ

(نفسیاتی اشارات)

دنیا سے خودی میں خود نمائی کر لی  
انسان سے قوت آزمائی کر لی  
اس جنگ کے برے میں عیاذاً آماں!  
”سائنس“ نے کچھ دنوں خدا کی کر لی

مانا یہ بساطِ رزم تاریخی ہے  
اسکی بھی نشاطِ رزم تاریخی ہے  
سے آگ کے شعلوں میں مسلسل قائم  
”ٹرکی“ کا ثبات و عزم تاریخی ہے

انسان، بنا تھا عیش و عشرت کے لئے  
اور اب محتاج ہے مسرت کے لئے  
یہ جاننا، یہ سوچنا، یہ زماں اور مکاں  
تب اس کے لئے یہ جنگِ غارت کے لئے!

بلے عزم و عمل حقیقت الفاظ کی ہے  
کانوں پہ فقط حکومت الفاظ کی ہے  
ہوگا اسکا اثر حکومت پر کسا  
دل کی نہیں، یہ بناوت الفاظ کی ہے

”بنگال“ میں بھوک بھی ہے بیماری بھی  
پھیلی ہوئی ہر طرف جو بیماری بھی  
یہ روگ ہی کیا کم ہیں خفا کرنے کو  
اور ان پہ ہے مترادف ”بم باری“ بھی

تقویم میں ”نوروز“ سرافراز ہوا  
لیکن نہ دیر امن و سکون باز ہوا  
جس روز یہ جنگ ختم ہو جائیگی  
بھونکا کر غمِ نوحہ کا آغاز ہوا

نئی صورتِ ایام گزشتہ اچھی  
نوعیتِ آرام گزشتہ اچھی  
لٹھری ہوئی خون میں جو صبحِ نوروز  
اس سے تو مری شام گزشتہ اچھی

ہر چند کہ زارِ داناواں ہیں ہم لوگ  
حیرت سے بہ ہو گمراہ ہیں ہم لوگ  
جران ہیں ہستی کی کسی منزل میں  
لیکن یہ جب نہیں کہاں ہیں ہم لوگ

دُنیا میں ہے زعمِ عمرانی سب کو  
سب کو ہے غرورِ لہنِ ترانی سب کو  
ذہنِ فطرت سے آگ جب بھر کے گی  
کو جائے گی اک آن میں پانی سب کو

تبرہ کی یہ اُنگ - اللہ اللہ!  
یہ عقل و خیر کا رنگ - اللہ اللہ!  
تھکن نہیں امنِ حلال تو بہ تو بہ!  
فکرِ مابعدِ جنگ - اللہ اللہ!

سیماب

جہات

کبھی سال نو کی مبارکباد دینے ہوئے ایک لذت، ایک کیت اور ایک سرخوشی کی محسوس ہوا کرتی تھی لیکن اب آغا زماں کے خیال ہی سے دل دھڑکنے لگا ہے کہ خدا جانے کین فطرت اور تباہیوں کو اپنے دامن میں لے ہوئے آئے بہر حال صلح و امن کی باتوں کے منہ پر اسکا استقبال کر رہے ہیں۔ خدا کرے یہ سال ماری و دنیا کے لئے سکون و اطمینان لائے اور جنگ سے پیدا شدہ حالات اعتدال پر آجائیں۔

سالانہ نوکا پہلا شمارہ آپ کے سامنے ہے شاعر انجمنی زندگی کے چند خوب  
سال میں عدم رکھ رہا ہے، اسے امید تھی کہ اپنے بچپن کی منزل پر ملے گا کہ جوانی  
کے دن رات دیکھے گا۔ خدا کے علم پر دل کا ہزار ہا ترکہ ہے کہ یو۔ پی کا یہ اہانہ دوسرے  
محبوبوں کے دوش بدوش علم و ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ جہاں اس نے درس کے لئے  
سازاں کینت بھر ہو چکا ہاں اس زبان ادب علم و فن کے ذائقے والے شعور بھی آہستہ آہستہ  
اُردو داں طبقے کے دلوں پر ثبت کر دیے اور آج ہر طبقہ میں شاعر کی فردیت محسوس  
کی جا رہی ہے۔ جنوری سلسلہ گھر کی تازہ اشاعت ایک متنوع و تربیت کے ساتھ پیش  
کی جا رہی ہے۔ امید کہ ناظرین پسند فرمائیں گے۔ اس اشاعت میں نظم و نثر مغفان کا  
ایک تھرا انتخاب نظر آیا۔ کاش کہ میں کاغذ کے سلسلے میں آسانیاں میسر ہو جاتیں تو اس سے زیادہ  
مغفان میں کچھ کر دیتا۔ "کاش" کاغذی نثرات بلند ہے ان میں سوچ و فکر کے بعد شاعر ضرور  
اُردو ادبی بعیت کا آئینہ دار ہو گا جو نگاہ و دل میں محفوظ ہے اور مرتبہ مغفان کی قدر و قیمت میں  
اس کی حد تک کمال کے زیادہ تر محاسن و کمالات کی ڈھاری۔ اس مرتبہ بھی شائع نہیں ہوئی  
ہے۔ خیال ہے کہ فردوسی کے شاعر، جس کو کھل کر کہا جائے۔

"شاعر" ہندوستان کا شاید پہلا ہنسا ہے جس کی خدمات کا اعتراف اور قدر  
افرائی ملک کے صاحبِ ثروت طبقے نے زیادہ سے زیادہ کی ہے، کیونکہ ہاشرت میں کردہ  
علوم اور خاصہ دونوں میں کمال مقبول ہے۔ یہاں "شاعر" کے حقوق کا جابجائی کا کوئی  
مذکورہ نہ لکھا گیا ہے۔ تاہم یہی اس اخلل ہے، یقیناً مرید ہوئے کہ اُس کے سر پرستوں میں  
یکساں علم و دولت ادب نواز ہستی کا اضافہ ہوا ہے جو میری مراد و صیقلی جو محافلِ صاحب  
یونیورسٹی رابست تاجہ اُن بزرگوں میں سے ہیں جن کے گھر اُسے دے دے اور سنے  
اور زبان کو مدد ملی ہے۔ "شاعر" کے سر پرستی قبول فرما کر جس قدر  
کاغذ دے دے نہ صرف ادارہ بلکہ تمام ادبی دنیا کے شکر کا مستحق ہے۔

”شعاع“ تعلیم یافتوں کو زیادہ سے زیادہ نیک کامیابی پر فخر دلاؤ اور

رباعیوں کے محکمہ اُسے تعلیم اُسکوں اور کاجوں کے منظور کیجے جس اور منظور کر دیں۔  
 اس سال کے آغاز سے ہندوستان کے ایک بڑے ادارہ دوزانوہی نے بھی منظور کر لیا ہے  
 ڈاکٹر صاحب محکمہ اطلاعات میں یہ خط ۱۳۵۶ء مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۵ء  
 کے ذریعہ فرمایا ہے کہ "شوہرہ پنجاب کے تمام شول اسکول۔ اپنی اسکول اور کاجوں  
 کے لئے منظور کر لیا گیا ہے۔ ادارہ سرشہ تعلیم پنجاب کی اس شاعر فانی کے لئے مقرر ہے۔ اُنید کہ  
 پنجاب کے تعلیمی اداروں میں شاعر کو پیش اور پیش جاری کی جائے گی کہ وہ طلباء اور اساتذہ دونوں  
 کے لئے یکساں مفید ہے۔ پنجاب کے مختلف تہذیبی اور ثقافتی میں شاعر سے محبت کرنے والے حضرات  
 بھی بڑی دل سے کوشش فرما جائے گا اور خدای اسکولوں کو خریداری کی فریب ہے۔  
 جناب خادمہ بدیع اللہ نقوی انجمنی امداد آدی شاعر کے بڑے سرگرم دوکار ہیں۔ موصوفہ  
 بذات خود اس سال شاعر "کمال دین" میں ترکیب ہو رہے ہیں۔ ادارہ ان کی ادب فانی کا  
 بھی نمونہ ہے۔

میں کئی ماہ سے بے پناہ مصروفیتوں کا شکار رہوں اور ہر شام آٹھ ماہ سے انھوں میں تکلیف دہ کاموں کی وجہ سے شاموں اور راتوں کی جلوسوں کے سلسلے میں بے درپے سفر کی عادت رہی، انھیں جو کہ بنابر بعض دستور اور کم فراوانی کو خطوط کے جواب بھی نہ مل سکے، محنت کر کے ان کے ناموں میں اور کم فراوانی کے خطوط کے بدلے کو میری نگاہوں کے سامنے میں انشاء اللہ جلد از جلد ایک کتاب کی تیاری میں ہر وقت کا شوق رکھتا ہوں اور یہ بھی ضرور ہے۔

نئے خریدار اپنے والے کرم فرما

- ۱- جناب لغمان تاثیر صاحب کراچی
- ۲- جناب مطلع اللہ خان صاحب دکن نظامی راجوری ۳ فریدار (خاص)
- ۳- جناب شمس الدین مراد آبادی
- ۴- جناب کلیم بخش بادی
- ۵- جناب عارف ابراہیم بیگ بکرا خان بکوت
- ۶- جناب سید علی حیدر صاحب عابدی کشمیر
- ۷- جناب قاسم صدیقی ریاتی جیلپور
- ۸- جناب نسیم بیگم بادی
- ۹- جناب دیار کاش سرور ایدر خان بکدرمان ۱ فریدار عام
- ۱۰- جناب پیرزادہ قاسم حسین الدین احمد بادی احمد پور تریہ
- ۱۱- جناب محمد سعید صاحب

اداری قلمرو۔ جاپان میں شاہنشاہین صاحب، انوکو والی، زنگاری صاحب، آجی صاحب قلمی

# ہندی اور سلمان

ان مفروضات کے روبرو دستِ کام کی سی ہیں کہ اردو عہدِ شاہجہانی کی پیدوار ہے۔ باریک دکن یا پنجاب اس کے مولد ہیں کتنے ہی دفاتر کیوں نہ سواد کے جائیں حقیقت حقیقت ہی ہے گی کہ اردو اور ہندی دو مختلف نام ہیں صرف ایک زبان کے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی بات کی طرح ہیں زبان اور بولی کے فرق کو نظر انداز کریں۔

فریاد از درازی خواب گران ما

گلشن کے لئے شکل ہی نہیں ناکھن تھا کہ وہ سنسکرت کے بھاری بحر کم، فیل اور پوشکوہ الفاظ کے صحیح تلفظ پر قدرت حاصل کر سکیں۔ الفاظ کی ساخت پر جنہرِ افانی قدود کا بھی مستند اثر رہا ہے۔ ایک ہی لفظ مختلف ممالک میں مختلف آب و ہوا کے ذریعہ مختلف صوتی متغیر اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ملکوں کے نہ گنگ کر سنسکرت کی قلب مابہت ہو گئی۔ اور تلفظ کے متعلق و فرابت نے ایک دوسری ہی زبان کا سنگِ بنیاد رکھ دیا۔ اس زبان کو عرف عام میں پالی کہا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد پالی کو عوام کی زبان قرار دے کر ثقافت نے سنسکرت کی دوسری بیٹی کو پراکرت "کا درجہ" بخشا اور پچھلی جیسے جتنے پراکرت کی گرامر کی تدوین ہو سکی اصل زبان کا اعزاز سپرد کر دیا۔ مرورِ آہام سے پراکرت نے بھی چلا بولنا شروع کیا اور بالکل فطری طور پر ایک اور نئی زبان جنم لینے لگی۔ اس زبان کو عرف عام میں ہندی کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ وہی زبان ہے جسکو عہدِ شاہجہانی میں اردو کے معنی کا لقب دیا گیا۔

آپ از سرِ اس سنگِ خودِ گلستان ما

اس نئی زبان کی آواز کا اندازہ ذیل کے نقش سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:-

سنسکرت	پراکرت	نئی زبان
کمرٹ	کمرٹو	کمرٹا
مشتعل	مشتعل	دھچلا
آنو	آنو	آنو
نپٹ	نپٹ	سات
نمرپ	نپٹ	سارپ

کرم ہست کزن بیکہ کم ہنم کن ہمو کام ہتم کان ہنم

اردو کو عہدِ شاہجہانی کی پیدوار کہنا یا اس کا ڈانڈا دکن یا صوفیائے اسلام یا کسی مخصوص جماعت سے ملانا اردو پر ظلم ہے۔

فخاں از خالِ ہندویت کہ کاخر کرد غازی را

اگر اردو نام سے پراکرت میں عربی اور فارسی الفاظ کے تراخل و آمیزش کا تو پرتھی راز کے عہد کی زبان کو کیا نام دیا جائیگا جسکا اس کا درباری شاعر خضر جہانی بلا تکلف عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کرتا ہے دیکھئے:-

سرخین ساتھ کھلت پھر میں گلشنِ بارخ نورس

کیراک دشتے نین تب من بھو ہوا لاس

سنگن سُدھ گن چڑھ نہ بھر

کچے نہ بدید صحت تیر

جاو سنکر برات گئے نادان گئے پرتی ران

تا ہی دن تیرا کوئل بھی گئے آواز

سُن گئے آواز چڑھو صاحب دین پ

خواساں سلطان کاس کا بلینے سیر دھر

جنگ جوت ظالم خباہت سار جاہلو

گھر دھک بھیج سب گن روی لب دین ہو

گلشن - بارخ - زنبیر - تیر - آواز سلطان - جنگ - ظالم - الفاظ صاف بتا رہے کہ یہ الفاظ بے تکلف خواص میں بولے جاتے تھے۔ عہدِ شاہجہانی اور پرتو گلا کے دور حکومت میں صدیوں کا ثقافت ہے، پھر عربی اور فارسی الفاظ کی پاک میں آمیزش کے آغاز کو عہدِ شاہجہانی سے خوب کرنا تاریخی نہیں بل نہیں تو اور کیا اس تمام کا بڑا دھماکہ فرماؤں سے میرا مقصد یہ ثابت کرنے کے سوا کچھ؟



اُردو سنسکرت کے زوال کے بعد ہی مروض وجود میں آئی تھی۔ اس کو ابتدا میں ہندی کہتے رہے اور دودیشا بہمانی بولتے اُردو سنسکرت کے لقب سے لقب کیا گیا۔ غلط بحث سے بچنے کے لیے آئندہ طور پر اس کو زائیدہ زبان کو "ہندی" ہی کے نام سے یاد کروں گا۔

خود ہندو بہترین کو چندر بروداتی کو ہندی کا پہلا شاعر ماننے میں تامل ہے اس لیے کہ اس کے یہاں پر اُکرت بندوں کی بھر مار ہے اور پر اُکرت بھی ایسی کہ جسے آج کل محدود سے چند پنڈت سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ کبر صاحب، نانکے، تسی داس راداس۔ ملک محمد جاسی وغیرہ ہندی کے پہلے دور کے شاعر شمار کئے جاتے ہیں اور ان سب کے کام میں عربی فارسی الفاظ کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ یہ سب ہند اکبری کے شاعر ہیں۔ جو ہندی شاعری کی تاریخ میں ہندی کا "دورِ زریں" کہلاتا ہے۔ اکبر کا دربار ہندی شاعر کا مرجع تھا۔ اکبر خود ہندی میں فکر سخن کرتا تھا۔ خدو جہیل چند اکبر کی فکر کا بیج بنائے جاتے ہیں۔

جاگو جس ہے بخت میں گنت رہا ہے جاہ  
ناکو چون بھل ہے گنت اکبر شاہ  
شاہ اکبر آگے سے کا نہر دلو دلو کن باطن  
آہستہ سے ابلا نہ کھو چک چونک چلی آری باطن  
بول بل جی سدا در میری رو بیتی چھ بول ملنا اُڑا ہی  
چمک چار و کمان چڑھاوت کام چون ہاتھ لے اہ باطن

اکبر نے سیر کو بھی ہندی کی تعلیم دلائی۔ خسرو (دو نہ) کو نوچ سال ہی کی عمر میں ہندی سیکھنے کے لیے بھارت بھیجا جا رہے کے حوالہ کو دیا۔ شاہجہاں ہندی میں مستگاہ کال رکھتا تھا۔ اس کے دربار سے متعدد ہندو شاعر وابستہ تھے۔ دارا ہندی سنسکرت کا جید عالم تھا۔ جس نے آئندہ کار جوہر فارسی میں کیا۔ عالمگیر جسے خود کش کہا جاتا ہے۔ ہندی کتا اور بولی بید پند کرتا تھا۔ ایک نعمت ہزارہ اسم کے نام آج اس کے پاس بھیجے اور درخواست کی کہ آسموں کے نام جوہر کہیے۔ عالمگیر نے جواب میں لکھا "تم سوچتے دھواں ہو کہ جوہر سے باپ کو کیوں شہ دستہ ہو۔ تمہاری پریشانی خاطر آسموں کے نام میں نے "سدا عا رس" اور "سدا لاس" رکھے ہیں۔"

منجند دربار میں ہندی گوئیوں کی بھی بڑی آد بھگت ہوئی۔ اکبر نے تانہین

کو پہلے ہی مجھے میں ایک کوڑ کا انعام عطا فرمایا۔ ہرم خاں خاٹمان نے بار بار اداس کو ایک دن میں ایک لاکھ روپے دے دیے۔ شاہجہاں نے جاہا رگنا تھرا تو رگولی کو اس کے مجوزن روپے عنایت فرمائے۔ یہ اسی حدود کی کا بیجہ تھا کہ شاہانِ منجلہ کے دربار میں گویوں کا ٹھکانہ لگا رہتا تھا اور مسلمان گویے بھی ہندی راگ آگیناں لاپتے تھے۔ بلکہ آدھک اچھا گویا ہی کھجا جاتا جو ہندی راگ راگینوں کا ماہر ہو۔ مسلمان حکمرانوں نے ہندی کے ساتھ کیا سلوک کا مشرا م ریش پر پاشی مولف کو تا کو ہندی کی زبان سے لکھے۔

"مسلمانی راجوت کا اتھاس اور ہندی کا اتھاس یہی ملا کر دیکھا جائے تو یہ دیکھ کر بڑا آٹھو یہ ہونے سے کہ مسلمان کی اُنتی کے ساتھ ہندی کی اُنتی ہوتی ہے اور ان کے ادھ میں کے ساتھ ایک ہندی کا بھی رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔ جب مسلمان ساشن کا سورج اُتتی پر بھانہنگ کے بڑے بڑے پر بھاشانی کوئی اُسی کے جس ہوسے تھے۔ مسلمانوں کے اُنتی کے ساتھ ہندی اس طرح چلی چوٹی کہ اس کے سورج سرگندھ اور سواد سے آج کل ہم لوگ بہت آئندہ پارہی میں ہندی کے اس اتھ سے مسلمانوں کا پورا پورا پریم بڑھ جاتا ہے۔ ہندی کی اس اتھ سے مسلمانوں کو گرو ہونا چاہیے۔"

در اصل مسلمان بادشاہوں نے ہندی کی نہیں بلکہ اُس دور کی دیسی زبان کی پرداخت میں (جسے میں اُردو کہتا ہوں) پُر جوش حصہ لیا۔ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر ہندو عربی، فارسی الفاظی بھرا دی تاب نہ لا کر اسے اپنا لیس گے اس زبان کا عروج رہن منت تھا ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ سعی کا۔ یہاں ایک نازک اور ماہ الزامہ سل پر لب کشائی نا مناسب نہ ہوگی۔ ہمارا تمام دیکھا تاریخی سرا یہ اکبر اعظم کی ریاست تھی پر شاہ ہے۔ سلطنت منجلہ کے فروغ کو اکبر کی ہندو دوستی پر محمول کیا جاتا ہے اور اُس کے زوال کے متکدوحت اسباب سے عالمگیر کے دامن تقدس و تقشف کو داندہار کیا جاتا ہے۔ مجھے اس نظریہ سے بڑا اختلاف ہے۔ جس نے اکبر ہندو دوستی کو کبھی مضد دل سے نہیں دیکھا۔ مجھے ہمیشہ اکبر کی ہندو دوستی میں سلطنت منجلہ کے زوال کا سر شہ نظر آیا۔ میرے نزدیک اکبر نے راجپوتوں سے شادی کر کے (جہانگیر جہانگیری اور جہانپانی کا تعلق ہے) بڑی سخت فطرت کی تھی۔ ایک راجپوت اپنی بیٹی کسی مسلمان حکمران کو بطیب خاطر و بخندہ پیشانی نہیں دے سکتا تھا۔ انھوں نے



مکمل را تصور نہایت ترا گرام بہت  
بہن مسلمان ادبا اس کو شش میں شے ہے کہ ان کے حالات میں وہی  
انفارسی سکھ اور کم الفاظ استعمال ہوں۔ بعض شیطانی ہندی گیت لکھے ہیں اور اُسے  
اردو کہتے ہیں۔

افغان کہ کلام دفعہ سے گزرا براہیم را  
بعض "جاگت" تھی کہ اردو بہ ہندوستانی گڑبہ ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ کالم خود  
کو آئندہ جتن محبوب کیا جائے۔

دوسرے زلف ندانم کہ پیروداداری  
کہ ہم برزہ گیسوے پر افشاں را  
جہانک میں نے غور کیلئے تمام بکس افشول ہیں۔ ذاب اردو کو کوئی شاکستہ ہے  
اور نہ ہندی کو۔ ذاردو سے فری اور فارسی کے لغات نکالے جاسکتے ہیں اور نہ ہندی سے  
سنسکرت کے۔ دونوں زبانیں زندہ ہیں اور دونوں زندہ رہیں گی۔ دونوں زبانوں  
کے باجائے ان ادب نے ان میں بلا کہ رس محدود ہے۔

آں جا کہ لب زہر شہرے پاک کردہ اند  
گل شکستہ کردہ داسے نیم را  
اگر واقعی ہندو مسلم اتحاد کوئی ضروری چیز ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ  
وہ ہندی پڑھیں اور اسی طرح ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ اردو اور لٹریچر کا مطالعہ  
کریں۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں، جہانک ہیری مسلمان کا لفظ ہے۔ پانی کے تلم بہ  
بطور میں دونوں زبانوں کے جاننے والوں کی مقول تعداد موجود ہے۔  
البتہ بعض متعصب مسلمانوں کو میں نے سیکھتے ہوئے بھی منہ ہے کہ ہندی اُچھڑوں کی  
زبان ہے۔

ترجمہ آن قوم کہ برد دشاں نے خند  
یہ مطالبہ کہ اردو ادبی نہ بنایا جائے بے جاگی اور کم نظری پر دال ہے۔  
اردو اگر علمی زبان ہے اور یقیناً وہ علمی زبان بن چکی ہے تو اس کا دامن وسیع  
ہو گا اور ہندو فارسی ذاتی منت پذیر ہوگی۔ فری اور فارسی بلکہ انگریزی اور سنسکرت  
افغان کی۔ اسی طرح اگر ہندی کو علمی زبان بنائے تو اسے دوسری زبانوں سے  
اشخاصہ کرنا چوگا۔  
ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ہندوستان زندہ نہیں رہ سکتا۔ میر  
نورنگا اب شہرہ زبان کی رٹ بگاڑ رہے ہیں اور اتحاد کی صرف ایک ہی صورت ہے

کہ ہندو مسلمانوں کی زبان یکیں اور مسلمان ہندوؤں کی۔ صرف یکیں ہی نہیں  
بلکہ اپنی زبان یکیں۔  
کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہماری قوم کے ادیب دنیا بھر کی زبانیں یکے لیں گے  
مگر نہ یکیں گے تو اپنے پڑوسی کی زبان۔ وہ دوسری زبانوں سے بے تکلف استفادہ  
کر سکتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے تو اپنے بھائیوں کی زبان۔

ہر ملک کا ادب مخصوص ملک و جہان کا ترجمان ہوتا ہے۔ ہر ملک کے ادب میں  
اول کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ چرچ ہمارے اور انگریزوں کے طرزِ معاشرہ و تمدن  
میں کوئی تقابلی نہیں تو ان کا ادب ہمیں کس حیثیت سے فائدہ پہنچا سکتا ہے اور انگریزی  
دفاڑ کے اردو میں منتقل کرنے سے ہم کیا استفادہ کر سکتے ہیں۔ انگریزی تراجم کی بھڑاسے  
کیس زیادہ ضروری ہندی کتب کا اردو میں منتقل کیا جاتا ہے۔  
میراثی تجربہ شہد ہے کہ کچھ اس فصدی تعلیم یافتہ ہندو اردو کلمہ اور پڑھتے ہیں  
لیکن مسلمانوں کا بیشتر حصہ ہندی سے ناواقف ہے۔

"بایں آن ہندو شہزادہ باد کو مو نہیں کرسکتی جنہوں نے اردو ادب کے  
دامن کو اپنی کاوشوں سے الامال کیا۔ رتن ناتھ سرشار، نسیم، مقرر، جلیلت  
صدر شین، بلوک چند موم اور فراتی گوڑ کچھ کسی کے جواہر ہیں۔ ہندو اردو کے تاج  
کو جگلاتے ہیں گے۔ پھر تمام مسلمان ہندو خواہ کتنے علاوہ کتنے مسلمان ہیں جو ہندی کی  
خدمت کا دعویٰ کر سکیں۔ صرف دو چار وہ بھی انسان نکار۔ اس لئے کہ ملی  
مغایں کے لئے مستعد ہندی کا جانا ضروری ہے شاید وہ نہیں جانتے۔  
میں پھر کہتا ہوں کہ متحدہ قومیت کے لئے یہ سید ضروری ہے کہ مسلمان  
ہندی پڑھیں۔

بہار کوٹی

ماہنامہ "ترکش" لکھنؤ

اہل حق کے لئے یہ پاکیزہ جملہ اپنی تمام ادبی لغاتوں کے جیس ۵۰ روپے کو لکھنؤ ہوا  
ہماری جلی ترین میں ہندو جوبلی حضرات احاطہ فرما رہے ہیں۔  
آئندہ لکھنؤ - اختتام حین - احمد نیرم فاکھی - برہم پانی - عین البرہم - رشید جہاں  
پروفیسر - شوکت مدنی - سہا لکھنؤ - علی جواد زیدی - علی عباس حسینی - عبادت پوری  
منظر رنجوی اور محمد علی الدین وغیرہ  
تمام اشاعت ماہنامہ ترکش مالاب کی شکل لکھنؤ  
فی پریس ۸۰ سالانہ چندہ

# اردو شاعری پر ایک ترچھی نظر

"(اردو کی بے بغاوتی کی) دوسری وجہ اردو شعراء کی مغربی ادب کا آشنائی ہے وہ نظم کے صحیح مفہوم سے واقف ہی نہ ہو سکے اگر وہ اپنی محنت و کاوش، اپنی قوتِ حاسہ اپنے خیال کے جوہر صورتِ نظم میں جلوہ گر کرنے تو آج یہ اردو شاعری اعلیٰ مرتبہ پر نظر آتی۔"

"اگر ترکی کی خواہش ہے تو اب کسی مغربی ادب کی طرف میلان کی ضرورت ہے..... اگر کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو اسی طرح پر کہ اردو شعراء کسی مغربی ادب سے شناسائی پیدا کریں..... مگر وہ اوزان کی پسند میں کبھی بغیر نہیں جگہ اس میں قوتِ اختراع سے کام لیں۔ نئے نئے بنیاد ایجاد کریں۔"

یہ کسی مغربی ادب سے حاصل کریں۔

"اگر حالی کسی مغربی ادب سے واقف ہوتے تو اس خطِ خیالی کے مرکب نہ ہوتے۔ حالی و آزاد مغربی ادب سے ناآشنائی کی وجہ سے کوئی ایسا کا نام پیش نہ کر سکے۔ وہ ان کے خیالات کی محنت و اہمیت کو خوب برعکس کر دیتا۔"

"ضرورتِ قلمی ذہنی انگریزی میں" کی بجائے مغربی و مغربی علم میں بلکہ دستِ گاہِ حاصل جو جو ضیقِ شاعر جو، جو انگریزی لطافتِ خیالات ہی نہیں بلکہ انگریزی اصنافِ شاعری، و قلوبِ بند اوزان با مختلف اوزان کے بدل کر اردو میں مغربی، اعلیٰ و ذلیٰ خزانِ سحر کا کھانا رکھتے ہوئے اُفک کر کے۔"

"آزاد و حالی مغربی ادب سے واقف ہونے کے سبب بعض خیالات و احساسات سے قومی ہے۔"

"اپنی لاملمی کی وجہ سے وہ مغربی ادب کے محاسن کو خصلِ مہر پر ایسے میں بیان کرنے پر قادر نہ تھے۔"

"اس قسم کے تجزیہ کو ایک شہسازِ گریز ہی قلم میں ۲۴ سطور میں بیان کیا گیا ہے لیکن آخر ۸۹ اور ۱۱۰ مصرعے لکھے ہیں؟"

سید الدین احمد صاحب کی کتاب اردو شاعری پر ایک نظر "عصر ہوا شائع ہوئی جو پہلی مرتبہ اسکا مطالعہ کیا گیا تو بعض مباحث نہایت اہم نظر آئے۔ لیکن کتاب غور کرنے پر محسوس ہو کہ ایسے نیک خاص زاویہ نگاہ کے تحت لکھا گیا ہے اور شروع سے آخر تک اسی ایک اصول کو ملحوظ رکھا ہے یعنی ایسا ہی شاعری کی تنقید مغربی ادب کے اصول پر ہادی النظر میں یہ چیز بری محسوس ہوتی ہے۔ پُرانا مکتوب ہے کہ مشرقی مغربی اور مغرب مغرب، یعنی مشرق کے شعور و میلانات مغرب کے شعور و میلانات اور یہاں سے بالکل مختلف ہیں شاعری جو براہِ راست انسانی زندگی سے وابستہ ہوتی ہے ملی خصوصیات، طبی حالات، قومی ضروریات سے متاثر ہوتی ہے اس لئے اگر تکلفان کی شاعری کو فارسی شاعری کے اصول تنقید سے اور فارسی شاعری کو دلائی اصول تنقید سے پرکھا جائیگا تو دونوں ملکوں کی شاعری عملات کا مجموعہ ثابت ہوگی۔"

یہی شریکِ صاحب کے اقول اردو شاعری اور اردو شعراء کا ہوا ہے اپنے نظریہ کی وضاحت کلیم صاحب نے جا بجا ان الفاظ میں کی ہے :-

"اردو شاعری کی تاریخ اپنا موضوع۔ یہاں اردو شعراء اور ان کے کام کی قائم کردہ مہارت سے تنقید منظور ہے۔ اس لئے صرف چند شاہرہ کے رنگِ منزل پر روشنی ڈالنے سے یہ مقصد حاصل ہو جائیگا۔ میر، سہروردی، درد، نقیہ جی، قنات، مومن، ذوق، مریضین میں اس کام کے لئے مناسب ہیں ان شاعروں کی قولوں سے یہ حقیقت صاف عیاں ہے کہ ان میں اعلیٰ پایہ کے شاعر ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ اگر یہ کسی مغربی ادب سے واقف ہوتے، نظم کے صحیح مفہوم سے آشنا ہوتے تو آج اردو شاعری دنیا کے ادب میں استعدادِ پست و جلی حالت میں نظر نہ آتی؟"

"اگر میر نظم کے صحیح مفہوم سے آشنا ہوتے اور بجائے غزل لکھتے تو وہ دنیا کے ایک بہترین شاعر بن جاتے؟"

"کاش اردو شعراء اس قسم کی نظموں کی طرف متوجہ ہوتے، اپنی قوتِ ایجاد ان پر صرف کرتے، واقعہ کہ اگر ایک مسلسل درمروطِ نظم میں بیان کرنا ممکن تھا لیکن اس کی بھی اردو شعراء میں نہایت ہی لطافت۔"

”اس طالت کا ادنیٰ نو ذبیحہ کہ حرمین خیال کو آفریں جو گن کے  
آفریں جن میں گیارہ مصرعوں میں بیان کرتے ہیں اسی خیال کی رعایت میں  
اگر کوئی نظم میں کمال جاہلیت و حق کے ساتھ صرف دو سطروں میں کی  
گئی ہے“

کتاب کے سرسری مطالعہ کے بعد چند غرضے منتخب کئے گئے ہیں ان سے نثرین کو محسوس  
ہونے لگا ہوگا کہ کچھ صاحب نے اردو شاعری کو کئی اصولوں پر جانچا ہے لیکن تعلیم صاحب  
غور فرمائیں کہ خود ایک اگر نہ تھا تو اس اصول کے مخالف ہے۔

کتبہ کے کسی شاعری کو اپنے ہموں سے نہ پرکھا جائے جن کو منظور کر کہ وہ  
نکلی گئی ہو۔ Fairy Queen R. Hurd  
Letter on Chinaiay and Romance

T. worlorn. observation on  
the Fairy Queen.

”اردو شاعری پر ایک نظر“ کا یہ پہلا نمایاں پہلو تھا۔ اب دوسری خصوصیت کا اظہار  
اسے پڑھ کر ناظرین کو محسوس ہوگا کہ اس کی شہرت کے کچھ

تاکہ مالک نے تیرے عہد میں پھیلا زمانہ میں“

تیسرے (۱۱) میر کی قوت عامہ مخصوص و محدود قسم کی تھی یا بول کے کہ میر کی دنیا  
تنگ تھی“

(۱۲) ان کے خیالات میں دلہنوں میں علی اور میر کی ہیں“

(۱۳) داخلی طاقت کی طرف ان کے خیال میں بھی اعلیٰ درجہ کی قوت پڑا  
نہ تھی“

(۱۴) اگر میر نظم کے معنی میں آشنا ہونے اور سمجھنے سے غزل کے نہیں  
کئے تو وہ دنیا کے ایک بہترین شاعر ہیں ہوتے“

(۱۵) اصل غرض لیکن ان کے کلام کی ناہمواری ہے۔ اس کا مستند حوالہ نہایت ہی  
بست و مختصر ہے“

(۱۶) دعائے عقلی، صنوی خیال، دہلی نغمہ، بھود میں تاثر و عدد کا  
تحریر ہے جس میں نہیں“

دور (۱۷) اس کتاب کا جذبہ ہے، اس قدر اس کیفیت سے درد کی شاعری  
قابل ہے“

(۱) اس کے علاوہ مشن جیفی کچھ ان کی جاگزیں ہیں۔ میر و سودا کے کلام میں بھی ایسی  
چاشنی موجود ہے“

(۲) ”در دہی کسی خاص تجربہ کا واضح بیان نہیں کرتے بلکہ منفرد اثرات و تاملات  
کی جھلک دکھاتے ہیں“

(۳) ”جن تجربات کی در در جانی کرنے میں وہ غیر نرس ہیں“

(۴) درد کی دنیا بھی میر کی دنیا جیسی محدود و تنگ ہے مشن جیفی اور اسکے  
خواندہ کے علاوہ دوسرے ان کی جذبات و کوائف، خیالات و احساسات  
درد کے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے“

سودا (۱۱) ان میں بھی اپنی جذبات و قوت افراغ نہ تھی کہ اپنے لئے کوئی نیا  
رستہ بخیز کر گئے“

(۱۲) کاش سودا کا ذاتی اعلیٰ پایہ کا ہونا تو وہ ایک بلند پایہ تجویز کا مرتبہ  
قابل کرنے“

ذوق (۱۱) اس عقلی خوبصورتی کا بھی ان کے اشار میں وجود نہیں جو سودا کے کلام  
میں تمام قسم سے اصل کی یہ ہے کہ جن کو ان نفسی، جن تصورات خیالی کی یہ  
تو جانی کرتے ہیں، وہ ان کے دلی و داغ میں کچھ بھی آتش افروزی نہیں کرتے  
اس لئے تاثر بھی گویا ایک قلم منفرد ہے“

(۱۲) ان کے اشار میں اہمیت اور افہام کی کمی ہے“

(۱۳) (قصیدہ گوئی میں) ”اشارہ کی ترتیب بھی ناخوش ہے۔ ارتقاء خیال غلطی  
نہیں سمجھتی ہے۔ ہر شعر کیل ہے اور ایک دوسرے سے بے نیاز ان اشار

میں سے چند اشارہ کو حذف کر دیا جاسکتا ہے اور مطلب فہم نہیں ہوگا، ایسی طے  
چند اشارہ کا اعادہ بھی ممکن ہے اور کوئی فرق محسوس نہ ہوگا اس سے یہ بات

پایہ ثبوت کو پورے جاتی ہے کہ ہر شعر لازماً نہیں اور آپس میں ربط کیل بھی  
نہیں۔ طرز ادا صاف فصیح، پر زور اور بڑے لیکن کیوں بھی تازگی و کشش

کا وجود نہیں۔ ہمارا ذکر ہے کہ ہر جگہ خشکی ہی خشکی نظر آتی ہے“

غالب (۱۱) غالب کے کلام میں چند مخصوص تقاضے ہیں۔ ایک تو اس کے کلام کی  
ناہمواری ہے۔ تیسرے درد کی طرح ان کا بھی کوئی خاص آغاز بیان نہیں وہ کم از کم

تین طرح سے ظاہر خیالات کرتے ہیں۔ پہلا رنگ میں خاموشی کا جذبہ ہے۔ دوسرا ظاہر  
بندشوں سے خاموشیت صاف نمایاں ہے۔ صرف ایسے چند الفاظ اور سکے پورے  
دیتے ہیں اور اگر نہ خیانت ہے جو ہر طریقہ پر“

(۲) غالب کے شمار میں اعتبار طرز انہماجی، یہی نامہاری ان کے

مضامین میں بھی موجود ہے۔

محکم (۱) مومن کی دنیا بھی محدود ہے۔ غالب و محدود کی دنیا کی طرح وسیع و فرخ  
نہیں مومن بھی اس ننگ دنیائے باہر پر نا بھی نہیں چاہتے اس لئے ان کے  
اختیار میں مضامین کے گمانے آنا شروع بھی نہیں جو غالب و محدود کو میر ہے؟  
میر حسن (۱۱) سے دیکھ کر ہر ذی فہم یہی کہے گا کہ ایسے کمال جانور دنیا میں نظر نہیں آتے  
ذکر شاعرانہ بے نظیر، جاں پر دستہ کلمات ظاہری و باطنی کا مجموعہ جو تو غیر  
معتوق کا پوچھا ہوا کیا ہے۔ سراپا میں وہ تکلف و نصنع کا استعمال ہوا کہ کبھی  
مرد نہیں۔

(۲) مثنوی میں اکثر اس قسم سے تفصیل و ادراک کی نوعیت ہوتی جو کلمہ مضحکہ خیز  
ہوتی ہے۔ عموماً انہیں فارسی سے اخذ کی جاتی ہیں۔ مضمون، انہماج مضمون کا  
پیرایہ دونوں پامال ہیں۔

(۳) نفسیہ نہایت ہی بڑا ہوتا ہے۔

(۴) بیان قمریہ باغ، شاعر نے پھولوں کا مسلک گدہ مرتب کیا ہے جس سے  
دل و دماغ سرور ہوئے لیکن پھر پھول مصنوعی ہیں جو خوبوئی کسی  
دیباچہ پھول کی سادگی میں ہوتی ہے وہ سارے باغ کو میر نہیں۔

مرثیہ کا بیان :-

(۱) آئین و تبر کے مراٹھ میں وہ نام ناقص موجود ہیں جو عموماً نصف مرثیہ  
میں پائے جاتے ہیں۔

(۲) میرت نگاری تو اردو شعرا میں سرا سر مفقود ہے ان کے مراٹھ میں بھی اسکا  
وجود نہیں۔

آزاد کی آزاد کی شاعری صرف حسن عشق کی قید سے آزاد نہیں، یہ ماحول کے اثرات  
سے بھی بیکار ہے۔

اسی طرز ادا کی سادگی اکثر بزرگی کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے جس سے طبیعت  
کمزور ہوجاتی ہے۔ صرف بزرگی ہی نہیں اکثر شربت کی طرف سے زیادہ اثر پذیر  
ہوتی ہے۔ یہ شربت حاسن شرک کی حامل نہیں ہوتی بلکہ حسیب کا مجموعہ ہوتی ہے۔  
اس کے خیالات کی رجحانی میں ایک جہد اور بدنامی داغ نظر آتا ہے۔ ترمیم الفاظ  
ظہری میں ہوتی ہے جس سے اثر باغ کی بدنامی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) آزاد محض بولی دماغ اپنے ساتھ لے گئے۔

دم، خجلاں سلی ہیں۔ اور طرز ادا سے شربت بیکار مضمون۔

(۵) شاعر جو جہد ہو، جو ایک نئے دور کی بنیاد قائم کرے، آزاد اپنے شعر  
نہیں۔ نہ تو اب کا کسی جگر نظر آتی ہے اور نہ کہیں شروع بھی ہو جہد ہے۔  
آزاد نے کوئی صنف ایجاد نہ کی۔ مثنوی میں مناظر قدرت کی تصویر کشی کوئی  
نئی بات نہیں۔ میر و محدود میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اگر کوئی نئی چیز ہے  
تو یہ کہ مثنوی میں یہ اخلاقی مضامین کو استعارہ کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔  
لیکن صرف اس وجہ سے انھیں جہد نہیں کہا جاسکتا۔ آزاد کم یا بہ اور محدود  
قسم کے شاعر تھے اور ضرورت تھی ایسے شاعر کی جو لطیف شاعرانہ اوصاف کا  
بدیہ اتم حال پر جو قوت ایجاد رکھتا ہو، جسکی نظریہ ایسی وسیع ہو کہ مرثیہ و  
مغزلی ادب اس کے لئے یکساں ہوں۔ جس میں ایسی آزاد کی نظر ہو کہ مرثیہ  
ماحول اور مذاق سے واقف ہو کہ کبھی اپنے ماحول کا بندھن بن جائے۔ آزاد  
میں یہ اوصاف مفقود تھے۔

حالی

(۱) "حالت حالی کے مضمون سادہ طرز میں ہیں لیکن شربت کا پتہ نہیں۔  
(۲) "مدرس حالی میں بھی نفس ہے کہ یہ نظم نقد لکھی گئی ہے۔ اس لئے  
اس میں ہر جگہ آدھ کی جلوہ گری ہے اور اسے آمد کی صورت اختیار  
نہیں کی ہے۔

(۳) "مدرس حالی کی ریگستان کے ہے جس میں کبھی کبھی کوئی مختصر  
سرور و نشاط بلکہ نظر آ جاتی ہے۔

(۴) "مدرس میں ایک اہم نقص اسکی بزرگی میں ہے۔

(۵) آزاد۔ حالی، شکی کسی میں محدود مضمون ہونے کی علامت دیتی ہے۔  
المیل (۱) حالی و شکی کا اثر المیل کی دو ایک نظروں میں طلب لیکن اس رنگ  
میں المیل کے کوئی قابل ذکر کا زمانہ نہیں کیا۔

(۲) المیل کا خیال و عین خیال بلند برآزا اس لئے آگئی نظروں میں کہیں شاعر  
ثروت نظر نہیں آتی۔ انکا خیال دور و نزدیک کی چیزیں بکھام نہیں کرتا،  
جو نقوش پیش کرتے ہیں انکا دماغ بزرگوں کی گراؤ نہیں ہوتا۔ ان کا خیال  
مختلف نقوش سے ایک حال میں یا کر سکتا۔ مختلف نقوش الگ ہی الگ  
رہتے ہیں۔

اگر :- ان کا بیان بہت وسیع ہے اس کا واسطہ وہ سوائے بزرگوں کیکن محدود  
کا زہد نہیں میر نہیں انسان کی تعلیم نسبتاً نجات ہی مختص ہوتی ہے۔

سودا کی طرح وہ طویل نہیں کٹے اور اگر کٹے بھی تو غالب زیادہ سیاق بہتے۔

شوقِ قدوائی (۱) شوق کی مخصوص سادگی بیاں موجود ہے لیکن اس میں وہ فوجِ شاعری اور مصہبت نہیں جو انجیل کا حصہ ہے۔

(۲) اگر غور سے دیکھا جائے تو کہیں غرضیات پر عین دبا بیک نظر نہیں (۳) اصل یہ ہے کہ شوق میں ڈرامہ نگاری کی قوت کی کمی تھی۔

اقبال (۱) افسرِ راہ اگر اس نظم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ ہر جگہ نجات کا اظہار ایک ہی شاعرانہ بیمار نہیں۔ صرف یہی نہیں جیسے جیہ لاث کا مضمون اور جذبات کا جوش و خروش ترقی پذیر ہوتا ہے اسی قدر شاعرانہ حسن کی طرف سے بے توجہی برستی جاتی ہے؟

یہاں (۱) اس طرز کی نظموں میں تمام وہ عناصر موجود ہیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔

(۲) وہ نہایت کاوش سے اپنے اشار و موزوں کہتے ہیں۔ ان اوصاف کی بھی ان کی نظموں میں موشااعرانہ تاثیر نہیں ملتی۔ سبب یہ ہے کہ یہاں میں تعدد اور تعین کا مادہ زیادہ ہے۔ وہ ان موضوعات کو جس پر اقبال نے طبع آزمائی کی تھی جمعیۃ موضوعاتِ شاعری سمجھتے ہیں۔

(۳) اسی طرزِ خیال اور افتادِ طبیعت کا نتیجہ ہے کہ انکی اخلاقی و سیاسی کلی و قومی نظموں میں شاعری کا خارجی چمکا ہوا ہے لیکن کہیں منفرد و ہم دنگان بھی نہیں ہوتا۔

(۴) جذبات کی صلیت موجود ہے لیکن کل نظموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی تعین اور تاقید پائی سے کام لیا گیا ہے۔

چلبست (۱) سوائے الفاظ کے اور کیا دکھایا ہے۔ یہی عالم تمام نظرات ہے۔

(۲) تقلیدِ آئین کی ہے لیکن نیمو دبیر کی نقالت سے شاہ ہے۔

(۳) اقبال کا رنگ جہاں ہے لیکن جذبات و تصورات محض سطحی ہیں۔

حقیقتاً (۱) شاہنامہ اسلام میں اعلیٰ بیانیہ کی شاعری کہیں نہیں ملتی۔ اس معنی میں کہ جس میں شہرت موجود ہے لیکن ان چند کڑوں کے ایک ہی بیع و شک بجا باں کی دہرو کی کمزورت ہے۔

اردو شاعری پر ایک نظر کی یہ دوسری خصوصیت تھی اسکا جواب بھی کلم صاحب ایک مزنی نقد کی زبان سے سنیں۔

”وہ قادرِ جو بھی یہ بتا ہے کہ کسی آدمی کا نام میں کیا کیا عناصر ہیں مجھے کوئی ایسی بات نہیں بتانا جو اس کے ہلکے بہتر میں چلے گی۔ یہ تسلیم نہ کرنا، لیکن وہ جو کسی کا نامہ کی خوبیاں بتا رہا ہے اور ان کی تشریح کر رہا ہے وہ خشک مجھے ایسی دیکھ معلومات فراہم کر رہا ہے جو مریدِ بحر بھی مجھے مال کرنے میں مدد نہ دے۔“

S. T. Coleridge.

Biographical Literature

تیسرا پہلو کلم صاحب کی شرفی ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

”راتِ پی زمزم“ ہے اور مصہم دھوئے دیتے جا، عوام کے

کہا ہوا اگر بارے شرابِ زدی۔ راتِ زمزم کی پی اور مصہم جانہ احوام سے داغ بیکشی شادیا۔ معلوم نہیں یہ بیکشی عالمِ خیال میں نصیب ہوئی یا شادیا ہندے عرب ہو چکا اپنی کرامت کا ثبوت دیا۔ اب بھی اگر مشرقِ نظرات نکالے تو انکی کم نصیبی ہے کہ ایسے صاحبِ مجرہ کی قدر و منزلت نہ کی اور کم ظرفِ دیکھوں کو سر جو حیا۔ اس شکر کی جگہ غفلت کے کاٹے مطلع کے بعد بھی

دل کو انکھوں نے چھنایا، کیا مگر یہ بھی حلقہ میں ہمارے دام کے حلقہ میں ایک دل آویزاں ہے لیکن شاعر اور سب سے تو انکھوں کا یہ بھی گویا دامِ میو کہ کم نہیں۔ زمزم، جانہ احوام، سے دیتے اب چندوں سے اور دل، انکھوں دام کے طبقوں سے کوئی ظاہری و باطنی نکا دیتیں۔

راتِ پی زمزم ہے اور مصہم دھوئے دیتے جا، عوام کے اس شعر میں ایک واقعہ کا بیان ہے۔ شاعر نے راتِ زمزم پر بیکشی کی اور مصہم کو جانہ احوام پر جو دیتے پڑھتے تھے انھیں دھوکہ صاف کیا۔ اب چند سوالات رونما ہوتے ہیں۔ شاعر کی بیکشی واقعی ہے یا خیالی؟ شاعر نے کیوں اس فعل کا اس کتاب کیا؟ اگر بیکشی کی تھی تو جانہ احوام کے دیتے کیوں مٹائے گئے؟ کیا شاعر کو خدائت ہوئی اپنی حرکت ناشائستہ پر؟ مخاطب کون ہے۔ ان سوالات میں سے کسی سوال کا بھی جواب نہیں ملتا۔ یہ محض ایک فعل کا بانی ہے جسکی وجہ اور غایت سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے ذرا تخیل پر پراگندگی کے علاوہ اور کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حش نے غالب تک کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۴ کے آدمی تھے۔ اس کوڑے کا مطلب واضح نہیں کس کام کے تھے؟ کن جہاد پر پورے آتے تھے؟ مذہبی یا دنیاوی؟ اخلاقی یا سیاسی یا قومی؟ عشق سے کیوں نکلا کر دیا؟ قصور مشن کا ہے یا اپنا؟  
شرفی کے اس پہلو پر نظر کرتے ہی محسوس ہونے لگتا ہے کہ کچھ صاحبِ جمال فارغانِ بابائِ جمال عیارِ مذہب سے کام لیتے ہیں یا پھر مغربی شروادب کے مطالعے نے جسکا دعویٰ ان کی تحریروں میں جا بجا دکھائی دیتا ہے انھیں مشرقی شاعری سے اتنا دور کر دیا ہے کہ وہ اس کے بجائے بھی تھمر رہیں۔

ایک عجیب دعویٰ اس کتاب میں یہ ہے کہ ”گلِ نر“ کی اشاعت سے اردو شاعری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ میں نے کچھ صاحب کی اس بڑا رت سے پتلے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ ان کے مطالعے جو تاثرات مرتب ہوئے وہ انشاء اللہ اگلی قسط میں پیش کیے جائیں گے۔  
میں نے تصدیق کچھ صاحب کے خیالات کے اظہار پر اکتفا کی تھی لیکن بعض حضرات کی فرمائش ہوئی کہ ان کے متعلق میں اپنے تاثرات بھی قلمبند کروں چنانچہ اپنی مختصر رائے عرض کر رہا ہوں۔

(۱) سب سے نمایاں چیز مجھے کچھ صاحب کی تنقید میں یہ نظر آئی کہ وہ شرف کو مزب کی جگہ سے دیکھتے ہیں۔ اردو شاعری کا ماحول مغربی شاعری کے ماحول سے مختلف ہے۔ دونوں جگہ شروادب کا نظریہ اسکا مقدر اور غایت ملحد ہے۔ عجیب بات ہے کہ کچھ صاحب ان قوموں کو جو انھیں بعض انگریزی نظموں میں نظر آتی ہیں اردو میں ڈھونڈتے ہیں اور انہیں پا کر انھیں باؤسی ہوتی ہے تو اردو شاعری کے دامن کو کافی اور اس کے مستقبل کو تاریک سمجھتے گئے ہیں۔ حالانکہ اردو شاعری کے اتنے محاسن ہیں جو مغربی ادب میں نہ پائیں گے۔

(۲) دوسرے وہ تنقیدی مضامین جو کچھ صاحب بار بار ہتھیالی کرتے ہیں۔ مثلاً دلبط و نسعل۔ ذہنی انتشار۔ ابتداء ترقی اور انہما۔ اتفاق اور توازن۔ سب مغربی ادب کی تنقید سے مستعار لی گئی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ انگریزی ادب میں بھی ممکن اور مکرر ہے اور نہ صرف شاعر بلکہ تنقید بھی سو برس ہدی کے آخر سے بیروں ہدی تک مختلف نظریوں کی ترجمان رہی ہے پھر جدید ترین نظریوں پر اب سے دو سو سال پہلے کی شاعری کو کیسا نہ معلوم کہاں کی تنقید یا انصاف ہے۔

(۳) ایک اور نمایاں کردہ شاعری کچھ صاحب کی یہ ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کے لیے ہرگز اسے اردو تنقید کا کام غالباً یوں نہیں پڑا کہ پڑھا ہو تو قابلِ ملاحظہ نہ ہو۔

سے کام لیتے مثلاً اردو شاعری پر تنقید کرتے ہوئے اسے فارسی کی تنقید میں گرفتار بناتے ہیں لیکن کتاب میں شروع سے آخر تک کسی سوال کی ان نامور اندکوشوں کا ذکر نہیں جو دکن میں ہوئے اور جہاں اردو شروادب پہلے پروان چڑھی، دکنی شاعری اپنی بیشتر خصوصیات میں فارسی کی تقلید سے آزاد ہے، مثلاً وہاں طالبِ عورت ہے اور مرد اسکا مطلب ہے۔ عورتوں کے جذبات اور ان کے خیالات بڑی خوبی سے ادا ہوئے ہیں۔ کچھ صاحب ان سب سے بیگانہ ہیں یا جا بجا ان کا بیان بنے ہیں۔

اسی طرح تذکروں کو وہ شاعر کے کیواہ واہ سنہتے ہیں۔ بعض نہیں کہ برقی میر جن کی مدد غنی ضربِ لٹری ہے وہ نیز پورے کچھ محض دفنی طور پر متاثر ہو کر اسے دیں یا مصطفیٰ اعلیٰ شہتہ جن کی شرفی کا اعتراف جاتی ہے بھی کیہ اور خود کو ان کا بیرون منت بتا رہے ہیں۔

کاش کچھ صاحب ان تذکروں کو غور سے پڑھتے لیکن وہ تو تحقیق ”ان کا کلام“ بتاتے ہیں جو تنقید کے میدان میں باڑی پار کئے ہیں۔ خدا کے کچھ صاحب بھی اپنی سبک کا اعتراف کر کے تحقیق کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ان کی صلاحیتیں انھی بروئے کار آسکیں۔ ان تذکروں کے مطالعے سے واضح ہو گا کہ اردو شاعری کی شرح کیا ہے لیکن انھوں پر ہمارے ناقدین نے شکر کیا ہے اور کس نظریہ کے تحت شکر کوئی اختیار کیا ہے۔ یہ باتیں ایک بار غور و نظر سے لے کر فراموشی میں۔  
(۴) جا بجا کچھ صاحب نے تنقید میں مزاج اور اذیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ کوشش کا شک کا بیابان ہے اسکا اندازہ آپ کتاب کی فول کی تنقید اور اس کی تشریح کو قلمبند کر سکتے ہیں۔

(۵) مجھے کچھ صاحب کی شرفی میں شہر ہے مثلاً اس شعر میں  
رات بی مزہم برے اور مجھم دھوئے دھوئے جانہ احوام کے  
کچھ صاحب اسے عاشق کی طرف متوجہ کرتے ہیں یعنی جیب مشوقی سے شرابِ دہی تو مزہم بر بی لی۔ حالانکہ اس شعر میں دیا اول کی طرف صاف اشارہ ہے۔ پھر اس شعر کے متعلق  
عشق نے قاتل کیا کو دیا  
دور نہ بھی آدمی ہو کام کے

یہ کلام کے آدمی تھے اس کوڑے کا مطلب واضح نہیں، کس کام کے تھے؟ کس جہاد پر پورے آتے تھے؟ مذہبی یا دنیاوی؟ اخلاقی، سیاسی یا قومی؟ عشق نے کون کیا کر دیا؟ قصور مشن کا ہے یا اپنا؟ جتنا ہے کہ اسکا لفظ ادنیٰ شرفی ہے۔



# اردو کے چند جوان شاعر

عمر یاد کر دیت غلامی نالہ جیات  
تا زبیر عشق بکٹ اناؤ دار ایدروں (اقبال)

ہر شاعر ایک پنیا پر ہوتا ہے۔ اسکا پیغام نہ صرف کسی قوم، ملت، مذہب یا وطن ہی کو محدود ہوتا ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان تک اپنا پیغام پہنچاتا ہے اور ان کو ایک نئی دنیا کی محبت دیتا ہے جہاں دم و دو کی سرحدیں آپس میں مل جاتی ہیں شاعر جو کہ کسی مخصوص دائرے سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے ہر دماغ ہوتا ہے۔ اس کی جیسی میٹھی آواز ہر دل میں گونگ لیتی ہے اور اس کے غریب لئے ہر وقت کائنات قلب میں گونگ کرتے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر کے شباب کی کلی کھلے بھی نہیں پانی کر چھین اہل لائے مسل ڈالے ابد ہزاروں امیدیں خاک میں مل کر بھاتی ہیں۔ یہ شاعر کی موت نہیں ہوتی بلکہ قوم کے شہداء کی وطن سے پرستار اور ہر ذریعہ انسان کے ایک پنیا پر کی موت ہوتی ہے۔ وہ جوان مرگ شاعر جو قوم کا ارمان اور ملک کی امید ہو اسکا اسکی سوانح جیات فونی لفظوں میں لکھ جانے کے قابل نہیں ہوا بلکہ مخصوص اردو میں کہ مایہ زبان ان نا قابل طافی نقصانات کو کو کر برداشت کر سکتی ہے اور وہ ادب کا مرقعہ اس قسم کی درد انگیز تصدیقوں سے خالی نہیں جب ہماری نظروں میں غالب، انیس، اقبال وغیرہ پڑتی ہیں تو ہمارا سرخوشی اور غم سے اوجھتا ہونے لگتا ہے لیکن جب چکیت جیسے حال مرگ شاعر ہماری نظروں سے گزرتے ہیں تو انھوں نے اس کے ساتھ ہماری کلینک نم آواز پوجاتی ہیں۔ اسی طرح چند اور ممتاز ہستیوں نے اپنے عالم شباب میں دنیا سے ادب سے رخصت ہو گئیں۔ اردو کی نہ معلوم انہی سے کیا کیا امیدیں وابستہ تھیں لیکن موت کی آنکھیں آنی اور ان تمام چراغوں کو گل کو گئی۔ کیا کبھی نسیم چکیت، سرور، روائے اور قادر وغیرہ جیسے ہونا لیکن جو ان مرگ شاعروں کی کمی پوری کی جاسکتی ہے؟ آج یہ ہستیاں ہیں غمناک نظر آتی ہیں لیکن ان کی بلند فطرتیں، اذاب بھی فضا کے عالم اور خصوصاً ہندوستان میں گونگ رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے۔

نسیم بھٹوی | نیت دہشتگرہی نسیم، آتش کے خاکہ دار اور  
۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ مشہور غزلیں اور کلام نسیم کے کتب خانے ۱۲۲۵ء

نسیم بھٹوی گلاز انیسیم اپنی اچھوتی نسبوں - استعداد اور فطری مناسبوں کے لئے مشہور ہے۔ روائی، فصاحت، اختصار، شگفتگی اور محاورے کی صفائی انکی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس سے قابل مصلحت کی نازک خیالی، جودت طبع اور بلند پروازی پر ہر تعریفی ثبوت ہوتی ہے اس میں تعینت زیادہ ہے اور نازک کر چکیت نے دیدہ پتہ گلاز انیسیم میں لکھا ہے۔

میر حسن سن آفریں میں انیسیم معنی آفریں میں۔ میر حسن محاورہ اور روزمرہ کے بادشاہ ہیں۔ ہستیاہ و تشبیہ نسیم کا مہر ہے.....  
نسیم کی زبان نہایت طبعی پاکیزہ ہے اور اسے لفظوں کی نظم کی زبان سمجھا جاتا ہے۔

دراصل سحر البیان اور گلاز انیسیم کا مقابلہ کرنا درست نہیں۔ دونوں طرزِ حیدر اور راستے مختلف ہیں۔ ہر اخیال ہے کہ گلاز اردو غنوی کو ان کی تعویذ کر لیا جائے تو گلاز انیسیم اسکا دماغ ہوگی اور سحر البیان اسکا دل۔ دماغ گلاز انیسیم سے اور دل سحر البیان سے مراد ہوتا ہے۔ ایک کدو مرے پر زنج دینا سبب نہیں۔ سادگی فصاحت اور تاثیر میں سحر البیان یاد گار ہے اور اختصار، تعینت نازک خیالی اور جودت طبع میں گلاز انیسیم آپ اپنی مثال آپ ہے۔ عام وقایع کی مقبولیت سے گلاز انیسیم کدو ہمارا دواں بخشی جس پر نزاں کو دسرس نہیں اور اس جواں مرگ شاعر کو اردو ادب میں جیات جاوید عطا کی۔

سرور جالبی بادی | سرور سائے نام۔ سرور شخص تھا۔ جہاں باد  
خیز جی بہت آپ کا ہوا۔ سرور سکن غمناک شاعر  
۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ماحلی کونے کے بعد

مولوی سید کرامت حسین جہاد مرحوم سے فارسی کا کتبہ کیا اور انھیں کی شرح علم سے لکھا۔  
نور علیا کا تمام خزانہ تنقید میں کلام بیا سمان نظر مطالعہ کیا۔ اس سے ان میں شرفی  
کی قوت پیدا ہوئی اور ان کا ذوق شری بھی تربیت پایا۔ وہ شاعر پیدا ہوئے تھے انکا  
تخلص شاعر شاعر خاویہ قلم جدید دونوں زبانوں کے رنگ کے پھولوں سے آراستہ ہے۔

ان کا کلام بوجہ دور کے بلند اچھوتے اور نازک خیالات سے محو ہے جس کے درود و حریت  
موز و گداز اور وطن کی محبت آشکار ہوتی ہے۔ بیاں ہر آنکے بیان خدا کی کی لفظ  
ذہنی تخیل اور شان و شکوہ الفاظ بھی بوجہ ہے۔ ملاحظہ فرماتے کہ طالب نہ  
تھے، لیکن مگر نگاری کے باعث بہت جلد ان کی شہرت تمام ادبی فضا میں فوجی کی طرح  
پھیل گئی۔ سرور خانی الشرف نے ان کا سارا وقت خرگوئی میں گزرا۔ اس کے سوا  
ان کو کچھ کام نہ تھا۔ آزاد مزاج، زہد مغرب اور فکر فرار سے آنا دتھے۔ عادت میں  
سادگی تھی اور مزاج میں نصیب کا شائبہ بھی نہ تھا۔ طرز زندگی بھی نہایت سادہ  
اور نود و ناکش سے پاک تھا۔ اسے خوشی کی بڑی عادت تھی۔ منہ بے کہ انھوں نے اپنا  
کلام فروخت کیا۔ انہوں اس بیانات کا ہے کہ مرتے دم تک ان کو اپنے کلام کے چھینے  
کی خواہش رہی۔ مرتے کے بعد ان کا کلام دو مجموعوں "خمنہ سرور" اور "مجموعہ سرور"  
کے نام سے شائع ہوا۔ لیکن یہ گزشتہ بحث خلو اپنی زندگی میں اپنا کلام چھاپوانا  
دیکھ سکا اور ۳ دسمبر ۱۹۱۹ کو ادبی دنیا سے ہیضہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

سرور کا کلام گونا گوں محاسن کا مجموعہ ہے اور بعض خصوصیات کے باعث  
وہ متاثر و درہم رکھتے ہیں۔ جذبات نگاری میں ان کو خاص مکرر حاصل ہے۔ خصوصاً  
غم آئیں اور درد و ہجرے جذبات کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں کہ آہ نکل جاتی ہے  
ان کو اجمالاً لکھا جاسکتا ہے۔ خیالات کو درد و ہجرے بگھے اور عذبت بیان سے  
ادا کرتے۔ جب لوطنی کے خیالات بڑی شیرینی، بلند، رنگی زور اور اثر کے ساتھ بیان  
کے ہیں ان کا پیغام کسی خاص قوم یا مذہب کے لئے نہیں۔ وہ سارے ہندوستان  
بلکہ ساری دنیا کو حب الوطنی کا درس دیتے ہیں۔ اس ذیل میں انکی نظمیں خاکِ وطن  
"مادر ہند" حسرت وطن وغیرہ یادگار ہیں۔ ان کے بیان ناریخی اور مذہبی نہیں  
بھی بنتی ہیں۔ جن میں درد، غم، زور، روانی اور شیرینی کے دریا بہتے ہوئے  
معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو اگر بڑی نظموں کے زمرہ کہنے میں بھی خاص قدرت حاصل ہے  
جہالت میں جھانکا اور ہندی کے کچھ شیعے الفاظ بڑی خوبی سے گھومتے ہیں۔

ہندی تخیل، رنگین بیانی، لطیف و دلکش تشبیہیں، درد و اثر ان کے  
کلام کے خاص جوہر ہیں۔ کلام میں تنوع بھی ہے۔ طبیعت ہندی طور پر غم و غنج

سے ماوس تھی۔ اس لئے ان کی آواز ایک ٹپٹے ہوئے دل کی آواز معلوم ہوا  
ہے۔ خیال کی رنگینی، درد و اثر کے ساتھ شیر و شیر ہو گئی ہے جس سے ایک  
بیان لطیف اور زلازل پیدا ہو جاتا ہے۔ دل کے گہرے جذبات کی ترجمانی  
نظر نگاری اور صبا و طبعی کے خیالات ظاہر کرنے میں انھیں بڑی خوبی حاصل تھا  
ان کے کلام میں بعض خیالات بھی ہیں لیکن صرف ان خیالات کی دہر سو پڑے  
کلام پر کوئی دھبہ نہیں آتا ان کی شاعری بیجا بیاد نہیں اور پیغام کے لئے آنا  
ابو بھی مناسب نہیں انکی شاعری، انقلابی شاعری بھی نہیں کہ جاسکتی ہے اس لئے کہ  
نظموں میں کوکت، تجش اور بلیت بھرت کم ہے۔ البتہ گرمی جذبات فرد  
ہے۔ ان تمام باتوں کے، باوجود، دور حاضر کے قناز خوار اس سرور کو  
جگر دی جاسکتی ہے۔

نادر علی خان شخص یہ نادر طرز جدید کے بہترین  
نادر کا کوری  
وفات ۱۹۱۲ء

ادب اردو میں لکھا ہے کہ وہ بائرن (BYRON) اور ٹھوس مورا  
(THOMAS MORE) کے اپنے طالب علم تھے وہ چاہتے تھے کہ  
مغربی خیالات کو اردو نظموں میں شیرینی اور سلاست کے ساتھ ادا کریں۔ اردو  
کی زبان ہے اس میں وسعت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دوسری  
زبانوں کا لہجہ بھی دھالا جائے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اردو میں صرف فارسی  
کے خیالات ہی ادا کئے جائیں۔ اور مغرب کے اعلیٰ خیالات کو اردو جلا کر پھینکا  
جائے۔ نادر مغربی اور شرقی خیالات کو اردو نظموں میں گونا گونا چاہتے تھے۔ نادر  
خاک وطن کے پر غم و غم خندان تھے۔ اسی لئے انھوں نے حب وطن کے خیالات  
کو سادہ پربوین اور میٹھی زبان میں ادا کیا ہے شمع و پروانہ "شعرا و امید"  
"فلسفہ شاعری" ان کی چند یادگار نظمیں ہیں۔ وطنی اور قومی نظموں میں  
"مقدس سرزمین" اور "مادر ہند" ان کی شاہکار نظمیں بھی جاسکتی ہیں۔  
بین الاقوامی سال کی عمر میں ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ انہوں نے عمر بھر لکھا  
نہ دیا ورنہ انکا مشہوریت اور شہرت اور سطح نظر اعلیٰ۔

شعبہ ادب و فن خط ہے۔ اس سرزمین  
برکت پر گئے شاعر، حکم، فلسفی اور بابر  
پیدا کئے۔ لیسم اقبال، جابر لال نس

چکیت لکھنوی  
۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۶ء

مترجم ہندو سوامی مرزین کے ہمارے فرزند ہیں چکیت بھی اس کے ایک روشن ناسخ  
نئے ادب کے بغیر بجا طور سے فخرنا مستلزم میں بخام فیض آباد پیدا ہوئے۔ گھنٹہ  
شیراز ہند "کہتا ہے اس کی خاک میں عجب مقدس کشتی ہے کہ تمام کائنات میں فن کو  
اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ چکیت کو بھی اس ہمارے مرزین نے اپنے آغوش میں لے لیا۔  
ادوہ منغل طور سے وہیں ختم ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت پا کر کیننگ کالج کھنڈ  
میں داخل ہو گئے جہاں سے بی۔ اے پاس کیا۔ ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری لیکر کالٹ  
فوریہ کو دی۔ راستے بریلی کے اسٹیشن پر جبکہ وہ ایک مقدس سے واپس ہو رہے  
تھے۔ یکایک فانیہ گرا، فانیہ چکیت کی موت کا بیانا لایا تھا چکیت نہایت تین ہجیرہ  
پڑھوں اور ملک و قوم کے بچے دوست تھے۔

انکا حقیقہ تھا کہ محض خیالات کو توڑ کر نظم کو دنیا شاعری نہیں بیک  
خیال میں خیال کی ناز کی ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور تاثیر کا جو ہر فرد و  
اسی اہم کی کو غولوں نے نظم و نثر دونوں میں پیش نظر رکھا۔

چکیت کی شریں سنجیدگی، صاف، نہ تکلفی، زور اور انداز لال ہے۔  
وہ ایک ایک عبادی رسالہ "مجھ اُمید" کے نام سے نکلتے تھے "مطلعون" کے عنوان  
سے غالب اور انش کے منتخب اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ اس سے ان کے صحیح مذاق  
شعری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے مضامین کا وسیع مجموعہ مضامین چکیت کے نام سے  
شائع ہو چکا ہے۔ شریں وہ کوئی صاحب طرز نہیں بلکہ عادی اور آزاد کے فرائض ہیں  
معلوم ہوتے ہیں۔ نفاذ کی کیفیت سے بھی انکا دہرہ کافی بلند ہے لیکن عادی، مستحالی  
اور دیگر متاثران سخن کی صفت میں انکا ہرگز نہیں ملتا۔

ان کی غزلیں پر انش اور غالب کا رنگ ہے۔ زبان دلکش، روزمرہ اور  
مترجم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ انکا لہجہ سادہ ہے۔ غزلیں میں قوی جذبات، نکات  
اخلاق اور ہندو نصاریٰ بھی ہیں۔ اخلاقی اور اصلاحی نظریں بھی کافی ہیں لیکن انکے  
ادب و شریں سے خالی نہیں ہیں۔ غزلیں میں نظریاتی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ نفسیاتی  
بھی کہیں کہیں ملتے ہیں لیکن یہ زیادہ عین اور دیہی نہیں۔ سائنٹیفک مسئلوں پر شری  
مرات سے غزلیں میں مدہشی ڈالی ہے ان نام غزلیں کے باوجود۔ چکیت کی  
غزلیں میں کک، چھین اور غلش نہیں ہے۔ انکی آواز ڈٹے ہوئے دل کی آواز  
معلوم نہیں ہوتی وہ نہ مکمل کر نہیں سکتے ہیں اور نہ دوسکے ہیں بلکہ ایک عجیب مقررانہ  
سجیدگی کی سی جھاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

نظریں میں وہ آپس کی تنقید کرتے ہیں لیکن اکثر وہ ناکامیاب سے معلوم ہوتے  
ہیں (گو وہ کبھی کبھی کامیاب بھی ہوتے ہیں) اس لئے کہ دیر کی تعانت ظاہر ہونے لگتی ہے

بد کی نظریں میں اقبال کا ابتاع کیا ہے جس میں وہ کافی کامیاب ہوئے ہیں اسی میں  
ان کی کسی شکوہ ہوئی۔ چکیت شراب وطن سے غور تھے۔ اس شراب کی شریں انکی سادی  
نظریں سے بھٹکتی ہے چکیت کی قوی و وطنی نظریں اکثر بٹھتی۔ برادہ۔ دواں اور  
پرتا شریں ہوتی ہیں "خاک ہند وطن کا رنگ"۔ ہمارا وطن "اس قسم کی شہور اور بھی  
نظریں ہیں چند پھر نظریں بھی ان سے یادگار ہیں۔ مناظر فطرت کی تصویر کچھ اس طرح  
کھینچتے ہیں کہ نظم کی سادگی، شریں اور روانی سے دل و دماغ کو وہی لطیف حاصل ہوتا  
ہے جو اصل فطرت سے، گویا انھیں فطرت نگاری میں مکمل حاصل تھا "برادہ"۔  
"ہمارا شان کشیر" اس قسم کی بہت اچھی نظریں ہیں۔ ان سے مناظر کی تصویر کشی کی فنی  
ظاہر ہوتی ہے۔ مذہبی نظریں میں رام چند کی نصت "ان کی شاہکار نظم ہے۔  
جس کا ہر ہر لفظ، درد و اثر و طبع و محبت کی داستان ہے۔

غرض ان کی نظریں میں روانی شریں، اثر اور شان و شکوہ الفاظ کچھ  
موجود ہے۔ ان غزلیں کے باوجود یہ کہتے بغیر نہیں رہا جاتا کہ وہ کسی غیر معمولی ادراک  
کے مالک نہ تھے اور نہ وہ صاحب طرز ہی تھے۔ البتہ قوی شاعری کو آپ وزنگ سے  
اور مناظر فطرت کی توسع الوہی سے تصویر کشی میں وہ کمال رکھتے تھے اور تسلسل کی کڑی  
کبھی نہیں ٹوٹتے دیتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ روانی کا دریا بہہ رہا ہے لیکن ان کے  
ہاں ہر کا در، انیس کی کسی قادر الکلامی اور اقبال کا سافلیقا نہ عین مفقود ہے  
اگر موت انھیں جلت دیتی، تو شاید انکی شاعری ان چیزوں کو حاصل کر لیتی، طبع نظر  
اسکے، دور حاضر کے شاعروں میں وہ صفت اول میں جلوہ گر ہیں۔ ان کی خدمت  
ادب و ادب میں ہمیشہ فروخت کی نظر سے دیکھی جائیگی۔

اسے کاش؟ وہ کچھ اور زندہ رہتے؟

رواں تکلف، جگت مومن نام تھا۔

## جگت مومن رواں

۱۸۸۹ء میں کٹر عدم سے عالم وجود  
میں آئے۔ خدا و ادوات اور غنمی پائی تھی۔ بی۔ اے اقبالیہ خصوصیت  
سے پاس کر کے ایم۔ اے کی ڈگری بھی نمایاں کامیابی سے حاصل کی بھرا لیل۔ بی۔ ایل۔ بی۔  
پاس کرنے کے بعد آناؤ میں وکالت شروع کر دی۔ خود شاعری سے خدا و ادوات بہت  
تھی۔ ذوق شری کی آگ بچپن سے سینے میں شعل تھی جو تیرہ بکبرہ نکلی، عزیز کھنڈی  
سے شہرہ سخن کرتے تھے۔ اور دوسکے علاوہ فارسی پر بھی کافی عبور تھا۔ اردو میں  
غزلیں کے ساتھ ساتھ نظریں اور رباعیاں بھی ملتی ہیں۔ نہ ریت بیان سے نظم میں  
ایک خاص طور کی آب و تاب آجاتی ہے جس سے دلی میں کک اور دماغ میں  
کیندہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ خیالی کی بلندی، شاعرانہ نکات سے بھر پور

## نذرِ میر

رات اور فکرِ نارسائی کی انتہا ہے شکستہ پانی کی  
جس کے لئے کاغذِ سلا ہو دو کر کو کششیں پانی کی  
نالہ دل سے کیا کروں شکوہ اسے عادت ہے نارسائی کی  
خارِ صحرا نے دعوتیں دیکر شرم دکھ لی برہنہ پانی کی  
شام بھی مضطرب ہونے کو دھوپ سمٹی نہیں جدائی کی  
یہ سن زار، یہ گھٹا، یہ بہار ہے کمی انکی جلوہ زاری کی  
لب رو کا تو آنکھ سے جھلکیں سوزِ شیں ضبطِ انتہائی کی  
لبط و ضبطِ قفس کو کیا کہئے کوششیں لاکھیں پانی کی  
جیسے ہوگی کبھی سحرِ طلوع شام دیکھے کوئی جدائی کی  
چھایا حسنِ دونوں عالم پر جب محبت نے ہموائی کی  
نہیں عمرِ ابد قرار سے کم اک گھڑی پ کی جدائی کی  
آنکھ سے بھی ہے بندگی ممکن کیا ضرورت ہو چہ سانی کی  
یہ تو راہ گیر و راہ سہاگین رہزنی کی کہ رہنمائی کی  
بندگی و جہناز ہو کہ نہ ہو بات تو رہ گئی خدائی کی

رک سکے اشکِ غم نہ اے اعجاز  
ہم نے کوشش تو انتہائی کی

اعجازِ صدقہ

بڑا لطف دیتی ہے۔ سائنٹفک خیالات سادہ اور صاف گردنیں لباس میں  
جلوہ گر ہوتے ہیں۔ فلسفیانہ مضامین بھی رواں کی شاعری میں کہیں کہیں بھلکتے  
ہیں وہ کبھی کبھی مزاج کی ہے، ہندی شیش و ساغر میں پیش کرتے ہیں۔ سلاست  
انوارِ جذبات کی رنگینی سے ان کی شرابِ سخن میں کیف و سرستی کا عالم پیدا ہو گیا  
ہے۔ انوس ہے کہ اس ہونہار شاعر کی کشتی عمر قبل از وقت موت کے بے پناہ  
سمندر کی گرتی ہوئی لہروں میں نظروں سے پوشیدہ ہوگی، اب تک اُردو ادب کے  
آئینے سے ایسے ہونہار شاعروں کی یاد میں خونِ پیکنا ہے۔

مولانا حالی نے "حیاتِ سعدی" میں یہ کلمہ ہے: "علم و فن میں کمال کا درجہ  
حاصل کرنے کے لئے زیادہ عمر پانی ضروری ہے۔۔۔۔۔ شاعر جتنقدر بڑھا ہوتا  
جاتا ہے شاعری جوان ہوتی جاتی ہے۔۔۔۔۔ جن شاعروں نے تھوڑی عمر  
پانی ہے گو کہ ان کی قابلیت و استعداد اعلیٰ درجہ کی تھی مگر ان کی شاعری میں مزور  
کچھ نہ کچھ نقصان رہ گیا۔" پھر بھی جن چند شاعروں کا ذکر مختصراً کیا گیا ان میں سے  
بیشتر ایسے ہیں جن کو دنیا سے ادب بہت جلد فراموش نہ کر سکے گی۔ ان کی شاعری  
کو تاروں نے چمک، پھولوں نے تروتازگی، چشموں نے نرم، آفتاب نے ہندی،  
چاند نے نور اور نطرات نے حیاتِ ابدی بخشی ہے۔ انھوں نے شاعری کے رنگین پھولوں  
سے ادب کی مغل سہائی تھی۔ اس لئے جب وہ آزاد کے بھائے ہوئے بھائی و دام  
کے دربار میں جلوہ گر ہوئے تو عربی شیرازی ہاتھ بڑھا کر ان کا استقبال کر گئے۔  
چلن (THOMAS CHATTERTON) اور بائرن (BYRON) مکرانے ہوئے فریبِ بیخنی کی دعوت دی گئے؟  
حقیقت یہ دو بزمِ ادب ہے جس کے لئے اُردو ادب کو اب تک  
دستِ بدعا رہنا پڑے گا۔

شیرِ ابوانِ سحرِ قد فر و زان ہو ترا!  
نور سے سمور یہ خاکی شبتالی ہو ترا!  
آساں تیری محرابِ شبنم افشائی کرے!  
سبز و نور سے ہر گھر کی ٹھکانی کرے!

تسليم برنی

## اندھیرے میں

اُمی کو تو یہی دھڑکا کھائے جانا تھا کہ سر کھلا ہے، میز ڈھانپ، یوں نہ نہا کر،

ہونٹ سی لے، یوں ہاتھ اور آنکھیں نہ مسکا کر اور نہ جانے کیا، کیا؟

”کو کیا ہے؟“ اس جوں ہی کرے میں گئی بیٹا پوچھ بیٹھے جواب، میں نے

آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور آنکھیں جھپلیں اور پکار کر کہا: ”نکل آئیے بھیا“

بجیا نکلیں تو دوسرے کمرے میں چلی گئیں، بیٹا چپ، چپ بیٹھے رہے، میں نے

جھک کر دیکھا تو وہ آنکھوں کے غلارے بجیا کو دیکھ رہے تھے گلے بڑا غصہ آیا

اور بیٹا زور زور سے ہنسنے لگا میں کمرے سے نکل گئی، بیٹا ابھی تک اپنی فتح پر

ہنس رہے تھے!

بجیا کمرے میں کنگھی کر رہی تھیں آج انھوں نے بت اپنے کپڑے پہنے تھے بجیا

بہت حسین معلوم ہو رہی تھیں۔ میں نے پیالہ مال صاف کر کے بزرگ دیں اور بجیا کا اشفاق

کرنے لگی۔ فوراً ہی بیٹا نے نالی بجائی میں کمرے کی طرف چلی گئی تاکہ دودھ اڑے بند

کر دوں۔ ارشد بھیا بولے:—

”نہ اسی دھار رکھا“

”نہیں، نہیں“

”کیوں؟“

”ایک دن تو آپ بھیا کو دیکھ ہی لیں گے، ذرا سا ممبر بھی نہیں ہوتا“

”جل بائیں بنائی ہے“

”اچھا کچھ دینے کا وعدہ کیجئے۔“

”جو مانگو“

”قیمتی ساڑی“

”منظور، کل ہی لا دوں گا“

میں نے دروازہ کھولا دھڑکنے دیا۔ دروازے آگن کا منظر صاف دکھائی

دیتا تھا، بجیا لا ارشد بھیلے پردہ تو تھا نہیں اس کا نا پردہ ضرور تھا اور وہ بھی

اُمی کی وجہ سے حد نہ بیتا جب بھی آئے بجیا کو دیکھ ہی لیتے تھے۔ اور بجیا کو بھی

تو کو دکھانے میں مدد آتا تھا یہ دعویٰ میں اسی نے ہوئی تھیں!

قُلْ قُلْ..... قُلْ قُلْ..... قُرْبا باجی ہمارے ہیں۔

کھر، کھر، کھر، کھر، کھر، کھر..... کمرے میں ارشد بھیا بیٹھے لاہو!

اسٹیشن پر گرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بھیں، من، من، بھیں..... اماں باجی خاندان میں کچھ نکلن پڑیں

قل رہی تھیں۔

قُرْبا باجی ارشد بھیا کو تنگی تھیں۔ یہ دعوت دراصل قُرْبا باجی ہی نے کی تھی۔

لیکن میرے نام سے کل رات کو قُرْبا باجی نے مجھے کہا کہ ارشد بھیا کو میں خط لکھ کر

چار بڑے مالوں۔ پیسے سب قُرْبا باجی نے دیے تھے۔ اس میں قُرْبا باجی کی ایک چال تھی

وہ ارشد بھیا کو گھوس بھاکر چاہتا تھا کہ میں قُرْبا باجی کی قیادت میں قُرْبا باجی کے یہ بڑے قُرْبا باجی اور

نہ جانے کیا کیا تھی۔ بجیا نے اُمی کو دھوکا دیا اور اُمی دھوکا کھا گئیں۔ بڑی بڑیوں

کو بقول شیخے جنگ دھوکا نہ دودھ کوئی بات اتنی ہی نہیں ہیں۔ ارشد بھیا

بھی ہی جانتے تھے کہ دعوت بجیا نے کی ہے!

رہا پوسے عجیب آواز نکلی ہے میں کچھ دوسرے میں دی جب بیٹھے اور

یہ ویلی گورنگ کم ہوئی تو اُمی کی کوفت آواز اور نکلیں الفاظ لاؤں میں پہنچے اُمی کہہ رہی

تھیں: ”اری آج تو دیوانی ہو گئی ہے کیا مدار۔“ بھیں وٹھرتی جاتی ہے اتنی ہی

بے شرمی اختیار کرتی جاتی ہے..... دو پڑھ لیک کر.....“ لیکن میں نہیں رہی

اب بھیا کو اسٹیشن مل گیا تھا، اتفاق کی بات غزل وہی تھی جیسے بجیا بہت پسند

کرتی تھیں اور جیسے لوہے کی گھٹائی نہیں تھیں۔ جوش کی غزل تھی ہے

پرج پرج بتانے دل تو نے کبھی نہیں بھی

میر سبزی ہوتی دیکھی الفت کی سبزی میں بھی

حام سے آواز آئی کھٹ، کھٹ..... کھٹ، کھٹ، کھٹ..... بجیا نے

دروازے مخصوص اشارے کے اور میں کمرے کی طرف دوڑی تاکہ بجیا کی آنکھوں پر

ہاتھ رکھ دوں اور قُرْبا باجی دوسرے کمرے میں چلی جائیں۔

میں جوں ہی کرنے کی طرف دوڑی کہ اُمی چیخے لگیں: ”اری ڈو پڑا مار ڈال

کیا ضرورت ہے یوں ہی نکلی گھوم“ اُمی کی باتوں پر میں نے کبھی دھماں ہی نہیں دیا۔

بجائے آگن میں آگیں بجی رہی تھی گلابی رنگ کی شلوار پہنے تھیں جس پر بڑے بڑے بھولے ہنستے دیکھی ہی تھیں تھی۔ جسکی پشت، گنگے اور کفوں پر سہرے چھل کوٹھے تھے اور گلابی ہی رنگ کا بھاپ ایسا ڈھ پڑے کدھوں پر پڑا تھا۔ سینٹ میں بسی پڑی تھیں۔ بالوں میں سرخ رنگ کا فیتہ تھا۔ نازک کلاہوں میں باریک چوڑیاں تھیں، کافوں میں بے لے آویزے ہل رہے تھے۔ ناک میں مہین سی کیل تھی۔ ————— بجیا بھی میز کے اس سرے پر آئیں اور کبھی دوسرے سرے تک جاتیں کبھی پایا لیاں ٹھیک کرتیں تو کبھی ٹکروان، بجیا اس فن میں ماہر تھیں۔ ————— اور دروازے بھیا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

بجیا نے میز پر آخری نگاہ ڈالی اور کہنے لگیں اپنے کچھ کھانا پھر تم خود چار بنا کر دینا، تکلف نہ کرنے دینا، خوب کھانا، یہ کبھر بجیا تو کمرے میں ہو گئیں اور بجیا باہر نکل آئے بھیا پر چوٹ کی "آئیے آپ کو بھوک لگ رہی تھی۔"

"اور چچی —————"

"آجائیں گی۔ آتے ہی اعتراض کرنے لگیں گی۔"

"اچھا بسنی کوئی چیز بے اچھی ہے؟"

"جو آپ کو پسند ہے وہ کھائیے۔"

"نہیں تو تم کو؟"

"پہلے ————— ایک۔"

"نہیں بھیا بسکٹ۔"

"اور میں کبھی میں کھاؤں گی۔" میں نے بھی بھیا کی مخالفت کی، پھر میں نے بھیا کو چار بنا دی۔ کمرے میں بجیا نے کھانا اسٹیشن لگا دیا۔ بجیا کبھی کبھی دروازے کے پیچھے سے جھانکتی تھیں، ان کا جی بے قرار تھا کہ وہ بھی آکر چار میں شریک ہوں۔ لیکن بچاری مجبور تھیں۔ مجھے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے یا کو بیٹا سے بھی مراد کر دیکھا، بجیا جلدی سے ہٹ گئیں ہم دونوں ہنسنے لگے۔ بجیا کی تاکید کو نہ نظر رکھنے، اسے میں نے بھیا کو خوب کھلایا جتنا تک کہ اب زیادہ کھانے سے بھیتے آنکار کر دیا اور مجھے مجبور ہونا پڑا۔ —————

قریباً چھ کی شادی ہونے والی تھی گھر میں کئی جہان بھی آگئے تھے۔ کچھ دنوں بعد بجیا بھیا کو ہوجانے والی تھیں۔ آجکل بجیا بہت خوش تھیں بات، بات پر ہنسا کرتی تھیں اور روشن مستقبل کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔

جاڑوں کی ایک رات کو جب سب با درچی خانے میں بیٹھے تھیں کہ وہ

میں بان لیٹے با درچی خانہ کی طرف گئی، بجیا، بیٹا کے لے، بان جانے لگیں۔ اچی جان خالاسہ منوم کمال کمال کی باتیں کر رہی تھیں، اچی اچکل کی روکروں کی بے قرعی کی داستان کہہ رہی تھیں۔ میں پر خالہ جان نے جابجا کر کہا اچی اور نہیں تو کیا ہیں۔ اب تو زمانہ ہی بدل گیا۔ پھر بھیا کی ناسی لی اور پڑ پڑ کر سے بان کھانے لگیں۔

میں نے کواہ خالہ جان کو بان کھانا دیکھ رہی ہے۔

"اچی دور ہو بیٹا سے مراد ہے۔ بڑی تیز دار ہیں کے آئی ہے کل کی پھوکی؟"

میں بان بیکو کر کے کی طرف چلی آکر کمرے میں ادھر بیٹھا تھا۔ میں جوں ہی

دروازے کے پاس گئی۔ مجھے اندر سے میں دوسرے نظر آئے

میں نے جلدی سے، کچل کھول دی، کیا دیکھتی ہوں ارشد بھیا ناز کے منہ پر ہنسنے

کھڑے تھے۔ ————— مجھے دیکھتے ہی ناز چمک گئی، لیکن بیٹا کھڑے رہے

————— نام ہے؟

نہ جانے اوقت کیا کیا خیالات میرے ذہن میں آنے لگے۔ ایک منٹ

تمام جسم میں دوڑ گئی، ارشد بھیا اور نازو ————— میں نے جو کچھ دیکھا تھا اپنی

مجھے خود یقین نہ تھا۔ ————— اچی میں نے کیا دیکھا؟

تمام رات مجھے اچھن رہی جو کچھ میں نے دیکھا تھا بجیا کو تانا ضروری تھا، لیکن اس خیالی سے رک جاتی کہ بجیا کا معلوم کیا حال ہو لیکن بجیا کو آگاہ نہ کرنا اُن کے ساتھ دشمنی کرنا تھا اور کامیج کو میں نے بجیا سے وہ سب کچھ بتا دیا جو کل رات کو اندر سے میں نے دیکھا تھا، بجیا نے نہایت اطمینان سے سنا اور کہنے لگیں۔

"ممکن ہے شادی کے بعد یہ بات جانی رہے اور مجھے یقین ہے

کہ پھر کبھی ایسا نہ ہوگا، لیکن ہم مجبور ہیں، عورتوں کو مرد پر

پورا قابو نہیں ہے، لیکن عورت کا فرض ہے کہ مرد کو اس سے

روک دے۔"

یہ کہہ کر بجیا نے اس معاملہ کو ٹال دیا اور یہی اچھا بھی ہوا وہ کو بھی کیا سکتی تھیں

————— وہ ایک عورت ہی تو تھیں؟

کچھ دنوں بعد بجیا کی شادی ہو گئی اور بجیا اپنی سسرال چلی گئیں۔ ایک گھر



## تین ملاقاتیں

کے بعد آرام کرنا بھی فروری تھا، اسی لئے ایک کتاب لیکر اپنے کمرے میں بیٹھ کر دھر رہی اگر میوں کی دہر بھی کسی قدر حواس باختہ کر دینے والی ہوتی ہے شدت کی کوئل رہی تھی میں نے سب دوا سے بند کئے اور کتاب پڑھنے لگی پڑھتے ہی پڑھتے خدا جانے کس وقت سو گئی، جب جاگی ہوں تو باوجود کچھ بے غل کے رے رے میں بائیں بلنا بچی، مالی بانی دے کر جا چکا تھا، میں سر سے ہرے پتوں اور رنگین چوڑوں میں قدرت کی رنگینی میں جا بھوہ دیکھنے لگی کہ ایک دم سائیکل گرنے کی آواز سے چونک کر میں نے پھاٹک کی طرف دیکھا، ایک جیس بائیں سالر خوبصورت سالر کا اپنی سیاہ و خردی سے خاک بھارڈا تھا، سائیکل ٹوٹنے والوں کی بھی کیا کٹ بنتی ہے، مجھے نہیں آگئی اُس نے مجھے دیکھا اور فوراً ہی سائیکل اٹھا کر بھاگ پڑا ہوا لیکن ذرا ہی دیر میں وہ حضرت پھاٹک کے پھر شان سے نکلنے لگا اُسے اور نوٹی یہ کہ دونوں ہاتھ پھوڑ کر سائیکل چلائی جا رہی تھی، یعنی گرنے کے بعد بھی وہ اپنی بھادھی کا ثبوت دے رہے تھے میں تسلی جاتی اور کن آنکھوں سے ادھر بھی دیکھتی۔ ایک بار جو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ پھاٹک کے پاس سائیکل تھامے شان سے کھڑے تھے اور مجھے اس طرح گھور گھور کر دیکھا جا رہا تھا جیسے اُن کے باپ کی جائداد ہوں، مجھے اس وقت یقین پیش آیا لیکن کچھ کہہ کر گستاخ نہ بنانا چاہتی تھی لیکن جیسے ہی میرا من اُس کی طرف ہوا وہ مجھے دیکھ کر ہنس پڑا، اب تو واقعی مجھے سخت خفا آگیا، یعنی کوئی شریف لڑکی اپنے باغ میں بھی نہیں ٹہل سکتی، کہ راہ چلے آہارہ لوٹے کھڑے ہو کر اپنی بی بیائی کا ثبوت دیں گے، میں نے بڑی شکل سے غصہ ضبط کر کے نظریں جھکا لیں اور ٹہل رہی، میں نے ایک بار پھر دیکھنے کے لئے اُس طرف دیکھا کہ وہ گیا یا نہیں لیکن وہ اور بھی متعجبی سے گھور رہا تھا اور نظریں چاہے ہوئے ہی کھلکھلا کر نہڑا اب تو ہرے پھر نے مجھے مجبور کر دیا کہ کم از کم اسے ایسی سزا دو کہ آئندہ کسی کے یہ گھورنے والی حرکت نہ کرے میں تیزی سے اُس کی طرف بڑھی اور دانت کھٹکھٹا کر کہا :-

”کیوں جی یہ کیا حرکت ہے کیا تمہارا مال نہیں نہیں ہیں؟“

”مال نہیں تو ہیں لیکن یہ بھی نہیں ہے؟“

طبعاً کالج کی خوبصورت محلات، سامنے وسیع باغ اور پشت پر چکیوں کا قریبان برب دیکھ دیکھ طبیعت اُٹا گئی کسی کسی وقت تو قبرستان دیکھ کر اپنی زندگی بانی کا بلبل معلوم ہوتی اور گھٹنوں پر جھکے یہ سوچا کرتی کہ دنیا کتنی بے ثبات ہے دنیا میں انسان دہنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا، لیکن پھر وہی علیل زندگی دیرانے کا ایک کو نہ ہے۔ منوں ٹٹی کے بچے دے پڑے ہوا اور اپنے کو تو اپنے ساتھ، کوئی دھماکا کھا کر پڑے والا بھی نہیں، بھول چڑھانا تو بڑی بات ہے۔ پھٹنے کے بعد لوٹے کیس لڑا ہے قریبان کے پاس سے سلی جاتے اوقات وہ بھول کر بھی یہ نہ سوچتے جو بیٹے کر کھی ہمارا انجام بھی ہوگا، لاواں شہر خوشال کے کینوں کا حال زار دیکھنے چلیں۔

میں نے ایک دن جلد پریشان ہو کر اماں سے صاف کہہ دیا تو مکان تبدیل کر دیتے ورنہ مجھے گھر سے نکال دیتے میں ایک دن بھی اس گھر میں نہ رہو گی۔ ان کا بھی صاف جواب تھا کہ جہاں دل چاہے چلی جاؤ، مجھے یہ مکان پسند ہے کم از کم یہاں شور و غل تو نہیں، چاہو تو کچھ دن کے لئے اپنے چچا کے پاس دہلی چلی جاؤ۔ میں اُن کے اس متغول جواب سے بے حد فوش ہوئی کہ چلو تو فریخ کی فریخ رہی اور اس طرح فرسنا نظارے سے بھی فرصت ملی، میرے فورا ہی چچا قبل کو تار دیا کہ میں آ رہی ہوں، سسٹیشن پر ملے گا، دو سہ دن سوار ہو گئی۔ چچا سسٹیشن پر موجود تھے اور ہزاروں دعاؤں کی پوجا کر رہے تھے پڑھتے ہوئے گھر سے گئے، خدا کا شکر کہ اسے میں بھی کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی اور یہاں بھی ایک سجا بھیا کر رہنے کوئی کیا، کوئی ٹھہرے کافی دور تھی اور گرد و پیش کا ماحول بھی سا مگر معلوم ہوتا تھا، کوئی کے آگے ٹھنکے کے لئے پانی باغ دیکھ کر میری طبیعت مرتے سے جھوٹے جھوٹے لگی، میں نے گھر گھر کر گھر کا کو نہ کو نہ دیکھ ڈالا اور پھر آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ نیند ایسی آئی کہ صبح دہلی بجے ہوش آ یا، تیل چچا پار سے امار کر دیا رہے تھے، نائنہ کمرے کے بعد میں چچا چچی سے چچا پھر کر چچے سے چچا کے مطالعے کے کمرے میں کھینک گئی کچھ نہ ہوتی پھر لٹا میں دیکھ کر دل میں چاہتا تھا کہ سب ایک ساتھ بڑھے والوں کی چچی صاحبہ نے آ کر فوراً ہی کھانا کھانے کو حکم صادر کر دیا۔ کھانا کھانے





دیکھو! کون، جو اُس کی بٹ بڑے، چکی ہلنی دھنکی، آخر ایک نریر ٹوٹے کے لئے ٹھوکی آبادم تو گھوٹنے سے رہا۔ اس خیال کے تحت ناکر بدھی بارغ پہنچی اور سر جھکا کر تھلا شروع کر دیا، نکاح میں غیر ارادی طور پر بار بار ادھر اُدھر جاتیں ایک بار جوتھر سے نکلتے ہوئے ٹھوکی وہ ٹھٹھا سے کھڑا مسکرا رہا تھا، انکھیں چار ہوتے ہی اُس نے صلا کر کہا،

”اس آداب عرض، مجھے یقین تھا کہ آج بھی ضرور آؤ گی!“  
میں خاموشی سے ہلکی رہی اور کوئی جواب نہ دیا، آج اُسے دیکھ کر دل تو زبردور سے دھڑک رہا تھا۔

”اُسے کتنے بھی، کوئی آپ کے در کھڑا ہے۔“  
اُس نے اور بھی بچ کر کہا میں گھر آئی کہ یہ آوازیں کہیں کوٹھ کی تک نہ پہنچ رہی ہوں اور اگر بھی کیا کہتے ہوتے۔ میں اُسے جینے سے روکنے کے لئے اُس کی طرف بڑھی، وہ تھکلا فرم گیا۔

”خدا کے لیے یہاں چھوڑ دو، کیا مجھے بدنام کرنے کی ٹھانی ہے؟“  
”خوب! تم اتنا بھی نہیں سمجھتی ہو کہ جو جس کھولے کو بند کرنا ہے۔“  
”دھڑکے کہ دیکھو یا چھینک کر چلنا چور کر دینا؟“  
”لیکن بچہ نادان ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔“

”لیکن نادان کی غلطیاں حسین بھی ہوتی ہیں، اگر ہم بدنام ہو گئے تو ضرور ایک دن ہوش کے ایک ہوا جس کے اُس نے پیشانی سے کھنکھرایے بال پڑنا کرنا۔ میں اُس کی باتوں سے بے حد گھرا رہی تھی کہ اتنا ایک کو کہہ چکا چھڑاؤں آپ تو مجھے گرمی میں مڑا کر مار دینا، وہ کون سی نموس گھڑی تھی۔ جب میں یہاں آئی۔“

”موتی! تمہارا مطلب کیا ہے؟ میں پسینے سے رہ رہ رہی تھی۔“  
”یہ تو آپ میرے دل سے پوچھیں؟“ اُس نے سکڑا سے جواب دیا۔  
”اتھ تو خواب کا دل ہی کچھ ارشاد کرے۔ میں معظرب ہوئی جا رہی تھی۔“

”اجنا تو دیکھتے میرا دل بوتا ہے اور میری زبان اس کی ترجمان ہو گی بگڑ نہ جائے گا۔ ہاں تو میرا دل کہتا ہے کہ جب تم کو پہلی بار خود سے دیکھا تو جنت آسمانی تھی اور میرا منج کی حیثیت سے گھر میں پہنچیں پہلے میری دنیا بالکل اجاڑ تھی اب خدا کا شکر ہے کہ بڑی رزق دیتی ہے۔“

”خدا کی تائید ہے تمہارے دل پر جس نے کہا اُس کے الفاظ بڑے

مجھے لگ رہے تھے۔

”میرے دل پر خدا کی ماریں آپ پر ہے، جو کسی کے دل میں چکے سے دھندلا کر پھینکا پھرتا ہے۔“ اُس نے مجھ سے کہنے سے جواب دیا، اور میں یہ سوچنے لگی کہ جب ارکا ہے جو اپنی جواب دہانی سے کسی کو رام کرنا چاہتا ہے اور میں جو بدھی ہوں۔

”بڑے گستاخ ہوتے ہیں؟“ میں نے کہا،  
”اور تم بھی تو ہو؟“ اُس نے غریبہ نکھیں پنجا کر کہا،  
”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ میں نے بڑی ٹٹی ہوئی سے کہا،  
”میری دوست بن جاؤ۔“

”اجنا! میں کتنی دوست۔“ میں نے پچھا پھرانے کے لئے کہا۔  
”یوں نہیں ہاتھ ملاؤ؟“ اُس نے اپنا ہاتھ چھانک کی سلاخوں سے اندر ڈال دیا۔ میں عجب انکھیں میں پرکھی کر کیا کروں ہاتھ ملا کر اپنے کو بندائی کے گھر سے میں ڈھکیلا ہے اور نہیں ملانی تو گوئی میں مڑ مڑ کر دوں، بارغ میں انکو اگر نہ بولوں گی تو یہ جرجرج کر دینا کو آگاہ کر دینا۔

”ملائے ہاتھ ورنہ پھر مجھے اجازت دیکے کہ جاؤں لیکن روز روشن کہ نہ آؤنگا ضرور چاہے آپ بارغ میں آئیں یا نہ آئیں، ہندہ تلاش کر ہی لینگا آپ کو۔“  
میں لاپ گئی تھی کہ وہ مجھے کوٹھنی تک نہ چھوڑے گا۔ میں نے گھر کر ہاتھ بڑھا دیا اُس نے میرا ہاتھ لیں سے لگا کر چھوڑ دیا، وہ خوشی سے مجھے ہانگی ہو رہا تھا، پھر وہ کھڑا چکے چکے بتا رہا کہ وہ ایک بول میری کار لڑا ہے اور بی۔ اسے فائنل میں پڑھا ہے۔ باب نے اجازت دے لکھی ہے کہ جس سے اور جس وقت چاہے شادی کر سکتا ہے اوروہ نہ تو آؤی کر کے چھپ جاتی ہوئی لڑکیوں کو پسند کرنا ہے اور نہ ہی ایک ایک کر مڑکوں پر پھرنے والی لڑکیوں کو اچھی نظر سے دیکھنا ہے میں نے بھی اپنے حالات بتائے اور اُنہیں یہ بتا دیا کہ ایک بھٹنے سے بری شادی ٹھہری ہوئی ہے، وہ خوب ہنسا اور اُسی بھوت کو دور کرنے کے لئے علی پڑھتے کو کہا، پھر وہ چلا گیا، میں دھڑک دھڑک جھٹک جھٹک جھٹک کر۔

دو دن تک میں اس انوکھے ملاپ کے متعلق ہونے کوئی کہے حد منہم رہی اور بارغ میں ٹپنے بھی نہ گئی، کم از کم یہ ضرور کھ رہی تھی کہ اس ملاپ کا انجام دائمی عداوتی ہوگا، میں والدہ صاحبہ کے پاس تک کہ کسی جاذبہ اور اُن کی لعنت طاقت مجھے جینے نہ دے گی۔

نہرے دن پھر بارغ پہنچ گئی۔ غور سے بار بار چھانک کی طرف اٹھ رہی تھیں

دل نہ معلوم کیوں ڈوبا جا رہا تھا ادا پاؤں کا پسہ دے تھے میں ایک بیچ پر  
بیچہ کو اس کا اشتہار کرنے لگی۔ رنگ برنگ آوارہ سا لڑکا آ جا رہا تھا خاص

تجربہ بنا اسے دل تو نے کبھی نہیں بھی

میرے ہونے دیکھی الفت کی نہیں بھی

میری آنکھوں میں آنسو آگے کتنا پیچ کہا ہے کسی دل جلتے شاعر نے میں نے  
آنسو تلو میں خشک کر لئے اور اُدھر دیکھا تو وہ کھڑا تھا مجھے دیکھتے ہی اتھار دیا  
میں بے لے قدم ہار رہی ہوئی اُس کے پاس پہنچ گئی۔ اُسے دیکھ کر میں بے حد  
شرمت محسوس کر رہی تھی۔

”کیا مجھے انداز نہ ملاو گی؟“ اُس نے کچھ اس طرح کہا کہ انکار نہ کر سکی۔  
”آتے کیوں نہیں؟“ میں نے کہا اور وہ خوش ہو گیا۔

ہم دونوں ایک بیچ پر بیٹھ گئے۔ لیکن میرا دل خوف سے دھڑکنے لگا تھا  
کہ کوئی آتے دیکھ نہ لے لیکن قدرے اطمینان تھا کہ مالی اپنی بیٹی سے ملے گا اور  
جہاں سے بہت دُور رہتی ہے اور چچا دینی بے تک واپس آنے کو کہہ گئے  
ہیں، چچی بھلا کیوں یہاں آنے کی زحمت کرنے لگیں۔

”کتنی اچھی ہو تم بھلا! اُس نے دونوں ہاتھ میرے شانوں پر رکھتے  
اور میں کانپ کر رہ گئی۔

”دیکھو اگر یہ حرکتیں کرو گے تو نکال دوں گی باغ سے!“

”اپنے دل سے نکالو تو جانوں؟“ اُس نے مزہ میں آ کر کہا۔

”بڑے بُرے ہوتے؟“ میں نے جلی کو کہا اور مزہ پیر لیا۔

”خوب! یعنی میں نے تم کو اچھا کہا تھا تو تم نے بھی فوراً بد لہا کر دیا۔“

”لیکن میں نے تو تم کو بُرا کہا ہے، اچھا نہیں؟“

”دیکھو! عورت جب کسی کو چاہتی ہو اور اُسے اپنی زبان سے بُرا کہے

تو مطلب اچھے ہی کے ہوتے ہیں۔ بیچارہ سی صاف کہتے ہوئے شرمیلی ہے!“

”بڑے نفرت شناس ہو؟“ میں نے اس کی بات کا مضحکہ اڑاتے ہوئے

نہیں کر کہا لیکن وہ دھیت بھی میری تھی جس شرمیک ہو گیا پھر ایک دم سنجیدہ

ہو کر کہنے لگا۔

”کیا کوئی دہشت جو؟“ میں نے اٹھ کھڑا تھا اپنے ہاتھ میں لیکر پوچھا۔

”سوچو رہا ہوں کہ سانج نہیں میرا بھتیجہ بھی دیکھا یا نہیں۔ میرے گھر والے

نواسہ ملے ہیں آواز میں لیکن یہ تمہارے بزرگ بہت بُرائے خیالات

کے ہیں!“

”یہ تو توت کسے سے پلے موع یا ہوتا؟ میں نے نہیں کہا کہ وہ یہ دل شکن باتیں  
نہیں کہے۔

”مذاق مت اڑاؤ شہلا، نہ معلوم کیوں میرا دل کا ہنسا ہے۔“

”تو اپنے دل کو مضبوط کر لو کہ نہ کھائے۔“ اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور سر

جھکا کر کسی گہری فکر میں غرق ہو گیا۔ آج جو نے پہلی مرتبہ اُس کے شر پر جیسے پر

خلم کے آثار دیکھے تھے۔

”دیکھو جی! یہ سر جھکا کر بیٹھنے سے کام نہ چلے گا اور تمہارا منہ مہرہ دیکھ کر دنیا

پر ہر مان ہونے سے رہی، اہا یہ خوب دہن نشین کر لو کہ کثرت کا دوسرا نام

خوال ہے، ویسے کو ششش کر دو کہ ہمارا آج ہے۔“

میں نے اُس کا سر اوپر اٹھا کر کہا، ”اُس کی ٹول آنکھوں کی تہائیاں دیکھ کر

میرا دل بیٹھا جا رہا تھا، پھر ایک بار جو نظر اٹھا کر بھانک کی طرف دیکھا تو چچا اپنی

چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے شعلے برساتے میری طرف بڑھ رہے تھے۔

”چچا آگے، اُن خدا اب کیا ہوگا؟“ میں نے چپکے سے کہا،

”میں نہ کہتا تھا کہ میرا دل کا پ رہا ہے۔“ اُس کی آنکھوں میں آنسو

آگے، میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی لیکن وہ بیٹھا رہا۔

”کون ہے یہ؟“ چچا نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

”یہ؟ یہ چچا ایک۔“

”ایک عاشق ہیں آپ کے، کیوں عاجز ادبی صاحب؟“ چچا نے مجھے کھانچا

والی آنکھوں سے دیکھا، لیکن میں اتھانی مہرے اُس کو یہ سمجھ کر دیکھ رہی

تھی کہ یہ اتنی دیدار ہے، وہ بیٹھا چچا کو ثبات بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا

”عاشق صاحب یہاں سے نشتر لینے جا رہے، شرم نہیں آتی کہ ایک

شریف گھرانے کی لڑکی کو ہلکاتے ہو۔“

”لیکن اُسے تو برا کوئی بُرا ارادہ نہیں ہے۔ میں تو آپ کی روکی سے

مشادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک سولی سر جرن کا لڑکا ہوں اور خود بھی اسے

میں پڑھا ہوں۔“

”بس بس! یہاں عاجز اسے باہر جاؤ مجھ جیسے جہانگیر کو چکر

نہیں دے سکتے۔ اور تم میری لڑکی کی خادھی کی فکر نہ کرو جو جائے گی۔“

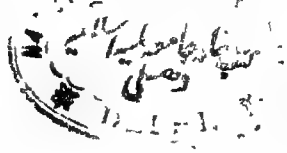
”لیکن؟“

”لیکن دیکھ کچھ نہیں فوراً باہر چلے جاؤ، آج بے شک دیکھنے کے لیے ہم

کچھ جانتے ہی نہیں۔“



# ورثہ



کڑے سب کا لے ہوتے، کارخانے سے رُکے ہوئے طوفان کی طرح نکلے کچھ  
 ڈھور آگے جا کر جھٹی جھٹی ٹوٹیوں میں تقسیم ہو جاتے، راستے بھول کی باتیں  
 کرتے رہتے، گھر پہنچتے ہی کلاؤں تک ہاتھ دھو کر کھا کھاتے اور کھاتے ہی  
 پتنگ پر پڑ کر کورہتے اور آٹھ دس گھنٹوں کے لئے چند و گھر میں خاموشی رہتی۔  
 ”چندو دل کے کچھ مٹری پرانے کارخانے کے ملازم تھے اور اب اُنکی  
 مزدوری ایک روپیہ سے جتن آئے روٹک ہو گئی تھی، سرجوان سب میں پرانا  
 تھا وہ چندو لال کے ہاں انوقت ملازم ہوا تھا جب چندو لال بھی پیشی پر  
 کام کرتے تھے۔ سرجوان نے کام میں کارخانے کے مٹری سے ہو گیا تھا،  
 لیکن چار آئے روز کے مزدور سے لیکر جتن روپیہ مین کے منشی تک سے اسکی  
 بنتی نہ تھی، اسکی بددعا فی اور چڑچڑان مارنے میں مل مشہور تھا اور اسی وجہ  
 سے اتوار کے دن جب بل بند ہوتا اور چند و گھر کے مزدور مٹریوں کے  
 مکان پر جمع ہو کر دار و لاش کرتے۔ سرجوان نے مکان میں اکیلا رہنا، ٹھوڑا  
 بہت لٹہ سرجوان بھی کرنا لیکن ہیذا اکیلا ادب اپنے گھر پر پشہاب بیٹے ہی  
 اسکا وارغ بہت زیادہ خراب ہو جاتا ہی بڑی گالیاں جانتے منہ سے نکلتے  
 لگتیں اور وہ اپنی بوی اور لٹکے کو خواہ مخواہ مارنے لگتا۔

سرجوان نے جتن سے جتن قربان کر دی اور کبھی کبھی حد سے زیادہ :  
 اُس نے نام نہان کر لیا لیکن اپنے کریم کے چہرے سے زیادہ پس انداز نہ کر سکا  
 سرجوان چند و گھر میں کسی کی حیثیت دل باغی روپیوں سے زیادہ نہ تھی، چند و گھر  
 کی ایک ہفتے کی کافی اتوار کے دن خیر ہوئی جاتی، اتوار کو سویرا ہونے ہی  
 مزدور چھپا بن کر شہر جانا شروع ہو جاتے اور رات کو دس گیارہ بجے لٹہ میں  
 چھ دھڑ سے واپس ہوتے، رستے بھرا کی زبان پر ہڈ دالی یا جھگ کی شہزادی  
 کے عجیب و غریب ہفتے ہوتے یا پھر بیل گانے۔

چند و گھر میں کسی مفلول سے منہ مشرق فلم کے آنے کی دھوم تھی،  
 ہر شخص ناڈیا کی ہادری اور جان بازی کے تعبد سے پرورد ہا تھا۔ چند و گھر کو  
 نے ابھی تک سینا نہیں دیکھا تھا لیکن دن رات ناڈیا اور ستائے مشرق  
 کے چہروں نے اُنکے شوق کو بھی گد گدایا اور سرجوان کو لاکھوں بھی اُنکے ساتھ

پہلے ایک چھٹا سا کارخانہ تھا، دو تین مٹری چند مزدور ایک منشی اور  
 چند دلال جو ٹھیکہ دار بھی تھا، نیم گھر بھی اور کارخانے کا مالک بھی، کارخانے  
 سے کچھ دھڑ ہٹ کر چند کوٹھڑیاں اور چھوٹے چھوٹے کارٹر تھے۔ جن میں  
 مزدور اور مٹری مہارے خانانوں کے رہتے تھے، کارخانہ بڑھ گیا مٹریوں  
 کے ساتھ ساتھ مٹری اور مزدور میں بھی اضافہ ہوتا رہا، ایک منشی کے بجائے کئی  
 منشی ہو گئے، نیم نیا آگیا اور چند دلال رستے ہاں سیدہ چند دلال آنری  
 بھرٹ ہو گیا، گواہیہ اور کوٹھڑیوں کا سلسلہ بھی بڑھتا رہا اور کارخانے  
 کے آس پاس ایک اچھی خاصی آبادی ہو گئی۔ پہلے چند دلال شہر سے کارخانے  
 تک تبدیل یا کبھی کبھی بڑا آتا تھا لیکن اب اُس کے پاس بنگلان کے دیے  
 دو نور ہوتے تھے پھر بھی اُسے شہر کے کاموں سے فرصت نہ ملتی اور وہ مشکل  
 پہننے میں دو تین مرتبہ کارخانے آ پاتا، رستے ہاں در پہلے سے قبل وہ خود بھی  
 اکثر پیشی پر کام کرتا لیکن اب اُسے کارخانے میں دفتر کا مہمانہ کرنے ہی سے  
 فرصت نہ ملتی تھی، اسکا ایک رٹکا مقامی اکبر گنگ کا بیج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور ایک  
 دلا بن ڈگری لینے لگا تھا، پُرانے کارخانے سے ڈرامہ کر چندو دل کی بنیادیں  
 ڈالی جا چکی تھیں اور عمارت کا کام شروع ہونے والا تھا۔

چند و گھر کے بعد ہی چندو دل کا شہزادہ افتتاح ہوا۔ بڑے بڑے  
 لوگوں کو دعوت دی گئی اور مزدوروں میں پاؤ پاؤ بھر مٹائی تقسیم ہوئی، شہر کے  
 روضا اور قومی لٹیروں نے چندو لال کو اُن کی کامیابی پر مبارکبادی اچھا دیا  
 جس اُنکے خوش چہرے اور تعریف میں بے چوڑے معافین شائع ہوئے۔ دعوت کی  
 اخباروں نے مزدوروں کے نام کا خطاب دیا۔ مزدوروں کی تعداد بھی پہلے  
 سے دس گنی زیادہ ہو گئی لیکن اُن کی مالی حالت جہاں پر پہنچے تھی وہیں  
 قائم رہی۔

بل میں سویرے دو بیٹیاں تھیں، پہلی بیٹی کے ہونے ہی مزدور اور  
 مٹری اپنے چھوٹے بڑے ڈرل سے نکل کر لٹل میں دوپہر سے نیچے یا سستو  
 بار و بیال حب مشیت دیا ہے، بیاہ کڑے پہننے کی طرف جاتے ہوئے  
 نظر آنے اور شام کو جب چھٹی کی بیٹی ہوتی تو بیکڑوں مزدور جگے ہاتھ میں

چلا گیا اور اسی دن سروسیمیں سے پردے ہنسنے کی خواہش لیکر سب سے ٹھیکے پر  
شہر اپنے چلا گیا۔ یہ کہنے سے اپنے مزدوروں کی فزول کے لئے ایک تادیبی خانہ  
اپنے پیسے کھلوا دیا تھا۔ سروسیمیں خواہ کلا کو دے کو بدستوری اور خود غمی  
لے ہوئے رات کے نو بجے جھوٹا کرنا پڑا لایاں بل اور چند گھنٹہ کی خام آوارہ  
معدوں کے دروازوں پر ٹھہرا ہوا جب اپنے گھر پہنچا تو گھر میں اندھرا تھا۔ قدم  
پہلے ہی ڈنگ لگائے جوتے تھے۔ اندھیرے میں منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ زمین پر  
پڑے پڑے اُس نے اپنی بوی کو کئی نوٹی نوٹی کا لیاں دیں اور جب اسکی بوی  
اُسے اٹھانے آئی تو اسکے سارے اٹھکرائی کو اسنے لگا۔ بینائی زندگی بونسی  
گزری تھی، کنوارا اور بیابان میں اُس نے صرف ایک فرق دیکھا، کنواری لڑکی  
باپ چالی کی بھڑکیاں سننی دیکھو اور باپ بوجھ جاتی ہے۔ سگے کے لڑکوں کے  
جیسے سنتی ہے اور یا بھی صورت شوہر کی گالیاں اور ارکھانی ہے جسکے حوض میں  
اُسے ہر سال ایک مہینہ بچہ منا ہے جو دھڑکے سے یا میرے سال تک جگوان کے  
دہاں واپس لوٹ جاتا ہے۔

کیٹو جب تیار ہو کے رات کو سینا دیکھ کر اچس لپٹا تو سروسیمیں ڈانٹ کر  
اپنے پاس روک لیا اور پھر گرن گرن کو پوچھنے لگا: "کمال کیا تھا بے  
بول کمال کیا تھا۔ اسنے تو آوارہ لوٹوں کے ساتھ ٹکر کی جوان چھوڑیوں کو  
تاکتی پھرتا ہے، لول کس کے ہمال کیا تھا۔؟"  
"شہر کیا تھا، ستانہ مشوق دیکھنے؟" کیٹو نے بہت آہستہ سے باپ کو جواب دیا  
اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

سروسیمیں چنگاڑا، ستانہ مشوق دیکھنے گیا تھا شہر عیاشی کرنے جاتا  
ہے کیوں۔۔۔۔۔ ایک سوٹی گالی دیکر اُس نے کیٹو کے منہ پر زور سے طمانچہ  
مارا: "دیکھ آج تیری جوانی کا نشہ جھانڈے دیتا ہوں" پیکر سروسیمیں پھر اٹھنے چلا  
لیکن کیٹو جو بیٹہ بہت سخاوت سے پٹا رہا تھا جسکے کو الٹ نظر ہو گیا  
"باپو بس اب حد ہوگئی۔ میں کچھ نہیں رہا۔ زندگی بھر جا بجا تمہاری اور  
نکال دلاں گا۔"

بات بڑھ گئی سروسیمیں "ہوں" لیکر جھپٹا۔ اسکے پرداز جذبات کی توہین کی گئی  
تھی اعلان کو مانا اسکا پیدائش حق تھا اور اتنے وہ اس سے محروم کیا جا رہا تھا،  
اس حق کو جند و نواسنے کے لئے اُس نے ڈنڈا اٹھالیا، کیٹو بھی پتیر بلی کر کھڑا  
ہو گیا دونوں آپس میں گھسنے ہی والے تھے کہ سبیل چلا گیا ایک کی بوی اور دوسرے  
کی ماں تھی۔ مدعیان میں انکی اور دونوں کے دادا اپنے پردوں کو ایک کو

دوسرے سے الگ کیا۔  
اس واقعہ کے بعد باپ بیٹوں میں کبھی صفائی نہ ہوئی۔ کیٹو گھر سے باہر  
ہو کر رہنے لگا۔ سروسیمیں پڑا لیکن اُس نے فزول اور ایک دن جب محلے کی  
سب عورتیں اور مرد سروسیمیں چارباٹی کے گرد جمع تھے وہ بھی آکر خاموش کھڑا  
ہو گیا۔ سروسیمیں ایک بار اسکی طرف دیکھا، کیٹو کی گردن نیچے جھک گئی، وہ باپ  
کے قدموں پر سر رکھنے ہی والا تھا کہ سروسیمیں اسے معاف کرنے کے بغیر دوسرے جنم  
کے لئے اس چلے کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اُس کی ماں کے ساتھ محلے کی تمام عورتوں نے  
رونا شروع کر دیا، لیکن کیٹو ایک طرف خاموش کھڑا رہا اور جب اسکی ماں اس سے  
پلٹ بیٹ کر رونے لگی تب بھی اسکی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ اگلے سے چند آنکھیں پڑتی  
باہر نکل آئے جبکہ کیٹو نے خود آئین میں فذب کر لیا اور ماں کو فوسے الگ  
کے کسے باہر چلا گیا۔ سروسیمیں کو یہ سب کچھ ہو گیا لیکن کیٹو نے وہ ایک نہ کی۔ باپ کے  
مر جانے سے اسکو کوئی تکلیف نہ تھی۔

سب سے چند وال نے کیٹو کے ڈو آئے بڑھا کر بارہ آنے روڈ پر اُس کے  
باپ کی جگہ پر ستری بنادیا اور ماں نے سروسیمیں تمام چیزیں کیٹو کے پردوں میں  
کیٹو نے رفتہ رفتہ کے دوسرے فیشن باز "لوگوں میں شامل ہونا جاتا تھا۔ انوار  
کو سوراہونے ہی لٹاتا، ڈھلے کپڑے پہنتا، بالوں کو نایل کے تیل سے تروک دیتا  
اور پھر تیل میں ڈوبے ہوئے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھر کر کاسے چمکے کہ ناک کو ل  
کی طرف چمکا دیتا اور ہاتھ میں مرغ رو مال دبا کر گھر سے باہر نکل جاتا، دن بھر  
چند و نگر اور پھر شہر کا گشت لگاتا۔ شام کو ایک دواؤں کے ہنسا میں ہسپتال الی  
طافان میں بارشلی میٹا فم کی کوئی فلم دیکھنا اور دات کے گیارہ بجے تیرے چوبن کی  
قسم لگنا ہوا گھر واپس آنا۔ اُسے ہی کھانا کھا کر چیکے سے لیٹ کر سو رہا۔ سبیل چو  
سروسیمیں نام برائوں کے باوجود سروسیمیں غم میں بھی رہتی ہے ہر بات میں سروسیمیں  
کی یاد آجاتی۔ ہر شہر لڑکی کو دیکھ کر اُسے سروسیمیں کی یاد بے قرار کر جاتی اور محلے  
میں جب کوئی عورت اپنے گھر میں بیٹھ جاتی تو خود اسکے من کی پرائی بوجھیں  
اُبھرنے لگیں اُسے سروسیمیں یاد آ جاتا اور پھر گھٹنوں بیٹھی اس کے غم میں رویا کرتی  
لیکن کیٹو کو دیکھ کر وہ تمام رنج و غم بھول جاتی اور کبھی بھی باپ جانی اور شوہر  
سب کے راج سے بچنے کا راز نہ پتہ چکے تھی۔

ایک دات کیٹو کو بہت دیر ہوگئی۔ سبیل اپنے ہنگام پر بیٹھی اسکا انتظار  
کر رہی تھی۔ بارہ بجے کے قریب مکان سے کچھ دور کسی کے گالیاں بکے کی آواز  
سنائی دئی، سروسیمیں کی آواز اور اس آواز میں کوئی فرق نہ تھا اور گالیاں بچ

(ایک پہاڑی کی اپنی محبوبہ سے نصیحت)

جادو ہوں تن کے جوہر دکھانے کے لئے  
پھوڑ کر نہ گائیں اگر بھول، جادو کھانے کے  
زندگی میں بڑا کھٹے بھٹے جادو جادو  
جان نکلے گی اگر میرے تیرے جوع سے  
گوئی اٹھے گی جب فضا جھکا کر تو لو ادا کی  
ندیاں جب بہہ ہی ہوئی عرصہ کے خون کی  
جنگ میں جرنل فٹ کھو گئے چمک تلواریں  
شورش جنگ بدل جو جب فضا بجائی

ملک کو غیروں کے ہاتھوں چمکانے کے لئے  
یہ نہ ہو کر نہ گائیں بھول جاؤں گائے  
تو نہ ہوگی ساتھ تو ہو گا تو اربابا رخیل  
ہو گی تیری یاد ہم آغوش میری سر سے  
مجھ کو چھائی کی تیری یادیں سنی آواز می  
انہیوں کی تیرے سر پر جھکوا یاد جائیگی  
یاد آؤ مجھے جسے سدا ہنس تیرا پس  
مجھ کو غلووشی تری سوخت کی یاد دینی

آن یو کیا؟ آنسو اور توبہ بخدا را میر کر  
جان دیدنا تو ہے آسان مجھکو بلقیس  
رہم کر خدا سے خافون مجھ پر جس قسم کہ  
دیکھ ارا دہلی میں آجا کرو غلامی کہیں

دل ہوا چاہتا ہے بسکل اور کٹنا ہے جگر  
آنسوؤں کی تر سے لیکن تاب لاسکتا نہیں  
چھینی ہے مہر اور انتقال تیری ہر نظر  
یہ محبت ہو نہ جلتے وہ بدنامی کہیں

کہیں تجھے کیا اندر پیاری ہو مری فک  
نیرا آرا تو ہے اک دگر پرانے لنگ پر  
آج محبت سے مری گردن میں بائیں اٹلے

ہائیں یہ کیا بدشت گریہ زیادہ ہو گئی  
میں نہ جاؤ نکلا نہ جاؤ نکلا کہیں اب جگہ پر  
میرا اب مجھ سے نہیں ہر نامی ہمارے

روپيا اور سونے کا سہارا ملا۔ اُس نے اپنے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا گھر بنوا دیا۔ اُس نے کچھ  
کوکاں اور بھینسوں کی کوشتش کی۔ تم شراب پیو گے تو پھر اپنی ماں کا پیٹ  
کے بھر کر گے۔ تمہاری ماں تمہاری زندگی سنبھالنے کے روپ یہ کیسے جمع  
کرے گی۔ بیٹا جس گھر میں شراب پھرتی ہے وہاں برکت نہیں ہوتی۔ ہم روپیوں  
کو محتاج ہو جائیں گے۔

”جھوٹ — سیدھے گھر الماریوں میں شراب ہے لیکن اُس کے  
پہاں کتنی برکت ہے۔ میں بھی شراب کی بوتلوں سے کوٹھری بھر دوں گا۔“

کیتھو کتا روادار سبنا کو بھرتی ہوئی اپنے ہنگ پر چلی گئی اس کے چہرے  
پر غمناک لہریں تھیں، اُس نے دل ہی دل میں کہا: بھگوان میری  
نعمت گنتے وقت تم مجھ سے کتنے خفا تھے۔“

منظر رضوی لکھنوی

ہاں ذرا لیکن ٹھہرنا، مجھ کو یہ کیا ہو گیا  
 کیا قدم آگے بڑھا کر پھر شاہنشاہ ہے  
 مرد ہو کر ایسی کڑوری نہیں زیب لگے  
 رگ نہیں سکتا میں ہرگز، مجھ کو ملازم مزدور  
 اک سپاہی اور اپنے فرض سے نا آشنا  
 فرض کو کیا ہے بالکل بھول جاتا ہے  
 جو کیا ہے عزم پورا اس کو کرنا ہے  
 تول میں خود کو کچا اٹھاتا ہر مزدور  
 لے خدا حافظ، مجھے اب بھول جائے ناز میں  
 فرض کو الفت پہ میں سربان کر سکتا نہیں

آؤرخاری

دندانہ "زمرم" کا اجرا  
ہندوستان کے مشہور قومی اخبار "زمرم" لاہور کو حکومت  
اور حکومت پنجاب نے شائع کرنے کی اجازت دیدی  
ہے جس کا پہلا پرچہ خاص نمبر کی صورت میں یکم جنوری  
مسئلہ کو شائع ہو رہا ہے۔

# وہ راگ

یہ ہنسی شب ویراں گھڑی، یہ عزم کی ماری تنہائی  
وہ راگ نہیں جو راتوں کو مہ پارے سنایا کرتے ہیں  
وہ راگ نہیں جو رقصاں ہے باز یوں کی جھکاروں  
وہ راگ نہیں جو سادوں میں گنگھو گٹائیں گاتی ہیں  
وہ راگ نہیں جو بل کھا کر اُتھتا ہے سنہری وادی سے  
وہ راگ نہیں جو گاتے ہیں تارح بھنور کے دھاروں  
وہ راگ نہیں جو گاتی ہیں دوشیزائیں صراوے میں  
اُس راگ کی درد بھری لے کو تنہی شاہ کیا پہچانے

غنچہ کی چٹک بلبل کی جھک بھڑے کی نظر کا راگ نہیں  
ماہ و پرویں لیلائے شب سلماتے سحر کا راگ نہیں

وہ راگ جو پہلوں پہلو میں احساس بھرا دل گاتا ہے  
وہ راگ جو برسا کرتا ہے اکثر دیران نگاہوں سے  
وہ راگ جو گایا کرتی ہے خاموش زباں ناداروں کی  
وہ راگ جو بے خود ہو کر آپ اپنے ہی گن گاتا ہے  
وہ راگ جو بھارت ناما کی سانسوں میں کرٹ لیتا ہے  
وہ راگ کہ جب کو سینے میں شعلوں کا اثر دہکتا ہے  
وہ راگ جو ابھارتا ہے بیوہ کی ٹھنڈی آہوں سے  
وہ راگ کہ رونق ہے جس سے مغرب کے حسین زاروں کی  
فرعون سیاست سنتا ہے ہامان تمدن گاتا ہے  
جذبات کے چکر کھاتی ہوئی دھاروں پرستی کھیتا ہے

دل کی دھڑکن کچھ کم نہ ہوئی دل انسا میں بہلائے سکا  
افسوس نہ مانہ گانہ سکا اُس راگ کی دُھن کو پانہ سکا  
کامل کشید



## اک فسانہ نامتام

آہستہ آہستہ دہر کو رنگیں ادا رنگیں خیرام  
 یہ بھی میرا شور مینا وہ بھی میرا عکس جام  
 آنکا انداز منکل، آن کا انداز کلام،  
 قدسیوں کو ابھی کبھی تکلیف ہستی کے دیکھ  
 مجھ کو خود ساحل پہ پہنچانے طلب دین موج  
 اب تو ستاروں کو تو دم لینے کا موقع ہے کوئی  
 میں نہ جانے کتنی وسعت شوق کو دیتا ابھی  
 کون میرے غم کے کو دے آئے رونقیں  
 ہم سے آگے اڑنے والے قافلو سنا زرا  
 کتبہ و درو کلیا درے آزار ہیں  
 پھر جن میں جائے والی ہے آزادی کی نوع  
 گلستاں کے رنگ آزادی میں کتنا جبر ہے

ہم بھی بزم ناز میں کہنے کو لائے تھے اثر  
 اک کہانی نامکمل اک فسانہ نامتام  
 فصل لیدن آثر ایم۔ اے

## تاثرات

تنگ ہیں اپنے دل نامکام سے  
 ہونہ جنگ دل میں آزادی کا جوش  
 یہ اسیر ہو گئی، وہ بہت شکن  
 ہو گئے خوف میں آخر بے نقاب  
 انہماکے عشق پر سرور ہوں  
 دیکھئے کس طرح ہو صبح فراق  
 دے نہ افریق سرخوشی دینا بھ

لاکھ بدلے رنگ یہ رنگ جہاں  
 کام ہے تاثیر اپنے کام سے

نعمان تاثیر

لہذا اگرچہ یہ کہنت و تخیل ہے مگر تاثرات و افکار میں وہاں کے ذرا ذرا ہیں۔

## گل رنگیں

اے گل رنگیں ازل سے گنتاں پرور ہے تو  
ہے فضا سے گنتاں معمور یوں نور سے  
تیری رنگینی کا منظر جلوہ عام حسن  
تیرا ہر اک برگ رنگیں اس طرح ہی جلوہ را  
زندگی بخش گستاں ہے تری جلوہ گری  
ہے شفق کی سرخوں میں اختر روشن جہیں  
را از حسن و عشق کا بخت از ہے جلوہ ترا  
مست رکھتا ہے مجھے صبحے الفت کا خار

لے رہا ہے لطف زخمِ عمر کا قاتل کی تو  
آگہی رکھتا ہے شاید درد کی منزل سی تو  
پھر تری نظروں میں کیوں اے حاملِ مدعا  
دیکھ تو سوز و فاسے کون ہے اندھ گیس  
ذرہ ذرہ ملتفت ہے جانبِ فریاد عشق  
پتی پتی ہے زبانِ حال نے گرم سخن  
کیوں ہے آئینِ چین کی جھکوا اتنی بے رخی

ہے یہاں جو بھی وہ سرگرم سخن ہی بر عمل  
ایک تو ہے صرف پابند سکوت منتقل  
اس میں واقف ہوں اے جانِ چین جانِ بہا  
بزمِ عالم میں ہے جو ضبط و سکون سے آشنا  
ہیں عمل کے نتیجے شرحِ تقدیر حیات  
یہ تو سب سچ ہے مگر اے تو بہارِ زندگی  
قطرہ قطرہ بحرِ حسنی کا سکون آئینہ ہے  
چپ جی رہتی ہے کلی اسکو صبا چڑ ہے ہزار  
مطربِ شام و سحر کے راگ ہیں سب بے غل  
تو بھی اک تھریرہ کی ایسی چین میں صاف صاف

التجہ دارم کہ اے بیگانہ ذوقِ سخن  
شوہرِ عینِ نالہ ہائے دایرِ مہل در چین

الم منظر نگری

## تبرکات

ٹسکت تو بہ سا مان ٹسکت جام ہونا تھا  
نہ آتا تھا آنکھیں، میرا برا اُسٹام ہونا تھا  
نہ تھا دن و نہ رات تیرہ قسمت کے مقدس  
عقب ہے دل پر رنگ بیکشی جتنے نہیں بابا  
برا مانا ہے کیا کائنات کے اہل بزم عشرت نے  
مری وحشت پر تم کو اہل کلمہ طوع زن کیوں ہو  
جہان نامرادی ابھی تو بزم اہل بہت ہے  
کہیں کس سے کہ ہم میناؤ کو اپنا سمجھتے تھے

مرے ذوق سماوی کو جٹ بدنام ہونا تھا  
اب آکر کیا کرینگے ہو چکا جو کام ہونا تھا  
بیاض تیغ روشن کو سوادِ شام ہونا تھا  
غم ہستی کچھ اتنا نہ خوں آشام ہونا تھا  
ہمارے نام کو جا کر وہاں دشنام ہونا تھا  
کبھی تو جاگ آ کر بردہ حرام ہونا تھا  
بہیں آ کر کچھ کچھ خست نام ہونا تھا  
گلہ کس کا ہمیں کو خود اسیر دام ہونا تھا

غنیمت میں لگائے دام جو کچھ اہل سی پی نے  
اسی بازار میں ناطق ہمیں سلام ہونا تھا

ناطق گلاؤٹھوی

## ۹

باز آیا کسی کی یاد سے میں عالم تہہ و بالا کون کرے  
ان سنگ دیوں سے ملنے کی بیکار تمنا کون کرے  
جس پر ہے کتنا ہر انسان دنیا کے معائب خانے میں  
کچھ شکوہ دورِ فلک بھی ہے تقدیر یہ کچھ الزام بھی ہے  
بات اتنی ہے اک دل کو کبھی دو کام نہ ہو کر اور غلط  
نہ ہر عادت آپے ہو آتی ہے اجل بھی بالیں پر  
سکہ و سونے کی شمع محض پروانے یہ کہہ کر دُور ہے  
ہے جان کی گاہک تیری ادا اور مفت میں ہو بدنام قضا

چب میٹھ کے دیا کون کرے دل تمام کے تو یا کون کرے  
فولاد کا دل لوہے کا جگر پتھر کا کبھی کون کرے  
مرنا بھی تو اسے بس کا نہیں بچنے کی تمنا کون کرے  
درد بردہ شاہ کس نے نہیں اس راز کو افشا کون کرے  
دُنیا کے کچھ دلوں میں رہ کر فکر غم عقاب کون کرے  
دیکھیں تو مر یعنی بھراں کو ان دنوں میں بھرا کون کرے  
جلتا تو ہے اپنی خطرت میں جل بچنے کی پروا کون کرے  
اس بات کو دُنیا جانتی ہے اس بات کا چرچا کون کرے

اپنوں سے سربراہ امید ہو کیا جو کچھ بھی کیا اپنوں نے کیا  
اجاب نہیں اغیار سے کم اغیار کا شکوہ کون کرے

سربراہ بری

## دیہات کی شام

پرچمِ خلعت سیرِ تنویر لہرائے لگا  
لال اور پہلی شاعری شفقِ ہر لالہ گوں  
چرخِ بینی غام کی ٹھنڈی ہوئی تبتی جس  
بڑھ رہی ہے رفتہ رفتہ ہلکی ہلکی خلعتیں  
آگے ہیں لوٹ کر کشن میں مرفان چمن  
چھاگئیں باغوں میں پھر حشتِ اُتر خاموشیاں  
ہوئے ہیں کھیت سے واپس نہروں کی کساں  
عورتیں واپس ہوئیں پانی لئے تالاب سے  
دودھ ڈھننے کی صدا مصوم بچوں کی پکار  
خاموشی کی گود میں غوغائے عالم سو گیا  
گیدڑوں کی چیخ اک جانب سے جھینگر کی صدا

عارضِ فطرت پہ زلفِ پرشکن لہرائی

یا فضاۓ نور و تابش پر سیاہی چھا گئی

آسمان پر بیک بیک ناراوں کی مغل جم گئی  
ہو گیا روشن جو مٹی کا دیا چو بال پر  
آجیسا ہی خونِ دل سے کھیت کی کرتے ہیں  
فکر ہے ان کو لگان آگے ادا کو نہ کر رہیں  
اک ذرا سی، لہر موجِ زندگی کی تعم گئی  
رات بھر رو یا ک ان کے کتہ مال پر  
دوسروں کی زندگی کے واسطے ملے ہیں  
دل سے اپنے کاہش ہم فانیوں کو کر رہیں  
گاؤں سے رہتا ہے دامن کش تفسِ شہر کا  
چھو نہیں سکتا انھیں جڑا تندن شہر کا

اللہ شام کیا دیہات کی مصومہ؟

زندگی سی زندگی ہے گو فضا مغنوم ہے  
روحِ دکنی جھپٹو



کا پہلو دینگے۔ دیکھئے اگر مولانا ذہین نام ہے احکام آئی پنا  
رسالت پنا ہی پر ایمان و یقین کا تو مجھے طبی اعتراض ہے "مولانا"  
ذہین کا اور اسی پر فائدہ کی خواہش

ان کا ان الرفق حب علی

فیضہ المصلح فی النفع

آپ کو اپنے منوں کی دیا تھا جس میں ذاتی و سیاسی عنصر نہ ہو۔ یہ یاد فرمائیگا  
ایسا تو آگاہ کہ اگر موقع ہوتا تو اسی وقت فضل الادب ہو پختہ ہو چکا اور  
جنہوں کو پوچھا کہ ذات و سیاست سے آپ کو چھڑے کیوں ہے۔ یہ چیز  
تو آپ کی زندگی کے گوشہ گوشہ پر بچائی ہوئی ہے آپ اس سے دامن  
کما تک پکائی گئے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ادب کاغذی پتھوؤں کے  
نوشہ نگار سے آگے نہ بڑھے۔ کیا آپ صرف قلم کی نفاذ میں سر  
رہنا چاہتے ہیں کیا آپ جو شخصیتوں سے ادب کو جاری رکھنا چاہتے ہیں  
میں تو سمجھتا ہوں کہ ادب جب ہی جاننا و ہونے سے جب اس میں حقیقت  
ذات اور سیاست نمودار جائے۔ ایک واقعہ لکھا جاتا  
تھا جو ذات و سیاست کے ساتھ ساتھ ہر لطف بھی ہے لیکن اچھی ذرا  
مسلط ہے۔ سکون ممبر ہونے کے بعد انشاء اللہ لکھ چکا۔

"کتابان" لاسٹل شاہ۔ میں بہت دیکھ اور مفید ہے اس کے لئے  
گہمیش نکالتے رہتے۔ یہ آبرو حسی گوری معلوم نہیں کون  
بڑھ گیا۔ میرے پاس ایک رسالہ "زالی دنیا" آیا جو ہر صاحب کے  
ایمارت سے بھیجا گیا تھا اور میری صفوں کی خواہش کی گئی تھی۔ لیکن رسالہ  
دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ محض اکابر اور بڑے دستم کے لئے جاری کیا گیا  
ہے۔ انہوں نے کہہ دیا کہ ہمیں یہ تنقید و تمجید کا فرق نہیں سمجھے۔ اگر  
نقدیات کی یہی حالت رہی تو اردو ادب کی یہ گندگیاں ادب اور دو کو  
کھانا بنا دیں گی۔ کوئی صفوں کا نہ مطلب ہے کہ وہ جو نہ تھے  
میں جو لکھنے کے لئے بیٹھا تو خدمت ہو گیا

لکھو

۲۲ نومبر ۱۹۴۳ء

محرم بانی تسلیم

نومبر ۱۹۴۳ء لاہور: ہمارے نواز جہا۔ حنا میں نظم و نثر کا جادو بڑھ

ملا وہ بھرتی کی چیزوں کے تکثیف مجموعی "شاہ"۔ بی بی کا ایک نیا بل ملا وہ  
بہنا ہے۔

اسی شمار سے جس کو زبیری صاحب کا بیڈ بانی ڈرامہ دار اکون  
پر ہر گز میرا خیال یقین کی حد تک پہنچ گیا کہ جس طرح جواد شاہ عرفی کو  
ہو سکتا ہے اسی طرح جواد ادیب آگے پاؤں پیچے سر کرنے والا اصطلاح  
پسند بن سکتا ہے۔ زبیری صاحب نے غالباً پہلی مرتبہ اردو ادب کی  
ایک خالی جگہ کو زبیر کو سنے کے لئے قلم اٹھایا اور ایک پٹے پٹے موضوع  
پر خام فرسائی کر سنے سے حدود سے جدا بی اصول میں سانس  
لینے والی عورتوں پر اپنے حساب خوب کچھ کہہ دے گئے۔ مگر زبیر وہ  
کے جگہ جگہ خود کو بھی زخمی فرمایا۔ ایسے ادیبوں کا آپ میری طرف سے  
ایک عام مشورہ دینگے کہ پچھلے وہ بنو عورت کی نفسیات کا مطالعہ کریں  
یہ وہ ادب حقیقت کا درپیش کرے کہ وہ کچھ بھی نہ بن سکیں گے۔ سوائے  
اس کے کہ فن کا گھسیٹے کاٹا کریں۔

اب مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے اس شمارے میں جو  
تقدیق و خبریں اور اس ہندی کی چیزوں کو کیوں شامل کیا جبکہ آپ  
اُس ریڈیائی "ٹکاؤنگ" سے خود بھی نکتہ مند تھے؟ اس وقت مجھے  
آپ کا "ارستو سسٹم" کے کتبیکہ وہ الفاظ یاد آ رہے ہیں کہ  
"میں بہت سرور ہوں کہ بی بی کی خواہش شہر و ادب میں آگے  
بڑھ رہی ہیں۔ خدا ان کی زرقوں میں اشتیاق عطا فرمائے"  
یہ آپ کا قول تھا اور میں "دار اکون" چ شائع کیا، انشاء اللہ!  
حب انکھ آپ استور صاحب کا ایک انشاء "میں ملافا میں" ارسال ہے  
دیر سے مطلع فرمائے گا، فکر ہے گی۔

والسلام

اجود سرور۔

۹ دسمبر ۱۹۴۳ء  
کینگ اسٹریٹ لکھو

مرا۔ ۱۱ جواب میں آپ نے بہت شکریہ  
ہیں۔ یہاں یہ فائدہ کہ انشاء اللہ کی گھڑیاں لکھنے میں کہیں۔ آخر انگوں  
کی معیت کہ تم ہوئی۔ خدا کے فضل و کرم سے کہ انشاء اللہ! آپ کی

شاعرانہ  
تکلیف بھی نہیں کیا اس معنی میں کوئی اور ادارت کا بار نہیں  
بہتال نکلتا؟

”حرکت“ کا نظم البدل ہے۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع  
ہوا تھا۔ اس کا اسٹیمپ بھی دیا ہوا ہے اس شاعر نے کائنات  
ہو تو شاعر کو دیکھ کر کہیں ”آپ ہی کا پرچہ ہے۔ آئندہ اشاعت  
کے لئے آپ کی نظم کا عنوان کر دیا ہوں۔ میری ذمہ داری کا ذرا  
خیال رکھئے گا۔“

آپ کی نظم ”غزل“ پر ”شیر“ مکتوبہ کا لکھنا ۲۴ دسمبر ۱۹۳۳ء  
بہت پسند کی گئی اور اس نے مجھے کئی دفعہ غزل گوئیوں  
میں فرمایا، ہفت روزہ ”شیر“ کے علاوہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں دانتے  
کیونکہ ایسی ہی غزل لکھنے کے لئے وہ نہ دیکھتے غفلت پر نگاہ کرنا  
مشائخ پرست ہی صاحب کو دیکھا۔ عبادت صاحب شعر کے لئے  
اگر اشد مزید کہہ کر کہیں گے اور آئندہ بھی پابندی سے لکھنے کا  
وجہ کیلئے۔

یہ زندگی میں پہلے وہ ہیں، مجھے دوا کرنے پڑتے ہیں،  
سب کچھ آپ سے کہتا ہوں۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء کو والدہ ماجدہ ہوں،  
کچھ تو خوشی کے لئے مضامین لکھنے کی ضرورت ہے اور پھر اب ان  
سے ملے کوئی دل چاہتا ہے۔ جنگ جانا کے نظم پر سوچی ہوئی ”آفتاب“  
کو آپ کے خط سے آفرین لکھنے کے لئے آمادہ کر دیا، لیکن یہ تو بھلا  
”جیتے ہوئے کون کی ان کی وفات نہ ہو سکی۔ حضور کے مزاج کیلئے  
ہیں۔ اب چھپانے سے ملے وہ راز ہی کیا جو زبان تک آ گیا۔ پھر آپ کے  
ساتھ تو میری زندگی کے تمام اوراق منتشر کر دیئے گئے۔ اب آپ کو  
لکھنے بھی کچھ پڑھے کا حق ہونا چاہئے۔ ————— منظر رضوی  
سلام کہہ رہے ہیں۔

آپ کا جو کتہ صدیقی

”بہشتی“ منزل  
۱۲/۱۳

کرمی نٹا طومار

شاہ فیض الملک مرحوم کی انجمن میر میری مدد ہانری کی وجہ سے

مولانا مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ میں نے اپنے تمام حالات اُنہیں  
مولانا کو لکھ کر بھیج دیئے تھے جو غالباً اُنہیں شام کو مل گئے ہوں گے۔ آج  
پھر اپنے تمام مصافحات لکھ کر روانہ کر دیا ہوں۔ اگر مولانا باز دُشمن  
تو آپ بھی پڑھ لیجئے۔ اُمید ہے کہ آپ اس معاملہ میں میرے ہم خوا  
ہو کر مولانا سے میری سفارش کو دیکھیں گے۔

”شاعر“ مل گیا لیکن جواب میری نظم ”دُشمن“ اس مرتبہ بھی  
غائب ہے کیا وہ آپ کو پند نہیں؟ دوست ”کو تو آپ نے دہان  
”شاعر“ میں جگہ دی، لیکن ”دُشمن“ سے آپ گریز کر رہے ہیں۔ کیا وہی  
دُشمن بری چیز ہے۔ میں تو صرف دُشمن دوست کے لئے دُشمن کا ہونا ضروری  
سمجھتا ہوں، اور یہ میری اس نظم کا مقصد و جد ہے مجھے اپنی نظم  
”دُشمن“ دوست سے زیادہ پسند ہے۔ آپ کی آپ جانیں۔  
جانی؟ شاعر کی صدارت نہ چھل جانا۔ میں نے صرف آپ کی  
صدارت ہی کی وجہ سے شاعر ۲۵ مارچ کی بجائے ۲۴ مارچ کو دیا ہے  
صدارت کا اعلان بھی ہو گیا ہے۔

شاعرے کی کامیابی صرف آپ حضرات پر منحصر ہے۔ ہاں  
”شاعر“ میں آپ نے گزشتہ کے چکی واقعی پھر گہری لی ہے۔ لیکن  
وہ شاید ”آپ کے ارے تو جانوں۔“ .. واسے آدھی میں ہیں۔  
مولانا مظلوم تو ایسے وسیع الطوف واقع ہوتے ہیں کہ تعداد ہار لکھنے  
کے باوجود بھی ایسے سخی کوکرات لگوں کہ جو بھی سزا نہیں دیتے دیتے  
ورنہ نہ بیکار اور ان کی ڈیال کیا۔ کاش مولانا اجازت دیں تو پھر  
ہم لوگ تو بڑی چیز ہیں۔ چارے خاکروان کا منہ توڑنے کے کافی ہیں۔

منخلص  
مجاہد احمدی

غروب خورشید کی آنکھوں کی پانی پانی چھپ چھپ ہمارے ہنسی کہ اب انھوں نے تہذیب کی خطا  
آگے بڑھانے عاجز اسے آخر کار کے انتقال کی اطلاع ملی مرحوم غوردار کے طالب علم اندر علی  
ادبی ترقی سے بہرور تھے۔ خدا مرحوم کو اپنے ہر ارجحیت میں جگہ دے اور لازماً صاحب کو اس  
غیم کے باعث کی توں حفاظ فرمائے۔ ادارہ ”ان کے غم“ میں بارگاہ شریک ہے۔ نظریہ شاعر  
میں مرحوم کے لئے سعادت خیر خواہوں۔ ————— اعجاز صدیقی

# شخصیات

## الطاف شہدی

شاعری تنقید و حیات ہے — ادبیات گونا گوں اقسام و سائنس سے ملو۔ ہندوستان کے دورِ فطرت کا ردِ عمل لازمی اور لازمی تھا۔ قوم و ملک کے بدلنے ہوئے حالات استثنائی صورتیں ذہنیوں کی تبدیلی اور وقت کی لڑائیوں نے شاعری اور نہ صرف شاعری بلکہ ادب ہی کی ہیئت کو باطل بدل کر رکھ دیا۔ اب شاعری کی نظر میں حیات ایک درشاہِ انمول، پکا ہوا پھول اور جلتا ہوا درخت تھی۔ زندگی ایک مسلسل آواز اور مستقل گراہ بن کر رہ گئی تھی۔ سرمایہ داری اپنے اپنی یادوں میں فریبوں کو ڈھکے چھپاتی تھی۔ قیصری فکر کا شکوہ آواز ہی تھی اور سانچے چمکیاں ملے ہاتھ اور سرشار کی تحریک پوری قوت سے اپنا رنگ جاری تھی۔ پھر سیاست کی سرگرمیاں نرسے اور جگہ سے۔ بیرونی تہذیب و تمدن کی تباہ کاریاں اپنی صحت میں "حیات" پر نشانی لفظ نرسے کیونکہ تنقید پرستی تھی؟ چنانچہ ادب و شعر کے نظریات بدلنے شروع ہوئے اور اسے جسے کہ ایک نئی انقلابی شاعری کہنے سے لیا۔ شرا کو پھول کی پتھر کی میں بکاسے۔ اس ادب کا شگفتگی کے خون دہقان نظر آنے لگا۔ حالی، آزاد، نذیر احمد، آکرم اور اسماعیل مرثیہ وغیرہ نے جن سے حالیوں کو محسوس کیا انھیں اقبال سیلاب چمکتے۔ جو سن اور زلفِ چمنوں نے دیکھتے ہوئے انکارِ دل کی صورت میں زبانِ لہجے برمایا اور نہ صرف برمایا بلکہ قوم کے جنوں میں بھی اس آگ کو بھردیا۔

اس دور کا قیام یافتہ اور حساس نوجوان شاعر بھلا کیونکر خاموش بیٹھ سکتا تھا اس نے اپنے بزرگوں سے زیادہ گرم نوائی کے ساتھ انقلابی شاعری کا تحول پیش شروع کر دیا۔ سافر۔ احسان دانش۔ فیض۔ محمد علی الہین۔ علی اختر۔ جاں نثار۔ اختر۔ محمود جالبندری۔ علی سردار جعفری۔ سلام پھل شری اور روسش ہی ہیں بلکہ جوان شرا کی ایک بڑی تعداد کسی کسی حد تک متاثر ہوئی۔ بعض نے تقاضا سے امید لی ہے تو ان سے اپنے شاعری کے ذریعہ قوم و ملک میں بیداری پیدا کرنی شروع کر دی اور موجودہ نظامِ زندگی کو اٹھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انھیں میں الطاف شہدی بھی ہیں۔

۱۰ فروری ۱۹۳۵ء کو جب نمبر ۱۱ جنوری ضلع سرگودھا میں الطاف شہدی کی پیدائش ہوئی۔ ڈھائی سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا یہ سیدنا امی

والدہ کے سایہ میں پروان چڑھا۔ دس سال کی عمر میں پرائمری پاس کر کے ٹیچر اسکول میں خدمت رکھا۔ پانچویں جماعت کے امتحان کے بعد آزاد کی کاموہا سر پر ہار دیا اور بجائے اسکول جانے کے شہر کے کناروں، پارٹیوں کے واسطے دانش و شہر کی چھاؤں میں حاضر نظر ہونے لگا۔ چھٹی کے وقت گھر چھوڑ دیا اور پھر مدرسے کے وقت ان فضاؤں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ تھا الطاف کا مسلم جہانی۔ والدہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک ٹیچر سے عالم سید حسین شاہ صاحب کو الطاف پر مسلک کر دیا چنانچہ دو سال تک ان کی قید میں رہنا پڑا اتفاق سے وہ اپنے وطن چلے گئے اور پھر وری آزاد کی لڑ گئی۔ جوانی کا عالم جذبات میں ہیماں، آرزوؤں میں رُپ اور دلی میں شک کی آواز سے شاعر کا آغاز ہوا، سب سے پہلے پنجابی کا ایک شعر لکھا اور پھر ایک سر جوئی کہ کہ ایک فقر کو یاد کرادی جو بہت مقبول ہوئی۔ خوب رنگ و بو کی جو میں الطاف کے حوالات و سکنات برقرار رکھنے لگیں۔ والدہ نے فقہانہ تعلیم دینی سے لے کر سب کو جو انہوں میں خالق کی لڑائی سے شاعری کو ہی سب سے اہم سمجھا۔ سب کا تعلیم یافتہ تھے خود الطاف کی منفرد حیاتِ تخلیق کے خلاف کوئی دلیل نہیں



جنوری ۱۹۴۴ء

تو کلمہ تو طویل ہے اور اظہار کا ایک ہی ایک منظر پیش کرتا ہے لیکن یہ کہ پہنچاؤ لاش جناب  
بادی میں پہنچاؤ شراسر اس قدر گستاخوں کا نام نہ لیتے۔ یہ سمجھ کر کہ انتہائی بااوس میں فریاد نہ سکھ  
کیا جانے لیکن شکوہ کا بھی رنگ ہونا چاہئے۔ اقبال کا "نکوہ"۔ "خشر"۔ "ثبات" اور "سب اب کی  
فریاد" میں جو افسہ اور ان ظہور کی جو اغاز ہیں وہ ہم گزشتہ غزائے نہیں۔ "الطاف" کی انقلابی  
شاعری میں جس کی کہ ہے جو عام طور پر انقلابی شرا کا ہے ہیں۔ "خردوت" یہ ہے کہ جس میں صلی  
شان پیدا ہو گئے اور بے شک کے ساتھ ساتھ دو وسیلے کا بھی اعلان ہونا چاہئے۔ جذبات کو  
برگوشہ کو نہ کہ ساتھ ساتھ خیالی ہوں کی طرف بھی اشارہ ہونا چاہئے اور شکر کا ساتھ ساتھ دینے کے  
بعد کجوری پر گرام بھی پیش کرنا چاہئے۔ یہی وہ خامی یا بالکی ہے جو "الطاف" اور دیگر انقلابی  
شعرا کے ہاں پائی جاتی ہے۔ یہ تو فرح حق تعالیٰ نہیں کہ "الطاف" کو تمام انقلابی شعرا کا  
جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ملک میں اس کی شاعری کافی مقبول ہے اور اس نے بہت سی ایسی  
ظہیریں بھی ہیں جو نئی پند ادب میں فرما رہے ہیں۔ اسے انقلاب کے دکھ دکھاؤ میں کافی  
دیکھ سکتا ہے۔ اس کی ظہیریں کی جو کہیں میں شرم اور بدلتی جاتی جاتی ہیں۔ اس کی وہ یہ ہے کہ  
اس کا ادھار لیکن ان کی طرف زیادہ جو۔ وہ اب تک لیکن ان کی گت کہ چاہے اور اس کے گت گتے  
والوں میں نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ میری رائے میں حقیقت یہ مقبول میں احمد دودی کے بعد "الطاف  
نہایت زیادہ اور بڑے گتے میں۔ اس کے گتوں کو ہر طرف بے بارز میں آیا اور یہ تو بالکل مرتن کہ  
تقریباً پندرہ گتوں کے بعد اور اس کا نام "آوازِ ملک" خدا کے نالہ و رنج ہے۔ وہ چھ گتے ہیں اور  
شرا کی طرح یہ وہ اور جو ادب میں ایک ہی جہت میں ملتا ہے جو نہایت دوسرے تقریباً پندرہ شرا کے مقابلے  
اس کے کام کی کیا ہے۔ نادرین کو نکلتی ہیں لیکن آئندہ شاید وہ اعلاطاس کی کچھ بھی پیش کرے  
برعالم اس اور شرا کی بڑی اُمیدیں۔ والے ہیں اگر اس کی شاعری میں توازن پیدا ہو جائے اور اس  
تقریباً پندرہ شرا کی کیفیت کا بھی طرح ہو جائے تو وہ واقعی صفا اولیٰ کا شاعر ہو جائے۔ اس کے کچھ نہیں  
بھی کی ہیں گتے اس کے قول گونا گوں ہیں اس کام ہے۔ بیکر خیال میں وہ قول گوئی کے لئے پیدا  
نہیں ہوا اسے صرف ظہیریں چاہئے اس کے ساتھ ہی توازن جذبات کے ساتھ۔  
جی جانتا تھا کہ "الطاف" کی متعدد ظہیریں بطور غزل کا نام پیش کر دیں لیکن حکم مجھ پر نافذ ہو

”دو بہات میرے ہمسائے کا بچہ کیا کروں“

چاکر تار و پود حیات کی روائی پنج دون  
 جو کس کی نرم و سین بانوں میں لہرائی نہی  
 جو دلنوا کی دادوں میں گنگنا کی عمر بھر  
 جو کس کی سرسبز آنکھوں میں جوئے نصیب ہے  
 روائی کے ہر دامن ہے بھر مخلصانے

ایک دوشیزہ کی الفت کی گناہی پنج دون  
 ایک روتی کے عجز نہ دلائی پنج دون  
 چند گھڑوں کے سنے وہ زنگینا کی پنج دون  
 دل کی گناہی وہ انگوڑی کی پنج دون  
 آج کوئی نہ وہ انگوڑی کی پنج دون

چاکر تار و پود حیات کی روائی پنج دون  
 جو کس کی نرم و سین بانوں میں لہرائی نہی  
 جو دلنوا کی دادوں میں گنگنا کی عمر بھر  
 جو کس کی سرسبز آنکھوں میں جوئے نصیب ہے  
 روائی کے ہر دامن ہے بھر مخلصانے

ایک بچہ کہے کہ: "میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہوں۔"  
 ایک بچہ کہے کہ: "میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہوں۔"  
 ایک بچہ کہے کہ: "میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہوں۔"

# تحقیق و تصحیح

بعض ایسے الفاظ کے اعراب جن میں غلطی کا امکان ہے

غلط اعراب	صحیح اعراب	تشریح
بَابِل	بَابِل	دوسرا باب لکسر
بَارِد	بَارِد	"
بَاكِرَه	بَاكِرَه	ک
بَابِي	بَابِي	ہ بالف
بُتُول	بُتُول	ب
بُتْد	بُتْد	د مہذوم ہے یعنی پورا چاند
بُدْر	بُدْر	و۔ بالف یعنی باہر
بَدْرَقہ	بَدْرَقہ	ر۔ بالف
بُرُون	بُرُون	ب بالف
بُدَاہِہ	بُدَاہِہ	ب۔ بالکسر
بِرَادِر	بِرَادِر	ب بالف
بُرُص	بُرُص	ر بالف
بُرْف	بُرْف	ر مہذوم
بِرہِہن	بِرہِہن	ر۔ بالف
بِشَارَت	بِشَارَت	ب۔ بالکسر
بَشْرہ	بَشْرہ	ب بالف
بِطَاف	بِطَاف	ب۔ بالکسر
بِطَان	بِطَان	الف بیکاری
بَغِير	بَغِير	بالکسر و بیری
بَغِير	بَغِير	ب۔ بالکسر
بَلَاغ	بَلَاغ	ہ بالف
بُغْد	بُغْد	"
بَلُوط	بَلُوط	"

غلط اعراب	صحیح اعراب	تشریح
بَنْدِگِی	بَنْدِگِی	بندگی
بُوغْلُوں	بُوغْلُوں	بوغلوں
بِہِجَت	بِہِجَت	بہجت
بِہِیَانہ	بِہِیَانہ	بہیانہ
بِیَاض	بِیَاض	بیاض
پَرِیشاں	پَرِیشاں	پریشاں
پَشِیْمَاں	پَشِیْمَاں	پشیمان

(باقی۔ باقی)

(بقیہ شاوگرہ نمبر ۴۸)

جناب سلطان نقشبندی

دھت جو سم بہاری ہے

دل بہ دشت ہنوطاری ہے

اپنے بھانے ہوئے سلطان

بخت کی یہ سیلا گاری ہے

جناب نصیر کوئی

اُن کے آئے سو ایک دشت حق

اور جانے سے بتراری ہے

سب تو قربان ہو چکے ہیں نصیر

آن عقل میں اپنی باری ہے

جناب ساجن انصاری پھیر دوی

دل لگائے وہی جو تم سے

زندگی اپنی جو بیکاری ہے

یا کے بے قرب ہیں ساجن

جبری قسمت فقط ہانک ہے

جناب تحمل دہرن گانوی

قبر میں بھی ہمارا ساتھ دیا

بے کسی کی یہ ٹنگلی ہے

جناب قاضی ادھونی

جو بکا امنی ان پروانہ

کوئی دم میں ہماری بلدی ہے

جناب گلشن درودی

مٹ رہا ہے کسی کا سے خانہ

بزم اسکاں یہ کین طاری ہے

جناب حسن پھر اوی

مرد کی دوز گار سے ان

آن راجہ تو کل بھلا ہے

جناب آفتاب ازاد کوئی

**اصلاح سخن** :- جناب سعد السدی کی غزل پر اعتبار الملک حضرت شایہ پانوری کی اصلاح

نتیجہ :-

(۳) اس شوہن کسی قدر صلاح کی ضرورت تھی۔ اس نے کہ ”ہوا اتنا“ اور معلوم کر لیتا ہوں ” میں زمانوں کا نفاذ پایا جاتا ہے۔ اگر پہلا مصرع

یوں ہوتا ہے

”میں لذتِ آشائیں تصور سے ہوں اندھے“

تو یہ عیب دُور ہو سکتا تھا۔

(۴) استاد صاحب کاسمرع پھیں چٹا تھا۔ فاضل استاد نے اُنکی ضرورت کا ایک اچھا کاسمرع بھی بنو کر دیا۔

(۵) مصرع ثانی بن "اُفت نہیں دل سے" کی تکرار اچھی نہ تھی۔ اس لئے ایک مصرع سے نکال دیا گیا۔

(۶-۷) دونوں غریبوں کو ملے، پہلا زیادہ اور دوسرا کم اس لئے نظر ہی کر دیتے گئے۔

(۸) سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت دکن نے اس شوک پہلے مصرع میں کون سا اصلاح فرمائی اس سے صرف یہ تو نظر کو نگاہ نہ مصرع نمایاں طرز پر اصلاح طلب ہے۔ میں نے اس کی موجود صورت اہل زبان کا محاورہ نہیں سمجھ کر تصحیح فرمادیا ہوگی میں منزل رسید کو بجا رہی کیا؟ ”بہت“ بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر ”بہت“ مصرع میں قائم رکھا جائے تو پھر ”ہی“ کی ضرورت نہیں۔

(۹) صبر و اچاننا تھا اور ”کو بھی مغف کر کے کھا گیا تھا۔ صلح بہت جلد ہی گئی ہے۔

(۱۰) ”یا بندی سے ”راز“ کہیں زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

(۱۳) آخر واجب کے صریح ثانی میں غلطی تو نہ تھی لیکن رتی کی ضرورت بھی اطلاق نے اسکو پورا کر دیا۔

(۱۴) ”ہوگئی“ کی دوسرے معررے اولیٰ اُجّت نہ تھا۔ معررے ثانی میں ”عبدالملک“ کے بعد

”یا“ غلط اور زیادہ تھا۔ اصلاح سے یہ غیب جاتا۔ اعجاز صدیقی

۱۔ بچنے ہوئے کو کون کون کا کھانا دیا جائے؟  
 ۲۔ مری نخلوں میں ہوی کھانا کون کون دے؟  
 ۳۔ میں لذت آشنا کیف تصور کوا اٹھا؟  
 خواب حقیقی عروقی غمت کو کیا کہتے؟

نہایت معمولی خوابِ عشق کو لگو ۴ نتیجہ کچھ نکلا ہی نہیں ہو سکی حاصل سے

شیراز کا وہ مضافہ کوہ کرکٹ میں، تمہارا الفت نہ بدلے، تمہارا الفت نہ بدلے

وہی ہے جس نے کہا کہ "اگر تم لوگوں کو چاہو تو تم لوگوں کو چاہو"۔

رے درک گدائی باغ کو نشان بہتر ہے ، یہاں کوئی بھی فقیر دعا اور نفل

پکارا ہی کیا منزل رسیدن کو بہت دیر لگی بھی گمراہی اور اندھکوری منزل سے

بڑھاؤ اور نہ بیٹائی سرخ آؤ غفلت کے ۹ کہ دل میں ہوک اٹھتی ہو کر تیرے دل

تہیں ملتی ہے ایسی کوئی لذت ٹھیکے میں ۱۰ یہ جا کر کوئی پوچھے رہن راہ منزل سے

کے رازِ منزل

غرض مجھ کو نہیں پابندی دیر و حرم ہے کہہ ۱۱ کہ میں نا آشنا ہوں امتیاز حق و باطل سے

تقدیر ہی کی یہ سب ہیں کرم فرمایاں سجدہ ۱۲ ”ہوا کرتی ہیں تنہائی میں باتیں پڑی ہیں“

سبق روزنگی میں

تنبی پر جو میں اسعد وہ پائیے منزل بھی ۱۳ ہے ظاہر تماشاد و نو سواد کال سے

ہماری شاعری کی کیوں شہرت ہو گئی؟

۱۳ "تلف کھتے ہیں ہم اعتبار ملک یا دل سے"

مصائب فن حضرت

# مشاعر شاعر

مصرع طرح :- "کب غم عشق اختیار ہے"

حضرت شہر تہگامی ایدو دیکٹ اورٹی

آہ و زاری نہ اٹھتا رہی ہے  
دل کٹھن ہے تو رات بھاری ہے  
عالی دل کیا کہیں کی ہے ہم  
اب تو حالت یہ ہو سکوں گی اگر  
دم اسے برق شبیلہ پر  
زندگی پر نہ موت پر تباہ  
ہم سے ہو تو عشق کا شہر  
حضرت منظور صدیقی اکبر آبادی

دل ہے اور نکل اٹھتا رہی ہے  
زندگی پر تو اپنا زور نہیں  
کوں نہ ہونا نہ جھکنا غم پر  
دلی عشق کا ہے ہر انسان  
جھٹھے ہوئی نہ شمع جلو دیت  
کبھی لی تھی تری نگاہوں سے  
اس میں کچھ تک نہیں کہ نظر بھی  
حضرت جذبت عالمپوری

پھر وہی شعلہ عشق جاری ہے  
نگہ شوق اختیار ہے  
مرد ہے جس کو نہیں مرنے  
خونخانی چشم شوق نہ پوچھ  
دل تھما ہے میری چیر نہیں  
جان و دل اہمیت داڑ ہے  
جذب کس سے کہیں محبت میں  
حضرت ارشد صدیقی احمد پوری

خون دل خیم ترے جاری ہے  
ضبط غم کی گوند لاری ہے

مغفل حسن و عشق پر غلو نہیں  
ہے قیمت کہ جادواں نہ ہوں  
جبر بیان کے اختیار نہیں  
کل تو موسیٰ کا امتحان ہوا  
بجھ میں بار غم اٹھے کیونکر  
جب سے پاپ ہے ان کا وارث  
حضرت ہر تقویٰ ہے پوری

عالم اک نقشہ اختیار ہے  
غفلت عرش پر جو جھلک ہے  
کام کو قوت ارادی ہے  
عہد و جان حسن الفت میں  
وہ ہاری وہاں پہنچتے ہیں  
جلوہ جلوہ بنا لیا چلن  
سر ضبط ہے قرب تو کائنات  
جناب کرم حنیفی دھولوی

پھر وہی دنگ بے قرار ہے  
رضع پر بے خودی سی رہی ہے  
یاد ہے اور بس تمہاری ہے  
زندگی ہر کسی کو پیاری ہے  
زندگی ہے تو بغیر رہی ہے  
آنکھ ابھی بھڑکی رہی ہے  
اب چمن میں خزاں کی یاد ہے  
جناب حلیل بکھیری از سکولی

یہ بھی فطرت کی شاہکار ہے  
تنگ ہستی کی بڑھ دار ہے  
آندہ ہے کس کی بخش میں

مذوں سے مجھو طاری ہے  
زندگی دھیمی دن کی بھاری ہے  
صبر کرنا تو اختیار ہے  
طور پر آنکھیں کی باری ہے  
سانس لینا بھی جھک بھاری ہے  
دل پہ اک بکھو دی سی طاری ہے  
پھر بھی حیرت نظر طاری ہے  
وہ ہاری ہی خاک رہی ہے  
کایا بی پھر اختیار ہے  
کس قیامت کی استواری ہے  
جن کی فطرت جفا شاری ہے  
خوب انداز بڑھ داری ہے  
دل میں طوفان آہ زاری ہے  
پھر وہی دنگ بے قرار ہے  
رضع پر بے خودی سی رہی ہے  
یاد ہے اور بس تمہاری ہے  
زندگی ہر کسی کو پیاری ہے  
زندگی ہے تو بغیر رہی ہے  
آنکھ ابھی بھڑکی رہی ہے  
اب چمن میں خزاں کی یاد ہے  
کون زوری ہے کون ناہی ہے  
بخود ہی میں بھی ہوشیاری ہے  
خفے خفے پہ وہ جھوٹا رہی ہے

لب پہ ہر سکوت ہے لیکن  
کچھ تو وجہِ طیشِ تپلے غم  
جامد ہوں دیارِ گلشن سے  
داغِ دل کے قلیل کیا کہنے

### جناب منظر مظفر پوری

حُسن کی پردہ دار یوں کی خیر  
ایک جانب ہے، ایک دوتا ہے  
نصیح کو یوں نہ چھوڑا بسیم  
ہے اُن اکھوت تپ بیک اس  
میں بکھرا ہوں بقی کے توجہ  
کئی آئے تو دم میں تم سجانے  
جسے سمجھ میں زندگی منظر

### جناب فروغ تما بانی دھولی پوری

حُسن پر کینٹ سی طاری ہے  
کون مصروف آہ و زاری ہے  
بخش دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں  
ٹھوکر دے کر ہیں بے منزل غم  
ساز غم پردہ راگ چڑا ہے  
وہ نہنے جارہے ہیں سن من کر  
سے تصور میں کون مت ناز

### جناب منظر کلپی جام پوری

ان دنوں منظر آہ و زاری ہے  
دل میں طوفان بے قرار ہے  
میں تو سہمہ سے لپکے کباروں  
وہ بھی دیتے ہیں ٹھوکر کو کھوسے  
دفن کیونکر کر رہے اجاب  
جبرِ داخل سسرت ہوا  
منیاں پھوٹتی نہیں منظر

### جناب بنیاب کاپوری

زندگی صرف آہ و زاری ہے  
بیقراری سی بقراری ہے

طعنِ دیوانگی نہ ملے دوست  
دل سے مجھ سے ہرک انساں  
اک زمانے سے بزمِ ہستی کی  
عشق میں آرزو سے زیت نہ کر  
اب بھی باقی ہے حُسنِ انساں  
بِآملِ لطف اور وہ میناب

### جناب غنی کلم پوری

بے پے شکلِ میگاری ہے  
دوریاے فقیہے سالماں  
ہے نظر میں، نظر سے پوشیدہ  
بزمِ تخیلِ عالمِ امکاں  
چاندنی رات کا حسین منظر  
یہ ترقی ہے علمِ حاضر کی  
جرمِ بادِ عمل سے غنی

### جناب شہید جلی

ہمکے سے بیل اٹک جاری ہے  
آج وہ یاد آئے جانے میں  
یہ تاثر ہے میرے فنون کا  
شکرت ہے، جو، حالِ دل میں  
لب میں خاموش اور آنکھوں سے  
کشتِ آئینہ ہو گئی برباد  
کسی فرقتِ مجراؤں تہید ہے

### جناب شاعر کاظم صلووی

دوستی صرف اعتبار ہے  
مرکے پورا ہوا فسادِ دل  
میرے نزدیک یہ عیبِ گل  
یہ بھی طاب ہے خوش نصیب ہے  
سو زیناں میں زندگی کی زیناں  
وہ سوداے عشق ہے تلخ

بلے ہستی میں ہوشیاری ہے  
کاہشِ غم تک اعتبار ہے  
خونِ انساں کو تیار ہے  
جاں گوناوا ہی کجا شاک ہے  
اب بھی انسانیت کو عاری ہے  
صرف دہم و فریباری ہے

چشمِ ساقی کا بھینٹا ہے  
روکشِ سختِ نمراری ہے  
کس قیامت کی ڈوڑھاری ہے  
نقشِ تصویر اعتبار ہے  
قلبِ مضطر و فراق ہے  
فوجِ انساں پہ شعلہ باری ہے  
کینٹ مینا سے کاٹتا ہے

ادرب پر سکوت طاری ہے  
سلسلہ آندوں کا جاری ہے  
ایک عالم پہ وجد طاری ہے  
واہ کیا خوب غم گزاری ہے  
سلسلہ گفتگو کا جاری ہے  
لکے ہاتھوں میں تیار ہے  
ہر نفسِ نیک کا بھاری ہے

دشمنی بھی بڑبگاری ہے  
اپ نہ دل سے بے بغیر ہے  
نامِ ہزار زبان پہ جاری ہے  
کب غم عشق اعتبار ہے  
زندگی دوقی جاننا ہے  
جسکا حال جہاں میں نوازی ہے

## شاعرانہ جناب سہا قریشی از بھٹ

آوہن کہے شب گذاری ہے  
سخت مشکل ہے فیصلہ کرنا  
صحن گلشن کی ہر کی سے جہاں  
ضبط کر لوں میں آہ کو کیونکر  
عشق میں ان کی کیوں نہیں ہوتی  
استغاثہ سہا میں کیوں نہ کروں

## جناب طرفہ قریشی بھٹاروی

شعلہ ریز می ہے شعلہ باری ہے  
جان دینے پہ کون ہوتا ہے  
دل اگر اک ہی بت پہ پوچھیں  
عشق میں ہر تپ ہو اک انت  
آپ اپنی ادا پر سیٹ چنا  
دیں وہ داؤد سخن ہیں طرفہ

## جناب وحید نولوی - مخازمیوری

یہ گرانی لافیں جاری ہے  
ہو گی آسماں فرود ہر شکل  
زندگی کی کششیں تو بہ  
علم کا آفتاب روشن ہے  
مدد سے نفع فساد کی بنیاد  
دیکھنا ہے عقیدہ کا گداز ہے

## جناب فارغ ازادے پور

بند عرصے سے گولہ باری ہے  
چمن خلوت میں ہے نہ خلوت میں  
ہارنے سے جو ڈھکیا انسان  
رو نہ تھے جہاں کو پوچھتے  
دار کر کے نہ مسکرائے کیوں؟  
خود میدان سے گزرتے ہیں فارغ

## جناب خوشتر کھٹہ وی

جو گئی بخودی میں لغزش پا

جس دن آتی ہے موت آنکلی  
عشق میں ہم کس کو کس کا  
جان دیتا ہے کون کس کے لئے  
تم جو دل میں اور نظریے دور  
یکایکس وقت مرگ لئے خوشتر

## جناب ہلال برہی

کچھ نصویر کی خام کاری ہے  
در پہ تیرے، تراپکاری ہے  
یہ محبت کی رازداری ہے  
دوہرے سکین بے قرار ہے  
بیتاری ہی بیتاری ہے  
اب مری آئیاں کی باری ہے

## جناب اشعر ہاشمی طبع آبادی

کچھ نہیں دل کی خاکداری ہے  
مضطرب خاک دل ہاڑی ہے  
ہم ہیں اور جو تمہاری ہے  
جستجو میں وہاں ہاڑی ہے  
اب فقط آرزو تمہاری ہے  
پھر تو کہنا خطا تمہاری ہے

## جناب منیر نقشبندی کولاری

حال عشق آہ و زاری ہے  
نہیں بے وجہ شکباری ہے  
یہی آئینہ دوسداری ہے  
خوب باری کی خوب باری ہے  
وہ شگفتہ نظر تمہاری ہے  
آج کل باری باری ہے

## جناب بی بی شہر آنا وہ

ہم نے اپنی بونی گذاری ہے  
ان کے محل کی تہ باری ہے  
کچھ و جگہ پہ باری ہے

اشک باری پر ہے قرار ہے  
اپنے دامن کو تیرے گل جنت  
تیرے نقش قدم کی مجھ کو گاہ

حسن وصال بھی ہو گیا چاک  
۱۰۰۰ غم بہ جم جتن تیریں  
نظر حسن ہو چکا اسے تصور  
**جناب اسحاق کا سیر**

یہ کوئی حسن پر بھی طاری ہے  
زندگی اک عظم ہے گویا  
دارغ غم، دارغ حق، دارغ غم  
صربت دید زندگانی کی  
جس نے بخشی جاتِ نعل کو  
مان اسحاق مضطرب ہے کام  
**جناب عارف بانگوئی**

دل ہے اور آرزو تھاری ہے  
لاؤ جان اُنکے عشق میں نہیں  
مانگے کسے ہیں ہم مجبور  
ہے مل پر مداد اداں کا  
لام کیا دے سروں کے آسے کا  
کہیں مرے ہیں دل عارف؟  
**جناب کوکب القادری از کوکب**

کسے دل ہم سے پڑا ہے  
دل ٹھٹھانیں کسی صورت  
ہے فقط ترک آرزو خیال  
فکر و رماں ہے چارہ گنج کو  
دل کو بھلا میں کس طرح کوکب

### جناب ناظم (از چکدین)

زندگی ابھی سب کو پیل رہی ہے  
آن دنیا میں جب کیم نہیں  
جسکے پیٹھے اور پیاس بڑھے  
کوں پٹھے اُسے تم نقد میں  
شارہی جگہ نام ہے ناظم

### جناب احسن حنیفی دھولپوری

مردنِ ریح و دل بہ طاری ہے  
موج تک دیکھے ہو کیا انجام  
ابھی آیا کہاں خیال اُن کا  
فرق باقی و حال کچھ بھی نہیں  
کاش! اہل ہی کو کھڑے نہ لے

### جناب حکیم اسی ترپاٹوری

دور صد گونہ بفراری ہے  
دوست کوں در پی ہیں بالوں پہ  
استعد بھی نہ ہو کوئی مضطر  
وہ جفا کو جفا سمجھتے ہوں  
حالت عشق کس کوں آتی

### جناب اسحاق السیدی لکھنوی

منقل اب تو بخت اوی ہے  
خاک وہ بائیں سکوں ہوگا  
طاہر گنج آشفنا کے ہے  
ہم قصہ سے چٹے ہمارا آتی  
کائنات سخن میں اسے اسحاق

### جناب سیم سینا پوری

کہیں مائل تھی عشق میں راحت  
نیری بلے التفانیوں کی قسم  
خمس ہے میں جو غم دلِ نغم  
کچھ دیر میں تو کچھ بھی نہیں  
ہت عشق کو کب سے لبسم

### جناب محشر فرخ آبادی

اب ہیں اس دور میں عشقِ اندوہ  
زندگی کا ہے نام غمِ لکڑی  
میں پریشاں عمارتِ سستی  
پیتے کی آگ پر نہیں قابو  
عقلِ دی ہے فاسقِ کشتہ

### جناب احسن حنیفی دھولپوری

اسے کیا زندگی ہماری ہے  
دانش ہے دل کی بفراری ہے  
بے خودی کوں بھی طاری ہے  
بے قرار ہی تھی بے قرار ہے  
زندگی حسروں کی ماری ہے

### جناب حکیم اسی ترپاٹوری

اسے کیا زندگی ہماری ہے  
موت بنیام رستگاری ہے  
کہ وہ کہیں غمناک رہا ہے  
میرے نزدیک نہ تھلا ہے  
نہ سکوں ہے نہ بفراری ہے

### جناب اسحاق السیدی لکھنوی

داؤ کیا زندگی ہماری ہے  
جسکی نظرت میں بفراری ہے  
باعثِ ننگ رستگاری ہے  
یہ مقدم کی سا نگاری ہے  
حضرتِ دل کا فیض جاری ہے

### جناب سیم سینا پوری

اب تو ہر لمحہ آہ و زاری ہے  
اب ہر اک غم سے تنگ رہا ہے  
حسن کی یہ بھی حرفِ کار ہے  
عمر ساری دہاں گزار ہے  
بیتوں پر بھی نہ بفراری ہے

### جناب محشر فرخ آبادی

دور سے کس کو رستگاری ہے  
موت بنیامِ جانِ شکاری ہے  
موت بھی زندگی کو ماری ہے  
عشق کا غم تو اختیار ہے  
جولنا ناخبرِ کاری ہے

## شمار اگر تیرے جناب شاقب ساطر پروانی

میزل باد کا پستہ نہ چلا  
جستہ دونوں کو جاری ہے  
چارہ ساز دل جاوہ نہیں  
ایسی نعمت دیکھ جا رہی ہے  
میری رنگ رنگ جہیز بوجھو چلاز  
کون نکالوں سوچہ اوری ہے  
یوں ہے یہ حال تلخ حیات  
دل پہ چمک کر تمہاری ہے  
اور بخشش غلش وہ دل کو مر کر  
میں راحت یہ بغیر اوری ہے

## جناب نظر اعظمی

میں ہر گز آپ سے ملوے  
پھر یہ کیسی پردہ داری ہے  
حسن ناواخت حقیقت ہے  
عشق کی اس پہ ذمہ داری ہے  
کچھ ہنس ہی نہیں تو فوت  
حسن کی حماد اس پر جاری ہے  
میں خوشی دینے کو نظر  
نالہ ہے اڑے خوری ہے

## جناب ارشد صدیقی ساگری

رات دن دل کو بھڑا رہی ہے  
ہائے کیا زندگی جاری ہے  
ہر نظر شعلہ ہر نفس سیلاب  
بغیر اوری سی بھڑا رہی ہے  
ہم کہاں اور کون سے بار کہاں؟  
سب تصور کی عکاسی ہے  
یہی نہ بگ و بربستہ ارشد  
کل خوشی کی غم کی باری ہے

## جناب سلام ساگری

اُنکی آنکھوں کا فیض جاری ہو  
بے ہے مجھ پہ کجکٹ لاری ہے  
دل کی بازی کی کلفت میں  
ہم نے جی کہاں کی لاری ہے  
چشم بیکوں کا ذکر جو اب پر  
کتنی صبرم بادہ خوار کی ہے  
جس سے آج کوئی ملک عدم  
کل سلام جو میں کی باری ہے

## جناب خلیق ابوالوسی

یہ جزو دشت سی دل پہ طاری ہے  
آہ موسم بہاری ہے  
دل نہال ہے جاں نثار ہے  
کونسی چیز اب جاری ہے  
ایسے عالم میں اب یہ کہ حال  
جئے ہنس ہے نہ ہر تار کی ہے  
جاوہ بنائیں حلقہ بھی میت  
بغیر اوری ہی بھڑا رہی ہے

## جناب وحشت انصاری امیر تری

بلیاں جو غم خاص ہے دل  
بے فوری میرے انداز کی ہے  
خاک انگوٹوں میں بھی نظر میں  
داستان وفا شمار کی ہے  
آپ آہیں غریب فاسے پر  
ایسی قسمت لکھا پلاری ہے

## وحشت زار عامل اُلفت

جناب سید محمد ابوالوسی  
تجھ پر مرنے کا یہ نال ہوا  
موت میں زندگی جاری ہے  
دین کی میری بادہ خوار کی ہے  
دل جوں کی یہ خاکا کی ہے  
بن گئے خاک کے زیر پائے حبیب  
اثر انداز کیوں نہ ہو محمود  
تیرا ہر شہر مظلوم اوری ہے

## جناب شادال میل و شامی

آؤ رہا ہوں جسارہ رو بنکر  
ادب پر میری خاک کی ہے  
لو میں بے باب نہیں ہیں  
کچھ نہ کچھ وہ بھڑا رہی ہے  
تیرا عاشق کہاں نہ لالہ  
بیخ ابرو کا زخم کاری ہے  
منفعت کا بے بی شادال  
واہ کی شان تیرا کی ہے

## جناب تیم تر با توری

ہے نکل میں فن کا پسلو  
دل دی ہے کہ دل بھڑا رہی ہے  
امتحان و فحاشے میں عمر  
ور نہ کیا ہم کو ذلت بھاری ہے  
کیا کہیں وحش و عمارت سے  
کے ہیں پاس وضع داری ہے  
نہ ظاہر میں نہ کھری ہی اٹھ  
واہ کیا زندگی جاری ہے

## جناب خاتم بھڑا گانوی

آہ و نالہ ہے اُنک جاری ہے  
ہر کی رات کتنی بھاری ہے  
اُن دوستوں سے محبت میں  
ہو نہ کھو نا ہی بھاری ہے  
بے ہے انجمن عشق و قہار  
سلسلہ آنسو فگنی جاری ہے

## جناب نور بدایونی

اُنکی اُلفت میں اور کب ان  
رہے غم ہے بغیر اوری ہے  
دل میں رہ کر کہاں کی کھوں  
ہائے کیسی یہ پردہ داری ہے  
تور دل سے کے وہ کہنے میں  
چیز میری ہے باتھار کی ہے؟

## جناب خاقل ازبیتول

عشق میں کل بکون تھا جتنا  
آج اتنی ہی بے قرار کی ہے  
اُن پہ کچھ نہ کر بیٹھے  
اب تنہا ہے جان شہر کی ہے  
میرا ہوں جو عشق میں تامل  
حسن کی یہ بھی پاسداری ہے

(بقیہ صفحہ ۴۹ پر منظر فرمائیے)



# تعارف

سال اجرام ہمار ۱۹۳۰ء  
عمر اشاعت ۱۲ سال  
قصر الادب خالص علمی و ادبی ماہنامہ

جلد ۱۵ نمبر ۲  
تصویر حضرت علامہ کبیر جی کوٹی

## شاعرِ اکبر

علی حضرت سوا مظلومی والی باجوہ (کاٹھادار)  
عاجیناب سردار صدیق محمد خاں صاحب یونیورسٹی (ناہرہ)

منظرِ رشید

حکمران عالم صوبہ پنجاب، صوبہ مالک متوسط و برابر  
ریاست یوپی، ریاست کشمیر، حکومت مالک متحدہ گروہ وادوہ

## چند لائے

عوام سے	لکھ	سادہ بن سے	لکھ
خاص سے	تے	وجہ سے	نہ
ہمدرد سے	تے	محبت سے	نہ
ایسک	تے	سر پرست سے	نہ

ششماہی بی فی پڑھ ۶

اشاعت گاہ  
مکتبہ قصر الادب اکبر

صفحہ نمبر	مضمون
۱	علم و ادب
۲	اردو ادب میں نوجوان کا حصہ
۳	وہلہ الوجود اور وہلہ الوجود
۴	انگریزوں کی خدمت میں شامیوں
۵	اردو ادب میں انگریزوں کی خدمت میں
۶	مکتوبات
۷	افسانہ و ڈراما
۸	فکری برادری (مطلوبہ)
۹	فکری کی خدمت میں شامیوں
۱۰	مکتوبات
۱۱	مکتوبات
۱۲	مکتوبات
۱۳	مکتوبات
۱۴	مکتوبات
۱۵	مکتوبات
۱۶	مکتوبات
۱۷	مکتوبات
۱۸	مکتوبات
۱۹	مکتوبات
۲۰	مکتوبات
۲۱	مکتوبات
۲۲	مکتوبات
۲۳	مکتوبات
۲۴	مکتوبات
۲۵	مکتوبات
۲۶	مکتوبات
۲۷	مکتوبات
۲۸	مکتوبات
۲۹	مکتوبات

محسن ادب و شعر

(۱) محسن ادب جناب محترم بابو ہرگو بند دیال صاحب نشر ہنگامی ۳۴ سالانہ  
(۲) محسن ادب جناب محترم مولوی محمد فالنصاحب نیرتہ خورجی ۳۴ سالانہ  
(۳) محسن ادب ہر اینس علیہ حضرت کتیانہ والی بیگم صاحبہ آن جو ناگڈہ بیٹٹ ۳۴ سالانہ  
(۴) محسن ادب وزیر زادہ شجاعت فالنصاحب ۳۴ جو ناگڈہ ۳۴ سالانہ

(۵) مرتب ادب جناب محمد سید فضل کریم صاحب الکتاب شید پور ڈاکٹر و اشاعر کبیر حید پور ڈاکٹر (مگر) فاضل سائنس

## معاذین ادب

- [illegible]

محمد رفیع خان ادیب

- (۱۲) محمد و ادب جاب جوی خداوند و صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۳) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۴) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۵) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۶) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۷) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۸) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه  
(۱۹) محمد و ادب جاب جوی که صاحب لیسان فی تری و علمه سالانه

## شاهان ادب

- [illegible]

## شعرِ انقلاب — اے گوشہ نشین اٹھ!

کون کتنا ہے فضاے لامکاں کی سیر کر  
تیری ہی دنیا کے حصے ہیں زمین و آسماں  
تیرے طبلے خلاؤں میں خراماں ہیں تو کیا  
ہیں زمیں کی دستیں بھی تیرے قدموں کے لئے  
روند ڈال اپنے قدم سے۔ کیا جنوب اور کیا شمال  
دیکھ سطح آب پر سیلاب و طوفاں کا اٹھان  
عالم ہستی کے طے کر سب نشیب اور سب فراز  
دیکھ راہی ہیں رہ ہستی میں کتنے قافلے  
ہیں سزاوار تماشایا سیرگا ہیں عشق کی  
تصروایوں کی طرح زنداں بھی ہیں شایانِ دید  
کائناتِ دلکش دیر و کلینا میں گذر  
ہے یہ دنیا بہرِ انساں اک متاعِ بیکراں  
خلد اک رنگیں نقو ہے، مجسم ہونہ ہو  
خاک کے پتے، تجھے آنا نہیں ہے پھر یہاں

جستہ جستہ تجھ پہ کھل جائیگے اسرارِ حیات  
صفو صفو میرے افکارِ جواں کی سیر کر  
سیما بکریادی

# صفہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

ریت آئی بسنت کی شگون نے چھوٹے  
دامان بیابان پر پھیلے گل بوٹے  
لے کا سن ہو گرم محض صلح و سکون  
بیجا ان سرد دھڑوں سے چھوٹے

اب جنگ کا کچھ عجیب سا عالم ہے  
بیدار اک انقلاب سا ہر دم ہے  
جاری رہے جنگ۔ جو یہ امکاں کر دے  
اور جلد ہو ختم۔ یہ توقع کم ہے

پولینڈ اور روس میں جو آویز ہے  
یہ بھی اک قسم کی نئی کاوش ہے  
ہے مسئلہ سخت، اور ملے نازک  
سمجھنے کی لیکن ابھی گنجائش ہے

ہٹلر نے بھی شہاد کی سی، کی تدبیر  
یعنی کر لی ہے "انجی جنت" تعمیر  
ہے فکر بال زندگی اب اس کو  
شاید نظر آتی ہے تضاد انگیز

اٹلی میں مقابلے کی اب تاب نہیں  
جرمن افواج بھی نظریاب نہیں  
شاہنشاہی روم کا ہر وقت زوال  
تعمیر کے دور دور اسباب نہیں

جاپان بھی چپ ہے چین بھی جو فائوش  
ہمسا نہیں ہے ان میں اب جوش و خروش  
مشرق میں ہے سرد نسبتاً آتش جنگ  
مغرب ہے بدستور ابھی شعلہ فروش

اے زندگی تخریب میں تجھے دالو!  
لے اسلحہ جنگ سے سچے دالو!  
ہو گی کبھی اس صلح کی بارش بھی؟  
لے مشرق و مغرب میں گر بنے دالو!

کس طرح یہ رنج ہند سہہ سکتا ہے؟  
کیونکر "جنت نشان" رو سکتا ہے؟  
جس ملک میں دین کو رفاقت کش ہوں  
اس ملک کو "جنت" کوئی کہہ سکتا ہے؟

جب یہ تہذیب نومی کی تاب نہیں  
رزا و حیات جنت ہے تو میں میں  
عمر طبعی کا اوسط و اندازہ  
برطانیہ میں ساٹھ، یہاں ہے تیس

یارب کی قدرت آزمائی تو نے  
جبروت کی اک خان دکھائی تو نے  
اب اپنی خدائی بھی دکھا بندوں کو  
بندوں کی گود بکھری خدائی تو نے

سیلاب

## جرعات

جنوری ۱۳۳۲ء کا شاعر جس نئی تربیت سے شائع کیا گیا تھا اسے بلا تعلق پسند کیا گیا۔ بعض حضرات نے تو بیان کیا کہ اسے کم صنعت میں رسا کو شائے نال کر دینا اچھا ہے۔ فردوسی شاعر اور دیرین شاعر سے محبت کرنے والوں کا طبع آزمایا ہے۔ لیکن کسی حد تک صحیح ہے کہ شاعر ہندو نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کا ہر صفی وادبی ذوق کا حامل نظر آتا ہے۔ صنعت کی کمی کا احساس دوسروں کی طرح مجھے بھی ہے۔ لیکن کیا کوئی کہ اگر وہ اس کا ذوق فردوسیت پر متحاشی حکومت سے خدا بھی فوج نہیں دے اور اگر دی ہے تو کسی حد تک کاغذ کی اپنا حساب اور صحیح میں کوئی فوٹو کاغذ فردوسیت خدا کو گٹے یا گٹے شاعر کے لئے حکومت ہند کی طرف سے جو کوڑے مل رہا ہے وہ اس کی فردوسیت کا پورا حصہ نہیں ہے۔ اشاعت کا یہ حال ہے کہ ہر وہ تو خود فردوسیت کاغذ پر جاتا ہے۔ میں کو شائے ہوں کہ آئندہ اشاعت سے "شاعر کے حجم میں" صنعت کاغذ کو دوں۔ آٹھ صنعت کے اضافہ سے سنی یہ ہونگے کہ کم از کم تو دو پر ہاؤز کا توجہ ہو جائے گا، اگرچہ مجھے نہیں دکھا جاتا کہ ایسے اچھے مضامین اشاعت سے رہ جائیں۔ امید کہ انورین شاعر اس کی توسیع اشاعت میں اور زیادہ سرگرمی سے کام لینگے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ جذبہ کس قدر سرد ہوتا جا رہا ہے۔ ماضی اسی جذبہ عمل سے کام لیا جائے جس سے سکندر نے "شاعر" کو کوڑا دیا تھا۔

ذیر نظر اشاعت: پچھلی اشاعت سے زیادہ مضامین نظم و نثر اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اردو ادب میں خواجہ کاغذ ہندوستان کی شہادت ہے۔ محترم شائستہ اختر پوروی کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے اور جناب فردوسیت کی ترجمان ایک چوتھی مضمون کنٹا ہن مختصر کویں سے کسی پھر بھی صلوات آفریں ہے حضرت مولانا میکش، اکبر آبادی کا مترادف وحدۃ الوجود اور وحدۃ الوجود، فاضل علمی مہتر ہے۔ اُمیر کہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی بھی اس ذیل میں کچھ مفرد و غریب لکھتے ہیں۔ "بازن"۔ بزرگ اردو میں متعدد مضامین لکھے جاتے ہیں اور میں انگریزی کتاب سے مدد لی ہے۔ سید محمد خضر رضوی کا انداز بیان بڑا دلچسپ ہے گو وہ خواتین سے نہیں لیکن اسلوب نے ان میں یگانہ پیدا کر دیا ہے۔ میں نہیں بلکہ "بازن" کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی شاعری پر بھی ایک اچھی تبصرہ ہو گیا ہے۔ اردو زبان کا کیکل گریجنس کوئی نیا نہیں، ڈاکٹر جان گلڈر اسٹ ادا ان کے فردوسیت کا کچھ سے سب اشعار میں جناب نماز محمدی نے بڑے اعتماد کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی باتوں کو ایک جڑ میں کیا ہے۔

افانوں میں قفس کی بیلوں سے شائع آیتاں رنگ دہشی بھولی کا اٹھائی کچھ افانہ ہے پچھلے کو خضر راہ مانے والوں کی زبان سے سمت ہے آبرو ہو کر تو کو کچھ ہی ہر گزے۔ "روشن ناویکیاں" میں نے کھلنے کی کوشش کی ہے وہ انہوں کی تعبیات اور فلسفہ بعد از سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتا ہے۔ نثار احمد پٹیل باربعینیت خاندان نگار "شاعر" میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ موصوف نے آئندہ بھی شاعر کے لئے امانت لکھے کا وہ کیا ہے۔ خاکستر بعد از "حضرت علامہ سید جیو گاتی کی قوت شاد اور لا نظریہ۔ یہ بہ اعتبار صنعت دانا نہیں بلکہ دانتی ہے ثبات زندگی کا جوتناک ڈراما ہے۔ "سکندر" کے بارے میں نام اور ادا سے "شاعر" کے بڑے کام کی چیزیں حضرت ہر نفوی کو اس سلسلے میں ماضی کاوش کرنی پڑی ہوگی اس سے دہری حضرات اچھی طرح واقف ہو سکتے ہیں جو تاریکیں نکالنے دیتے ہیں۔

منظومات: ایک تبصرہ کروں، جب آپ عبدالکرم قرنی نظم و نثر دیکھ سکیں تو عبا تھراوی کی نظم "میں" بھی دیکھتے۔ دوست اور دشمن "کایک جگہ اکٹھا ہو جانا بھی اتفاق وقت ہے۔ محمد صادق قیاسی نظم "سافر" ان کے عزم بلند اور فطرت خیال کی آئینہ دار ہے۔ حضرت راز چاندوری کی نظم کا ہر لفظ اور ہر کلمہ تیر و تشر سے اس لئے کہ یہ ان کے دلی کی پکار ہے۔ اللہ انھیں جو ان پیسے کی موت کا غم بھلے گی بہن عطا فرمائے۔ غزلیں سبکیاں مبارک لطیف تزلزل کی عالم میں "شاعر" نوازی

- (۱) جناب جمال محمدی، خندلور، دیپور ۶ فروری (عام)
- (۲) جناب محمد یعقوب خاں صاحب سیم سید پوری ۷ " (عام)
- (۳) محمد سید علی احمد، نونہا، انجمنی احمد آباد (ہنگ) ۲ " (عام)
- (۴) جناب عارف ابراہیم، رست پرکار، انعام دار، لاہور ۳ " "
- (۵) جناب جی الدین احمد صاحب شان اولیٰ احمد پور تفریق ۱ " "
- (۶) جناب محمد رفیق انصاری شہادوی ۱ " "
- (۷) جناب منظور احمد صاحب نظر، ضلعی (ملنگاڑ) ۱ " "
- (۸) جناب سمیر سید پوری (بلاام) ۱ " "
- (۹) صاحبزادہ شفیق رحمان خاں صاحب شفق ٹوکی ۱ " (خاص)
- (۱۰) جناب ڈاکٹر شمس العلی خاں صاحب کینل از سولہ (چپانی) ۱ " (عام)
- (۱۱) جناب سحر مظفر پوری ۱ " "

ایک جڑ میں

# اردو ادب میں خواتین کی حصہ

رہ گئے۔ ”اُس نے کیا کیا کیا“ اور مزید امیرزادی اگر نکل ہو گئے ہوتے تو اردو میں ان دونوں کا شمار بہترین ناولوں میں ہوتا۔  
جیسا کہ ہم بھی اس دور میں متاثرین ”زہرہ بیگم“ کا مکمل ناول ہے۔ اگرچہ  
چند باب اچھی صفات کے حامل ہیں اسکے متاثرین نے قصداً اسکا اچھا نہیں ہے لیکن  
اس عیب سے کمائی ہو کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس گروپ کی کئی دلیوں میں ولیدہ افضل علی کا ناول ”گلدی کا صلہ“  
ذہن کو دار نگاری کے اعتبار سے بلکہ اس اعتبار سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس میں  
توسط طبقہ اور دیہات کے ماحول کو پیش کیا گیا ہے۔

حالانکہ اس دور کی ناول نویس اور افسانہ نگار خواتین نے یہی ماحول اور  
توسط طبقہ کی زندگی کو نظر انداز کر کے اپنی کہانیوں میں بلند اعلیٰ کو جگہ دی ہے۔  
اس کے علاوہ جن خواتین نے اپنے افسانے لکھے ہیں اکثر انکا ادبی درجہ بلند  
نہیں ہے لیکن مادی اور طرز کی وجہ سے خوب ہیں۔ بہر حال ان میں وہ صفات  
جو وہ نہیں ہیں جو مرثیہ کے کئی برسوں میں ہیں۔ لیکن محمدی بیگم کا ناول  
”روشنک بیگم“ خاندان سے متعلق ہے اسکا طرز اور کردار بھی فائدہ آؤ  
کی طرح ہیں اور مگر طرز زندگی کو بھی کافی نمایاں کیا گیا ہے۔ یہاں پر فکری طور پر وہ  
کا آؤ کیا جا سکتا ہے۔ بھادی کے کچھ کچھوں فرسانہ میں کافی تفریق حاصل  
کرتا ہے۔ روشنک کا کردار آخر اندازہ زہرہ اور اس دور کے ناولوں کی پیرائے  
سے متعلق ہے۔ روشنک میں وہ نام صفات موجود ہیں جو اس زمانہ کی  
خواتین میں ہونی چاہئیں۔

ناول ”شوکت آرا بیگم“ کا طرز تحریر نہایت سنگین ہے۔ اور کردار نگاری میں  
بلند اور غیر مرقع کیا گیا ہے۔ اس کے کردار صرف کن کن ہیں جس کا ہم سے قریب  
یعنی ہمارے جاننے والے ہوتے معلوم ہوتے ہیں۔ اردو ناولوں میں سب سے  
(شوکت آرا بیگم کی پیرائے) کا کردار کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی ہی رنگ  
اور وفا دار ہے۔ قینا ایک انسان پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس ماحول میں سب سے  
ذہانت کا مظاہرہ گویا کیا گیا ہے۔

اردو ناول فوجی کے درمیان دور میں خواتین نے بہترین ناول لکھا، ہمارے  
ادب میں جتنی محنت اضافہ کی ہے۔ اردو میں ناول فوجی کا آغاز مولوی عبدالکلیم قریشی  
پنڈت دکن ناتھ سرکار اور مولانا ذریعہ احمد نے کیا۔ لیکن ان کے بعد کے لکھے والے کوئی اچھی  
چیز پیش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس دور کے بہترین ادبی ادب کا باب ناول،  
خواتین ہی کے قلم کے زینت ہیں۔

اردو کی ناول فوجی خواتین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ جنہوں نے ”تہذیب نسواں“ میں مضامین لکھے یا اسکے جہوں کی حمایت کی۔

(۲) وہ خواتین جن کا طرز تحریر سے متعلق ہے۔ اول الذکر

کے متعلق یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ مولوی ذریعہ احمد کے طرز تحریر سے متاثر ہیں۔

پچھلے گروپ کی کئی خواتین میں سب سے زیادہ متاثر محمدی بیگم ہیں۔ انکا

پہلا ناول ”شریف بیٹی“ (مولوی ذریعہ احمد کے) مرقعہ اور اس سے بہت

زیادہ اثر پذیر ہے۔ لیکن قصداً اس میں نظر انداز کر کے کردار مختلف ہیں۔ انکی بات چیت

طریقہ دلی والوں جیسے ہیں۔ ان پر اپنے صوبہ کا اثر زیادہ ہے۔ مستحیثات کے

علاوہ کردار نگاری کمزور ہے۔ ”آج کل“ انکا دوسرا ناول ہے۔ جس میں کردار نگاری

اچھی ہے۔ قصداً ناول ہے اور اندازاً سمجھا۔ اس میں کاپی کے برے

تعارف بنائے گئے ہیں۔ جس طرز سے یہ تصدیق کیا گیا ہے اور کردار پیش کئے گئے

ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض نقطہ کی غرض سے یہ ناول لکھا گیا ہے

یہ چیز نظر انداز کر دی گئی ہے کہ فہرہ (پیرائے) اپنی غلطیوں کا عجز نہ ہو سکتی ہے

اور یہ کردار غیر موثر ہو جاتا ہے

”منیر بیگم“ انکا آخری ناول ہے اسکا مقصد بھی صراحت ہے۔ اسکا افسانہ

ہے کہ کردار نگاری سے اسکا انجام بہتر ہو گیا۔ حال میں ختم نہیں ہے۔

اس دور کی قلم نگاروں میں چند سجادہ جید بھی ہیں۔ انہوں نے چار

ناول اور بہت سے افسانے لکھے ہیں انکا پہلا ناول ”آخر الفار“ دو خیرگی کے زمانہ کا

ہے۔ قصداً چھپو ہوئے کے باوجود کردار نگاری بہترین ہے۔ مصنف کے ناولوں میں

انکے ذہنی تاثرات کے گہرے جن میں اور شہت پیدا کر دی ہے۔ اسکے بہترین ناول ”آج کل“

## نذرِ عجیب ساز

تھی یہ معراج آشنائی کی  
شوق، اور غم شکستہ پائی کا  
میرے دم سے نفس میں وقتی ہو  
گوشتِ انہی ہر طرف مری آواز  
دن اگر کٹ گیا جدائی کا  
ہم نے فرقِ نیازِ خم کو کسے  
عصمتِ جن؟ تو ہی کراہت  
ہے مجھی سے یہ بند و لبِ چین؟  
جب میں خود ہی عزتِ منزل ہو  
اک سیرِ داغِ وہ بھی باوجہاں  
کیا کہوں کس طرح گزاری ہے  
چھو لپٹے ترے شاہدوں کو؟  
اُن تماشا بنتا لیا خود کو  
جیس کر رکھ دیا دو عالم کو  
جس کو سمجھ رہے ہو نقشِ بیکوں  
اپنے ہی سوزِ غم سے صل بچتے

سمجھ کو کیا ہو گیا تھا جانِ اثر  
لاکھ دینا بے وفائی کی

فضل الدین اثر ایم۔ اے

اے اعجازِ صاحب نے غالباً میر کی غزل دیکھا اس زمین میں غزل کی تھی اس لیے غزلِ میر  
کے عنوان سے پیش کیا۔ جس نے غزلِ اعجازِ صاحب کی غزل دیکھ کر بھی اسے غزلِ اعجازِ صاحب  
اے اثرِ صاحب کو ابھی شاعرانہ میں زیرِ طعن ہیں گوشتِ انہی کی طبیعتِ بغضِ اب بھی اور  
موصفت ہے اور بغیر اُن کے اچھا چھوٹے یا اچھا ہو سکے کی سب سے بڑی نشان یہ ہے  
کہ وہ شعر کہنے کی کوشش کر سکتے ہیں — اعجاز

افسانے ستارے سے لیکر سورج تک (جو ان ناولوں کی اشاعت کا بھی  
دور ہے) بہت سے اچھے افسانے بھی شائع ہوئے۔ ان میں سے نذرِ عجیب اور  
اور عجیبی، حکیم کا بیابانِ افسانہ نگار ہیں اسکے علاوہ تہذیبِ نواں، "عصمت"  
"مومن" اور "مدن" میں کئی اچھی لکھے والیوں کے افسانے شائع ہوئے۔  
لیکن ان کا کوئی مجموعہ شائع نہ ہو سکا۔ سب سے پہلے قانونِ اکرم کے افسانے نکلاں  
قانون کے نام سے شائع ہوئے۔ انکے اس مجموعے پر چلتے کہ ان کو زبان پر  
کافی عبور حاصل تھا۔ انکا طرزِ تحریر یک چند اور (علاقہ) دانشورِ تجربی سے جتنا  
ہے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو آج انکا شمار بہترین اور کامیاب لکھے والوں میں ہوتا۔  
"مکملستانِ قانون" کے بعد خواجہ نادر انکا نگاروں کے کئی مجموعے  
شائع ہوئے۔

موجودہ دور کی مشہور لکھے والیوں میں مجاہد انجیل، رشیدہ ظفر  
اور عصمت چغتائی ہیں۔ مجاہد اور رشیدہ ظفر کا طرزِ تحریر ایک دوسرے سے مختلف  
ہے لیکن عصمت چغتائی کا طرزِ تحریر بعض حالات میں مجاہد سے اور انانوی طرز  
بائبا کی کے اعتبار سے رشیدہ ظفر سے ملتا ہے۔

اگرچہ رشیدہ ظفر کا صرف ایک مجموعہ شائع ہوا ہے لیکن انکا شمار اردو کی  
بہترین افسانہ نگاروں میں کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایک ترقی پسند ادیب ہیں جو مختلف  
کے چہرے پر سے نقاب ہلا سکتے ہیں۔

اگرچہ ترقی پسند ادیبوں میں سب سے نمایاں چہرہ رشیدہ ظفر  
کے یہاں اچھی شدت ہے۔

آؤ نگاہِ بیٹھنے والوں کی توفیق کی ہے کہ وہ اپنے شاہدائی  
ناثرات کو دوسروں تک پہنچا دیتا ہے۔ اس ہول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بلا تکلف  
یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خواجہ نادر ناول نویس ہیں، جو کہتا ہے کہ انکے کو دار  
میراثی ہوں، ان میں بعض اصولی غلطیاں ہوں لیکن یہ چیز صاف ہے کہ وہ مصنف  
فائن کی نا انصافیوں سے بھرپور ہیں وہ متفقہ طور پر سماج کی زیادتیوں کے خلاف  
برسرِ پیکار ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ یہ کہ خاطرِ خاندانوں کی خاطر شادیاں نہ کی جاتیں  
یہ کہ بچے شادی کے منتظر رہیں اور اسے معلوم کوئی جائے۔ یہ پابندیوں میں کلاٹو  
اور زیادہ آزادی ہے۔ تعلیم و تربیت کے بہتر مواقع، میسر ہوں۔ قابلِ کلام یہ کہ کردہ  
مردوں کے برابر حقوق پابندی ہیں۔

(از شائستہ اختر مہر مددی) فرید انصاری بھوپالی

## ”وحدۃ الوجود اور وحدۃ الوجود“

دہر ستر کے ”شام“ میں جناب مولانا مفتی القادری کے مشائخ کو وہ غلط بی عنوان ”کرامی“ سے فہم کو نہ تک ”میں نے بھی پڑھے اس سے قبل بھی موصوف کے متعدد علمی و تحقیقی مضامین سے مستفیض و غنی ہو چکا ہوں مگر اس مرتبہ علامہ سید سلمان ندوی مدظلہ العالی کے چند جملوں نے کچھ شبہات پیدا کر دیئے جنکا اظہار ایک طالب علم کے لئے ضروری ہے۔ امید کرنا ہوں کہ حضرت علامہ (جنکو میں اپنے اساتذہ و کبرابر سمجھتا ہوں) اس جرات کو طلب تحقیق پر بھی فرماتے ہوئے دہری فرمائیں گے۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں:-

”مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الوجود دو چیزیں ہیں۔ حالت صوفیہ ان دونوں سلسلوں میں فرق نہیں کیجئے لیکن متحقق اس باب سے جس پر اکتفا کرتے ہیں۔ مسلمان صوفیہ نے وحدۃ الوجود کو لفظ وحدۃ الوجود کہیں ..... بہر حال میرے نزدیک تو وحدۃ الوجود ایک حال ہے.....“

اس باب سے میں قابل تحقیق یہ اور ہیں کہ کن متحققین نے وحدۃ الوجود کو نہیں مانا ہے کیونکہ تمام صوفیہ ہر زمانے میں کا وجود اکالا اللہ کے دائمی رہے ہیں ”میرزا ادھر“ انصوفت شرک کا نہ میمانہ القلب عن راجیۃ الخیر کا غیر“ عارف شریعت رحمۃ اللہ علیہ (کشف المحجوب)

وان جمیع الموجودات من حیث الوجود میں الحق سبحانه وتعالیٰ

صاحب محمد مرسل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال (اللہ تعالیٰ) یا غوث الاکمل جسم الانسان وقلوبہ

ونفسہ وروحہ وسمہ لسانہ ویدہ ورجلہ وکل ذلک

اظهرت لہ بنفسی نفسی لا نفسہ لا هو الا انا وکلا

انا علینہ۔“

شرح کلام ربانی بامید علی الدین جلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سبحان من خلق الاشیاء وهو عینہا شیخ اکبر

یہ اور اس قسم کے بے شمار اقوال و اشارات سنائی۔ رومی۔ نظامی۔ علاء جامی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے جو کثرت ثمرت کے سبب محتاج بیان نہیں۔ خود ملک حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ احمد سرہندی (مردودا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے شیخ بھی تھے کا وجود اکالا اللہ تھا ملاحظہ ہو کتب بات حضرت مجدد اس ضمن میں علامہ اقبال نے بھی خوب فرمایا ہے

تو لے ناداں دل آگاہ دریا بآب خود مثل نیالگاں راہ دریا بآب چسایں مومن کند پوئیدہ را فاش ز لاوجود الا اللہ دریا بآب

(ارمغان مجاز)

حقیقت میں اصل مسئلہ اور متعدد بین اولیاء انہما کا مسلک لاوجود الا اللہ ہی تھا جب اسلام میں فلسفیانہ مباحث داخل ہوئے۔ فہم علوم بھی یونانی مصلیوں میں بیان کئے جانے لگے تو جو کئی کشمکشیں موضوع وجود میں آئیں اور وحدۃ الوجود کا نظریہ رائج ہوا۔ اور اگر متحققین سے مراد کوئی اور صوفیہ ہیں تو باادب درخوات ہے کہ انکے اسامی اور اقوال سے مستفیض فرمایا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ متحققین سے مراد حضرت مجدد الف ثانی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ تو وحدۃ الوجود ہی کے قائل نہیں ہیں۔ ان پر یہ جملوں کی طرح صادق آسکتا ہے کہ مسلمان صوفیوں نے وحدۃ الوجود کو مانا ہے، وحدۃ الوجود کو نہیں۔ البتہ مجدد صاحب مدظلہ الوجود کو حال کہنے والے سب سے پہلے بزرگ ہیں اور غالباً اسی بنا پر ان کو مجددین کا دعویٰ سزاوارنا گیا ہے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے شریعت محمدی میں کوئی تجدید نہیں فرمائی یا کم سے کم کوئی تجدید معلوم و مشہور نہیں ہے۔ بیشک جد الامتہ نے ہے کہ باوحدۃ الوجودی الواقع حال ہے باحقیقت۔ اتنا عرض کرنا ہے محض یہ ہو گا کہ اگر یہ حال غلاف حقیقت ہو تو اسکے حامل کو سنے کے مجاہدات و ریاضات ایک بے سمیسی چیز ہو جاتی ہے۔ آؤ اس غریب میں مبتلا ہوئی ضرورت ہی کیا ہے۔ اللہ اعلم وناحقائق اکامشیام کماھی۔

یہ چند شکوک مجھے جھکا رخ کو ناصر دینی تھا اللہ مجھے ابد ہے کہ حضرت علامہ کی توجہ سے رفع ہو جائیگے۔



شاہزادہ  
لیکن اس ضمن میں بہت سی چیزیں تھیں جو ان کے دل میں تھیں۔  
لیکن اس ضمن میں بہت سی چیزیں تھیں جو ان کے دل میں تھیں۔  
لیکن اس ضمن میں بہت سی چیزیں تھیں جو ان کے دل میں تھیں۔

خود ہی ۱۹۴۳ء  
نصرت میں حجاب اس وقت ہر کسی کی نظر میں مدد دے چند مہینوں میں  
جن میں سے قبال ذکر ایک مضمین وعدہ الوجود کے خلاف ہوا تھا اور دوسرا ہر وہ مضمین  
خود ہی کا ہے جو کسی زمانے میں رسالہ صوفی میں شائع ہوا تھا اور دوسرا ہر وہ مضمین  
صاحب بدایونی کا جو رسالہ مصنف علی گڑھ میں شائع ہوا ہے۔ جن کے مضمین ان رائے  
آئندہ کسی محبت میں کچھ عرض کر دیتا ہوں۔

## میکش اکبر آبادی

## اعلاموں کے غلام بے شعور

(ایک بحث کا نتیجہ)

فلک پہ سے مرے ذوق نظر کی کار فرمائی  
مری ہستی کا مقصد خدا والی، خود گامی  
جوں کیا ہے؟ کچھ خودی غفر سلطانی  
عروسِ قدس کو ہر شے میں نہاں کیا لیتا ہوں  
اگر تو اپنے سینے میں نہاں خودی نہیں رکھتا  
ابھی واقف نہیں تو میرے جانے کے سلاک  
کوئی اندازہ کو کس کتاب ہے میری تم و دانش کا  
سکون بزمِ اسکانِ نضر ہے بزمِ حق پر  
مرے افکار میں محرم ہو کر دوستی سے  
بدلی دلوں کا دنیا کا نظام رنگ آلودہ  
جالی کس کتاب ہے؟ اس ترجیح نور و نوبت  
قبولِ مذکور دنیا ہے ہر نقطہ کندہ کا  
نسب معلوم ہے بیچوں بیچوں کو نواز گئی

”غلامی میں کام آتی ہیں شمشیریں نہ تیریں  
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو گت جاتی ہیں تیریں“ (اعلامِ نقاب)  
اختر احمد گوری

تقویٰ اسلام ان سب فرقوں کو شامل نہیں کرتا ہے۔ ہوائے مونیہ اہلِ نور کے  
کو وہ اعلیٰ قدم البقی بدر لکھ لیں۔ اب شخص کو یہ فیض نہیں کہ فلاں کوئی کس  
فرقے کا ہے اسے کیا حق ہے کہ ہر فرقے کو غلام مونیہ سے خوب کسے اعتراض کر دے  
یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء ظاہر کو مسلکِ تقویٰ کے بارے میں اشتباہات و ارتعاب  
ہوتے۔ بعض ظاہر میں غلامانے بے دھرمی کہہ دیا کہ مونیہ مولیٰ و اتحاد کے قائل ہیں  
جن اور از اور شفاعت کے منکر ہیں ان کو گلوں سے زیادہ قائل انہوں حالت ان کے  
مقلدین کی ہے کہ ان کے دماغ سے سامنے دھکے مضمون نگارین جانتے ہیں نہ ان کے  
پیشواؤں نے مسلکِ تقویٰ کو کبھی کی کوشش کی اور نہ یہ کہتے ہیں۔ اس مضمون  
برائے خود کو لکھا گیا ہے کہ اس سے پڑنے والے کو حق اور مصنف کے علاوہ خود  
اپنے متعلق بعض غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض وقت ذہن دار حضرات سے بھی خود کو گناہ  
ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا عبدالمجید بادی جیہ فاضل بھی جب تقویٰ اسلام پر  
کتاب لکھتے تھے تو اس کو کہتے تھے کہ ہم کہیں ان کی نہرت یا زیادہ سے زیادہ کی کیا  
بڑھو کہ کتنے تھیں۔ جس میں تمام مسائل کا اجماعی ذکر آتا ہے۔ ہوائے توحید کے  
بجائے کوئی قرآن کے تمام مسائل بیان کر دے اور لا الہ الا اللہ کو چھوڑ جائے۔

بعض حضرات کو علاوہ اور مقام کے تقویٰ پر یہ غلط فہمی نظر آتا ہے کہ اس سلسلہ  
مذکور ہے کہ کو حضرت خواجہ حسن بھڑکی کا سماع ان کے نزدیک غالباً یہ نہیں  
علیٰ کم اثر دہرے سے ثابت نہیں۔ انہیں یہ ہے کہ اس قسم کے تعریفیں خود تحقیق کی  
تجکب نہیں کہتے درحقیقت میں معلوم ہو جاتا کہ جس شخص نے یہ اعتراض کیا تھا اس نے  
اپنی اعلیٰ تسلیم کر لی تھی۔ یہ مسئلہ اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے بھی طے ہو چکا ہے۔  
(ماخذ ہوا قولِ تحقیق، فی غزائے حسن) اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنے کی بات تھی کہ سلسلہ  
مونیہ کی سند مرزا حضرت خواجہ حسن بھڑکی جی سے نہیں ہے اس کے علاوہ اور بھی  
امداد ہیں ان پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میرا اعتقاد اس بارے میں زیادہ تفصیل  
سے گواہی دے گا کہ یہ مری خواجہ حسن ہے کہ اولاً تمام اعتراضات کو کچھ کر لیا  
جائے۔ مجھے امید ہے کہ اس بارے میں دوسرے حضرات میری امداد فرمائیں گے

جوانی اور موت؟ — دونوں خطے سنگین ہیں، ہاں اگر وہ دونوں تجھ میں  
 اور — کیا ہو جائے؟ زندگی بے تاد ہو جاتی ہے۔ خالقان برباد ہو جاتے ہیں اور  
 سوسائٹی نیست و نابود ہو جاتی ہے اس پر اور اسٹاپ! اگر کسی کے منہ پر شاعر بآواز  
 کی جاوے گی میں نظر نہ ہے۔ اُسے جبر ہو جاتی ہے میں دُور دیا، اس کی موت پر تیار نہ ہوں  
 ہر جہت سے گمار دے گی اور انگلستان بھی ہینڈ ٹول رہے گا میں کھانہوں کو اس کی شاعرانہ  
 عظمت اور شخص و قمار کے لئے — رنج و الم نہ لگائی ہے

باروں کی تنصیف بڑی عجیب کی جاکستی ہے نہ اعرانہ روایات کے خلاف ہو  
ایک امر فاضل کا فروغ اور اس کے امارت سے بعد اچھے والی بہت سی برائیاں ہر یک  
موجود تھیں۔ اس کا دادا ایدھل جان باروں کی پور کے سمندروں کو کھلنے پڑتا تھا۔ اس کا  
باپ بھی زخمی کشتن تھا۔ عزت مندوں کے لئے رسی کے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

کیسٹران گوردن سے تادی رہائی۔ وہ فوجیوں کے ذہنی لیکن ایک بہت بڑی جہاد کی مالک مفرد تھی اور شادی کا مقصد محض اس کی دولت کو نشانہ نہ تھا۔ اسے برادر کے وہ یورپ چلا گیا اور غرب مال کو مصمم بچوں کی — جن میں بائرن بھی شامل تھا پرورش کرنا پڑی۔ تین سال کا تھا بائرن شاید اپنے باپ کی صورت میں ذہن میں محفوظ نہ کہہ سکتا لیکن مال کا سایہ اسے حد تک سر پر قائم رہا۔ انجلی ایک مفرد بے خوف جلد باز خدائے اور فعلی عورت مشہور تھی۔ ایک وقت تو وہ بائرن کو سینے سے لگا لیتی اور دوسرے وقت اسے ریڈیو سے بازو کر چمک دیتی۔ یہ تھا وہ عجیب ماحول جس میں بائرن نے آنکھ کھولی بہت جلد اور اس کے شوق بروایت۔ باپ کے لائپ اپن اور مال کے غور و بے خوفی اور جلد بازی نے اس کی طبیعت میں جگہ پائی۔

۲۲۵۵ء جنوری ۱۵۵۷ء کو پیدا ہوا اور ۱۶۹۲ء میں اسے آپ کی موت کی خبر بھی گئی۔ خان ننگ عالی نے اُسے خود کشی پر مجبور کیا تھا۔ بآرزو جب بگھڑا ہوا تو اُس نے اپنے گھرس دو دو حوٹیں دیکھیں ایک اپنی ماں اور ایک بھتیجی بن گشتا جو پہلی بڑی تھی۔ اُسے اگست ۱۵۵۷ء کو دہلی میں اور دو شاہ دُنیا میں اُسکی کو اپنا بھروسہ تھا۔ سات سال کی عمر تک مال کے پاس رہے۔ بدوہ اور بھگین کے گرامر اسکول میں داخل ہو گیا۔ یہاں اُس نے اپنی ابتدائی تعلیم کے طے کئے۔

کتاب کی ہر نظم سے روشنی ظاہر تھی اور ادبی حیثیت سے وہ قطعاً ناقابلِ توہم و گمانی ثابت ہوئی۔ لیکن جو کہ یہ ایک لارڈ کی تصنیف تھی اس لئے اس پر طرح طرح سے جھگڑائیاں و لکھن پانک کر "ایڈیٹر برگ دیویو" نامی رسالے میں اس تصنیف پر سخت کڑے چٹیاں کی گئیں۔ بآئرن کی سخت گیر طبیعت اس کی تحمل نہ ہو سکی اور جلد ہی لوگوں کے سامنے ایک نئی تصنیف آئی جس کا نام "انگلش باروس اینڈ اسکاٹ دیوارس" (انگریزی شہر اور اسکاٹ شہر و دیوار) تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب تھی جس میں اس زمانے کے قریباً ہر مصنف پر سخت چوٹیں کی گئی تھیں۔ یہاں تک کہ سردار اسکاٹ کو بھی نہ بچھا تھا۔ کتاب پر مصنف کا نام نہ تھا لیکن مینا نے جان لیا کہ کس کی حرکت ہے؟ بآئرن محبت کا ہو کا تھا۔ میری یاد اور محسوس ہے کہ اس نے اپنے ایک نژاد لڑکی مارگریٹ یاد کر کے پھر محبت کی۔ اس کی پرورش و بربادگیوں کا مرکز یہی لڑکی تھی بآئرن اس کے متعلق لکھا تھا وہ ایسی معلوم ہوئی ہے جیسے توں قریب سے بنی ہے اور جس کی مدد دیکھی اور کون ایسی ہو جو دے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ بیوقوفی و سرور نہ ملنے لگا۔ اسی لئے بآئرن نے دو سال کے لئے انگلینڈ کے ساحل کو خیر باد کہا۔ وہ یورپ کے قریب قریب ہر ملک میں گھوم کھلی اُس نے نور و نور سے بھرے ہوئے شہروں میں دفعتاً گزارا تو کبھی ہاڈن کی برف پوش چوٹیوں کا نظارہ کیا، کبھی یورپ کے عظیم الشان دیواروں میں نہا تو کبھی یونان کے کھنڈروں کی سیر کی۔ خوشی و راحت کا آواز اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یورپ سے اُس نے مال کو کھنا، ہم لوگوں میں ایک اب قانون ہونا چاہیے کہ جوانوں کو کچھ عرصہ باہر گھومنے دیا جائے۔ دورانِ سفر میں اُس نے اپنے شہر و عالم سفر نامہ کو لکھنا شروع کیا جسے سفر کے جگہ گھار ہاؤس میں لکھنا شروع کیا۔ اُس نے اس کے بعد اس سفر نامے "چائلڈ ہیرالڈ بلو بیچ" کے دو حصے طبع ہوئے۔ اس کتاب نے اُس کی شہرت میں بڑا گام ڈیا۔ ملک کے ہر حصے سے تحسین و آفرین کی صدیاں آنے لگیں۔ تمام لندن میں بآئرن اور صرف بآئرن کا ذکر ہوتا تھا۔ ہزاروں آدمی اس کے لئے کیڑا کرتے۔ اکثر اس کے گھر میں اپنے درمیانگ کا ڈو چھوڑ جاتے۔ اس کے گھر کے سامنے گھوڑے گاڑیوں کی تسلی کرتے کہ گناہ سے بچنے والوں کو دشواری ہوئی تھی۔ انہی کسی میں شاید دنیا کے کسی نئے کو اتنی شہرت نصیب نہیں ہوئی "چائلڈ ہیرالڈ" کی اشاعت اور شہرت کے متعلق اُس نے خود لکھا ہے کہ "ایک صبح جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے آپ کو دنیا میں مشہور پایا۔" سفر نامے کے بعد اُس نے یکے بعد دیگرے منظومات کی مددیں کی مددیں کچھ دالیں تصنیف پر مبنی شہرت پانچویں بار پہنچا۔ وہ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ بعد میں وہ یورپ کا سب سے بڑا شاعر کہا جانے لگا۔

فطرت بآئرن کی بے پناہ شہرت کو دیکھ رہی تھی کہ کدبانِ خداوند کو کچھ اور منظور تھا۔ اسکی زندگی نے ایک نئی کڑی لی اور اُسے معلوم ہونے لگا۔ جیسے یہاں تک روشنی میں سے اندھیرے میں پھینک دیا گیا ہو۔ جہاں کی ہر چیز ایک کہ ہے۔ ۲۰ جنوری ۱۸۶۱ء کو اسکی شادی لینڈی بآئرن سے ہو گئی۔ ایک سال تک ازدواجی زندگی قائم رہی لیکن اُس کے بعد — لینڈی بآئرن اپنے گھر چلی گئی۔ جہاں سے وہ بآئرن کے گھر کبھی واپس نہ آئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ بآئرن کی بد مزاجی اس طرح انجام کی کہ وہ دار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بآئرن کی طرف سے اس اختلاف کی کبھی کوئی واضح نشانی نہیں کی گئی۔ غالباً یہ زیادہ عجیب تھا کہ بآئرن نے بالکل اس طرح شادی کر ڈالی جیسے کوئی بزدل جس میں رہا ہو۔ وہ ایک — — — کی طرح کا بنا۔ غلط راہ اختیار کی اور شاید پچھلے دن ہی اُسے اپنی ناممکن لغزش عقلی کا احساس ہو گیا۔ لیکن اُس کے مخالفین نے اسکی خاموشی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ذاتی عداوتوں اور معاشرانہ جھگڑوں کے پردے میں غلط باتوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ نام نہاد جذبہ سوسائٹی نے خاموش بآئرن کے اخلاق کو ذہنیات کی عینک سے دیکھ کر شروع کر دیا۔ اٹھارہویں صدی کا یورپ کا بہترین شاعر میں صدی کا بدترین شاعر کہا جانے لگا۔ وہ جس وقت باہر نکلے گا لوگوں کی حشرات اور نفرت سے بھری ہوئی نگاہیں اسکا بچھا کر تیں دکانوں اور چوٹیوں سے اسکی طرف اشارے کے جاتے تھے۔ قریب میں ہونے پر شریف صورت چہرہ اسکی طرف نکلی نگاہوں سے دیکھتے اور پارلیمنٹ کے وسیع ایوانِ امراء میں اسکی ذات پر حملے کرتے جاتے۔

بآئرن بے صبر نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس مخالفت کی تہ میں کون سا ایک جذبہ کار فرما ہے۔ اُس کے دل میں جو شے کی تھی۔ وہ چرخ اٹھا جس سے اس سے واقف نہیں ہوں کہ کسی بنیاد پر عوام نے میرے متعلق ایسی رائے قائم کی ہے۔ لیکن پھر بھی ہر جگہ میرے متعلق عوام محض اتنا جانتے ہیں کہ میں نے نفیس کعبے تھیں۔ میں ایک شریف آدمی تھا۔ پھر میری شادی ہوئی۔ باپ ہوا اور اس کے بعد میرے تعلقات بری ہوئی اور اُس کے رختہ داروں سے کنبدہ ہو گئے۔ لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ جب تک میں ہوں پھر بھی یہ ہے کہ میری دماغی عداوت نے (میں اور میری بیوی) کسی قسم کی مزید وفاق سے انکار کر دیا۔ — دریدہ دہن اخبار اس قسم کی باتوں کی راہ تک دے رہے تھے۔ اس لئے میرے نام کو — — — آج داغ آؤدہ کو دیا گیا ہے۔" بآئرن کے چال چلن کے متعلق افواہوں میں برابر ہانڈا ہوتا تھا کہ بے جہان تک کہ یہ سلسلہ ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گیا۔ بآئرن کا اس نفیس آئینہ نقشا میں لکھنے لگا اور اس سال اُس نے انگلستان کو بے گھنے ہوئے ہوئے کے لئے

چھوڑ دیا کہ میرے متعلق اگر یہ تمام افواہیں صحیح ہوں تو میں انگلستان میں رہنے کے قابل نہیں ہوں اور اگر یہ غلط ہیں تو انگلستان میرے رہنے کے قابل نہیں ہے۔

انگلستان کو چھوڑ کر اُس نے اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے رفوکاروں میں پناہ لی۔ اسکا دل ٹوٹا ہوا تھا جسکی تسکین کے لئے ہمدرد نظروں کی ضرورت تھی سوئٹزرلینڈ کی وادیوں میں اسے ایک بغیر دوست مل گیا۔ یہ اگر بڑی کا ایک بڑا شاعر — سٹیسی تھا۔ دو دیوانے سوئٹزرلینڈ کی خوبصورت جھیلوں کی میرے دل ہلانا رہے۔ جیسے اُن چند خوش قسمت ہستیوں میں سے تھا جسکی باریک دلی سے عزت کرتا تھا۔ اگر پریشانی باریک دلی کے دل کی ڈھارس بندانی جس خلیے نے کوہِ نکستہ پہاڑوں پر پہنچ کر چھڑا دیا وہاں بھی باریک دلی میں نہ مل سکتا۔ خود باریک دلی کے الفاظ میں کہتی باتیں دانتان میں ہے جو انھوں نے (مخالفوں)

مجھے متروک نہ کی ہو — جھیل کے دوسرے کنارے سے مجھے منکوں کے زور سے دیکھا جاتا تھا — میں جب شام کو سر کے لئے نکلتا تھا تو وہ میں طرح طرح سے چھڑا جاتا۔ برا خیال ہے کہ وہ لوگ آدمی کی صورت میں مجھے ایک غریب یا عجیب مخلوق سمجھتے تھے۔

اب یونان کی جنگ آزادی شروع ہو چکی تھی۔ باریک دلی آزاد رہنا چاہتا تھا اور دوسروں کو آزاد دیکھنا چاہتا تھا۔ مرزبن یونان سے اسکو پیسے ہی نہیں محبت تھی۔ اب اس محبت کے عملی ثبوت کا وقت آگیا تھا۔ یونانیوں کی مدد کے لئے اُس نے دس ہزار پونڈ اپنی جیب سے دیے اور عملی خدمت کے لئے یونان روانہ ہو گیا۔ اگر یہاں اُس کو سو لوگ بھی سکے سپاہیوں کی کان دیدی گئی۔ لیکن میدان کی موت اس کی قسمت میں نہ تھی۔

۱۹ اپریل ۱۸۲۷ء کی سرد شام تھی۔ بارش تیزی سے ہو رہی تھی۔ بادل گرنے لگے تھے اور ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہ دیتا تھا۔ لیکن ایک جانب ازسواراوی کی کوچر ہوا تیزی سے بہنے لگے گھر لوٹ رہا تھا۔ ساتھیوں نے اُسے بہت کھایا کہ بارش ٹھیکے تک وہ کہیں رک جائے لیکن وہ نہ مانا۔ آخوکار پانی سے خرا اور گھر پہنچا یہاں آکر باریک دلی کو معلوم ہوا کہ اس برسرِ دی نے پورا اثر چاہا ہے جسکے نتیجے میں اُسے بخار بھی چڑھ آیا۔ بخار برابر بڑھتا رہا اور باریک دلی کی حالت نازک سے نازک تر ہونے لگی۔ دس دن تک اس کی بڑی حالت رہی۔ دو تین دن باریک دلی کو اپنی موت کا پورا یقین ہو گیا۔ اب وہ کوئی دوا اپنے کو تیار نہ تھا۔ لوگوں نے ڈاکٹر کو بلوایا تھا۔ لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ سب کے اصرار پر اس نے کہا: "میرا چھڑا گیا اگر تم ڈاکٹر ملے کو بلا نا ہی چاہتے ہو تو بلا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مجھ سے نہ بولیں"

ڈاکٹر آئے۔ آئے دیکھا اور اُس سے کچھ دریافت کرنا چاہا۔ لیکن خدی شاعر فریاد کیا کہ: "پناہ دے دیا دیکھو اور یہاں سے چلے جائیے۔"

تیار دار بھی باؤس پرکے تھے۔ ایک تیار دار نے آخری وصیت کے لئے نظم دوات لائے کے لئے پوچھا لیکن —

"ارے نہیں" اُس نے کہا اب وقت نہیں ہے۔ فائدہ فریب ہے: "بڑی وقت میں اُس نے اپنی بیماری میں آگسٹا" "بڑی باریک دلی" اور اپنی مصروفیتی "ایڈا" کو کیا کیا۔

"میری بہن کے پاس جانا" وہ کہے جا رہا تھا اُس سے کہنا — "بڑی باریک دلی کے پاس جانا" اُس سے ملنا اور کہنا کہ — "ہاں آکر اُس کی آواز سناؤ" اور آہستہ آہستہ اتنی کم ہو گئی کہ کچھ بھی دسنا جاسکا وہ بین منٹ تک ہر اسی طرح بڑبڑاتا رہا۔

"اب میں تم کو کچھ بتا چکا ہوں" اب اس نے کہا۔ "مائی لارڈ" — "تیار دار نے کہا میں کچھ نہ سکا کہ آپ کیا فرماتے تھے؟" "تم نہیں سمجھے" لارڈ باریک دلی نے اُس کی طرف باؤس نگاہوں سے دیکھ کر کہا "کہا کروں — لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ اب سارے جھگڑے ختم ہو چکے —"

اس کے بعد اُس نے دو ایک باتیں اور کہیں جنھیں نہ جاسکا۔ اُس کے آخری الفاظ یہ تھے — "میری بہن — آگسٹا —

میری بھی — ایڈا — میں اپنی موت سے مطمئن ہوں۔" یورپ کا نواسخ شاعر اور یونان کا سب سے بڑا ہمدرد شخص ہو گیا۔ یونان کا بچہ بچہ باریک دلی کے غم میں اٹھ کھڑا تھا۔ وہاں اب اس دن تک اس کا غم مٹا گیا۔ خود دار شاعر اپنی زندگی میں انگلستان نہ ٹوٹا لیکن اس کی لاشیں اُس کے وطن میں لائی گئی۔ تجویز تھی کہ اُسے "ویسٹ منسٹر پارک" میں سپرد خاک کیا جائے لیکن — اسکی رواجی بیوی بھی اُس کے آٹے آئی۔ ویسٹ منسٹر کے ارباب بست دکنٹ اُسے اس پاک زمین میں دو گرجہ دینے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ آخوکار وہ اپنے آبائی گھر میں سبٹر میں دفن کر دیا گیا۔

بحیثیت انسان باریک دلی منقاد صفات کا حامل تھا جتنا کہ ہے۔ وہ جلد بازی فردِ غفلت شکاری اور بے لگھی کے ساتھ ساتھ شفقت، عالی مہتی، شجاعت اور خودداری میں صفات کا بھی حامل تھا۔ وہ بڑی باتیں کر جاتا تھا۔ لیکن بڑا آدمی

# ارض تاج

اسے ارض تاج ملے مری ہنس کی تاجدار  
اسے ارض تاج حاصل کون دکان ہے  
لے ارض تاج تیسرا جہاں میں نہیں جلاب  
لے ارض تاج راحت قلب و جگر ہے تو  
لے ارض تاج توبہ زمانہ میں مستتر  
لے ارض تاج ایک درجہ جہاں ہے تو  
لے ارض تاج بہ نری زلفت ترا علو  
تو وہ چل ہے مسکن شاہان خیل  
ہے دفن تیری خاک میں اگر بادشاہ  
نماز۔ دفع شاہاں پیکر شہاب  
ہے بے نیاز دہر کے ہر مشد و شین سے  
دادی ہے تیری شوکت رفتہ کا آئینہ  
پہلو میں تیرے ہنس ہے جہاں پیر و ناب  
کونے میں غور کون دکان تھہرتا جگ  
ممنون تیرے فیض کی ایک ہر شاعری  
تھک و طعن بنا ہے غالب نے برسنے  
اسے ارض تاج تجھ میں پڑی ہو آواز  
تو دور ماضی میں کسی سے نہیں ہے کم  
خالی شاعر مکت و دانش سے کب ہے تو  
لے ارض تاج عالم اسکاں کی شاہکار  
لے ارض تاج ناز میں فن ہے تو  
ہر ذرہ تیری خاک کہے ہے عقاب  
لے ارض تاج جنت اہل قطر ہے تو  
لے ارض تاج توبہ سکون دل و جگر  
لے ارض تاج حاصل ارض و دماغ ہے تو  
داش ارض سب گیتی کا دل ہے تو  
اتک ہے تجھ پہ دفن شاہان خیل  
کہا نام ہے جو تجھ سے لائے کوئی نگاہ  
لے ارض تاج ہے ترے امن میں کو خواب  
ہے کو خواب شاہاں تھیں میں سے  
ہر شے سے توبہ فطرت رفتہ کا آئینہ  
کوئی ہے تجھ سے شوکت و طعن کا آئینہ  
ہے یادگار شاہ جہاں تھہرتا جگ  
پیدا کئے ہیں تو نے بہت سے ادیب بھی  
کھولی ہیں تیری گود میں آنکھیں نظرنے  
ذہن سے ہیں تیری خاک کے عالم کی بلوہ گاہ  
سیاہ جیسے آج بھی ہیں صائب و ظم  
لے ارض تاج مرکز علم و ادب ہے تو

ہر خاص و عام کو ترا فیاض ہے

تاج البلا ہے تو ہی تاج البلا ہے

مضطر اکبر آبادی دیر پیم وکیل لاہور

مشاور گارہ  
دیکھا جھٹکتا ہو جس وہ ایک ترہ دکھتا ہے۔ محالے۔ سرواظر اسکاٹ  
خیل اور گئے جیسے پیران ادب نے اکی بار گاہ میں خزان عقبت پریش  
کہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ شاعر پیدا ہوا تھا۔ اسے فطرت انسانی کے اظہار و  
بیان پر زبردست قدرت تھی۔ وہ عبرت انگیز ملاحظہ اور غیر معمولی وقت شاہد کا  
مالک تھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نیکل کا اس کے یہاں فقدان ہے اور اس  
جہت سے وہ شے سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی بھی نگاروں  
کی صف اول میں اسکا شمار ہوتا ہے۔

وہ دولت۔ جاہ و ثروت اور ثروت و عزت کے کمی طاسے بر نصیب  
تھا بلکہ اسکی بر نصیبی یہ تھی کہ وہ جس لوگوں کے دریاں ایک خاص دلی  
رکھا تھا۔ وہ اس کے بر نصیب تھا کہ کسی کی محبت اسے ماس نہ آئی۔ وہ اس کے  
بر نصیب تھا کہ دنیا میں از دو اجماعی زندگی کی سڑکوں سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا۔  
وہ اس کے بر نصیب تھا کہ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بھائیوں کے پاؤں  
وہ اذیتیں اٹھائیں جو ایک غیر متدانس ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی۔  
وہ اس کے بر نصیب تھا کہ اسے کہیں چین سے نہ رہنے دیا گیا اور وہ اس کے  
بر نصیب تھا کہ اس کے آخری وقت اس کے سر ہانے اس کی نفیق بہن کی  
جہیز پریم اور شریک زندگی کی اداس نگاہیں نہیں تھیں۔ وہ اپنے وطن سے  
ہزاروں میل دور ایک قصبے میں پڑا ہوا تھا موت کے بھانک خواب دیکھ رہا  
تھا۔ فرض دشواری نعمتوں کے کماؤ سے وہ سخت بر نصیب تھا۔  
بہر حال وہ ایک بڑا آدمی تھا۔

سید محمد منتظر رضوی اکبر آبادی

مشاعرہ شاعر

مصرع طرح برائی ماہر پرل سکے  
"زندگی غم کی اک کہانی ہے"

کہانی۔ جادوئی و فخر و قوائی ہے۔ روایت

نوٹ:- غزلیں یکدم چمک جاتی ہیں۔ مشاعرے کے معنی منتقل ہوتے ہیں۔  
کئے ہیں۔ غزل پر غزلیں ہوا ضروری ہے۔ مشاعرہ اس قدر کہ آدھیں میٹھر

# اردو بان کا ایک انگریز محسن

ایک عجیب و غریب وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ وقت بھی آسان اردو نثر کی کنہوں کی تلاش۔ گراس سلسلے میں انھیں بڑی مایوسی ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت اردو نثر کی آسان کتابیں میں مروج نہ تھیں اور مروج تھیں ان کا انداز بیان اور موضوعات کچھ اس درجہ غریب و افسوس تھا کہ لکھنے والوں کے علاوہ دوسروں کو ابھی چہر معلوم ہوتی تھی۔ فعلی کی وہ مجلس جو ۱۹۳۳ء میں لکھی گئی تھی۔ میر تقی میر کی فتویٰ خلد عشق سے بے نیاز و ریشہ تو دہائے نثر میں بدلتا تھا۔ عرض اس قسم کی چند کتابیں نثر پکائی جاتی تھیں۔ ان کی نثر ایسی شکل تھی کہ کوئی فارسی دال ہی انھیں سمجھ سکتا تھا۔ ان کی عبارت مریض۔ صبح اور مغلیٰ وغیرہ اعصاب سے ملتی تھی۔ بات تھی کہ اس زمانہ میں نظم کا رواج زیادہ تھا۔ جو لوگ کسی خاص ضرورت یا مذاق میں تنوع پیدا کرنے کے لئے اردو نثر لکھتے تھے ان کی نثر میں بھی نظم کا رنگ چٹھ جاتا تھا۔ گویا نثر نگاری کا مذاق ہی پورے پورے میدان ہوا تھا۔ اس لئے اس راہ میں چلنے والوں سے عجیب و غریب قسم کی غلطیاں مرزد ہوتی تھیں جو اس زمانہ میں غالباً علمی کارنامے سمجھے جاتے ہوئے مگر آج ان کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

برکیت ڈاکٹر صاحب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بھی خود ہی کمر بستہ ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ طلباء اردو کے لئے نثر کا لڑکچہ تیار کرینگے۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں سب سے پہلے انگریزی ہندوستانی لغت لکھی نثر کے کی جو ۱۹۳۳ء میں نغم ہوئی تھی بعد سلسلہ تعارف سندھو تک جاری رہا اور اتنی مدت میں انھوں نے درج ذیل لڑکچہ تیار کیا

(۲) ہندوستانی علم السان جس کے نثر میں صرف و نحو کے متعلق ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ (۳) ہندوستانی کی صرف و نحو ۱۹۳۳ء۔ سکتے ہیں میراث کی تہذیبائے لطافت کے بعد اردو صرف کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ (۴) مشرقی زبان ماڈل۔ اس کتاب میں ہندوستانی زبان کے متعلق ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ اور انگریزی ہندوستانی کی لغت بھی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں مکمل ہوئی (۵) فارسی فعل کا جدید نظریہ۔ مسد۔ ہندوستانی مترادفات۔ یہ کتاب طلباء فارسی کے لئے ۱۹۳۳ء میں لکھی (۶) ہندوستان کی سب سے بڑی زبان ہندوستانی

ڈاکٹر جان گلکراٹسٹ انگریز تھے جو ہندوستان میں اکینہ بریکنگ ٹیم رہے اس حصہ میں انھوں نے اردو زبان کی ترقی کے لئے جو شاندار کام کیا۔ اس کا تذکرہ زبان اردو کی اتھارٹی تاریخ کا ایک نہایت ہی عجیب باب ہے۔ یکنی عجیب بات ہے کہ اس غیر ملکی باشندہ نے جو اردو زبان کے وجود سے یہاں آکر آشنا ہوا۔ ایسا شاندار لڑکچہ تیار کیا جو لطافت و معنویت اور اس سے پہلے کسی ہندوستانی، اہل علم نے نہ تیار کیا تھا۔ قطع نظر اسے کہ وہ اردو نظم سے کچھ نکلواؤ نہ دکھاتا تھا بلکہ اس کی تصنیف و تفسیر کے سلسلہ میں اس بات کا ذکر نہیں آتا کہ نظم اردو کے ساتھ اس کا تعلق تھا۔ لیکن اس بات کے تسلیم کرنے میں شک کی گنجائش نہیں باقی جاتی کہ اردو نثر کی ترویج اور ترقی کے لحاظ سے اس کو وہی پایہ حاصل ہے جو نظم کی ترقی میں ملی کو۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۳۳ء میں مقام ڈنبرا پیدا ہوئے تھے، وہیں کے ایک اسکول (جارج ہرٹ) میں ٹیکل تعلیم کی۔ اور ۱۹۳۳ء میں ایٹ ایڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر کے ہندوستان آ گئے۔ ان دنوں یہ رواج تھا کہ جن انگریزوں کو ہندوستان بھیجا جاتا تھا۔ انھیں ہندوستان میں سے لٹکھو کرنے کے لئے تھوڑی سی فارسی سکھائی جاتی تھی اور اس طرح وہ بجز فارسی دانوں کے اور کسی سے لٹکھو نہ کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو جب یہ تکلیف پیش آئی تو انھوں نے سوچا کہ فارسی کے بجائے اگر انگریزوں کو ہندوستانی زبان سکھائی جائے تو اس سے انگریزوں کو ہندوستان میں سے لٹکھو کرنے میں آسانی ہوگی۔ یہ خیال آئے ہی انھوں نے فاضل ہندوستانی زبان یعنی نثر کے کی وہ مختلف علاقوں کا دورہ کرتے رہے اور مختلف سوسائٹیوں سے تعلق قائم کر کے با محاورہ اور صاف ہندوستانی سیکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اور بھی چند انگریزوں نے ان کی پیروی کی اب وہ اردو زبان کو لے آؤ گئے کے اعتبار سے خود سے ہندوستانی سمجھے وہ جانتے تھے کہ ان کی طرح باقی انگریز بھی یہ زبان سیکھیں۔ اس خیال کو پائیدار بنانے کے لئے صرف ایک تنظیم کی ضرورت تھی کہ وہ ہر قربانی کے لئے روپیہ اور مفت کی بھی۔ چنانچہ اس کام کی تکمیل کے لئے وہ ہر قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ ۱۹۳۳ء میں انھوں نے ذاتی طور پر معمولی طریقے سے یہ کام شروع کیا۔ جب کچھ ان پبلر اور ڈاکٹر نرملہ بھی ان کی تحریک کے حامی ہو گئے۔ تو ہفت

شاہانہ کا رہنما تھے۔ **آمالیق ہندی** یہ بھی طبائے فارسی کے تھے  
 تھی تھی **شہزادہ** : ہندی عربی آئینہ۔ اس کتاب میں عربی الفاظ کی مدد میں  
 ہیں جن کا ہندوستانی زبان کے ساتھ تعلق ہے۔ مستند (۹) **قصص مشرق**  
 اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی لکھیں جن میں سے بعض نام کی چھڑ دی گئیں۔  
 جب ڈاکٹر صاحب نے یہ عجیب غریب لٹریچر تیار کرنا شروع کیا۔ تو اس سے  
 فائدہ اٹھانے کے لئے ان کی قوم کے بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔ لارڈ ولزلی نے گورنر  
 جنرل مقرر ہونے پر اس اقدام کو بہت سراہا اور ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔  
 چنانچہ مستند میں انگریزوں کو اردو پڑھنے اور اردو پڑھنے والے انگریزوں  
 کے لئے آسان زبان میں کتابیں تصنیف کرنے کے لئے ایک خاص ادارہ قائم کیا گیا  
 جس کا نام اردو کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج مشہور ہے۔ یہ کالج ڈاکٹر صاحب  
 کے قریب کی تعمیر تھا اور اس سے ان کے ایک عظیم الشان متعدد کی مکمل ہوتی تھی۔ کالج  
 کے قیام پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی قوم کے مستقبل پر ایک اعتبار سے خاتمانہ نگاہ ڈالی  
 ہوگی۔ گواہیں کیا فرمیں کہ یہ سب سامان عالمی فہمی میں اردو زبان کی بتری  
 کے لئے ہو رہے تھے آج اگر وہ زندہ ہوتے تو انھیں یقیناً اس کا احساس ہوتا۔  
 مستند میں کالج قائم ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لارڈ ولزلی کے ذریعہ  
 بوڈ آف ڈائریکٹرز سے شعبہ تالیف کے اخراجات کے لئے کثیر رقم کی منظوری حاصل کی  
 اور کالج کو ملائے نیرنگن بوں کی تیاری کے سلسلے میں مالی شکلات لاسٹ کی طور پر مل گئی۔  
 اس کے بعد مشہور اہل قلم حضرات کو دعوت فرست دی گئی۔ اس زمانہ میں سلطنتِ ہند  
 کا چراغ ٹھہرا تھا۔ دہلی کے اہل کمال ٹھہر کر کھلے بھروسے تھے۔ بہت سے لوگ  
 تو خود ہی کلچر پرچہ گئے اور مولی ویلے سے کالج کے ساتھ منسلک ہو گئے  
 اردو لٹریچر تیار کرنے والوں میں زیادہ تر خندہ بدیل حضرات کے نام  
 مشہور ہیں (۱) **سید جید بخش صاحب** جدی۔ جنھوں نے ایک فارسی فقہ کو اردو میں  
 ترجمہ کر کے **آراء الفتح** (۲) نام لکھا (۳) **میرزا مظفر علی لطف** انھوں نے فارسی  
 تذکرہ نگار ابراہیم کا اردو ترجمہ کر کے **تذکرہ گلشن ہند** نام لکھا جس کی شہرت نہایت  
 کی تھی (۴) **میر آسن دہلوی** جنھوں نے مشہور قصہ **ہمایوں** اور **ولیس** کے اردو تراجم  
**بانغ و بہار** نام لکھا (۵) **میر جواد علی حسینی** جنھوں نے ایک فارسی کتاب **مخرج القلوب**  
 کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے **اخلاق ہندی** نام لکھا (۶) **میر شری علی** انھوں  
 جنھوں نے شیخ سعدی خراسانی کی کتاب **گلستان** کا اردو ترجمہ کیا (۷) **منشی بی بی خاتون**  
 نے ہندوستانی خواہ کا منتخب کلام مرتب کیا۔ **میرزا جان گلشن** نے اردو محاورات پر  
 ایک کتاب لکھی اور **سید ہمایوں** کا کچھ منظوم ترجمہ کیا۔ غرض ایسے بالکل  
 ہزاروں کا پرنسپل ڈاکٹر صاحب ہی کا تصور کیا گیا۔ اس ادارہ کو بھی انھوں نے خرابی صحت کے

لوگ جتنے جوہر ظاہر ہونے کے لئے کسی ایسی ہی قوت کی ضرورت تھی۔ انگریزوں سے  
 تقاضے کو اپنی بیاری زبان کی خدمت میں معروض کر گئے۔ انگریز کچھ دے گئے  
 کہ ہماری قوم کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ گویا اردو کو  
 خطرات کی طرف سے مدد مل رہی تھی۔ اور اس کا خزانہ جو اہل اسے مالال کیا جا رہا تھا۔  
 معصنین۔ مولفین اور ترمیم کو ہایت تھی کہ جو کچھ لکھیں وہ صاف سلیس  
 عام فہم اور فہم معقول کے لحاظ سے دلچسپ ہو۔ چنانچہ کالج کی زیر نگرانی جو کتابیں  
 تیار ہوئیں ان میں یہ خاص حیثیت بدستور قائم ہو رہی۔ زیادہ تر فارسی فقہوں کے تراجم  
 کے گئے۔ اس لئے کہ فقہ کی زبان میں خود بخود تسلسل پیدا ہوتا تھا جسے اردو اس کے  
 بگنے میں زیادہ کاوش سے کام نہیں لیتا تھا۔ نہ تھوڑے میں کوئی ابا دقیق تسلط نہ تھا  
 کہ جو کتاب کے کسی حصہ کو ناقابل فہم نہاسے۔ گو یہ خصوصیت تو فوائد انگریزوں کے لئے  
 دکھی گئی تھی۔ مگر اردو زبان کو صاف عام فہم بنانے کے لئے بھی ایک زبردست  
 وسیلہ ثابت ہوئی۔ ان کتابوں کی زبان واقعی ایسی تھی صاف اور سلیس ہے کہ بہت  
 ممکن ہو سکتی ہے۔ کالج کی کتاب کی اس خصوصیت کو دیکھ کر دوسرے لکھنے والے بھی  
 متاثر ہوئے اور آسان فہم خط و کتابت کرنے اور کتابیں لکھنے کا رواج عام ہو گیا اور  
 اس رواج نے اتنی عانت حاصل کی کہ مستند میں بھی مشہور ایسی زبان گزرنے کے بعد  
 گورنمنٹ کے دفاتر کی زبان بھی فارسی کی بجائے اردو قرار پائی۔ اس طرح کتابیں  
 لکھی جانے لگیں۔ افادات جاری ہو گئے گویا اردو حکومت کی زبان بولی گئی تھی۔ فخر بہرہ  
 اردو شریک دھوم مچا گئی۔  
 یہ تو فریب نہیں کہا جاسکتا کہ اگر ڈاکٹر جان گلکرائٹ اردو کو کب کا سلسلہ تصنیف  
 تالیف شروع نہ کرتے اور فورٹ ولیم کالج قائم نہ ہوتا نہ ملک کے جدید اور مشہور  
 معصنین کو جس کے اردو شریک اکثر لٹریچر تیار نہ کرتے تو آج بھی اردو شریک کی حالت  
 وہ مجلس اور برقی کی کتاب شوقی و ہر عشق کی طرح ہوتی۔ یہ ممکن تھا کہ ڈاکٹر  
 صاحب کی کوششوں کے بغیر بھی اردو شریک کسی اور ویلے سے ایسی ہی مدد ملتی۔  
 اس لئے کہ اس کی نعمت میں عرصہ لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے بھی  
 ہم گریز نہیں کر سکتے کہ اردو کا پایہ جو شریک کے لحاظ سے بہت تھا اسے ڈاکٹر صاحب ہی  
 کے دست کوشش نے بلند کیا، گویا اس کی خدمت کوئی اور مفید کار فرما تھا۔  
 انھوں نے ڈاکٹر صاحب کا کالج کے متعلق جو پروگرام تھا وہ ابھی پورا نہیں ہو پایا  
 تھا کہ وہ علیل ہو کر مسیحیاری میں ادھر چلے گئے۔ جہاں شہزادہ کی تمام کتابیں کے بعد لندن  
 آکر ہڈی تان میں اپنے اٹلے انگریزوں کو زبان اردو کی تعلیم دینے میں مدد دے ہو گئے۔  
 شہزادہ میں کہنے کی ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام **اورینٹل انسٹیٹیوٹ** تھا۔ ہر شے  
 کے باوجود اعلیٰ پایہ پر چلایا۔ **۱۸۶۹ء** میں یہ ادارہ بند ہو گیا مگر پرنسپل ڈاکٹر صاحب پر یہ بڑا

اردو شریک دھوم مچا گئی۔ یہ تو فریب نہیں کہا جاسکتا کہ اگر ڈاکٹر جان گلکرائٹ اردو کو کب کا سلسلہ تصنیف تالیف شروع نہ کرتے اور فورٹ ولیم کالج قائم نہ ہوتا نہ ملک کے جدید اور مشہور معصنین کو جس کے اردو شریک اکثر لٹریچر تیار نہ کرتے تو آج بھی اردو شریک کی حالت وہ مجلس اور برقی کی کتاب شوقی و ہر عشق کی طرح ہوتی۔ یہ ممکن تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی کوششوں کے بغیر بھی اردو شریک کسی اور ویلے سے ایسی ہی مدد ملتی۔ اس لئے کہ اس کی نعمت میں عرصہ لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے بھی ہم گریز نہیں کر سکتے کہ اردو کا پایہ جو شریک کے لحاظ سے بہت تھا اسے ڈاکٹر صاحب ہی کے دست کوشش نے بلند کیا، گویا اس کی خدمت کوئی اور مفید کار فرما تھا۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کا کالج کے متعلق جو پروگرام تھا وہ ابھی پورا نہیں ہو پایا تھا کہ وہ علیل ہو کر مسیحیاری میں ادھر چلے گئے۔ جہاں شہزادہ کی تمام کتابیں کے بعد لندن آکر ہڈی تان میں اپنے اٹلے انگریزوں کو زبان اردو کی تعلیم دینے میں مدد دے ہو گئے۔ شہزادہ میں کہنے کی ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام اورینٹل انسٹیٹیوٹ تھا۔ ہر شے کے باوجود اعلیٰ پایہ پر چلایا۔ ۱۸۶۹ء میں یہ ادارہ بند ہو گیا مگر پرنسپل ڈاکٹر صاحب پر یہ بڑا

ایک ایکٹ کا منظوم ڈراما۔

## خاکستر پڑانہ

تشریح

پہلا سین - نوجوان اور حسین شام لال کی موت۔

دوسرا سین - اس کا کیا کام۔

تیسرا سین - اس کی پرکھ حال اور کن پرہ۔

چوتھا سین - اضطراب اور فطار۔

پانچواں سین - دم توڑ دینا۔

پہلا سین:

اب بٹائے سے نہیں تباہ کچھ طو حیات  
ہو گیا ہے ختم کُل افسانہ دور حیات  
وہ شباب دگم بہشتی اک گل افروز ہے  
باہر دزدگانی شام یعنی وہ ہے  
ساحلِ گم - اسے جس جلائے کئے  
شیخ کو جی بھر جلا کر پھونک لئے کئے

دوسرا سین:

دوش سے نکلی آناری یا تار اس سے بار  
ایں دنیا اور دینا کسے انا اختیار  
یوں نہ بان گویا ہے گنگے کا بٹوش میں  
لے گئے نام سے مسافر زری خوش میں  
آگ کی بجائوں سے بڑھا اور وہ جلا  
یعنی باقی ضرور کو پاک کرنے سکے  
آہ! جسم صاف آئینے کے ساتھ میں صلا  
آگ کی آتش میں جو اور کل بھی میں یہ تھا  
آہ! سر گورے گورے آگے بالین تھا  
موت سے ڈال ہے اس آہ عقد آتشیں  
آہ! جس کو دل میں کل حق صورت نازین  
سرخ شعلے آگ کے ہستی کہ آگ نہ پڑاں  
نہ گئی شعلے کے آغوشے نئی کی نمود  
نام رکھا تھا اس دن سکے بکنا شام لال  
غرض مل کر بکھا دم بھر فائز بہشت بود  
غرض گنگا سے لا جناب نام زندگی  
جس قدر سا ان ہستی کے پھر پوچھے  
جانے دلے جا چکے گلے نہ لالہ دیکھے  
اتھ کئے دلاچم دول پاب کوئی نہیں  
جو زمین آسان ساحل پاب کوئی نہیں

تیسرا سین:

آہی ہے اس خزاں پر دوسے تازہ جہاز  
بے وقوف ہوئی جوانی ہے جوانی کا ستار  
رباں کو لے رہا تھا تو افسانہ کی خوشک میں  
اد جوائی کی ٹنگیں ہیں نئی ہوشک میں  
کل امجدین لٹ جیسے آجودا جو ادرمان ہے  
بات تو کھنک کی ہے ہوگی کی خانہ ہے

آسمان سے برق برقی بوستان گل مل گیا  
اس خزاں دیدہ جین کی خاک ٹھونے کئے  
دیکھا کیا ہے کھڑا اسے انقلاب روزگار  
کتنے مرتب نہیں جوہر تو دھتے سنگ ہے  
تھوڑے شعلے تھے جتا برابر ہاں لالہ میں  
دال دی جو شب نے آکر دو کو عالم برغلاب  
تمکنت کی کل آواہیں، میں گیس ناچکیاں  
آگھ ہوئے ساخراٹو پلے جلتے ہیں آہ  
آٹ اور برک کی نہیں ہے اور آدم کوئی نہیں  
نزع میں دم توڑتا ہے جیسے کوئی دم دم  
ہاتھ پر وہ زدن گانی کا اٹھاتے کسے  
آسمان! اب ختم اپنی جو دشمنیایام کر

انقلاب دہرا بنا داؤل پور اچل گیا  
دھتے شعلے کے آٹھوں دھتے کئے  
آہ! ان چاندویری آگھوں میں لیکہ بیقرار  
چرہ گل، رنگ آجائے کیوں بے رنگ ہے  
ہاں فقط جو یکدم سے تھمتے گالی ہیں  
ہے مجلسِ خمر گریاں ابے جالی کا جواب  
اندرا شعلہ دہی ہر سخن کی خود دار ہا  
ہاتھ پر دے دم و نازک ہیں جیسے پیرہ  
آگھ آٹھیں ہے ہمار کو کہہ رہی نہیں  
جال ہے بھلائی کی رنگ کے آٹھیں ہر قوم  
سائن شعلہ کی شمع ہستی کی کھانچے کسے  
درد جب دل میں اٹھا یعنی کلمہ ختم کر

چوتھا سین:

کچھ کھل کر آگئی وہ خاک اڑا کر قریب  
کھنکے نہ پڑی رو کیے رو اپنے کی خاک  
آگ کیوں دل میں لگائی تم کو کھنک خاگر  
شیں نے نہ پڑی رو کیے رو اپنے کی خاک  
جوڑ کر جھک گئے تم بیکس کے واسطے  
جوڑ کے واسطے جھینا گیا ہر اسماگ  
تم ہو چکے گود میں اس گود کی سو کن بول  
خاک میں تم نے مل گئے جو جس تمہاری خاک پر  
زندگی میری نہیں ہے ننگ جو اور مرا ہے  
پودہ و فدی اٹھا کر تم ملا دینے میں  
نیرج ہی جلاہ اور حادو میل ہوئے تو تم  
ہندو سے جاگیں تو یہ پاک کھنک کا سماں  
پیت کا جو دھرم ہے اس میں جی یاں ہے  
خوشے دل بھی رہے سرخ قمار کے سامنے

پانچواں سین:

دل کی دیم سے تو گن رشتہ جاں توڈ کر  
دل کی دیم سے تو گن رشتہ جاں توڈ کر  
سب کو جوگن دہی کر ثابت آسمان ہے  
دراپ



افسانہ :-

# قفس کی تیلیوں کے شاخ آشیان تک!

موتلی ایک بڑی دکان کے عوامی راستے کے قریب عوامان خراباں میں تھا،  
دن کی روشنی میں دکان کی ایک ایک چیز جگہ ہی تھی جس طرح اسکا ہم بھرا تھا  
اسی طرح اسکا دماغ بھی آشفٹ خاطر کا اظہار کر رہا تھا۔ آج ہی صبح اس نے اخبار  
میں یہ سانس لی نکلتا پڑھا تھا کہ دنیا اپنے غور پر گھومتے گھومتے اب غم پوری  
ہے اور صرف چند لاکھ سال اور برقرار رہے گی۔ اس کے بعد نہ یہ دنیا اور نہ دنیا  
کی یہ دل آویزیں! اس جیسے فوجان کے لئے جو غافل آئیں کلاس میں ہوئے خبر  
خوش کن نہ تھی اس کے لئے زندگی کا جو خاکہ قرب کیا گیا ہے کیا اسے اسکا جناح  
کو ناچاہتے ہائے دنیا کے غلام میں تبدیل ہونے تک غالی زندگی گزارنا چاہئے؟  
بھلا کتنے تھوڑے گھر اگر اس نے بچے کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں پھڑپھڑیں۔ اور  
اس کے بال ایسا کی گھڑے جھگڑے۔ جس تلخی اور ناگوار کی کا وہ احساس کر رہا تھا  
وہ اب جانا رہا اور دل میں تڑپا اگلیں خیالات لہرے لگے۔ دوسری ہی نظر منافی  
یہ بحث کا معاملہ تھا کہ کون کون سے نظریوں میں ایک رو کی سے سر پر بھولوں میں گوندھے ہوئے  
بال دکھائی دیتے جو دکان سے باہر آ رہی تھی وہ برابر اس کو دیکھے جا رہا تھا جیسے وہ  
روٹی میں لٹھ ہو، اسکا دل پروردانی کمانوں میں ڈوبا رہتا تھا، دو تین بار بڑے  
زور سے دھڑکا اور وہ دنیا کی آنسو والی تباہی کو یک لمحہ قبول کیا، وہ دروازہ میں  
سے ہوتی ہوئی سامنے والے بلی ٹینڈ کی طرف چلی گئی، اسے ایسا محسوس ہوا کہ یہ  
ساری دنیا ایک ایک لڑکھا ہے جس میں عام طور پر گھومتے رہتے ہیں اور صرف ایک  
موتلی ہے، یہ موتلی اس کی نظروں کے سامنے آ رہا تھا اور وہ بالکل اس طرح  
بزان تھا جیسے کئی بندر آدمیوں کے بجاتر گھر کو دیکھ رہا ہو، وہ بھی نہایت متانت  
کے ساتھ جس میں بند پر ہونچا، تاکہ لوگ کا دنیا کے مسکن کے بچا کر سکے اور دنیا کے  
غم پہنچے تک اس سے محبت کر رہا ہے۔

موتلی اپنے ہم جاتوں کے لئے ایک تھا، جہاں کہیں بھی وہ تھا "خوش"۔  
نہا اسے بڑا خوف تھوڑے ہی ہوتا اور وہ ہٹھک جاتا تھا، غم پوری دکانوں سے اس نے  
کہا تھا کہ اس کے بعد اس کی زندگی بڑی خوشگوار ہوگی، اس کے دو تولی شاخوں پر  
خوبصورت پرہنگے اور سر کے گرد ایک روشن تختی آویزاں ہوگی، ایک ہم جات

تقدیر اسے روزانہ اس طرح چھڑتا تھا، اس کی نوکھیں اس عمر میں ہی بڑی خوش گذر  
تھیں قادر العلیل کا کوئی بھولا بھلا دارمطم ہونا تھا کہ اس سے باجوہ بے تحاشہ  
روشن دماغ اور روانہ طبع واقع ہوا تھا۔ "مزاحمت"۔ جیسی بھوک اور نفسیاتی  
علاج کے الفاظ اس کی ذہن زباں پر پڑے جیسے اسے یہ فرما دے درجہ سے ہوں۔  
ایک مرتبہ وہ ایکوں کا ایک گروہ موتلی کے قریب سے گزرا، قادر نے فوراً  
غیر محبت کیا وہ آہستہ آہستہ گریختی طور پر بدل رہا ہے؟  
کسی نے پوچھا۔ کیا شکل اختیار کر رہا ہے؟  
مشرر قادر نے جواب دیا۔ "تسلیت"

قادر بے پروا رہا یہ ایک نفسیاتی نظریہ ہے، طبیعت بھی اسکو قبول کرنے  
پر مجبور ہے، مردانگی کے باریک پردہ کے نیچے دعوائی شکل لا رہا ہے۔

کچھ کسی دن یہ سن کر کوئی تعجب نہ ہوگا کہ اسکی صفت بدل گئی ہے۔ ایسی چیزیں  
ہو چکی ہیں، قبل اس کے کہ وہ اپنی نفسیاتی تشکیلات ختم کرے موتلی آگے بڑھ کر  
باہر نکلیں، اور اس شام کو اس نے جبکہ وہ کتاؤں کی دکان کے گروہ کو کھا رہا  
تھا کسی بڑے میز پر چیل کی کھی ہوئی کتاب عورتوں کی دنیا کو دیکھتے ہی فرما  
خود لیا۔  
اسی شام کو اپنے گھر آکر "کی ملاقات سے قبل وہ پچھل کی کتاب کا  
بالا انتخاب مطالعہ کر چکا تھا اور اس کے دماغ میں پچھل کے مختلف رنگیں جیسے پورے  
طرح قبضہ چلے گئے،  
پچھل نے مشورہ دیا تھا "میاں صاحبزادہ محبت غیر متوقع طور پر ایسی طرح  
کی طرح آتی ہے جو کسی رنگ سے نودار ہو رہی ہو اور وہی آدمی کھڑا ہے جو  
اس کو اپنی گرفت میں لے۔" موتلی اپنی محبت کو بوجھتا تھا جتنا اس نے رہی کا وہی  
طرح حلقہ شریع کر دیا کہ اگر تاقین کا دل کا سا بڑھ جاتا تو تو مال کو ہر کسی  
امیت دیتے سے قبل وہ اپنے فیصلہ رنڈا نانی کرنے پر مجبور رہتا، لڑکی کی کہنا  
پاس ہوئی اور اس میں ہا کہ یہ تھی موتلی کو اس اند پر بولنے کے لئے محبت جیت لاسا لگا  
پڑا وہ بھل ہوئی کے قریب کھڑا ہو گیا تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ کیا دنیا جانتی ہے کہ اس کی

کے گھنٹے سے دیر پہلے اپنی منزل مقصود بتائی کہ مری کو ٹرین تک ہی ٹکٹ لینا پڑا لیکن وہ باطل فطر طریقہ پر درمیانی اسٹاپ پر بڑی اندر کی بھی اس کیساتھ کنڈکٹر کو مری کے عالم میں چوڑ کر ڈال دیا۔ لیکن پچھلے تین دنوں کا بھادو کھجی کیونکہ وہ کہتا ہے:۔ پچھلے تین دنوں کے سلسلے خرم اور خوف غالب ہو جاتے ہیں۔ ریل کی سٹیشن آ کر ایہ ریل کی مری جیت سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کیونکہ اس پاس کہیں بھی رکشہ لاپتہ نہ تھا، وہ تیز تیز چلا اور جتنا کہ وہ دور سکتا تھا دوڑا، مگر اس لئے کہ رکشہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے، ایک اور رکشہ اس کے درجے کے قریب سے گزری اسی نے آواز دی: ”لو وٹا؟“ خوب گواہا ہم وٹا تھا؟ جیل اس کے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ وٹا لے لے سکے ہونوں نام ہے یا نہیں، رکشہ ایک بڑی عمارت کے سامنے ٹوک گئی، وہ اس میں داخل ہو گئی اسی اندر سے بڑا دروازہ بند کر لیا جو اس کے آگے پہلے کے لئے ایک چیلنج تھا، لیکن پہلے پر اچھن اور ہر شکل کا مل پیش کر رہے، اس کا کہنا ہے:۔

”جیت ضرورت کی طرح اچھا دکھائی دے گا“

وہ مکان کے باہر ایک منٹ تک کھڑا رہا، اس نے اپنے چہرہ کا پسینہ پونچھا اور بال درست کئے، ہوا نازاں اس نے دروازہ پر پہلے کی بہت کے ساتھ دھک دی، دروازہ کھلا، وٹا نمودار ہوئی، اس کی نظروں سے ایک نام کا بکس ٹپک اٹھا۔

کیا وہ خوبصورت تھی؟ اگر اس نے سر سے چھاپ دینے کے لئے کسی ہٹ آدمی کو بٹایا تو؟ چہرہ میری سبب اب آگے ہم کیا کی چیز ہوگا؟ اس نے دھنکے ڈرنے کہا: ”صاف نیکی“

”صاف کیا؟“ اس نے اعتراض سے کام لیتے ہوئے کہا،

”مری کے پاؤں تو کھڑے آگے اس نے پھر کہا،

”معدت چاہتا ہوں“

”خدا قبول کر لیا گیا“

”بھئی اب خیال قریب ہے کہ میں نے شاید آپ کو کہیں حضور دیکھا ہے۔

کہاں دیکھا ہے؟ دیکھتے دیکھتے فوراً یاد نہیں؟ مری نے سلسلہ نظر جاری رکھنے کیونکہ کہا، ریل کی نہایت سرد مری سے اس پر نظروں ڈالی۔ مری نے سکوٹے پر سے کہا: کیا آپ میری بہن کی ہم جانتے ہیں؟ وہ اکثر اپنی ذہن اور خوبصورت پہلی وٹا کا ذکر کرتی تھی:۔

پچھلے سے کیا خوب کہا ہے:۔

”خوشامد کی جیت مری ہے اور غلوں کو کوئی نہیں پوچھا“

وٹا ایک لمبے جبران پریشان کھڑی رہی۔ اس کا چہرہ ابکرم تھا اٹھا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں، وہ برسے برسے کہیں کہیں ایک بیوقوف کا حال بیان کیا کرتی تھی جو جیت سے اٹھا بھائی تھا؟

وٹا نے ترجمی نظر سے اٹھل طرف دیکھا وہ، مشکل اپنی نہیں ضبط کر سکی، وہ ایک سیکڑ تک ساکت و سامت کھڑا رہا مگر اسے اپنی سلسلہ سولی کاوری طرح احساس تھا اچھا، اس نے پھر بولنا شروع کیا: اگر آپ میری شکل سے نہیں تو میں جیت حال سے آگاہ کر دوں کہ میں نے کوئی آپ کے دروازے پر دھک دی میں جو کچھ کو بٹھا جس میں کذب و افراط کا خلیفہ سا بھی ثابت نہ ہوگا؟

”ہاں ہاں فرمائیے“ وٹا نے کہا۔

مری نے جواب دیا: مگر میں ایسی بات آپ کی دہلیز پر نہیں کر سکتا۔ ”اگر آجائے“ اس نے بے غمی سے کہا اور وہ اس کے پیچھے دروازہ تک چلا گیا، وٹا نے اس کو ایک کرسی پر بیٹھے کا اشارہ کیا، قلعہ آغزی دیکھیں کے ساتھ بیٹھے وہ فرسٹ کلاس کی چھوٹی چھل کی دیوار کے مطابق وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنی آواز کو صاف کر کے وٹا پر ایک کھری نظر ڈالنے پر اسے آہستہ آہستہ بولی شروع کی۔ چند فقرے مگر جامع جملوں میں مری نے وٹا پر اپنی طبعیت، سماجی اور ادبی طبعیت اور اس کے ساتھ اپنی بے پناہ جیت سب کچھ واضح کر دی اور بڑی دیکھ بھلے برقی کے ساتھ جیت کے متعلق غلط فہمی کو تار مارا؛

وٹا نے ایک لمبی، بھونکنے ہوئے کہا: ”اچھا آپ اس لئے آئیں مری جی؟

چکر لاکھ رہے ہیں؟

”جی ہاں بھلیں بھی تو آج کل دام بدوش ہیں؟

”آپ کو کچھ اور بھی ارشاد فرمائیے؟“

”کچھ نہیں“ وٹا مسکرا دی۔

اس نے مری کو شہدہ دیا کہ آپ نشرین بھائی ہیں؟

لیکن وہ برابر مری ہی تھی جس سے مری کی آواز میں صحتی جاری تھی اس نے بیکم طرز پر اوپر اس کے سرو کے انداز میں کہا:۔

”میں بھی بھائی ہوں؟“

”آپ جیسے گئے یا نہیں؟“ ریل کی کسی حد تک مزاحی سے کہا۔

اب اس کے ہنسنے کا موقع تھا،

”دوست“ وہ بولا ”محلات جیت کا ایک ماہر پچھلے کہتا ہے کہ جیت کا

اب مجتہد ہے، اگر میں تم پر فریضہ ہو گیا ہوں تو قسمیں بھی اٹھا کر کہہ دیتے۔ وہ  
 دوسرے ہذا اندر پھیل کر آیت کے مطابق دلائی طرف تیز تلوں سے دیکھا  
 با۔ دلائی کی آنکھیں بے حس و حرکت ہو کر رہ گئیں۔ کیا آپ ہرانی فرما کر شریف  
 نہیں بجاتیں گے؟

”دیوی جی گھڑی نہیں تھے آپ سے کس قدر محبت ہے اسکا اندازہ لگانا  
 مشکل ہے۔ جس ایک شخص کے اندر آپ میں عود سے محبت کرنے کا ایسا ہی  
 بڑا جوش جذبہ پیدا کر دے گا جان جاں؟  
 وہ کانپاٹھی، اور گو کہ اس نے کچھ تیرہ کر لیا تھا پھر بھی اس نے صاف  
 لہجہ میں کہا۔

”اگر تم ایسے ہی ضدی ہو تو اپنے الفاظ کو صداقت سے ہٹا کر کہہ دکھاؤ  
 جس کچھ اور تفصیلات سننا چاہتی ہوں، کیا تم ذرا میرے مطالعہ کے کرو جس  
 چنانچہ پسند کر دے؟  
 وہ اس کے مطالعہ کے کرو جس بڑے فزکس مائٹہ چلا گیا۔

”وہاں کہا۔ تم یہاں آرام سے بیٹھو، میں تمہارے لئے چار لاتی ہوں  
 ہم چار کی پیالی پر باتیں کریں گے اور ایک دوسرے کو کچھ کا اس طرح اچھا  
 کرنے دیلا۔  
 ”ہت خوب“ وہ مسکرایا ”تم نے اسے کہہ ہی دیا“

”وہ تیزی سے دروازہ کے پاس آئی، مگر لی نے پردوں پر نظر ڈالائی  
 جیسے اُن کے نقش و نگار اس کو خوف پر نہایت اہم ہوں، پردوں سے ہٹ کر اُن کی  
 نظریں کرو کی مختلف چیزوں کا جائزہ لیتی ہیں۔ اس نے دل ہی دل میں کہہ  
 کی صفائی اور جن سلیو پر رز کی کی نفاست پسندی کی داد دی، اچانک اس نے  
 زور کا جھٹکا محسوس کیا کہ قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے اس نے دیکھا کہ  
 لڑکی دروازہ کو باہر سے مغل کر رہی تھی۔ اسے اب محسوس ہوا کہ وہ اور اسکا  
 استاد پہلے دونوں عورتوں کی دنیا میں اگر بڑی طرح فید ہو گئے ہیں دروازہ  
 کے قریب ایک چھٹی سی کھڑکی کھلی اُسے لڑکی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آ رہا، لڑکی  
 نے کہا ”میرے پرستار! اب انتظار کرنے رہو، میں تمہارے لئے چار  
 لائی اور کچھ ہی تباہی سے تمہاری ملاقات کرواؤ گی، گھبراؤ نہیں۔“

”مگر لی نے پاؤں نہ زمین نہ کی گئی۔ اسے پہلی مرتبہ اپنی صاف کا اس میں ہوا  
 اسے سخت غصہ بھی آ رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ لڑکی کے اس مطالعہ کے  
 کر کے بچے ہوئے کا فذ کی طرح مل ڈالے۔ لاش یہ اس کے لب میں ہوتا، اس نے

”کہ اسے پہلے کا بھی خیال نہیں آیا، لڑکی ابھی تک وہاں کھڑی تھی تھی۔  
 اس نے تیز انداز میں کہا ”وہ اندازہ کھلو۔“  
 ”جب تک تم معافی نہ مانگو گے۔ اس نے جواب دیا۔“ اور تیرہ نہ کر دو کہ  
 ”اندہ ایسی صاف نہیں کر دے۔“

”یہ میں نہیں کر سکتا۔“ اس نے سختی سے کہا میں تم سے محبت کرتا ہوں  
 اور تم سے شادی کرنے کا تمنی ہوں۔“  
 ”ارے۔“ اس کے ہونٹ پیچھے گئے۔ اچھا تو میرے عزیز ہو چکی انتظار  
 کر اور صبرت خیمہ بچھنے کے لئے تیار رہو۔“

”مگر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ جلی گئی، اس کی آنکھوں سے خون دھشت  
 ٹپک رہی تھی۔ اس نے پہلے کا آخری فقرہ یاد کیا۔ ”ہر قسم کی معصیت  
 بھیلنے کے لئے تیار رہو۔“  
 بڑی دیر بعد اسے کسی شخص کی بھاری آواز سنائی دی جس سے وہ

”کاپ اٹھا اور اسکا دل زبردستی اچھلنے لگا۔  
 ”چاچی“ اس نے لڑکی کی آواز سنی اور لڑ گیا۔ ایک زوہان آپ کی  
 عدم موجودگی میں آیا اور آپ کے متعلق پوچھنے لگا کہ کہاں گئے ہیں، کیونکہ اسکا  
 طرز عمل کبے ڈھنگا تھا اس لئے میں نے اس کو اپنے مطالعہ کے کرو جس بجا کر  
 بند کر دیا۔“

”مگر لی نے جو یہ الفاظ سنے وہ اس کی جان میں جان آئی۔  
 ”بے ڈھنگا رویہ؟ آپ کی گھڑی اور آواز سنائی دی۔  
 ”ذرا میری وہ شادمانہ لکڑی لے آنا۔“ مگر لی کو اپنے بھی احساس ہوا۔  
 ”چاچی اسکی خدمت نہیں۔“ مگر لی کو لڑکی کی آواز سنائی دی۔ میں دروازہ  
 کھولتی ہوں اور آپ پوچھ لیجئے گا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“

”دروازہ کھلا اور ایک چھٹ کے دیو خاست آدمی کی شکل نے مگر لی کو پہلے  
 کے تمام داؤں پریم بھلا دیے، اب اس کے لئے کی طرح جھٹکا تھا ہوا اند آ رہا،  
 جب اس نے مگر لی کو دیکھا تو اسکا غصہ دیکھتے ہی دیکھتے پھل گیا۔ وہ مسکرایا  
 ”ارے مجھے بڑا افسوس ہے۔“ چپ چاپ وہ اسکو باہر لے گیا اور درانگ روم  
 میں ایک کرسی پر بیٹھا، اس نے کہا۔ ”تمہاری آواز واقعی اچانکتہ ہی۔“

”پھر اسی لڑکی کی طرف تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”یہاں کھڑکی کی گوری ہو، ہمارے لئے چار لاؤ۔“  
 لڑکی اس دیر سے ناراض سی ہو گئی مگر اس کو خاموشی سے جلد چاہا پڑا۔

ہاتھ لگائے ہیں ابھی ابھی تھکے ہیں گھومتے آ رہے ہیں۔

وہ سکر رہا تھا اور خوش ہوا تھا، مگر کی روزہ برنامہ ہو گیا، اسکا دماغ بکرا رہا تھا۔

مگر کی نے سذت خواہ بھوس میں کہا: مجھے ایک فردی کام ہے پھر کسی روز حاضر ہونا۔

اوسے ذرا بیٹھو تو سہی، چار بی کر جانا ایسی جلدی ہی کیلیت۔

جب مضطرب لڑکی چار لیکر آئی تو مگر کی کا پریشان دماغ کھوم رہا تھا۔

اور اب کی سکر اہستہ اس بڑبڑانہ انداز کو رہی تھی، مگر کی نے جلدی جلدی چار

بی اور دوڑا دیا وہ ہو گیا۔ اُس نے باہر سے کھلے ہوئے اس طینان کی سانس لی، اگر

اس وقت پھیل دیاں ہو جوتو وہ اُسے ہیضہ کے لئے بھیخیز دیتا،

چاہے اُسے جس دوام ہی کی نزاکتوں نہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ گھر پہنچا، وہاں

تھے ایسا محوم ہوا جسے کوئی قریب ہونے والی ہے۔ اُسکے جھوٹے بھائی، سکو

دیجئے دیکھ کر سکر رہے تھے اور اُس کے باپ نے مشفقانہ انداز سے کھانا کھانے

کی جاہلیت کی ناکہ وہ ٹھنڈا نہ ہو جائے

مگر کی جرات تھا کہ آج اُسکے ساتھ بغیر معمولی طرز انفعات کوں برتا جا رہا

ہے اُسکی جھپٹی ہونے سے ذہن سے قہقہہ لگایا اور اُس کو "وہلا" کہہ کر بھارا، "وہلا"

لاہم سکائیں کے کان کھٹے ہو گئے سر سے ہانک لڑ گئے وہ عجب کد کھا کر

کہیں آج صبح کی فراری کا اسکے گھر والوں کو پتہ نہیں چل گیا۔

آج ہی اسکے پاس آئیں تم اب تک کہاں تھے؟

"کہیں نہیں" اُس نے گجرا کر جواب دیا، وہ پچھلے کو ہزاروں صلواتیں

دل ہی دل میں سنا رہا تھا۔

"آج صبح تمہارے چاہی کے دوست مرٹ چند اپنی لڑکی وٹا کی شادی

کے متعلق بات چیت کرنے آئے تھے، انھوں نے شاید تمہیں دیکھا ہو وہ آکر

وہ ذاتی طور پر تم سے واقف نہیں ہیں۔ ہم نے آئندہ ہفتہ نسبت سے کرنے کی

بھانسنی دی ہوئی ہے۔ میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی تھی، اگرچہ میں معاملہ کا سا لاکھا

تھمے تھا یہ ہے اور اس کو تم خوب سمجھتے ہو، ہر حال میں نے تمہیں پہلے ہی سے

سگاہ کر دیا ہے۔"

وہ کہے جا رہی تھی مگر مگر کی مرث اس خیال میں غلطان پہنچاں تھا کہ آیا وہ

پچھلے کے بھارت کو جلا سے با اُسے یادگار کے طور پر محفوظ رکھے۔

رشدی بھوپالی

### (بقیہ خاصان ادب مضمون)

(۶۲) جناب خان خیری بہت خالی جی آن کھڑی بانٹا (کا ٹیڈا وار) سٹے رالانہ

(۶۳) جناب عبدالستار خاں صاحب قائم گنجی دہلی (سٹے رالانہ)

(۶۴) جناب حبیب خان صاحب حبیب شاہ جہانوی کوٹہ سٹے رالانہ

(۶۵) مسٹر اُم سنگھ لہ۔ اسے پورا پورا بھلا رام اینڈ سنس دہلی سٹے رالانہ

(۶۶) محترمہ جناب بنارس (پگھور) سٹے رالانہ

(۶۷) محترمہ اسامی علی صاحبہ کراچی سٹے رالانہ

(۶۸) محترمہ بیگم صاحبہ کراچی سٹے رالانہ

(۶۹) محترمہ فقیر جی وٹیا صاحبہ کراچی سٹے رالانہ

(۷۰) جناب بکھی بھائی جی علی صاحب راہ لینڈی سٹے رالانہ

(۷۱) جناب عافت ابراہیم بوسن پراکاردی باگھٹی سٹے رالانہ

(۷۲) جناب خان صاحب انور خاں جی آن کاٹھہ دربار گروہ بانٹا (کا ٹیڈا وار) سٹے رالانہ

(۷۳) جناب بدیع الرحمن صاحب قمر بندی سٹے رالانہ

(۷۴) جناب رفیق احمد صاحب تین نشہ کلکتہ صبر کھنڈی لین چورہ سٹے رالانہ

(۷۵) جناب اگر علی غلام علی صاحب تھے واسے کراچی سٹے رالانہ

(۷۶) محترمہ جیول نور الدین شال کراچی سٹے رالانہ

(۷۷) مسٹر مرث ذمخانی جونٹ فلو ندم پنجاب سٹے رالانہ

(۷۸) محترمہ بیڈی سریم کشن سا (ضلع انبالہ) سٹے رالانہ

(۷۹) جناب کچھو دل صاحب قنار سٹے رالانہ

(۸۰) جناب جگن ناتھ پوری صاحب دھادھ کوٹ دھادھا پنجاب سٹے رالانہ

(۸۱) جناب سب سٹہ خداحمین طب علی صاحب راہ لینڈی سٹے رالانہ

(۸۲) جناب عظم علی عبد الحمین صاحب علی گڑھ سٹے رالانہ

(۸۳) جناب احمد خان صاحب ساکل پٹی سٹے رالانہ

(۸۴) جناب آلی حسین صاحب دنا پور سٹے رالانہ

(۸۵) جناب چودھری صادق علی صاحب ٹون ملانور سٹے رالانہ

(۸۶) جناب خداحمین علی بھائی صاحبہ راہ لینڈی سٹے رالانہ

(۸۷) جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خاں صاحب خوشتر۔ بوسن پراکاردی کوٹہ سٹے رالانہ

(۸۸) جناب احمد شہاب الدین صاحب شہاب دھولہ ضلع رتناگری سٹے رالانہ

(۸۹) جناب چودھری لال محرز محمد صاحبان ٹون کپٹن شاہ جہانپور سٹے رالانہ

(۹۰) جناب حکیم سید جاس علی صاحب آسی توپا قورہ طور سٹے رالانہ

(۹۱) جناب حافظ اسحاق صاحب مال پرمی کوٹہ دھادھا سٹے رالانہ

# رشتا ریکیاں

دن کے کہنے پاکی ماں نے اُسے بھی بلوایا۔ ڈاکٹر آیا اور اُس نے دن کی آنکھوں کا بخور عائنہ کیا اور اکی ماں سے گویا ہوا۔ "معاذ کیجئے اگر میں یہ پوچھوں کہ مشرقین کی پیدائشی اندھے ہیں؟" اکی ماں نے انہماک میں سر ہلادیا۔

"اگر ایسا ہے تو..... لیکن میں حتی الامکان کوشش کروں گا۔ اُسے خدا کے ہاتھ ہے۔" ڈاکٹر نے سجدے کے ساتھ کہا۔

اب ڈاکٹر دن کو مخاطب کر کے بولا۔ "مشرقین میں اگر یہ کہوں....." "کوئی حرج نہیں خوف سے فرمئے۔" دن نے ڈاکٹر کو ہچکچاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "نہیں سُن کر تکلیف ہوگی۔"

"تکلیف! میں نے بہت دنوں سے تکلیفوں کو گلے لگا ہوا رہا ہوں۔ آپ جو کہنا چاہتے ہیں۔ بلا پس و پیش کہیں۔" دن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں اگر یہ کہوں کہ گویا پورا اقلیت ہے کہ میں نہیں تمہاری آنکھیں دھاپیں دلا سکتا ہوں۔ لیکن....."

انٹارکٹک ڈاکٹر رک گیا۔

"لیکن کیا وہ ڈاکٹر؟ دن نے پوچھا۔

"لیکن یہ کہ تمہاری آنکھوں کی روشنی عارضی اور چند لمحات کے لئے ہوگی۔" سچے؟ "کہلا اُس نے سگریٹ کا ایک بل کش لگایا۔ وہ پھر گویا ہوا تمہاری آنکھیں

نہیں دھاپیں مل جائیگی۔ جکابجے یعنی کالا ہے۔ لیکن وہ صرف تھوڑی دیر کے لئے یہ تمام اس چوٹ کو برداشت کر سکوگے؟

"درحقیقت اس چوٹ کا برداشت کرنا بہت مشکل ہے لیکن پھر بھی میں کوشش کروں گا۔"

"کیا تم ابھی طرح سمجھ گئے؟" ڈاکٹر بولا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری اندھی آنکھوں میں چند لمحات کے لئے روشنی کا آجلائی سخی دکھتا ہے؟"

موجودہ حالت میں تمہیں اپنی مصارت کی پہلی قدر معلوم نہیں تم نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ لیکن اگر ان میں روشنی ملے گی تو اُسے اور تم دیکھنے کو

دن ایک منٹ گھبرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اُسکے والد کی تلاش بالواسطہ پیدا ہونے کے قبل ہی ہو چکے تھے۔ اکی روز دن اکی ماں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ یہ بچاری اس پر جان بھرکتی اور ہر طرح اکی دیکھ بھال کی کوئی۔ دیئے تو خدا کا دیا دن کو سب کچھ ترخانہ پھر بھی ایک چیز اُس کے لئے سوڈن رُخ بنی ہوئی تھی اور وہ تھی۔ اکی بے فدا آنکھیں! وہ اذیت تھا! پیدائشی اندھا! اُس کی دنیا تاریک تھی۔ اکی زندگی تاریک ملی آ رہی تھی ازل ہی سے تاریک!

وہ بارہا اس بات کی کوشش کرتا کہ خوبصورتی اہدہ بدھوتی دن اور اُن کے رشتوں اور تاریکی کے منہ کھریں، لیکن میٹھ لگام رہتا وہ اپنی باؤسی لاد بھالگی پر میٹھ آنسو بہا کرتا۔ میٹھ اس کے لئے ایک بے منی لفظ بکثرت رہی تھی، خوشی اکی زندگی سے کبوں دوسری مورخہ اُس کے لئے نام تھا گری کے احساس کا۔ چوٹ صرف خوشی کا اپنے برائے نرم اور محبت آمیز آواز تھے۔ اکی پرور کی دنیا غلش پیہم اندھ طرح طرح کی اذیتوں سے بھر رہی تھی۔

اکی اس بے کمین زندگی کو چوبیس سال کی مدت گذر چکی تھی، اکی تمام اُسیدیں دنیا اہد دنیا کی چیزوں کے دیکھنے کی آرزو نا اُمید ہی سے بدل گئی تھی۔ اکی ماں نے بھی کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی۔ وہ پیر پانی کی طرح بہا یا گی بڑھ چوڑی، برین امراض چشم کی شدت حاصل کی گئیں۔ لیکن سب بے سود۔ ڈاکٹروں کا بھی کنا تھا کہ یہ کام اُنکے سر کا نہیں گورن بھی ڈاکٹروں کے پیہم سوالات تم کب سے اندھے ہو؟ یہ تم پیدائشی اندھے ہو؟ اور انکے جواب سے کنا سا لگتا تھا لیکن وہ ان باتوں کو خاموشی سے برداشت کرتا رہا صرف اپنی ماں کی خاطر وہ ہی اس کا سب کچھ تھی، لیکن وہ جلد ہی اس خندہ کو حل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ایک دن ہونے والی بات کو دل میں جگہ دینا اُمید کا کوئی دینے کے برابر ہے۔ پھر کسی ہی میں ہے کہ وہ اس کا خیال ترک کر دے اور اس کا یہ ترخانہ ہی کچھ معنوں میں نشاط و طبع کا باعث ہوگا۔

اسی اُتار میں اظہار سے اُسے ہونے ایک ڈاکٹر کے پاس سے یہ فواد تیزی لکھا تھا پہلی کہ اُس نے بہت سے پیدائشی اندھوں کو دیکھنے کے قابل بنادیا ہے

ایسی حالت میں آپ ہی بنائے کو طر جانکن ضروری ہے اور اس  
جیلے سے میرے مستقبل کو بہت دکھ ہے۔ اور انا  
دن کے باوے میں ... تو رتن اب خود اپنی مدد پا کر کھانا  
ہے۔ چارٹر کے خشک ہونے ہی آنکھوں کی پٹی کھول دی جائے  
لیکن میں پھر ایک بار آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ بھارت  
عارضی ہوگی۔

خط پڑھ کر رتن کی ماں کی جان میں جان آئی۔ امید کی وجہ سے ہی کہ اب بھی اس کے  
دل میں تو نگین تھی۔ رتن کو اس کی آنکھیں داپس لے سکتی ہیں، وہ بڑبڑاتی ہوئی  
رتن کے کمرے کی جانب چلی۔  
رتن جب چاہ پڑا یہ سب باتیں سنا رہا تھا۔ آہ اب کیا ہوگا غیر کوئی  
روز نہیں۔ پٹی کھولنے میں تکلیف تو ضرور ہوگی۔ لیکن اس کے بعد۔۔۔۔۔۔  
اس کے بعد۔۔۔۔۔۔ رتن نے سخت لمحے میں کہا۔ تکلیف میں زیادتی ہوتی جا رہی  
تھی۔ چارٹر خشک ہو چلا تھا۔ لیکن رتن ڈاکٹر کی بات کا خیال کرنا تو اس کی روح کا پتہ  
جاتی۔ دن کے دوسرے ٹک وہ اس کی آنکھیں میں دھاگہ آیا اب پٹی کھول دی جائے  
یا نہیں۔

چارٹر ٹوک کا خشک ہو چلا تھا۔ لیکن اسے ڈر لگ رہا تھا وہ پٹی کھولنے سے  
پچھتا رہا تھا۔  
وہ اس ساعت کے تصور میں گم ہو گیا جب اس کی پٹی کھول دی جائے گی۔  
وہ ساعت جب خدا کی بخشی ہوئی انمول دولت خدا کی ہرگز نیت "بھارت"  
اس کے پیچھے میں ہوگی۔ وہ دیکھ سکا کہ روشنی کیسے ہے؟ جب وہ گہری تاریکی سے  
نکل کر ایک روشن اور منور دنیا میں آئے گا۔

پایان کا وہ ساعت بھی آگئی، وہ پٹی کھولنے کی ساعت وہ پچھتا رہا تھا  
ایک عجیب قدر ایک عجیب ایک اندیشہ اسے پٹی کھولنے سے روک رہا تھا۔ کیا وہ پہلی بار  
اس عجیب غریب دنیا کو دیکھنے کی خوشی پائے دیکھ کر کبھی نہ دیکھنے کا صدر بڑبڑات  
کرتے گا؟ رتن کی ماں کو اس کی پریشانی اور پریشان کر رہی تھی۔ وہ خوشی سے یہ  
سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"نہیں" وہ چلا اٹھا۔ میں پٹی نہیں کھولوں گا۔ مجھے۔۔۔۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے  
ماں۔۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔۔ شاید یہ اچھا ہوتا کہ میں نے ڈاکٹر کو نہ بلایا ہوتا۔  
میں اسے قبل خوش تھا۔ نہایت خوش تھا۔۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔۔۔۔

نیا چند جیسے کسے با چند گمان کسے اور پھر پہلے کی طرح اندھے ہو جاؤ۔ بالکل  
اندھے؟ انا کہہ کر وہ جب ہو گیا شاید کھوسے گا۔  
"میں ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنے کو تیار ہوں جبکہ آئندہ کامن میرے  
نافواں اور کمزور ہاتھوں میں ہے۔ رتن نے ڈاکٹر کو غلوں دیکھ کر کہا۔  
ڈاکٹر نے رتن کو چند ہدایات دیں اور کہا کہ مجھے امید تھی ہے کہ تم میری ہدایت  
پر بغیر کسی ہیشہ میں کر دے گے۔  
"آپ اطمینان رکھیں، رتن نے کہا۔

ڈاکٹر کسے رتن کے منہ میں ایک کرہ خالی کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنے  
تمام آپریشن کے آلات کے اس میں بٹایا۔ دوسرے دن ڈاکٹر نے رتن کی آنکھوں  
کا آپریشن کیا۔ ہر شے کا سبب اور پلاسٹر جو جلنے کے بعد پٹی باندھی گئی تھی۔ ڈاکٹر  
کی ہدایت کے مطابق رتن کو تین ہفتے بستر کے بل پر ایک اندھیرے کمرے میں بٹایا  
ڈاکٹر اس کی تیار داری کے لئے تمام دن حاضر رہا ڈاکٹر نے اسے ہٹے پلے کسے  
بھی نیچے کر دیا تھا۔ رتن نہایت جرات اور حوصلے سے ان تمام تکلیف کو برداشت کرنا  
رہا اور برداشت کیوں نہ کرنا۔ اس کی آنکھوں کا سوال تھا، ان آنکھوں کا جو روز ازل  
سے اندھی چلی آ رہی تھیں۔ بچہ اور جرت خیز مرض میں مبتلا تھا۔  
آج پٹی کھولے جانے کا دن تھا، لیکن ڈاکٹر کا کہنا یہ تھا۔ اس کا کہہ کھٹا  
پڑا تھا۔ شاید اس نے اپنا سامان خود ہی باندھا تھا اور وہی اسے اسٹیشن تک  
پہنچانے کی رحمت بھی آٹھائی تھی۔ وہ جا چکا تھا، لیکن کسے رتن کی ماں بالکل  
خاموش تھی۔ جیسے اسے سناپ سو گئے گا۔ وہ تصویر غم میں ہوئی تھی۔  
کیا اس کی ابدوں کا یہی طرہ پال ہونا لگا تھا۔  
"یہ خط ڈاکٹر کے کمرے میں پڑا تھا۔

خادمہ نے ایک سفید کاغذ رتن کی ماں کو دیتے ہوئے کہا۔  
رتن کی ماں جڑ ہلنے خیالات کی مد میں ہستی ہوئی کہاں پہونگی تھی۔  
خادمہ کی آواز سے چونک سی گئی۔ اور اس کو دہاں کھٹے دیکھ کر لڑکی کہے "یہ خط  
ڈاکٹر کے کمرے کا ہے۔" رتن کی ماں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خط کو پڑھنے  
لگی۔ لکھا تھا۔

"مجھے انوس ہے کہ میں بغیر اطلاع کے جا رہا ہوں۔ لیکن کیا کوئی  
مجموعہ ہوں، میرا مرض مجھے اس طرہ جلنے پر مجبور کر رہا ہے ایک  
کہہ رہی وہ ہزار بار اس سے زیادہ بڑبڑاؤ اس کا لڑکا اچھا بھلا ہے  
دینے کو تیار ہے۔ اس کا لڑکا رفتہ رفتہ اپنی بیانی کو رہا ہے

ملیں..... آپریشن کے بعد بھی اگر بری قسمت میں نہ کی تاہم کی ہے تو بہت دائروں  
یہ کیا شکوہ..... میں سمجھی تھی خوش نہیں ہو سکتا.....

رقن کی ماں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پڑا یہی شفقت تو میری  
طبیعت کا باعث ہے۔ وہ اپنی ماں کا ہاتھ دوسرے چھٹکتے ہوتے چلا اٹھا۔ تھادی  
بت نے مجھ پر دن دکھائے۔ اس نے گردن جھکائی اور مجھ کو بچے میں جھک ہو گیا۔

”جس..... جس کیسے تھانوں کہ یہ سودا مجھے کتنا دکھا ہے۔ وہ بڑبڑایا  
بیسے خود کو مخاطب کر کے کہ: ہر چہ کیا تم کچھ سکتی ہو! یا کہ میرے لئے یہ کیسے ہے؟  
میں۔ بھلا تم کو کچھ سکتی ہو، جس میں تمہیں پردے، پھولی، چادر، مٹی، آسمان  
اور بہت سی چیزوں کے اس میں کہنے کا ہے، لیکن آہ میں اُنکے دیکھنے سے منع  
ہوں۔ لیکن ماں..... ذرا خیال تو کرو“

وہ لپکتا ہوا چنگ پر دراز ہو گیا۔ کہا جس اسے برداشت کر سکوں گا۔ نہیں  
کبھی نہیں۔ لیکن اگر میں اسے برداشت کروں، ایک مرد ہونے کی حیثیت سے؟۔  
وہ زور دار آواز میں کہہ دیا کہ جسے دکھا: تو میں تکلیف برداشت کرنا گوارا  
کروں گا لیکن..... ایک..... بالکل ایکلے“

”ایکلے! یہ کوئی ہو سکتا ہے“ اس کی ماں نے گہرا کر دیا۔  
”کوئی نہیں ایک شخص ایکلے میں الٹا کر سکتا ہے۔ ایک شخص خدا کے نزدیک  
صرف یہی وقت ہو سکتا ہے جب وہ تنہا ہو، اسی لئے میں تمہارا ہنا پسند کرتا ہوں  
اور اسی میں بری بھلائی ہے؟ اس نے کہا: ابھی توڑی دیوہل میں سے خدا سے  
اکی دھا بھی کی ہے اور میں نے حمد کر لیا ہے کہ میں تمام قابلیت ایکلے ہی برداشت  
کر دیکھا۔ ہاں..... ہاں..... اس نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: یہی  
سب سے بہتر طریقہ ہے۔ جس کو گہرا ہی بری آزمائش کا وقت ہے۔“

اس کی یہ باتیں سن کر اس کی ماں اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ ”ایسا نہ کہو  
رقن۔ جس نہیں تمہارا معیشتوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ نہیں آج ہو گیا اگر  
جو ایسی ہلکی باتیں کر رہے ہو؟ اس نے رونے ہوئے کہا۔

لیکن رغن براہ راست رونے دھونے کا کوئی اثر نہ ہوا وہ اپنے ارادے میں  
اٹل تھا۔ میں تمہارا رہوں گا؟ وہ بڑبڑانے لگا۔ میں اس وقت تک تمہارا ہونا چاہتا  
کہ میں اُنکوں کی ہمتی کھول دوں۔ تم میرا جانت کر کے میں نہ آنا۔ میں دروازے  
کا دوسرے ہند کر دکھانگا، نہیں انتظار کرنا ہو گا۔ دما سوچو جس نے انتظار کرنے کے  
دن کیس طرح کاٹے ہیں.....“

”لیکن رغن؟ اس کی ماں کی آواز گہرا ہو گئی۔“

”ماں۔ اس نے سخت لہجہ میں جواب دیا کیا تم مجھے بری قسمت میں کہنا چاہتی ہو؟ کیا تم  
اگر میں چلائے یا جیلنے لگوں۔ کیلئے کسی کی ضرورت ہوگی کہ ڈر کم ان لوگوں کی جنہوں  
نے مجھے ناز و نفہ سے پالا کہ وہ میری شکست کا ذائقہ ادا نہیں۔ نہیں۔ میں تمہارا  
رہونگا بالکل تمہارا؟“

اس کی ماں اس کی طبیعت سے ابھی طرح واقف تھی وہ جانتی تھی کہ دن جب  
بعد ہو جائے تو کسی کی نہیں سنا۔ یہ سوچ کر وہ خاموش رہی۔ رغن اسے دھاندلے  
تک پہنچانے آیا جب یہ دروازے کے باہر آئی تو اس نے اندازہ کو یہ کہتے ہوئے  
اندسے بند کر دیا۔ باہر کھانا جگ میں نہ بادل..... یہ اس کے آخری الفاظ  
تھے اس کے بعد جانی گھانے کی آواز آئی پھر.....

رقن اپنی کامیابی پر نازاں تھا۔ اسے اپنی تنہائی پر از حد خوشی ہو رہی تھی۔ وہ  
آہستہ آہستہ اپنی آنکھوں کی پٹی کھولنے لگا۔ لیکن اس کی آنکھیں لاپٹے لگیں، انہوں  
میں روشنی نہ تھی۔ یہ سب کمزوری دل کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ کالے جانے کی  
وجہ سے تکلیف ہو رہی اور رغن چلا اٹھا۔ وہ رغن جو تقریباً پچیس سال تک ان  
تکلیف کا مادی رو چکا تھا۔ آکسیر ایک الماری سے نکڑا، وہ در دے مارے  
پتوں کی طرح چلا اٹھا۔

آؤ لا اس نے پٹی کو آنکھوں پر سے نوز پھینکا۔ اس کے ہوا یک پیچ غم اور  
خوشی سے ملی ہوئی اس کے منہ سے نکل گئی۔

وہ دیکھ سکتا تھا اس کے بوجھل اور موٹے پوٹے الٹے آہستہ آہستہ۔ ایک  
چوچا ہٹ سکتا تھا۔

لیکن وہ دیکھ سکتا تھا اور دیکھ رہا تھا سب سے پہلے اس نے جو چیز دیکھی وہ  
پلپکتی ہوئی تاریکی تھی۔ پورے رنگ کے ٹوٹے ادھر ادھر مضامین پر رہے تھے۔  
بے ڈھنگے اور بڑے بڑے۔

جب اس کی قوت بامرو کہ اور صاف ہوئی تو یہ ٹوٹے فریم اور الٹے ہو کر  
غائب ہونا شروع ہو گئے۔ اور اکی جگہ کرے میں پھیلی ہوئی روشنی نے لے لی۔  
وہ ادھر ادھر گھبرا۔ ڈگلیا اور اس نے اپنے ہاتھ ادھر ادھر گھماتے۔ صرف اس  
کو وہ ان گناؤں خطرات سے اپنے کو بچانے چاہتے جیسے چاروں طرف سے گہرے  
ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس نے کھڑکی کے پاس کے چنگ پر خود کو گرا دیا اور زور زور  
سے اپنے لگا۔

وہ محدود رہ خوف زدہ تھا اسے خیال آیا کہ وہ کدو دانہ کی طرف تھوڑے

لیکن وہ عجائبات سیکے دربان وہ گھرا تھا۔ اُسے یہ بتہ لگنا مشکل ہو گیا کہ ان میں سے دروازہ کون سا ہے کہ جسے کھول کر وہ اپنی والدہ سے ملے۔

وہ اپنے اسی خیال کو عملی جامہ پہنا ڈالتا اگر اسکی جو اسی اُسے دیر بٹھ جانے پر مجبور کر ڈالتی۔ وہ اس وقت سوائے اس کے اور کیا کر سکتا تھا کہ چپ چاپ بیٹھا، کارے اور دل کی دھڑکنوں کو گنتا رہے۔

آئینہ دیکھ کر ہلکے ہو گئے تھے۔ اسی طرح ایک گھنٹہ گزر گیا۔ رتن کی ماں جبکی بیٹنی اسکے تمام خیالات پر حاوی ہو چکی تھی۔ دے پاؤں دروازے کے پاس آئی اور دستک دی۔

رتن نے دستک سنی وہ اسکا مطلب بھی سمجھ گیا اور یہ بھی جان گیا کہ دروازہ پر کون ہے۔ اسکی ماں نے دوبارہ دستک دی اور اندر سے رتن کو یہ کہنے پہنچے کہ "ابھی نہیں" وہ دوسرے ہل رہا تھا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں دیکھ سکتا ہوں۔

اسکے جواب میں رتن نے خوشی کی ایک جھنجھٹ سی۔ لیکن ..... ابھی نہیں دو جلی گئی۔ اور جب اُسکے ہاتھوں کی چاب دھم ڈر گئی تو یہ سب کچھ اسکی نگاہ سے گھٹا اور چند قدم چل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ اُسے اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو کسی طرح سامنے دیکھتے ہوئے تک پہنچا دیا اور کسی نواہیدہ خوف سے منسوب ہو کر صوفے پر دیکر بیٹھ رہا۔

ایک بار پھر پیٹے کی طرح اسکا خوف زائل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی حالت پر مسکرایا۔ اُس نے سب کچھ پہلے سمجھ لیا تھا۔ اب کسی بات کا غم کو با بکار تھا اسکا خیر اسکی کر دیتی دل پر خدا کا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے اب معلوم ہوا کہ کمرے کی تمام چیزیں۔ میز۔ کرسی، الماری، تھابہ اور اس پر فیس دی ہوئے چارے طرح ہنس رہی ہیں۔ پہچنے لگا رہی ہیں۔ انکا غلط فہم اُسے سنائی دے رہا تھا اُس کے بڑے بڑے پتھر کٹے۔ زبان خشکی کے باعث تالو سے چٹ گئی۔ پشیمانی پسینے سے تر ہو گئی۔ اور وہ دوسرے سانس لینے لگا۔

یہ ایک اسکی ماں نے دروازہ کھٹکٹایا اسکا سلسلہ زنجیل ڈنکا۔ اُس نے جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن الفاظ حلق میں آکر ٹپک گئے۔ اسکی ماں نے وہ بارہ کھٹکٹایا۔ اس مرتبہ یہ جھلن بوجھ کر چپ رہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب تک ماں کی صورت دیکھنے کا وقت نہیں آیا۔ اُس نے سوچا کیا وہ ماں کو دیکھنے کی خوشی برداشت کر سکتا اُس نے ایک بار پھر سمندر اور آسمان پر اپنی چٹائی کی نظر ڈالی۔

اسی کشمکش میں دو گھنٹے گزر گئے، وہ پھر مردگی کی حالت میں صوفے پر پڑا رہا۔ اسی دوران میں اسکی ماں نے دوسرے دروازہ پر دستک دی لیکن جھونکے مرتبہ اُس نے ایک ہٹائی کی طرح دروازہ کھٹکٹنے سے انکار کر دیا اور مرتبہ وہ اسکی بات دہرائی۔ اُس نے ایک دفعہ اور اُس نے دل ہی دل میں کہا اور ایک مسکراہٹ اسکے لبوں پر کھیلنے لگی لیکن فوراً ہی یہ مسکراہٹ اسکے لبوں سے غائب ہو گئی۔

اب کلاں غایت فخر اور غرور سے نہایت آب و تاب سے جھک رہا تھا۔ محمد بھی کے شر کی طرح وہ رہ کر خراب تھا۔ مضطرب اور بیکل ہو جس معاملے سے آ کر ٹکرائیں اور نا اُمید ہو کر وہاپس لوٹ جائیں کہ اسے پریت خوب چک رہی تھی کھڑکی سے دُکھ دھڑکی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ دُور سمندر سے بائیں جانب ایک مندر دکھائی دے رہا تھا اس کے مندر سے کئی سوچ کی روشنی میں چمک رہے تھے یہ ایک پال والی ایک کشتی اسکی نظروں کے سامنے سے گز رہی یہ خوب تھا کہ یہ کشتی چیز پرستی ہے۔ کیا۔ کوئی بڑھ ہے؟ اسکی نظریں ایک چمک چمکوں پر پڑیں جو اُس نے ہونے مندر کی طرف جارہے تھے۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا۔ نہیں بڑھ نہیں کہتے ہیں وہ بڑھ یا؟ تو وہ سیدھی ہوتی چیز کا تھی؟

آہستہ آہستہ اسکا خوف زائل ہوتا جا رہا تھا کہ وہی دل استقامت میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اب اُس نے اپنی ماں کو جانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ خوشی کے جھلے میں جھول رہا تھا وہ حد سے زیادہ سرور تھا۔ آنکھوں کی روشنی خود کر آئے کی وجہ سے۔

ہو اس کے جھکے سے کاغذ کا ایک بڑا سا کٹا اس کے سامنے آ کر گرا، کیا یہ آدی ہے؟ اُس نے خیال کیا۔ خورج لہروں کی ساحل سے ٹکرانے کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ یہ کھنڈ ہے۔ اُس نے بھی اُڑانہ لگایا۔ لیکن کیا سمندر اس کا نام ہے۔ جہاں لہروں کے ہیمن ٹکرانے کی وجہ سے ایک سپید کھن سا پیدا ہو جاتا ہے۔ یا سمندر نام ہے جو جوں کے نیم جو کے لٹا ہوا ہے جو جانی سے جال ہے۔

ایک لڑکے کا سایہ، ریت پر دکھائی دیا۔ کیا وہ آدی تھا؟ اُس نے سوچا۔ آئینے کے بارے میں اُسے کوئی خاص تجربہ نہیں تھا اور اگر وہ کسی سے اسکے متعلق کچھ دریافت بھی کرنا چاہتا تو وہ مجبور تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر نے منع کر رکھا تھا کہ اُسے آئینہ کسی نہ دیکھنے دیا جائے اور اسکی نیل پورے طور سے لگی تھی۔ ڈاکٹر کہیں اس کے بہت سے بیمار بچے حاصل تھے کہ بہت سے پیدائشی اندر سے پہلے پہل



”یہ کیا ہے؟ وہ آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ وہ جل رہی تھیں، وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

”کیا اس کی بے ہوشی آپس آپ ہی تھی اس نے کئی مرتبہ آنکھوں کو بند کیا اور کھولا، اسے سمندر اور آسمان دھندلے معلوم ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر قبل وہ سمندر کے کنارے لی ہوئی گھاس دیکھ سکتا تھا لیکن اب..... اب ہر چیز اس کی نظر میں دھندلی نظر آ رہی تھی ہر طرف آواز باں برسے لگی تھیں، بوجوں کی وہ سرسبزیاں جن سے یہ تھوڑی دیر قبل لطف انداز رہا تھا اب چمکیا پٹی ہوئی تار کی جیس بدل گئی تھیں۔

یادیں نے اس کا دل کچا دیا۔ وہ چنچا چا، چمک بردار ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں گردش کر رہی تھیں۔ دراز دراز کر وہ اس کی نظروں میں دھندلی پڑتی جا رہی تھیں۔ اسے ڈاکٹر کا مریض یاد آیا کہ اس کی آنکھوں کی روشنی تھوڑی دیر کے لئے واپس آ سکتی ہے۔ وہ غوطہ خور تھی جس میں اس شخص گھڑی کو بٹھا بیٹھا تھا۔ لیکن اب وہی گھڑی اس کی امیدوں کو پامال کر رہی ہوئی بیٹھ ہیٹھ کے لئے اس کو گھپ اندھیرے میں چھوڑے جا رہی تھی۔ اسے پھر تاریکی، لانا بھی تاریکی کی دنیا میں واپس جانا ہو گا۔

اس خیال سے وہ کانپ رہا تھا۔ ”نہیں..... نہیں..... اب کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس رنگین دنیا کی اب تک ہلکے چند لمحات کی خوشی، دنیا اور دنیا کے عجائبات کو دیکھ کر..... پھر بیٹھ کی طرح اٹھا ہوا جانا۔ بغیر زندگی کے لئے۔“

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ در سے کراہنے لگا۔ اس کی آنکھوں پر تاریکی کے پردے پڑے جا رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں سے دامن استقلال چھوٹ گیا۔ وہ اپنی قسمت کی اس نا انصافی کو جو اس کے ساتھ برتی گئی تھی کو سننے لگا۔

قسمت نے اسے ایک نئی زندگی سے دوچار کر کے کس طرح اس کا مذاق اڑا ہوا تھا۔ یہ سوچ کر اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی، وہ اٹھا اٹھوٹوں کی طرح ٹپٹپٹا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ تو اس نے کھول دیا لیکن اس کے ہاتھوں کو کھڑکے کے ڈوہ چوٹ پر گر پڑا۔ اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

ہوش آئے پر اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسے تعجب ہوا تھا۔ شاید وہ دروازے کی دنیا میں آ گیا ہے۔

کیونکہ وہ دیکھ سکتا تھا، فضا پر ایک ہلکی سرخی بھائی ہوئی تھی۔ اس کی ماں کا چہرہ جسے اس نے کوئی فرشتہ خیال کیا اس پر چمکا ہوا تھا۔

”دن کیاتم مجھے دیکھ سکتے ہو؟“

”ہاں..... لیکن میری نگاہ میں نہیں آتا۔ آخر بات کیا ہے؟“

وہ جھک گئی اور دن کی شبانی کا اور بے ہوش ہوئے بولی۔

”نہیں استغفار نہیں کرنا چاہئے بلکہ میں جو کچھ بھی کہوں، اسے بالکل سچ ماننا چاہئے؟“

”میرے خیال میں میں نے اس سے قبل بھی ان ہی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ شاید وہ غریب نظر ہو۔ چونکہ فوراً ہی بے ہوشی طاری ہوئی تھی اور..... وہ بڑبڑایا۔“

”نہیں“ وہ زور دیتے ہوئے بولی ”تم دیکھ سکتے ہو۔ یہ غلط ہے کہ تمہاری بے ہوشی خود کو آتی تھی۔ میں نہیں کس طرح کھانا کھانا کی آمد سے دن کی روشنی غائب ہونا شروع ہوا تھا ہے۔ یہی قصہ تمہارے ساتھ ہوا رات کی آمد سے دن کی روشنی بدلی کی میں تبدیل ہو رہی تھی اور تم مجھے کہ تمہاری آنکھوں پر تاریکی کے پردے پڑے جا رہے ہیں، تمہارے ساتھ یہاں نہیں تھی اس لئے تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ درہم تمہاری آنکھوں کی روشنی اس وقت بھی قائم تھی اور اب بھی ہے۔“

دن کی کئی گھنٹے تک اس بات پر غور کرتا رہا گو وہ بالآخر سمجھ گیا لیکن بگنے کی طرح نہیں۔

## نشاط سعید

### رشتوں کی ضرورت

مجھے اپنے برادر و منظم حضرت منظر صدیقی در بہشت روزہ ”شبنا“ اندراپنی چھوٹی ہمیشہ زاد می کے لئے شاب رشتوں کی ضرورت ہے۔

(۱) روکی سلیمہ شہار۔ اوسط درجہ تعلیم یافتہ جو بصورت اور موافقہ دار کی واقعہ ہونی چاہئے۔  
(۲) روکی سلیمہ شہار۔ نیک و شہر دار اور مجتہد ہونا چاہئے۔ خواہ دیگر تعلیم جو با بر سر کار۔  
دونوں رشتوں میں بولی کے اپنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رشتہ یا سب سے کسی کو قید نہیں۔ البتہ قانون تشریع ہو۔ تفصیلی حالات کے مجھے خط و کتابت کہی۔

اعجاز صدیقی

عید ”شاعر“ آگرہ

# مسافر

مرے قلبِ عیروں میں اک روشنی ہے  
نہیں ہر اک شے سے اک زندگی ہے  
بڑھا جا رہا ہوں نئی منسروں میں  
مجھے اپنی منسل سے خود آگئی ہے  
تڑپ ہے کہ مجھ کو کئی ہے دل کو  
خودی ہے کہ دروغِ عمل کھینچی ہے  
مری رہنا آج بے سببی خودی ہے  
سکون آشنا ہوں، مگر ہوں پریشان

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
مرا قلب مضطرب امیدوں کا دفتر  
عالم میں جذبات کا ہے سند  
کبھی یوشس غم، اترت کبھی ہے  
اسی کشش میں ہے ہستی برابر  
کبھی خوفِ دل میں ہے تار کیوں کا  
امیدوں کی دنیا کبھی جلوہ گستر  
بنائوں گا اک آئیناں سب سے بزر  
امیدوں کی دل میں ہیں نہیں خرواں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
نئی خوشامانی سے دنیا بناؤں  
خدا نازِ ہستی کی رونق بڑھاؤں  
وہ زیت میں ہر طرف ہو چراغاں  
بھوں خود ہی شمعوں میں خود جلاؤں  
یہ جی چاہتا ہے کہ اپنی فیاضی  
میں انسان کو غفلتوں سے جگاؤں  
فغا میں ہوں بری ہی صوفے دفن

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
میں دنیا میں عالم نیا دیکھتا ہوں  
نیا ایک طوفان بسا دیکھتا ہوں  
ہر اک شے میں ستور اک زندگی ہے  
ہر اک شے میں اک فکر سا دیکھتا ہوں  
نئے دور کی ہر طرف روشنی ہے  
نئے دور میں اک دنیا دیکھتا ہوں  
نئے دور کی صوفے عالم ہے نشان

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
یہ عجیب دنیا، یہ دگھیس نظارے  
یہ پرکیت راتیں، یہ روشن شائے  
یہ وقتِ سحر نور کا ایک دریا  
یہ بھولوں کے پرکیت زریں شائے  
ہر اک چیز سے دور ہے زندگی  
کبھی میں ہیں زندگی سے تڑپے  
ہر اک شے ہے دلکش مناظر میں بسا  
کبھی میں ہوں ششدر کبھی میں ہوں حیراں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
کبھی کھد ہوں کبھی پاد ہوں  
کبھی گم ہوں دنیا کی بھید میں  
کبھی بے بس ہوں تھوڑے سا خودی ہے  
کبھی ہوں قنارہ کبھی چلا جا رہا ہوں  
کبھی بازِ خطرات کے سمجھا رہا ہوں  
کبھی غم سے بے خودی کا رہا ہوں

میرے دوک سکتا نہیں کوئی طوفان  
چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں  
ذہاب کی دادی کبھی دگھڑ ہے  
کبھی بے سببی گمراہوں میں نظر ہے  
دگ جال سے نزدیک پاتا ہوں ہمارے  
جو ہستی کا خالق ہے اور داد ہے  
ہے عرفان مجھ کو حقیقت کا اپنی  
مرا خدا بھی مرا ہم سفر ہے  
مری راہ دشوار ہے پر خطر ہے  
مگر ہے میرے ساتھ میرا سنگجہاں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
کبھی دیکھتا ہوں سیاست کا عالم  
کبھی دیکھتا ہوں میں فوٹوں کا دم خم  
ہم آدیز میں آج فردو جماعت  
کبھی اس میں یہ ہم، کبھی اس میں یہ خم  
سیاست کے یہ سور چاہتے ہیں  
کبھی ہوں یہاں ہم کبھی ہوں وہاں ہم  
علم ہر جگہ نصب کرنا ہے محکم  
ہے چاروں طرف ایک غمخیز، مگر ہاں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
سیاست سے بھوں کدھڑکے رکھوں  
کرتے الگ ہو کے فطرت کو سمجھوں  
کہیں جنگ ہے دوح اور دتے میں  
کہیں ہے سیاست بڑھانے کا فوں  
جدھر دیکھتا ہوں پریشانیاں ہیں  
ہے دنیا سے مفقود تسکین کا افوں  
پریشان مناظر میں کس طرح دیکھوں  
۔ و زیت دشوار ہے اور آساں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
اک انسان یا نہ ہے میری نظریں  
نہ مجھے نظر جس کی سیم اندر میں  
جو انسان ہو جس میں انسانیت ہو  
بڑے جاتے آگے وہ پر خطر ہیں  
جو انسانیت کو بنیاد نہیں ہے  
بنائے نسا جادہ راہ سفر میں  
دہے بن کے پامرد ہر دگھند میں  
نیکل میں ہے ایک انسان نہاں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
آئی مجھے اک نئی زندگی دے  
مری زندگی کو نئی آگئی دے  
پریشانیاں آشنا ہوں نہ مجھ سے  
کچھ ایسی مجھے خوں بگاڑی دے  
عطا کر مرے قلب مضطرب کو تسکین  
سکون خیر اک جذبہ بے خودی دے  
مسافر ہوں مجھ کو نئی روشنی دے  
جو آنا دے منزل کو کٹے نہاں

**چلا جا رہا ہوں خراماں خراماں**  
محمد صادق ضیا

# دوست

”لطیف کے نام“

اے امامِ مازفاق اے پیرِ روم  
خاکِ پاکِ نغمہ اکبرِ روم  
نکرتی رہنمائے قدیاں مجھ پہ ہوا سحر کا مطلب جیاں

”خٹک ناز و خٹک مغز و خٹک پوت

از کجائی آید ایں آوازِ دوست

”آہٹ آں میں تھے ہے راز کیا“  
دوستِ حُسن و عشق کی سوزِ ہے  
دوست کیا ہے اک جہانِ ننگِ بو  
دوست کیا ہے اک نویدِ جانِ نغزا  
دوست کیا ہے آبروئے دو جہاں  
دوست کیا ہے محرمِ دامنِ حرم  
دوست کیا ہے غمِ گزندِ زندگی  
نار کیا ہیں سوزِ دل کا ساز ہیں  
مغز کیا ہے دروِ ریحِ دوست ہے  
دوستی ہے زینت کی ریحِ رداں  
دوست کی آواز ہے فردوسِ گوشت  
دوستی کا درد ہے درِ لطیف  
روح کی تسکین دیدِ دوست

”آدمی دید است و بانی پوت است

دید آں باشد کہ دیدِ دوست است“

جستجوئے ہمعنف و ہم نفس  
پوچھت باغت آرامِ جہاں  
آزیت ہے مگر اسکا کمال  
دوستداری سے جو دل جو بے خبر  
بے نیازی دل کی ہے اباغام  
ہے جنت دو جہاں میں مستم  
زندگی اک نغمہ بے تاب ہے  
کیونکہ باپِ زینت کا صفوں پر دوست  
آزروئے دوست ہے نورِ جہاں  
کارزارِ زندگی میں دل کے نادر  
دل کے آئینے پہ آجائے رنگ  
زندگی ہے صبحِ حُسن کی بہار  
ہے دو عالم میں جہاں فغنِ ندیم  
رنگ سے کرتی ہے جاری جو آب  
الغافل دوستِ نغمہ جہاں  
دوستداری دل کو پیغامِ شفا  
دوست کی سے نہیں چپانگی

در پریشاں حالئی و در ماندگی

دوست آں باشد کہ گبرِ دوستِ دوست

»عبدالکریم شمر«

تبادلہ کے کاغذوں پر جوازہ "فتح" کا ہمت  
دلوں میں جرات و ہمت کا جذبہ تحریک کرتا  
نہ زال و سام" ہی کا تذکرہ ہونا کتابوں میں

یہ دشمن ہے وہ ظالم ہے گریب عالم کو  
یہ دشمن ہے وہ کاشاکھانے کو کھلے  
یہ دشمن ہے وہ پتھر بھی ٹوک اس کھانے کو  
یہ دشمن ہے وہ مار آئین جہنم دکھانے کو  
یہ دشمن ہے وہ قاتل جب بھی اس کی آواز آئے  
یہ دشمن ہے وہ آخر میں جب بھی اس کی آواز آئے  
یہ دشمن ہے وہ کھانے کے رگت بھر گئی ہے  
یہ دشمن ہے وہ کھانے کے شمع بھرنے لگی ہے  
اسی کائنات سے ہوتا ہے سرت کا کوئل پیدا  
اسی شاطر سے دینا جال جلاں یکے کی سی ہے  
اسی شکار سے ہوتی ہے دل کو بھی مائل  
اسی قمار کے عیاروں سے ہوتی آئے  
اسی چالاک کی چالاباں چالاک کوئی ہے  
دبا کر اسکو لاتی ہے نفرت کا لاش ڈیٹا

خوش تھی۔ پہلے تھے زمر تھے خوش بانی  
 سہری بھی تھے لیکن تین ماہی پانی  
 انگلیں، دلوں، جذبات، احسان، تیریں  
 جہنم میں تو غریبی۔ خوش حالی تو نعلی جلد  
 بھی کھا کر دنیا حقیقت کو نہ دے داف  
 سمجھتی ہی نہ تھی، ہلا بکوں کیا، خوش کیا؟  
 دماغ دلوں کی روان، دلچسپ کو دینے منزل  
 حل باوشن شد، انصاف اہل خاتق پر  
 ہمیں تھیں نام لینے کو کل سامان پیدا  
 دلوں میں بزدل اور بے حسے گھر بنایا تھا  
 جانور کی جانی سو رہی تھی بزم عشرت میں  
 دلی جذبات بھرانے کو گھنٹی کی ضرورت تھی

اگر دشمن نہ ہوتا تو سب ادا فرما  
اگر دشمن نہ ہوتا تو بھینس غفلتوں میں  
اگر دشمن نہ ہوتا تو انگریز کہاں ہوتی  
اگر دشمن نہ ہوتا تو کب فیرت سکڑ جاتی  
اگر دشمن نہ ہوتا تو گھسی ہستی جب تک کہ میں  
اگر دشمن نہ ہوتا تو کہاں کچھ بھی انداز  
اگر دشمن نہ ہوتا تو ہوتی آبرو کچھ بھی  
اگر دشمن نہ ہوتا تو نہ ہوتا فکس کا قذیب  
دولت میں کام لیا کھارو کھٹ کر چلنے

دولت جو ہر فرد انسانی جینے کے بلحاظ  
اعتراف میں تمام خواب بن کر غرضتوں کی  
جمود ہے جسے ہوتا یہ سرگرمی کہاں ہوتی  
ہر اک انش نفس کی زندگی بڑا دس بڑا حق  
نہ جوتی بات کرنے کی کچھ بھی ہوتی محض میں  
بشاعت کا دلیری کا حکومت طرافت کا  
ہجوم خود پسندی میں طوفان شہر الغت کی  
زمانے سے تیر کا جنازہ اُٹھ گیا ہوتا  
خاں میں نشانِ نعمت نہ خواہ لہراتے

«صبا مشراوی»۔

# بیادِ خستہ

سُنانِ جگل، پُر ہولِ منظر ہدم ہے کوئی اپنا نہ رہا  
غم کی گھاٹیں چھائیں ہیں سر پر شکرِ کرم اور چرخِ شکر  
کس کو سناؤں اپنی کہانی، الشد اکبر! الشد اکبر!  
یہ زندگی ہے کیا زندگی؟ اس زندگی سے مرنا ہے بہتر  
یہ دشتِ غربت اور یہ صیبت، الشد اکبر! الشد اکبر!  
ظالم ہے کتنی معصومِ نطرت، افسوسِ قیمت، صد حیفِ قیمت  
دشمن ہے مجھ سے وہ میرا پیارا، وہ میرا پیارا، آنکھوں کا مارا  
غربت میں مجھ کو بے موت مارا، بے رحمِ قیمت، ظالمِ مقدار  
دہرِ سخن سے وہ باخبر تھا، ذوقِ ادب سے وہ بہرہ ور تھا  
خوش کار و خوش خودہ خوش نظر تھا، وہ کون؟ اختر، ہاں میرا اختر  
لے میرے غافل تیری غایت، رنگیں بنادی میری حکایت  
آنا ہے لبِ بروجِ شکایت، دل سے نکل کر، بنیاب ہو کر  
الشد اکبر، الشد اکبر! الشد اکبر، الشد اکبر!

حکمت سے تیری کیا دور تھا یہ، قدرت سے تیری کیا دور تھا یہ  
رحمت سے تیری کیا دور تھا یہ، رہتا جہاں میں کچھ اور اختر!  
دنیا بڑی تھی، سارا جہاں تھا، مارا اُسے کبوں جو خواہ تھا  
مرنے کے قابل میں نا تو اہل تھا، آیا نہ تجھ کو کچھ دشمن مجھ پر  
دنیا ہے فانی، یہ میں نے مانا، دنیا ہے آخر ہے سب کو جانا  
لیکن کہیں ہے میرا ٹھکانہ؟ یہ تیری جنت، دونی ہے نکسار  
کہنے لے مجھ کو بے میرے داور، رحمت ہے تیری شاید رنگو  
ظالم نے مارا وہ تیرے دل پر، جینا ہوا ہے اب مجھ کو دوبر  
ذوقِ جہیں کو ٹھکرا دیا کبوں؟ جس یقیں کو شرما دیا کبوں؟  
قلبِ حوس کو تڑپا دیا کبوں؟ تجھ کو گایا، یہ دارغ دیکر  
میری دُعا ہے یہ بے نیازی؟ ہر انتہا سے بے نیازی؟  
اہلِ دُعا سے یہ بے نیازی؟ کافر ہو آئے جو تیرے در پر  
الشد اکبر، الشد اکبر! الشد اکبر، الشد اکبر!

گستاخ! یہ کیا طرزِ فغاں ہے؟ مہاک کتنی تیری زباں ہے؟  
اُس بارگہ میں شعلہ فغاں ہے، جلتے ہیں جس جابرِ لی کے پر  
الشد اکبر، الشد اکبر! الشد اکبر، الشد اکبر!

راز چاند پوری

## دیوانِ محبت

اک نورِ نو چھوٹے دیوانِ محبت اسے مرغا تو اسکی گلستاں محبت  
خاموش ہیں لبِ لبّ میں ہے طوفانِ محبت یہ آنِ محبت ہے تو وہ شانِ محبت  
توہن میں آؤ وہ تقویٰ ہے بھی تک دھو ڈال یہ دارِ سردارانِ محبت  
لغز میں پڑی دہریں آجائیں رشتے دیسے بجھے وہ ساغرِ طوفانِ محبت  
بائبرِ خود ہے تری محتاطِ خیرامی آزاد روی مسلکِ متانِ محبت  
بیماریِ الفت کی دعا ہو نہ دوا ہے عیسیٰ سے بھی ممکن نہیں دیانِ محبت  
جدول کہ نہیں رد کی لذتِ شناسا وہ دل نہیں شائستہ شایانِ محبت  
آغازِ محبت ہے جب اپنے کو بھلا دے وہ باد نہ آئیں تو ہے پایانِ محبت

کہتے ہیں حسامی جے آشفتنہ نوا ہے

دیوانے کا ہر شعر ہے دیوانِ محبت

حسامی مایکھوی

## روحِ رواں

تو استاد کون دمکان کر سکے تو کر یوں زینتِ زمین و زمان کر سکے تو کر  
سجدے ہیں تیرے خالقِ دلِ خلیجِ تنگ یہ کام بے جبین دلشاکر کر سکے تو کر  
کیا فائدہ ہمارا کو سبھا اگر ہمارا اس پر بھی اعتبارِ خزاں کر سکے تو کر  
دیوانے کیوں ہے سامنے حریفانِ اک سجدہ غارتِ دوجہاں کر سکے تو کر  
بے جان یہ تخیل ہستی ہے دیر سے تخیل میں میں مروجِ رواں کر سکے تو کر  
ظالمِ دلِ غریب یہ کیا مشقِ برہمی برہم مزاج کون دمکان کر سکے تو کر  
منکر ہے فرشتے پڑھیں مرقع پر نماز انہی بلند اپنی رزاں کر سکے تو کر

اے آرزو نہیں ہے زمانے میں کوئی دوست

دشمن پہ دوستی کا گماں کر سکے تو کر

آرزو اکبر آبادی

## آسو کی خیال

تیرے کرم سے ہم نہ تری بو بھی ہے ہم اپنے لئے وبال ہیں خود عاشقی سے ہم  
تغریبِ زندگی بھی ہے بغیرِ زندگی یہ جانتے تو جان نہ دیتے خوشی سے ہم  
غم بھی اک اضطرابِ خوشی بھی اک اضطراب گھبراہٹ ہیں کلکشنِ زندگی سے ہم  
تقدیر کو بھی تابع نہ بے سر کر لیا پھر بھی نہ وہ سکے کبھی آسو کی سے ہم  
ہر ذرہ ہے بجائے خود اک رنگِ کتاں جاتیں کہاں مکمل کے حدِ بندگی سے ہم  
امید کیا غریب ہے اک منتقلِ غریب اکثر شک کے ہیں راہِ رہتی سے ہم  
رنگا نہیں ہے راہ میں ہلا قدم ہو نہ منزل کے خواب بکھڑے ہیں بھی سے ہم  
دامن بھی ساتھ دیکھا اگر بارگاہِ ابرکن یابوں کیوں ہوں رحمتِ دوا گئی سے ہم

صادق کہیں تو کیسے کہیں اُن سے اپنا حال

ڈرتے ہیں انکی بے سبب آرزو کی سے ہم

صادق اندوری

## جنونِ شوق

امید تو ہے مگر دل ایسا دراز نہیں نہیں کہ مجھ میں ابھی ناپِ انتظار نہیں  
ہمارا ہی ہے ہمارا اور کبھی خزاں نہیں جنونِ شوق کا باقی کوئی مدار نہیں  
زمانہ کیوں نہ ہونا سازگار میرے لئے میں خود ہی دنگ نہ مانا کو مارا نہیں  
دوبو دیا مجھ غیرت نے افسانہ پشیمانی تیری نگاہِ گراہ بھی شہرِ سار نہیں  
مرے ہی دم سے ہے زندہ جاویدِ فنا وفارست ہے دنیا و فاشا نہیں  
یہ سخنِ عشق کی تکرار بھی ہے قابلِ دید کسی کی جیت نہیں اور کسی کا ہار نہیں  
یاد رہات ہے میں قابلِ کرم نہ ہوا گنہ کو سننے و نہ گنہ ہمارا نہیں

سکوں کے ساتھ ہے دل کو ازل سے ضدِ صابر

یقین کون کرے آپ بے قرار نہیں

صابر اکبر آبادی

# ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۳ء کے تاریخی نام اور مات

لوگوں کے نام	۱۹۴۳ء	لوگوں کے نام	۱۹۴۳ء	لوگوں کے نام	۱۹۴۳ء
آغا میر علی	سید محمد مجیب عالم نظامی	لنن جگر علی	محمود علی	غلام حیدر خاں	مرزا غلام الدین خاں
ابوالخضر عباسی	سید محمد مدیح جلال نظامی	محمود علی	محمد امانت حسین خاں	غلام خالق علی بیگ	مظفر احمد عثمانی
اشرف علی عثمانی	سید نظر الزماں	محمد رضوان صدیقی	محمد شہادت حسن فادنی	غلام ربیع عثمانی	مظفر جنگ خاں
انصار حسین حسینی	شیخ برہان الدین	محمد شہر علی خاں	محمد طاہر علی خاں	غلام شکور الہی مدنی	نظر الدین احمد خاں
انتخاب الدین صدیقی	شیخ رحیم الدین	محمد طاہر علی خاں	محمد طاہر علی خاں	فیض احمد نظامی	نظر حسین عثمانی
نور محمد خاں	شیخ کبیر نظامی	محمد طاہر علی خاں	محمد طاہر علی خاں	محمد رفیع احمد فادنی	منصب علی خاں نظامی
نقدی حسن خاں	شیخ محمد امیر علی	محمد علی شہر خاں	محمد علی شہر خاں	محمد رفیع احمد فادنی	سید محمد رفیع حسین علی
نقد حسین خاں	شیخ محمد سلیم نظامی	محمد علی شہر خاں	محمد علی شہر خاں	محمد رفیع احمد فادنی	دعا دار خاں نظامی
نقد فضل احمد	شیخ محمد عابد عالم عباسی	محمد علی شہر خاں	محمد علی شہر خاں	محمد رفیع احمد فادنی	لوگوں کے نام ۱۹۴۳ء
نور محمد علی	شیخ محمد عزیز احمد صدیقی	محمد فیضان الرحمن	محمد فیضان الرحمن	محمد رفیع احمد فادنی	نہرو انصار خانم
چراغ حسین زیدی	نظر جنگ علی	محمد کریم نظامی	محمد کریم نظامی	محمد رفیع احمد فادنی	خشت الزماں خاتون
خواجہ شہر علی حسینی	نہیر علی حسینی	محمد شرف خاں	محمد شرف خاں	محمد رفیع احمد فادنی	
خواجہ علی شیر حسینی	نہیر مرزا	محمد شہر علی خاں	محمد شہر علی خاں	محمد رفیع احمد فادنی	
خوش کردار بیگ	عبد السلیخ صدیقی	محمد شہر علی خاں	محمد شہر علی خاں	محمد رفیع احمد فادنی	
ذریب احمد	فیض الزماں صدیقی	محمد شہر علی خاں	محمد شہر علی خاں	محمد رفیع احمد فادنی	
غیر حسین بیگ	عقیدت حسین خاں	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
بشار الرحمن بیگ	غالب الرحمن	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
بنی الحق صدیقی	فخران بیگ	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
ساز زماں نظامی	غلام عباس حسینی زیدی	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
سید سلیم الحسن	فیض علی عثمانی	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
سید تہذیب العالم	فیض القدر حسینی	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
سید نور علی چشتی	قاضی سید امجد رسول	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
سید محمد صفدر علی چشتی	قاضی محمد رفیع	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	
سید محسن علی نظامی	گزارش علی بیگ	مرزا امام رضا بیگ	مرزا امام رضا بیگ	محمد رفیع احمد فادنی	

تہرقوی جے پور

.....کی ڈائری

قسط یازدهم :-

(۱۸) جنوبی ہند میں۔ منگور کی عظیم الشان کانفرنس اور مشاعرے کے بعد یو کے تاریخی مقامات کی سیر،

دسلی حال میں بعض نعاور کا بی بی بی بی ایک چھلکی چوٹی نگاہ ڈالتے چلے جا کر  
ہیں۔ ”ذرا یہ تصویر دیکھئے“ ہم سے کسی نے کہا ادب پر ایشیا نگاہوں کے دامن  
کو تیزی سے سبٹ کر تصویر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ہندوستان کے قریب قریب تمام  
عجائب خانوں کی نعاور جو سنے دکھی ہیں اور ان میں سے بعض کو بے انتہائی بھی کیا ہے  
لیکن اس وقت جو تصویر پیش نظر ہے وہ آٹ بلاؤتوئی منظر ہے اور اس منظر کو اس کے  
خالق کی انجلیوں کو تمام محروستے کہنے کو جی جہاں ہے۔ ایک دوستیہ —  
اس کے لئے ہاتھ میں شے — ہاتھ اٹھتے ہوئے بیٹے کچھ قریب۔ یہاں خیال کہ ہوا سے  
شے کچھ نہایت۔ یہ دے ہاتھ سے اس کی کو کسی تھپہا رہا ہے۔ اس کو کوشش  
کاوش میں کچھ دوشنی اس کی انجلیوں کے درمیان سے چھن کر باہر آ رہی ہے اور ہاتھ  
کی آڑ چو جہانے کہ وجہ پوری روشنی میں بیٹے بیٹے ہے، مطلقاً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ  
ایک نور ہے جو سینہ پر لہرا رہا ہے۔ ایک خنڈیل ہے انتہائی نا ابل اور فوڈال، ایک  
آفتاب ہے جگلا ہوا۔ آٹ اور ایشیا کا سیاب، بغل اور صل سے اس درمیان !!  
خیال ہوا کہ شاید اس کے پیچھے کچلی کا فتور لگا دیا، جو محل کے آدمی سے کہا فوٹس نے  
تصویر کی پشت بھی دکھا دی، یہی نہیں بلکہ کہ کی نام تیاں لکھا دیں، ناب کی سی بیوز اور  
بھی زمانہ فاکرنگ کا ثابت ہوا۔

اس محل کی برستہ خار غریبوں سے تو ناگہاں پر ہوا۔ ہو کر لال باغ کی بیکر کوئے  
کوئے لال باغ پہنچے۔ یہ ایک وسیع باغ ہے اور شاڈالی سے زیادہ چمنوں،  
پرندوں اور درختوں کی فاشا کا ہے، شتر جیتے، گھیسے، گو۔ دیکھ بہت خوش مزاج  
سابق، فرخ بیگزوں سم کی غلوں بہاں موجود ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ  
یہ جائزہ سٹان، برا عبد رکمل ہو۔ جانوروں کے رہنے لینے کا انتظام بھی بہت  
متوالفک ہے۔ بہاں بھی تو زیادہ گئے صفت ہے۔ پلایکے قیام کا وہ طرف واپس  
آکر ہے۔ لیکن کوئٹہ میں حکم کش صاحب جلد ہی نے قائد صاحب اور حکم عبدالغفار  
صاحب جنسم کو دیکھ کر مانگا ڈالا۔ جب تاگھر میں ہیں دیکھا تو بروستی امارا شاڈ  
صاحب سے شکایت کرتے ہیں کہ آپ مجھے سے آئے ہو جسے میں اور اطلاع بھی نہیں کی۔

۴ دسمبر ۱۹۲۲ء  
 میر تقی میرؒ کے کمال و فن پر ایک نیا دور کا آغاز ہو گیا۔ میر تقی میرؒ کے کمال و فن پر ایک نیا دور کا آغاز ہو گیا۔ میر تقی میرؒ کے کمال و فن پر ایک نیا دور کا آغاز ہو گیا۔



## مکتوبات

مستقل

بھوپال  
۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء

اعجاز بھائی — تسلیم دینا

ایک ہفتہ پہلے آپ کا گراں نامہ موصول ہوا تھا۔ کل جنوری ۱۹۳۳ء کا شمار بھی نظر انداز ہوا۔ آپ کے خط کا جواب ابھی ذرا بخت دلاؤ۔ میں اچھا ہوا ہے۔ ہر وقت مجھے مجاز ہر روز کی اداسی پر بھی پر چند طور گھنٹی میں جس کا اہلکار موصوفے نے اپنے محبوب موصوفہ ۲۳ جو ہر سال شاعر "شاہ" بابت ماہ جنوری ۱۹۳۳ء میں میرے ڈرامہ "ہار اکون" کو پڑھ کر کہا ہے اور صرف مجھ پر تمام تنقید ہے وچا کہ ہے بلکہ آپ کو بھی نشانہ بنا ہے۔

مرد و شاہ سلامت کو خوش آمدی!

میں موصوفے کے قیمتی مٹورہ کا شکر گزار ہوں۔ انہی موجودہ ادبی حیثیت مرتب ایک جانبدار "فائن" محاوروں کی سی ہے اور یہاں —

مارا بھر حکایت مرد و شاہ پر!

میں موصوفے کے افواہوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جہانگیر تنقید و تبصرہ کا تسن ہے مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں کہ موصوفہ "ادبی" بن چکا ہے۔ جس طرح موصوفے نے میرے ڈرامے پر تنقید فرمائی ہے اس کو دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہے اور انوس بھی۔ حیرت اس بات پر کہ اگر موصوفہ میرے ڈرامہ "ہار اکون" کے افراد کی خصوصیات پر غور فرمائیں تو شاید مجھ پر اہل اعجاز بھائی پر چڑیں "کہنے کی ذہن نہ آئی اور نہ ہی موصوفہ کو مجھے اور میرے ساتھ دیگر ادیبوں کو دعوت کی نفسیات کا مطالعہ کرنے کا شہرہ دینا پڑتا۔ اور انوس اس امر کا ہے کہ ایک بے نیاد موصوفہ پر موصوفہ اعداد و شمار زیادہ پڑیں۔

موصوفہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ "ہار اکون" کے افراد جیسے جاننے کر دار ہیں۔ ایک مخصوص، اولیٰ کے افراد کی ذہنیت کو اجاگر کرنا اپنی معاشرت کے متن و تنج کا نام نہیں کرنا اور لاہوری قسم کے انسانوں کا خاکہ کشا اگر موصوفہ کی نظر میں "جو کہ" دیکھتے تو اس میں نظر، حسن، خفاقی اور حسن تنقید کے حصے میرا ڈرامہ اگر ذہنات سے طوط ہے یا جس نے جانبداری سے کام لیا ہے یا جس میں عام معاشرت سے

ہلک کر لی قابل اعتراض و گرفت چیز پیش کی ہے تو "اہل نظر" خود اس کا محاکرہ کر لیں گے۔

میرے دو دو گمان میں بھی نہ تھا کہ "ہار اکون" کی اشاعت سے موصوفہ نازک کی کتنی نازندہ کے "حسن لطیف" کو نہیں پہنچے گی۔ موصوفہ خود ایک فائن محاوروں میں کیا میں وہ چھٹکتا ہوں کہ اگر موصوفہ کو اپنے افواہوں میں حقائق کو عریان کرنے کا "ادعا" ہے تو "ہار اکون" میں موصوفہ کو اپنی "ہار" کا شدید احساس کیوں ہے؟ — میں مذہب اور حقیقت پسند ادب کی ضرورت ہے۔ موصوفہ کو لطیف دکھنا چاہئے کہ فن کا گلا مجھ جیسے کام ادب نہیں کھینچے بلکہ اس کا گلا گھونٹنے والے وہ لوگ ہونگے جو "منو باز ذہنیت" رکھتے ہیں۔

اعجاز بھائی — وقت کی تنگدستی مجھے اس سلسلہ "دار" کے بھیلانے کی اجازت نہیں دی۔ آپ کا اور ان کا سال "تو وہ ایک جنس ظلم اعجاز" پر — موقوف!

پیرا سلام کھول رہی ہیں

زیادہ دالٹام

آپ کا — کنویری

جو دھپور

۱۸ جنوری ۱۹۳۳ء

کرم گستر حضرت اعجاز صاحب مدد فی السلام علیکم

۱۔ برہوں "زالی دنیا" لاہور جنوری ۱۹۳۳ء کی دو کتابیاں بیک وقت

موصول ہوئی ہیں ایک دفتر سے ایک گھر کے پستے۔

۲۔ یہ دو مجھ پر مایہ جو گویں سے لہر رہے۔ ایسے پرے صحافت میں کوئی درجہ نہیں رکھتے مجھے تو ان سے سخت نفرت ہے۔ خدا میں ایسی بیکار باتوں پر کچاؤ اللہ مدد فرمائی کہ خالق اللہ و کما تفضلتی بما تفضلت لی بام

بھی سنا کرنا، یہ معلوم ہو چکے کے بعد بھی کہ تم اور مولانا قبلہ بکھڑا رہے جس میں کسی طرح وہاں نہ پہنچ سکا۔ کیوں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مجھے تکلیف ہوتی ہے اس لئے نہ جھوٹا بلکہ ٹھیک کہہ دوں کہ بعض واقعات تو اپنی غلامی پر واقعی رونما آ جاتا ہے۔ اب تم سے ملاقات اگر وہ ہوتی کہ وہی ہوگی، لیکن اسکا انداز کرنا پڑتا ہے کہ بقول تمہارے شاید بھاگتے دوڑتے ہی تم سے مل سکو گا۔ ڈیپ ٹینٹ نے ہندی کے امتحان کا سسٹنڈ "اگر وہ معقول ہے ادب میں اس زبان میں پرکٹ، دینے کے لئے اگر وہ حاضر ہو گا۔ تاہم اسے پھر مطلع کر سکو گا۔

ابھا ہے تم مجھے فرشتہ ہی سمجھتے رہو۔ اعجاز، گویا آپ بڑے قیل و قال ہیں۔ اور اس میدان کے مرد، جوتہ ہی فخر کو اس بات پر کہ تم اُدھر کی بہت ہوئیں کھا چکے ہو، لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ دل میں درد چاہے بھی ہو سکتا ہے اور یہی چیز نہیں جی ٹمبر کی جائے۔ اسی لئے اگر اسکا ٹھیس اپنا ہونے پورے بھی علم نہ ہو سکے تو غیب کی بات نہیں بلکہ میں خود سے بھی اس کو چھانا رہا۔ ہاں اب وہ جنون تم ہو چکا ہے، میں خوش ہوں اور یقیناً تم بھی اس سے آگاہ ہو ہی جاؤ گے۔

ہاں سوادہ مکتوب، اگر اس مرتبہ سے شش ماہ میں شائع نہ ہو سکا ہو تو جنوری کے پرچہ میں ضرور آ جانا چاہئے۔ جانتے ہو کہوں؟ شاید یہی دو پرچے اُن تک پہنچ سکیں جن کے نام یہ ہے۔ ———— ورنہ اگر یہ نہ بچا تو تم ایک غیر متبر نامہ پڑاؤ برسی بد دعاؤں کے سختی ثابت ہو گے۔ یعنی وہ ڈیڑھ کا پرچہ باوجود خدا کی بات کے اُن تک نہ لے سکا اور نہ اُن کے دیکھنے کا جو شیشیاں دلیا ہے اس سے شدید بے چینی بڑھتی جاتی ہے

خدا کے لئے جواب ضرور لکھا، تمہارے خطوط جمع طور پر میرے فائس کی زینت ہوتے ہیں جن میں اکثر میں پڑھ کر مسکراتا ہوں۔ ———— مولانا قبلہ کی خدمت میں آداب بھائیوں کو دعائیں۔ ———— بھائی جان کو سلام اور ہاں دعائیں بھی۔ بچوں کو پیار۔ ———— تمہارا اپنا یاد رہنما

۲۔ مجھے برا ملا ہے کہ کبریا معنوں اس میں کیوں چھا، لیکن یہ امر تو یہ مطلب ہے۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۲ء کو دس دن نامی ایک صاحب کا خط موصول ہوا جس میں ایک معنوں کی فرمائش تھی (یہ خط ملاحظہ کے لئے بھیجا جا رہا ہے) چنانچہ انسان کی تلاش کا پھر سرکاری طور پر دفتر نشریات و اطلاعات سے پیچھا لگایا۔ وہ دیکھ میں تو نہیں اب جزیری میں شائع ہوا۔ اس سے پہلے مجھے قطعاً علم نہ تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور ان کا پرچہ کس حالت سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم اگر وہ ہے ہر ذلے میں مطلع خود دار ہستیوں کے ساتھ اب ہی سلوک کیا گیا ہے۔ آخر صداقت نے مانع کا دانی جتنا ہے اور ظالم ہوسٹ کی جتنی ندامت کے پسینے تم آؤر دیکھیں گے ہی ہے علامہ سیاب (مطلع) ذی الجود الکرم کے لئے بہت کافی ہے۔

۵۔ یاد مر خرافات کا جواب لکھا تو درکنار پڑھنا ہی نصیحت، واقعات کا نہت جرم ہے۔

بامدھی گوہر اسرار عشق و مستی

گزار تابلیہ درون خود پرستی

حضرت مولانا قبلہ کو سلام سنوں۔

مفتوح دعا۔

ابوالاسرار رحیمی آبادی

گوشت ہائی اسکول امر دہرہ

پیارے بھائی، سلام شوق

خدا گواہ ہے کہ جتنی قدر توشی تمہارا محبت نامہ نے کے بعد ہوتی ہے غالباً اور کسی صورت نہ ہوتی ہوگی۔ مگر یہی نہیں بلکہ فخر کرتا ہوں کہ تم بھول گئے۔ اور شاید محبت یا نہ سمجھ لینا کہ تم غفلت کی چیز ہو۔ ———— دامتدا فلول۔ ———— لیکن تم کہیں مبالغہ میں نہ پڑ جانا۔ میرے لئے تم۔ ———— بس وہی جو۔ ———— میرا آواز۔ ———— مگر تمہاری چٹکالی انھیں بھی ہونے کے ساتھ کبھی کبھی۔ ———— خبر مجھے اس میں یہی طلعت آتا ہے، خدا تمہاری عذر و زکریٰ سے اذہم یوں ہی نہ رہو لیکن یہ غنائیں بھی محسوس ہوتی جا رہی ہیں۔ ———— اب تو خوش ہو گئے۔ ———— یہ کہیں کہ وہ عارضہ دے رہا ہوں۔ حالانکہ اگر مصلحت کا موقیہ آئی تو شاید بزرگ بھی ثابت ہو گئے۔ اس سے کثرت اللہ بھائی کے وہ اور بچوں کے با جان کھانے کے مستحق ہو۔

# شخصیات :- حضرت علامہ کیفی چریاکوٹی

پری رائے میں شخصیت مزائی ہنس مائی ہلکا زودانی جاتی ہے۔ برد بیکڑے کے کس بل پر بیٹنے والی تمہیں بہت جلد فاش ہو جاتی ہیں۔ علم و فضل انھیں قابلیت اور تجرلی سے جن کے سینے سمور اور رشخ غور میں وہ دوست تو کیا اولین عصر سے بھی اسنا لیتے ہیں، دیکھتے اجڑا کمال رہے تھے ہیں۔ حضرت مولانا شبلی نعمانی :-

”نادر فی نظروں کا سلسلہ خوب ہے۔ آپ نے بیچر مجھ سے حسین لی۔ حضرت استاد کا رنگ نکلا ہے۔ ابتداء کی ہے تو اس سلسلے کی انتہا بھی کیجیے۔“

لسان العصر الکبر آبادی :-

”آپ میرے استاد اہل سے ہیں آپ نے خوب کیا کہ رسالہ العلم سے قدیمہ علوم کو زندہ کرنے کا

ارادہ کر لیا۔“

علامہ ڈاکٹر سراجبال مرحوم و منقول :-

”آپ کی نگہیں میں، ان پر میں کیا کرتے

طاہر کردیں، ہم لوگ تو آپ کے ذمہ دریا ہیں۔“

ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان مرحوم و منقول :-

مولانا محمد مبین کیفی چریاکوٹی - عربی و فارسی

کے زبردست فاضل اور مشہور و دوزگار شاہ

ہیں، ان کو ہندی اور انگریزی زبان پر بھی قدرت

ہے۔ وہ غزل اور نظم دونوں صنفوں میں بہت

بلند معیار رکھتے ہیں، ان کا مجموعہ اگر شائع ہو جائے تو اردو کی ادبی خدمت ہو۔“

خواجہ کمال الدین مبلغ اسلام دارالکتاب یورپ اور امریکہ :-

”خطہ و سیاحت اسلام میں نے دیکھی، اردو زبان تو کیا عربی و فارسی

اور انگریزی زبانوں میں بھی کوئی کتاب اس پر مبنی نظر سے



نہیں گذری اگر اس کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہو جائے

تو نہایت کتاب یورپ اور امریکہ کو اسلام کا حلقہ گوش بنا دینے

کے لئے کافی ہے۔“

رائٹ آنریبل ڈاکٹر مرتضیٰ مہار پرست :-

”مولانا کبھی کوہس وعر سے جانتا ہوں اور اُردو فارسی اور عربی کے محقق ہونے کی کیفیت سے جس بڑی حد تک متا ہوں۔ اُن کی کتاب ”فلسفہ سیاسیات اسلام“ اُن کی قابلیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔“  
سر راس مسعود مرحوم مغفور:-

”جناب دادا صاحب ہلہ مرحوم مغفور اور جناب والد صاحب مرحوم مغفور سے آپ کے والد ماجد اور چچا صاحب کے جو تعلقات تھے ان کو سب جانتے ہیں۔ آپ کا خاندان علمی بحرحر کے لحاظ سے سارے ہندوستان میں ممتاز ہے، آپ مجمع طور پر اپنے خاندان کے نمائندے ہیں۔“  
علامہ سید سلیمان ندوی:-

”مولانا کبھی میرے رفیق درس رہ چکے ہیں، وہ عربی و فارسی علوم کی فیضیت کے علاوہ اُردو کے ایک خاص طرز کے مالک ہیں۔“

ہزہائیں نواب صاحب بہادر ریاست بھاولپور:-  
”جامعہ قبا سے آپ ہی کی جڑ ہے۔ آپ اگر اُس کو دیکھیں تو اس کی موت ہو۔ آپ جب تشریف لائیں تو مجھے مطلع کریں تاکہ اسٹیشن پر آپ کے استقبال کی تیاری کی جائے۔“

مولانا محمد علی مرحوم مغفور (کلکتہ):-

”میں مولانا کبھی کے در کا غلام ہوں۔ کلکتہ میں مولانا کا قیام اہل کلکتہ کے لئے بڑی کامیابی ہے۔“

مولانا سلیمان اشرف منقسم سلم پور ٹورٹی (علیگڑھ):-  
”میں ہندوستان میں مولانا کبھی اور اُن کے بڑے بھائی مولانا محمد امین عباسی چچا کوئی کے تحقیق علم اور قابلیت کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔“

مولانا عبدالحکیم شمس مرحوم مغفور:-

”مولانا کبھی کی اُردو شریبانِ مکت اور نظم جادو ہے۔“

مولانا فرخ (الہ آباد)

”مولانا کبھی کی ذات نہ صرف ہمارے خاندان بلکہ پورے ہندوستان کے لئے باعثِ فخر ہے۔“

شمس العلما مولانا محمد امین صاحب عباسی (گدگپور):-  
”مولانا کبھی کی قدرت نے جو فضائل اور کلاں عطا کئے ہیں وہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا۔“

پنڈت موتی لال نہرو:-

”مولانا کبھی ہندوستان کے لئے بہ نام ہیں۔“

حکیم اجل خاں مرحوم مغفور:-

”جنگ آپ سے استادِ اداس ہیں۔ آپ کے فتوحاتِ قلبی کا عرصہ سے اعتراف ہے۔“

آزیزیل سرفصل (کلکتہ):-

”مولانا کبھی کی ذات اور اُن کا اخبارِ روزانہ ”الغلابِ زمانہ“ نہ صرف کلکتہ کے لئے بلکہ تمام بنگال کے لئے قابلِ فخر ہے۔“

نواب صدر یار جنگ بہادر:-

”آپ کا قصیدہ فارسی پڑھا، پڑھ کر حیرت ہوئی کہ اس زمانہ میں بھی ایسی فارسی کتنے دلتے موجود ہیں۔“

عبدالوہید سیف ایرانی ایڈیٹر ”آذادی شرق“ برلن (جوینی):-

”رسالہ ”تجربان“ میں حصہ فارسی دیکھ کر میرے قہقہے کی انتہا نہیں رہی کہ ہندوستان کی سرزمین میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن پر ایرانی زبان داں بھی رشک کریں۔“

مولانا اسلام آفاق ایرانی ایڈیٹر ”جلالتین“ (کلکتہ)

”مولانا کبھی کو فارسی پر اتنی ہی حدت ہے جتنی کسی زبانِ داں کو اپنی زبان پر۔“

مولانا عبدالحق حق بخدا دی:-

”آپ کے رسالہ ”العلم“ کو دیکھ کر آپ کی عربی دانی اور تحقیقِ زبانِ عربیہ پر مجھ کو حیرت ہے۔“

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی:-

”آپ کے تحریری نکاتِ علماء کے لئے بہت کچھ ذخیرہ مصلحت رکھتے ہیں۔“

یہ نو صرف چند خط کے مختصر ترین اقتباسات ہیں، ہر اس کی لاری لٹریچر گوڈا اُسر سے ہند مولانا مریمین مرحوم مولانا عبدالحق فرنگی علی۔ راس الفاضل نواب عباد الملک بلگرامی نواب حاجی محمد اسحاق خاں مرحوم (میرٹھ) جسٹس سرحد الود (الہ آباد) مولانا نیاز فہریدی، سرکارِ حیدری مرحوم، ڈاکٹر انصاف مرحوم، جہاد بکرشن پشاد، آغا، ڈاکٹر مرصیہ الدین احمد، پنڈت امرتا بھاشا، شاہ تیرہا کی مرحوم جسٹس جودہری نعمت اللہ (الہ آباد) آر۔ پی ڈیوہرٹ فاضل علم شرقیہ اکتوبر کالج لندن۔ علامہ ابو الفضل احسان اللہ مرحوم سر شیخ عبد القادر۔ نواب مرل اللہ خاں مرحوم۔ نواب صاحب

مناہی، مفسر قرآن مولانا فراہی علیہ السلام، جانا نام نہدی، مولانا شاہ بدر الدین بھلواروی رحمہ اللہ، مولانا شاہ سلیمان بھلواروی اور دیگر اکابر۔ عماد علی غفلاً دادا اور شرکے بکڑوں خطوط اس قابل ہیں کہ حضرت علامہ کئی چربا کوئی کے احزان غفلت کے سلسلے میں پیش کئے جاسکیں، ہر حال یہ چیز قیاسی نہیں بلکہ حقیقی ہے اگر کبھی علامہ موصوف کے تفسیری حالات شائع ہوتے تو سنے آجائے گی۔

علامہ کئی کا پورا نام محمد بن اور بن جربا کوٹ ضلع غلام گڑھ ہے۔ علامہ کی تاریخ پیدائش کا کچھ علم نہ ہو سکا۔ نسب سیدنا حضرت جاس بن عبد اللہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تک پہنچتا ہے آپ کے مورث اعلیٰ حضرت پورتن حسن جاسی مشقب بہ خندم صاحب جو حضرت نیر الدین چراغ دہلوی رحمہ اللہ کے حقیقی بہنوئی تھے۔ مدین سے تانہ دخت چھوڑ کر مدین و قلعہ دو دولت ہندستان تشریف لائے اور جربا کوٹ کی سرکش اور ظالم قوم چربیا کو مغلوب کر کے اس کے قلعہ پر قبضہ کیا اور وہیں اقامت کریں ہو گئے۔ عرصہ منوم وہاں کی دوسری ہندو اقوام میں تقسیم کر دیا۔ جب آپ وار دہند ہوئے تو شاہ فیروز تغلق نے یہ اپنے ذرہ اور امرائے دول سے استقبال کیا اور عرض کیا کہ تانہ دخت مافرت ہے پائے فرمایا کہ نہیں مہاراجہ ہیں ایک خاص کام کے لئے خدا کی طرف سے مسمو ہوا ہوں، اس خاندان کی سب سے بڑی علمی خصوصیت یہ ہے کہ تیرہ سو چارہ پخت یعنی تنک علی التواتر جید علماء ہوتے آئے ہیں۔ علامہ کئی کے نانا چراغ دہلوی، حضرت مولانا شاہ محمد کالی بڑے پائے کے بزرگ اور عالم تھے۔ ان کا سلسلہ نسب امام غلام حضرت امام ابوحنیفہ تک پہنچتا ہے۔ دلیہ پور ضلع غلام گڑھ میں حضرت چراغ دہلوی کا مزار ایک مرغیمہ فیوض و برکات ہے۔

علامہ کئی کے والد ماجد سادہ السادہ شیخ الشیوخ امام العلی حضرت مولانا محمد فاروق رحمہ اللہ علیہ مولانا بکلی کے استاد اور حضرت کئی کے چچا علیہ السلام العصر مولانا فیاض دہلوی جربا کوٹی، سرسید احمد روم کے استاد تھے۔ مولانا محمد فاروق کے حقیقی بھوپا مولانا احمد علی مولانا ذخیر حسین دہلوی اور مولانا ناصر اللہ خاں خود جوئی کے استاد تھے۔ بقول مولانا عبدالباری فرنگی مہلی، ہندوستان کے جتنے علمی سرچشمے ہیں وہ سب توانا ہند جربا کوٹ کے فیوض و برکات کے ممنون ہیں۔ مولانا فاروق اور مولانا فیاض رسول کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہندوستان نے ایک صدی کے اندر ان دونوں بھائیوں کا شہر پیدا نہیں کیا۔ حضرت مولانا محمد فاروق کے شاگرد اور حلقہ درس سے نکلے ہوئے حضرات نہ صرف ہندوستان کے گوشے گوشے بلکہ عرب عجم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

علامہ کئی نے تصوف کی آغوش میں آنکس کھولیں ادب اپنے والد ماجد سے تمام علوم متقول و متقول کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن طبیعت کا ذوق فلسفہ و منطق اور تفسیر قرآن کی طرف مائل تھا چنانچہ میں میدانِ فکر کی جولانگاہ بنا، عربی فارسی کی تکمیل کے بعد باطل طریقہ پر انگریزی تعلیم حاصل کی اور انٹرنس کا امتحان دیا لیکن طبیعت کی رسانی اور خدا داد ذہانت سے اس زبان میں غیر معمولی قابلیت حاصل کر لی۔ انگریزی کے بعد ترکی، ہندی، عربی زبانیں بھی حاصل کیں۔ قدرے فصیح زبان بھی پڑھی، گویا آپ ہفت زبان ہیں اور بعض زبانوں میں اہل زبان کا دم رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غیر معمولی قابلیت و اہلیت ہی سب کو اعتراف کمال پر مجبور کر رہی ہے۔ تقریباً تین سال سے اردو زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔

علامہ موصوف ایک دت علی نظم و نثر کی طرف مائل رہے۔ اس زبان میں آپ کے کمالات کا احزان مصرعے عربی اجازہ الاجازتے صرت انگریز الفاظ میں کیا ہے عربی کے بعد فارسی میں بھی خواص تحسین حاصل کیا۔

آپ نے کم و بیش نو سو ستر سالانہ رسالوں ہفتہ وار اور روزنامہ اخباروں کی ادارت کے فرائض انجام دیے ہیں اور ان کے تمام اچھے رسائل و اخبارات کو اپنے دشمنانِ نظم و نثر سے نوازا جو دس سال تک ہندوستانی اکیڈمی کے ممبر ہونے والے آباد کے تخریروں کے نگراں رہے۔ سات جلدوں یعنی تقریباً پانچ ہزار صفحات سے زیادہ میں اردو شعرا کا ذکر و لکھا جس کی تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ یہ ذکر و ذات خود آپ کا پراکار نامہ ہے۔ ایک ترکی درجہ اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ جو ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس دوران میں اردو زبان کی تحقیق و تفتیش کرنے والوں نے ہندوستان کے ہر گوشہ سے علامہ کئی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا۔

عربی، فارسی اور ہندی کے ذخیرہ کلام کے علاوہ اردو غزلوں کی تعداد تقریباً اور نظموں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ نظموں میں مذہبی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی، غرض ہر قسم کی نظمیں ہیں۔ ان کے علاوہ عربی فارسی، ترکی، ہندی، سنسکرت، چینی، جاپانی، گجراتی، بنگالی، انگریزی، فرانسیسی زبانوں کی نظموں کو بھی اردو کا جامہ پہنا کر تصانیف میں فلسفہ، سیاست، اسلام، تفسیر، اساطیر، مقدس، امام مازکی کی تخریر اردو میں فلسفہ، جوہر سخن سات جلدوں میں (مذکرہ) و حسن کی دلی (اردو ڈراما) و درنا (عربی ڈرامہ) اور چھوٹے چھوٹے رسائل مختلف علوم و فنون پر ہیں۔ ان میں صرف چند کتابیں مطبوعہ ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ۔

ہندوستان اکیڈمی سے علیحدگی کے بعد اکثر سرشہر سلیمان مرحوم آپ کو اپنے ساتھ مسلم یونیورسٹی ملنگھٹ لائے تاکہ شرعی علوم کی کوئی زبردست خدمت میں مبتدا

زبانِ سخنِ شگفتی ہے نہ کچھ پروردگار کہن ہے مگر سارا زمانہ بزمِ کامنہ گشت ہے

دو دینِ غما، غما، گدازانِ گوش میں بجا بھی جتنا برسا جھوم کے بادل، برسا ہے بخارا دم  
اپنے دل کو سجدہ کو کون فونے جسے پائل کیا بول تو دم میں دلوں نیر کو کبھی بجا دم  
چاک گر یا لے لیے جرابِ زحمت پر سولائی دلوں عالم جو کون میں چپ چپ چو وا دم

میں جبروں تلخ اپنا خیریتِ تقدیر نگاہِ وستِ مانی ہے کم ربز

بھکا کے پھر نہ بر بندگی اٹھانا تھا کسی کی بندہ تواری کو زمانا تھا  
میں لطیف دعدہ کوثر کی ہلنا بند بھرا تھا جامِ گھر دوسرے دکھانا تھا  
سر نیازِ حرم میں بھکا دیا میں نے اسی بہ بار دھوا لے اٹھانا تھا  
چھڑی ہوئی تھی جہانِ نیر ویاں نظر بدل کے وہاں تم کو سر کرانا تھا

بس اس پر اب نام ہے سب کچھ نسا کا یعنی سلامِ بندگی دلِ مدبر میں ہے

جہاں لیل ہے وہ مجن کا دل ہے زمانہ اس کو محلِ جانا ہے  
چلا جاتا ہے لوں دیوارِ غاوتن کعبے راہِ منزلِ جانا ہے  
ایک منظر نظر بھی دیکھتے۔

### وداعِ دوست

وداعِ دوست، آسان لگ شکل مگر ہر سانس کی سولی پہ ہے دل  
ہوئی ہے موجِ دریا کی روانہ چٹک کر وہ گیا سراپا حاصل  
خباہِ خاکِ مجن بھی تو آئے ٹھہرا و سارباں ہاں تک محل  
ارے او دوری راہِ نگاہ نہ لگا ہوں کو بھی چلنے کے مثال  
حدو ہاں المدد ملے تابِ دیوار جلا آتا بڑب کر آنکھ میں دل  
اندھیری شب ہو چلنے کو ہر عین اٹھالی کس نے آنکھ میں محفل  
بکھڑ میں اپنی کعبے آ رہا ہے یہی ہے مرگِ جہوری کا حاصل

تن اور ہر ای ادما نہ محروم  
مگر جا ہی دو منزل بہ منزل

### انجامِ صدیقی

آپ سے قانونی سودی کا ترجمہ کر لیا لیکن جو وہ تیار نے اسے پسند کیا۔ سرشاہ بیلان  
کی وفات کے بعد علامہ موصوف دل برداشتہ ہو کر مسلم یونیورسٹی سے تشریف لے جا رہے  
تھے کہ اکثر مریضیہ الدین اور غان بہادر عبدالجبار قریشی کی علم دوستی اور سعادت  
پروری نے آپ کو روک لیا۔ آپ علامہ کے پردہ لٹن لائبریری کی علی کتبوں کے  
کینٹا گنگ کا اہم اور شکل کام پر دیا گیا ہے۔

شاعری میں آپ کو باخاطب کسی سے قلمِ مائل نہیں۔ اپنی ایک ابتدائی منزل حضرت  
مولانا آسی کو حصولِ برکت کے لئے دکھائی تھی لیکن حضرت شاہ صاحب نے یہ فرما کر آپس  
کر دی کہ نہیں، مصلحت کی ضرورت نہیں۔ تمہاری طبیعت خود مصلح ہے اور بہت دعا میں  
ویں۔ علامہ کو یقین و اعتماد ہے کہ یہ جو کچھ ہے وہ شاہ صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔  
علامہ تمام شراکائے رتبے کے مطابق احترام کرتے ہیں۔ کسی معمولی شاعر کی بھی  
تفصیل ان کے ملک میں لگا ہے۔

آپ مذہبی سلطنت میں بہت سخت ہیں اور ہر رنگ میں مذہب کو دیکھنا چاہتے  
ہیں۔ تعویذ کے ساتھ قانونی لگا ہے کسی مذہب کو آپ برا نہیں کہتے۔ انتہائی غنا و  
خلیق۔ منافع اور مردم شناس بزرگ ہیں۔

ایک ایسے جید عالم اور فاضلِ ادب کی شاعری پر تبصرہ مجھ جیسے نااہل کے لئے  
انتہائی مشکل ہے، پھر علامہ کا بہت کم کلام میری نظر سے گذرا ہے جو کچھ میں اس کا کچھ بچا  
ہوں اسی کے تحت یہ عرض کروں گا کہ علامہ کی شاعری علمی و فنی نقطہ نظر سے بہت قدرتی و  
جہانگیر تیز جذبات اور واردات کا خلق ہے وہ خیالات کے عمیق اور فکر کی وادیوں  
میں کھو کر رہ گئے ہیں۔ علامہ کی شاعری ہماری عقل و دانش کا امتحان بھی ہے اور شعور  
کو چھوڑنے کے بجائے مدغم سے گرائی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ نرم و لطیف  
تغزل کے اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ میں ایک ایسا ہی بلا ہٹا، انتخاب پیش کرتا ہوں کہ  
تقدیر ہم نسا کرنا چاہئے؟ دل کا سجدہ، غنا کی جانے  
حسنِ توبہ بنا نہ ہے سب سے کس کہہ سکتے ہیں ناز کیا جانے

قلمِ کفر و دین کی بحث کو تم بھی غافل ہو میں

اتنے میں کوئی بے پرست دستِ بجا آگیا

شوق کا انجسار کیا یا بس یہ اختیار کیا

راہِ امید و بیم میں، دل کا مقام آگیا

کُن نہ کہ ہے وہ، مثنیٰ نکایت ہے آپ کی یہ اس لئے کہ دل میں محبت ہے آپ کی

[illegible]

کسی خاص ٹھکانے پر دُکھ دیکھنا — اعجاز صدیقی

# اصلاحِ سخن : جنابِ شداگری کی غزل پر حضرت مولانا ناطق گلاؤٹھوی کی اصلاح

اہلِ نظارہ کو آئندہ  
 ہم اگر حُسن کے جلووں کو پریشاں کر دیں ۱ حُسن کے جلوے ہیں اور بھی حیراں کر دیں  
 ہو اگر حکمِ تو اک آہِ شبنمِ شایاں کر دیں ۲ یعنی شیرازہ عالم کو پریشاں کر دیں  
 ہم رگِ گل سے کریں ایک گلستاں پیدا ۳ ذرہ خاک کو ہمد و سنِ بیاں کر دیں  
 اٹھ ہو گئے دستِ جنوں فصلِ بہار آئی ہے ۴ اُن کو مجبورِ تماشاے گریباں کر دیں  
 مرکزِ شوق سے ہٹ جائیں نہ عشاق کہیں ۵ اُن سے کہہ دو کہ غمِ عشق کا سماں کر دیں  
 ہوشِ دیوانہ ہستی کو رہے یا نہ رہے ۶ آپ تو شمعِ حقیقت کو فروزاں کر دیں  
 عشقِ ناکام ہے کہہ دو کہ ابھی صبر کرے ۷ ہم ذرا فطرتِ غم کو تو نمایاں کر دیں  
 وہ نگاہیں تو تجھیں خام سمجھ بیٹھا ہے ۸ ہر گلی کو ترے دامن کی گلستاں کر دیں  
 طلبتِ شامِ شبِ غم سے سیاہی لیکر ۹ ماہِ و انجم کو تری یکِ غم دوراں کر دیں  
 خام ہے تو وہی نظارہ ہے ہمارا اور نہ ۱۰ ہم تو غلط طور کے ذریعہ کو بھی عریاں کر دیں

چھڑ کر سازِ نظر ہو کوئی نغمہ ارشد  
 موجدِ گل کی لطافت کو نمایاں کر دیں

توجہ :-

(۶) سوال یہ ہے کہ دیوانہ ہوش ہی میں کب ہوتا ہے جو یہ کہا جائے کہ "ہوشِ دیوانہ ہستی کو رہے یا نہ رہے" کیا خوب ہمارا ہے۔  
 (۸) "تو" کا "او" دبا رہا تھا اب یہ جب فور ہو گیا۔ دوسرے مصرعے میں اگر چاہیں تو وہ مقدم ہو  
 (۱۰) ارشد صاحب کے مقدم کو بلند الفاظ کے ساتھ ترقی دی گئی ہے۔ اطلاع کے بہتر  
 واضح بہت اچھا ہو گیا۔ لیکن "ہم تو" کی جگہ ہم ابھی ہوتا تو ادنیٰ تر تھا۔  
 (۱۱) "موجدِ گل کی لطافت کے لئے" سازِ نظر کے معنی تھا۔ اس لئے سازِ ہوا "نمایاں کر دیں۔

(۱) ارشد صاحب کے دونوں مصرعے کچھ عجیب تھے، اس کے علاوہ حُسنِ جلووں کی تکرار بھی اتنی ہی ضرورت ناطق نے اپنی مطلع کو مطلع میں چار چاند لگائے۔ اس مطلع کے معنی و مفہوم بڑھ کر گئے۔  
 (۲) آہِ شبنم "مخاطف تھا۔ اس لئے "کامراں" بنایا گیا۔ دوسرے مصرعے میں "نہیں" بیکار تھا۔  
 (۳) یہ شعر غزل کا اس لیے ہے اور دونوں مصرعوں کا مفہوم لیا جاتا ہے اس سے مطلع نظر ہو کر  
 "ہم" سے ہوں بدل گیا کہ "ر" کا اتصال علی فصاحت تھا۔

(۴) اس شعر کی اصلاح سے مجھے کسی قدر اختلاف ہے۔ دستِ جنوں کا اٹھا ہی ہے خیال میں صحیح ہے جتنا "درست نہیں۔

(۵) اس شعر کو حضرت مولانا ناطق نے اصلاح سے بڑی ترقی و عطا فرمادی۔

اعجازِ صدیقی



## مشاعرہ شاعر:۔ مصرع طرح:۔ "جو خود تڑپا نہ ہو وہ کیس کسی کی بکلی سمجھے"

فرہار ۱۳۷۵ء۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۳۹۶ء۔ ۱۳۷۵ء کی فرہار میں جاری ہونے کی وجہ سے شاعر نے یہ مصرع لکھا ہے۔  
اس لئے ایسی فرہار میں شاعر نے یہ مصرع لکھا ہے۔  
اس لئے ایسی فرہار میں شاعر نے یہ مصرع لکھا ہے۔

### حضرت علامہ سیاح اکبر آبادی

ہم نے دنیا کی شہر میں دیکھی ہے  
عین غم پہ دنیا کی خوشی سے نہ جڑا ہو  
گھر ہو سستی منزل کا ہے سہی، تو کیا حاصل  
تہنہ وصال دوست بھی کیا پزیر سکتا ہے  
ہر دم نور الما ہے، تاروں سے نہ تم تک  
چمن کا چوڑے والا چمن میں چوڑا ہے  
بڑے بڑے میں اک سیاح علم و جہل میں مل  
یہ رشت اس کوئے جزدن کی کوئی نہ ملے  
کہ جو کچھ زبان دل دہل کی با بھی کہے  
راں ہاڈاڑے نالکہ فارادہ بھی کہے  
ہم نے ہر نفس کو اک پیام آخری کہے  
یہ وہ کہے جو غفلت کی زبان غامی کہے  
اک ایسی بات جن کی بول سہی اور کی کہے  
جو خود ہو بولب وہ کیا مری پیری کہے

### حضرت شہر تہ گامی اندوکیٹ اورنی

خوشی کو عالم سمجھے، الم کو جو خوشی کہے  
اجل دراصل ہل آؤ آتش زندگی کی ہے  
برہم سے ہوتے زندگی اس طرح کی اپنی  
سکول کہتے ہیں جس کو موت کو پہلے نہیں ملتا  
کیس بلا ہے تو ان کی غم و غصہ سے  
سکول ملن ہو جس کو غم و غصہ سے دکھائیں  
خدا کو کیا کچھ سکتا ہے کوئی آدمی نشتر  
دہی کے کوشاں کچھ ہونا سستی کہے  
غلط کہے جو اس کو سیمان آخری کہے  
کہ بند کی بھی خدمت کو کئی نہ ملے کہے  
کہا تک کوئی ایسی زندگی کوئی نہ ملے کہے  
تھے کیا آدمی جانے کہے کیا آدمی کہے  
تسلیم دل نا شاد وہ کون لادہ کہے  
ہی ممکن نہیں جب آدمی کو آدمی کہے

### حضرت برقی صدیقی فیضی

جانب مشق کہے ان کو رنج زندگی کہے  
بسر کر لی بہت کی خاطر ہر مومنوں میں  
نہی تیر نہ نہ کی گناہش بہت میں  
سیرا بہت تھو کہیں ہی تھو کہیں تھو کہیں  
اسی حشر نے ہستی کو شاکر خاک کو ڈالا  
کچھ ایسے جگہاں ہم ہو گئے رنگ نہاد سے  
جہنم را ز دنیا برقی ابھی فردوس بن گیا

### جناب سیاح اکبر آبادی

ہوئے دافعت خودی سے ہم نہاڑ خودی کہے  
ہیں کیا درس دیگی انکی لکھن پوٹاڑی کا  
نگاہیں پھریں اُسے تو اب اسکی شہادت کیا  
دُنیا ہی کو پہچان نہ اپنی بات کو سمجھا  
نہیں دانت ابھی وراڑے درد و غم کہے  
خدا انجام نکلا شکر انا بند کون کا  
نگاہ لطف سے سیاح کی جانب دیکھی کہے

### جناب پریم شادانی دہلوی

توہ جلدوں پہ جو دار و دار زندگی کہے  
لب لگ سے سے وفال جسے پناہ مہر ہو  
دہن خودی ہو کہ رُخ کب بدن ہوں  
وہ کب خاطر میں لائیکہ پیام شادانی کہے  
دہن جب تک کہ جہاں جھکتی ہو پشانی  
دہ اپنے لالہ ان غم کی منزل ابتدا ہی تھی  
دہ ہوگا لا جابہ سب تو ہے پریم دینا میں

### جناب حکیم ناظم (ہکدین)

مری بچاں کو کس طرح بچا رہی کہے  
جو بچاں آئی تیری یاد میں خاتمِ غربت  
تو نے نے کی تھری شرط جب خود کو شاد دینا  
وہ خاڑگہ کہ اس اغاڑے ہیوں میں مٹا  
طیو کہ انھیں معلوم دریاں زخمِ گفت کا  
جو میں اس رنگ میں اس رنگ کچھ ہی کہیں  
شناجھ اس طرح ناظم تو درد داؤد الم اپنی

گراوی زندگی لیکن نہ رہی زندگی کہے  
جسے وہ ہوش کہتے ہیں اُسے ہم ہوشی کہے  
غرض کی اک گناہ غمی جسے ہم دوستی کہے  
ہم اپنی خود راوی کو مین زندگی کہے  
وہ کیا میرے دل درد اٹھائی بکلی کہے  
کے طبع بھول گفن میں نہ روز غامی کہے  
کہ جب سے اتفاق ہی کو اپنی دلدی کہے

دہ پھر کون طور ہی کو مکر معلوم کی کہے  
دہ دنیا سے الگ اپنا یاد کو میکشی کہے  
خودی داسے نہ شافہ نہ خود دیکھی کہے  
جو میرے غم ہی کو کیمت دنا ہوا ہی کہے  
کہاں اہل خود میرا خون بہت دیکھی کہے  
پسچر ہم جہاں اپنا معیت ہم زندگی کہے  
اُسے پاس سے پہلے خود جو بتا لاری کہے

جو خود راحت میں ہو وہ کیا کسی کی بکلی کہے  
اُسی کو آخری بکلی ہم اپنی موت کی کہے  
تو کیا جاننا تیر زندگی کو زندگی کہے  
کہ ہم کیسے ہی اس شہید و دلنگی کہے  
کیا ہے جس نے دل زخمی دوا کی ہی کہے  
جو دوان نہ ہو وہ کیسے ہی بولائی کہے  
کہ میں کرا سکا اپنی داناں ہر زخمی کہے



**جناب انجم حسین ترماتوری**

ہاں شاہد! کیا جنت درد کی ہے  
کی زندگی ہے زندگی کھلانے کے قابل  
انہی جنگی لے اس کی یہ دھوکا دیا دور نہ  
دہی میں دار و درگفتن سے آید  
وہیں و عشق فانی کا دلدادہ کہاں ہوگا  
نہاں تک برکے عمر بچی اس نہاں میں  
**جناب فاروق از کوٹہ**

”جو خود تڑپا نہ ہو وہ کیا کسی کی بیکلی کے  
جو ترسے دروافت کو نٹا زندگی کے  
دفا کی آزمائش تھی ہے ہم بے رحمی کے  
غم نہاں سے جو واقع ہو کر غمناک ہے  
جوانی و جوانی چاروں کی جان لی کے  
کبھی ہم کو بھی اپنا جانے والا کوئی ہے

**جناب منظر صابری خداداد بخاری**

نہیں ہے ایسا زبرد و کبر انکی نظروں میں  
کسی کی خیم یگوں کو کچلے خطا کا جس  
پہنچے ہے غصہ اپنے زبان تک ہی اٹھایا  
دل پر غم ہم اس سے کیا کہیں تیری ریشائی  
کمال بخودی و خود پرستی کو بربستہ آغا  
سکتا ہو جو کمال شاد و دہان غم کو  
مرے دل کی تڑپ پر غصہ غبار کیا معنی  
نٹا طرز کم مائی کو ملت افنی دیتی ہے  
کیا تھا بارگاہ حسن میں اک سجدہ الفت  
اسے اپنی نظر کا دیس کم نکلا ہی ہے  
جو خود اپنے کھینے کی دیکھا ہو ملاجیت  
جناب مونس شیدائی دیوبندی

خدا کی جو خدائی کو معصام بندگی کے  
کہ ہم ہر اک استاد کو پیام بخودی کے  
جنوں کی چیرہ دستی کو ہم اپنی بیکلی کے  
جو خدا داں دل لکھنے کو غصہ اکل گئی کے  
بڑی دلت کے بعد لے نور سر بیکشی کے  
اُسے پھر کیا خدمت کی کہ منہم خوشی کے  
”جو خود تڑپا نہ ہو وہ کیا کسی کی بیکلی کے“  
کہ دیکھے بری صاب اور مرئی شہیدی کے  
شریت دلت اسے کھدو کوئی بندگی کے  
خانی عشق کی رفعت کو جو دیو کی بیکلی کے  
وہ منظر کیا جلدی مقام دارانی کے

پھیلائیے اس کے کبھی دست طلب انکا  
خیاں جہاں پر کشت ہو جائے اک دن  
نہاں کیا کہیں نیکر غائب حق سے کرتے ہیں  
نہاں ہم ہے مظلوم کی دلوازی کا  
بنفت میں ہی ہے مزہ کاری ادیت پر  
لہنا مر کر آفاق اسے قادیق نہالے

ہو پیغام نہی کے جو منہم خودی کے  
نہاں معنی کوئی محفل میں بری غامی کے  
بھلے بے وقوفے ہر ہی یام ہی کے  
اسی میں ہے عروج ادیت کو کوئی کے  
جسے یہ اہل مزہ آب آج تنیب دی کے  
یہی ہم دعا سے سوز و ساز نہ لگا کے

**جناب رعنا نظا می (راجوری)**

دہن بخودی ہو کر نہ راں بخودی کے  
اسیر کو نہ ہو کر نہ راں درد و غم دہنا  
گرادی عظمت کو جن کی وقت بھی نظروں کے  
سبب برادری دل لا کوئی دل سو مر پوچھے  
تصور کاراں حد سے جنوں کی طرح ملین  
دہی لے توجہ بالائے رہے گا بھرستی میں

گذر کر ہم حد منزل سے منزل آگئی کے  
ہم اپنی زندگی کا آٹھ تک مطلب ہی کے  
دہن غم کال جب مقام سردی کے  
حقیقت آپ سے جلد کی نظروں مری کے  
نہاں کارواں انجک مری دیانگی کے  
تھا ہو کر جوش موز ملای زندگی کے

**جناب نظر اعظمی**

کہا منہم و تفریق خوشی و ناخوشی کے  
مازندگی کھانا اسیر قید منہم ہونا  
ہم خوشی ہے ناہاں ہیں بقراری ہے  
ماذانی نظروں آئینے ہر واقعت سے  
ہے بگاڑ ہستی جوش سبز خود رو  
طرانوس نہاں سے مبت ہی نہیں کوئی

مری برادری اسد کو بھی جو ہنسی کے  
معاذ اللہ ہم بھی کیا مال عاشقی کے  
جووں ہونڈی کو آن اسکو زندگی کے  
دل تیار کی بنا ہو کر یوں کوئی کے  
دہا ہنگامہ الی جن کی سرخوشی کے  
تو پھر کون لذت دہا جو کہ وہاں ہی کے

**جناب خدام صدیقی ترماتوری**

جانت عارضی کو موب انکیں سمجھی کے  
خانی زندگی سے آئینہ عرٹ دل اُٹھا  
یہ اچھے نہ کوئی بھی مرا موز دین کے  
ازل سے عاشق صادق کو کھو کھو کھانڈی  
یہ بزم عالم انکاں بھی رعنا اک سہ ہے  
جناب خدام صدیقی ترماتوری

گرم موت ہی کو اک سکون انہی کے  
نٹا طرز زندگی کو جو قرب زندگی کے  
یہ بہتر ہے نہ کوئی میرے دل کی بیکلی کے  
فلط کچھ حضرت منصور راہ عاشقی کے  
کوئی کچھ اسکو کچھ ہی نہیں ہم تو ہی کے  
خدا کے انھیں یہ کیوں نہ راں بخودی کے  
دہی ہے آدی جو آدی کو آدمی کے  
جوانی کی سے اہل لب دیوانگی کے

**جناب برگ بانو دی**

شاہد! جی ہستی ہم مال زندگی کے  
جس نے دل لکھایا ہو وہ کیا ملکی کی گئی کے  
ہل کا نام سن کر الی ہستی کا نہ جانتے ہیں  
ہم جنت سر سے لے دھارنا کچھ جہت  
نہاں جانتے مکان کی حد قائل سے  
نہاں کو خدمت خود و سن کر سے

جو مٹ جائے جنت میں نہ راں بخودی کے  
”جو خود تڑپا نہ ہو وہ کیا کسی کی بیکلی کے“  
ہم اس کو بھی ادا و شرح فرمایا دی کے  
نہاں جی مری برادریوں کو کچھ ہی کے  
حقیقت اپنی ہستی کی آگ کچھ آدمی کے  
گر آپ تک نہ ہم لے رنگ ہر شاعر کے

لے حضرت ملا صاحب مظلہ العالی

جناب خدام صدیقی ترماتوری

جناب خدام صدیقی ترماتوری

بلا کر اپنی ہستی تجھے وہاں بوجھ نہیں

سراسر دہر خانی میں وہاں زندگی کے

یہ تابی کی سی تابی کی سی جس کو روشنی کے

ہیں خود شید مغرب کی بجلی شے کی دھوکا

وہ عزت نہ نہیں خادمِ نبیقت میں ہے دیوانہ

مری دنیا کی کو جو غلط دیوانگی کے

دل ناز اشاجس کو کا ہو یہ وہی کے

خوشی کم سخن، اہ عالم اسرار کی باتیں

جناب ناز میں برتاب گدھی

جو خود تڑپا نہ ہو وہ کیا کسی کی بجلی کے

جناب دلیل از بند و کسی مشرقی خاندان

بمب فریاد کا کے نہ وہ جہر غامضی کے

کوئی کیا خاک اوکا زدن ان آنکھوں کی کی کے

جو دل کے چھینے کو کھیل اگت کوئی کے

دل مضطرب کا متعدد اور تھا وہ اور ہی کے

میرے آنکھوں کی قیمت وہ جتنے ہر کیا جینے

وہ عالم کی طرح آخوری دیوانگی کے

اب لے ہم ہم اپنی زندگی کو زندگی کے

کی نے وہ کہے۔ تدار کو ہر ہر ہی کے

خود کی موت ہی آزاد کو کو نہیں سکتی

نفس کی آمد و شد میں کی کی یاد رہی ہے

چمن میں رنگ و بو کا لڑیں بھگتوئی کے

غلامی میں جو اپنی زندگی کو زندگی کے

جات باعدانی کا اسی کو سستی کھو

نظر آیا میں یہی صبر بھی نہ نہیں نفوس

بڑی شے مشق میں اور دست ہم ہر کی کے

روح میں خفا ہوا جو اپنی زندگی کے

وکیل الوقت ہم کو ایسے لہر کی ذوق ہے

جناب شاعر کا نہ صلی

سرا پا جہل و نادانی کی جو آگہی کے

جو ذمہ دار ہیں کو اپنا فرض منصبی کے

جناب بی۔ سی۔ شہر (امامہ)

دیا کو زندگی کے خودی کو بخود ہی کے

جو راہ عشق میں رہنا بے باقی کے

مزا جب ہو کہ انکے پردہ محل کو بھی کے

مرادست جنوں محو کیوں ہو کر داسن کی

بہرا دل عالم ہستی صدق اسے جہیز پر

بظاہر حکو ہم شمس و قمر کی روشنی کے

فریب شوق میں ہم حکو ہر شنگی کے

وہ کیا تھی ایک مورخ آتش کی حق بات کی

یہ سب ہر جن عالمات کے طو و حققت میں

مال عشق ہی کے نہ راہ میں ہی کے

بلاتے کوئی کو محرم شارع زندگی کے

ہیں یہ دیرو کبہ اس سے میں نہ نہیں کے

ہو ایک عمر بھر بھوکے گو دیر دے میں

وہ کوئی اور ہی نکلا ہے ہم آدمی کے

ہاں کیا حضرت ناصح ابھی بھوکا ہی کے

کسی ایسے کو بھوکا دیکھا جس کو آہو

جال میں ہے جسے بنے ذلت سے کال

نہ وہ راہ خودی کے نہ رہے فردی کے

نہیں ہر کوئی بھلیاں نور و شنی کے

جناب شمس از ہر اس

خاں زندگی کو جو سہرہ زندگی کے

ہماری زندگی کو کوئی کیونکر زندگی کے

مراد عوی ہے پھر وہاں ناز زندگی کے

بخت کا اگر کسی حقیقت آدمی کے

بہر دل کو است ہو نہ شب کو میں حال ہے

ہم ان کے حسن دودہ کو کوئی لگائی کے

جو یہ پھر تو اب ہم سنی بیگائی کے

بعد کو شش پر پشت جرد جاں کو کافام

انھوں نے عارضی بھاکہ جادو عشق داکم کو

خود کو ہم جنوں کے جنوں کو آگہی کے

سے ذوق طلب کا راہ ہاں کیا لگائی کے

بھگتے تخیل نے دودہ کو کولے دم والو

خودی اور خودی میں جات دن کا قہر ہے بی

طلسم آب و گل کو کائنات آدمی کے

بکھا ہے جو ہم دعائے ہست زندگی کے

انھیں سہرہ کے باتیں کوئی بھی آستانہ

خدا کے شہید اہل زمانہ کے دماغوں کو

جناب خلیق ابو لوی

جسے سب کو شب کے ہم اسی کو زندگی کے

جناب خلیق ابو لوی

جناب زائد سو خردی (رامپور)

جو خود تڑپا نہ ہو وہ کیا کسی کی بجلی کے

وہ ہم ہیں، ساغر لہر کو کیا تھی کے

وہی اک دوڑ اپنی منزل مقصد پہ پہنچا

کہ ہم تار کی تہذیب کو کو بد شنی کے

شب تہائی کے ہم کو کوئی کیونکر شنی کے

جو اپنی گری کو ضامن منزل ہی کے

آدہر ناکیاں دیکھیں اور ہر ناکیاں لیں

کوئی تیرے تصور کو کیا خاک دل کو بھلتے

جو دل کو درد کے درد ہی کو زندگی کے

انھیں ناکیوں کو ہم دلیل زندگی کے

محبت اور پھر بھی محبت کو کہتے ہیں

یہ مومن زندگی کے معائب سے پریشان ہو

ہم ادب بھرت کی غلامی سے بھی کے

میں کہتے ہیں نہ پانا تھا کہ وہ ناز دل کے

یہاں دیکھا دیاں دیکھا اور دیکھا اور دیکھا

جناب خموشی مرحدی

بہت مدت میں ناز و دل ہی و دلبری کے

مری اس سنی کو ال جاں دیوانگی کے

جناب ساحلی مشہد کھڑکی (بمبئی)

فریب جن کا کہ دوائے عاشقی کے

جہاں دالہ اعلیٰ کو اضمناہ زندگی کے

ہے سب کچھ خود اگر اپنی حقیقت ہی کے

محبت جیش و رداوت کی کوئی تو ہم ہی کو

وہی اپنی خود اب متروک ہر و جن کے ہیں

سرسے جہان ہر طاق کو جلاں کی ہی کے

تیس نے آپ کو کھنا نہ کھو کو آپ کھنکے

لے شہر میں کہ عالم میں غافل و غافل و غافل

نصیب جس قدر حاصل کر لیا پھر کہہ  
بنا ہر عمر کی دولت سے خود کو روہے بنا

### جناب شرم بانجالی

لی جیسے نہ وہ جس طرح دل کی گئی ہے  
دل کا نام کی حالت بھلا ہو کر کوئی ہے  
زبہ دیوانگی اپنی خوشی ہوئی آسان  
دل پر زبرد اور ناز کی ٹھوکر قامت ہے  
گال پر تپا ہے اپنے درد پر تر کر دیا کا

### جناب خلیل اطمین

دہ گراو حقیقت خاک طرز ہر روی کے  
گذر کر اس دامن سے جب آنی زندگی ہے  
سکوں جس کام پر عالم کی میں ہو کر محفل  
کو تک وہ فطرت ہی عہد محبت کی  
دہ دم دہ منزل سے میل زار واقع ہو

### جناب قاصر فتح آبادی

زبہ گوشت کو زندگی پھر زندگی کے  
زینتوں نے مجھے بکھڑے ہیں خوش نظر  
نشاؤں تو میں دو دو دہلی کی داندلیں  
خلا معلوم اس کی موت کا ہوا ہم کس چکا  
بہت مشکل ہے قاصر کھنکھن حسن باطن کا

### جناب طاقی سیدانی لدھیانوی

کی کہ درہم ہم سر کو ٹھکانا لازمی ہے  
پرسکھن پر رکھنا ہو سا کو خود جس نے  
رفا کے رشتوں میں ہم نے بول ٹھوکرین کھا  
مری دھوا غم اس سے ملے قاصد بیان کرنا

### جناب میر تقی میری کولاری

نہ ہونے کو ہم راز حیات دانی کے  
بھلا کیا خاک وہ تویر غلب زندگی کے  
غلام داس ہے دنیا میں کو یا صورت عفا  
تیر زار ہے کس سے سکون لایع کا طالب

کہ میں نیا میں راز زندگی اک آپ ہی کے  
یہ بدست مری محبت کمال و ساحل کے

### جناب نسیم سیتا پوری

جو خود ڈیانا ہو وہ کیا کسی کی ہے کلی کے  
جو کھلے کوڑی کر رہی ہو وہ کلی کے  
ہر ہر اسباہم اٹھا اور آگئی گئی کے  
گلے عشق ہم اپنی خوشی اپنی ہوئی کے  
نیکوں جو دستم کو پھر محبت آپ کی کے

### جناب عارف بانگوئی

دہ اپنی خود روی کو بھی کمال آگئی کے  
ہجوم غم کو ہم آئینہ دار سر خوشی کے  
اسی کو اپنی منزل دہرمان زندگی کے  
شارے جو تکھڑا ہوا ان زندگی کے  
سلسلہ نوزوں کو جو کمالی ہر روی کے

### جناب غافل مبتول

جو طوالت غنی کی تھی فی حقیقت ہم ہی کے  
غلط کھے اگر کچھ تو زشتہ آدمی کے  
کہیں ایلا ہو وہ میرے لئے کوئی کے  
جوانی زندگی کو بھی دباں زندگی کے  
نگاہ میں جانے با مذاق غزوی کے

### جناب حکیم آکسی تریپا پوری

اسی میں سر ملندی اور اسی میں تری کے  
وہ کیا جانے محبت کیا حقیقت جمل کے  
دہ روز عاشق جانے نکاح زندگی کے  
جو خود غفلت ہو وہ کیا غم بچا دلی کے

### جناب وحید نووی غازی پوری

نشا طر زندگی کے نہ لایع تری کے  
جہاں میں جو زار اسرار خودی خودی کے  
اگر ہر آدمیت آدمی کو آدمی کے  
"جو خود چھپا نہ ہو وہ کیا کسی کی کلی کے"

محبت میں تپا ہو کر کوہل زندگی کے  
نہ روز خودی کے نہ دستور خودی کے

### جناب عارف بانگوئی

محبت میں تپا ہو کر کوہل زندگی کے  
نہ روز خودی کے نہ دستور خودی کے  
نہ روز خودی کے نہ دستور خودی کے  
نہ روز خودی کے نہ دستور خودی کے

### جناب شارب قریشی ناگپوری

محبت میں خوشی کو غم الہ کو خوشی کے  
تہوں کو بھلا غم حق اور احسان حق  
نہاذا اتیان حق پستی جاہ کیا کرتا  
یعنا وہ مر مر آئے نہ ترے خراب

### جناب غافل مبتول

محبت میں خوشی کو غم الہ کو خوشی کے  
تہوں کو بھلا غم حق اور احسان حق  
نہاذا اتیان حق پستی جاہ کیا کرتا  
یعنا وہ مر مر آئے نہ ترے خراب

### جناب حکیم آکسی تریپا پوری

محبت میں خوشی کو غم الہ کو خوشی کے  
تہوں کو بھلا غم حق اور احسان حق  
نہاذا اتیان حق پستی جاہ کیا کرتا  
یعنا وہ مر مر آئے نہ ترے خراب

### جناب وحید نووی غازی پوری

محبت میں خوشی کو غم الہ کو خوشی کے  
تہوں کو بھلا غم حق اور احسان حق  
نہاذا اتیان حق پستی جاہ کیا کرتا  
یعنا وہ مر مر آئے نہ ترے خراب

جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے

### جناب عارف بانگوئی

جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے  
جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے

### جناب غافل مبتول

جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے  
جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے

### جناب حکیم آکسی تریپا پوری

جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے  
جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے

### جناب وحید نووی غازی پوری

جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے  
جو بکھے دمی نایز جن جن عاشق کے  
مگر ترے بیکاری صفت رہم بندگی کے

## نقد و نظر

**سالنامہ مشہور لاہور** | اپنا شمارہ عالمگیر پنجاب کا مشہور ترین  
کے بنو آئے جو ان کا ایک ہی روش پر برقی کامیابی سے نکل رہا ہے۔ "عالمگیر" پنجاب کے  
دیگر سال کی بعض جہتوں سے ابھی تک پاک اور صاف ہے۔ وہ ادب برائے ادیب اور ادب  
ملاؤنگہ نہیں نظر آتا۔ سانسے رکھ کر سحر اسرار پیش کرتا ہے، اور سال میں اپنے ناظرین  
کو دل خاص پر بھی دیتا ہے۔

زیر نظر شمارہ اس سالنامہ ۱۹۳۷ء ہے جو دو ٹوک صفحہ سے زیادہ پرکشش ہے۔  
اس میں اساتذہ اور شاہرہ بر سر اس کے علاوہ ملک کے اچھے ادیب کے مضامین اور ترقی یافتہ  
فائدہ نگاروں کے کچھ ترین افسانے شامل ہیں۔ علمی و ادبی مضامین بہت وسیع اور خوش  
ہیں۔ عالم طور پر ہر سال سالوں میں افسانے زیادہ ہوتے ہیں لیکن ادارہ عالمگیر علمی و  
ادبی مضامین کا بھی بطور خاص اہتمام کرتا ہے۔ "عالمگیر" کا یہ سالنامہ بہر حال قابلِ ملاحظہ  
ہے۔ کاغذ کی گزالی کے باوجود کاغذ بہت اچھا لگا گیا ہے اور طبعیت بھی اچھی ہے۔ البتہ  
مردمی صورتی کا جو ڈیزائن اور بے رخی نمونہ ہے۔ عالمگیر جیسے سنیوہ واسے کو مرد اور  
عورت کی چھوٹی تصویریں بی نہیں ہیں، ادارہ کے دفتر پر پتہ کرنا تو خیر بلکہ ہر  
جگہ قیمت کا پتہ پورا سال عالمگیر شہر لاہور

**سالنامہ نرالا** | "نرالا" کا جلد کا ایک الب سالنامہ ہے جو علم و  
ادب کے ساتھ تفریح و روانہ کا بھی طرز ادب ہے  
س رسالہ کی علم اساتذہ بھی کچھ ہوتی ہیں۔ زیر نظر سالنامہ ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۲ پر چھپا ہوا  
ہے اور اپنے دامن میں گونا گوں مضامین نظم و نثر سے بھرے ہوئے ہے جن میں سے بعض بہت  
اچھے ہیں۔ اس میں ۱۲ افسانے، ۱۰ علمی و ادبی مضامین اور ۳۶ غلیں ہیں۔ نرالا کا یہ  
سالنامہ پچھلے سالوں سے بہ اعتبار مضامین بہت بلند ہے۔ یہ مضمون صاحب طاہر میر  
میاں کو ششماں کاوش قابلِ داد ہے کہ انھوں نے میر سے دور کے کچھ دالوں سے سالنامہ  
۱۹۳۷ء کو خوب پس کیا۔ زیادہ تعداد اچھے اور عمدہ کچھ دالوں کی ہے۔ وہ دوچار  
مضامین نظم و نثر جو اچھے کچھ دالوں کے ہیں جو وہ اس نے نکالے ہیں ان پر بارش کر پڑے کچھ دالے  
پر چھائی ہوئی ہیں۔ سالنامہ کی ترتیب بھی جیسے سالنامہ کی تقدیر ہے۔ کاش طبعیت اور کتابت  
کا زیادہ علمی ہوتی۔ مردمی صورتی سالنامہ نظر آتا ہے مگر وہ ان مجموعی قیمت کو سالنامہ خوب ہے  
۳۷ء کے سالنامہ نرالا، صفت نرالا جلد پنجاب

نے اپنے ہمارے کو ہر جگہ کے شہر کو دیا کہ وہ خاص علمی و ادبی سالنامہ ہے۔  
اس سال شائع ہونے والے تمام سالوں میں مشہور سالنامہ اپنی صورتی خوب کاش اعتبار  
سے اس قدر جاذبِ نظر اور ریح و نواز ہے کہ کہیں کہیں ہی ہے کوئی چاہتا ہے۔ یاد و آرا  
کا ایک الب سالنامہ ہے جس پر واقعی زیرِ نظر صرف گزرا ہوا کتابت اور طبعیت کو اتنی  
اعلیٰ ہے کہ اس کے لیے بڑے بڑے ناظرین، غلوں اور غلوں کو دیکھیں اور طبعیت کو اتنی  
کیا گیا ہے کہ وہی طبعیت سے ہر سالنامہ مشہور چاہے۔ گراٹا اچھا نہیں ہوتا کہ مصوری طبعیت کو۔  
اس میں ملک کے اچھے اور مشہور کچھ دالے نظر آتے ہیں مگر ایک آئندہ سال میں مضمون اس کی  
کو مرد پر کر سکتے۔ دوسرے رنگی تعداد کے علاوہ شمارہ ادبی کا متحدہ رنگی تعداد بھی ہیں۔  
سالنامہ میں علمی و ادبی مضامین کم افسانے زیادہ اور غزلیں اس سے زیادہ ہیں۔ نقد نظم و نثر  
بلند ہے۔ ہر حال سالنامہ اس قابل ہے کہ وہ ہر صاحبِ ذوق کی بیز پر ہے۔ حجم  
۲۵۰ صفحہ، مردمی رنگین، قیمت ۲۰

نے کا پتہ رسالہ مشہور لاہور شہر لاہور

**ندیم گیارہ نمبر** | "ندیم" صورتی ہمارے کا مشہور سالنامہ ہے جو نہ صرف نام  
کی ادارت میں کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ زیر نظر  
اشاعت جنوری، فروری، مارچ، ستمبر کی ہے جسے ہمارے شاعر اعظم حضرت شاہ ولی اللہ  
موجود کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ قنادی غلام آبادی مرحوم نے صرف ایک صاحب طرز شاعری تھے  
بلکہ ہندو ادیب بھی تھے اور اردو ادب انیسویں فراموش نہیں کر سکتا۔ "ندیم" میں ان کی  
نظم و نثر پر ہر سہولت سے نوڈالی گئی ہے کہ اس میں ہر جگہ کچھ دالے کم ہیں مگر جتنے ہیں وہ بہت  
مشہور۔ اہل قلم ہیں۔ حضرت قنادی کی خود نوشت سوانح حیات کے علاوہ ان کا ایک قابل  
قرینہ بھی شامل ہے۔ نیز ان کے ہندی کلام ان کی خوشیوں اور مرانی پرتو ہے۔ ان میں مشہور  
اساتذہ کی غلیں ہیں جو انھوں نے حضرت قنادی کے متعلق لکھی ہیں۔ اپنا شمارہ "ندیم" کی یہ پہلی  
کوشش تھی۔ قنادی کا یہاں بہت ممکن ہے اس کے بعد قنادی مرحوم کے متعلق اس سے بلند و بزر  
خاص ہر شے ہوئے۔ طبعیت کتابت اور کاغذ بہتر ہے۔ ۱۰۰ صفحہ، قیمت ۲۰

نے کا پتہ ہمارے شمارہ "ندیم"، حسین نرنگہ گیارہ، ۱۰۰ صفحہ، قیمت ۲۰

**اعجاز صدیقی**

سالِ اجلاسِ ہجری ۱۳۳۸  
نمبر ۳  
سالِ اشاعت ۱۳۳۸

تعارف

مارچ ۱۹۵۷ء

جلد ۱۵

# شاعرِ اکرۃ

ذیوہر سہستی

اعلیٰ حضرت رسوا مظلومی والی یا جود (کاٹھادار)  
علیٰ جناب سردار صدیق محمد خان صاحب یونیورسٹی

منظور شدہ

محکماتِ تعلیم صوبہ پنجاب، صوبہ مالک متوسط و ہزار  
ریاست بدواریات کثیر، حکومت مالک متحدہ اکرۃ داودہ

## چند سالانہ

لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء
لواء	لواء	لواء	لواء

ششماہی بی فی پڑھ

اشاعت گاہ

مکتبہ قصر الادب اکرۃ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱	شاعر اور شریب	۲۵	جہات
۲	حضرت ذوقِ شریب آبادی	۲۶	شخصیات
۳	ادبی لطائف	۲۷	..... کی ڈائری
۴	تجلیق و تنقید	۲۸	اصل سخن
۵	کتابیات	۲۹	نقد و نظر
۶	افسانہ و ڈراما	۳۰	شاعرۃ شاعر
۷	دل کی آواز		
۸	لاہوری		
۹	بیکار		
۱۰	شعر انطباق		
۱۱	صغیر جگ		
۱۲	تذکرہ سخن		
۱۳	ذکرِ ماضی		
۱۴	خواب حیر		
۱۵	تجدید		
۱۶	اضطراب		
۱۷	عصر حاضر		
۱۸	تجلیق و تنقید		
۱۹	افسانہ و دل		
۲۰	برال		
۲۱	سراج سخن		
۲۲	تقلید و تجدید		
۲۳	فلسفہ خیال		
۲۴	حدیث درد		
۲۵	آئینہ		
۲۶	مقالات مدیری		
۲۷	اعجازِ مدنی		
۲۸	..... کی ڈائری		
۲۹	اصل سخن		
۳۰	نقد و نظر		

# حسن مزنی و معاونین اور انیسان و ہمدان شاعر

- محسن ادب و شعر
- (۱) محسن ادب جناب محترم بابو ہرگو بند دیال صاحب نشر ہنگامی تہ سالانہ
  - (۲) محسن ادب جناب محترم مولوی محمد خان صاحب نشر خورشیدی تہ سالانہ
  - (۳) محسن ادب ہر انیسین علی حضرت کتیانہ والی بیگ صاحبہ آف جونا گڑھ ٹینٹ تہ سالانہ
  - (۴) محسن ادب زیرزادہ سبغات خان صاحب ہمدان تہ سالانہ

ہمدان ادب شعری

(۵) مربی ادب جناب محترم سید فضل کریم صاحب مالک جمشید پوٹا کیز و اسٹارڈ کیز جمشید پوٹا مالک (فہرست سالانہ)

## معاونین ادب

- (۱) معاون ادب مشعلی بی بی فہم قاری بی بی اے اکر پڑائی مالانہ
- (۲) معاون ادب جناب مولوی محبوب حسن صاحب اسی جونی روڈ (پنجی) مالانہ
- (۳) معاون ادب جناب مولوی محمد تقی صاحب بی بی اے بی بی اے مالانہ
- (۴) معاون ادب جناب مولوی دارا اختر علی صاحب کوٹلیا مالانہ
- (۵) معاون ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب نیرنگی مالانہ
- (۶) معاون ادب جناب مولوی سید علی احمد صاحب نقوی البھاری احمد آباد جگ مالانہ

## ہمدان ادب

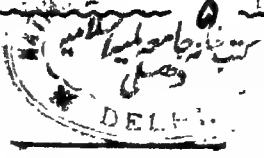
- (۱) ہمدان ادب جناب مولوی عبدالغفور صاحب سلیمان خان پری مالانہ
- (۲) ہمدان ادب محترمہ بیگم صاحبہ کرم علی صاحب لکھنوی مالانہ
- (۳) ہمدان ادب جناب مولوی محمد تقی صاحب دوق دکنی جمشید پوٹا مالانہ
- (۴) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز جونا گڑھ مالانہ
- (۵) ہمدان ادب جناب غلام علی صاحب مالک پور پری کپڑی کولار مالانہ
- (۶) ہمدان ادب جناب مولوی زادہ محمد حسین صاحب قس آف مینڈو مالانہ
- (۷) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۸) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۹) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۰) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۱) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۲) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۳) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۴) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۵) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۶) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۷) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۸) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۱۹) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۰) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۱) ہمدان ادب جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ

## خاصان ادب

- (۲۲) جناب مولوی زادہ فیض الرحمن صاحب خلق ٹوکی مالانہ
- (۲۳) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۴) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۵) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۶) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۷) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۸) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۲۹) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۰) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۱) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۲) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۳) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۴) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۵) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۶) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۷) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۸) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۳۹) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۴۰) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ
- (۴۱) جناب مولوی محمد رفیع صاحب آواز مالانہ



کلمتہ



## شعر انقلاب

اے عروسِ صوبہ ہنگال - اے سحرِ تمام  
مرکزِ فن و تجارت، مشرقِ حق و جمال  
ساحلِ ہندوستان، گوارہ امن و امان  
ایک دم سے برشاں دیکھتا ہوں میں تجھے  
ہے کبھی آتشِ فشانے سے نجاتِ سری تریں  
بھوک اور فاقوں سے پاتا ہوں تجھے اکثر نڈھال  
تیری فطری رونقوں میں پھر بھی بیداری سی ہے  
تیرے بازاروں میں اب بھی ناچتی ہے زندگی  
اب بھی ساحلِ برترے کچھ مضحکِ رعنائیاں  
اب بھی کالی کے بچہ کی نشہ در سر، دف بکف  
قعر و پوان بلند اور آسمانِ رفعت مکاں  
کارواںِ مغرب کا جب اترتا تھا ساحلِ برترے  
یاد ہے تاریخ کو ایثارِ فرمائی تری  
چاہئے دورِ گذشتہ کا کوئی ردِ عمل  
اک نئی، لمبی، گرجتی، گونجتی، انگڑائی لے  
بند کر دے بد سگالان وطن کے راستے  
ڈال دے رنگینی ماحول پر جادو کے جال  
خسلا زارِ ہند کا مشرق میں تو ہے پاسبان  
سلسلہ افراد کا مربوط ہونا چاہئے

غازہ روئے سحر - آرائشِ گیوتے شام  
مخزنِ جاہ و امارت، مصدرِ علم و کمال  
جلوہ گاہِ صبحِ رنگیں، سجدہ گاہِ ہندیاں  
شعلہ و شبنمِ بدایاں دیکھتا ہوں میں تجھے  
تیرے آنسو ہیں کبھی ہنگلی میں طوفاںِ آفریں  
کثرتِ امرا میں سے بگڑا ہوا ہے تیرا حال  
گو فوں کاری نہیں، لیکن فوں کاری سی ہے  
سبزہ زاروں پر ترے چلتی ہے اب بھی چاندنی  
صبح سے پہلے لیا کرتی تو ہیں انگڑائیاں  
رات دن گلے میں نقابِ عقیدت صفت بصفت  
اب بھی تیری عظمتِ ماضی کے ہیں افسانہ خواں  
تو نے ہندوستان کے کھلے تھے اس پر راستے  
آج کیوں بیکار ہے، پھر، کارِ فرمائی تری؟  
کیوں تری دنیا کے کیف و رنگ میں آئے غفل  
ہوں رجز کے ساتھ جس کے انقلابی پینترے  
لوٹ لے غارتگرانِ رنگ و بو کے جو صلی  
پھونک لے سب لو لے، کر دے عزائمِ پائمال  
بارِ پا جائے نہ کوئی دشمن امن و امان  
تیرا ہر اک مورچہ مضبوط ہونا چاہئے

دُور تر ساحل سے تیرے ڈوب جائے آفتاب

سیاہ اکبر آبادی

آبِ ہنگلی میں نہا کر آئے صبحِ انقلاب

# صفہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

خوں ریزی و ان گشتی خستہ ہو  
شاید یہ دور جیتے جی خستہ ہو  
اب جنگ کے بن رہے ہیں تو آلات  
ممکن ہے کہ یہ جنگ کبھی خستہ نہ ہو

یہ جنگ اصولی نہ خیالات کی جنگ  
قوت کی ہے جنگ اور نہ کمالات کی جنگ  
مفہوم ہے اس لڑائی کا صرف یہی  
انسان کی طاقت اور آلات کی جنگ

ہمسفر بھی حاکموں کا اک آگاہ ہے  
یا کہے، بدایوں کا کوئی لالہ ہے  
حاصل نہیں اختیار اک سانس پہ بھی  
اسکیم مگر دوازدہ سالہ ہے!

لے مالک قوت و حیات ابدی!  
شائستہ سُلطت و شہادت ابدی!  
دُنیا تری نا پسند ہوئی جاتی ہے  
اس جنگ سے دے اسے نجات ابدی

لے فیصلت و کبر و دیات کے چیلو  
ہے وقت کہ عقل کا سہارا ہے تو  
رہتا ہے ابھی بہت ابرار و کلال  
انسان کے خون سے نہ ہولی کھیلو

پھر صلے کے آثار چھے جاتے ہیں  
پہلو تکین کے دبے جاتے ہیں  
رفتہ رفتہ مناظر عالم جنگ  
بکھرا اور بھٹاک سے ہو کر جاتے ہیں

ہے دور فتن کی سحر و شام کچھ اور  
شاید کہ ہے عزمِ ہوسِ خام کچھ اور  
معروف ہیں یوں جنگ میں دنیا والے  
جیسے نہیں جنگ کے سوا کام کچھ اور

لندن پہ بھی فوٹاک بھاری ہے  
برلن پہ بھی سو تادن طاری ہے  
بگھڑا ہی نہیں ہے شعلہ آتش جنگ  
ہنگامہ گرم ہے کولبس جاری ہے

بکری چلے بھی ہیں، فضا ہی نہیں  
لیکن ابھی یاس سے رہائی ہی نہیں  
ہے نفع سے نقصان کا بڑ بھاری  
جاپان کو جنگ اس آئی ہی نہیں

ہوئی ہے شجاعت کی بھی دولت پیدا  
دولت سے بھی ہوئی ہے شجاعت پیدا  
لیکن جب جرحِ دونوں یک جا ہو جائیں  
ہوئی ہے زمین سے پھر طاقت پیدا

# جرم

”مسلمانان ہند کا اقتصادی زوال اور اس کا علاج“  
 آئینل باجر مغلوں میں بحث و نظر کا مرکز بنا ہوا ہے۔ عالمگیر جنگ سے پیدا شدہ  
 حالات، سیاسی الجھن اور قومی انتشار نے ہر شخص کو چھٹا دیا ہے۔ ہندوستان  
 کی جن جاعتوں اور جن قوموں کو بھارت حاصل ہے اور جو وقت کی نزاکت سے ابھی  
 طرح واقف ہیں وہ دوسرے ملک کی جھٹکا کی حالت سے سبق لیکر خارج و بہود  
 اور نظم و عمل کی طرف دور رہی ہیں لیکن مسلمان مصلحت پر طور پر کردی۔ بے ناگی  
 اور افلاس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر اس کو چھٹی حالت کو نہ سمجھا لگے  
 تو وہ دور نہ بیاہ تو وہ نہیں جب اس قوم کی اقتصادی کمزوریاں اسے کھینچتا بنا  
 بر باد کر دیں۔

مسلمانان ہند کے اقتصادی زوال اور اس کے علاج کے مسئلے میں ملک کے  
 مشہور روزہ انجائز ”زمزم“ لاہور نے ایک اہم مقدمہ اور ضروری قدم اٹھایا ہے۔  
 عام موصوف چاہتا ہے کہ اس موضوع پر ملک کے تمام اچھے لکھے والے، مفکرین  
 بزرگ، ماہرین اقتصادیات اور میدان داغ اہل قلم اپنی اپنی غور و فکر اور موجودہ  
 حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مضامین تحریر فرمائیں تاکہ انھیں ”زمزم“ میں شائع  
 کیا جائے اور مجموعی طور پر اس سے ایک نیا نمونہ کے آئندہ کے ایک لاکھ عمل  
 بنایا جاسکے تاکہ اس پر کار بند ہوا جاسکے۔ عام موصوف نے اولیٰ دوم، سیم اور  
 چارم حصے کے مضامین کے ۲۲۵ - ۱۲۵ - ۱۱۰۰ اور ۵۰ روپے کے اخلاف بھی مقرر کئے  
 ہیں تاکہ لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ اہل قلم اس طرف پوری توجہ فرمائیں  
 تاکہ ۵۰ اشاعت کے مضامین میں شاعرانہ شراپ اور حضرت فریق  
 فریادی بڑے اہم مضامین ہیں۔ اولیٰ الذکر مسفرین کی اخلاقیات اہمیت کو پیش نظر  
 کی جا چکی ہے۔ ثانی الذکر مسفرین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تلاش و تحقیق کا بخیر ہے  
 مفتی صاحب کی طرف نظر میں بھی انھیں کا حد ہے۔ یہ مخزن ہمارے لئے ادبی سیاست کا ایک  
 طوطا ہے۔ تیسرا اور چوتھا نمونہ غلام احمد قادیانی کی تلاش و تحقیق کا بخیر ہے۔  
 نہیں ہے۔ ادبی لطائف جناب سید رفیع، ماہر کی ایک دلپذیر مسفرین ہے۔ آدھونا  
 تہذیبی تحریک و مضامین کی قوت میں اور حاضر حالی ہے۔ اب کہاں لوگ بر طبیعت کے  
 حصہ نظر۔ اس تجربہ گیری اور سادہ سے کہیں زیادہ لکھنا اب اندر ہے۔ تہذیبی فائدہ ناک  
 رہنا ہے کہ تو ان میں سے کہیں کوئی بے ساختہ مادہ دیکھ کر مجھ سے کہے۔ وہ بخیر کی نظر

- شاعرانہ
- ۱۔ جناب پیرزادہ قاضی حسین الدین احمد صاحب قادیانی احمدیہ فرقہ ۳ فروری (عام)
  - ۲۔ جناب آرزو ساہوکار، ساگر ۰۰۲
  - ۳۔ جناب ہمالی محمدی ۰۰۲
  - ۴۔ جناب سید مظفر حسین صاحب گہروان دادا احمد دام ۰۱ (عام)
  - ۵۔ جناب عارف بیاگولی ۰۱
  - ۶۔ جناب ملک امین آبادی، دھرم سالار (لاکھنؤ) ۰۱
  - ۷۔ جناب صہبہ دارا غفر علی صاحب (ملک) ۰۱
  - ۸۔ جناب محمد سید علی احمد نقوی النوری، احمد آباد (جنگ) ۰۱ (عام)
  - ۹۔ جناب اکرم صیفی دھوبلی ۰۱
  - ۱۰۔ جناب محمد الدین احمد خان ادیبی، احمدیہ فرقہ ۰۱
  - ۱۱۔ جناب دیباکوش صاحب سید پیر شہان ہندستان ۰۲
  - ۱۲۔ حضرت مسلم ابیگونی ۰۱

امدادی خدمت  
 جناب عبدالنور انجمن صاحب شاعرانہ  
 جناب محمد موی محمد ارحمان خانہ کاخا صاحبہ خانہ

## شاعر اور شراب

”میرے عزیز دوست حضرت امیر القادی نے اپنے اس مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ شراب نوشی نہ تو شاعر کے فردی کام ہے نہ مضمون۔ بلکہ شربت ہے کہ توکے نے فطری احساس ہمارے ہٹے میں بھی پیدا ہوا ہے اور یہ اس نوعیت کی دوسری آواز ہے لیکن ”شراب دہاتی“ جب تک اردو شاعری کے زائید نگار ہونے کا چہرہ ہوتا ہے تو شاعر کی نگاہات کو شراب کی گندگی اور دھندلچائی کی وہین سے بچانے میں ملتا ہے۔ اسی احساس کے ماتحت سب سے پہلے حضرت علامہ سیاتب اکبر آبادی نے ۱۹۳۷ء کو ”بھاسول“ میں ہزاروں سامعین کے سامنے موضوع ”شراب“ کو اردو شاعری سے حذف کرنے کا اعلان کیا۔ ادب اب خدا کا شکر ہے کہ نہ صرف ”اگر“ اس کوئی سنگساروں پر دھارے لگا دے تو شرابی اپنے کام میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کے مصلحتات کو ذکر نہیں کرتے۔

حرفیت ہے کہ تمام شراب اس موضوع سے دست بردار ہو جائیں۔ شاعری میں شراب کا ذکر ہوگا نہ تنقید و تحریص کے جو اہم پہلو ہیں۔ جو کسی طرح شاعر کے لئے شراب چنا فردی نہیں ہے اسی طرح شراب اور اس کے مصلحتات پر ذکر کرنا بھی لازمی نہیں۔ ہزاروں موضوعات شاعری کی موجودگی میں اگر ایک موضوع جو کھانا لالہ دار شراب، عذوق ہے، حذف کر دیا جائے تو نفس شادی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتی۔

اگر شراب اور اس کے موضوعات سے کوئی تعلق نہ کیا جائے اور استعارہ متعدد ہو جائے چشم میگوں، ”غنیائے عشق“ یا صہبائے نظر وغیرہ وغیرہ تو چنداں مفادہ

نہیں، لیکن اس طرح کیا ہے کہ ہر سے رقی چلتی ہے دیکھیں اسے ملاحظہ

میں اپنا جام اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا  
مجھے اٹھانے کو آیا ہے دعا عطا ناداں  
جو اٹھ سکے تو مرا ساغیر شراب اٹھا

اعجاز صدیقی

ہے کہ باہنگ بیل کا جا رہا ہے :-

”شاعر کے لئے شراب چنا فردی ہے، شراب کے بغیر مشورہ میں  
مسکے اور قوت پیدا نہیں ہو سکتی“

اس جملے نے نوشی کا یہ اثر ہے کہ ہمارے بہت سے نوخیز شاعر اور مضمون نگار شراب نوشی  
پہنے جا رہے ہیں۔ اور یہ خیال کہ شاعری کو شکر گوئی سے خاص ربط ہے، اب بھی صورت  
اقتصاد کو تاجدار ہے۔ اسی غلط فہمی اور گمراہ خیالی کے ازالہ کے لئے چند صفحے ارباب نظر  
اور اہل ادب کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ————— اس یقین اور قریب کے  
کہ اگر آپ میرے خیال سے متفق ہوں تو اپنے طوطے میں آپ بھی ان خیالات کو عام  
کرنے کی کوشش فرمائیں۔ تمنا ایک آدمی تین لاکھ زعفران بنام نہیں دے سکتا۔ نیکی کی  
انتہا یہی طرح ممکن ہے کہ ایک دوسرے سے کہے اور دوسرے سے کہے اور دوسرے سے کہے اور  
سلطہ دہائی کے قاعدے کے مطابق ضرب لکھا جائے یا چلا جائے۔ ————— اس میں  
مضمون کے چہرے والوں کو ایک قصہ داری سونپ دیا ہے، لاش بہ لاش، وہ اصل بابت

نماز کا خونخیز اور استسباب انقلاب میں طرح کوہ ارضی کے جزائے کو تیزی کے ساتھ  
جل رہا ہے، اسی طرح خیالات اور تصورات میں عام انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ انسانی صورت  
اپنی حرکات اور اعتدال سے بچا نہ ہو سکے جس ابتلاوت اعدا قوت کے بحران نے انسان  
کو غلامی و کردار سے بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے۔ جو لوگ انقلاب کی طرف بٹنے زیادہ  
مائل ہیں، انہما ہی ان کا ٹھکانہ فحش و مباح کی طرف ہے۔ حریفانی ادیبے جانی عام  
ہم رہے ہیں، ہندوستان کی وہ خواتین جن کے آئین پر مدھر کی نگاہ بھی نہ پڑتی تھی،  
اب بے لگاؤ مضامین لکھ رہے کہ انہما دروں اور رسالوں میں چھوڑ دی ہیں جن کو پڑھ کر  
غیرت کی چٹائی حق کا درد ہو جاتی ہے ادیب سب کچھ انقلاب و ترقی کے نام پر ہٹا رہے  
کوئی درد مند ان کے اعتبار کو براہ راست کرتا ہے تو اس کو دغا دے، قدامت پرست  
اور جاہل کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بغاوت و انقلاب کا بھی جنوں کے ساتھ ادیب کی کردار ہے۔ بے جانی  
مضمون نگار بھی، ”آرٹ“ کہتے ہیں ادیب تھے، انہی جرحہ تھے



ہملا امانت آدم اور قرآنی آیت کی نشاندہی کی جا رہی ہے اور اٹھار مطلب کے لئے جام دے کے استعاروں سے کام لیا جا رہا ہے، معمولی نم کا انسان بھی بات کچھ سکتا ہے کہ وہ آسمانی شراب جو زمین پر گر پڑی اس سے مراد شراب نہیں ہو سکتی جو بیٹیوں پر تیار ہوتی ہے۔ قیاسیہ غریب و رنگین اور دل نشیں بنانے کے لئے یہ پیرایہ اختیار کیا ہے؟ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ روحانی شراب کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر شرابی شراب کا بھی ذکر کر جاتے ہیں۔ غالب کہتا ہے:-

آسودہ باد خاطر غالب کو خستہ دوست  
آیندہ باد صافی کلاب دا

گر صوفیاء نقطہ نگاہ سے اس نامی شراب کی بھی معنوی توجیہ ہو سکتی ہے کہ "بادہ صافی" سے "خالص توحید" اور کلاب سے استراحت و کثرت مراد ہے، کیونکہ:-  
"لطف ہے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی"

ہر حال یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جام و بادہ کے پرانے میں بناوٹ کو بلند اور پاکیزہ حقائق بیان کرنا ہے اور اٹھار بیان کی یہی سرسری اور رنگین شراب اور فلسفے کے نابینا تجاویز حد قائم کرتی ہے۔

**شراب نہیں پیتے تھے** | اب میں ان چند نامور اور باکمال شراکو اور مجاہد شکر شراب نوشی کی لعنت سے وہ ہمیشہ دور رہے۔

خاقانی خواجہ میر کے مشہور خلیفہ عبدالملک ابن مردانہ کے عہد میں تحصیل مشہور علی خاؤ گندھار ہے اور اس نے شراب کے موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر بہت نگاروں نے اس کی پاکیزگی کی تعریف کی ہے۔ یہی حال ابوالغائب کا ہے کہ اس نے جام چنا کو ہاتھ تک نہیں لگایا، ابوالغائب خلیفہ اور ابن الرشد کے دربار کا مشہور شاعر اور ملک شرا ابوالغائب کا اصغر تھا، ابوالغائب کی شاعری کو عربی لہجہ میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ ابن رشتین تروانی فرخ نقد کا امام تھا اور باکمال شاعر بھی تھا، میرتنگار نے ابن رشتین کو پاکیزہ، تراغی، زہاد اور بلند کردار بتلایا ہے۔

سعدی، خسرو، عارفی، جامی، حکیم سنائی، مولانا روم، ابن یسین (و غیرہ) جو آج بھی خود سخن کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ شراب نوش نہیں تھے اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ان کا مقام بہت بلند تھا، ان تمام مشاہیر نے شراب و سستی پر بہت کچھ کہا ہے مگر اس نامی شراب کی صورت تک نہیں دیکھی۔

عقودہ آزاد بلگرامی جن کی ذات عرب و عجم کے لئے ایہ نام ہے۔ عربی اور فارسی کے بہترین شاعر تھے، لیکن ان کا کردار، جائزگی کی طرح اجملا اور کجور کی انتہا تھا

نقد کردار کی بھی پاکیزگی شرکے سلیب میں دھل کر صورت مردی، اور لغز مردی بن گئی۔

مرزا مظفر جاناں خواجہ برہورد، میر تقی میر، آتش، ذوق، امیر، دلخا اور اکبر الہ آبادی (و غیرہ) بھی شراب نہیں پیتے تھے۔ حالانکہ شراب زندگی پر غلبہ نے بہت کچھ کہا ہے۔ شراب نہ پینے سے ان کے کام کی سستی کم نہیں ہوئی اور ہم آج بھی ان کے اشعار پڑھ کر سرگشتہ اور وجد کئے ہیں۔

**خدا شناس خیاں** | خیاں کے اشعار میں جام و جانا گردش کرتے تھے ان کے شیطانی اور مادیت کے پرچار پر وہ اپنے جام کے اسی رنگ سے متاثر ہو کر خیاں کی شاعری کو قبول کر لیا۔ لیکن خیاں کے زمانہ کے تذکرہ نگار خیاں کی شراب نوشی کا ذکر تک نہیں کرتے اور اس کا کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا کہ خیاں شراب پیتا تھا۔

بلکاس کے برعکس خیاں خدا شناس شاعر و عالم تھا، اس کی صحت بھی منکر و استغناء کے عالم میں واقع ہوئی، اس کی تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اتحاد، دہریت اور بے دینی کا شدید دشمن تھا، اس نے اپنے عالمانہ اور فطریہ مضامین میں خدا کے وجود کو ثابت کر کے منکرین اور متکلمین کے اعتراضات و شکوک کا ازالہ کیا ہے۔ خیاں نے اپنے مشہور رسالہ کون و تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو واجب الوجود اور علت العلل بتلایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ واجب الوجود جس طرح اپنے وجود کی علت سے بے نیاز ہے، یہ کائنات واجب الوجود کے صفت کرم کا نتیجہ ہے؟ "انقلاب ترقی" کے گوشت ہوش "من ہے ہیں"۔

**شراب نوشی سے انکار** | حضرت نظامی گنجوی چشتی صمدی بوری اور خاقانی کے ہم عصر تھے، نظامی کی ذات پر ابن خضر کہتا ہے، غنوی کے مسلّم القوت استاد تھے، نظامی ایران کے ان چند شاعروں میں سے ہیں جن کا نام بہت ہی کم حقیقت کے ساتھ لیا جاتا ہے، انہوں نے بھی تہم شاعروں کی طرح "شراب و ساقی" پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر اپنے نقطہ نگاہ کو غلطی سے واضح بھی کر دیا ہے:-

دہنداری لے خضر پر و چلے کہ از بے مرا بہت مقصود ہے  
ازاں سے بھی بخود تو راستم بیان بخود مجلس ادا ستر

مراسمی اور مدحیہ اور دبستان صبر اور خالی سے ادب نے خودی امت

دگر نہ بنیوں کا بوندہ ام

برے دامن لب نیا بوندہ ام

## نذرِ صفی

نہ مطرب نہ صبوحی نہ دورِ پیمانہ ہے تیری فہم سے بالا خودی کا میخانہ  
لہو رنگ کو تو جلتے رنگ کتاب ہے اسی لئے تو یہ آبادیاں ہیں پرانہ  
کہاں وہ لذتِ باہوہ شوکتِ جبرو خیالِ مردِ مسلمانِ فنونِ افغانہ  
یہی وہ چیز کہ کہتی ہیں نیاں پاک جو میں کیا بتاؤں روزِ حدیثِ زندانہ  
بنورِ دیکھ سوادِ بہارِ حسنِ فرنگ فقط فریبِ نقطہ ہے یہ آئینہ خانہ  
لطیف بات ہے لیکن کہوں تو کس کہوں چراغِ برق کو روشن ہو میرا کاشانہ  
گمانِ وہم کو احساس ہے نہ کہ تعبیر کہاں وہ جامِ تنہی اور کہاں یہ میخانہ  
کے خبر کہ سزاوارِ حکمرانی ہے ازل کے دن کو جو سبکی پوش گلیاں  
جنوں عشقِ گلستاں بھی یہ سبیا بھی مگر خود کی کشاکش میں جویغانہ  
”خراب ہوش“ ہیں مذاںِ باکیا زما نہ خم نہ ساتی کم سن نہ سپرِ میخانہ  
صلوٰی طبل و جلاجل ہے کسیرِ نغموں میں مجھے پسند نہیں آؤ وہ ہوتے ستانہ  
جہاں کن فیکوں یہ طلسمِ گاہ کُن مری نگاہ میں ہر زندگی کا میخانہ

شکتِ عزم ہے افسرِ فروغِ عزمِ شکت

اسی میں ہے مرے افکارِ نو کا افسانہ

افسر احمد نگری

صاف صاف فرماتے ہیں کہ شراب سے بری فرضِ مرتبہ فدی ہے اور اسی  
”خودی سے جس نے شاعری کا مجلس کو سنا اور ہے اور میں نے اپنے بول کو شراب  
سے آلودہ نہیں کیا۔“

میں نے مغرب کی تہ میں جو کچھ عرض کیا تھا اسکی حفاظت اور محتاطانہ حضرت  
نفا کی کے اشارے سے ہوئی ہے!

میں نے جن باکال شراب کو اور پریش کیا ہے، اُس سے میرا ہی مقصد ہے کہ  
بہت سے شاعر شرابیہ گذرے ہیں جو شراب نہیں پیئے تھے اور اُن کے کلام میں سستی  
اور زورِ جملہ تم پایا جاتا ہے۔ یہ خیال نہ مرنے بلکہ گراہ کن اور غرمانہ ہے کہ شاعر  
کے لئے شراب چنانچہ خودی ہے وہ شراب و سکی برآمدی اور برے کے ہمارے اپنے کلام  
میں سستی اور زور پیدا کرتے ہیں۔ اُن کے کلام کی زندگی بھی شراب کے نشہ کی زندگی سے  
نہادہ نہیں۔! بہت سے بہت ایک دات کہ خدا ترا اور سستی غائب۔!

یہ چند سطریں ایک دو خط و زاپہ نے نہیں بلکہ ایک درو مند گناہگار نے ایک خاص  
احساس کے ساتھ پرتو کی ہیں۔ فرضِ طنز و تومین نہیں ملاحہ حال ہے۔

مغرب کے تہاں میں ہے مٹانے نفس نے  
شاعر! تو سے سیزہ میں نفس ہو کہ نہیں ہے

انسانیت ”بوسے شراب“ کے تھن ہے پچھو گھر چلے ہے اور آج گلستاں جلا  
کو ایسے ہی نفس پر روز کی مروت ہے کہ کل دلا لے کی آگ بھڑک اٹھے، کیونکہ:-

بے سحر، وہ دنیا میں ابھرتی نہیں تو میں

جو ضرب کبھی نہیں دکھا وہ ہنر کیا

ماہر القادری

مشاعرہ شاعر:- مصرع طرح برائے ماہِ مئی شکر

”خودی پسند کبھی بخودی نہیں ہوتی“

بخودی۔ زندگی وغیرہ قوافی نہیں ہوتی دین  
نہیں۔ مغرب کی تہ میں جہاں شاعر کو کس نے صرف منتقل فرما دیا ہے جس کے ہیں  
فرمانِ بفرمادہ جو انفرادی ہے۔ شاعر خراشِ قند سے آزاد ہیں۔ چہ چھ





عکرم صاحب اور شہید پر بجائی اور ہم عقیدہ رکھنے لگے وہ بات ہی ایسی کیا ہے جسکا جواب مولانا محمد اسماعیل ندوستانی نے دیا ہے اس پر ہر دو میں بحث خوب رہی، ہر دو کے مزاج پر ہم سے ہونے لگے۔ عکرم صاحب نے یہ رنگ دیکر کربلا میں شہر طے کی اور چلے ہوئے یہ شہر پڑا ہے

لے نام آرزو کا تو دل کو نکالیں

تو من نہ ہوں جو ربط رکھیں ہم بھی تو کم

علامہ فرقہ اور آرزو پر دو کھس دیکھتے تھے۔ دو ایک دن بعد یادداشتی عکرم صاحب کے گھر گئے اور دوست کو مشاغل سے انھوں نے فی البدیہہ کہا۔

بھائی تھی دلی میں اب نہ ملیں گے کسی ہم

پر کیا کہیں کہ ہو گئے ناچار (چ) سے ہم

علامہ نے ایک نثرنا غالب سے کہا معرفت۔ قدر کے ہونے کا نیکے کچھ تو آخرت کے لئے نیکی کا کام کر لو تو خدا چاہے۔ لگے ہاتھوں جواب لے لو۔ وہ مسکرائے اور کہا فریاض کیا کام ایسا ہے۔ آپ نے کہا فارسی میں وہاں یوں کے خلاف ایک فتویٰ لکھ دو جس میں آئیں گے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید اور خاکسار مولوی شاہ محمد اسماعیل کو مخاطب کر کے امتناع ختم البین کے مسئلہ کو زیادہ شرع و دلبط کے ساتھ بیان کر دو۔ اس مسئلہ میں شاہ صاحب کی یہ رائے تھی کہ ختم البین کا شل منفع بالذات اور منفع بالقریب ہے۔ منفع بالذات نہیں ہے۔ یعنی آخرت منفع کا شل اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پید ہونا آپ کی غایت کے منافی ہے اس لئے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پید ہونے کا شل ہی منفع بالذات ہوا۔ منفع بالقریب منفع کا شل اس لئے کہ اس کا پید ہونا آپ کی غایت کے منافی ہے اس لئے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ختم البین کا شل بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے فتویٰ لکھ دیا تو جہالت میں فتویٰ کے سلسلہ میں چھی فتویٰ ہے۔

علامہ فتویٰ دیکھ کے خوش نہیں ہوئے بلکہ چارچہ یا ہو گئے۔ مرزا کو نہ شاہ صاحب سے خصومت تھی اور اس کے مخالفوں سے تعلق بلکہ مراد دوست کی، معاویہ کی مقصود تھی چنانچہ علامہ کے کہنے سننے سے کچھ اور اشارہ کا اظہار کر کے دوست کو رضامند کر دیا۔

**بھجور کی روانگی** عکرم کے بعد بڑبڑنی کٹری میں اپنے آپ کو تبدیل کرالیا۔ مگر یہاں بھی دیکھ بے رنگ تھا۔ یہ وہ دن مزارع واقع

ہوئے تھے۔ حکام تھے تنگ مزارع حفظ مراتب کہاں۔ اور باب علم اور بے علم سب ایک آکھ دیکھ جلتے۔ علامہ نے استغنی دیا۔ نواب فیض محمد خاں۔ رئیس جوہرے پانچ دلو

ماہنامہ صدارت کے لئے پیش کیا اور قعدہ دانی کے ساتھ اپنے پاس بٹلا دہلی سے روانگی کے وقت دلیہر سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر نے اپنا بیوس دو شاہ علامہ کو آڑا دیا اور وقت رخصت آپ دیدہ پر کے کہا چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں۔ میرے لئے بھجور کے کوئی چارہ کار نہیں کہیں ہم بھی اسکو منظور کروں مگر خدا صلہ ہے کہ لفظ دواع زبان بولانا دشوار ہے

ایک عرصہ تک بھجور سے بھر اور ہمارا رہنے بولایا۔ کچھ دنوں بعد سہارن پور قیام رہا۔ نواب ٹونک کے پاس بھی رہے۔ نواب پوسٹ ملنی خاں نے رام پور بٹلایا۔ خود تلمذ اختیار کیا اور محکمہ نظامت اور مراد قعدہ التیس میں شملک کو دے گئے۔ نواب سب چلایا نے بھی کچھ آپ سے پڑھا۔ آٹھ دس برس رہنے کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں صدر الصدور ہو گئے۔

مولوی رحمن علیاں تذکرہ علامہ ہند میں اپنا شاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے سترہ سالہ میں بیٹھام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ حدوشی کی حالت میں شہر خاں بھی کھینچے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو افغان البین کا درس اس فوجی سے دیتے تھے کہ مصداق کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے

**ادیب** فضل و کمال و علی مشیت سے علامہ جس قدر منزلت کے شخص تھے اسکی نظر ہندوستان میں مشکل سے لگے۔ علوم معقول کے نو

امام تھے ہی۔ علم ادب جو عرصہ کا بڑا جوہر سے اس میں وہ کمال پایا کہ عرب کے معاصر خواہے گوئے سبقت لے گئے۔ علامہ کو عربی نظم پر پڑی قدرت حاصل تھی۔

چاند بڑا سے زاد اہل خاد کے۔ مولانا غوث علی شاہ قلندر واقعہ بیان کرتے تھے کہ علامہ نے ایک قصیدہ عربی میں امرا انیس کے ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کو سنائے کہ لے گئے۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں انھوں نے میں اشرار متوہدین کے پڑھ دیے۔ مولانا فضل امام بھی اس وقت وہاں موجود تھے وہ فرماتے تھے کہ بس حدادب علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم لغیر حدیث تو ہے نہیں۔ فن شاعری ہے۔ اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بر فورہ دار تم بچ کہتے ہو بلکہ سہو ہو گئے

علامہ عربی کے سوا فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے۔ فرقہ تخلص تھا۔ یہ شہر طے فرقہ در کجہ لفظی بارہا نامساں ناسلمتی ہنوز

لے آب جہان صفحہ ۸۸۱ء انتخاب یادگار شہزادہ عبدالعزیز دہلی ۲۹ء تذکرہ سیر اعلیٰ مرتبہ حکیم بہار الدین مدنی گواہی لگے تذکرہ غوثیہ از مولانا گل حسن شاہ پانی پتی شہر گلزار یادگار

۱۳۳۲  
۱۳۳۱

پریشان تھا ان سے ہمدردی بھی تھی۔ کہے تو کیا کہے، ظاہر یہ  
ہو رہا تھا کہ ان کی ہمدردی اور اکیلے جواب تھے۔ چنانچہ  
پیر کو رخصتی کر کے احمد نیر آبادی کے گھنٹے سے بدھنم علی خیر آبادی  
کے نام پر فریاد۔ یہ خط لکھا۔

"ذاتی دو چند و ذہانت کہ جناب مخدوم والا خوال بحسب  
تقدیر جیسے جس شدہ از بین پور بکھڑا رہے رو بکاری صفائی  
روانہ کو وہ شدہ اندہ بانی نیچہ پر گئی ہم از خیرات انہما سر دوز  
سختن جیو کہ امر دوز فردا بفضل تعالیٰ رہائی خواہند روزگار  
ادائے شہادت صفائی مولوی صاحب کرم کوئی نی بخش صاحب  
(فریادی مام سطر کے پوچھا) شفقتی مولوی قادر بخش صاحب  
دو فروردہ مولوی بدھنم حسین بوجہ دوست (شخص العلما)  
مولوی عبدالحی سمیت انہاں دو بکھڑا شدہ اندہ بیکار والا امید  
از خدا کے کرم است دیگر روز بلخورد مصلحتی یافتہ وارد دولخانہ  
خواہد شد و تعالیٰ ہم جنس کند ہر از فرود کلاں دوز و فانات چشم  
راہ اشتغال و کثرت وہ بجا شدہ روز و شبے غم دارند از بدو دل و دل  
برجیس کال رحم خود فرزند۔"

ادھر سے دلی آئی وہ دن تھا۔ آپ نے اپنے ادیبانہ الام لئے تھے ان کو  
ایک ایک کر کے روک دیا اور جس تجربے تو نے کی خبر کی اس کے بیان کی تو سن و تصدیق کی  
اور فرما بیٹے اس گواہ سے کہ کیا تھا اور بدوٹ بالکل صحیح لکھائی تھی اب عدالت  
یہ ماری صورت دیکھ کے مرحوب ماہوگ اور صحت بولا۔ وہ تو ہی جمع ہے مرا لکھا ہوا  
ہے اور آج اس وقت بھی مری وہی راستے سے چلے آ رہے ہیں بدھنم سے بدھنم  
کے ساتھ عدالت نے صحت دوام کا حکم سنایا۔ آپ نے شرت سے منظور کیا۔ یہ سچ آپ کو  
کام لکھ چکا تھا۔ مذکورہ خط میں اسکا ذکر اس طرح ہے۔

"برادر من تادہ عشرہ بسبب عدم ہمدردی حال میں غافلانہ اند  
عالیہ آدمی خاص مفرد کو وہ فریاد کی شد کہ جواب ثانی یا بدو حال  
پر طال جناب مولوی افضل حق صاحب از لکھنؤ میں عرصہ وقت  
آہ لائی کہ گریستہ وادیا کہ دن است میری صحت دوام از نیک و حکم  
صحت وقت خود یا وہ داحتر و تعالیٰ رحم فرماید۔"

محرمہ بستم فروری مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ  
انہاں پہنچے مولانا خدای علی خیر آبادی اپنے استاد کی زانیہ تھے کہ ٹوٹا

کو خدمت ذیل درج کی دی گئی تھی۔

جس پر ٹیڈنٹ ایکٹریٹ انگریز تھا۔ مرقی علوم سے واقف اور فن بیت کا ماہر  
تھا اسکی پیش میں ایک مزا یافتہ سووی تھا۔ اپنی تصنیف کتاب بیت کی جو فاضل میں  
تھی وہ ان کو دی کہ جہاد صحیح و درست کو دیں۔ مولوی صاحب سے تو کام چلا نہیں۔  
علامہ شمس نے تھے ایک سال ہی گذر تھا ان کو وہ کتاب دی اور کہا مولانا آپ اس کو  
درست کو دیں چنانچہ علامہ نے اسکی جہاد درست کی اور صلوات میں بہت کچھ اضافہ  
کر دیا اور صاحب میں کثیر التعداد کتب کے حوالہ لکھے جب یہ کتاب مولوی صاحب  
پر ٹیڈنٹ کے پاس سے گئے وہ دیکھ کر حیران و ششدر ہو گیا اور اس نے کہا مولوی  
صاحب تم بالائن آدمی ہے۔ مگر میں تم بوس کے والہ ہیں اور ان کی جہاد میں جو نقل ہیں  
یہاں کہاں ہیں۔ مولوی صاحب سکرانے اور اصل وافر علامہ کا کہنا تھا وہ اس وقت  
مولوی صاحب کو لیکے بارگ میں آیا۔ علامہ نے نہیں کچھ اختلاف کے بعد بھی ٹوٹا لکھ  
میں دہلے پہلے آ رہے ہیں۔ وہ یہ بیت دیکھ کے انہوں میں انہو پر لایا اور حدیث  
کی اور کٹر کی سے لیا اور ٹیڈنٹ میں ان کی لغزش کی۔ ادھر علامہ کے ساتھ جہاد  
مولوی شمس الحق دموی اور علامہ کے فری حوزہ خان بہادر مفتی انعام اللہ گڑھی  
کے داماد مفتی خواجہ غلام غوث بھٹو خان بہادر و علامہ ریشی لغت سربل و شالی  
صوبہ اودھ سرگرمی تھے بدھنم آزاد آدمی حاصل کیا اور مولوی شمس الحق انہاں روانہ  
ہو گئے وہاں جہاد سے انہو نے شہر میں گئے تو ایک جائزہ نظر لیا اس کے ساتھ بڑا اندھا  
تھا، انہوں نے پوچھا تو علامہ ہوا کہ کل ۱۷ صفر انظر شدہ کو علامہ اشتعال ہو گیا اب  
پر دھاک کرنے جارہے ہیں۔ یہ بھی براہ ہو گئے اور مفتی و فاضل بدھنم و شمس لکھے۔

چند عری شریعت غیر سے نقل ہیں سے

هو انك اكا بنیاء آخر ہمدردی ختمہ البیوت و اشل عا اکل اجم  
وہ پہلا بھی ہے اور آخر انہاں ہے اوس پر عام ہوئی فوت اور اس شریعت ہولی  
قد ختمہ البیاری باوصاف غلی لہر عطا اکل احداث و انشدھا  
فاضل کیا اسکا اللہ تعالیٰ نے ساتھ برقی صفوں کہ سر پہلے وہ اوصاف بھلوں اور انہوں کو

الجنس لغائی شرح جو اہر الصالی

**تصانیف** اترجہ تہذیب کلام تحقیق مفیدہ الاجام، حاشیہ قاضی مبارک حاشیہ  
انق البین، حاشیہ فیض الشفا، بدھنم فی لکنت الطیر، روضہ الجود فی تحقیق الوجود، رسالہ  
مبحث قاطبہ نور باس، رسالہ تحقیق علم و علوم، تاریخ احوال، ایام گذران و انصیفات  
کے علاوہ خطبہ و خطبہ غری شہر میں سے زائد ہیں۔ **انتظام اللہ شہابی**  
لے بر ملا تھے تذکرہ تصنیف از مولوی ایام اللہ شہابی کو ہوا

## ادبی لطائف

مولانا آخن مارہروی مرحوم کو دنیا ایک شاعر و ادیب کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ خوش ذاتی و خوشی میں ان کی فطرت میں بدبو نہ تھی، مولانا مرحوم شاعرانہ کمالات اور فنی اقتدار کے دوش بدوش، اپنی بذلت بھی اور مزاج کے بہت سے ایسے واقعات بھی ہمارے ذہن میں فرماتے ہیں جو اگرچہ ہمارے معمولی اور روزمرہ باتوں سے آگے کچھ نہیں لیکن ان کے ان ماحول، عقیدت مند اور احباب کے لئے جو ان کو محض ایک شاعر و شاعرانہ فن کی حیثیت سے جانتے تھے، لطیف و کیف کا باعث ہوئے۔ کچھ لطیفے ناظرین شاعر بھی نہ کر لطف اٹھائیں :-

— (۱) —

”ایک روز مولانا آخن مارہروی مرحوم اپنے ایک قریبی عزیز سے کسی فغانی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے بات اتنی بڑھی کہ جاہلین میں براہِ فحش و فحش کے آثار پیدا ہوئے۔ حساس مرحوم کو ہوا بات ہی بات میں رشتہ دارانہ فطرت کو ختم کرنے وارانہ ہوا اور مولانا مرحوم کچھ نرم ہو گئے۔ مخالف عزیز برابر غصائی فرماتے رہے بالآخر دور اس گفتگو کے لئے فرمایا کہ آپ کو نہیں معلوم میں جو دو خاندان ہوں۔“ متبادل نے مگر کہا کہ اگر آپ جو دو خاندان ہیں تو بندہ کلی فغان ہے، اس جواب پر مولانا مرحوم کی طبع مزاح پر مجبور ہوئی اور جواباً غامضی کے لئے فرمایا کہ جواب اگر کل فغان ہیں تو۔

کُلِّ مَنِّ عَلَيْهِمَا خَانَ

اب پرستہ جواب کا نتیجہ دیکھا گیا کہ جو آثارِ کدورت پیدا ہو چکے تھے وہ بیک وقت ختم ہو گئے۔ جاہلین جو گرم و نرم گفتگو کر رہے تھے پہلے لگانے لگے۔

— (۲) —

مولانا مرحوم ایک روز اپنے ایک بزرگ کے ہمراہ ایک عزیز کے یہاں نشر و تفریق کے لئے ایک ایسے مقام پر بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے جو زمانہ ڈولڑھی سے متصل تھا، مولانا مرحوم کے ہمراہی مالک مکان سے ایک بہت بڑا زمانہ گفتگو فرما رہے تھے یہ ایک زمانہ خانہ سے ایک محفل پر آمد ہوئی اور خانہ کو آواز دے کر کسی کام کو کہ مولانا کے ہمراہی نے دیانت کیا کہ یہ کون ہے، فالہ مرحوم نے جواباً یہاں خاوند لطف ہے وہ محفل ملی گئی، تھوڑی دیر کے بعد پھر آئی اور دوسرے بات کرنے لگی۔ بزرگ نے پھر یہ کہ مولانا لطف و محفل کی کئی کئی بار ملازم سے باتیں کرنے لگی۔ بزرگ نے

جس طرح ہم کوئی اچھا نہیں سمجھتے ہیں تو ہمارا داغ اس کی لذت سے براہِ دست شائع ہو کر ہمارے دوسرے قواسمِ شاعرانہ کو لذت گیر کر دیتا ہے بالکل اسی طرح جب کسی بزرگ و لطیف گوئی زبان سے کوئی جملہ یا پر لطف فقرہ ادا ہوتا ہے تو ہمارا دل باوجود ہم پروردگی و افسردگی ایک عجیب قسم کے کیف میں ڈوب جاتا ہے، آٹھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک پر لطف بات مختلف جہان پر مختلف اثرات مرتب کرتی ہے یعنی جس بات سے ایک شخص غصہ و خزاں یا پر مجبور ہو جاتا ہے تو دوسرا اسی بات کی سماعت پر معمولی سکراہٹ سے بھی تسکیم کی پوری رائی نہیں کر سکتا۔

ہمارا اردو ادب صدائے حق کے لطائف و فرائض سے محروم ہے۔ لطائف ہر ذیل اور فرائض کا اپنی صداقت کے باوجود بعض محبتوں میں گنگا کوئی کا باعث ہیں لیکن ان کا وجود کسی حد تک سنجیدگی پر مبنی ہے اور ان کی جگہ ایک نوع کی دوسری سنجیدہ ادب یعنی فرائض سے چمکی ہے چنانچہ اس دور میں خرافات و غیرتوں کی جگہ - اردو ادب میں کی نہیں بلکہ فرائض اور ادب کا دل پر سند و شعور ہو چکا ہے۔ درج ذیل باتیں ہم اپنی فرائض و فرائض کا دعوت و قبولیت کو ذریعہ بناتے ہوئے ہیں۔ رشتہ مندرجہ کی بعض باتیں اشعار میں مذکور ہیں ان کے زیرِ عنوان کچھ اشعار ہیں ایک مفہوم یعنی انتظامِ انداز صاحبِ شہابی کے کہ بادی کا شاعر ہو چکا ہے۔ جس میں مومن نے بعض بات کے مفہوم کو شاعرانہ لطائف ادبی پیش کرتے ہیں اور اس طرح شاعر کے فانی و ادبی اثرات میں سنجیدہ خزانہ کا نیاب کھولتے، یہ باب اگر ادبی حدود سے اندر ہی رہے تو جتنا بعثت و فزونی ہے۔ عام لوگوں سے قطع نظر اگر ادبی خاقان کے واسطے افراد کی بڑی توجہ محبتوں کا تجزیہ کیا جائے تو بہت سی معمولی باتیں جو وہ روزمرہ آپس کے ہنسی خاقان میں کیا کرتے ہیں۔ مفید و پر لطف ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایک ادیب یا شاعر جو عام محبتوں میں محض ایک شاعر و ادیب کی حیثیت رکھتا ہے جب اپنے احباب و ہم خاقان اعز کی محبتوں میں شریک ہو جاتا ہے تو اس کا وہی دل و دماغ جو عام محبتوں میں شانت و سنجیدگی سے آراستہ ہوتا ہے اس سے مختلف محبت میں خوشی و فزونی دلی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور ایسے مواقع کی لطیفہ گوئی اور حاضر و ابال اپنی گہرائی مفہوم و وسعت خیال کے اعتبار سے اس قابل ہوا کرتی ہیں کہ ان کو سمجھا جائے اور ان سے پورا پورا لطف اٹھایا جائے۔

جودا ہی طبیعت رکھتے تھے پھر بولے کون، جواب دیا گیا کہ "الطعن"۔ افریقہ کے ایک  
 طرح وہ خادمہ چار باغی دفعہ دروازہ پر آ کر مولانا کے ہر کسی کے محلِ محبت ہوئی اور ہر  
 انھوں نے پوچھا کہ کون، ایک دفعہ مولانا آئی اور مولانا کے ہر کسی نے حسبِ معمول  
 دریافت کیا کہ کون تو مولانا اس ہر بار کے استغفار سے پریشان ہو گئے جو باہر طرز  
 مزاج بھگتے خادمہ کا نام "لطعن" لینے کے ہوتے اٹھنا، اس سماعی قافیہ پائی سے  
 وہ بزرگ ایسے خاموش ہوتے کہ پھر لطعن کہی جاتی لیکن انھوں نے پھر نہ کہا کہ کون۔

— (۳) —

ماہر سے میں ایک کہنہ مشاق حضرت یوسف حسن صاحبِ عیش ہیں۔ نہایت  
 پر مذاق اور لطیف گو ذرا غصے میں، مولانا مرحوم سے ہمیشہ بر لطف تھے، ہر بار کہتی تھیں  
 قہر صاحب کا رنگہ مال بہ باہمی ہے، ایک دفعہ چاہے یہاں معلوم کر ہا کی یاد  
 میں بھل گئی، حضرت عیش پڑھنے کے لئے مجھ پر پڑے، وہ ایک بندہ ہی پڑھے تھے  
 کہ گیس کی روشنی کم ہونا شروع ہو گئی، خادمہ اٹھا اور گیس کو درست کرنے لگا  
 لیکن گیس کی روشنی کسی طرح درست نہ ہوئی بلکہ کم ہی ہوئی گئی، مجلس میں بے ادبی  
 پیدا ہو چکی تھی کہ مولانا مرحوم ایک طرف کھڑے تھے فوراً بولے "اب کو ششیں  
 بکرا میں نہیں کالے کے آگے چراغ جلتا ہے، اس جلا پر تمام محفل پھرنے لگی۔"

— (۴) —

مولانا مرحوم کے ایک عزیز کی کفایت شادی نکاحات تک ہوئے تھے اور مولانا  
 ان کے محلِ پر ہمیشہ ریز رہا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے ایک لڑکے کو بزرگِ تعلیم  
 علی گڑھ مولانا مرحوم کی زیرِ نگرانی رکھا، ایک دفعہ وہ حضرت اپنے لڑکے کے لئے ایک  
 شہزادائی سلوا کر گئے اور مولانا مرحوم کے ملنے لڑکے کو بہنا کر دیکھا، شہزادائی لڑکے  
 کے ڈھیلی اور نیچی تھی، مولانا مرحوم بہ دیکھ کر بولے کہ بیٹے کو بکین بوائی تو اس میں بھی  
 نکل کو ہاتھ سے نہ دیا، ان حضرت نے حیرت سے پوچھا کہ یا حضرت اس میں کیا نکل  
 لیکن کا ڈھیلی اور نیچا ہونا تو سچا دت اور فصولِ عجمی پر دلیل ہے، مولانا جس کے  
 بولے کہ غلط ہے لیکن اس لئے ڈھیلی اور نیچی بوائی تھی ہے کہ آئندہ سال دوری  
 لیکن کی ضرورت نہ ہو بلکہ لڑکا دت تک اسی لیکن کو بہنا ہے، اس حاضر جوابی اور  
 کٹر رہی پر ہنس گئے اور لڑکے کے باپ خاموش ہو گئے۔

— (۵) —

ایک دفعہ مولانا مرحوم کے ایک بدایونی عقیدت مند پرہیزگاروں ہی کے بعض لوگوں  
 نے کسی محلے پر مقدمہ دائر کر دیا وہ پریشان ہو کر مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ میں  
 نکلدار کی وجہ سے بہت محروم ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ درمیان میں پرکھ لیں کہ جو

یا میرا تبادلہ دیا ہوں سے کہیں دوسری جگہ کرادیتے، اس معاملے میں بدایوں کے لوگوں  
 کی افزائش اور دوستی اور دوستی نہ دشمنی و خیر و کلا بہت کچھ دکھایا اور کہا کہ جس ملک  
 کے یہاں مقدمہ ہے اس کو معاشی خط لکھ دیجئے اور مجھے ایک ایسا ذلیل بنا دیجئے جو  
 میں دورانِ مقدمہ میں پڑھتا ہوں اور بدایونی حضرات کی دشمنی سے نجات پالوں۔  
 مولانا نے معاشی خط اسی وقت لکھ کر ان کو دے دیا لیکن جب ان عقیدت مند  
 نے پڑھنے کے لئے ذلیل پوچھا تو خاموش ہو گئے اور ہر ناکہ کے بعد صدقِ دل سے  
 دعا کرنے لگے کہ یا لیکن وہ عقیدت مند بدایونی حضرات کی ہر باتوں سے کچھ  
 ایسے پریشان نہ تھے کہ مولانا کے سر ہو گئے اور برابر اصرار کرتے رہے کہ مجھے کوئی  
 غنائی ذلیل بھی پڑھنے کے لئے بنادیا جائے۔ مولانا نے بہت مالا، جب وہ  
 کسی صورت نہ مانے تو بڑے اچھا جس روز مقدمہ کی جہی ہو تو عدالت میں جا کر تو  
 ہر قدم پر یہ حد کرتے جانا کہ:-

"میری قیمت میں بدایوں تھا"

مولانا اس حاضر جوابی سے وہ عقیدت مند حیرت زدہ ہو گئے اور بے حاضری  
 ہنس گئے۔ ناظرین "شاعر" لفظ قیمت اور بدایوں پر غور فرما کر لطف اٹھائیں۔

— (۶) —

ماہر سے میں ایک خاندان ہے جس کے افراد کے نام لفظِ الہی پر ختم ہوتے  
 ہیں مثلاً داد الہی، نور الہی، رفعت الہی وغیرہ وغیرہ، اسی خاندان کے ایک  
 شخص دالدار مرحوم سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور جب بھی ان کے لڑکا چلتا تھا  
 تو مولانا مرحوم سے نام لکھا جاتا تھا، اس طرح سات لڑکے ہوئے اور سب  
 نام مولانا مرحوم ہی لے گئے، اتفاق سے ایک دفعہ مولانا مرحوم کسی جگہ میں بیٹھے تھے  
 وہ حضرت آیت اللہ علیہ السلام کے لکل شب کو میرے یہاں رہا ہوا ہے اس کا نام کھجور  
 مولانا نے فرمایا کہ اس وقت میں دوسرے خیال میں ہوں۔ اطمینان سے سوچ کر  
 نام رکھ دوں گا۔ وہ حضرت مولانا کے سر ہو گئے کہ نہیں سچی وقت نام رکھ دیجئے۔  
 بہت مالا جب وہ نہ گئے تو مولانا نے کہا کہ یا تمہارے روز کیجئے ہوئے ہیں۔ میں کہا  
 تک الہی کے قافیہ پر نام رکھوں اچھا ہاں اس بچہ کا نام رکھ لو "بس لہی"۔

— (۷) —

مولانا مرحوم کے احباب میں جو دہری فادری حسن صاحب مارہروی کو اپنے  
 علی خاق کی بنا پر خصوصیت حاصل تھی اور جو دہری صاحب نگور مولانا مرحوم کے  
 حاضر مجلس تھے۔ روزِ مہر و شام مولانا شریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رمضان  
 کا نہ تھا، جو دہری صاحب خلافِ معمول صبح کو تشریف لائے۔ آدمی بھیجا گیا،

جواب میں جو دہری صاحب نے سات شمول کا ایک قطعہ لکھ کر بھیجا اور عاضی سے مندرجہ چابی، قطعہ یہ تھا:-

## ذکرِ ماضی

ماضی کا ذکر جیٹھ نہ لے ہوتا کہ میں  
دہ دن نشاط خیز، وہ راتیں مفروریز  
دہ حسن و عشق کا آفتاب نہ طیف  
دہ موسم بہار میں نفاذِ چمن  
گردوں پہ ایک چاند نہیں بھی ایک چاند  
پھیلا ہوا ہر ایک طرف نور اور سرور  
بٹھا ہوا ہوں حشر کا سال لے ہو کر  
درد اور اضطراب کا دزل لے ہو کر  
صبا کا رنگ کینٹ فراہاں لے ہو کر  
ہر اک روشن پہ سر و خال لے ہو کر  
دہ سوز غم پہ جلوہ خنداں لے ہو کر  
پنہام آہستہ ادا لے جاں لے ہو کر

فرستے شاید مرا امروز  
دافہ اس کہ دانت می گویم  
فاورے اذائقہ کرندہ است  
تا جہاں روز و روزہ آگزر  
عرض عالم نمند باید خواند  
لطیف فرا و ہر دافسر کن  
ایں قطعہ است و غزل حضرت  
عرض حال ادیب بدنام است

یہ نظم و قوج مولانا کو طوائف وقت پر حسبہ سات شرار قلم فرما کر پینچاٹ یا

قطعہ یا لفظ پر سید  
نوبہ جام و من جام قلم  
عاجتے مروت و اس گبر  
طالب جام نہ خواہش من  
می رسد تا بہ شام نظاری  
چوں خود خفید صورت ظاہر  
ارجمتاً جوایش از قلم است  
ہر یک از کار خویش ز کام است  
عاجتے ہر سرین بجام است  
بد تلاش شبہ بقد جام است  
کہ ہنوز آں قلم خوش قلم است  
کہ دل بندہ صید و دام است

عرض حالت نمند کے ماند

کہ نگاہ اسیر بر دام است

گنجی ہوئی فضاؤں میں نعمات کی صدا  
چلے ہوئے شباب کے ارماں لے ہوئے  
ضیافت آبادی۔ ایم۔ اے

## خوابِ حسین

آج پھر روح میں آگ سی لگتی ہو  
یہ سکوت لب کسار، یہ کھٹی ہوئی روت  
کتنی کاوش ہے مجھے مینے ہوئے غم خود  
ایک نکتے پہ ٹھہر جاتی ہے کوہن کی بھین  
بروہ ابر میں جیسے کوئی محبوب کرن  
آہ! وہ میرے بھٹکے ہوئے نام جیل  
دل کی گہرائی میں ہوں کی صدا آتی ہے  
یاد دیتے ہوئے کلمات کی زبانی ہے  
بھلا ارباب خود تم پہ ہنسی آتی ہے  
عشق میں عین الہی بھی تو جانی ہے  
دو نظارے کچھ ہر طرح کی شرماتی ہے  
میری غلطی تو مگر خواب کو دہرائی ہے

آگیا ذہن میں مجھ کسی کا فر کا خیال  
کائنات ایک حسین خواب بنی جاتی ہے

مجھے تصدیق ایم لے جانی

ابنہ کے ایک دلیل صاحب سے مولانا کے قاص تعلقات تھے، اکثر مولانا کے مقدس  
کی وکالت دہی فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ماہر سے تشریف لائے، مولانا نے ان کی  
دعوت کر دی، دعوت کے دوران میں جسی خان شریع ہو گیا، کھانا کچھ اتنا لذیذ تھا  
کہ دین صاحب نے ان کی تشریف ذمہ داریوں فرمائی، مولانا آپ سے یہاں کھانا انا  
لذیذا دہا کھا یا کہ ہم نے گویا اپنا بقایا مختار بھر پایا، مولانا مرحوم نے جواب دیا  
بہا علی انشاؤ کی:-

مکملوں میں دیکھو میں بہت کھاتے  
مگر جو دعوت مشیر از کار دہ ہو  
مقدم ان میں زیر نقد مختار ہے  
وہ مختار نہیں ہے مختار ہے

یہ رفیقِ خلیفہ حضرت حسن ماسہری

## تردید

اک عمرے جسکا دھڑکا تھا بالآخر وہ دن آہی گیا  
 کہتے ہیں تمہاری شادی ہے سنتا ہوں کہ کچھ مغموم سی ہو  
 عارض کے شگفتہ پھولوں کا وہ رنگ نہیں وہ روپ نہیں  
 اُرتی سی خبر اک یہ بھی ہے دیے تو بہت مسرور ہو تم  
 گر بار نہ ہو تو یہ پوچھوں لے ماہِ لکڑی کی سی میں ہو ؟  
 خیر آؤ تباہیوں میں ہی تمہیں یہ راز بھی میں ہی فاش کروں  
 یہ ڈر ہے تمہیں میں جوش میں آکر کیا جانے کیا کر بیٹھوں  
 ہاں تم نے مجھے سمجھا ہی نہیں آج اسکی شکایت کرتا ہوں  
 ناکام محبت کی باتیں سمجھیں کہ ابھی میں سمجھاؤں ؟  
 جانے دو تمہارا نازک دل لائیگا نہ تاب عزم ہرگز  
 لے لے میرے خیالوں کی ملکہ لے میرے سُپنوں کی رانی  
 دل خون کے آنسو روئیگا کھیلے گا تبسم ہونٹوں پر  
 ہاں جان گونا آسان ہے اور زندہ رہنا مشکل ہے  
 تم دیکھنا میری زندہ دلی جب "اُن" سے تعارف ہوگا مرا  
 گو خون رگوں میں کھولیگا اور جوش میں بازو پھولیں گے  
 پھر عہدِ تمنا کی یادیں کچھ اور جگہ برمائیں گی  
 قسربان گمراہ الفت کی قسم ہر جذبے کو بہلا لوں گا

مضمون تمناؤں کے محلِ بیدرد زمانہ ڈھا ہی گیا  
 چُپ چُپ سی ہمیشہ رہتی ہو بس زار سی ہو مظلوم سی ہو  
 جب بھی تمہیں دیکھاؤں دکھا کھوئی ہوئی نظریں میں جبیں  
 کچھ سوچ بڑا بھاری ہے مگر کچھ سوچنے پر مجبور ہو تم  
 لے جانِ تنہا رُوح و فناء حورِ اداس سوچ میں ہو ؟  
 وہ سوچ جو اتنا بھاری ہے اُس سوچ کا باعث میں ہی ہوں  
 اُن کتنا غلط سمجھی ہو تم میں اور تمہیں رسوا کر دوں  
 میں تم سے محبت کرتا ہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں  
 جو شعلے بجھتے ہیں دل میں ان شعلوں کو کیا بجھو کا دل ؟  
 احساسِ مظلوم کا اپنے نازِ بست نہ ہوگا کم ہرگز  
 اس سانچہ جانکاہ کو بھی جھیلوں گا بخندہ پیشانی  
 ایک شخص کی دُنیا لٹتی ہے ہوگی نہ کسی کو بھی یہ خبر  
 تا عمر جلن انگاروں کی ہنس ہنس کر ہنسنا مشکل ہے  
 ہے نورِ خوش اخلاق بہت یہ تم سے کہیں گے وہ "بخدا  
 کیا یہ ہے؟ یہی ہے برابرِ قیامِ الفاظِ بیل میں دھڑکیں گے  
 ہاں مار دے یا خود مر جا" کی پہلو سے صدائیں آئیں گی  
 طوفانِ جنوں سے کھیلوں گا اور اس موقع کو ٹالوں گا

ہے خالق اکبر سے یہ دُعا تم شاد رہو آباد رہو  
 راس آئیں یہ زینِ زنجیریں بے فکر رہو آزاد رہو  
 نورِ بخوری

# اضطراب

آسمان آگ اگتا ہے زمیں پا جیتی ہے  
موت کی زیت کے چہرے پہ نظر کا جیتی ہے  
بھوک بیکار نگاہوں سے ہیں بھا جیتی ہے

تم مگر میرے لئے عشق و وفا لائی ہو  
بن کہے کیوں مری خلوت میں چلی آئی ہو؟

پونچیاں چاہتی ہیں جھوٹے کھیتوں کا لہو  
آنکھ غم میں ہے برزِ غم و جام و سیو  
عصمتیں بیٹے کر رکھی ہیں وقف من و تو

اور تم میرے خیالات پہ لہرائی ہو  
بن کہے کیوں مری خلوت میں چلی آئی ہو؟

یہ سسگئے ہوئے آنسو یہ سسکیں آہیں  
جھوٹوں سے یہ محلات کو جانی راہیں  
حُسن کی گردنِ نازک میں ہوس کی باہیں

اس کے کیوں میرے جذبات پہ تم بھائی ہو  
بن کہے کیوں مری خلوت میں چلی آئی ہو؟

زلف بچا ہے کہ زخم ہے زنداؤں کی  
حُسنِ باہشتی ہے کینت ہے بھانڈوں کی  
اور ہنسی کو ہے ریاساڑھ صنفی ٹول کی

کیا تم اس بھیس پہ لینے کبھی شرمائی ہو  
بن کہے کیوں مری خلوت میں چلی آئی ہو؟

ہوس جاہ بھکی پڑتی ہے بیماروں پر  
کھنڈ بوجھ ہے گئی موٹی دیواروں پر  
زندگی و نشی ہے ہونکتے انکاروں پر

تم مگر حُسن کو پھولوں میں بسا لائی ہو  
بن کہے کیوں مری خلوت میں چلی آئی ہو؟

کسمپا ہوا جون کر شہنا ہوا ناگ  
بھلا تا سب جہنم کہ کھلتی ہوئی آگ  
پر ہوس جسم کہ ہنوں میں الاپا ہوا ناگ

مجھ کو صیغے کی غنا تھی کہ تم آئی ہو  
بن کہے کیوں مری خلوت میں چلی آئی ہو؟

آدم تم آہی گئی ہو تو کوئی کام کریں  
مردہ اجسام میں اب خون نہیں آگ بھریں  
پائے ناموس کو افلاک سے اونچا کریں

آج بیکار بنو، بد توں شہنائی ہو  
کٹنا اچھا ہوا تم خود ہی چلی آئی ہو؟ الطاف شہدی



## عصر حاضر

اب نظر آتے نہیں شمس و قمر کے کارواں  
 یک کشتی جا رہی ہے آفتوں کے دریاں  
 یوں تو سب کہتے ہیں یہ گلستاں یہ بوستاں  
 پاتال و بکیں و آفت لب و دشت بجاں  
 پہلے جس سے جوش مینا آتی تھی روح کارواں  
 یوں شکار و ہم کبتک اسے مریض ناتواں  
 آ رہی ہے پھر سحر پیغام بیداری لئے  
 گھن گرج توپوں کی آتی ہیں صدائیں دمدم  
 صور کی آواز ہے یا نغمہ بانگ درا  
 رات دن ڈھلتے ہیں اب چنچوں میں عباسی کے اگ  
 ٹوٹتے جلتے ہیں سحر اگر سب و سائیں  
 پھینک کر ناہید نے بھی بربط و جنگ و رباب  
 بھیک ملتی ہے فیروں کو وطن کے نام پر  
 سامنے ہے ان کسانوں کے بھی روٹی کا سوال  
 خوف سے اندھی کے قبل از وقت تنکے اڑ گئے  
 اپنی منقادوں سے جو کار عمل لینے کو ہیں

بڑھ کر ماہر پانوں سے لگ کر ظفر یابی چلے  
 اٹھ کر تیرے ہاتھ میں ہونٹ و نصرت کا نشان  
 اقبال ماہر الہ بادی

# دل کی آواز

(شہرہ آفاق امریکن مصنف "ایڈگر ایلین پو" کا ایک شاہکار افسانہ)

ابا ہر دو فرماہ بن گیا تھا جس کا قبل ازیں کبھی نہیں بنا تھا۔ روزانہ نصف شب کے قریب میں آہستہ سے اُس کے کمرہ کا دروازہ کھولتا تھا۔ بہت ہی آہستہ اور جب میں دروازہ اس قدر کھولتا تھا کہ اُس پر اندازہ نہ ہو سکتا تھا کہ میں ایک چوہا لٹین کو اندر لے جاتا جس کی روشنی اُس پر بالکل نہیں پڑتی تھی۔ پچھلے میں اپنا سر اٹھاتا تھا۔ آہستہ، بہت آہستہ۔ کہ کہیں میری یہ حرکت بڑے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو۔ اتنی دھڑک اپنا سر اٹھانے سے میں کہیں بستر پر سے ہوتے بڑے کو دکھ سکوں، مجھے ایک گھنٹہ سے کم نہیں گئی تھا۔ یہ تمام کام میں اس قدر چالاکی اور ہوشیاری سے کرتا تھا کہ اگر تم دیکھنے تو ہنس پڑتے۔ اور پھر میں مجھے دہانہ کہتے ہو۔ پگل کھینچے ہو۔ اندر جانے کے بعد نہایت اطمینان اور صفائی سے اپنی لائٹن کا ڈھکن ایک طرف کو ڈرا سا۔ بہت ہی ذرا سا کھولتا تھا۔ اتنا ذرا سا کہ روشنی کی صرف ایک شعاع نکل کر اُس کے سر پر آگے پر پڑتی تھی۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت سات راتوں تک مسلسل میں نے یہ کام کیا۔ مگر مجھے ہمیشہ اسکی وہ آگے بند میں ملتا تھا۔ اسی لئے تو میں اپنا کام پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ ڈھکا میرے لئے اذیت دیا تھا، میری آنکھیں تھکتی تھکیں تو اُس پر شرم و خجستہ اپنا بھی چھوڑنا چاہتا تھا۔ میں صبح کو دروازہ اُس کے پاس جاتا اور اُس سے خوب کھل کر کہتا کہ اگر تم نے اُس سے یہ بھی دریافت کرنا کہ رات کیسے گزری؟ اس کے باوجود وہی اگر اسے اس بات کا شک تھا کہ میں دروازہ نصف شب کے درمیان اس کے کمرہ میں جاتا ہوں تو اُس کے عین خیال نہ تھا کہ میں نے کوئی ٹنگ و شب نہیں کیا جاسکتا۔ آٹھویں شب کو دروازہ کھولنے کے وقت میں بہت زیادہ محتاط و ملحوظ تھا۔ میرے ہاتھ گھڑی کی بوٹیوں سے بھی زیادہ حسست رفتار کی گھڑی کی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ اُس رات سے پختہ مجھے کبھی بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں اس قدر محتاط اعدائے باغی ہو رہا ہوں۔ میں اس بات پر قہر و اضطراب محسوس کر رہا تھا کہ میں اتنی آہستہ کی آواز سے دروازہ کھول رہا ہوں کہ اُس کے فرشتوں کو بھی میرے افکار و دعائے پاکہ دار و اعمال کا علم نہیں ہو سکتا۔ مجھے بے اختیار ہنس آگئی۔ اور شاید اُس نے یہ

مجھ بالکل صحیح۔ میں گھبرا گیا تھا، بہت ہی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھ پر اب بھی خوف دہرا اس اور دہشت و مراسمت کی کیفیت طاری ہے۔ یہ درست ہے مگر تم لوگ یہ کیوں کہتے ہو کہ میں دیوانہ ہوں؟ آخر کیوں؟ کیوں اُس بیماری سے میرے احساسات میں یہ عجائیبی شے پیدا کر رہا تھا۔ میری قوتِ حسیہ کو غیر معمولی طور پر تیز کر دیا تھا۔ سب سے زیادہ میری قوتِ حسیہ فروں سے فروں تیز ہو گئی تھی۔ اب محسوس ہوتا تھا کہ میں بناوشت کی بہت سی باتیں سن رہا ہوں۔ میں جہنم کی بھی بہت سی باتیں سننے لگا تھا۔ تم مجھے پگل کیوں کہتے ہو۔ سنو اور دیکھو کہ میں کس قدر اطمینان سکون سے اپنی آپ بیتی سناتا ہوں۔ مگر پھر مجھے پگل نہ کہنا۔ میرے دل میں اس شخص کے پیدا ہونے کی ابتدا ملتی تھی؟ یہ بتانا ناممکن ہے البتہ ایک تیز دل میں پیدا ہونے کے بعد۔ مجھے شب و روز پریشان کرنے لگا۔ یہ نہ تو کوئی بغض تھا اور نہ عداوت و دشمنی یا طیش و غضب۔ مجھے اُس پر بڑے سے افسانہ تھا۔ اُس نے مجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا، نہ میری کبھی ذہنی ہی کی تھی اُس کے سبب زندگی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچائی تھی۔ شاید اُس کی آگے۔ ہاں ٹھیک یہی بات تھی۔ اُس کی ایک آگے گھر کی آگے جیسی تھی۔ نیلی بلی اور اس پر دھنچکا سا جلا۔ میری طرف وہ جب کبھی گھر کر دیکھتا تو مجھے دگوں میں غور و خجستہ محسوس ہونے لگتا۔ اُس آگے سے پچھلے گھڑنے کے لئے اُس بڑے کو مار ڈالنے کے سوا اسے کوئی ملازمت میری گھر میں نہ آیا اور بالآخر میں نے اسکی جان لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔

نہرا خود و خمر سے کام لو۔ تم لوگ مجھے دیوانہ کہتے بیٹھے ہو۔ دیوانہ کچھ نہیں جانتا بڑھتا۔ لیکن تم دیکھو گے کہ میں نے کس قدر ہوشیاری و خبرداری کتنی چالاکی و حیا کی یاد رکھی صفائی و دھلگی سے اپنے کام کو ختم کیا لیکن تک پہنچا۔ جس روز میں نے اسے شام کا کام دیا تھا اس سے ایک ہفتہ پہلے میں اسکا





## لاجنتی

معلوم ہوئے — میں خود بھی سنی ٹیم سے قریب میں گرمیوں تک کے لئے ٹھہر گیا۔ اور شول میں ٹھہرنے کا ارادہ منوی کر دیا

میرا دوست دیک سب بالکل کارہنہ والا تھا۔ وہ یہاں گرمیوں میں آیا تھا اسکی حالت بہت خراب تھی اور مرض شدید تر۔

اُسے تمام کھیلوں سے نفرت تھی اور کئی برس کے علاوہ دنیا میں اُسے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی اور پھر تنہائی میں جبکہ روح کی تمام کھڑکیاں کھل جاتی ہیں۔ ایک سنجیدہ انسان کے لئے مطالعہ سے بڑھ کر دوسری چیز ہو ہی کیا کہنی ہے۔ وہ تمام دن بیٹھے لیٹے پڑھا کرتا تھا۔ خدا معلوم سنی ٹیم کی فضا میں رہ کر اس نے کتنی کتابیں بیٹھے لیٹے پڑھ لیں۔ رات کو جبکہ پورے سنی ٹیم کی کھیلوں کی گوری جاتی تھیں لیکن وہ بیچے مکمل بھی پڑھا ہی دیتا تھا جبکہ دوسرے مریض نہیں لگائے میں خود رہتے۔ اکثر کتابوں کی ورق گردانی میں وہ ایسا مصروف رہتا جیسے کوئی سائنسدان جس کی پختی تمام زندگی ایک ایسی دوا کی تلاش کے لئے وقف کر دی ہو جسکی لا علاج مرض کا علاج بن سکے۔

آخر کار اسکا انجام وہی ہوا جو ہوسکتا تھا۔ وہ روز بروز زرد رہنے لگا اسکی آنکھیں ہر وقت خواب آلود رہنے لگیں، ہر وقت اسکے اعصاب پر ایک بڑبڑاہٹ کی سی چھائی رہتی اور پھر پھر وہ اسقدر کمزور ہو گیا کہ جوانی کے تمام آثار اُس سے جیسے سے مفقود ہو گئے۔ یہاں تک کہ بھائی سنی ٹیم چھوڑ کر اپنے آخری علاج پالشین گئے تھے یہاں آنا پڑا۔ اُس کے آنے کے کچھ عرصہ بعد ایک اور رفیقہ دہلی سے یہاں آئی۔

لاجنتی ایک پنجابی گھڑی کی ٹوکی تھی۔ بیماری کو مرض گویا ورثہ ہی میں ملا تھا۔ اسکی ماں جوانی ہی میں اس جانشینہ مرض میں مبتلا تھی۔ لیکن لاجنتی نے مرض کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ اسکی طبیعت پھلنے سے کافی تیز ہو گئی۔

اس سنی ٹیم میں داخل ہونے سے قبل وہ ایک عرصہ بعد ہوش مزاج لو کی تھی۔ اُسے پہاڑی تنگ انتہائی دلچسپی تھی اور وہ ہمیشہ ہوش رہا کرتی تھی لیکن وہ حق کے جراثیم نے اُس پر قبضہ کر کے اسکے سرور و خولی کو کھڑک کر دیا، وہ ہر وقت سست رہنے لگی۔ یہاں تک کہ اُسے خون آنے لگا لیکن جب سے وہ اس سنی ٹیم میں داخل ہوئی تھی اسکی حالت روز بروز بہتر ہوتی جا رہی تھی اور ڈاکٹر اسکی تدریجی علاج پر جو حیرت کی کمی جبکہ کی

میں دور سے دریائے نیل کو دیکھ رہا تھا جو ایک اطراف و شہزادہ کی طرح چلتی ہوئی پہاڑ سے جیسے میدان میں بہہ رہی تھی۔ جب بری نگاہ یکایک بائیں جانب پھرتی تو ایک سفید اور عالیشان عمارت نظر آتی جو فاصلہ کی وجہ سے ایک سفید بگلے کی مانند معلوم ہو رہی تھی۔ میرے پہاڑی نوکر نے بتایا کہ یہ سنی ٹیم ہے جہاں حق جیسے لاعلاج مرض کا علاج ہوتا ہے۔ ..... لا علاج مرض میں نے ایک بار اُس سے کہا، ہاں باوجودی یہ مرض ہی بہت مودی ہے لیکن میں نے ہر سال بیسیوں مریض اس سنی ٹیم سے تندرست ہو کر جانے دیکھے ہیں، جو ان بدست لوگوں کے جن کو خون تقریباً سب کا سب دق کے جو اثر پر مار رہا ہو چکا ہے اور جن کے بعد ٹیم کو یہ تکلیف سے نظر نہ آنے والے جراثیم اپنی خوراک بنا ڈالتے ہیں۔ وہ بیماریاں اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں اور یہ جراثیم ان کا خون چوسا کرتے ہیں، اُس نے ایک بار پھر یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔

کئی نام ہے اس سنی ٹیم کا، میں نے اُس سے دریافت کیا۔ نام تو مجھے یاد نہیں پڑتا۔ کوئی بڑا سا نام ہے لیکن وہاں کے ڈاکٹر کا نام جانتا ہوں۔ بہت مشہور ڈاکٹر ہے۔ میرا ایک بھائی وہاں ڈاڑھ پونے تیس ڈاکٹر جو جوت ہے نام سنتا ہوں عیسائی ہیں اور ان کے ہاتھوں میں حضرت عیسیٰ جی شفا ہے۔

ڈاکٹر جو جوت، ٹھیک ہی نام ہے۔ میرے دوست دیک نے ایک بار اپنے خط میں یہ نام لکھا تھا۔ خدا معلوم اب وہ کیسا ہے تین سال سے اسکا کوئی خط نہیں آیا میرا خیال ہے وہ خود اسی سنی ٹیم میں ہے۔ میں آج ہی خام کو وہاں جاؤنگا۔

صرف پھر میل کا فاصلہ ہے باوجودی ہم آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ اُسی مقام کو میں اپنے پہاڑی نوکر مت رام کے ساتھ سنی ٹیم پہنچا میرے دوست دیک کا چہرہ آسانی سے معلوم ہو گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی شرم ہوئی کہ وہ کافی تندرست تھا۔ اُسکی زبانانی معلوم ہوا کہ یہ سنی ٹیم حال ہی میں قائم ہوا ہے اور اس سے قبل وہ بھائی میں تھا لیکن ڈاکٹر جو جوت کا نام سن کر یہاں گیا اور اب اسکی حالت بہت اچھی ہے — مجھے اندر بھی بہت حالات

نہایتی۔ ذہن کی بہتری اور اسکے چرو کی سُرخمی سے جاں پوری تھی۔ بہت ہی خوش تھے۔ اُسے اُسے ہونے لگی تھی۔ وہ روز ہونے لگے کہ اُنکی ملاقات دیکھ سے ہوئی جبکہ ایک لفظ شام کے وقت (AFTERNOON) (۱۹۲۵ء) کی طرف بیٹھے ہوئے ان کو ہستی منظر کا لطف اٹھا رہے تھے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ایک خواب کی مانند لہرے ہوئے تھے۔

چند دن گزر گئے کہ بعد میں شناسائی کی دوسری منزل اُن پہنچی۔ اب دونوں گھر سے دوست ہو گئے تھے۔

لاہوتی کی سرتوں کی کوئی انتہا نہ تھی کہ اُس نے اپنے گھر سے استفادہ۔

ایسے مکدہ حوال میں ایک دوست حاصل کیا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خیال انتہائی سرتاگزر بھی تھا کہ اُنکے اچھے ہو جانے کے بعد اُنکی یہ دوستی اور محبت انھیں اس حوال کی یاد دلایا کہ وہ کسی جہ میں اُن کی تخلیق ہوئی تھی لیکن دیکھ کا یہ خیال نہ تھا، حالانکہ وہ بہت بڑی وقت ارادی کا مالک تھا اور وہ ایک لمحے کے لئے اپنے آپ کو کھلی نہ ہونے دیتا لیکن پھر بھی وہ اپنی زندگی سے ناواقف تھا۔ اسکے مطالعہ اور تبارک نے اُسے بھی بنا یا تھا کہ وہ فی بعض حالات میں ادا کو ترقی طور پر بھی دہیں تو اُنکی زندگی دنیا کی رنگ و بو کے عام زندہ لوگوں سے بالکل مختلف اور نازک ترین ہوتی ہے جیسے ایک شیشہ کا گلاس جسکی ہر طرف حفاظت کی جاتی ہے لیکن اگر کبھی یہ نہیں سکتا اور گرتا ضرور ہے۔ اسکا خیال تھا کہ اسکے گھر والوں نے اسکو یہاں بھیج کر اسکا دستہ صاف کر دیا ہے اور اُنکی کے بعد اُنکے دو اسی خواہشات کے مطابق ہیں سے بسر کرے گا اور اسکے گھر والے بھی ایک حد تک اسکی ہر وقت کی تیار داری سے محظوظ رہیں گے۔ دیکھ اُس زندہ خوب صورت لڑکی کو ایک مرد جذبہ کے ماتحت دیکھا کرتا تھا اور اس میں اس کو ایک خاص لطف محسوس ہوتا کہ وہ اسکی زندگی کا ایک جزو بن رہی تھی لیکن کب، جبکہ اسکی زندگی کی بہت حد تک یہ تھی اور جو ایک مولیٰ جوتا بھی اُسے منتشر کرنے کے لئے کافی تھا۔ ہر حال اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ جہاں بھی جائیگا لاہوتی کو اپنے ساتھ لے جائیگا اور اس طرح وہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہونگے۔

ایک شام جبکہ بادل آسمان پر آوارہ اور پریشان تھے۔ دن کی روشنی رات کی سیاسی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ تمام چیزوں پر ایک دھند لگا سا چھا رہا تھا۔ لاہوتی اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی چھت سے ٹھٹھکی لگائے ہوئے تھی۔ دیکھ کے قریب ہی کسی پر بیٹھا تھا وہ کچھ کچھ لہہ ہی تھی جب کہ تمہاں سے کچھ گشتہ اُداس اور تنہا کی محسوس کرتی تھی۔ اکثر تو دن کاٹے میں کٹے تھے اور میں سو جا کرتی تھی

اگر میں گریوں سے قبل اچھی نہ ہوتی تو شاید میں کبھی اچھی نہ ہو سکتی۔ تم جانتے ہی ہو گئی ہم ریلوں کے لئے کتنی مفر ہوتی ہے۔ گلاب۔ اب ریلوں پر باتوں کا خیال کیوں کروں میں جلد ہی صحت یاب ہو کر خوش خوش اپنے گھر جاؤ گی اور اپنے خاندان والوں سے جا ملو گی۔ آہ مجھے کتنی عذراں کتنی شاق ہے اُن برسے والدین۔ تم خیال ہی نہیں کر سکتے کہ مجھے کتنی چاہیے ہے۔ او

میرے تمام اچھا بچا۔ مجھی اور ماہوں مانی؟ ..... لاہوتی خاموش ہو گئی۔ دیکھ جو اسکی باتوں کو بہت فور سے نہ دیکھا، ایک خشک اور پیکے انداز سے بولا: ہاں کتنی جاؤ تھوڑی باتیں کافی دلچسپ ہیں۔

میں سب کچھ کہہ چکی۔ سچ تو یہ ہے اپنے احسانات کا اظہار کبھی نہیں سکتی۔

میں بہت خوش ہوں۔ بہت ..... لیکن یہ خوشی کب تک لاہوتی؟

دیکھ نے پوچھا۔

لاہوتی اس سوال سے چونک سی پڑی۔ کب تک؟ یعنی اسوقت تک جب تک میں زندہ رہو گی۔

پھر اسے جلد دیکھ نے پوچھا،

"اس کے بعد شاید میں مر جاؤ گی لاہوتی نے کہا" اور برا خیال ہے یہ

تمہارے سرت کا باعث ہو گا۔

دیکھ کھڑا ہو گیا، اور اپنے سامنے خشکی سرسبز ہزاروں کو دیکھنے پڑ کر بولا: ہاں شاید دنیا کو..... آئندہ صدیوں کو اور تاریخ کو تمہارے آج میں

بلکہ عرصہ جلد مرنے سے بہت بڑا فائدہ ہو گا!

اس سے تمہارا مطلب؟ میں سمجھتی ہوں تم چاہتے ہو کہ میں بھی مر جاؤں۔

ہاں..... بالکل یہی..... دیکھ نے لاہوتی کی طرف رخ کر کے

ہوئے کہا..... دیکھ لاہوتی حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو یہ دنیا ہے کے لائق؟

اور نہ ہماری زندگی جینے کے قابل..... یہ زندگی کیا ہے؟ جانتی ہو.....

یہاں ہم لوگ ہزار ہا ماحول چیزوں کے لئے سر ابد و جہد رہتے ہیں لیکن

وہ دنیا نہیں کیونکہ جلد ہی ہم کو موت کا جام پینا پڑتا ہے۔ ہم خدا معلوم کتنی مولیٰ

معمولی چیزوں کے لئے اپنی زندگی خرچ کر لیتے ہیں گویا انھیں پالنے اور دیکھنے ہی پر

ہماری زندگی کا اٹھارہ ہے اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے ہیں تو ہم بہت سزا

ہوئے ہیں اور اگر نہیں تو بہت محوم ہو جاتے ہیں..... لیکن کل..... جب ہم

اس دنیا میں نہ رہیں گے تب بھی یہاں کی تمام چیزیں اس طرح جاری رہیں گی، اگر با

ہمارا ہونا نہ ہو نا تو دونوں اس کے لئے یکساں ہیں، لہذا کامیابی اور ناکامی خوشی

اور میں سب کا تہہ ایک ہی ثابت ہوا اور پھر کتنے مرتبہ تم مرنے کے بعد یاد کرو گی  
چندے ..... اور وہ بھی اگر تم یاد کی گئیں اور پھر اس وقت تم

وہاں ہو گی جہاں لوگوں کے خیال کو بھی یاد نہیں اور تم لوگوں کی ہمدردی اور بڑی  
دور سے بے خبر ہو گی، لیکن لا جوئی کبھی تم نے اس وقت کا بھی خیال کیا ہے۔

جب تمہارے بال سفید ہو جائیں گے، کمر خم ہو جائے گی، نہیں خدا معلوم کتنے بچوں  
اور متعلیمن کی راکھی منارفت برداشت کو فراموش ہے گی۔ ممکن ہے آج تم شیخ آجمن اور

روح فضل بن سکولین اس وقت لوگ تمہاری محبت سے گریز کریں گے۔ نہیں اپنے آرم  
کے لئے خدمتگار رکھتے ہیں گے، بشطرت تم اس قابل ہو میں خدمت تمہاری بات تک

پہنچنے والا کوئی نہ ہو گا۔ آنکھوں کی بنائی جاتی رہے گی اور کوئی زندگی کی راہ میں  
راست بنائے والا تک نہ ہو گا۔ اس وقت تم اپنے بھائیوں کو گی اور ویک —

ایک غیر دلچسپ اور پھر ان ہو گا جسے تمام دنیا مٹھلی ہو چکے ہونگے  
زندگی میں پراپیک باؤ گراں ہو گی اور زندہ رہیگا صرف اس لئے کہ نہیں ستر

دیدہ حال ہو ..... سوچو لا جوئی کیا تم ان تکلیف دہ آیام کو برداشت  
کر سکتی؟ اب کی بہت ناک خاموشی تمہارے غصے سے دل میں خضر پراؤ گی اور

تمہارا مذاق آڑا ہو گی، لیکن ابھی وقت باقی ہے نہیں کیا ہے تم اب بھی اس تکلیف  
اور سبب ناک مستقبل سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہو

کیا نزع کی تکلیفوں کا مزاجیہ موت دے لے جاتی میں  
کیا لطف جنازہ اٹھنے میں، ہر گام چھب نام نہ ہوا

(جو شش)  
بس دیکھ اب ہندو رو اپنا فلسفہ حیات۔ لا جوئی نے پریشان ہو کر کہا۔

میں نے نہیں ایک اسی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔ اب تم خود اپنے لئے انتخاب  
کر سکتی ہو۔

جونی کی موت باڑا ہے کی چوٹی ادب سے مفر زندگی  
اس کے چھو کر سے منہ شست ناک خاموشی بھاگتی اور دھندلے میں جا رہی جوئی

کی عبادی سانس کی آواز ناک دینے کی دیکھ کی اتنی سنگین نظر اس کے لئے بہت  
قوت آزمائش ہوئی اور اس کے ذہن میں ایک مہمان پیدا ہو گیا۔

دھیرے دھیرے یہ مہمان ختم ہوا حتیٰ کہ اس کا داغ اس پر اگندگی سے  
خالی ہو گیا اور وہ سب معمول ہو گئی۔ اس وقت اسکی سانس ایک بجے کی سانس کی مانند

جلد ہی تھی۔ دیکھ جب چاہ کر کسی سے اٹھا اور خوابہ لا جوئی کی پٹائی کو  
آہستہ سے چوم کر خاموشی سے باہر چلا۔

کچھ دیر کے بعد ایک نام کو جیکر بہت بارش ہو چکی تھی اور کام کاجات بھراوان  
چیزوں کے جگوان کی ہاتھوں نے ڈھاک ڈھاک مچا دیا۔ مچل کر کھڑی تھی۔ چوڑے بڑے

درخت سبز ز معلوم ہو رہے تھے۔ تینوں ڈیم کا چھوٹا سا پتھر جہاں کھڑے تھا۔  
حتیٰ کہ گیندوں کی تیروں تک پراپیک دھندلے مچلے بالکل صاف تھا اور حد تک

چیزیں صاف نظر آ رہی تھیں درختوں سے ڈھکی ہوئی ہار پائل ناداب نظر آ رہی تھیں  
سورج کی آغوش بھلائی ہوئی شاخیں تیروں پر پڑے ہوئے فطرت کو شگس کر کے

عجب سماں پیدا کر رہی تھیں۔ پانی کے قطرے چپکے چپکے نیچوں سے گر رہے  
تھے۔ مغرب کی جانب آتی تھیں رنگ میں دھکا ہوا تھا، لیکن دوسری سمت زیادہ

بادل گھناؤنا شروع ہو گئے تھے اور تاریکی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔  
دیکھ اور لا جوئی سب معمول کیا تھا۔ لا جوئی کھڑکی کے پاس کھڑی

ہوئی ان مناظر کا لطف اٹھا رہی تھی۔ یکایک جوا کا ایک ہونکا چلا اور دیکھے ہی  
دیکھتے بادش شروع ہو گئی۔ دیکھنے آگے کھڑکی بند کر دی اور چند لمحوں بعد پانی

کی دھاریں شیشوں پر بھی نظر آئے لگیں۔  
آؤ کا لا جوئی نے خود ہی سے خطاب ہو کر کہا — اور کچھ لمحوں میں

گیا بھی کرتی تھی اور فوراً ہی دم مڑوں میں ایک فنل کا شروع کر دی جو  
اس وقت اس کے جب حال تھی۔

جیسے ہی اس نے کان فٹ کیا اس پر ایک رفت سی طاری ہو گئی۔ اس نے انہیں  
کونے ہونے اپنا سر کھڑکی کی چوٹ پر رکھ دیا۔ اس وقت اس کی بھار جانی سسکیا

بھر رہی تھی۔ دیکھ لے نا اور اس سے خطاب ہو کر کہا۔  
آؤ لا جوئی، ہم نا سید سے اس جوہ سے ایک اُمید بیاں

زندگی کے اس مختصر خواب کے بعد ہم ایک ایسی دنیا میں بیدار ہو کر اٹھیں جو  
جہاں مٹن ہی مٹن، محبت ہی محبت اور آزادی ہی آزادی ہو گی وہاں ہم

اور تم لامحدود مدت کے لئے ساتھ رہیں گے۔  
جوئی اس نے اپنا غم ختم کیا ایک غیر مٹن رو شنی اسکی آنکھوں میں چھلکی

وہ بیٹھ گیا لیکن لا جوئی دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے بدستور کھڑی رہی۔  
یکایک دیکھ پھر اٹھا اور لا جوئی نے قریب آ کر اس کے پُر زور طریقہ

پر کہا۔ لا جوئی میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں نہیں کائنات کی ہر چیز سے زیادہ  
غیر سمجھتا ہوں لیکن مجھے تمہارے لب تلین۔ تمہاری جوانی اور تمہاری خوش

کی جو س نہیں۔ کیونکہ تمہارے ہونٹوں کی یہ غل، تمہاری جوانی کا یہ نور اور تمہارے  
جسم کی یہ لطافت و نرمی تک قائم نہ رہے گی۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ تم مجھے

آئندہ زندگی میں تمنا نہ چھوڑو اور اس دوسری دنیا کا جہاں ہیں ہیٹ رہنا ہے اپنی  
مدم بودگی سے تیرا نہ بننا۔۔۔ لا جوئی۔۔۔ کو کہ تم مجھے ان  
چھوٹوں کے پاس بے یار و همکار نہ چھوڑ دو گی۔۔۔ کو کہ تم وہاں میرے  
ساتھ ساتھ چلو گی۔

”ہاں۔۔۔ تم یہاں رہنا کبھی بھی پسند نہیں کرو گی“  
لا جوئی نے غصے سے مخاطب ہو کر کہا۔

بہادر لا جوئی کبھی نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔

اس کے بعد اسکی حالت روز بروز خراب ہونے لگی۔ حرارت تیز ہو گئی۔  
ہو کہ ختم ہو گئی۔۔۔ ذرن روز بروز کم ہونے لگا۔۔۔ ہر وقت ایک  
تکوان ایک شستی سی اس پر غالب رہنے لگی۔ گالوں کی سرخی غائب ہو کر پھر  
دہیں چلی گئی جاسے آئی تھی۔۔۔ چھوٹی زبردگی آجکی تھی۔۔۔ ڈاکٹر  
اسکی اس حالت سے بہت پریشان تھے۔ ان کا خیال تھا لا جوئی ضرور دیر پزیر  
کرتی ہے۔۔۔ وہ جرات تھے کہ اسکی غیر معمولی تبدیلی کی کیا وجہ ہے۔ شاید وہ  
نیں جانتے تھے کہ جب کسی کو زندگی کی خواہش نہیں رہتی تو تیرہ ہفت دو دن  
بھی بیکار ثابت ہوتی ہیں۔ گویا شروع ہوئی۔ لا جوئی کی حالت پہلے سے بھی بدتر  
ہونے لگی اور معلوم ہوتا تھا کہ اب اسکا وقت ختم ہونے کو ہے۔

ایک شام وہ اس دنیائے رنگ و بو سے کوڑھ کر گئی۔ اپنی غامضی سے بے  
وہ سو رہی ہے۔ آہ جوانی کا یہ خواب اس طرح اپنی غمخیزی میں ختم ہو گیا۔  
اسکے اشعار کے کچھ ٹکڑے بدل دیکر اس کے بستر کے پاس گیا اور بہت  
چپکے سے جس کو مرثیہ لا جوئی ہی سن سکتی تھی اس کے کان میں کہا  
”لا جوئی دیکھو تم مجھ سے پہلے جا رہی ہو۔ وہاں میرا انتظار نہ کرنا۔ تم سے پہلے ہوئی  
چاندنی میں جو میں مارا تھا وہ دیکھا کہ پاس میں تھا۔ اس موذی مرض میں کھل کھل کر رہنے  
سے آج تمہیں نجات مل رہی ہے۔ سچ جاؤ آج تمہاری زندگی کا پہلا دن شروع ہو گا۔

اچھا خدا حافظ لا جوئی

برادرت دیکھ لیکن زندہ ہے لیکن اسکو زندگی کی خواہش نہیں۔ وہ اپنے کو بالکل  
بھول چکا ہے۔ لا جوئی کی موت کو ابھی عرف چلایا کا صدمہ ہے۔ دیکھ لے کھڑے  
کہا کہ میں کی موت کی سالگرہ کی لائے رکھو۔ ادرم دیکھو گے کہ میں اپنی موت کیلئے  
بھی بدین خیمہ کو لگاؤ۔ جو میری مائیں لا جوئی کا تھا۔

خدا معلوم کہنی دیکھ لے کھڑے کھڑے۔ کو عرف متغیل ہی بنا سکا ہو۔

سید عرف علی فہمی الہ آبادی

## تبرکات

(ردیٹ بن الفاضلین)

بھوری ہستی کو اُجڑا ہوا رخسار  
دشت بے کتے ہیں وہاں کمال صاحب  
چل کوئی کا عالم ہو ساقی آجکلے  
جب ذکر تکمل ہے بیانی فاطمہ کا  
یعنی ہیں کباب ہم میں اور شمع شمع  
اک عالم سنی ہے۔ تھے ہر کوئی ہر  
پھولی ہوئی قسمت ہے ٹوٹا ہوا پیمانہ  
کیا کہتے ہو مجھوں سے دیکھا ہوا دیوانہ  
رکھا ہی نہ رہ جائے دیکھا ہوا پیمانہ  
تو طرح بھلا ہے پھرا ہوا پیمانہ  
بکھا ہوا شعلہ ہے، جلن ہوا پروانہ  
ہے باد بہاری کیا اڑتا ہوا پیمانہ

اس دور میں بھی ناطق جو بایے محبت ہو  
کس دہم میں پھر تاب کھو یا دیوانہ  
(دوستانہ) ناطق گلاؤ ٹھوکی

## افسانہ دل

(بندیک قافیہ)

تار ٹوٹے نہ بربط دل کا  
جب ہوا ذکر انکی مصل کا  
ہائے کیا کیا فریب کھاؤ میں  
کیا خبر جادہ محبت میں  
آسکو دیرو حرم کی مطلب  
بسکی میں بھی دودھ ہو ساتھ  
جسکو کہتے ہیں گلشن جنت  
ان کو اپنا سمجھتا ہوں میں  
حامل انقلاب تھی وہ نظر  
آپ کیا جانیں آپ کیا کہیں  
تھک نہ جائے چراغ مصل کا  
رنگ کھو اور ہو گیا دل کا  
بارہا مان کر کہا دل کا  
لٹ گیا کارواں کہا دل کا  
جسکو عرفان ہو گیا دل کا  
درد غمخوار بن گیا دل کا  
ایک گوشہ جو دامن دل کا  
کتنی رنگیں فریب ہے دل کا  
جسے نقشہ بدلے دیا دل کا  
ہے جو عالم کھو ہو دل کا

آپ ب جانتے ہیں بندہ نواز  
حال جو کچھ ہے تھر کے دل کا

خدا معلوم کہنی دیکھ لے کھڑے کھڑے۔ کو عرف متغیل ہی بنا سکا ہو۔



پڑیاتی تیشیل :-

# بیگناہ

## افراد

(۴) خوشناتی :- شونخ ارطا کی لڑکی۔  
(۵) کنتی :- قدامت پسند ٹوہن۔  
(۶) سروپ :- پشپا کا چڑیا بھائی۔

(۱) پشپا :- نوجوان بیوہ  
(۲) ارطا :- پشپا کی منور ساس  
(۳) چکرورنی :- تیرم بانہ لور جالاک نوجوان پشپا کا پور

ارطا :- اس سے جان صاف ظاہر ہے تو نے پانی مانگا اس نے انکار کر دیا تو میرا پانی پی گیا (پشپا سے) تو اپنے آپ کو گھنٹی کیا ہے جو چکرورنی کو ذلیل کرتی ہے۔ یاد رکھ پھر بھی اب سوا کو حال اُدھر ڈھونڈ لی۔  
پشپا - ابھرائی ہوئی آواز (لیکن نامی) ..... مومن نے مجھ سے پانی مانگا بھی تو نہیں

ارطا - اس بات کا تجھے خیال رکھنا چاہئے تھا کہ آدمی باہر سے آنا ہے اُسے سب سے پہلے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جادوگر ہو میری آنکھوں کے سامنے سے (پشپا ابستہ جاتی ہے) خوب کے پتھر تو چلا ہی نہیں جلتا (ڈانٹ کر) ادھر آ، دیکھ بچے بیٹھی ہوئی عورتیں بچے کی عمر دمازی کے لئے دعا میں کر رہی ہیں۔ اس لئے پانی لانے وقت یہ خیال رہے کہ وہ تیری صورت نہ دیکھیں۔ کبھی ایک مرتبہ پھر کان کھول کر سُن لے۔ پانی غسل خانے والے ٹل سے لانا، ہنٹھک کے پاس والے سے نہیں، اس بات کا بھی خیال رہے کہ نگاہ کھلا پر نہ پڑنے پائے۔

(پشپا ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوئی جاتی ہے)

ارطا - (چکرورنی سے) بٹیا، تمہاری سسرال سے کیا کیا آیا ہے۔  
چکرورنی - یہی کوئی دس تو لے سونا ..... چار ساڑھیال اور .....  
ارطا - (بات لاکر) کل دس تو لے سونا، یہ تو ایک معمولی آدمی بھی دو سکا ہے جو جب ہماری تنائی کی گود بھری گئی تھی تو اسکی ساس کو پاس تو لے سونا دیا تھا۔ تب بھی اُس کے لئے کل تکن دودھ نہ ہوتی تھی۔ (غزب سے)  
اُمہ - اگر اُنھیں اپنے نام کو بٹا لگانا تھا تو کم از کم ہماری عزت کا تو خیال کرتے

(چکرورنی کی آواز)  
ارطا :- (اونچی آواز سے) یہ کونئی دوسرا کھانا لکھ گئی ہے مگر کلاس پھر غالی پڑے اچھا آج اسکی خوب مرمت کرتی ہوں۔ (پشپا کی آواز) پشپا پشپا ارے کچھ سنتی بھی ہے۔

شپا - (دور سے) آئی، آئی، آئی۔ (دور کو آتی ہے)  
ارطا - (ناہنگی کے ساتھ) کچھ آوازیں لگنے لگے میرا گلاس بھی درد کرنے لگا اور تو ہے کہ کچھ سنتی ہی نہیں، تو کبھی ہے کہ شاید کوئی کتیا بھوک رہی ہے۔  
شپا - میں نے ابھی ابھی آپ کی آواز سنی اور بھاگ کر چلی آئی۔ کتے کچھ کام ہو۔  
ارطا - (چل کر) کیا میرا دارغ خواب ہو گیا ہے جو تیرا کاسکے ہلا رہی ہوں۔ چلاؤ ڈر کر پانی لا، جانتی تھی ہے کہ گوی کا موسم ہے تیرا پانی کے دھوئی گئے نہیں آرتی۔ پھر بھی تو نے کھانا تیرا پانی کے رکھا۔ تو مجھ سے نرا رات کرتی ہے اگر کھانا تو کتنی ہے کہ دیکھا کو سبھی تنگ کرتے ہیں۔ جادوگر پانی لا، کیا دیکھ رہی ہے؟  
شپا - لیکن میں جی کتنی ہوں نامی کہ میں نے غالی کے پاس ہی گلاس لکھا تھا ارطا - (گود کر) اگر تو یہ کہہ دیتی کہ مجھ سے غلطی ہوئی آئندہ نہ ہوگی تو کتنی تجھے کھا جاتا تو کبھی ہے کہ میں کلاس کر رہی ہوں۔

(چکرورنی کے برہمنوں پر پڑنے کی آواز)  
شپا - نامی میں نے ہرگز اب خیال نہیں کیا، میں تو کبھی ہوں عورت کا فرض ساس اند سسر کی خدمت ہے لیکن .....  
چکرورنی - (بات لاکر) آپ اتنی سی بات کے لئے کیوں ناراض ہوتی ہیں نامی؟ پانی تو میں نے اٹھا کر پی لیا تھا۔



شناختی۔ ناہمی۔ میں اس دن نہ کتنی تھی کہ پرائی آگ کو اپنے آپ میں نہ  
باندھے مل گیا آج آپ کو اپنی ہر باتوں کا پہل خراب بھی کچھ نہیں بڑا۔  
اس چوہیل کو اپنے کچھ دیکھ دیاں جا کر یہ اپنے بھائی بہنوں کو مثال کرے  
(اور لڑ رہی ہے)

کتنی جبر کو وہیں اس طرح روئے سے کچھ نہیں ہوگا۔  
ارطال۔ جبر کا گھوٹ تو میں نے اسی دن پی لیا تھا جب اس ڈائن نے میرا زمانہ بچہ  
کھا تھا، اچھا چلو

(پشپا کے علاوہ سب نیچے جاتے ہیں)  
ٹپا ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر رہی ہے اور  
روٹی ہے کہ اس کا بھائی آجاتا ہے  
مروپ۔ بن جی۔ آپ آج اتنی ٹھیکس کیوں ہیں۔ رو کیوں رہی ہیں؟  
کچھ نہیں، یوں ہی رہ رہی ہوں۔

نہیں آپ کچھ سے چھڑ رہی ہیں۔ بنایے کیا دکھ ہے آپ کو کوئی خاص  
بات آنا معلوم کرتا ہے بنایے۔

پشپا۔ اگر تم اصرار کرتے ہو تو سنو (ٹھنڈی ماس لیکر) ایک بوہ کی زندگی کتنی  
دکھیں ہوتی ہے اور پھر اسکی جس نے اپنی نناؤں، خواہشوں اور آرزوؤں

کو بھی پورا نہ کیا ہو، جوانی میں جو وہ ہو جانا بے بڑاگنا ہے۔ یکایک  
دور و فطرت شروع ہوتا ہے جس میں ثابت قدم رہنے کے لئے دکھوں اور  
تکلیفوں سے دو دو ہاتھ جونا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر بد نامی موجود ہے  
اس سے بچنا مشکل ہے تاہم عصمت و عفت کی دیوایاں اپنے مقصد میں کیا  
ہوتی ہیں، اپنی بے گناہی پر گناہوں کا بوجھ مجبوراً اٹھاتی ہیں اور آنسوؤں  
کی مالا پر پڑتا کا نام مہنتی ہیں۔ یہاں گناہ کرنے واسے بگناہ ہونے چاہیے۔

اور بے قصور ٹھہرے جاتے ہیں قصور کئے والے — کاٹن ساج کی ان  
بیوہ کی ناریکیوں کے پردے کوئی چاک کر کے اور دیس کی نوجوان  
بیوہ لوکیاں سسکیں کہیں کہ جان نہ دیں۔

آواز بہنوں اور سسکیوں  
کے ساتھ ڈوب جاتی ہے۔

پر شو تم سنگھ سیٹھی

## میرالال

آنکھ کا تارہ مرا نورِ نظرِ محنتِ جگر  
بہری حیرتِ امری ایدادِ رمانِ ہر  
زندگی کے سازِ لاسے ٹر لایا ایک تار  
ایک ٹکڑا، ایک عیدِ محنتِ غلے میں ہے  
زندگی کے دودھ میں گویا جامِ انقلاب  
ایک دنیائے انوکھی اک جاں ہے الگ  
کھیلے لگتا ہے تو لپٹا نہیں سکے کا نام  
بات کرنے کا سبب گواہی آیا نہیں  
کوئی لپٹا ہے کیا ہے مگر باتیں ضرور  
جب یہ بننا ہے تو نہ توں پھول برسنا ہوا  
خند سے اک دھنسی سی ہوتی جاتی ہے لے  
کیا گوارا ہو گیا نفاذِ دُستائے  
یہ خدا کے لطف کی اک جانتی تصویر ہے  
شکر کے سجدوں کی لگا لگا ہر پر جو ہیں

بھر بھی دل سے شکر تیری نعمتوں کا بادشاہ  
اس دُعا کے ساتھ اس پر بھی ہے تیری نگاہ

## سرلج سخن

گھبرا گئے ہیں کلکشنِ جہم و جاں سے ہم  
مانا الٹ بھی دیں رینگے دنگ سے و نقاب  
ان کی نگاہِ ست کی سرسبیاں نہ پوچھ  
نالام آرزو بھی رہیں گو تمام مسر  
ہاں پھر اسی نگاہِ محنت سے دیکھتے  
ان کی نگاہِ ناز کے صدمے میں ہنسیں

سارا جاں توں کی محبت میں غرق ہے  
کیسے بچیں سرلج نگاہِ تباہ سے، ہم

# تقلید و تجدید

(رنگ تغزل میں)

دنیا سے ادب چونکہ بڑی خواب گراں ہے  
نرسہ تھا بصیرت کا گلستان کا نظارہ  
ہر رنگ تھا اک قدرتِ باری کا مرتع  
ہر غنچہ تھا برے دل خوں گشتہ کا خاکہ  
سرخِ خوش سخن کے مقدار کا نغمہ  
کھنکھاتی بوسن کی زبان مجھ کو کہ تو نے  
پھر کون مئے گارتے دلدوز ترانے  
تقلید میں تجدید کے اصلاحی اشارے

نئی صورتِ سراپا اداں مرغِ سحر کی  
آنکھیں کھلیں جب صفتِ صانع پہ نظر کی  
ہر شاخ پہ نئی عطر فانی گلِ ترکی  
ہر مہول تھا تصویر کے رنگِ جگر کی  
دل میں اُتر آیا تھا پھر ہی بے اثر کی  
مشہور زبانِ داناؤں میں اک عمر بسر کی  
تاخیر کہیں نہ مزمزہ سنجی میں اگر کی  
لکھ ایسے، کہ سب کہیں ہم دونوں کی مر کی

میں بول اٹھا، اہلِ باں اگلے کہا اب  
تقلید ہوئی جاتی ہے خود مائلِ تجدید  
دلی ہو کہ ہو لکھنؤ، دونوں میں نیت  
مغرب کے کسی گل میں بھی خوشبو نہیں ہوتی  
میزانِ عروضی کے بہت بے ہیں بھاری  
کیوں پیچھے رہے غزل کے پڑیں قلینے بیکار  
بابند کسی قاعدے کے کیوں ہیں آزاد  
ترکیبیں گروہیں ایسی نعت کی نہیں ناؤں  
صنفوں پہ برہنہ ہوں صنفوں کے مرتع  
ہر کاغذی پیرا میں تصویر سے گویا  
ہندی ہے، بھاشا ہے۔ اردو کا نظم نام  
ہو قلہ اردو سے سلا سلا سلا لزل  
مغرب کی ہوا کھاؤ کو مشرق کی ہر دم دور

مضمون سے بس کا زبانِ مرغِ گھر کی  
جھک جائیگی ہر شاخ ہوا ہوگی جید ہر کی  
دکھا ہوں گی لہجی ادھر کی نہ ادھر کی  
مشرق کے توہر نخل کو حاجت ہو مگر کی  
نظموں کو ضرورتِ جواب افزاں ہوگی  
شاعر ہے خبر پاؤں کی جسکو ہونہر کی  
کیوں شرطِ جزا کی ہے کیوں قیدِ جزا کی  
قدت تو ہو محتاجِ مدفن کی نہ ہنر کی  
غریباں رہیں بیٹے بے تصویر مگر کی  
ہو پردہ درجی حزنِ دلاویز بشر کی  
بے تال کا یہ میل ہے خوفِ خط کی  
مغرب ہی مغرب ہے اُچھو مگر کی  
گھر بیٹھے نہ منزل ہوئی کلام ہو مگر کی

رنگ اپنا شفق کھل نہ سکا آپ ہی مجھ پر

حد ہو گئی، کوتاہی دامنِ نظر کی

(معارف) شفقِ مینائی عبادِ بیدی

## فلسفہ خیال

جلوہ نظر فریب ہے جس نہ ہو دکا  
یہ چرخ اور اس پر تاروں کا یہ جال  
جوین ہمار جلوہ یسری گئی خزاں  
دہو کا ہے ہر ادا سحر لالہ نام کی  
خلیق داہمہ ہے سراپائے زندگی  
گلشن کا شور ہو کہ بیاباں کی خاموشی

”ہے معترف وہ اسکا جواہل کمال ہے  
”عالم تمام حلقہ دایم خیال ہے“

میر ہے خیال ہی لکھنے کا انحصار  
بھیں ہر ایک درد کو آرام عباداں  
ہو گل نشاں ہمار خزاں کے تھمارے  
جلی ہے تاسو یہ فاس ہے بے نیاز  
نئے نویں ہر خیال کو تغیر انقلاب  
ہر نقطہ تا ہو بحر اک ذرہ آفتاب

ظلمت ہو کفر کی کہ ہوا یاں کی روشنی  
ہے قوت خیال سے ہر نقش منجلی

آلم مظفہ نگری

## حدیث درد

جان کا بھی مذاق محنت نہ پوچھے  
شرح حدیث درد کی دقت نہ پوچھے  
و اما مدلی کا ہنس فرقت نہ پوچھے  
از دس ما ز دل کا میں اُن سے نہ کد سا  
تو خواب حسن و جوانی نہ ہو سکی  
دینا سے اعتبار میں مجبور زندگی  
گذری تھیں ان کے قریب میں جو چند ماہیں  
غمدیدہ ایک لہر اور اس لہر میں ان کی بیا

قلب جگر میں مرکز برق و شرر اسد  
یہ سوزِ عنس ہے کس کی دلالت نہ پوچھے

علی اسد

## آنسو

ظنکے پروردہ آغوش مویع بیخ و دم  
بارہ برقی از سماں چون غم نغم  
قطرہ از آتش سیال سوز اندرون  
نکنہ غم از حکایتہائے دود قند زان  
جوہرے از صدف اندوہ حیرت برآین  
لطف از صدف بارہ دل گوہر کاغذ غم

گو کہ اک قطرہ ہے دریا بگر بھاری ہو تو؟  
ہے بظاہر آبِ خلقت میں مگر ناری ہو تو؟

آہ! پھر بابِ اجابت کو بھی تھرا ہے تو  
کوڑو شبنم کی بوجوں میں بل جاتا ہے تو  
اس گڑھی لعلِ بخشائی کو شرا ہے تو  
بارگاہِ ربِ عزت میں جگہ پاتا ہے تو  
ہمسے بیکر کھدک ہم کو پہنچاتا ہے تو  
جب بارخِ شادمانی بھیرے چھلکاتا ہے تو  
سرگشتِ خلوتِ انساں کو دکھاتا ہے تو

تیری ہستی بارہ دل کی مرے تفسیر ہے  
آہ! تو سوز و گدازِ قلب کی تصویر ہے

چشم کار از حیات اس تیری اک قطرہ میں ہے  
زندگی بے ثبات اس تیری اک قطرہ میں ہے!  
پھر عداوت سے محبت اس تیری اک قطرہ میں ہے  
سب گناہوں کی دگوہ اس تیری اک قطرہ میں ہے!  
عشق کی کل واردات اس تیری اک قطرہ میں ہے!

موتوں کو ترے ہی مودیہ گنجینہ ہے  
تیری اک اک کون کو با معرفت کا زینہ ہے  
پھر دردِ رحمت باری کو تو ہم سینہ ہے  
بانسی بیکس کے سوزِ قلب کا آئینہ ہے  
بے بسی کے پاؤں کھٹکے لے اک سینہ ہے

تیری ہی نم سے بھلی قلب کا آئینہ ہے  
قلم و قواف سے جانتی ہے تیری فکرِ سیل  
جب ہوا دھکی نہامت کی طرف میل کرتا  
ہے کسی سوہ کی پریم آنکھ کا دیرِ بیم  
ہے صغیرِ خشتِ جان کا آخری ہتھیار تو

صنعتِ نازک کا ہے تو اک آلہ بے زینہار  
چشمِ قند زائے جب گرتے ہوں دیرِ شاہوار

پرورشِ آغوشِ دل میں چھٹکے گونا گونا  
جب ڈھلکا ہو کسی بوند کی پریم آنکھ سے  
غم کی گری سے گھل کر باہر آجاتا ہے تو  
جنگلِ ناروغشِ غم کی ہر شاخ پھلتا ہے تو  
دل کی ساری کائنات اس تیری اک قطرہ میں ہے  
جب گھٹا اندوہ کی تصور کر کے قلب کو  
دل میں جب گھٹ گھٹ کے دہی ہو گئی کی گھٹ  
چشمِ ندامت جس گڑھی تاب کی پہل پر چمک  
ضبطِ گریہ بھی آجائے جو چشمِ خلق تک

قطرہ کہے یا کہ بحر بیکراں کہے کیجئے؟  
غم کی دنیا مسرتوں کا اک جلم کہے کیجئے!

بصیرِ بدایونی

## مکتوبات

برادر امجد صاحب

سلام منوں!

عادی صاحب کی معرفت سلام پہنچے — وعلیکم السلام  
درجۃ الشہدہ کا تہ — کہنے مرزا تو ایسے ہیں — بڑی قوت کے  
بعد یاد فرمایا ہے — پھر بھی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں — آپ کو  
آنکھوں کی تکلیف تھی — اب بفضلِ تعالیٰ شفا ہو گئی — کیوں؟ ایسا  
ہی ہے نہ! خدا کرے ایسا ہی ہو!

میں بہت پریشان رہا ہوں — اہریری پریشانی کی بہت سی  
وجہ ہیں — اسی لئے کوئی عریضہ ارسال نہیں کر سکا — بقلہ وکہ  
اوپر آپ کی خبر دریافت معلوم کر سکا — امید کرنا گوار خاطر نہ ہوا ہوگا۔ میں  
تو دل ہی دل میں تیرا سرا ہوا ہوں —  
کبھی کبھار کوئی غزل مجھ پر پڑا ہوں — اور اعلان بھی ہو جاتا ہے۔  
گر طبیعت کو ابھی سکون نہیں — اس لئے کچھ کسا اور کچھ بھی نہیں سکتا۔ دعا کیجئے  
کہ خدا میری پریشانیوں دور کرے اور میری مشکلات کا بہترین حل تلاش کر دے  
— آپ بزرگ لوگ ہیں اور برگزیدہ۔

آپ کی نئی نئی نظیں پڑھ اور سن رہا ہوں — اللہ کرے زورِ علم اور  
زیادہ — آپ بہت اچھا کھد رہے ہیں — یقین مانے کہ آپ نے  
ادبی دنیا میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے — اور آپ کا نام سننے کا نہیں  
— سبحان اللہ جیسا باب دیا بیٹا — سچ کہنا کہنے والوں نے کہ  
بیٹا آپ کے قدم ہی لٹا ہے۔ شخصیات کے باب میں کبھی اپنے خاندان اور خاندان  
کے قابلِ قدر افراد کا نام بھی مثال کو لیا کیجئے — ہر چند ہم آپ سے دیر  
ہیں — مگر دور — اور اسکی وجہ آپ ہیں — ہم آپ سے کیا کیا  
پوچھیں — اور بغیر جانے رہا نہیں جاتا۔

خدا کرے قبلہ کو کھلا دے مرادوان چھپ جائے — مجھے تو دیکھنے کا  
بہت حقوق ہے — ہاں! آپ بھی تو اپنا دیوان تیار کرنے کی کوشش  
کر لیں — آپ کے پاس کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہوگا — ایک عرض  
کرنا ہوں — کلا نفسیاتی اخلاقیات کے عنوان سے جرتھانہ قلم و کلمہ

تیار فرماتے ہیں — انھیں اگر آپ ایک مختصر رسالے میں ایک مقدمے کے ساتھ  
شانخ کو دیں تو کیا بہتر نہ ہوگا — کیونکہ جب یہ چیزیں پائی ہو جائیں گی —  
اور یہ اشارات دور دور ہو جائیں گے تو اس وقت بے جان معلوم ہونگے —  
اب تو انھیں گھر گھر پہنچایا جاسکتا ہے۔  
دعا کیجئے کہ کبھی قسمت اگر لے آئے — اور آپ لوگوں کی نیاں  
کروں گے

میرے نصیب میں ہوا آپ کی قدوسی  
میرا نصیب کبھی سہرا باب ہو جائے (شانخ)  
آپ کی سرکونی کی اجازت دی ہوتی — — — دی ہی دیں میں جُن کو  
دہ جاتا ہوں — کیا کروں — اُسکی تودہ درگت بناؤ کہ یاد کرتا۔  
— کیا کیا کہ اس کرتا ہے — ہاں اتنا تو آپ کو بھی معلوم ہے  
کہ اُس کا رویہ ادبی حلقوں میں بُرا سمجھا جا رہا ہے۔ — اور وہ آسمان کا  
تھوکانہ پڑکی مثالی خود ہی ذیل و خوار ہو رہا ہے۔ — آپ کا کچھ نہیں  
کر سکا اور نہ کر سکے گا ہر کوئی جانتا ہے سچ۔

”مرد نور نے شانخ مسک ہانگے مے زندہ“  
اوصاف کی خاموشی بھی قابلِ تریف ہوئی ہے — کیونکہ کہنے سے چھپ کر نا  
اپنی ہنک ہوتی ہے۔ آپ اچھا کر رہے ہیں۔  
دشنام دہا اگر خبیثے چارہ خود بخود کشیدن  
قبلہ و کہہ کی خدمت میں سلام اور نیاز۔

بہنہ کے لئے آپ کی توجہ اور نظرِ کرم کا طالب  
محی الدین احمد شان ادیبی احمد پور قریہ

میر محترم مولانا امجد صاحب اگر آبادی۔ تسلیم و نیاز  
میر ارادہ ان حضرات کے خلاف ادبی محاذ قائم کرنے کا ہے جو حضرت  
سحاب و ظلال کی شان میں افغان سوز افغان استعمال کر کے ملک کے ادب و  
آرٹ کو برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ اس محاذ میں مجھے

آپ کی قلمی اور ادبی زندگی بڑی طرح حال ہو نیز جو کہ میرا خط احباب کو دے گا اس لئے اگر مختار مضامین نویسی کا مواد ہم پہنچا سکیں آپ اپنے ذمے لیں تو کہیں زیادہ بہتر ہے۔

مازاکر آبادی عالی تعلیم ہے۔ اور آج پھر ندوی۔ بوم ٹوم۔ اودا برامنی۔ گھوڑی عالی تعلیم دیاؤنی کو بھی آج مصالک کا خط لکھ رہا ہوں۔

میں نے انھیں خط لکھ کے دیا ہے ان اصحاب سے درخواست کی ہے کہ بجا اور فحش تنقیدانہ لکھ کر ملک کے ادب کو کوڑا نہ بنائیں۔ ورنہ ہندوستان کے فو دار اور ادب پر رونا رہا۔ ان کے خلاف ایک زبردست ادبی محاذ قائم کر کے دیا کو تباہی لگے کہ کوئی حق پرست اور کون ناقص پر؟ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔

آج کل یہ لوگ حضرت سیاح صاحب مدظلہ کے خلاف بھاری پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ چنانچہ تین ٹریٹک صاحب مدظلہ کو پوری تازہ کے اناداسی سلسلہ میں اعلیٰ ہیں۔ یہی میں کو آواز دے تھے نیز انھوں نے مقامی مفقود اصحاب کے سامنے اپنی ایک اس برادری کے قواعد پیش کئے تھے، جس کا سب سے پہلا فرض حضرت سیاح کے خلاف ہندوستان میں نہر پھیلانا ہوگا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ جوا اصحاب نے انکار ہی جواب دیدیے۔

اس سوسائٹی کا نام "انجمن مرثیاء ادب" رکھا جا رہا ہے۔ اس کمیٹی کا ایک رسالہ بھی "مرثیاء ادب" کے نام سے شائع ہوگا جس کا تمام اشاعت بدایوں قرار پایا گیا ہے۔

امید ہے جواب باصرا بے جلد مطلع فرمائیں گے  
خاک را اجل العارفی دیا ہوا

اکرمی زید العارف السلام علیکم

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔ فی الحال باعث تعذیب یہ امر ہے کہ کمترین حد پر ایک مضامین بعنوان "جان فصاحت" مع ایک فریڈل جملہ حضرت سحر (ارمائی خدمت کر رہا ہے۔ امید کہ تو خدائے تعالیٰ کے قسمی صفحات پر ان دونوں چیزوں کو کسی قریبی اشاعت میں جگہ ملے گی۔

مقالہ ذکا اشاعت شاعر میں بغاوت ملک کے دیگر مسائل سے جو مجھ سے مناسب سمجھا جاوے کہ رسالہ فصاحت (جدید آباد دکن) ادارہ شاعر اور انھیں حضرت علامہ سیاح مدظلہ کے خلاف جس قدر انگریزی کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ مجھے آپ کے اس فیصلہ سے طبعی اتفاق ہے کہ ان تمام تر غمات کا جواب ختم ہے۔ انتخاب کے لئے بعض اخبار پر نشان لگا دیے ہیں۔ اگرچہ ہوں تو انھیں کو انتخاب میں رکھئے۔ م۔ م۔

ادارہ شاعر کی جانب سے جو درخواستیں اور کچھ نہ ہوگا۔ بنابر یہ مضامین زیر نظر میں ہیں کہیں کچھ نہ بھی آؤں نہ فصاحت کی ان درخواستوں کا ذکر نہیں کیا جو وہ قبل حضرت سیاح دام فو کے خلاف فرما رہے ہیں۔ طالب الی پر جب اعتراضات کی پوچھا ہو رہی تھی تو میں نے کہا خوب کہا تھا ہے

دشنام خلق را ہم جو دعا جواب  
ابرم کہ تیر گم و شیریں عوض دہم  
نامور اہل کمال ہستیوں کا پارہ پر فو خط مستقیم کی کچھ چیزیں اور خود میر کوں سے کہیں بند ہے۔ "ایڈیٹر صاحب" فصاحت" خواہ قبل حضرت سیاح کے خلاف مضامین کو اپنے رسالہ میں لکھ دیں یا سراسر عالی پر اعتراضات فرما کر اپنے کو کامیاب کرنے کی سعی فرمائیں۔ ان کی اس پسیل کی تمام سامعی اہل علم کے نزدیک درخور اعتنا نہیں۔ بر حال طبیعت چاہتی ہے کہ "ایڈیٹر صاحب" کی بیانات ملی اور اہل ادب سے ناظرین "شاعر" کو شش اس کی یاد جائے اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ جہاد آباد اسکول کا یہ ہونا طالب علم کیساتھ اور دعا کا رکنانہ قدت سے اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہی خیالات مضامین ذکا کی ترجمہ کے محرک ہیں۔ مضمون پر قبل اشاعت آپ غار نظر ڈالی ہیں۔ اگر حضرت سیاح مدظلہ کے خلاف سے گند جائے تو بہتر ہے۔ بصورت اشاعت مطلع فرما دینا اور کمال پائندہ دیکھنے والا کو دیکھ نہ بے رنگ واپس فرما دیجئے تاکہ مجبور کسی دوسرے رسالہ کو بھیجوں۔ امید کہ جس نمبر میں مضمون شائع ہوگا، حضرت کے پاس پہنچے گا۔

جواب کا منظر  
نیاز کش: سید قمر احمد نقوی۔ سہوانی

جی اچھا جواب: سلام منون

عوضہ بعد سے آپ کی جانب سے کوئی گزارش نامہ ملا نہیں ہوا۔ میں بھی اس سے میں اپنی ذاتی معروضات کے باعث سخت پریشان رہا، پھر کچھ طبیعت بھی ناساز ہو گئی۔ جس کوئی نیاز نامہ پیش نہ کر سکا۔ لیکن آنا سفر دیکھ کر ماہ ماہ شاعر کا جتن مطالعہ کر لیا ہوں جس سے آپ کی اور حضرت علامہ مدظلہ العالی کی ملی وادبی تحریکات سے واقفیت ہوئی رہتی ہے۔ نہایت شرمناک امر ہے کہ اشارہ انداز شاعر اپنے شہر میں ہر طرح کا سیاسی کی طرف تیزی سے گھبراتے ہیں۔ دران مالک کو اس کے ذوقا سے نشان چھانے پہنچانے کے لئے بڑی چوٹی کا اندر لگا رہے ہیں۔ بعض خود دیگر رسائل علامہ مدظلہ کے خلاف کو گندگی اچھالتے رہتے ہیں۔ ان کے مضامین سے بعض افغان بہت زیادہ ہمتی بھگت ہو رہی ہے۔ لیکن میری گزارش ہے کہ آپ ان کے منہ نہ لگئے۔ آپ کی ان حکم خداات ہی سہا کا مکمل جواب ہیں۔

کلمہ: حضرت اور ان کے اس کام کے سبب سے ان کے شاعر کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی۔ جس کوئی نیاز نامہ پیش نہ کر سکا۔ لیکن آنا سفر دیکھ کر ماہ ماہ شاعر کا جتن مطالعہ کر لیا ہوں جس سے آپ کی اور حضرت علامہ مدظلہ العالی کی ملی وادبی تحریکات سے واقفیت ہوئی رہتی ہے۔ نہایت شرمناک امر ہے کہ اشارہ انداز شاعر اپنے شہر میں ہر طرح کا سیاسی کی طرف تیزی سے گھبراتے ہیں۔ دران مالک کو اس کے ذوقا سے نشان چھانے پہنچانے کے لئے بڑی چوٹی کا اندر لگا رہے ہیں۔ بعض خود دیگر رسائل علامہ مدظلہ کے خلاف کو گندگی اچھالتے رہتے ہیں۔ ان کے مضامین سے بعض افغان بہت زیادہ ہمتی بھگت ہو رہی ہے۔ لیکن میری گزارش ہے کہ آپ ان کے منہ نہ لگئے۔ آپ کی ان حکم خداات ہی سہا کا مکمل جواب ہیں۔



## شخصیات :- حضرت مولانا آسی الدینی ثم الکفوی

ہندوستان نے ہر دور میں اپنے عظیم شاعر پیدا کئے جو اپنی فطری صلاحیتوں ذاتی جہاد اور علم و فضل کے بقا سے اس قابل تھے کہ انھیں شہرت و قبولیت کے لحاظ سے آغوش پر پہنچا جائے تھا لیکن دست پرور زادہ، انکارِ محبت اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر وہ انبالہ اعلیٰ مدرسہ کے جس طرح نمودار ہوئے تھے۔ ایسے ہی شعرا میں مولانا آسی الکفوی کی ذات گزری بھی ہے۔ دورہ کوئی دہائیوں کے جب شہرِ ملتان اور دوسرے سلسلے میں ناقدینِ محبت۔ سب باب قافی۔ آرزو جگر۔ اثر الکفوی بجلیل۔ دل۔ فرستاد۔ صفتی پاس وغیرہ کا ذکر کریں تو مولانا آسی اور بعض دوسرے اچھے شاعر کو یاد آ رہا کریں۔ اسے تو خبر میں ہونے کے لئے تیار نہیں کہ مولانا آسی یا ایسے دوسرے نامادہ نہیں فراموش کیا جاتا ہے۔ کسی انفرادیت کے حامل نہیں یا ان کے کلام میں اتنی جان نہیں کہ وہ کسی حد تک متاثر کر سکیں۔ ہر جو خیال میں ہر شے شتی اور پختہ کار شاعری خاص ہوں و تھوڑے تخت ہی میں شہر کھاتے۔ خواہ و زبان و مکارہ کی شاعری ہر زمانہ و لطیف خیالات کی۔ اس لئے ناقدین کو مل نہ آئی رنگ میں اس کا ذکر کریں۔ اب یہ یقیناً سمجھ کے کہ بعض اچھے شاعر خود اپنی ہی سے نائی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب اس دور کی اندھی تقلید و اداری، یا جاننا نہی مراہتے سراہتے کم عشق اور مولیٰ کہنے والوں کو سب سے بڑا غزل گو سب سے بڑا ناظم سب سے بڑا انقلابی شاعر سب بڑا روان پسند اور خدا جانے کیا کی بنا دیتی ہے تھائیے شعرا جہد صرف علم و فضل کے اعتبار سے قابلِ قدر ہیں بلکہ اس قدر درجہ رکھتے ہیں۔ کیوں شعرا سے جاتیں و جاننا ہوں کہ شاعری میں پسند اپنی اپنی ایک کھل پھلا ہوا ہے۔ گروانا فرد و عرض کو دل کا منزل خود ہر دے کے پاس نہیں آتی بلکہ ہر منزل کے پاس جاتا ہے جب شعرا ہی اپنے کلام کی نشوونما میں کوئی نئی بات نہیں تو بجا ہے ناقدین کا کیا تصور۔ بعض دلی محبت کے محک آفت۔ واسطے نظر ہے گو دھڑلے لگے۔ گریں اسے ہاں جم نہیں سمجھتا۔ اب اذات دوسری چیزوں کی خوشبو سے کھر شک کی خوشبو کے پھل پھٹنے لگیں اسکاں ہوتا ہے۔ یہی طرح پسند اپنی اپنی ہے کہ اس ہنگامہ رفیع دور میں بعض اچھے شعرا کی آواز کا ذکر وہاں ہمارا قیاس نہیں جسوں ایسے شعرا کی آواز جو تنقید کی گرم فانی کو بدست نہیں کر سکتے۔

ان ثبوت و منفی خیالات کے انکار کا قصد مولانا آسی اور ناقدین، دونوں کو اپنے اپنے فرائض کے احساس کی منزل تک پہنچ کر لانا ہے اور کچھ نہیں۔ جن تنقید میں دلائی بھی

رواداری کا گنا و غلام سمجھتا ہوں نہ شکر ہر وقت اپنے جذبات کی کوئی پرکھا ہوں بلکہ اس کے مجموعی اثرات اور شکر کے تمام تر لوازمات بھی فوراً کرنا ہوں۔ اسی اصول کے پیش نظر مولانا آسی کو شہرِ ملتان آئے جس نمایاں جگہ دی جاسکتی ہے۔

مولانا آسی کا پورا نام عبداللہ ہے۔ ابنِ شمس خلیفہ حاتم الدین احمد حاتم خلیفہ مرزا غالب ابن مولوی شیخ خدا بخش ماجرا ابن شیخ عبدالکرم حاتم عتق دیاں نھن ساحر دم عیسٰی برقی میر اکبر آبادی ۱۹۳۵ء میں الدن "صلیٰ برقمہ میں ولادت ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں سلسلہ تعلیم شروع ہوا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ اس کے بعد فارسی کی تعلیم مولوی حافظ علی صاحب سے اور عربی کی کید مرزا احمد صاحب سران سے کی۔ مولانا محمود حسن صاحب محدث دیوبند سے بھی بعض کتب حدیث و فقہ کا استفادہ کیا۔ ششہر میں دہلی میں حکیم نواب جان مرحوم سے طب کی کتابیں پڑھیں اور انھیں کے مطلب میں نسخہ نویسی کرتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں شاہجہانپور میں دو برس تک فارسی پڑھانے پر مامور رہے۔ ۱۹۵۳ء میں درس و تدریس سے جی گھرا کر مولانا محمود علی کے احباب ہمدرد "دہلی میں ملے۔ اس وقت میدانِ طالب دہلی اُس کے بڑے بڑے ۱۹۵۳ء میں جب ہمدرد "کی حالت خراب ہوئی تو کھڑے پلے آئے اور اُس وقت سے اب تک ہیں ہیں۔

شاعری مولانا آسی کا خدائی ذوق اور فطری جذبہ تھی۔ اس لئے دورانِ تعلیم ہی میں شکر گنا شروع کر دیا اور ایک دن خود بخود یہ شعر ہو گیا ہے  
کیا نہ ہے زخمی کیا دل ہمارا  
بڑا قیرارا بڑا تر مارا

یہ واقعہ ۱۹۵۷ء کا ہے۔ اس کے بعد آپ نے قریب قریب روزانہ شعر کہے اور دنوں بھر کی تخلص کے شوق میں جاری رہی جب دوست کے شوق سے عائشہ تخلص رکھا اور مولانا میرزا احمد صاحب مرزا نے شوقِ سخن کو سراہا۔ شدہ شدہ آپ کے والدین کو یاد رکھی خبر بھی انھوں نے ایک مصرع دیا۔ آسی صاحب نے فرمایا کہ بہت خوش ہوئے کہ فرمایا کہ ابھی بہت کم ہے۔ کبھی کبھی صلا بھی دیدیا کرتے تھے۔ پھر آسی صاحب اپنے دادا صاحب کے دوران سے استفادہ کرتے رہے لیکن اب تک صرف فارسی کے دیوان نظریے گزرتے تھے۔ سب سے پہلے اردو میں مرزا

دیوان پڑھا اور وہ بھی بہت محبوب کہ اپنے والد صاحب سے اس کے معانی پر پورا عبور

مال کیا۔ پھر مولانا سید "کوسبغا بستا دیکھا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں حضرت تاجن کلاطوی سے ملاقات ہوئی۔ علامہ تاجن اسی صاحب کے قریبی عزیز بھی ہوئے ہیں۔ اسی صاحب نے ہمارے کی درخواست کی اور علامہ تاجن نے منظور فرمایا اور سب سے پہلے ماحی کو آگے سے بلا۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۳ء تک آپ مولانا تاجن ہی سے صلاح لیتے رہے۔ دو فرسوں پر مرزا داغ سے بھی صلاح لی۔ مگر کینا بغض مولانا تاجن ہی کی ذات گرامی سے ہو سکتا۔

بھلا وہ ایسے شہدہ دفن کے چراغوں کو یہ سختی میں پاک بد نما دھبا لگاتے ہیں

جو تو اسے تو غیر ہم ایں جو اچھڑا کیوں خدا جانے ہر دل میں کیا کیا تھا کہاں کیا تھا

لے دشمن مروت کچھ حق بھی ہے ہمارا بھولوں کو لے ہم احباب کو لے ہیں

دیکھا ہے نہ عمارت کو نہ دیوانے کو جس جگہ پڑا بنید آگئی دیوانے کو

مناسب غیر دیکھیں غم دل پر چارہ گرم مرے نزدیک تو کوئی خدا سے لڑ نہیں سکتا

اتنے ہی دستِ حق میں پھول پھول پھول جتنے کسی فریب نے پھول پھول بہا ہیں

اسی صاحب کو ابتدا میں تاریخ ملازمت محبوب تھا۔ بہت سی فراموشی بھی رہی مگر میں کہیں جب اس کی بنا بغض نہیں ششیں ہیں مولانا حاکم لاہور، اقبال، ایک نامہ میں ہر شش میں کوئی کاغذہ نظم کرنے کا شوق ہوا پھر ابھام و کتاب سے دستگیری رہی جس کی مولانا تاجن نے مخالفت فرمائی۔ تین سال تک مرزا داغ کے رنگ میں شریک رہے۔ کھنڈ "مکر" قابلیت، "مقتاری"، فرض ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد اور کھنڈ کے دو ایسے ہیں دیباچہ کو ترک کر کے خود اپنے جذبات و واردات کے مطابق شریک لگے خواہ وہ کسی کے رنگ کے ہوں۔

اُن کی غنیمت کہ میں کی گلی میں کیوں گیا مجھ کو بھرت کہ کوئی شکل پہچانی مری

جہاں مولانا اسی کے یہاں لیے نفسیاتی سادہ مگر مختصر لکھتے ہیں جس جذبات و دوا

میں ڈوبے ہوئے لطیف نغزل کے شاعر بھی لکھتے ہیں۔ یہ خواص طبع لکھتے جاذب ہیں

ہزاروں طرح اپنا دردم نہ کوئی سنا ہے مگر تصویر کو ہر حال میں تصویر پاتے ہیں

ایک حالت پر پہنے پائیں دل کی مسرتیں تم نے جب دیکھتے انما سے دیکھ لے

میں چپ بیٹھا ہوا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے اک زمانہ کہ وہاں سے داناں مری

دنیا میں کوئی غم کے علاوہ خوشی نہیں وہ بھی ہیں نصیب کبھی ہے کبھی نہیں

نفوس ہی کی تھیں نہیں اہل طلب ہیں مٹنے پر کوئی سنے تو نالہ بھی مراد سے

چک جادو اسے شام غم کے ستارہ مصیبت کے ماروں پہ احسان ہوگا

زندگی خود آفات ہوئی جاتی ہے جس سے ڈرتے تھے وہی ناہی جاتی ہو

تنہا کو خوشی دے خوشی کو ذباں تو لے کل کے بھڑی بے بسی کی داناں تو لے

اعجاز صدیقی

مولانا اسی کو تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل ہے مگر رباعی اور غزل آپ کی

محبوب چیزیں ہیں۔ ملازمت کی تعداد بھی کافی ہے امدان میں سے بعض شور بھی ہیں

مختصا مشہور مزاج نگار نوکت تھانوی، امین سلووی، سحر انصاری، شہید عابدی۔

نظمی کھنڈی، جبریت کھنڈی، امداد آبادی، آغا کھنڈی وغیرہ

آپ ایک مدت سے کتب خانہ مفتی و کھنڈی کے ناظم ہیں اور اردو علم و ادب کی

بش بہا فائز انجام دے رہے ہیں آپ کی متعدد تعانیف خزانہ تحسین حاصل ہو چکی

ہیں۔ شریع دیوان غالب، شریع کھنڈی، شریع تاجن، زجر و شریع دیوان حافظ، زجر

فرنگی، آندران، سرکہ سخن وغیرہ وغیرہ۔ حال ہی میں آپ نے کلمات میر تقی

تبرک آبادی مرتب فرما لیے۔ جو آپ کا کافی لا زما رہے۔ انوس کہ مولانا اسی

نے اپنی فرسوں، نظموں اور بیاجات کا مجموعہ نہیں چھپوایا، حالانکہ یہ منزل مجموعے

مرتب کل ہیں۔ حصہ ہوا بیاجات کا ایک مجموعہ "بھارت" کے نام سے شائع ہوا تھا

مولانا اسی نے بڑی دقت رسنگاہ پائی ہے۔ علم و عرض میں بھی آپ کو کامل دستکار حاصل ہے۔ نظم کی طرح غریب قندت تا ہے۔ لاش مولانا شاعری

کرنے کی طرز کو کہیں اور صرف چند شاعروں ہی تک یہ چیز محدود رہے۔ مولانا

تغزل میں دہلی اسکول کا ابتداء کرتے ہیں۔

غضب ہی دھبا گیا اسی بہ کنا کو کھنڈی کہ تھیلے کون کو وہ تو تھیں ہم یاد کیا کہتے

# کی ڈاری

نقطہ دو انہم۔

(۸۱) ادب جنوبی ہند میں۔ بنگلور کی عظیم الشان کانفرنس اور شاعر کے بعد میو کے تاریخی مقامات کی سر

سے کسی قدر بڑھا ہوا ہے لیکن اردو زبان میں ترقی کرنے کا جذبہ دونوں ملکوں پر گہرا ہوا ہے۔ انجمن ترقی اردو میں جو نوجوان کام کر رہے ہیں ان کا ذوق و توفیق بھی لائق داد و تحسین ہے۔ شاعر اللہ اللہ اے اور شاعر اللہ اللہ جیروا جو ان سے کچھ بڑھ کر تھک چکی ہیں نہ دونوں جوانوں کو جذبہ عمل سے محروم پایا۔

علی الصبار بنگلور واپس پڑا ہے۔ بیکش صاحب کی لیاؤ کچھ دیر کام کیا اور صبح بخیر اسٹیشن چلے آئے۔ اس علاقہ اور شاعر دوستی کی یاد دہانی دے کر کوہا ناہ اور کھنکھنا آدیپ۔ جناب میدناہ اسد پرال صاحب فادری اور دیگر حضرات شب کی جگہ کے ماحول میں علی الصبار پہلے نصرت کرنے اسٹیشن تشریف لائے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسد پرال صاحب نے ایک تقریر کا فیصلہ بھی پیش کیا ہے۔ ان کے غرض محبت اور عقیدت کی یادگار ہیں اسے یہاں نقل کر رہا ہوں۔

شاد ہوں شاد حضرت سیاب  
جانشین جناب مرزا آدراغ  
نکتہ دانی میں آپ اپنی نظیر  
کان علم و کمال کے جوہر  
یہ کلمات اور آواز عجب  
ماہر با کمال و با عظمت  
جادہ پائے دانش و ادراک  
کار وافر و آپ کا بیضاں  
عالم عصر، شاعر فطرت  
ایسے انسان کا زمانہ میں  
وقت اچھا ہے نیک نیت ہو  
بکروں سال آپ شاد ہیں

بجائے

اور ہر دن ابد کا ہمسرا ہو  
جس سے حیران ہو چشم مطرباں  
اسد کی ہر نصرت نے ہم پر اثر کیا۔ جب کہ کسی وقت اور ادراک ہر سود کے غلطی کو  
کو دل و دماغ سے نہ ہٹاؤ، اگرچہ کشت کے ساتھ نہ ہو۔

آج شب کو ٹاؤن ہال پر شاعر ہے۔ دن بھر کیس نہ جاسکے۔ شام کو خاندان صاحب عبدالرحمن خاں صاحب کی کار میں تفریح کے لئے نکلے۔ میو میں ایک چھٹی سی پارٹی بھی ہے نام تو یاد نہیں۔ شام کی چھٹائی ہوئی دھوپ میں اس پر پہنچے۔ اس پارٹی سے بات کا منظر پڑا اور سب معلوم ہوتا ہے۔ ریاست میو میں پہلی کی روشنی کا خاص انتظام ہے۔ بلندی سے یہ روشنی ایسی ہی معلوم ہو رہی ہے جیسے زمین سے نائے آج صبح جگر بد فوٹ بھی اللہ میں صاحب پر و غیرہ کا بیج مہر کے شب کے کھانے پر دھوکہ دیا تھا۔ اسیر سے واپس ہوئے تو حکیم عبدالواحد خاں صاحب بیکش۔ شاد صاحب اور بسم صاحب کے ساتھ حکیم صاحب کے دو لکڑہ پر پہنچے، موصوف نے کھانے میں برا انتظام فرمایا ہے۔ خود بھی پیسے غفلت، شواہد اور صاحب علم بزرگ ہیں۔ دھوکہ دہاں کی پوری معرفت قبل علامہ سیاب مدظلہ نے شاعر سے میو سے کئے چند صفحہ کا خط۔ صدارت بنا دفرمایا۔ اتنے میں اراکین انجمن ترقی اردو آگئے اور شاعر کا یہ قافلہ ٹاؤن ہال کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہال کے دروازے پر گارڈ کسے ہی لوگوں نے چارو ڈھن سے گھیر لیا، اندر پہنچے تو تقریباً دو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ ہال میں آدمی زیادہ تو نہیں ہیں پھر بھی شاعر شروع ہونے کے وقت تک چارو پاؤں پر گئے ہیں۔ تحریک صدارت کے بعد حکیم عبدالستار خاندان صاحب بسم بنگلور سے ملے اور سیاب کا فائدہ کرایا بسم صاحب بھی خاص تقریر کو لیتے ہیں۔ ان کے باہل جلیے اور قیاس انہ ان کے علی تحریک شاد ہیں۔ انار زبان سے بھی وہ جنوبی ہند کے آدمی نہیں معلوم ہوتے ہاں ملک بے تکاں کہتے ہیں۔ شاعر غیر طرحی ہے اچھی اور بری کی طرح کی غریبیں ہوتی ہیں۔ ہمارے میزبان بیکش صاحب اچھا بڑھے ہیں۔ اور کہتے ہیں اچھا ہے ڈیجے شاعر ختم ہوا۔ اس کے بعد عبدالغنی صاحب مدیر نوجوان نے ایک تقریر کی تقریر کی اور تقریریں ہیں متوجہ کر کے فرمایا کہ پی۔ اے۔ جیاب کے جراثیم جنوبی ہند کے شاعر اور ادبا کی بہت افزائی نہیں کرتے اور اس طرح جنوبی ہند میں بسنے والوں کا ذوق آگے نہیں بڑھتا۔ تقریر ختم ہونے کے بعد سکرٹری صاحب انجمن ترقی اردو نے ایک تقریر کی اور انجمن کی طرف سے حضرت قبلہ علامہ سیاب مدظلہ کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کی اور مدد کرتے چاہی کہ انجمن زیادہ خدمت نہ کر سکے۔

بعد کے بعد شاعر کا بنگلور میں اس کا چھوٹا سا محل ہے بنگلور کا ادبی ذوق

## تحقیق و تصحیح — سہرا

جان صاحب نے "سہرے" کی لڑائی کاوشنا لکھا ہے۔ جو عورتوں کے نزدیک بڑی گنتی ہے  
 کم نہ تھا کہ ہو غیر دامن دو لہا کی مانتا تھا  
 اچانک بیٹو مانتا سہرے کی لڑکی کا  
 جان صاحب نے "سہرا جوتے" کی ترکیب کو بیان کیا جو سی کے معنی میں استعمال کیا  
 ہے کہ کیوں موت کی میں آگ میں جل جل کے رو گئی  
 ہوں سہرے نہ جوتے کی جو غیر نا میں بھر گئی۔

"سہرا" کو رو دین قرار دے کر سب سے پہلا قصیدہ ڈوق نے لکھا۔ اس کا  
 بعد متعدد محاورے نمود میں آ گئے  
 سہرا گوندا۔ (ڈوق)

تا بنے اور بنی میں رہے اخلاص ہم  
 گوندھے سوزہ اخلاص کو پڑھ کر ہل

تاریخ

خود غلام کا اگر دم طرب میں ہو گزر  
 سہرا دو لہا کا گوندھیں وہ دامن کا سہرا

سہرا گانہ ڈوق

دھوم ہے گلشن آفاق میں اس سہرے کی  
 گائیں مرغانِ نواسنج نہ کیونکر سہرا

سہرا لکھا غائب

سہرا لکھا گیارہ و اشعار امر دیکھا کہ چادہ غیر لطافت نہیں ہے

سہرا گانہ (دیباچہ)

دھوم مچا جائے بزمِ نوشہر میں شوراٹھے خوب ہی کہا سہرا

سہرا لکھا (آجر)

رات گزری ہیں دو لہا کی طرح رفت میں صبح کو آنسوؤں کے نارسے بانجھا

سہرے کے بھول کھانا یعنی بیاہ کا وقت آنا ہے

دونوں دو لہا دامنِ فتنی سے ملیں کہیں سہرے کے بھول جلا کھیں

"سہرا" کی دین کو جو معنی میں رت پیدائیں ہو سکتی ہیں آج کل اس کا بڑا

خیال نہیں کیا جاتا اور عام قصیدوں بالظہور کی طرح سہرے کہ جاتے ہیں۔ شبلی کی کام

جناب منظور مباد کی پوری نے "سہرے" کے متعلق لکھا ہے ایک مستعار کی بنا کہ ایک  
 زبان کا لفظ ہے اس کی اہمیت کی ہے کہ سب سے رواج ہوا اند کو کہ منظور صاحب نے یہی  
 تصنیف صحت لفظہ انجام لا جو کہ میں بھیجا ہوگا۔ جناب عبدالرحیم شبلی کی لکھنے "جام" میں  
 "سہرے" کی تحقیق کے سلسلے میں جو ایک پر از مسلمات مقابلہ تحریر فرمایا۔ میں یہاں شبلی صاحب  
 ہی کا جواب نقل کر رہا ہوں تاکہ ناظرین شاعر بھی آگاہ ہو جائیں۔ اسکا ترجمہ صدیقی

جواب: "سہرا" (بالکسر) ہندی زبان کا لفظ ہے اور ذواللفظ: میں  
 اس کے معنی لکھے ہیں وہ بھولوں کی لڑائی جو دو لہا دامن کے سر سے سڑ پڑ لکائی جاتی ہے۔  
 لیکن سہرا ان بھولوں کی لڑائی کو بھی کہتے ہیں جو مزار کے پانچوں پر لکادی جاتی ہیں۔ چنانچہ  
 تاریخ: جنوں میں موت آتی ہے بے بھولوں کو کہ مطلب  
 مری ریت پہ سہرا جو مرے تا رگ سب کا

لہذا میرے نزدیک سہرے کے معنی بھولوں کی لڑائی میں خواہ وہ نوٹ کے چہرے  
 پر لکائی جائیں یا مزار کے پانچوں پر۔ نیز پنجوری صاحب نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ میرے یہ لفظ  
 عربی کے "سہرہ" سے مشتق ہو چکی ہے معنی "رات کو جاگنے کے ہیں لیکن جب ہندی میں اس کے  
 معنی ہو رہے ہیں تو خواہ وہ عربی کا سہرا لیتے کی کیا ضرورت ہے؟ ہندوؤں میں سہرا باندھنے  
 کی رسم سوچ بنی خاندان کے زمانے سے چلی آتی ہے اور جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ رات آٹن میں  
 اس کا ذکر موجود ہے۔ مسلمانوں نے اسی رسم کی تقلید کی ہے ورنہ عرب و عجم میں اس کا رواج  
 نہ تھا۔ ہندوؤں میں شاعروں کی ایک جماعت زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے جسے بھٹ بھٹ  
 ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر اوروں کی ترغیبات کے پیش پالتے تھے۔ اور صرف شادی بیاہ  
 کا پیام ایک مگر سے دھری مگر سے جانتے تھے۔ بلکہ لڑکی والوں کے یہاں بیچ کر دہا کی  
 درج میں زمین و آسمان کے طلبے بھی لایا کرتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ لوگ دیہی  
 خرافات پر ایمان رکھنے والوں کے یہاں ہیرا پیروں اور انبیا کے پیرو ہیں۔ رفتہ رفتہ  
 شادی بیاہ کے موقع پر بڑا عہدہ نہیں کہنے کا رواج عام ہو گیا اور جب لکھنؤ کی درباری  
 شاعری نے قصیدے کا نوع کیا تو اس کا ایک پہلو سہرے کی شکل میں ظاہر آئے۔ لہذا  
 میرے نزدیک سہرا "کوئی علیحدہ صنف ادب نہیں ہے بلکہ قصیدے" کی ایک شاخ ہے  
 غالب اور ذوق سے پہلے تاریخ اور جان صاحب نے "سہرے" کا لفظ استعمال کیا ہے  
 لیکن ادیب رنگ میں نہیں محاورے کے طور پر تاریخ کا شواہد پر مدعا کیا جا چکا ہے

# اصلاح سخن

جناب شیدائے اناوی مرحوم کی غزل پر حضرت مولانا  
احسن مارہروی مرحوم کی اصلاح

۱۔ نام آئے ہیں باقی ترے بھانے کی خبر  
ہم کو سوالا جاوے تری بیانی کی خبر  
بہرے بیت مری

۲۔ نشہ لب دیکر بیٹھا ہوا نہ کتا ہوں  
جلد جوتے مجھے ساتی تری بیانی کی خبر  
آگے ہوش یہ کہتے ہو کہ

۳۔ جام الفت کو جو چھوڑ چکی ہیں آنکھیں  
مجموم کر دھبا کتنی ہے مسئلہ کی خبر  
عاشق زلف ہوں مجھ کو خوشی مجھے  
۴۔ بڑوں میں ہو بیانی ہو تری دیانے کی خبر  
خواب دانا ہے چہ نہ کو بے غل کے ۵۔ خیر گسور ہی عیاں دیرے دلے کی خبر

۶۔ جب غماز کو دیا میری انھوں نے لکھنا  
ناز کی نے یہ شرارت کو کما شافی کی خبر  
دھان انا ہے گیوں دل تیرا ہے  
۷۔ نوک شایکی نہ چھو جائے ترکشائے کی خبر

## توجہ

(۲) دوسرے مصرعہ کو اصلاح سے ترقی دی گئی ہے۔ نشہ لب کے اعتبار کو جوتے بیت مری بت لیا ہے  
(۳) یاد دہائی کچھ لاکھوں کوئی تعلق نہیں۔ فاضل انا سے مطلع سے مصرعوں میں بطور پیدا کر دیا۔  
دوسرے مصرعہ کو دیکھ کر کتا جوتے ہو گئے۔ آگے ہوش یہ کہتے ہو کہ شائے کی خبر تھی جس کو  
ایکایکام؟ ہوش؟ ہی کی زبان سے شائے کی خبر؟ کتنا خوب ہے  
(۴) شعر جو تیرا اور تبدیل تھا اس نے فہم کو دیا گیا۔  
(۵) "کاندھا" اور "کندھا" دونوں صحیح ہیں لیکن کدھما کا مستعمل ہے جس کو ہم کہ  
عزوت ہوئی۔

اعجاز صدیقی

محمد عبید اللہ خاں بزم امرد ہوی کی غزل پر  
حضرت علامہ سیاب کبر آبادی کی اصلاح

۱۔ لار بادہ ناخوش گوار باقی ہے  
۲۔ مرے چمن میں خزاں کی بہار باقی ہے  
۳۔ اب ہیں بھول

۴۔ مگل ہیں بقی نہ موت ہزار باقی ہے  
۵۔ چن کا نام بشکل مزار باقی ہے

۶۔ اسی کا لطف اٹھاؤ گے خوشی میں  
۷۔ جودل میں لذت بیکان یا باقی ہے  
۸۔ جو پاؤں میں

۹۔ فرار لینے نہیں دیتی کوئی دم مجھ کو  
۱۰۔ جگر جیجے غش نوک خسار باقی ہے

۱۱۔ گناہ کا دھماکا لار ہوں مگر پھر بھی  
۱۲۔ امید لطف غلامی کا باقی ہے  
۱۳۔ بناو حال یہ کیا ہنس رہا ہے  
۱۴۔ ابھی تو گردش لیل و نہار باقی ہے

۱۵۔ غش شادی سے ملت نہیں ہو بزم ہیں  
۱۶۔ خیال پریش روز شمار باقی ہے

## توجہ

(۲) مصرعہ چن نہ تھا۔ مصرعہ سے متعلق اور چستی پیدا ہو گئی باقی کی پیڑھے میں تھی  
(۳) مرے سے لذت بیکان یا کا لطف اٹھاؤ گے کوئی ایسی بات نہیں ہاں بعد میں بھی  
لطف اٹھاؤ لینا لطف انگیز ہے۔ اور لذت کی گرائی کو ظاہر کرتا ہے  
(۴) جگر سے غش نوک خسار کا لطف شاد و نہالہ تو ہو سکتا ہے۔ کیفیت نہیں ہو سکتی  
خسار کا لطف تو پاؤں ہی سے مذہب اور قریبی ہے۔ اب پہلے مصرعہ کو بدل کر لیا گیا۔  
(۵) خداوند کا وہ مجمع نہیں تھا اس نے رحمت پروردگار بنایا گیا۔  
(۶) "حساب" اور "پریش" روز شمار۔ یعنی جو؟ خیال ہی ہونا چاہئے۔  
اعجاز صدیقی

## مشاعرہ شاعر مصرع طرح :- خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا

خان بہادر حضرت علامہ وحشت کلکتوی

بکھر اس اداسے غمگین نگاہ بار آیا  
مری تو خاطر افسردہ کو خبر نہ ہوئی  
تری گلی کو ترا آشنا نہ چھوڑ سکا  
فریب غمہ بھی تھا اپنی سادہ لوحی بھی  
مجال ترک محبت نہ ایک بار ہوئی،  
نگاہ و لطف کہاں چشم قریبی تو نہ تھی  
ملا نہ ایک بھی دل در عشق کے قابل  
میں گس امید پہ آنو امیدوار آیا  
میں غافلہ میں وحشت بہت بکار آیا

حضرت نضر متگامی - ایڈووکیٹ اورنی

حرم یار سے محروم دیدار آیا  
شب فراق سسل خیال یاد آیا  
نہ جانے جیت ہوئی عشق کو کہ دار ہوئی  
چمن اسی کا، اسی کی خزان اسی کی بہار  
تمام عمر محبت اسی طرز محذری  
ہزار بار کشیدہ ہوا محبت سے  
ہزار دھوکوں پہ دل کا یہ حال ہوا نشتر  
حضرت نواب ازکر نول

دل چاہا کو نہ اک بار بھی قرار آیا  
بھلا ہو بخود ہی شوق کا وہ آہی گئے  
تیرے مزاج میں مجھ کو جھٹ کھنکھت ہو  
اسیر دام محبت ہوا جو طیار دل  
ہوئے تھے راہ محبت میں تنگی مرکز خاک  
نہ پارہ پارہ ہو کر دل کا دفتر بھیاں  
نہیں ہے سستی کتاب ہی پہ کچھ کو خوف  
حضرت بریق صدیقی فیضی  
بکھر میں کچھ نہ محبت کا کار و بار آیا

بچا بچا کے بہت دل کا آئینہ رکھا  
کسی کے وعدہ فدا نے مین میں ڈالا  
یہ بھول جانے کی خواہی کچھ بڑی بھی نہیں  
غفلتے دل میں فیضائے نشاط بھلی تھی  
کھلا دیا نفس جاں فزا سے غمزدل  
وطن کی یاد دل برقی میں ہوئی تازہ  
حضرت مسلم مالیکانوسی

معاذ یہ محبت میں بار بار آیا  
ادائیں ان کی ہیں ایک ایک پارے کا قابل  
چمن کے ہاتھ لگے کیسے تنگ تنگ کے بھول  
آکھ کے رہ گیا دشت جنوں کے کانٹوں میں  
وہی ہے بلکہ زندگی میں صاحب ذوق  
لگائی لاش ٹھکانے مری عزیزوں نے  
جواب میری صدا کا کہاں ملا شکم؟  
حضرت رونق دکنی جمشید پور

یہ کون کسے سرا پر دہ ہزار آیا  
سکون تو کونسا بلگو نہ ہو گیا حاصل  
ظلم کا رتی ڈینا سے ہونے اور تو یہ؟  
خدا ال وسیدہ چمن کا یہ انقلاب دیکھ  
کتاب زیت برل و دل سکون کا ڈکھنیں  
یکس نے چھڑا فسانہ بنائی ل کا  
وہ جلوہ ہار مہر اعتبار تھا رونق  
جناب طر فہ بھنڈا وی

ہیں کے جائے احرام سوتے دار آیا  
نظام زیت میں جس وقت انشا لیا  
شکست خوردگی قلب نامراد ہو پتیر  
خود کے سارے مراحل جنوں گزار آیا  
نومیرے لب پہ ترا نام بار آیا  
خیال بھی تھا آرا تو شہر ساز آیا

لی جہن نیست بشکر تو عارضی ہی لی  
دوش دوش گل و لالہ کی آمد ہے  
مجھے سکون کی منزل پہ دیکھنے والا  
غلامی حُسن کی طرف ہوئی نغیب ہے  
**جناب شاعر کا مدحیوی**

جہاں بارِ حواں بن کے جلوہ بار آیا  
زہے نصب جنوں جو سازگار آیا  
خوشا وہ زلیخا کہ جو یاد میں گزری  
گان گار کے جلووں کا ہو گلشن پر  
وہ کہیں نہ گردشِ عدال سے پال ہے  
ہے مرگِ زلیخا ہر بار غلامی الفت میں  
وہ لیک کو جانی کا تھا فقط شاعر

**جناب بیاب کا مدحیوی**  
مجھے جنونِ محبت جو سازگار آیا  
سکون و میرے آواز سے قلن کیا  
یہ انتہائے محبت نہیں تو کھریا ہے  
جہاں تھا وہ میرے چلنے کی صورت میں  
دلِ خواب کو میرے کہیں سکون نہ ملا  
سُنا ہے رہے ہیں اب ہر کیے مغلط  
اُمید صوفیوں کی لئے ہوئے بیاب  
**جناب اکرم حنیفی دھولیوی**

پکارتا ہوا یہ ابر کیفیت بار آیا  
غلامِ بزم ہے ان کی سکون کا سکون  
فرشتہ کی طہینِ قفس میں بک بولی  
کسی کی یاد مرگِ دل میں بار بار آئی  
جنوں ندوں سے نہ بھو ہوا کا حاصل  
ہزار عالمِ سکین شاد آئیں دل پر  
برابرِ شیشہ صدق و بناؤں کا گم

**جناب تیسرے نقشبندی کو لاری**  
جویم تازے آیا تو سو گوار آیا

جیات لیکے بھی آیا تو مستخار آیا  
چمن میں کون لے کر شہرہ بہار آیا  
قرار تھا ہی مجھے کب کہ اب قرار آیا  
جہاں عشق کا بسکر وہ تاجدار آیا

”خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا“  
خوشا وہ دور جو دنیا میں اشتہار آیا  
نہے وہ مرگ کہ جس میں پیام یا آیا  
ہزار بن کے جو وہ رونق بہار آیا  
جسے فریب نہا نہ ہر اعتبار آیا  
میں بیقرار ہی کب تھا جواب قرار آیا  
تمام عمر میں جو دور خوشگوار آیا

تو رفتہ رفتہ مری رہ کر مستلر آیا  
جسے نہ زلیخا میں اک روز بھی قرار آیا  
کسی کے جو دردِ ستم پر بھی بھوکو پیار آیا  
گشت و دید و حرم میں جسے پکار آیا  
میں اُن کی بزمِ طرب کو بھی بیقرار آیا  
شٹا کے ہستی دلِ میری اُن کو پیار آیا  
تو حضور گناہوں سے نرسا ر آیا

”خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا“  
میں بے قرار گیا ادب بے قرار آیا  
نظر کے سلسلے تک جلوہ بہار آیا  
کسی کا ذکر سے لب پہ بار بار آیا  
جب آیا ہاتھ میں دامن تو تازہ دار آیا  
تمہاری بزم سے ہو کر جو بھیرا آیا  
پسندِ خاطرِ اجاب سے شمار آیا

بنا و غنم کو ہاں بھی نہ کچھ قرار آیا

مگر نہ ساقی، یوسف نہ بہار آیا  
ہوا کے دوش پہ بادل بھی باد بہار آیا  
گیا تو کوکے گویاں کو تار تار آیا  
”خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا“  
نبینے جی جسے دم بھر بھی قرار آیا  
دیا ریشم میں بہ بن کے شہر یاد آیا

جہاں میں غل ہوا پیغمبر بہار آیا  
مجھے خزاں میں نظرِ عالم بہار آیا  
کسی کی جان گئی اُن کو اعتبار آیا  
مجھے چمن میں نظر وہ ہزار بار آیا  
وہ چار بچوں لئے برسیر ہزار آیا  
شبابِ شیب میں کچھ ہزار بار آیا  
جھجک کے بولایہ اچھا کھانا ہزار آیا

جو ایک بار نہ آتا تھا بار بار آیا  
شٹا کے خوار تھا مجھے شہر بار آیا  
پیامِ شوق لے کر موسم بہار آیا  
کہ بال کھلے ہو کر وہ سر ہزار آیا  
جو آیا بزمِ محبت میں بیقرار آیا  
”خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا“  
تو کیا مری وطنِ ان کو سازگار آیا

مری زباں پہ ترانہ نام بار بار آیا  
”خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا“  
وہ آئے ادبِ دلِ بیاب کو قرار آیا  
گیا تھا اُن کو ہر آنے پہ خود کو بار آیا  
یہ کن حشرِ دہاں سیر ہزار آیا  
خیالِ یار بھی دشمن سے ہٹا ر آیا  
وہ دورِ نشہ گیا موسمِ خوار آیا

پیامِ فصلِ بہار ان تو بار بار آیا  
یہی نہیں کہ فقط موسم بہار آیا  
ہو چمن کی کمان داس آئی وحش کو  
چمن میں ہمدِ حنائیں نہ کون چمن ولے  
کے اُمید کر مرگئے قرار آئے  
نیز کو ترے در سے جو عز و جاہ ملا

**جناب عاصمی ننگتلیوی**  
قفس سے چھٹے جو عاصمی ترانہ بار آیا  
فراقِ دوست میں جب بھی خیالِ یار آیا  
دفا کو بعد زوالِ دفا جات لی  
اُسے شگفتِ نشاط بہار میں دکھا  
نہید کو نہ سہی زندگی دفن کو لی  
عجب بہار سے مطلعِ نظر سے دی  
غدا بہار جو عاصمی پر غالب نہ آسکا

**جناب فارغ ازاد دیور**  
شبِ الم ستارِ زبیر ال یار آیا  
کھٹک رہا تھا بچا ہوں میں بری بری  
ترانے ہوئے گانی ہوئی خزاں آئی  
گھا بہار کی آئی برسنے تربت پر  
گیا جو بزمِ محبت سے سو گوار گیا  
بس بزمِ چمن اب بدلنے والی ہے  
لغاف و لغف میں طائرِ غم بھول سے

**جناب سحر اعظم گدھی**  
نہیں صبح کا چھوٹا جو شہکار آیا  
مرے خواب ہے میں ہر شکِ لالہ زار آیا  
دکھا سکا نہ انھیں منظرِ کاعالم  
میں ایک چال میں مل بات کھا گیا ہمد  
لکھن خوابِ گراں سے چٹا کیسے  
لی بہتات نہ اسے حشرِ جم آغوشی  
سنو رہی ہے عروسِ بے فراقی حشر

## جناب مختصر فرخ آبادی

اک ایسی عمر بھی جس عشق میں گزار آیا  
روشن روشن پر پیغمبر حسن بیکار آیا  
نقاب حسن سے پھر زندگی طلوع ہوئی  
دل فرود ہو ابرو لب لذت عشق  
ہو گلہ سے جس نہ کیوں اہتمام عشق فرود  
پھر لب بانی کو سے فکر خیاں بندی  
نہا کے کھجور بھی تو منہ کھلی یہ چشم وطن

## جناب استاد السیدی لکھنوی از اولہ

پھر آج کوئی سہرا م جلوہ بار آیا  
چمن میں یکے جو میں قلب داغدار آیا  
وہ دکھ منزل مقصد طلوع ہوئی ہے  
چمن کے لالہ گل پہ ہو بہر تن گوش  
تمام لالہ دگل پر چمن میں اوس پٹی  
جویم دل ہے مرا طور مفت بکسر  
جان میں انت و تکس کا ذکر کیا احمد

## جناب اشعر ماضی طبع آبادی

نہش میں دل کی اگر جو میں انتظار آیا  
تمہارے حسن کی پردہ درسی نہ تھی تلوار  
شباب اور پیران کا شباب کیا کہنا  
جیسے تھے ہی دلی تھی بندگی کی غلش  
کسی نے فاش کیا کیا کمالی حسن چمن؟  
مگوں نے خاک اٹائی تیرس کی الفت میں  
کرم جو کرنا وہ آخر تو حال کیا ہوتا

## جناب خادم شعلوی از دہلی

گستاخ ہیں جس جب موسم بہار آیا  
خیال کسا مجھے شام انتظار آیا  
چمن میں ہم نہ گئے جگر اعتبار آیا  
اگر نہیں ہے محبت تو اور یہ کیا ہے  
لہو میں سہل محبت ہنوز باقی ہے

مری کشش نے جان تک اڑ کیا اس پر  
دل و نگاہ کی بازی لگی تھی بے خادم  
جناب ہلال پریمی از کوشی (ریاست دھار)

مجھے زمانہ یہ اس طور سا دکھ آیا  
میں وہ ہوں غمخوار فردہ لے چن دلاو  
کبھی تو روح سکون مند زندگی ہوگے  
مجھے بہار و خواں سے نہیں ہو کچھ نصیب  
وہی ہے ذہبت، وہی حزن و غم وہی  
لا چٹا ہوا وہ مجھ کو دل کے گوشوں میں  
رکھے تو کیسے کھلے ہلکے دل کی کلی

## جناب حارث کوراولی

کچھ اس اداسے تمہارا گناہ گار آیا  
ہوئی تھی کیا مری تخلیق، بھڑا دی سے  
تو ہی بنا کر تھے کوئی اب کہاں دو ٹوک  
توبہ کے رو گئے اہل نفس بعد حشر  
چمک کے برق نے پھر ہوئے آجیاں بکھا  
لبوں پر آہ و فغان چشم، جگر تھامے  
نہ جانے کس لئے ہے جان کل سر مضل

## جناب خلیل راغبی آملی

بھارک اہل چمن دو روز خوش گوار آیا  
سکوت شب میں غلابے کیا ہوا دل کو  
ہر ایک دڑے کو دیکھا جمال طردوش  
آل گلشن بند و شاں سناؤ احمد  
فسانہ ذوق بحسن کا مغرور ہے  
نری نگاہ نے کھ ایسی منیاں بھر دیں  
خلیل دیکھتے نام شہید حشر کا

## جناب انجام کا شہر می

مواظف پہ مرا بخت سا دکھ آیا  
جو اس جان میں آیا خواب و خواہ آیا  
مددای مود سے بھی اب میں تھ نہیں کچھ

میں ایک بار گدا وہ ہزار بار آیا  
کسی جیت کی خاطر جسے میں ہار آیا

کبھی سکون، کبھی غم، کبھی قرار آیا  
بہار میں بھی نہ جس پر کبھی بیکار آیا  
ایسی خیال سے دل کو مرے فتر آیا  
مرے چمن کو ہر اک رنگ ساز گار آیا  
اگر فتراد بھی آیا تو کیا فتراد آیا  
بسے تمام نہانے میں، جس پکار آیا  
خواں گئی نہ کبھی موسم بہار آیا

کہ اُس پر داوید روز جو اک پسا رہا  
تمام غم سر نہ اک کچھ بھی قرار آیا  
کشت و در و در و در میں تو میں پکار آیا  
چمن پہ مجھ کو کعب ابرو بسا دیا  
اُٹی خبر جو جبر موسم بہار آیا  
یہ کون پردہ نشیں شام انتظار آیا  
زباں پر انکی مرانام، بار بار آیا

خواں چمن سے گئی موسم بہار آیا  
تمہارا نام مرے لب پہ بار بار آیا  
وہ جب خیال میں صورت بزد جلوہ بار آیا  
برنگ و در و خواں موسم بہار آیا  
میں عذکون دمکان کمال نہیں پکار آیا  
کہ تاجات نہ آپے میں بادہ خوار آیا  
اُٹھا جواہر دہرفن پر ہشتکار آیا

مری نگاہ میں پہننے وہ پردہ دار آیا  
مکے فتراد لاپے کے قرار آیا  
نگاہ و دست بستہ لے مجھے خار آیا



سے فریب میں زندہ رہے شب و رفت

مگر نہ اس ہیں تیرا انتظار آیا

وہیں نہ وہاں طلب بے زبانیان میری

نہاں پہ حرفِ تنہا تو بار بار آیا

ردی کے زلم میں اتنا ہوا میں خود رفت

کہ بخودی کو بڑی دور تک بچا دیا

بیانِ عشق کا آج تمام دیکھنے کیا ہو

عجیب طرح کا یہ دورِ نوبہا دیا

جنابِ ارشدِ حدیثی سا گری

گر جن جن محبت نہ سازگار آیا

خواب کا دور گئی موسم بہار آیا

مردہ تو دیکھنے نکلا وہ میرے دل کے قریب

ہزارہ شعلے موسم بہار آیا

لگادی آگ گھولیں جن کے دامن میں

نہاں داد میں گلِ بزمِ سہا پہا حاصل

کہ جب میں قید ہوا موسم بہار آیا

مگر کوم نہ تھا در بروئے کار آیا

تھارے واسطے ارشد نے چور دھنی بنا

جنابِ کلیم شمس آبادی

ترا خیال نسلی کو بار بار آیا

نکام جذبہ دل اور نہ انتظار آیا

یہ غم ہے ترسے دور پہ بار بار آیا

مرے نصیب میں دامنِ تار تار آیا

قدم قدم پہ مری بہری کو فار آیا

نصائیں جھوٹا پھر ابر بیکار آیا

دورِ درد سے دل کو نہ جب تیرا دیا

نگاہِ شوق کو محروم دید رہنما

نہیں حال اگر بارِ یاب ہو نہ سکا

کسی کا موسم گل میں گلِ امید کھلا

لے نہ دشتِ جنوں میں جنابِ نضر تو کیا

گم دیکھنا تو یہ نہ ٹوٹ جائے کہیں

جنابِ حبیب انڈوکشی (دھار)

میں ہشکار گیا تھا ادا شکار آیا

پیرِ انقلاب گشتاں میں شعلہ بار آیا

انہی خیر و پیرِ موسم بہار آیا

خواب کا دور گیا موسم بہار آیا

جوا بیا عشق کی دنیا میں بیقرار آیا

کسی کا نام مرے لب پہ بار بار آیا

کسی طرح نہ تری بزم میں مستار آیا

میں اپنی غیر مائل کو آستانے کی

پھر آج جب وگرباں کی سمت تھا تھا

شگفتہ گل جوئے خنجرے کھلے ہنس کیاں

ہما نہ کوئی سکون مند و اہلِ منت

کسی کی یاد سے تڑپا دیا جب مجھے

جنابِ ابوسعید خادم حدیثی تراہوں از جلیور

سکولِ نصیب ہوا دل کو کچھ قرار آیا

کہ بے نیاز سے دھام بادِ خوان آیا

قفس میں رہے جسے موسم بہار آیا

کہاں کہاں نہ نصیب جاکے میں بیکار آیا

دبا بزم سے جب عشق کا رنگہ آیا

نگاہِ ساقیِ محو کی کرامت ہے

اُس کے قلب سے پوچھو کہ کیا گذرتی ہے

حرم میں دیریں گدھوں پر عرشِ اعظم پر

اُنی حالِ الفت پہ کر فشر کے دن

جنابِ دلیر عثمانی امر و موسیٰ

جو میرے آئینہ دل پہ کچھ غبار آیا

وہ اس طریقے سے محشر میں جلوہ آرا

نہ از عشقِ چشادقت نزعِ کل ہی گیا

ہیں تو اس دلِ مدعاک نے غلاب کیا

دلِ نازوں سے کھول حشر کدیا برپا

جنابِ سعد محمد از لوی

ہر ایک پھل میں نہ رنگاں بھی ہے جس

نصویرات میں سجودے ہزار بار کئے

تقاضا بھی لوٹ گئی یاس سے ہر بالیں

ہم انتظار میں توبار دے گئے آستے

حرم میں درج میں کہے میں اودھیاں

جنابِ سلام ساگری از جلیور

تھادی بزم میں یہ کون بیستہ آریا

جھلکتے جام لے موسم بہار آیا

نصیب تھا انجمنِ ناز میں مرا جانا

غورِ حکونے آئے یہ تھا نصویر میں

بڑی امید کو بازی لگائی تھی دل کی

جنابِ احسن حنیفی دھولوی

یہ انقلاب گشتاں میں بار بار آیا

کے یقین تیسرا موسم بہار آیا

الم نصیب جوانی کا یہ غلام ہے

خود کو نہ سکا اپنے حشر پر کوئی

ماسکونِ محبت میں سکوائے حسن

جنابِ ظاہر بھڑا گانوی

نہ کوئی پاسِ جدائی میں ٹھکر آیا

کو کھڑے تو ابلیس بدل ڈالیں

ازل سے حشر و محبت میں اک تعلق ہو

سمجھ کے کہتے تھے جہیں شوقِ بھکی

وہ پوچھیں خادمِ مانہا نہ جان شاد آیا

تو پھر صفائی کو فوراً خیال یا د آیا

بشر تو کیا ہے خدا کو بھی ان پہ بار آیا

کسی کا نام نہاں پر جو بار بار آیا

کسی کی نہ لٹ دوتا کو ٹکسٹو آریا

یہ کس کے وعدہ شہدِ اقبال دیا

ہر اک چمن میں ترے حشر سے بھگا دیا

قدم قدم پہ نظرِ استخوان یا د آیا

یہ کس کا نام مرے لب پہ بار بار آیا

کبھی قرار نہ ہم کو تیرا مراد آیا

کہاں کہاں تھے محمود بھی بھگا دیا

نگاہِ ناز نے اٹھ کر کھانا شکار آیا

قسمِ خدا کی مجھے بے پے خدا آیا

قرار دے کے گیا اور بیقرار آیا

وہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار آیا

مگر کسی محبت میں ایک بار آیا

خواب کا دور گیا موسم بہار آیا

ہزار بار گیا تو ہزار بار آیا

خواب کے بھیس میں بھگم تو ٹھکرا آیا

جوئے کے سامنے آیا وہ شہرِ سار گیا

سستم سے باز کہاں وہ ستم شاد آیا

خیال یا د کے مسترِ خیال یا د آیا

خواب کا دور گیا موسم بہار آیا

جلی و شوش تو پروا نہ بیستہ آریا

نظر میں جو کس نقشِ پائے یا د آیا

بہ خوشی دیکھ میں کوہ طبر پرفا ہر  
جناب کلیم سہمی

ہزار بار گیس اور ہزار بار آیا

ہزار ہونے بالائے کوہ سار آیا  
خدا زرت فاشی نے اٹھ کے کی تعلیم

پس ایم آمد گلے سے وہ سار آیا  
وہ فاشی کے لئے جب ہزار آیا

سباہ خانہ دینا مقام گیر ہے  
یہ کہیں نے دی تھی لیک کی صدا ہزار

پرانے سامنے آیا تو اشکبار آیا  
یہ کہیں کوں دم ویر میں پکار آیا

جان دوت ہیں کیاں کلیم اس کے لئے  
جناب خباک فریخی احمد آبادی

نہ زندگی میں جسے ایک دم قرار آیا

نویاں میں عہد خوشگوار آیا  
وہ بھلائی ہی کرتے تھے گئے اس پر

خوال کا دور گیا موسم ہزار آیا  
جان نظر اچھیں طلب امیدوار آیا

جو بھول کر بھی تسلی نہ کر سکا تھو  
ترسے جو دکھ بھوکس نشان نہ ملا

وہ آج کیوں مری بالیں پہ اشکبار آیا  
کہاں کہاں میں تھے دوڑتے پکار آیا

نہ ہلنے کوں سی منزل پر گیا وہ خیال  
جناب قاصر فتح آبادی

کہ مغرب بہت اڑتا ہوا غبار آیا

ہمارے دل کا ڈھانچا ہی سازگار آیا  
بھاروا نظر آیا وہ دل کے پروں میں

کہ آج بزم وفا میں وہ ہمیتدار آیا  
ہزار بار جسے طور پر پکار آیا

بارگ آپ کو حق ہیں ان کی رہنمائی  
ہمارے جھٹکے کو آہستہ ہوتی جو اسے ٹھکر

تو میں یہ کھاکر وہ جان انتظار آیا

جناب وفا  
گلی پر دوپ، ہلک بھول پر نکھار آیا

مبارک اہل چین! دور سازگار آیا

سکھن نصیب، دل زار کوستار آیا  
وفا شوق میں پڑے بھی ہیں نرسرا

نزال کا دور گیس موسم ہزار آیا  
یہ کون بزم محبت میں فتح دار آیا

جناب جاننا ز کوکشی (دھار)  
یہ وقت عہد محبت میں بار بار آیا

کسی نے عہد یک دل کو اعتبار آیا

وہ بھرے پھر رہے ہیں سکون کا کہیں  
جہاں جب کوئی پسان غم شب فرقت

تسلیم مجھے دینے خیال یا ر آیا

جناب احقر از کوکشی (باندہ)  
سستم سے باز نہ اب بھی ستم شاد آیا

مجھے شاکسے سیر فریاد گوار آیا

کیا تھا طور پر کل جس نے دعویٰ ازنی  
نکاح حضرت پیاب کدے سے اسے ہنر

نصاب تیری تخیل سے ترسدا آیا  
دو بزم کئی میں شاعر کا جان شاد آیا

### جناب شہاب بلوی

خوال کا دور گیا موسم ہزار آیا  
تیرے بغیر دل کو کبھی شہر آیا

برائے سیر چین آن گلزار آیا  
خیال بار نری دل ہی کا کیا کہنا

دگر نہ شور تھا ہر سو گناہ گار آیا  
جناب نصیر از کوکشی

شہاب حشر میں آقا نے بخزا ہی ملا

مرے جان میں بھی موسم ہمار آیا  
خدا بنا کر تجھے کس طرح شہر آیا

خوش نصیب وہ پروردہ ہمار آیا  
کسی کے نوزدوں کو جلا کے اے میزد

مجھے کبھی نہ یہ ماحول سازگار آیا  
تری جناب میں شارق گناہگار آیا

جناب شارق از او سوید

زبان پہ ان کی سیر بزم ذکر دار آیا  
انہیں عتاب جو آیا تو جھک پیا ر آیا

عجب نہیں کہ انا کون کوئی پکارا تھے  
یہاں دنار کی اجسم بڑی مذہب ہی

جناب چوہدری صادق علی فون بھولیالی

شکستے بھولتے چھٹے گاہیں اذرنو

جناب عبدالستار خاں قائم بخوی

کبھی قرار کبھی دل میں انتشار آیا

جناب اختر بلوی

نکاح میں عیش سے کرا لیں بھوڑیں

جناب گلشن چھاؤنی بچھ

سسلوک کہ نہیں اسکا یہ نوید مژدن بھی

اس مرتبہ  
کچھ تعزلات کی فرست ضرور دیکھے۔ تیرم و خاں کے ساتھ ہی فرست شاک  
کی جاری ہے جس میں بہت سی نئی کتابیں شامل کی گئی ہیں۔ نئی کتابوں  
کی بہت کم جلدیں آئی ہیں۔ جلد آؤر دیکھئے۔  
منبر

ضروری خط لکھتے وقت خبر فرمادی کا حال ضرور دیکھئے اور جواب لکھتے  
جوانی کا دور دانا نہ فرمائیے ورنہ پھیل نہ ہوگی  
منبر



# سینہ سنی صاحب

- محسن ادب دشمن
- (۱) محسن ادب جناب محترم بابو ہرگو بند دیال صاحب نشر ہنگامی سنہ سالانہ
  - (۲) محسن ادب جناب محترم مولوی محمد خان صاحب نشر خود حوی سنہ سالانہ
  - (۳) محسن ادب ہر سائیں علیہ حضرت کینا والی بگ صاحبہ ان جونا گڑھ سنہ سالانہ
  - (۴) محسن ادب وزیر زادہ شجاعت خان صاحب نشر جونا گڑھ سنہ سالانہ
  - (۵) محسن ادب جناب لالہ مرلی دہر صاحب شاد دہوی ٹیچنگ ڈائریکٹر لائل پور کانٹینٹ سنہ سالانہ
  - (۶) محسن ادب خطیبہ ہند زہرہ سخن سیدہ سردار بگ اختر حیدر آبادی سنہ سالانہ
  - (۷) مرثی ادب جناب محترم سید تقی علی کریم صاحب مالک جیش پور ٹاکیو واسٹار ٹاکیو جیش پور ڈائنامک سنہ سالانہ
  - (۸) معاون ادب سرٹلے، بی فیس صاحب بی۔ ایسے اکبر آبادی سنہ سالانہ
  - (۹) معاون ادب جناب مولوی محبوب حسن خان صاحب آسی سونل پٹکی (پٹی) سنہ سالانہ
  - (۱۰) معاون ادب محترم بکر تعلیق الم۔ ایسے بی۔ بی۔ درہ رسالہ ادب دلی سنہ سالانہ
  - (۱۱) معاون ادب خلیفہ جود دار اختر علی صاحب گوالیار سنہ سالانہ
  - (۱۲) معاون ادب جناب سید یوسف صاحب کرمی جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۱۳) معاون ادب جناب محمد علی اختر صاحب نقوی انہاری احمد آباد جنگ سنہ سالانہ
  - (۱۴) مجدد ادب جناب مولوی عبدالغفور صاحب سلمان جالندہری سنہ سالانہ
  - (۱۵) مجدد ادب محترم بگ صاحب سکر علی صاحب لکھنؤ سنہ سالانہ
  - (۱۶) مجدد ادب جناب بابو عبدالغفور خان صاحب دکن کئی جیش پور سنہ سالانہ
  - (۱۷) مجدد ادب جناب انجیل کوکو صاحب راز جونا گڑھ سنہ سالانہ
  - (۱۸) مجدد ادب جناب غلام غوث صاحب مالک جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۱۹) مجدد ادب جناب فیروزہ شکر حسین خان صاحب فیس آن سینڈ سنہ سالانہ
  - (۲۰) مجدد ادب بی۔ عزیز فیس جان اکبر صاحب ریاست ناہر سنہ سالانہ
  - (۲۱) مجدد ادب جناب محبوب خان صاحب وکیل مدافع سمن پورہ (خانقاہ) سنہ سالانہ
  - (۲۲) مجدد ادب جناب نعمان ناتھ صاحب کراچی سنہ سالانہ
  - (۲۳) مجدد ادب جناب سید مظفر حسین صاحب گمرکس دالہ ادب رام سنہ سالانہ
  - (۲۴) جناب صاحبہ شفیق الرحمن صاحب شفق ٹوکی سنہ سالانہ
  - (۲۵) جناب عبدالغفور صاحب کرمی جودا پٹھان بی۔ ایسے سنہ سالانہ
  - (۲۶) جناب سید مظفر حسین جوی فاضلی آباد سنہ سالانہ
  - (۲۷) جناب محمد عبدالغفور خان صاحب بدم احمد پوری سنہ سالانہ
  - (۲۸) جناب لالہ محمد اکرم صاحب ایدہ سنہ سالانہ
  - (۲۹) جناب نذر احمد صاحب ذریعہ سکر ٹوکی سنہ سالانہ
  - (۳۰) جناب حبیبہ امجد صاحب آرشد مدلی احمد پوری سنہ سالانہ
  - (۳۱) جناب بریم جود صاحب بدم جوی سنہ سالانہ
  - (۳۲) جناب قاضی سید فی الدھانوی سنہ سالانہ
  - (۳۳) جناب مظفر محمد خان صاحب عارف ٹاکیو (کوسر) سنہ سالانہ
  - (۳۴) جناب سید حسین خان صاحب فاضل جیل سنہ سالانہ
  - (۳۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۳۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۳۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۳۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۳۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۱) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۲) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۳) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۴) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۴۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۱) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۲) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۳) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۴) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۵۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۱) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۲) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۳) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۴) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۶۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۱) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۲) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۳) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۴) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۷۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۱) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۲) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۳) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۴) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۸۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۱) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۲) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۳) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۴) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۵) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۶) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۷) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۸) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۹۹) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ
  - (۱۰۰) جناب سید علی جود صاحب جودا پٹھان سنہ سالانہ

## شاعر اور جنگ

## شعر انقلاب

ہو کوئی حال لیکن اپنی ہی دُہن میں مگن ہے تو  
مگر اک کون ل آرا سے سب گرم سخن ہے تو  
بدستور اپنے انداز کہن میں نغمہ زن ہے تو  
کہ شاعر ہی نہیں، پیغمبر دورِ فتن ہے تو  
قلم کے واسطوں سے قائدِ اہل وطن ہے تو  
یہی ہے رنگ اگر تیرا، تو رنگِ علم و فن ہے تو  
نہیں اہل سخن، اہل سخن کا پیر ہن ہے تو

الایا ایھا الشاعر! اسیرِ حُسنِ ظن ہے تو  
سماعتِ سوزِ طیاروں کی ہن پر ہول آوازیں  
یہ سخن کی مٹھلیں جاگی ہوئی ہیں تیرے نغموں سے  
کچھ شاید نہیں معلوم اپنا معنوی منصب  
خیالوں کے ذریعے، رہنمائی کا کام ہے تیرا  
تری "رنگین غزلیں" قوم کے کیا کام آئیں گی؟  
تری یہ شاعری، تہذیبِ باطن کو نہیں سکتی

صدِ اجلِ ضمیرِ قوم میں جھولے، وہ شاعر ہے  
جو کانوں میں اتر کر روح کو جھولے، وہ شاعر ہے

یہ ہر اک شعر پر، پیہم صدائے "مرجبا" ہونا  
یہ رازِ خلوت و خاموشی کا عقدہ کشا ہونا  
بعدِ آزادی تخیل، بس نرا خدا ہونا  
ذرا یہ سوتج، کیا انجام ہے اس کام کا ہونا  
کچھ تو چاہتے اس دورِ نو کا نا خدا ہونا  
کچھ زیبا نہیں ہے سدا راہِ ارتقا ہونا  
تو اب بھی عین ممکن ہے بھلا کرنا، بھلا ہونا

یہ جلے شعر کے، یہ رات بھر نغمہ سرا ہونا  
"تغزل" میں یہ جنسیات کی جذبولِ غریانی  
"رباعی" میں ہر رنگِ فلسفہ تذلیلِ مذہب کی  
ذرا اگر غور، کیا یہ وقت ہے تخریبِ کاری کا؟  
یہ دورِ انقلاب، اور یہ تری وارفتہ سامانی!  
تو شاعر ہے، تری آواز ہے پیغامِ مستقبل  
جو قدرِ وقت جانے تو، جو میری بات مانے تو

وہی اشعار پڑھ، جن سے فضا تیار ہو جائے

سیما بکرتادی

وہی نغمہ سنا، جس سے وطن بیدار ہو جائے

# صفہ جنگ

## (نفسیاتی اشارات)

اپریل ہے۔ اور وہی بُردت باقی  
ہے موسمِ سرمایِ طراوت باقی  
سورج زادوں کی گرجوشتی مسکوم؟  
”سولج“ میں بھی اب نہیں حرارت باقی

میوہ ہے، خود پرست ہے، فاسق ہے  
گنگر ہے گلے میں، اور جگر میں دق ہے  
ہونٹوں پہ دھڑکی، گال پہ کچھو کچھو بال  
لے صلِ علی! یہ شاعرِ مشرق ہے!!

بے وقت کی شنائی ہیں اس کے نکلا  
دن کو تو تپا ہے اور ہے شب بیدار  
امیدِ عروج اس سے رکھنی ہے فضول  
شاعر ہے زوالِ قوم کی پیداوار

لندن میں مباحثے ہو کر تے ہیں  
رشیما میں مناظر ہو کر تے ہیں  
اور ہند کی بوجھ، تو یہاں کچھ بھی نہیں  
دلِ رات شاعر نے ہمارا کرتے ہیں

جیسے پرے پہ ہوں مناظر پیدا  
ہوئے رہتے ہیں روزِ شاعر پیدا  
ہو جانے میں جب ہزار شاعرِ ناپید  
ہوتا ہے کہیں ایک مفکر پیدا

ہے حاصلِ سستی کا ربے تاثیر  
ثابت ہوئی انسان کی ذہنِ تدبیری  
بائیں ہمہ، دنیا کے پرستاروں میں  
باقی ہے ہنوز حصِ دنیا بصری

چڑھتی ہوئی قوموں کو زمانہ نہ دیا  
گرتی ہوئی ملت کو سہارا نہ دیا  
دنیا کے لئے ہو گئے لاکھوں برباد  
دُنیا نے مگر سنا نہ کسی کا نہ دیا

جامانی بھی جوش میں ہیں اور جرم بھی  
اور جوش میں ہے سیاستِ لندن بھی  
اس جوشِ اندِ جوش کا نیمہ کس ہے؟  
ہے ہونٹ پر بھی جنگ، جوشِ افکن بھی

ہر واقعہ، غور و فکر کے قابل ہے  
آندھی اور زلزلے!۔ بڑی شکل ہے  
بے فصل کے باریش اور زلزلہ باری؟  
نظرتِ خود انقلاب پر مال ہے

نظرتِ جو شریکِ جنگ ہو جائیگی  
سائنس کی عقلِ ذک ہو جائیگی  
جوشِ لگا رحمتِ الہی میں اگر  
یہ جنگ بدل کے چنگ ہو جائیگی

سیلاب

## جرعات

[illegible]

کچھ بعض ارباب غور سے اس مضمون سے اتفاق ہے اور اس سے اراکین برائے  
اوردو کی عقل پر محمول کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کمالی جبرائیل صاحب کو اشد کی روش و روشنی کا  
سب سے بڑا مبلغ قرار دے جس کا علم تمام روایات کا مکمل کرسے ہے۔ حالانکہ اس دور میں اور بھی  
کئی ایسی عقلی اقدار تھیں اور ان سے جو وجود ہو سکتی تھی حقیقت سے اوردو بے ایمان کی خدمت  
اور ترقی میں جو کمالی صاحب سے کچھ نہیں ہے۔ غور کی روش پر اگر اوردو میں جو ترقی سے اوردو  
اثر بکس ان قوانین کی حالت میں کوئی روایت و قائم نہیں کی جاسکتی اس کا ایک ایک جانا ہے و  
بشر سے خدمت گزاروں کی دل آزاری کا باعث چرکا کا نام "شاعر" خاندانی کے ساتھ ہر دم بستر  
اوردو جو بانی کی فکر پر بالکل ادرت کرنا ہے اور خود ہی ہے کہ وہ اوردو بانی و ادب کے دوسرے  
غور سے گزاروں کی یاد کا دین خاتمہ کا اتمام کرسے گی اور ہندوستان کے اندر فروغ پرستی  
کئی ٹوکروں کی طرف سے اس کا پتہ پائے گا۔

[illegible]

اجما از صدیقی

# دعائے ہندی شاعرہ

(ہما دیوی درمائی لے)

ہر دے سے جب جاؤ تو مرد بدوں میں تو ہے  
دل بکھر بکھر  
(مجھے کڑھ کھ کو بازو چھڑا کر پلے تو جا رہے ہو میں نہیں ہمارے  
اُسی دقت بکھو گی جب میرے دل سے بھاگ چھوٹو گے)

مٹی رام کا شہر ہے :-

نہیں جو کھموا نہیں نیسک نہ جاتے  
نظر آگھلاک نہ پھر کر ہنکر دل پر بھاگ  
اگ لین آئی ہے، میرے گئی نگاہے

(دہاگ لینے آئی قلی لیکن نظر آکر نہ پھر کر مسکرا کر میری رک دگ میں آگ بھرنے لگی)  
اُردو شاعرات کے برخلاف ہندی شاعرات انجلیوں پر گئی جاسکتی ہیں۔ ہندی شاعرات  
میں تیرا کھو جاتی اور دیا بانی شاعریں میں ہما دیوی درمائی قابل ذکر ہیں۔ اُردو شاعرات  
کی کثرت ادب اُردو کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچائی یہ کہا جائے کہ ہندی ادب  
سے براہِ ہما دیوی کا کام غائب کر دینے کے بعد ہندی شاعری بڑی صدمہ کی محسوس  
کی جاسکتی ہے۔ بلاویں کہے کہ براہِ ہما دیوی ایک طرف اور ہندی تمام شاعرات  
ایک طرف۔ شاید اس صورت میں بھی بڑے بار نہ رہیں۔ مجھے اتنی فرصت نہیں کہ جس  
اس حقیقت کے اسباب و علل پر غور کرنا چاہوں۔ یہ کہنا کہ ہما دیوی کو شاعری کا  
مجموعہ خالق و دلیت نہیں ہوا ظلم ہو گا شاید ان کی شاعری اس لئے پروان نہ چڑھ سکی  
اور ان کے افکار اس لئے جنس کم از کم سمجھے گئے کہ ان کی شاعری بالکل منطوقہ و  
ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی فطرت کے منافی تھا۔ ان کی نسبت اُن پر جو بڑے  
بلکہ وہاں جذبات کے اعلانیہ اظہار کی عقل نہ ہو سکی جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ (بکلی بغیر فطرت  
میں اب بھی) شاعری کا طرزِ امتداد سمجھ جائے تھے وہ فارسی شاعری کا کھلے خزانے فتح  
نہ کر سکتی تھیں۔ منافع بدلنے کے کپڑوں میں لپکنے کی انھیں فرصت نہ تھی اور جنھوں نے  
اپنی نسبت کو جو روح بھی کہا یعنی تبدیل رنگ اور سوچنا نہ شریکے اور کہہ رہی  
ہیں۔ میں اُن کا نام لے کر وہ شیعہ نہیں بننا چاہتا اور نہ قاتل میں اُن کے انتحار نہیں  
کر نے کی جرات کروں گا) اور اپنی لطافت کو کثافت سے دو جا رہے ہیں، اُن کی

کسی ہندی شاعرہ شاعرہ کے کام پر تھی فقط نظر سے ظلم ٹھکانا آئے بھلاؤ۔ رس میں  
بھید کی کوئی پرکھنا، اس پر سنچاری اور استعانتی بھاول۔ ان کے تینیس بھیدوں اور  
بھر رسوں (خمری نگر۔ پاس۔ کون۔ اور۔ دیر۔ بھیاک۔ ریمپنس۔ روت۔ شانت)  
کے اعتبار سے بھجوانہ بھر کو نا یقیناً میرے لئے آسان نہیں۔ اور نہ میں اس کا مدعی کہ  
میں نے ہما دیوی کے کام کو ہر پہلو سے جانچا ہے

ہندی شاعری میں جس طرح متدین و متوسلین میں بردائی جھید۔ جسکی اس  
چو پائی۔ سور داس بدیر۔ بہاری دوسہ۔ گوہر کندی۔ پنا کو دھنا کچھری ہند کے لئے شہ  
ہند شاعریں میں پرشاد نیچل۔ کھن لال جرویدی قوی ستر اندن رومانی اور ٹوکات  
ترپالھی اور ہما دیوی درمائی خصوصاً ان شاعری کے بھر دار سمجھے جاتے ہیں۔ اُردو  
کے برخلاف ہندی شاعری میں مردمان کا عنصر کچھ کم ہے اور اس صفت میں بہاری  
کیتھ۔ مٹی رام۔ دیو پنا کو اور پرشاد کلام بابہ الا قیاس ہے۔

فارسی اور اُردو تفریق اور ہندی کی رومانی شاعری اور ترکیزیں میں کثافت  
ہے اس کا تاثر ذیل کے اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندی شاعری میں  
اُردو کی نسبت تینیس و کثافت کا عنصر غالب ہے۔

کیتھ کا شہر ہے :-

کیتھ کیتھن اہی کری جس اردوں نہ کر ایں  
شاو کا نام بال ابا کجا جبا دشمن بھی  
چند بدن مرگ بوجھی بابا کہہ کہ جاتیں  
ماہ پارہ زمین جین جیل عور

(کیتھن ہاؤں نے بھڑوہ ظلم کیسے کہ دشمن بھی نہ کرنا میرے  
سینہ بالوں کو بیکھر) جین نو تیز عورتیں بکھے بابا کہہ کر  
بکارتی ہیں۔)

رس فان کا شہر ہے :-

بکھر پھرتے جاتے ہو تیل جان کے ہوئے  
بازو جاتے ہو کزور کھجے



شاعریہ  
ہمارے اس لئے نہ چوکی کہ گفتات یا ہمارے ادنیٰ سوسائٹوں نے ان کے اقدام کو  
ناستہ حرکت سے تعبیر کیا اور ان کے کاموں کو نظر استعسان نہ دیکھا۔  
ش ان میں ایک راز نہ کوٹ اور ان کے لٹریچر پرٹ ہوتی اور اگر وہ جامادی میں کوئی کم  
سرا بن سکتیں۔ میں جانتا ہوں کہ دور حاضر کی بعض شاعرات جن کا کلام ملک  
ہرآمد و رسائی میں شامل ہوتا ہے (بشرطیکہ اس پر وہ نگارے میں کوئی مشور  
ہو) ابھی استعداد و صلاحیت رکھتی ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اپنی "وائے کارگر" سے  
نیستے شعر و ادب کی کایا بلت کر دیں۔  
مقام چرت ہے کہ ہماری فوٹین کے برکس ہندی کی تمام شاعرات تعون و معرفت  
نہ دلا دہ ہیں۔ وہ

"دیر جو جلوہ کینا کی مشوق نہیں"  
کاراگ الہامی سنا کی دیتی ہیں۔ اُن کا ایمان ہے۔ انجن بے شمع ہے۔ گربت  
خون میں نہیں۔ ان سے ہر ایک پکار پکار کہہ رہی ہے کہ  
صد جلوہ رو بہ دوسے جو خرگاہاں اٹھائے  
طاف کمال کہ دید کا احساں اٹھائے

تبر کی :-  
گھائل سی گھومت پھروں مراد رو نہ جانے کوئے  
ہے دی میں تو پریم دوانی مراد رو نہ جانے کوئے  
سولی اور سیج ہماری کس بدھ سونا جوئے  
درو کی ماری بن بن ڈولوں دیدیا نہیں کوئے  
میرا کی پر بھیو سپرے کی جیتے بدھ نولیا کوئے  
دالی شاعری ہندی لڑچرے بھلا کیو نہ کوئی جاسکتی ہے۔ غیر ترا تو بڑی چیز ہے  
سجوانی اور دیامانی جیسی نام شاعرات کا ایک ایک خرسنے :-  
سجوانی :-  
سین کاں کھ نامکا ادبے اوپے ناووں  
سجوجیے کارنے سب کوڈو پوجی ناووں  
(حالا کو چٹانی، کان، منہ، ناک اونچے ہیں، لیکن پاؤں ہی جوئے جانے  
ہیں اس لئے کہ وہ نیچے ہیں۔ یعنی فاک ای عور نہ دیتی ہے۔)  
دیہاتی :-

بوری ہو جوت پھروں ہری آویں کبی اور  
چھن اٹھوں چھن گھروں دام دھن من نور  
ایں دیوانوں کی طرح ادھر ادھر :- دیکھتی تھی ہوں کہ میرا محبوب کس سمت

سے آ رہا ہے، کبھی اٹھتی ہوں کبھی گنتی ہوں۔ خدا یا میرا دل دیکھتی ہے :-  
The lunatic, the lover and the poet, Are  
of imagination all compact  
(پاگل، پری اور شاعر کے خیالات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔)

کامیج اطلاق ہندی شاعرات پر ہوتا ہے۔ میرا کو کرسن کی جہ سے لونا اور جامادی،  
"جن خود میں کی جیتو میں گم ہے۔ وہ محبت کرتی ہے اور بے چارہ لیکن کس سے یہ جانا  
آسان نہیں، اُسے تاس ہے اور اٹھک لیکن کس کی یہ وہی جان سکتی ہے۔ اسکی  
محبت اٹھاہ اور اسکی جتواریٹ ہے۔ اس کے یہاں جو ان سے اور بے پایاں نوا گیتی  
ہے اور جکواں۔ وہ اُس دیناے آب و گل سے بہت اوپر اڑ کر لاکھ و دیت کا  
نغمہ الپتی ہے۔ وہاں تک پہونچ جانے کی حسرت اور نہ پہونچنے کی تنویش اُسے  
دلائی رہتی ہے :-

اگ سے پانی میں بجھنے وقت اٹھتی ہے صدا  
ہر کوئی در ماندگی میں تالے پر مجبور ہے  
قیس کتا تھا :-

کاکا اچھا الخلب الذی کجھا اچھا  
ولیدنا طیلہ لہ تقطع حنا جمہ  
(میں لیلیٰ کے عشق کے بھور میں اسی وقت پھنس گیا تھا جب کچھا  
اور میرے گلے کی توید بھی رکھی تھی۔  
لیکن جامادی روز ازل ہی سے گرفتار محبت ہے :-  
پوچھے ہے کیا وجود عدم اہل شوق کا  
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے  
مٹے :-  
دور انجیل نمل کووں پر پڑا کالے بھینا تار  
اچھو اسوں کی کو خشی لایا میں نے پانی تھی اچھا  
یہ وہی نمل کوئے" ہیں جن کی آرزو خاق نے ان الفاظ میں کی ہے :-  
منظر اک ہندی پر اور ہم بناتیت  
عرش کو ادھر ہونا کاشکے کماں اپنا

کتنی ہے :-  
اُس سونے کے پتے کو دیکھ کتنے بگ بیتے  
بگ گھڑے

انہوں کے کہنے ہوتے ہیں موتی برس کر دیتے

پہلے خالی

ہے اس سونے کی جہن ہوں رانی حوالی

پراؤں کا دیب جلا کر کوئی رہتی دیو

جان چراغ

یری آہیں سوتی ہیں ان ہونٹوں کی ادوں میں

برآمدوں چھاپے ان دیوانی چوٹوں میں

کائنات

آہوں کا ہونٹوں کی اوٹ میں سونا۔ شاعر کی تمام کائنات کا دیوانی چوٹوں  
میں پنہاں ہونا کتنا حسین انداز بیان ہے۔ انداز طبعی ملاحظہ ہو:-

خدا کیا ہے ہے زخم مجھ جاتے دیکھ میرا

فکر ظالم چراغ

جو جالیگا تیرا ہی پٹرا کا راج اندھیرا

درد

(مجھے مرنے کا غم نہیں۔ غم تو یہ ہے کہ تیرے درد کی دنیا ویران ہو جائیگی  
یعنی شاعر کے بعد کوئی حریف نے مردانہ شمشیر بانی نہ رہیگا۔)

فالب نے خوب کہا ہے:-

گیلوں میں میری نقش کو کھینچے پھر دو کہیں

جال دادہ ہوائے سسر و گھزار تھا

بودلیر: *Boudelaire* کہتا ہے:-

"شاعرانہ کیفیت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تمام حواس

بغایت اثر پذیر اور ذکی محسوس ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں پردہ ابد تک

دیکھنے لگی ہیں، خیال خیالات واقع ہوتا ہے، خیالات میں قابل

عمل اطلاق فیض پیدا ہوجاتا ہے، اور زبانی دیکھن معلوم ہونے لگتی

ہیں اور رنگ میں قہر پیدا ہوتا ہے۔"

فالب اسی مقام سے کہتا ہے:-

نشر اشاداب رنگ ساز است طلب

شہید نے سرو سبز جو نادر نغمہ ہے

کوسے باد تو سے لب کہتے گنگر غرق

خطیب پاد سراسر نغمہ و نغمہ ہیں

بجائے گزشتے نالہا سے کل نذر

کرگوں گل نم شبنم جو پڑا گیس

ہمدادی انہیں خاندان سے گزردہ ہی ہے۔ اس کی نظر ابوی جی بات کی تھی

دھما ہے۔

کتنی ہے:-

لوک یہاں لٹا ہے مجھ جاتے ہیں نارا گن

جو سما دی

ادیرام جلا کر تاج ہے پریرا دیک ساسن

مسئل

جکی وصال چھایا میں جگ بالک ساسن تاج

دیس

برری آنکھوں میں وہ دُکھ آنسو بن کر کھوتا ہے

جگ ہنس کر کہہ دیتا ہے بری آنکھیں ہیں زرخیز

تھیوت

ان کے برساتے موتی کیا بات کہ بابا وہ گن

برری گھبرا آتی جس دیو لوک کو کر بڑا

عال نذر دینا گیل

ان کے پراؤں سے پوجو وہ بال کیسے گے پڑا

اجرام خلکی کا خفا ظن جانا ہے ستاروں کے چراغ گل ہوجاتے ہیں، ایسی

ہمدادی کا دیک ساسن مسئل جتنا دہشتا ہے۔ درد آنسو بن کر اس کی جگہوں پر

آتا ہے اور اُس کی دیریں چھانٹوں میں دینا مصروف ہے کی طرح جو خواب چو جائی

لوگ اُست طرد دیتے ہیں کہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں رہے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہ

آنکھیں کتنے موتی برس چکی ہیں۔ جو اُس کے حال زار کا مضحکہ اُڑاتے ہیں، کیا وہ ہر

محبت کا روگ پال سکتے ہیں؟

اقبال نے کہا تھا: آہ امید بخت کی۔ زانی نہ کبھی

چوٹ اس سائلے مغرب کی کھائی نہ کبھی

ہمدادی میں مغرب کی چوٹیں دن و رات کھاتی ہے اور سرکاتی ہے۔

اس درد کی دنیا کو اپنی ہستی میں جذب کر لینا چاہتی ہے۔

جب اسیم سے ہوجاے بری گدہ سہا میں

لا محدود

دیکھو گے تم دیو امرتا کھیل گئے لاکھیں

جیات ادبی

یعنی جب میرا کارہ وجود لامحدودیت میں گم ہو جائیگا تو تم دیکھو گے کہ ادب فنا کا  
کھیل کھیل رہی ہے یعنی ادبیت خود قابلِ بے فائدہ ہے۔ شاید ہمارے یہ کہنا چاہی ہے کہ  
اس کی غیر مستی میں وہ تو ہی جذب ہے کہ ادبیت بھی اس میں محلول ہو جانا چاہی ہے  
غالب نے شاید

ہیں زوالِ آمادہ اجڑا آفریں کے نام

نہرِ گردوں ہے چراغِ رہگزارِ بادیاں

سے انہیں تاثرات کی ترجمانی کرنا چاہتی ہے۔

ہمارے یہی کسی دشت کی سیاح ہیں جہاں ہونچکر غالب نے کہا تھا

توئی اُس دشت میں دوراے ہے کھجور جہاں

جادو فیروزِ ازنگ دیدہ تصویر نہیں

ایک نگاہ میں دینے آج کل کی ہر چیزِ فروعیہ اندازِ پادشاہی ہے کہتی ہے۔

نہ، اتنا مجوزوں کا آجواں نہیں رہتا پھولوں کا راز

گوشتا

کو کلا ہوتی انتر دھیان چلا جانا بے راز

کونل غالب موسمِ بہار

اسمبھو ہے چر سبیلن

ناکمن زیادہ دھڑک بھائی

نہ بھول بھن بھنگ جوں

جلدنا ہو جائیو الی زندگی

دکے مڑ جانے کو بھول آدے ہوتا چھپنے کو جذب

کھٹے طلوع جاد

شونہ ہونے کو بھرتے سگے دب جاتا ہونے کو مند

غالی بادل چراغ محل

یہاں کس کا انت یون

لاٹانی جوانی

ارے استبر جھوٹے جوں

بہتر

یعنی مجوزوں کی گونج اور پھولوں کی سلطنت ختم ہو جائیگی۔ ہمارے

ہمارے ہر دم کے ساتھ کون غالب ہو جائیگی۔ ان کی کجائی کا قیدِ مدام ممکن نہیں۔ مشکون  
زندگی پر نظر ڈالو۔ بھول مڑ جانے اور چاند چھپنے کے لئے طلوع ہوتا ہے بادل غالی  
ہونے کے لئے پانی سے پڑھوئے ہیں۔ چراغ بجھنے کے لئے جتا ہے۔ گونا گویا کسی کا شباب

دیر پائیں۔

غالب نے اس احساس کی ترجمانی اس طرح کی ہے:-

ہے دم میں فخرِ محو عرت انجام گل

یک جہاں زانو تال درخشاں خندہ ہے

مختصر ہے "دل مجھ کو یہ دل آشنائے خندہ ہے"

غالب کی "بے درد و وار ساک گھر بنانا چاہئے" والی آرزو ہمارے یہی کو بھی بہتر

دکھتی ہے وہ اس انوکھے سنار کی تمنا ان صرست بھرے الفاظ میں کوئی ہے۔

جہاں کے زبیر زوگان ساکنے اتر تو پروان

آتش سکوں پردہ جیات جاوید بختے والے

سناتا بخند انت جھکار بجا دیتا ہے سارے تار

آسان ادبی لغز

بھرا جس میں آسیم سا پیار

لاحدود

کون ہو سنا دیکھا اُس پار

پُشب میں ہے انت مکانِ تیاگ کا ہے مروت میں گان

بھول لا آتھا "خوبو خود فراموشی فضا"

سبھی میں ہے سورگ و کاش وہی کول کتبہ کاش

خودوسی نزہت لطیف جمیل مکتبی

دور کتاب ہے وہ سنار

یعنی کاش مجھے کوئی اُس سنار میں ہو سنا دے، جہاں کے بھروں میں  
جیات جاوید بخش دینے والے اور سکوں پرورنے میں اور جہاں کی نغمات  
ترنم سے معمور ہے جہاں محبت ہی محبت ہے جہاں ایسے بھول کھتے ہیں، جن کی  
خوشبو ادبی ہے اور جہاں کی ہوا بھی موسیقی سے لبریز ہے جو ملاحظی دنیاوی سے  
بے خبر کدے، جہاں کے ہر چہ میں خودوسی نزہت ہے اور جہاں سبکیاں  
ہی سبکیاں ہیں۔

ہمارے یہی کی غم دوستی کا عالم ملاحظہ ہو۔ اُس نے غالب کی طرح درد

لاوا میں اپنے درد کی دو تماش کی ہے۔ محبوب کی کوم پائیاں اسکی رور کو

تیر کرتی ہوں تم نہیں دیکھیں کہ بھولوں میں اب تک میرے آنواں ان کا زمین  
بسم، بھرا ہوا ہے۔

وصل کی کتنی حسین شہادت ہے

ہمادیوی کے حالات زندگی پر انشا، انشا آئندہ فرصت میں روشنی ڈالوں گا۔

بہار کوئی

تبیلی

گناہگار محبت، حوصلے یہ نصیب کہاں ہے  
تیرے ہنسی بشتاں میں آؤنگا نہ کبھی  
میں بھوکھی نہ پھر ڈنگا اتجا کا رباب  
تجھے حجاب کا پیکر بن آؤنگا نہ کبھی  
طویل ماؤں کی تادیبوں کے سناں میں  
جراحیہ ساغر زہیں جلاؤنگا نہ کبھی  
تجھے جو خلوتی لمحات میں پسند نہیں  
دہ آکھی، کبھی کمانی ناؤنگا نہ کبھی  
اگر اجازت ہے بالی، نگاہ نہیں  
میں تیری سمت توڑ بھی لٹاؤنگا نہ کبھی  
یہ دستِ ثقیل نہ آکھے گا کیوں سے ترے  
نہیں کر تجھے بہروں جگاؤنگا نہ کبھی  
تیری زبان سے نونہنگا نہ کیسی کا گھر  
تنگتِ ثقیل پر آنسو بہاؤنگا نہ کبھی  
تیری حسین جبین پر بالہاں شباب  
میں تھر تھراتے ہوں کو جھکاؤنگا نہ کبھی  
طلسمِ دہم و گماں ہے اگر نگاہِ کم  
میں اس نگاہ کے دھوکے میں آؤنگا نہ کبھی  
ترے شباب کی دیکھیں ادیوں کے قریب  
دقارِ ہستی وستی لٹاؤنگا نہ کبھی

یہ آج عشق کی فطرت میں انقلاب بھی دیکھ  
ہزار شکوہوں کا اک مختصر جواب بھی دیکھ

موجِ بی۔ اے (بلگ)

مسکوں نہیں گشتیں، وہ درد کی دنیا میں اپنے محبوب کو ڈھونڈتا جا رہی ہے اور  
میں فٹ تک ڈھونڈتی ہے جب تک اُسے یہ نصیب نہ ہو جائے کہ اسکا محبوب سراپا  
درد بن گیا ہے۔  
نستی ہے۔

چاہے جو جہنم تاروں میں اپنا مانس اُجھاؤ  
کر دور

ان پلوں کے چاہے میں سکھ کا آنسو چھلکاؤ  
میرے بھروسے پراؤں میں ساری گناہ دھلکاؤ

جانِ مضطرب  
میری چھٹی سبیا میں اپنا آئینہ ساداؤ  
رحم  
دور

پیشیں نہیں ہوگی میرے پراؤں کی کڑیا  
نغم  
تم کو بیڑا میں ڈھونڈا تم میں ڈھونڈو گی بیڑا  
دور

یعنی۔ خواہ تم تاروں کے روپ میں ملو کہ ہو خواہ میری آنکھوں کو خوشی کے  
نیوؤں سے بھر دو، خواہ میری مضطرب روح میں رحم و کرم کی بارش کر دو۔  
واہ خود میری غیر ہستی میں جذب ہو جاؤ۔ میری روح کی تشنگی نہ شے کی۔ اس لئے  
میں نے عالمِ درد میں تمہیں ڈھونڈا تھا اور اب تم میں درد ڈھونڈو گی۔  
پُریر میں ڈھونڈا تم لگائیں ڈھونڈو گی پُریر۔ کتنا بے پناہ کوا ہے۔  
اختلاط کے راز و نیاز کے ذکر پر ہمدادی کی سہیلی کہتی ہے کہ بہ کوسب  
لاپ کی باتیں ہیں۔ ہمدادی ہی اسے یقین دلائے کے لئے عجیب غریب لائل  
بیش کرتی ہے۔

کیسے کہتی ہو سہنا ہے  
اس بلوکِ ملن کی بات  
خلوت

بھرے ہوتے ایک بھولوں میں  
میرے آنواں کے پاس  
سکراہٹ

یعنی اے سکھی تم میری اودمان کی طاقت کو خواب و خیال سے کیوں

# اُردو ادب کے نئے رجحانات

(مدیر شاعر) نے یہ خطبہ صدارت اراکین کو متفرکے ایک شاعرہ میں پڑھا

زرگو. دوستو اور بھائیو!

اسے اپنی ذات سے بہت کرنے والوں کی تم غریب ذمہ تو ادھر کہیں  
کہ میری بھجوانی اور گوناگوں علمی و ادبی اور کاروباری معروفیتوں کے علم کے باوجود مجھے  
یہاں کھینچ گیا، یہی نہیں بلکہ مجھے جسے بدجا ہوا اور افضل بزرگوں کو چھوڑ کر میرے  
کمزور کندھوں پر بار وحدایت بھی دکھایا۔ — ہیں بارگاہِ اٹھاؤں کو کیونکر احد  
اس سے عہدہ برآ ہو جائے تو کس طرح؟ بہر حال تعویض اعزاز کے لیے منت گذار  
اور سراپا لشکر دانشان تہیں، مگر اپنی انتہائی کمزوری پر وہ پوسٹی مجھ سے کسی طمع  
محکم نہیں۔

آج کل ادبی ملبوں اور شاعروں کی صدارت یوں اور بھی ایک بار عظیم اور  
کاہرام معلوم ہوتی ہے کہ ان میں صدر کو صدارت کی تقریر کی پُرستی ہے یا خطبہ صدارت  
پر خطا پڑنا ہے۔ یہاں یہ حال کہ تقریر میں گنت عیسوی کا اندیشہ اور تحریک کے لئے  
سکون والہ طبعان، غور و فکر اور فرصت مطالعہ مفتقد ——— اٹھارہ گھنٹے غزل  
نظموں اور سخا بن کی تریب و اصلاح کا خیال، کاتب اور مطبع کی جبر سامناں ،  
خطوط کے پُختہ سے اور دست و قلم کو شکا دینے والے جوابات کا لاتا ہی سلسلہ۔  
عزیزوں، دوستوں اور بیگزوں کی آمد و رفت، شاعروں کی جبری شرکت شب بیدار  
غرض ہر گھر ایک بھگتا نہ وادہ ہر بات ایک خوفناک تازہ ——— دل بے چین  
روح گھبراہٹ ہوئی ——— گھر سے جوان اور دل و دماغ تازہ ———  
جبری مجبوریوں اور مصروفیتوں کا یہ دھندلا سا فکا کہ اگر آپ کی توقعات کو مجروح  
کر دے تو اس کی ذمہ داری مجھ سے زیادہ ابنِ نعلین پر عائد مہنتی ہے جن کے ہزار  
لے مجھے گریز پائی کی اجازت نہ دی۔ اور مجھے باہر دے دے دے دے دے دے  
ہاں آناٹرا،

اُردو ادبِ شریکِ ایاب کو ن موضوع باقی رہا ہے۔ جس پر اب تک اُردو کے  
بدوار دماغ اُردو وٹس خیالی ادیب قلم نہ اٹھا سکے ہوں۔ اُردو ادب کے نئے رجحانات  
جو اس مضامین کا بھی موضوعِ تشریح ہے۔ آجکل سب سے زیادہ عنوانِ فکر بنا چکا ہے

لیکن اس بھی دو تین سال میں اتنے اچھے اور معلومات آفریں مضامین لکھے جا چکے ہیں کہ مزید خاصہ فرسائی بلکہ سودِ معلوم ہوتی ہے۔ شاید میں اس سلسلے میں کوئی نئی کتاب نہ لکھ سکوں، بہر حال اسی موضوع پر کچھ حالاتِ پریشاں پیش کر رہا ہوں۔

”اور ادب کے لئے دجانات معرضِ کثرت میں آتے آتے اب کسی قدر  
 قیام معلوم ہونے لگے ہیں اور دہائی دہ ہونے کے قدیم افعالِ عظام اس جدیدیت  
 پر اب زیادہ نہیں سکیڑنے سکے تو اس کے کارہائے ادب کے لئے دجانات  
 غیر فطری نہیں اور کچھ اس کے ان میں اکثر دہشتہ ہمارے زندگی کے رستے ہو کر  
 ناکور دہکتے ہوئے شعلے بن گئے ہوئے اعضا اور ڈوبتے ہوئے نفس کی آوازیں  
 صاف سنائی دیتی ہیں۔ ہم آج بھی کئی کچھ لوگوں میں جیتی بھرتی نہیں۔ بدبودار سیلے  
 چتھرلوں میں پٹی ہوئی زندگیاں۔ تجڑوں، محوڑوں اور انڈوں کی طرح لکڑی  
 ہوئے نرادر شالے، پینے سے نرادر جسم۔ پیٹ سے پھر باغ سے ہوئے انسان  
 جوان اور آدھ بڈا دکھے ہوئے دل دیکھتے ہیں۔ جب ہماری زندگی اتنی کھلی ہوئی  
 اسدہ درد انگیز اور اسفند آلام و مصائب سے بھری ہوئی ہو تو ہماری شاعری  
 اور ہمارے ادب کا ترجمان زندگی نہ ہونا کیا معنی؟“

مجھے کہنے دیجئے کہ دورِ شاہ کا ادب جسے ہم قدیم اور ادب برائے ادب کہتے ہیں، وہ بھی ہماری زندگی کا توازن رہا ہے، وہ بھی اپنے وقت کی نشانی تھا۔ اس کا ہر لحاظ ہر فقرہ ہر مصرعہ اور ہر شعر کھلنے ہوئے ساغروں کی آوازوں، بلکتے ہوئے صمتوں کی غوغا آرائی، خود دفن کی بھینسی بھینسی لہڑیوں، رخسارِ صبحِ دلخ پر کھجوری جوتی زلفوں، رنگِ فروغ لبوں، غزالی آنکھوں، شرمیلی اداؤں، چاندنی دکنی جوتی پیشانیوں اور کمرے نیچے لہرائی ہوئی چوٹوں کا عکس جہل ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ قدیم ادب اردو میں بھی ہم وہی خالصت پاتے ہیں جو جدید ادب ادب میں نظر آتی ہے، لیکن دونوں کی راہوں میں فرق ہے۔

ایک ایسا فرق جو اداسے اور داس میں ہو، ایک ایسا تضاد جو دن رات میں ہو اور ایک ایسا امتیاز زندگی اور موت میں ہو۔

ہر دم دھیم کی کھٹ کوں اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتا صرف یہ بتانا چاہتا  
ہوں کہ ہر دور کا ادب اُس دور کی خصوصیات اور رجحانات کا آئینہ دار ہوتا ہے؛  
ہندی کو جو خلد قدم اہل تنگ بری کا پاؤں نے بکھلے چلن بکب دری کا  
زلف اُنکی ہے سر سے تالے پر جودت کے یہ رات آئی ہے  
کیا حال یہ نکالی تم نے جو ان بکر اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کر ہے  
وہل کے دن بھی مرنے کا پٹھان پٹھان جو باد آئے ہیں وہ حد سے خوش ہونا کے  
ہائے بوجھ نہ تصور کے نہ لے گود میں نہ کولے بیٹھے ہیں  
آگے ہی اپنی کون سی نص قدرت پر تہ کی فتوں لے دو دو سی رہی سہی  
کسے بکھلتی ہے بھر بھل نہیں سکتا اور آب آئے ہیں عاشق کے اہل کے لئے  
فامی و غیب طہر سدا ہے راج کو میکش فوب پیو، خلق کے دربان کے  
لے ستم کیا دُکھ تک یہ ستم دکھا کر تو کہے غروں سے یاتیں در ہم دیکھا کر  
تم کو آشنہ مزاروں کی قبر سے کیا کام تم ستم دار اگر بیٹھے ہوئے گریبا پنا  
گوارے پائے تو پھر کون نہ پیئے زاپہ نہیں، جس شیخ نہیں کچھ دلی نہیں  
خاہنوں میں ہوتوں پر بہم نہ گدلی میں وہ آئے پھول برساتی مٹیوں کی مٹی میں  
اتنی کثرت سوار کسان، پھر اتنی تند ویز اچھے پیئے والے آج تو بے گواہی

یہ اشعار قدیم ادب کے فاضل اور اہل تہذیب کی یادگار اور ہندو اور  
مسلمان بادشاہوں کے عہد سکون و اطمینان اور فراغت و تن آسانی کے خند ہیں  
یہ وہ دور تھا جب فاضل کے باوجود فریبوں اور امیروں کو پرست بھر دلی اور  
تن دھانیئے کو حسبِ ارادہ اپنا تھا۔ جب گرائی اور گراں جانی خواب و خیال تھی۔  
جب ڈوپے کا مزدور بھی اپنی زندگی آرام و آسائش سے بسر کرتا تھا، جب  
ہندوؤں کی زمین سے اگلا ہوا سونا اسی کے دزدوں کو زبردست بنا کر لے لیا تھا۔ جب  
وطن کے ستم دلوں سے نکلے ہوئے مہلی اسی کے ساحلوں پر بکھرا کرتے تھے جب  
وطن کی کانوں سے بھانکتے ہوئے جہازات اہل وطن ہی کے کانوں کو فز و زل  
کیا کرتے تھے۔ جب اس کے کھیتوں کی ہری بھری ڈالیاں اسی کے افراد پر سایہ یقین  
تھیں اور جب اس ارض پاک پر بہتی ہوئی رودھ کی تیریں نہریں اسی کے زندگان کو  
کوسراب و سودہ کیا کرتی تھیں۔ — ادب مسکراتے ہوئے دلوں، قہقہے لگتی  
ہوئی راتوں گھاتے ہوئے زمینوں اور چھوٹے ہوئے ساروں کی یادگار ہے۔ جب  
وطن کے اگلی کو چلن میں ہیں برساتا تھا۔ جب ہندوؤں کی تمام قومیں باہم برتر تھیں  
تھیں جب مذہب دلوں میں تھا۔ جب سکھوں اور سندیوں کی ہی نظر سے دیکھ لیتے  
تھے۔ جب ہندوستان ایک مشترک دم و روح۔ ملے جئے تھیں اور بین الاقوامی

تہذیب کا مرکز تھا۔ اختلاف کی گھاٹیں بھول کر بھی اس کے آسمان پر نہ چھاتی تھیں  
اور چھاتی تھیں تو کچھ دیریں کو کھٹ جاتی تھیں۔

مگر ان — بطورِ عمل وطن میں وہ سب کچھ ہوا ہے جو کسی طرح  
تہذیب تمدن، ذہب معاشرت، ظاہر و بہود، آسودگی و آسائش اور سکونِ اطمینان  
کی موت سے کم نہیں۔ دلوں سے ہر شخص درو بکال ادا و طب ہے۔ ایسی حالت  
میں ادب و ادب کا کچھ بچل نہ بدلتا غیر فطری اور ناممکن تھا۔ موزنی تہذیب کے لئے  
ہم پرست ہو چکے تھے اگر یہی تعلیم اور دوسرے مالک کی تحریکوں سے ہم واقف  
ہو چکے تھے۔ تہذیب و معاشرت سے دوچار ہو کر ادا ہی انفرادیت کو لئے کے بعد اپنی  
بے بسی۔ بے کسی اور غلامی کا احساس ہوا اور یہی طرح ہو چکا تھا۔ انقلابِ تنہا ہیں  
جس طرح کہ بچارا تھا۔ آنکھوں سے پھٹتی ہوئی آنکھیں ہمارے ادب سے  
جھک رہی ہیں کی طالب تھیں موجودہ زندگی کے برج و دھم ادب کو دھری کے لئے  
بلا رہے تھے۔ مزدوروں کی درد بھری پکاریں ادا اور شرا کو تڑپا رہی تھیں  
مرہبہ داری کے ناگ بر طرف بھٹکنا دیں مار رہے تھے اور تہذیب نوی کی طرح کیا  
ادب کو انقلاب کشائی کی دعوت دے رہی تھیں؛

انہی میں حالات ہمارے ادب نے انگوٹھی لی۔ شرا اور ادا جاگے خیال و خیال  
اور کس ماضی کا لبادہ انھیں مجبوراً اتارنا پڑا۔ ادب میں نے اور تڑپا پٹنا دھننا  
اتنی تیزی سے پیدا ہوئے کہ ہر شاعر اور ادیب کو تڑپا پسندی کا دعویٰ ہونے  
لگا۔ چنانچہ ان شرا کو چھوڑ کر جن کی شاعری نے کسی قدر دور زل کی ادھوپ  
چھانوں دکھی تھی۔ باقی سب کے سب تڑپا پسند رنگ میں رنگ گئے۔ آج  
ادب و شاعری میں انقلابی دھول جس قوت سے پٹا جا رہا ہے۔ اس سے ہمارے  
کان اچھی طرح واقف ہیں — گراں کی بول — ماضی اشد

یہ میں پہلے وطن کو چکا ہوں کہ ادب کے نئے رجحانات غیر فطری ہیں اور  
غیر شعری نہیں ہیں۔ بلکہ وقت اور حالات کے تقاضوں نے ہمارے ادب میں اور  
شاعروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی نظم و نثر کو زندگی کے اتنے قریب لے آئیں  
کہ اُس میں اُس کا عکس جھلکے لگے۔ چنانچہ یہ مکتا سی، مکتا سی کی کسی سرعت کے ساتھ  
ہو رہی ہے۔ موزنی تعلیم و تہذیب کے اثرات، سیاسی تحریکیں، دوس کا  
نظر، اشتراکیت عام، اشتراک و اضطراب اور صلاح کی کرنی ہوئی حالت نے ادا  
اور شرا کو تڑپا انقلاب پر مجبور کر دیا ہے۔

انقلاب پسند ادب اور شاعر اس اعتبار سے ناقابلِ تلافی ہیں کہ  
وہ وقت کے تقاضوں کا ساتھ دے رہے ہیں، اُن کے دل موجودہ دور کے



حضرات

جس بہت ہی اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں، وہ نہ اردو ادب کے سننے والوں کو آنا لکھا جاسکتا ہے کہ دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں، ادب کے سننے والوں میں ایک جہتی ہو کر بھی ہے اور یہ بھی مغربی ساقی بیسن کی جہالت و آرائیوں کا نتیجہ ہے۔ مجھے اعتراض ہے کہ مغربی مملکتوں سے انسان کی طرح نہیں نکلا اور نہ پھینکا جائے۔ ہم دنیا میں اس لئے پیدا نہیں ہوئے کہ زندگی کے توڑوں کو خشک کر لیں اور تار و درجہ حاصل نہ کریں اور رہبانیت کے جوت کو اسے سرسوار کر لیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں، پھولوں کا دس ہجوزوں کی تشنگی بچانے کے لئے ہے۔ تاروں کی جوت بچنے ہوئی کہ راستہ بنانے کے لئے ہے۔ کیوں کاروبار آنکھوں میں نظر نشی پیدا کرنے کے لئے ہے اور انسانی حُسن و جمال کون غلط کر کے لئے، لیکن سوسائٹی کے قوانین تو رُکاوٹ اور تہذیب و شائستگی کا لاکھوٹ کر حاکم سے باہر ننگا نکلی آنا دیوانہ پن نہیں تو ادب کیا ہے؟

روانی جذبات کا اظہار ہر وقت کے ادب میں ہوتا رہا ہے۔ اس دور میں بھی ایسے کچھ داسے موجود ہیں جن کی صلاح اور انقلابی نظموں کا پس منظر روانی ہوتا ہے مگر یہ رومان یا اہموس کی تک نہیں پہنچتا بلکہ دیکھنے اور سننے کے بعد لذت گیر ہونے اور کیفیت و سرور کی دعوت دیتا ہے۔ اس سے جذبات میں مطلقاً مہمان پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لطیف کنسے اور استعارے براہ راست ادب کو چھوٹے ہیں۔ یہ کہنا کہ دورِ باطنی کے شواہد یہاں بھی آشکار ملتے ہیں۔ اس لئے ہم اگر غریب جذبات کا اظہار کرتے ہیں تو کیا برا کرتے ہیں۔ قطعاً اب ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ جو کچھ ڈاروین کے نظریہ کے مطابق پتے انسان بندروں کی کسی حرکات و سکنات کرتا تھا۔ اس لئے اب بھی اسے بندر ہو جانا چاہیے۔ پیش روؤں کی تقلید ہی جو کچھ کیا توئی پسند کی ہے ہی نہیں؟ ترقی پسندی تو اسے کہتے ہیں کہ اردو غزل جو کبھی کبھی ہوئی مبالغہ بندی تھی۔ آج سنجیدہ ہو کر سیاست، درس و پیام اور ادراک و عرفان کی حامل ہے۔

فن نگار کے جذباتی شاعری کے رجحانات میں ادب بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ ان میں آزاد نظم بھی ہے لیکن میں ان سب کو وقت کی کمی کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں۔ اردو ادب کے رجحانات فی نفسہ ایسے اور کام کے ہیں لیکن انہیں کرنا تو اردو کے راہِ روی حرمِ تجویز اور نفسِ فکر نے ان کے افادہ کے جوہر کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کرنا لیکن آئنا و قرآن بتا رہے ہیں کہ غلو میں

جذبہ عمل کی کمی اس دور کی نئی شاعری کو بہت جلد فانی کر دیگی۔ لیکن ہے انقلابی شاعر اس وقت اپنی شاعری ایک تمنا ہی آفتاب معلوم ہو رہی ہو لیکن میرے خیال میں یہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر شاید کبھی نہ نکلے گا۔ طوفان آنا ہے اور جلا جانا ہے کچھ دیر کے بعد اس کے آئنا بھی غائب ہو جائے ہیں۔ لیکن اب ادب باوجود آہستہ فوری اور سبک فوری کے ساتھ جہالت میں بہہ رہا ہے۔ اس کے خشک ہونے اور تڑپنا لازماً نہیں ہوتا۔

حضرات، میں نے آپ کا بڑا جتنِ محنت وقت لیا، نہیں کہہ سکتا کہ میں جو کچھ لکھا چاہتا تھا وہ کہہ سکیا نہیں، ہر حال اب میں خطے کو ختم کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ آج ہی مذہب کے آخری حصہ میں مجھے یہاں سے بچے پور جانا ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ دیر آپ حضرات کے کلام سے لطف اندوز ہوں۔

ار راق سید

عجاز صدیقی

: (ہفت)

## جذبات

لے لے کاش سدا سے کوئی پیغام ملاقات  
اک کمر فراوان ہوئے نوحِ خرابات  
انسان میں باقی میں اب کشت و کراہت  
گو تفرقہ پرداز نہ ہوں سحر کی گھڑیاں  
اس غلبہِ شخصیت کے دو قائل نہ کبھی تھے  
ظاہر ہے نہ ہونے ہی سے ہکا ہیں ہونا  
ہر ریح سے جنت میں فراغت تھی میر  
اک آن میں دنیا کے رواجوں کو بدل دے  
گنجائش مہلاں نہیں میں میں تیرے  
لے صاحبِ اقبال تجھے بھی خبر ہے  
مفلح کی نظر سے طرفِ دیرِ سادات

کی پہنچے گزند اس کو ضیا بزمِ سخن میں  
سیماب سے وابستہ ہوئی جسکے افادات  
ضیا میر بھی



# حسن اتفاق

”یہ نقشہ ہے جبکہ کہ آتش جوان تھا“

دیکھئے۔ باوصاحب نے گردن گھاڑ دیکھا تو درہن خان باہوت کے ساتھ ہونڈ  
تھوڑا سا کٹا کٹا ہٹے رہے۔ ایک منٹ انتظار کے بعد جس نے پھر کٹا کٹا دیکھو  
صاحب اس مرتبہ انھوں نے گردن کو جنبش بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے خیال  
کیا شاید ہنسنے نہیں ہیں بات کر کے بغیر لہذا ”دو نا ہوا اتفاق کے طوطا پر ڈول  
آواز میں منٹ کا تقاضا کیا۔ باوصاحب نے جھلا کر فرمایا ”جس پہل نہیں ہوئی آپ  
کسی جگہ کا نام تو لیتے نہیں اور ٹکٹ انگ رست ہیں۔ یہ واقعہ تھا کہ کھلا ہٹ میں  
ہر نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا، جس نے پھر گنگو کو شرف کتے ہوئے کہا ”خواب فرما“  
کتنا خوبصورت اور برعل خلاف! مجھے ٹکٹ لگ گیا اور میں ٹکٹ فارم پر آیا۔ اکیس برس  
آدھا تھا اور یہاں کا ہنگامہ بد سے شباب پر۔ کوئی ٹھہری ہنسنا، کوئی  
بچوں کو دبا سے۔ کوئی رنچو ٹیوں کٹے۔ کوئی پھر پھر کوئی کو دیکھنے میں بے اعتدالان  
معروف حرکت تھا۔ میرے قدم بھی اسی عالمیہ اعتباری میں آہستہ آہستہ ایک  
طرف کو بغیر ارادہ اللہ رہے کے کرنا کھا راستہ۔

بوس پس بندہ باک سولہ برس

جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

لا تمبری تنہا کے سامنے میں ٹھہرا ہوا نظر آیا۔ کھٹا رنگ کٹا دہ پشانی پڑی  
بڑی آکھیں ”گرہ وادب راتیں آفتاب کی تصویر اور دست مرہون خسار ہیں۔  
فازہ کی تفسیر علامہ سیاب و ظلال کے لفظوں میں ہے

پہاں ہر اک نگاہ میں اک موجب ہمارا ہر سانس میں ولے عدالے ہوئے  
ڈھلے ہوئے ہر اک ہم گیسوں اک گرہ ہر گرہ میں عقدہ نکلے ہوئے  
مناخورد آکھوں میں لب ہنسنے میں تارے ہرے ہوئے در کالے ہوئے  
اک قشعہ جھل جھل جین کٹا دہ میں کٹے کا اور دیر کا حاصل لے ہوئے  
اک باکھیں خسارہ جلوس کے محاذ میں اک تیر بالغا بڑے دل لے ہوئے  
شاہد کسی ہائے ہی اجتماع حسن و شباب کے نقشہ سالانہ نظارے نے حضرت  
داروغہ سے گھلایا دیا تھا۔

ہندوستان کے دیو سے سیشنوں کا میدان قیامت ہونا سادہ سمی، لیکن جن کا  
ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، سکونی و اضطراب جو کئی دوسرا بھی ”جوان اور بوجھل  
کے اضطراب کا لطف آپ کو فٹ اٹھا سکتے ہیں۔ جب آپ کو کسی ضرورت کے حرف چڑھتی  
تو کیا درد گشتی کے لئے اسٹیشن جاتیں۔ اگر آپ کو سفر کرنا یا کوئی بھی دوسرا کام ہے  
تو بعض فراموشی کے آپ پر بھی بدحواسی کی کوئی نہ کوئی قسم ضروری طاری ہو جیسے کی۔  
لیکن ہے کہ آپ اسے محسوس نہ کریں۔ عرض کیجئے کہ آپ کو سفر کرنا ہے اور مقصد اسے  
احیاء آپ قبل از وقت پہنچنے اور گاڑی ہوئی ”لیٹ“ تو آپ لا محالہ پورے  
اسٹیشن کا دوسرے فرم پر مجبور ہوئے۔ کبھی ٹکٹ فارم کی پالش کبھی جگہ انٹس  
کی تاک جھانک۔ کبھی بال گو دام کا سامنا۔ کبھی سافروں کا جائزہ۔ کبھی ہشت ہمارا  
اور نام میں لا محالہ، کبھی دیو سے کھلائیوں کا مذاکرہ۔ بالآخر ہر جگہ گنجائش  
کسی بیچ پر دو ٹوٹا فروزی اور تھاکو پان یا سگٹ بڑی دفر سے شکل اور گاڑی کے  
جلد سے کی دل ہی دل میں دعا ہیں۔ اور اگر یہ ادھائے ”جھلکی“ بعد از وقت دو ٹوٹا  
سے دو ٹوٹا ہوئے ہیں تو راستہ پر گاڑی لیٹ ہونے کی دعائیں مانگتے ہوئے اسٹیشن  
پر پہنچیں گے اور پھر پوچھنا ”کے ساتھ کنگ انٹس کے جمع خلاف قانون میں ایک  
جو غیر ممبر کی جنیت سے شریک ہو کر کوشش یہ فرمائیں گے کہ سب سے پہلے ٹکٹ حاصل  
کر لے میں آپ ہی کا سیاب ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ مجھے بھی الہ آباد پنچور  
کے درمیان ایک دلی اسٹیشن سے سفر کرنا تھا۔ باوجود میں کہ کا سفر اور وقت تنگ  
راستہ صبر کر دے کی قوت بکرانی کو یہ جان میں لائے اور تیر مانگتے کہ بھاریات کو  
براہمنز کوٹنے میں پورا زور دیاں صرف کرنا ہوا اسٹیشن پہنچا۔ ”ایسی آئے ہوئی  
نئی جھ پوچھی ہو کھلا ہٹ“ طاری ہوئی۔ یکے کے کدو کنگ آفس کی جانب جارحانہ آواز  
کے ہٹا۔ کسی کے ٹھکر گئی اور کسی کے دھکا۔ کوئی صرف نیکی چیزوں سے دیکھ کر گایا  
کسی نے کہا دکھائی نہیں پڑتا ”کوئی بولا لاٹ صاحب معلوم ہوتے ہیں“ میں نے دیکھا  
اور سنا سب کچھ لیکن ایسے نازک وقت میں پناہ کا ذائقہ نہ کھانا دانتھری تھا  
میں کنگ آفس میں داخل ہو گیا۔ باوصاحب ایک کٹ انٹر کلاس کا



延

**شہزادہ**  
 احمد فرید خان و اس سے بیگانہ ہو گئے۔ اب مسلمانوں کے لئے ارادہ کا مٹنا لازمی  
 دلیل بنانے کے خواص ہو گئے؟

”یہ جانتے اگر تو لٹائے دگر کو ہم“

”بہتر تو یہ خاکہ کہ مسلمان اردو کے اس خوبصورت فن کو مشترکہ کر کے  
 ہاتھوں ہاتھوں کو عطا کرنے کے بجائے اپنے ہی پاس دسہنے دیجئے۔ ہندوئی  
 کی تدبیر کرتے اور مسلمان اردو کی ادھ اس طرح ہندو اردو کا جھگڑا ہیشہ کہ  
 ختم ہو جائے۔“

میں آپ کو مخاطب ہے یا دیالہ ہے۔ ہندی اوروں مقابل زبان میں نہیں  
ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں دیس دیس کی زبانیں ملتی ہیں  
بنگالی، پنجابی، پشتو، فارسی، ہندی، تملو، مرا، خیالم، مرہٹی وغیرہ۔ لیکن  
اوردو تمام ہندوستان میں بولی اور سنی جاتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح عربی علم ادب  
میں مستند زبان ہے لیکن بین الاقوامی ضروریات اگر دیس سے پوری ہوتی ہیں۔  
ہندوستان میں بھی بین الاقوامی اور صوبائی ضرورتیں اسکی اوردو سے پوری ہوتی  
ہیں گو یا یہ پسے بہت شان کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یو۔ بی۔ اے  
یو۔ بی۔ سی۔ کے محققان پرعام ہے۔ دوسرے محققان پرعام نہیں۔ غرض کیے کہ ایک  
بنگالی پنجاب میں اپنا اتنی اختیار کرتا ہے تو وہ بنگالی میں کامیاب نہیں ہوگا۔ اسی طرح  
اُس کے برعکس لیکن اوردو میں دونوں جگہ اظہار خیال ہو سکتا ہے۔ ہندی کو آپ فارسی  
کے مقابل میں اور سنسکرت کو عربی کے مقابل میں پیش کر سکتی ہیں اس کے لئے کہا  
جاسکتا ہے کہ سلمان فارسی عربی کی ترقی کریں اور ہندو ہندی اور سنسکرت  
کی۔ لیکن اوردو ضرور دارانہ صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ اسکی حالت ہر شخص کو مکتب ہے  
لیکن کوئی اپنا نہیں سکتا۔ یہ منہات جاری دیکھنے پر سے مسکرا کر کہا کہ تمام ہند  
آپ جیسے فیاض تو نہیں ہیں کہ ایسی ہندوستان گیر زبان سے کچھ سلمانان دست برد  
ہو جائے گی۔“

وہ جس بڑی اور اسکے مولیٰ سے دانت کھنے لگے اُس نے پہلو بٹا کر اُس کی اپنی چوڑی رفتار سے چل رہی تھی۔ پہر کی خراب ایک نظر اُس کی کمر باندھی طرف مائل ہوئی۔ آپ کے ساتھ کھڑے میں بڑی دھمکی رہی۔ لیکن اب اس خفاک مہر کی خوش قسمتی کا پتا چلتا ہے۔ اُن کی تین تین خوب ہے۔ شاید آپ غور سے اس کی تعلیم، ترقی اور آزادی کو پسند نہیں کرتے۔ اسی دیر کی کھڑا اور اس کی مینا کی سے برعکسیت میں کی ہو چکی تھی اور اُن ایک طرح پر "ویل فیلو" میں چلے گئے۔ جس نے انہوں کو کہ وہ غرضت سے پیدا ہو جانے والی بحث سے اُن کی گئی ہے

۱۹ اور یہاں سے میں خشک جھوک کے کوئی تردد نہ کرنا اور شگفتہ موضوع ہمارے اس کی طرف  
تجلیہ در زینت کے مطابق جو شروع کرنا چاہتا ہے نصیحت کی طرف اشارہ، صورت  
کا وضع ایک قسم کی ہابیت ہے۔ عجبائے جناب جب جنستے شخص میں  
جلوہ افروز ہو تو اس کی غلتہ سامانیاں مسلم ہیں۔ جس میں پندار کا منظر دکھایا دیراں  
کے گئے ہوئے یا بیکر کافی مشاعرہ اور لذت اخذ تھا، تاہم مبرا دل میرے پہلو میں  
خدا خدا فرما تامل و دلور میرے قلوب میں محفوظ رہیں۔

میرے خیال کا کہ اس کے قہار نے خواب کی دنیا کی کئی کئی قومیں تو بنیں  
اور جو جان اور بھی ہیں، اس پرانی طافات میں روشن عالم کی پیروی کا عندیہ اور وہ جذبہ  
ابتداء انقطاع سفر کے ساتھ رخصت ہو جائے گا۔ البتہ ہر موضوع پر گفتگو کا  
ایک ہی سطر لکھا جائے تاکہ کچھ روز تو وہ یاد پر مجبور رہے میں نے خانہ سے  
جواب دیا: "میں غوروں کی گفتگو کرتی اور آزادی کا مخالف نہیں ہوں۔ لیکن جب  
انسان عام ہوں تو میں مفہوم کے بغیر گفتگو میں غلط فہمی ہوتی ہے۔" اس نے مستقل  
انداز میں کہا۔

”جس سمجھی نہیں، آپ کا مطلب“ — میں نے تعلیم دینی اور آنا دیا ہے  
اگر احساسِ انسانیت، اخلاق میں بلندی، خیال میں صحت اور اعمال میں پاکیزگی  
پیدا ہو تو ہر ذی ہوش اسکی تائید اور حمایت کرے گا اور اگر اس کے برعکس حدود  
انسانیت کو بجا نہ جانے والی ہوں تو گوارا کے جانے کے قابل نہیں۔  
”میں نے تو مردِ بد تعلیم و بد فکر کے متعلق کہا اور آپ اصول بیکر بیٹھے۔“  
میں: ”عجب بات ہے کہ ابل جمل ہر شخص کو اصول سے جوڑ دے۔ آپ کی  
مردِ بد تعلیم کی بنیاد کچھ کھلی ہے جس میں احساسِ انسانیت، تعمیرِ اخلاق اور حسنِ عمل  
کی گفتگو نہیں، خصوصاً ہندوؤں کا مہارِ تعلیم تو صرف انسانیت کے کھکانے ہے  
فلجیوں کو غلامی کا طریق،“ ”بلکہ تو بد تعلیم تو ذہنی قابلیت اور زہری کی قابلیت  
پیدا کرنے سے آگے نہیں بڑھی، تعلیمِ نامردوں ہی نے کون سا کارِ نمایاں کر لیا  
ہے۔ لیکن کوئی دوسری تعلیم آپ کے اختیار میں نہیں۔“

میں نے جو اہر حال میں مادہ کا غلبہ پسند کرنا چاہا۔ سبکدست اس کے کہ اس پر غلبہ مٹوہ  
 گھرا حالت ہے۔“

دُنیا جتنی ہے کہ دوسرے ملکوں کی صورتیں اس تعمیرِ کیم کی بدولت ترقی  
 کر رہی ہیں اور دُنیا کے کالوں میں عربوں کا ہاتھ بٹائی ہیں۔  
 میں یہ کیا کر رہی ہوں جس پر تاکہ دغا نہیں کور کی۔ لازمیت میں عروسے

وہ بھٹکا اٹھی اسکا پائوٹر مبر لڑی ہو چکا تھا۔ اسکا حق و شتاب۔ اسکی نظریہ و تربیت اسکی آزادی کسی اور صورت و حکایت کی منتفی تھی۔ جس نے محسوس کیا کہ اس سے زیادہ بزرگی اسکی بد امتیاز طبیعت سے بہرہ ہے جس نے کہا۔

”بھٹکے انھوں نے کہ آپ نے فیصلہ نہانے میں جلدی کی — یہی ہونا ہے اور یہی ہو کر رہے گا! فطرت سے زیادہ دیر تک جگ جاری نہیں۔ وہ سکھ جوت آج اس جگہ میں جس جگہ پہنچا چکی ہے۔ تو میں کہا جا سکتا کہ یہ اس کے جارحانہ اقدام کی آخری حد ہے لیکن وہ دن دور نہیں جبکہ وہ آفاقیہ و دور میں قدم رکھے اور درجہ بدرجہ اپنے کچے چھوڑے ہوئے مراکز کی طرف نشان سے سہا پہنچا چکے

یوہپ میں جو آندھی کھول کی زد گاہ ہے ایسی علامات کا اٹھنا نہ ہونے لگے ہے رہ گیا رسم و رواج قید و بند بردہ و چار دیواری۔ یہ خدا طویل فاساتان ہے مردہ ہی غریب اس جگہ بند یوں سے کہ آزاد ہے۔ جو عورتیں مردوں کے دوش بدوش ان پانڈیوں سے آزاد ہو سکیں گی۔ ان ان فطرتا مدنی البیع واقع ہوا ہے اور مذہب نام ہی ہے رسم و رواج اور پانڈیوں کا۔ یہ ممکن ہے کہ آپ ایک رسم توڑ کر ایک رواج شاہ کی جگہ دوسرے رسم و رواج کو اپنے اوپر مسلط کر لیں جو آپ کے نقطہ نظر اور ضروریات کے مطابق ہو لیکن بغیر رسم و رواج کے حیات انسانی کا شیرازہ درست ہی نہیں رہ سکتا ہے

دہر میں ہمیشہ دوام آئیں کی پانڈی کو ہے

موج کو آندھاں سماں میں شیون ہو گئی

قید و بند ہی اصل میں بنیاد نہیں ہے۔ اسی سے حق و ترقی پیدا ہوتا ہے۔ اس پر بھٹکا لانا اور اس سے چوہا نکالنا سنی — آپ ڈر انگ جانتی ہو گئی۔ ایک صوفی پر چند بدھی آڑی تر بھی لکھیں کہ حد بنایاں کیجئے۔ ایک فوٹو سٹاپول۔ ایک خوبصورت تھلی۔ ایک حسین عورت کی تصویر بنجائی تھلی۔ میدان میں دھاڑیں سے حد بن دیاں کیجئے۔ مکان عسقلانہ۔ بادری خانہ۔ ڈر انگ دوم وغیرہ بنا دھنگے غرض کہ چند رفیدیں بڑھتی جائیں گی حق و رعنائی میں اضافہ ہونا جائیگا — ہے امیری اختیار افزا جو ہمت بلند — خطرہ یہاں ہے افون صدق اور جند ملک اور فزیر کیلے اک لہو کی بوند ہے مشک بختانی ہے ہو کر نافہ آہو میں بند اجسام میں متحرک کی قید لگائی جوان کھلائے لگا جوان کو مطلق میں بند کر دیئے تو انسان ہوا جائیگا۔ ان میں لطافت و نزاکت حق و دلکشی کی قید کا اضافہ کیجئے تو قدرت کا حسین ترین شکار عورت — جلوہ گر ہوا جائیگا۔ عورت اگر قید و شتاب میں آئے تو کیا چیز ہوگی؟ اسے محسوس کر سکتا ہوں لیکن کہ

کارخانوں میں مزدوری۔ تھنوں۔ سبناؤں میں نص، چوٹوں اور گھوٹوں میں ناخوشی حق۔ مردوں کا ہاتھ بٹانا، ممکن ہے کہ یوہپ کے تاسیب کا آبادی یا طریق کار کی فعلی کی وجہ سے وہاں یہ ضرورت ہو کر ہندوستان میں تو ابھی مردہ بے کار اور ہاتھ پر ہاتھ دھڑک رہے ہیں۔ عورت کو ہاتھ بٹانے کی رحمت کی ضرورت ہی نہیں۔ یہی تعلیم ہے جس نے مشرقی معصومیت کو مغربی آلودگیوں سے کبھی نہ دکھائے لی دھلب و نظر ہے زندگی کی تہذیب کہ رواج اس مذہب کی رو کی نہ حقیقت دہے نہ رواج میں پاکیزگی تو ہے ناپید — غیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف اقبال

آپ دیکھتی ہیں کہ مغربی کچھ کے ہاتھوں مشرقی تہذیب کا گلا کس بے حد دی سے گھونٹا جا رہا ہے۔

”مشرقی تہذیب کا گھونٹنے ہی کے قابل ہے“

”ہیں۔ آپ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔“ — ”جی ہاں کالج میں میرا پہلا سال ہے“

”ہیں۔ یہ اسی مغربی تعلیم کا فیض ہے کہ آپ کو اپنی ہر چیز سے نفرت ہونے لگی۔ اچھائی برائی کا تعین زیادہ تر ذہن وغیرہ ہے اور ذہن وغیرہ اور تصورات کی غیر تعلیم سے ہوتی ہے۔ صاحب اقتدار طبقہ کبھی اپنی تہذیب اپنا کچھ تلواریں کے ذریعہ نہیں تعلیم کی قوت سے نافذ کر سکتا ہے اور یہی تعلیم ذہنیت محکم طبقہ کی نگاہوں میں اپنی ہر بہتر و برتر چیز کو گھونڈ و تر بناتی ہے۔ رفتہ رفتہ محکم تہذیب معتد تہذیب میں جذب و عمل ہو کر رہ جاتی ہے کیا کوئی بنا سکتا ہے کہ یہ ادنیٰ اثری کاٹھ“ اپنی تمام خطرات مانیوں کے ساتھ کون خوبصورت ہے اور ایسی ہی مری مانگ کی بدھی مانگ سے زیبائی کی کیا دلیل ہے؟

نکلی کیلے؟ ذوق حق و رعنائی سے محرومی

جسے زیبا کہیں آزاد بند کو ہے وہی ذہب

معتد یہ کہ اہل حکومت نے قوت سے ہم پر بادِ تعلیم کے ذریعہ رواج پرتعہ کیا ہے اس نے مشرقی تہذیب کا گھونٹنے کے قابل اور مغربی تہذیب چوستے چیلنے کے قائل نظر آتی ہے

جو خفا تا خوب بند تیرے وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جانا ہے تو توں غیر

”آپ کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ہی طرح قید و بند۔ رسم و رواج۔ پردہ و چادر دیواری کی گدڑی اور ملک خفا میں دم توڑتی رہیں۔ یہ تو اب ہونا نہیں۔“

نہیں سکتا۔ وہ ایک برقی پائش مسکراہٹ کے ساتھ بولی: اب تو آپ نے شاعری شروع کر دی۔ اور اس کے چہرے پر ایک خاص کیفیت نمایاں ہو گئی۔

میں: شاعری نہیں جیت ہے عورتیں اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو فیثا محسوس کر سکیں کہ وہ آزادی و ترقی کے نام سے تنزلی کر رہی ہیں اور اپنے صحیح عقائد سے ہستی کی جانب اُتر رہی ہیں۔

آغوشِ صدف جیسے نصیبوں میں نہیں ہے

وہ قطرہ نیاں کبھی تباہ نہیں ہو کر

”تو گویا انسانی آبادی کے ایک نصف حصہ کو گروں کے قید خانوں میں پھنسے ہوئے مطلق رکھا جائے اور قبولِ آپ کے قدرت کا یہ حسین ترین شاہکار۔“ چوہلے اور بچے آگے نہ بڑھے۔

میں: یہ آپ کی زیادتی ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا۔ میرا اعتقاد ہے کہ جاتِ انسانی عورت کے وجود و امداد کی محتاج ہے۔ نیز عورت کے زندگی کا نظریہ تسلسل نامکن، متکثرت و متشددانی نایاب ہماری زندگی معاش کی محتاج ہے۔ اور معاش کے دو شعبے ایک فکر و کسب معاش دوسرا انتظام و انتظام معاش تقسیم کار کے طور پر پہلے مرد کے ہاتھوں اور دوسری عورت کے ذریعہ چل رہا ہے۔

کیوں صاحب! اگر یہ شعبے بدل گئے جائیں تو کوئی ہرزہ ہے یعنی اب عورت کسب معاش اور مرد انتظام معاش کے خوب کام کریں۔

میں: ہرزہ ہے اور غلطی ہرزہ ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ ناگہن! کسب معاش، جلدی میٹھنے عورت کی نزاکت اسکی تحمل نہیں ہو سکتی۔ انتظام و انتظام سکون و طمانیت کا معنی ہے۔ مرد کے گرم دل و دماغ کے پس کی بات نہیں۔ علاوہ ازیں جن زچگی رضا و غیرہ کے برائیاں کسب معاش کی ہنگامہ خیز زندگی سے مناسب نہیں دیکھتے۔ اس نے فوراً منہ منہ سے کہنا۔

”یہ رضا و غیرہ تو اختیار ہی چیز خیر کی جائیگی جس۔ رہ گیا نزاکت کا الزام۔ قطعی مردوں کی ذمہ دہی ہے۔ عورتوں کے مردانہ کا خوشنما سرا باز نہ کر خود ان کے محافظ بن جائیں۔“

میں: آپ نے رضا و غیرہ کو اختیار ہی کہہ کر معاملہ کو ختم کیا۔ اگر جنسی رجحانات اور غلطی نفسانوں کو بغیر عقل نظر انداز کر کے جائے جو کسی طرح ممکن نہیں تو جسی مرضی کو نکال کر جسے اور نصف انسانی آبادی کو جو مرد مطلق

کرنے کا الزام آدھ آپ پوری آبادی کو بدعتِ ختم کرنے کا بدگوار منہ پاجی ہیں۔ میں معذور ہوں کہ آپ نے عورت کی غلطی نزاکت پر دین کی رحمت سے مجھے سکون دینا دیا۔ جب آپ مرد کی ذمہ دہی کی فائل میں تو عورت کی نزاکت تسلیم کرنے میں آپ کو کیا تامل ہے۔ کیا یہ ہے کہ اگر واقعہ برعکس ہوتا تو مرد کے ہاتھوں میں چڑیاں اور عورت کے ہاتھ میں تلوار ہوتی۔ مرد و عورت کا شانہ ہوتا اور عورت میدان کا دربار میں مسلح اگر برابر کی جوتی ہوتی تو بادیہ ایک مستقل رزگوار جیسی ہوتی یا کم از کم دونوں قسم کے مظاہرے موجود ہوتے۔ جب ایسا نہیں ہے تو عورت کی نزاکت مسلم اور مرد پر اسکی محافظت فرض ہے۔

نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ بُرائی نواہت زن کا گھانا ہے غلط مرد جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا اس قوم کا خوشبخت بدبت جلدی اور مرد (اقبل)

عورت کی تعلیم ترقی اور آزادی حدودِ نواہت کے اندر ہی ہونی چاہئے۔ عورت کے ذہن و فکر کی تربیت اس نوع سے ہونی چاہئے کہ قدرت کا یہ حسین ترین شاہکار ساری نواہت کی قدر و قیمت سے خبردار ہو سکے۔

حسن جس پسیر میں تہی جودہ از لائی کو کر۔ اس سے کہد اصل انت کی گھائی کو کر۔ لے امین حسن قدر حسن کرنی چاہئے۔ ہے وہی یوسف جوئی باکی امانی کرے۔ (سیلاب)

”لیکن اب ہم خود اپنی حفاظت کے قابل ہو گئے ہیں لہذا براہِ برہ مرد اپنی ”نواہتِ محافظانہ“ سے ہم کو آزاد و بیکلاس خردیں تو بہتر ہے۔“

میں: خوب! اگر آزادی مانگنے سے بڑے والی چیز ہوتی اور آزادانہ اختیارات طلب و خواہش سے ہٹ سکتا تو غلام آباد ہندوستان کب کا آزاد ہو گیا ہوتا۔

آپ دیکھتی ہیں کہ ”سیاسی جگتے“ کتنی خوشامد۔ چاہو سی مباحثی صاحب سے آزادی کی ہیکہ انگ رہے ہیں۔ آپ کہہ، اس کہدینے سے کہ آپ اپنی حفاظت کے قابل ہو گئی ہیں۔ مرد اپنے اس فرض سے وفادار نے ان کو طاعتی برتری عطا فرما کر ان پر

عائد کیا ہے۔ کیونکہ وہ گود دانی کر سکتے ہیں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ دو شرط سے اپنی حفاظت کر سکتی ہیں تو یہی مرد کے مختصری فرض کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔

کیونکہ آپ خود اپنے سے بھی خطرہ ہیں جس آپ کے پہلو بھی ایک دھڑکن موجود ہے۔ اس کے ہونٹوں پر بزم کھیلنے لگا۔ میں نے بات جاری رکھنے

ہوئے کہا۔ ”اگر وہ یہ کہیں کہ ہم خود توں کو نظر بند کر کے حقیقت میں مردوں کی حفاظت کر رہے ہیں تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا کیونکہ یہ سکہ فائدہ صحر

[illegible]

”کیا آپ یہاں رتورجلیجئے؟ (اُس نے مداخلتہ افوازیں کیا) آپ کے ساتھ ٹکڑوں کا پیسہ ہی کاٹن ہمارا ساتھ اور طویل ہوتا۔ آپ کی باتیں اور ہنسی۔“

”میرے لئے اتنا سہارا بھی کافی ہے اسکا مزہ نیکرہ۔ میں بادلِ نازناستہ  
اُٹاؤ۔ بھی کھڑی ہوگئی اور اُس نے معاف کر کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔  
خانہ کے جس کونے میں بھی محسوس ہوا کہ کھلی کی ایک لہر میرے جسم میں سرایت کرگئی  
میں پر بھی ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ اُس نے ایک انگڑائی لی اور غریبہ کو بھڑکی  
کے غم کو جیت سم کر دیا ہے۔

اپنے مرکز کی طرف مائل پروا اور تعاضن  
 ہوتا ہے، لیکن علم توحید انگوٹائی کا

(بجہم شد) سردار عالم حامی  
ملک پور - پڑا اب گڑھ

مشاعرہ شاعر۔ مصرع طرح برکات جون ۱۳۴۴ھ

”نہ نہ لو کے کو جو ایا درمیان ہے“

قولی دلایان۔ پھلان دھیر۔ قولی حور کے جناب کیا کہاتے  
 حضرت نرہیں کی کہ کھانجی پائیس نہ لاکو کہتے صرف متعلق فریاد غریب پر کرتے ہیں  
 غزل۔ پھر تو باد کی ہمارے دھڑکے ہے خیر شرا کہ آگے آگے ہی  
 نبو

دل کے دھوئیں ہی کی لہو کی ہونے کی  
اہلِ مال و زر کی جیبتِ تنہی ہونے کی  
خونِ سولے مزدِ آبِ بانات بھی ہونے کی  
چند لڑکے بدل پر ایک ماہِ افسانہ کی  
داؤری شمعِ تذکرینِ غلیظ سے ہونے کی  
عشق کے چہرے ہو کر کچھن کے کتے ہونے کی  
میں ترانہء ترسہ بندھا لایا ادا کی  
بجائے بجائے جانتے ہیں مدِّ انجم کے  
اب جس حشر کا کھاس اور بھی کئی خرب

رات آئی چھاؤں تاروں کی گھٹی ہوئی  
بھوک کی خندت کو گھر خود شہی ہونے کی  
زندگی تیرے شکرِ کبریا پر شہی ہونے کی  
اب جہلِ دواوں کو تیری آگئی ہونے کی  
اور ہم کچھ جہاں میں دشمنی ہونے کی  
ہم جہاں بیٹے ہیں پر شہی ہونے کی  
شے دُعا جھلک کر بندہ ہوئی ہونے کی  
تیری دُنیائوں میں بھی آوارگی ہونے کی  
انہی ہے مقصدِ جاہلی زندگی ہونے کی

پھر اُنھیں محسوس میری تشنگی ہونے لگی  
محمود جانند میری

# کیف جمال دوست

شامِ مذاق ہے غمِ جاناں ہے اودھم  
 آوارگی کہ وہ دیلیان ہے اودھم  
 ہر خطِ اضطرابِ محبت ہے متعلّق  
 از رخِ مذکّر کیا ہو تے اے غفل  
 رنجی ہے لبِ پر عشق و محبت کی آفتاب  
 دیکھا ہے جب سے عالمِ کینِ جلالِ رحمت

درماں گئی ہے درد فراہاں ہے اودھم  
 یعنی جلتے گرم دیشِ دھواں ہے اودھم  
 اکے کے کنارِ شورشِ فوٹاں ہے اودھم  
 جے کیوں جلتا کا سماں ہے اودھم  
 ہر وقت ذکرِ عالی پریشاں ہے اودھم  
 ساغر سے ہے جوشِ ہالیاں ہے اودھم

اپنے نیاز عشق پہ کیوں ہونہ ہکوتا  
گوہر کسی کا گوشہ داماں ہے اور ہم  
(سید مظفر حسین گوہر افغانی صاحب)

# نفسیات

وہ اپنے کو باہر نفسیات سمجھتا تھا۔

آج بھی اسکے قریبے باہر تھی، معلوم نہیں یہ نبی فطری تھی یا مصنوعی، لیکن معنی غیر ضروری اس میں کوئی راز تھا جسکو شروع میں اخلاق نے مصلحتاً بتائے سے انکار کیا اور کسٹس کی بیٹیاں بڑھتی گئیں۔ آؤ کار اُس نے سب کچھ بتا دیا۔  
 —————  
 وہی مخصوص اندازِ بیاں، وہی محبت آمیز لہجہ اور وہی نفسیات کی آواز بیکر اپنے ہر فعل کی صفائی کر دینا۔ —————  
 اخلاق نے بڑی تہذیب کے بعد بتایا کہ موت جب اسکی کالج کی زندگی کا آخری سلسلہ وفاقِ عالی ختم ہونے کو تھا۔ لیتا سے اختیارِ طاقت کیوں نہ اسکے دل و جان پر فرمولی اور کتنی ہم لوگ اسکی باتوں کا بکاس نہدی صحت سمجھتے تھے لیکن پھر بھی اس نے بہتائے میں بس و پیش کیا کہ لیتا اسکی مخالفت اور خصوصاً اسکے نفسیاتِ انسانی پر جسود سے کافی غنا ہے۔

اسی دلی سے مجھے اسکے کردار سے ایک طرح کی دلچسپی پیدا ہوئی۔ جس نے معمول سے معمولی تبدیلیوں کو بھی خود سے دیکھنا شروع کیا۔ —————  
 آواز میں درد کا، چہرہ پر باد و کلاہاں میں خوشبو کا، اور ہونٹوں پر بان کی سرخی کا اضافہ زیادہ قابلِ توجہ نہ تھا۔ یہ تو ایک انسانی کمزوری ہے۔ جس نے خود ہی درجے میں دوسرے لوگوں کو بھی، جو اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھتے تھے، اس سے بڑی محنتیں کھاتے ہوئے دیکھا تھا، قبلہ کے درجہ میں داخل ہونے ہی ان میں قانونِ مشرق اور "خاتونِ منوب" پر گرم جھپٹیں مٹی تھیں، انھیں کے منہ سے ان کی قابلیتوں کے جوچے سننے کے بجائے گلِ غافق کر کے انھیں لوگوں کو لیتا کی طرف مٹتی غیر نظر کیا سے دیکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ صرف اس سبب پر کہ وہ بھی ان کے لیے معنی فقر وں پر مجرم جانتے اور اسی لیے اسحاق میں یہ تبدیلی زیادہ قابلِ توجہ نہ تھی۔  
 حلقہٴ احباب جو میرٹھ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اخلاق کی خواہشات کتنا سادہ اسکی حالتیں بھی جان ہوتی جا رہی تھیں۔ اسکا زیادہ ترقی کا لہجہ کی جگہوں کی حد ہوتا تھا۔ لہٰذا اسکی ضرورت سے زیادہ اہمیت اور اس میں دن میں کئی بار تبدیلی محسوس نہ ہوتی تھی۔ لیتا کے ملے والوں سے خود بخود

مضامین اور بھرے تکلیف ہو جانا اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد گھٹنوں اس پر تھم کر انا اور ان کی بادیوں اور پوشیدہ معنوں پر غور کرنا اسکا پسندیدہ شغل تھا۔ لگانے کی مشق بڑھتی جا رہی تھی اور اپنی چال میں ذائقہ، نوع اور جاذبیت پیدا کرنے میں اس کو کافی محنت کرنا پڑی تھی۔ اُس کے سامنے اسکی لہجہ اور اندازِ مکالمے لیکن باہر نفسیات سب کو یقین کرنا کہ صرف نازک سے قریب رہنے سے ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور اسان اپنے کو ہر وقت منوار کرنے کی کوشش کر لیتے اور اگر تم لوگ میری جگہ جوتے تو یہی کرتے۔ اور اسکی گفتگو ایک مسخر آمیز محکاہٹ کے ساتھ ختم ہو جاتی۔

مجھے اخلاق کی باتوں پر ہنسی آتی، کیونکہ میں نے بھی لیتا کو قریب سے دیکھا تھا، اسکے کردار کو سمجھنے کی کوشش کی تھی، میں اسکو جسمِ اخلاق دیکھا تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ لوگ اس کے اخلاق سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسکا شریف بنانا اور غلط فہمیں کا شکار بنانا ہے وہ ہر ایک سے ملتی اور اپنے دل اور پاک ارادوں کے ساتھ فطری ہمدردی اور بے غرض مدد کرنے کا جذبہ اسکی ہر بات سے ظاہر ہوتا۔ مصمت کو اسکی ہنسی پناز تھا۔ اس نے لوگوں کو صرف دیکھا نہ تھا بلکہ ان کے دل کی گہرائیاں بھی دیکھی تھیں۔ وہ اپنے کو باہر نفسیات، تو نہ کہتی تھی لیکن قہقہا اُسے ہر شخص کے پچاننے میں بڑا درک حاصل تھا۔ اس میں کوہا کی رنگ رنگ سے واقف ہو جانے کی صلاحیت تھی، وہ اپنے ساتھیوں کی نگاہوں میں خود بھی دیکھ سکتی تھی اور انکسار بھی۔ اُس میں قابلیت کو بکھ سکتے کی قابلیت بھی تھی اور حالت سے نفرت کرنے کا جذبہ بھی۔ اُس نے دولت و ثروت کے اظہار میں ہوس کی کا فر بایاں دیکھی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ جب ہولی کے موقع پر اخلاق کو تیار کیا گیا کہ وہ لیتا کو ایک پیش بہانہ پیش کیے تو میں نے اسکی مخالفت کی اس نے کچھ لینا کی شرافت کے ساتھ ساتھ اپنے دوست کی عزت کا بھی پاس تھا اور مجھے یہ تھا کہ یہ کتنی چلتی دھپتی کسی دن دنیا کی کی صورت نہ اختیار کرے۔ لیکن موت اخلاق کی روشنی کی مخالفت کرنا اُس سے دشمنی مولیٰ لیتا تھا۔ —————  
 اور جب معمول نام دیکھیوں کے ساتھ ساتھ زمانہ

کا پڑتا ہے۔

نکلے ہوئے موسم نے ایک آغوش گودائی لی اور کالج کا شباب ختم ہو گیا۔  
 لیل پر خاک اڑانے کی جہاں ہر وقت ہزاروں دھوپیں تھیں کوئی پھرتی  
 کالج کے کمرے خاموش اور اندر تھے۔ وہ کمرے جہاں جوانی  
 رو رہی تھی، چمکتی ہوئی آنکھیں ہم عمر لڑکیوں سے ٹکراتی ہیں جہاں دعائی جذبات  
 ہوتے بدلتے ہیں اور اپنے خط ناک اشیاءوں کے ساتھ سوجھتے ہیں۔ گری کا زنا  
 تھا۔ شام ہونے کو تھی، میں اخلاق کے مکان پر پہنچا، وہ صحن میں بیٹھا ہوا تھا  
 بالکل خاموش جیسے اُس نے کوئی دردناک نظم سُنی ہو۔ سورج کی کرنوں  
 کی طرح اس کی چمائی بھی ڈھلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے کچھ اخبار سناے۔  
 آج اس کی آواز میں بلا کا ڈوڈو تھا اور اس کی آنکھوں میں ایسی یاوسی تھی جو میں نے  
 آج تک نہ دیکھی تھی۔ درد بھرے اخبار اس کے چپ اہم و لغز پر موضوع کی صحت  
 تمہید تھے۔ وہ اپنے دل کی داستان سننے کے لیے بے چین سا تھا۔ چنانچہ چار  
 سائے آئے جی اُس نے کہا شروع کیا۔ "یکول ڈیر" (DEAR) —  
 میرا عقیدہ ہے کہ محبت کی یہ الجھنیں صرف میرے دل تک محدود نہیں بلکہ اُس کے  
 دل میں بھی ایک غلغلہ پیدا کرتی ہیں جس پر میں نے اپنی زندگی بنا رکھی ہے۔  
 مجھے اس قسم کے سوال کی تمہید تھی اور جواب کے لئے بھی میں بنا رہا تھا۔ ایک  
 ابر حجاب جو بیچ صورت حال کو واضح کرے۔ میں نے کہا۔ "لیکن آج  
 دنیا کا فی تعلیم یافتہ، تجربہ کار اور دل و دماغ کی کشش کو ابھی طرح مجھے دلی  
 ہو گئی ہے۔ آج دلی کا تہذیب و دماغ پر اتنا زیادہ نہیں ہے۔ لوگ ابھی محبت نہیں  
 کرتے اور نہ ان نظریوں پر یقین رکھتے ہیں کہ مشرکوں پر پڑتے ہوئے محبت ہو جائے  
 وہ غیر کسی قربت کے برحق ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں یہ مسئلہ اور زیادہ عجیب  
 ہے۔ جہاں رسم و رواج کی پابندی، ملت و مذہب کی عزت اور عوامی اخلاقی  
 نظام کی بندشوں کا گھانا ڈھانچا ہوا ہے تو محبت ان حدود میں اگر دم توڑ دیتی  
 ہے۔ اخلاق سے میرے اشارے کو سمجھ لیا اور حقیقت کی تلخی کو محسوس  
 ہوئے تو یہ کہنے لگا۔ "تم لب اوقات بچوں کی سی باتیں کرتے ہو، تمہاری حالتوں  
 و جملہ بھی آئو بھلے جاؤں گے۔ اوسے بھی، میں نے نفسیات اور  
 فلسفے پر کتابیں پڑھی ہیں، میں نے لیتا کی ہر نقل و حرکت کو مختلف پہلوؤں  
 سے جانچا ہے۔ تم خود خود کہو۔ میں زیادہ تر ساتھ رہتا ہوں، اور پھر وقت  
 اچس سے محبت اور معنیات پر بحث کرتا ہوں، اس سے زیادہ قوت اور کیا ہو سکتی  
 ہے۔ وہ دیر سے بڑی بات تو میرے کہ سب سے بڑا اثر انسانی وجہیت

اس کے بعد وہ معصوم آغاز میں سکرایا۔ جیسے اسکو میری سادگی پر رحم  
 آرہا ہو۔ ایک شاعرانہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "نہیں  
 کیا معلوم کریں نے مجھوں کے دن کس طرح گین گئے ہیں۔ اس زمانے میں  
 میں نے صرف محبت، شادی اور جنسیات پر کتابیں پڑھی ہیں اور یہ قانون فطرت  
 ہے کہ صحت نازک میں محبت کا جذبہ قوی تر ہوتا ہے لیکن وہ اسکے اظہار میں کبھی  
 پیش قدمی نہیں کرتی۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ اگر میں نے اپنے خط میں اس کی دل  
 کی بات لکھ دی تو کیا بڑا کیا۔ لیکن نہ اخلاق کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں اور  
 نہ خط کا جواب آتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ ڈوبتے ہوئے چاند نے میری  
 نیند سے بوجھل آنکھیں دیکھی ہیں اور طلوع ہوتا ہوا آفتاب میرے آنسوؤں  
 پر مسکایا ہے۔" میرے اصرار پر اخلاق نے بتایا کہ اپنے خط میں اُس نے چند  
 دعائی اشارے کئے ہیں اور اُس کے بعد اُس نے اپنی طویل داستانیں  
 پھر دیں۔ اب مجھے اسکی حالتوں پر بھیس کے بجائے رونا آ رہا تھا  
 گرمیوں کے طویل، خاموش، اور طے ہوئے دن ختم ہو گئے۔ بہار اپنی  
 تمام رنگینوں کے ساتھ آئی اور کالج میں زندگی ہی زندگی بھر دی۔ فضا، بارش کا پلو  
 تھوڑا اور معصوم لڑکیوں پر بے معنی نفرت سے گزرتی تھی۔ کالج کی دوڑوں پر  
 ساریوں کے پہلے لڑنے لگے، پھر وہی مینی مشیر انبال، سوٹ ڈھائی اور  
 جگتے ہوئے جوتے۔ کہیں مرہاہ داری کے مظاہرے، کہیں فلسفی کا  
 ماتم۔ سبھی سبھی سی رو کیا ل اور مسکراتے ہوئے لڑکے۔  
 انھیں میں مجھے اخلاقی نظریات۔ اندر وہ، خاموش اور ڈھال۔  
 آج اسکے اشتیاق نے بے رحمی کا منہ دکھا تھا، اسکی امید سے چمکتی ہوئی آنکھوں  
 نے لیتا کی آنکھوں میں غصے کی چمک دیکھی تھی۔ بے نیاز کی جھلک  
 اور بھران آنکھوں میں جن کو پہلی بار دیکھ کر اخلاق نے محسوس کیا تھا کہ انسانی جسم  
 میں آنکھوں کی قیمت کتنا گرا ہے اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔  
 مجھے لیتا کی شرافت پر بڑا اعتماد تھا۔ میں کہے بغیر نہ کہ اُس نے کسی کے  
 خط کا جواب نہ دیا ہو یا کسی کی بات کا جواب کو نہ لکھے ہیں دیا ہو۔ میں نے اُس  
 اُس کے رویہ کی وجہ پوچھی۔ لیکن مجھے بہت غمزدگی ہوئی۔ میں اپنے کو مجرم تصور  
 کرنے لگا کہ میں نے اس سوال پوچھا ہی کیوں۔ میری عزت کی انتہاء  
 وہی۔ جب لیتا نے بتایا کہ اخلاق نے اپنے خط میں دل کی دھڑکنیں بھر دی تھیں  
 اس پر شب کی آپس تھیں اور صبح کے نئے۔ اس میں نہائی کی آنکھیں کا ڈکھ بھی





# اے عشق کہیں لے چل

”بھر پر —“ آدھ شرم اندر نسیم کے گم ہو گئی اور کائنات میں جوانی بھولتی جوتی کھٹ کھٹ نیچے آگئی اور میں دیر تک بہت دیر تک ہاتھاب کی سبیں چاندنی میں بھٹ پڑیٹا غالب اور دارغ کے استعارہ لگنا مارا۔

دوسرے روز صبح سویرے میں اٹھ کر غسل ہی کر رہا تھا کہ دروازہ پر ایک شخص آگئی اور میں سمجھ گیا کہ غالب جان گلکے سے بغرض نعرہ آتی ہیں۔ جلدی سے کپڑے پہن کر میں اُن سے ملنے آیا۔ غالب تو فرخ عالم میں مگر غالب کی دنیا تو کبھی زیبا نہیں ہو سکتی۔ گوری رنگت، ٹھیکیں رخسار، ستواں ناک، کٹورے جیسی آنکھیں، گودایا ہوا بدن اور لہرائے ہوئے گیسو۔ میرا دل بڑی طرح لاپٹا سانس میں بے دہلی پیدا ہو گئی اور میں سوچنے لگا کہ کاش میں نہ تم کی پناہ گاہ تمہارے نرم گیسو، ٹھیکیں رخسار، اور شہریت آنکھوں کو سجدہ کر سکتا اور تمہارے دل کی دھڑکن میں اپنی دھڑکنوں کو جذب کر سکتا تو میں بھٹا کہ میں ایک خوش قسمت انسان ہوں۔ مگر یہی وقت ممکن ہے جب تم بھی مجھے اپنی انھوں کے ساتھ میں پناہ دینے کے لئے رضامند ہو جاؤ۔

میں انھیں خیالات میں متفرق تھا کہ زیبا ایک قدم آگے بڑھی اور بچانے ہوئے بعد نماز بولی۔ بھائی جانی! میں آپ کی کامیابی پر آپ کو بہت بہت مبارکباد دیتی ہوں! اندر ایک خوشگھڑی میرے ہاتھ پر بٹھکری۔ غالب اور والدہ کی ہنسی کے درمیان، زیبا کے انگوٹھی بول کی لڑائی میں ہم پر خود کوسے ہوئے میں گھڑی لیکر اپنے کمرہ میں چلا آیا، دل میں سرت اور اضطراب کی ایک دنیا اگر انہیں اسی سے رہی تھی۔

اُسی روز شام کو میں کچھ پڑھ رہا تھا کہ ہلکی چابکے ساتھ زیبا کی آواز سنائی دی۔

”میں اندر آ سکتی ہوں؟“ اور میں نے ہزاروں جھوٹی خاموشیاں پیدا کرتے ہوئے اس کی پذیرائی کی اور جب اُس نے قہقہہ لگا کر بائو بس سلام کیا جیسے کائنات ہجوم گئی ہو۔ بغیر غم گئی ہوں اور اس کی کٹھن کھٹکھٹا کر ہنسنے لگی ہو۔ کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟“ اُس نے سوال کیا اور میں نے غالب کی

بھگی چاندنی کیلی ہوئی تھی۔ فضا میں نکھار اور سستی آگئی تھی جیڈک ٹراہے تھے۔ چھل چھل چھل چھل۔ چھپ چھپ کا نذر لاپ وہی تھی اور سادگی کی شہنائی ہندس برس کریم جھمکائی ہوئی ابھی ختم ہوئی تھیں۔ میں جد ہی کھانے سے فراغت حاصل کر کے بھٹ پڑ گیا۔ دہوش کن چاندنی کی بدست فضا نے مجھ میں مرد پیدا کر دیا۔ خواہ خواہ دل کا تار جھینے لگا۔ رنگ رنگ میں نشہ سا چھا گیا اور وہ سیت خیال میں کائنات ناچنے لگی۔ جس نے منڈی سے لگ کر سب سے جھانکا، اور سیاہ لٹوں کے دونوں گوں کے درمیان ایک انہماک سے زیادہ ظالم اور دلنواز چہرہ نظر دے ہو کر دل کی گہرائی میں ڈوب گیا۔

”رفو“ میں پکارا وہ سیاہ رنگ بشت پر چڑھ گئے، اور کان سی لچک پیدا کر کے، ذرا جھک کر دیکھتے، بھگی آنکھوں کو بھگی چاندنی سے اور بھگو کر وہ لگتی تھی! آخر میرے دل کی دھڑکن میں مادہ زیادہ اضافہ ہو گیا۔ لپکتا ہے اب اور لپکتا ہے گے اور میں پکارا: ”آج تو خوب بارش ہوئی! وہ

مسکرائی جیسے برف کی دلی چمک رہی ہو اور بولی سادگی کی روت جو ہے! اور میں سوچنے لگا کہ سادگی روت بھی ہے، چاندنی بھی اپنے پورے شباب پر ہے۔ ہرے دل بھی جان میں، موسم جان میں ہے اور سب سے بڑھ کر ہوا ہی محبت جان ہے گو تم اس کا اقرار نہیں کرتی ہو اوروہ کو نے کی اُمد ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ ہوا ہی نظروں کا نظام دونوں دلوں کو رہا جاتا ہے، دونوں کے رگڑنے میں بھگی دھڑ جاتی ہے اور میرے لپک کر منڈی سے لگنے کے ساتھ ہی تمہاری نازک کمر بھی جھک کر بن کھانے لگتی ہے۔ اسے محبت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں؟ لیکن تم اپنے ظالم ہونٹوں کی لپکتا ہٹ کو یہ کہنے کی تکلیف نہیں دو گی کہ ہاں یہ محبت ہی ہے۔

”رفو“ میں نے کہا ”کاش میں شاعر ہوتا“

”بھر“ اس نے سیاہ رنگوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”بھر“ میں نے جواب دیا: ”بھر میں دیوان کے دیوان اس فنکاروں ساں! اپنی چاندنی، بھگی فضا، ہنسنے خاطر، اور.....“

اور ہم پر لگے ڈالتا“

دیوان کے بعد دیا۔

”خوب تو گویا آپ شہ و سخن سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ چاہتا ہوں تو اس میں کون شراپ کو سب زیادہ پسند ہے۔“

”رہتے اب ایسی جگہ چل کر۔۔۔۔۔۔“ اس نے جواب دیا اور اس پر ایک مختصر مشیر کے ساتھ وہ بولی۔ آخر آپ اس عمر میں کچھ تنہائی کو کیوں پسند کرتے ہیں؟ میں کیا جواب دیتا۔ میں یہ تو بڑے ہی کمنا کہ تمہارے ریلے جوتوں سے شہد نہیں چھین سکتا اور تمہارے ہونہر باجم کو خود میں سیٹ نہیں سکتا اس لئے میں نے کچھ تنہائی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اگر تم اس کے لئے بنا جو عادی اور جذبہ پردگی کو اپنے دل کے کسی گوشہ میں جگہ دے دو تو میں اس خیال سے باز آسکتا ہوں کیوں؟ اور میں نے بطور استغناء میری اس طرف دیکھا اور شاید وہ بھی میری نگاہوں کا مطلب اقدار کوئی ہوتی سکڑا ہٹوں کے ساتھ چلی گئی۔

میں دات کو کھانا کھا کر چھٹ پر گیا۔ زبیرا کچھ خط و کتابت میں مصروف تھی میرے کانوں میں ہلکی سی آواز آئی ”آخر“ اور میں تن کو کھڑا ہو گیا۔ منڈیر سے نیچے نظر کی تو درختی، پھٹ پر کالے گیسوؤں کو سینہ پر پھیلائے۔ وہ مجھے دیکھ کر سکڑائی اور بولی ”بڑا انتظار کر رہا، میں تو نا امید ہو چلی تھی۔“

”کیوں۔۔۔۔۔۔؟“ میرے منہ سے نکل گیا۔

”کیوں۔۔۔۔۔۔؟“ وہ مٹ پڑ گئی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں۔۔۔۔۔۔ تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔“

”اوہ صاف کوٹا مجھے معلق فرمت نہیں۔ میں نیچے بھاگا۔ کرے سے زبیرا کے گلگٹنے کی آواز آرہی تھی، صاف اور شیریں لے میں سے عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

## شہاب بخیرنگ کا لُج

(۹۷) مشیر امجدین سبیا کوٹ سے رالائے

(۹۸) جناب منشی شاہ محمد صاحب دہلوی سے رالائے

- (۹۹) جناب مراد احمد خان صاحب بونٹو رئیس فزوکہ خیل سرگودھا سے رالائے
- (۱۰۰) جناب محکم داکٹر محمد عبدالمجید صاحب ٹیم۔ ڈی۔ جی۔ رمضان پور جوگھر سے رالائے
- (۱۰۱) جناب عبدالحق ابن مین صاحب ساگر۔ سی۔ بی۔ سے رالائے
- (۱۰۲) جناب لوسی احسان حسن خان سلیم پور ڈومرا خیل مظفر پور سے رالائے

## (بقیہ قاصدان ادب صفحہ ۴)

- (۹۱) جناب ابراہیم خاں رحمت خاں صاحب فرٹ جوناگڑھ سے رالائے
- (۹۲) جناب خان شری رحمت خاں جی آن کوٹری بانٹوا (کاٹھادار) سے رالائے
- (۹۳) جناب عبدالستار خاں صاحب قائم گنجی سے رالائے
- (۹۴) جناب حبیب خاں صاحب حبیب شاہ چانور کوٹہ سے رالائے
- (۹۵) مسٹر زلم سنگری۔ اسے دہلی سے رالائے
- (۹۶) محمد جمال بنادسی (ناگپور) سے رالائے
- (۹۷) محترمہ اسما سے علی صاحب کراچی سے رالائے
- (۹۸) محترمہ نفیہ جی وٹیا صاحبہ کراچی سے رالائے
- (۹۹) جناب بکلی جانی محمد علی صاحب راولپنڈی سے رالائے
- (۱۰۰) جناب عارف ابراہیم پوت برکا زادری بانٹوٹی سے رالائے
- (۱۰۱) جناب قانع خان اور خاں جی آن تاکڑہ دبا گڑھ بانٹوا۔ کاٹھادار سے رالائے
- (۱۰۲) محترمہ میوند صاحبہ کراچی سے رالائے
- (۱۰۳) جناب بیدار حسین صاحب پلیمز دی سے رالائے
- (۱۰۴) جناب رفیق احمد صاحب رفیق نٹا اٹکٹوڑی۔ جھڑ سے رالائے
- (۱۰۵) جناب اکرم خاں غلام علی صاحب خٹکے دالے کراچی سے رالائے
- (۱۰۶) محترمہ بول نور الدین جلال کراچی سے رالائے
- (۱۰۷) مسٹر ممتاز موافق خٹک لنگر خدیم (پنجاب) سے رالائے
- (۱۰۸) محترمہ لڈی سرجم بخش سام (ضلع بہاول) سے رالائے
- (۱۰۹) جناب چھوٹو علی صاحب قبا برکی سے رالائے
- (۱۱۰) جناب گلن نامہ خوری صاحب رتقا دھرم کوٹہ دھاوا (پنجاب) سے رالائے
- (۱۱۱) جناب بیٹو خدا حسین جلب علی صاحب راولپنڈی سے رالائے
- (۱۱۲) جناب حامد علی عبدالحق صاحب علی گڑھ سے رالائے
- (۱۱۳) جناب جعفر خان صاحب راجی بکری سے رالائے
- (۱۱۴) جناب آلی مین صاحب دنا پور سے رالائے
- (۱۱۵) جناب پودھری صادق علی صاحب لون جلا پور سے رالائے
- (۱۱۶) جناب خدا حسین علی صاحب راولپنڈی سے رالائے
- (۱۱۷) جناب ڈاکٹر ممتاز احمد خان صاحب خوشتر کھڑوہ سے رالائے
- (۱۱۸) جناب احمد شہاب الدین صاحب شہاب داہلی ضلع رتکاری سے رالائے
- (۱۱۹) جناب چودھری لال محمد صاحب ن فوٹو کیشن ایکٹ ناہیچا پور سے رالائے
- (۱۲۰) جناب یحیٰ محمد عباس علی صاحب آسی توپانور (دہلی) سے رالائے
- (۱۲۱) جناب حافظ احماد صاحب جلال برکی کوٹلی (دھوار) سے رالائے
- (۱۲۲) جناب سید مریم حسین صاحب محروبوہ۔ رجوع (جھٹک) سے رالائے
- (۱۲۳) جناب گل محمد صاحب مظفر خیل جام پوری سے رالائے
- (۱۲۴) جناب کنھی رائے صاحب فادرغ ازاد پور سے رالائے
- (۱۲۵) جناب عبدالرحیم صاحب آرمہت لکری سے رالائے
- (۱۲۶) جناب فی اہس کول۔ بول کبب ضلع کاکڑوٹ سے رالائے

# شبنم

میری دورانِ راتوں میں چلنے والی تیرہ — تم نے ہمیں بھلا دیا  
ہم نہ تھیں بھلا سکے۔

میرا ایک وہی حال ہے — میں اکثر راتوں کو اٹھ اٹھ کر تم سے  
باتیں کر رہا ہوں — بتا دیجئے بھول جانا؟ دنیا اس قدر پرانی ہونے لگی  
لیکن چاند کی مسلسل سرد مہری کے باوجود مجھ کے دل میں اُس پر فغان ہونے کی  
تمنا آج بھی بیدار ہے، کس کی بر جی سے آگاہ ہونے ہونے بھی پر فغان اُس کو بھلا کر  
ہو کر چل کر نہ رہی محبت کی سوانح جانتا ہے، بھونکا ایک کنول کی نازک ٹیکھڑوں  
میں قید ہو کر جان دیدینا شرط محبت کھتا ہے۔ بھول کی منتقل خوشیوں کے باوجود  
میں آج بھی اسکی زبان سے نغمہ محبت سننے کے لیے بچن ہے۔  
فطرت نے شاید ازل ہی سے حسن کو ظالم اور محبت کو آشفند سر نہایا ہے۔

اچھا ہی کیا تم نے مجھے بھلا دیا، اچھی شبنم! اور نہ شاید میری طرح تمہاری  
زندگی بھی سنان ہو جاتی۔ اب تم کبھی میرا خدا جانتا ہے، میں بھی خوش  
ہوں۔

زی خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی

نورِ زندگی وہ محبت کی زندگی نہ ہوئی

مگر تم سے ایک بہت بڑی شکایت ہے۔ جولی شبنم! تم نے میرے دل پر  
بانوں رکھ دیا اور تھیں کبھی اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ تمہارے پیر کے بیچے  
کیسے؟ کسی کا سکون کسی کی تنہا؟ کسی کی زندگی!!؟ تھیں اپنا جانے کے  
خیال سے تو میں اُسی دن باؤس ہو چکا تھا۔ جہاں میں نے اپنے مغالبت کچھ چکے  
ہوئے تھے دیکھ لے تھے۔ لیکن میں ایک اچھوتے طریق پر تم سے قرب رہنا چاہتا تھا  
— جیسے مغالبت کے پرانی میں رہنے کے باوجود دیکھتے نہیں، لیکن  
مغالبت پانی کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتی — میں چاہتا تھا۔

مجھے اور جس طرح چاہو شادو

مرے ہاتھ سے اپنا دامن نہ چھو

آہ! نہ پوچھو تم کے کف نہ اس کر دیا۔ مگر تمہارا ہے شبنم —  
مالات پر جب نورِ آفتاب ہوں تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔ امیدوں کے خاکستر  
میں، اٹھا اٹھا مانتا — مادرِ سخی ۱۴

میں اب ایک چنگاری بھی چمکتی نظر نہیں آتی۔ کلامِ آرزوؤں پر آنسو بہانے کے ہوا  
اب زندگی میں باقی ہی کیا رہ گیا ہے، لیکن دل اب بھی دھوکے دیتے جانتا ہے  
اور شاید اسی لئے میں زندہ ہوں۔

یہ وہم جو کہ حقیقت، سکون کی ہے ہی سے

بکھر رہا ہوں کہ تو بغیر میرے لئے ہے

غضب ہوا کہ رات ایک عجیب خواب دیکھا، جیسے تم ہمارے کمرہ کا پردہ  
ہٹا کر میری کسی کے قہقہے میں اکھڑی ہو، اور تم نے چپکے چپکے کتنا شروع  
کیا "شبنم تمہاری ہے۔ شبنم کا جسم تمہارا نہ ہو سکا لیکن اسکی رفیع کے حرف تم  
مالک ہو۔ اپنی آخری۔ انوں تک وہ تمہاری ہی رہی۔ شبنم کے خون کے  
ذرہ ذرہ میں تمہاری محبت کی گوی دھواں ہے۔ شبنم کے کھل میں حرف  
تم آباد ہو، کھرا کہ میری آنکھ کھل گئی، دل زور زور سے دھڑک رہا تھا میری  
ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور میری زبان پر یہ شعر تھا جو میں نے تمہاری  
..... کے موقع پر کہا تھا۔

مجھے تم کو کوئی طاقت دود کر سکتی نہیں

دل نور سکتا ہے ویر عشق مر سکتی نہیں

تو بہر تقدیر عجیب لیکن کتنا دلگین خواب تھا۔ بھلاؤں ہو بھی سکتا ہے؟  
غلط! شاید ناسکین!! یا یوسیوں نے دل و دماغ پر ایک دھند لگا سا  
بکھیر دیا، ساری فضا دورانِ نظر آئے گی۔ میں نے گنگنا شروع کیا۔

کچھ سے چھٹ کر زندگی بے لطف ہو جائے گی۔ ورنہ دنیا اس پہلے مجھ پر بالائی تھی  
شبنم! سوچا ہوں تھیں اپنے کچھ شرمناؤں یا نہ ناؤں جو میں نے حرف تمہارے کچھ  
یاد وہو ہمارے پہلی یا آخری ملاؤں کی یاد کا پس — سوچی پھینکیں، آگ کے شرارے  
اور دل میں ٹوٹ کر رہ جانے لئے نشتر — اچھا اہوق حرف ایک شرمناؤں —  
جب تو نہیں ہو گا تو کیا چاندنی کا لطف — داغ سیاہ ہے میرے دل ترے بغیر  
یاد ہے تم نے میرا ایک نام بھی رکھا تھا، ایشیت جب میں نے تھیں پہلی بار  
شبنم کہہ کر پکارا شروع کے دو حرف لگے دیتا ہوں، مکن ہے یاد آجائے تھیں۔

## مضطرب حسین

فضاؤں میں نغمہ راتی ہیں کچھ چٹکاریاں مجھ کو  
یہ دو میں چیختی سی، کھلاتی سی، توڑتی سی  
اور ان چٹکاریوں میں مضطرب روجوں کی ٹولی سی  
سنسانی میں تمدن کی بھیاںک داستان مجھ کو  
جگہ دیتی ہیں اکثر ان کی نوبت جوانیاں مجھ کو  
دبیر کی وہ برج منہ منہ ہولی نہیں آتا تک  
دھڑکتا ہے دل بدرد چھوٹتا ہے کچھ نشتر  
میں اکثر شرب کی تنہائی میں چونک اٹھا ہوں بستر پر  
تصور میں بھانک کا نب اٹھتی ہے ذہن اب تک  
نظر آتی ہے ہر ذرے میں مرگ ناگماں مجھ کو  
جوت ابد آٹھ برج کچھ منٹ پر آنے والی تھی  
وہی گاڑی جواک مدت سے یونہی آتی جاتی تھی  
گزر جاتی تھی رنگ و بو دکھلا کر ساں مجھ کو  
فلک پر بزم انجم منتشر ہوئی جاتی تھی  
ذہن کی سمت اپنے تیز وقت اصد کو دوڑایا  
نظم آتی تھا یعنی ہوئی انگریز آسمان مجھ کو  
مرے نزدیک ہی اک نوجوان جلتا ہوا مردہ  
مگر جپتی دتھیں اس سے شکستہ حالیاں اپنی  
ابھی تک یاد ہیں اس شخص کی بیاباں مجھ کو  
یہ آنکھیں دیکھ کر روتی ہیں اک شہر ایسی سکون نہ  
اسی کا بوس میں دل بتلا ہے ادا آنکھیں بھی  
مگر معلوم ہوئی تھی یہ کوششیں دامن مجھ کو  
وہ مردہ ریل کی پٹری سے غویزی دور بیٹھا تھا  
ادھر سٹیشن نے بھی کچھ دیر سے گردن جھکا لی تھی  
فضا ارض و سما کی اس زبوں حالی پر روتی تھی  
دکھائی دے رہا تھا باس ٹیلوں کے دھواں مجھ کو  
مبادقت راہنجن دغا مانا باس سے گذرا  
زمین کا پی۔ فضا صبر اٹھتی۔ اک زلزلہ آیا  
نظر آتے ہیں وہاں اس کی اڑتی دھواں مجھ کو  
فضا میں ایک ہیئت ناک سیٹی کی صد آگوشی  
مبادقت رگلاڑی رگ گئی دیکھے سے کچھ کھاکر  
میں بجلی کی سی تیزی سے وہاں پہنچا جو گھبرا کر  
فلک پر چا سو آئیں نظم تاریکیاں مجھ کو  
اور اب تک رات کی تارکیوں میں ہنسن اک شہر  
یہ دو میں چیختی سی کھلاتی سی توڑتی سی  
سنسانی میں تمدن کی بھیاںک داستان مجھ کو

ناوک بن طلح محمد سادھی ادس

## دَرسِ بخودی

جب حریفِ محفل آرائی ترا کوئی نہیں  
بسرِ غنہ کس قدر ہنگامی آؤں ہے  
بخودی شوق نے مجھ کو دیادرسِ خودی  
کیوں وسائل کا عدم ہوا اس قدر تبت لیکن  
تجسسِ بیاں کس کے قابلِ دردِ دل کی لذتیں  
راہِ پائی سے مطلب ہے، نہ کو منزل کی فکر  
حوصلہ افزا ابھی ہے حوصلہ منہ را بھی  
تو کسی کا ہو کے دیکھ اسے شکوہِ رخِ روزگار

مصحف اپنا طلب کرتا ہے ذوقِ شمع  
کیوں حریفِ حشمتِ رنگیں نوا کوئی نہیں  
(خان بہادر) رضا علی حشمت کلوی

## دعا

ستاروں کو ذوقِ سفر دینے والے  
عطا کر مجھے رفعتِ وسعِ بلندی  
مجھے سرِ درمی دے مجھے جیدتی دے  
میری راگھ کو پھر شہزادِ آفریں کو  
بے اشک کو میرے بیاں کی فطرت  
منور میرے دل کی تاریکیاں کر  
دلِ تند خو اور شوقِ جری دے  
مجھے نطقِ روحِ الاین ہم عطا کر  
شہزادِ محبت سے بے خود بنا دے  
مجھے بھی عنایت ہو نورِ بہریت

میرا گلشنِ آرزو ہو شمعِ نور  
درختوں کو شمعِ شمع دینے والے  
عبد الکریم شمع

## عبرتِ انجام

اداس شام اور اندوہناک تنہائی!

مناوتوں سے ہم آغوش و مست افلاک  
منکروں میں ہوا ایک بے صدا کلام  
درختِ صبح میں پشائیاں جھکا کر ہو کر  
نیشنوں میں صیغوں کے زمزمے سنو کر  
تجربات میں کھو کر ہوئے نشیبِ فراز  
گراہتی ہوئی سائنس کے جہان آباد  
فضا میں ناک لپکتے ہوئے سحابوں کے  
اداس شام اور اندوہناک تنہائی!

میں برہنہ تکلفِ حیات سے باز  
مری نگاہ میں لڑاں ہیں بے ملامت  
محیطِ طرح ہے اک کسل مند گولڈائی  
نفسِ نفس میں ہیں نوحہ و قرارِ بقدرت  
دلِ نجف پہ چوکے نکلتے جاتے ہیں  
تربکِ حال ہیں میرے بصورتِ غمخوار  
ہوا کی ہلکی سی کڑک بکارتی ہیں  
اداس شام اور اندوہناک تنہائی!

دفاؤ حسن کا تھا کس قدر میں آغاز  
وہ عطر بار و غرغرواں سردی راتیں  
وہ کھن بارِ اجالوں میں بادشِ اہام  
وہ لمحے آہ و مٹنے نہ کیوں ملے  
ادائے ناز و تریکِ نیسا زہونہ کی  
کیا نہ صبحِ شربت نے بایا بے مجھے  
جیاتِ آرزو مجھ ویرِ مضطرب ہی  
اداس شام اور اندوہناک تنہائی!

محمد عبدالستار مصطفیٰ گجراتی

## مہر و ماہتاب

چمکا کچھ ایسی شان سے دھن بے حجاب  
ہیں آنکھ وہ ساری فدائی میں لا جواب  
دل بن کے رہ گیا مرا اک مورچ اضطراب  
عین شباب پر ہے جوانی کا ماہتاب  
رہتی ہے بخودی مجھے بے جا ادبے شراب  
اک سمت آفتاب تھا اک سمت ماہتاب  
دیکھا ہے حسن و عشق کو اس طرح ہر کاب  
(قطعہ)

آوارہ بری خلوت دل میں سما بھی جا  
کہ ختم بے نیازی پیہم کا سلسلہ  
یوں تو خیاں دکھانے مجھے برق بے حجاب  
اچھا نہیں مقابلہ مہر و ماہتاب

دل آجکل ہے کیف مسلسل سے وہدیں  
دونوں سے مجھ کو لاگ ہے تو ہو کہ تیری یاد  
جیسے کسی حسین کا بھوہا ہوا شباب  
میں یوں بھی کامیاب ہوا یوں بھی کامیاب  
میری نظر میں غم ہے کمال نشاط و زیت  
میری نہ پوچھ کہ ہوں میں تو مشکستہ دل  
اب میں نہیں ہوں ان سے تغافل کا ٹکڑہ رخ  
دالستہ دور دور ہوں یوں تیری بزم کو  
ہر بھول ہر گل سے جوانی برس پڑی  
مجھ سے قریب ہو کے بھی وہ دور ہی ہے  
یہ آئینہ ہے آتے کچھ فیصلہ کریں  
میں آفتاب عشق ہوں تو ماہتاب حسن  
اب عزم یہ ہے کیجئے کچھ ان سے گفتگو  
ہم کہہ گئے یہ ان سے کہ ہے حال دل نیر  
دل کہہ رہا ہے اب نہیں حامل کئی حجاب  
کنایہ تھا کہ حالت دل ہے بہت خواب

منظر اکبر آبادی

منظر محیط بزم دو عالم ہے میری ذات  
میرا ہی ایک عکس ہے ہر منظر شباب



# ناامیدی

دہنی ہے گلشنِ امید کی فصل بہار

دنگ و دُور، جوشِ نوا و نغمہِ سرود بہار

ہر طرف بے صبر میں مچنے چکھنے کے لئے  
دنگ اور نہتِ بداناں ہے سہمِ جانِ نوا  
آس کے آنکھ طرب یعنی قنطوراؤں کے  
ابر بنک چھا رہی ہیں آساں پر میناں  
نغمہ ساز ہے تھاکر ہو کر دستِ نفاط  
غیرتِ فردوس گویا ہے چمنِ امید کا

مخملِ دل میں نو رنگ کا ہے اہتمام

ہے کسی کی غنچہٴ امید با صد اہتمام

سب نوا و رنگ اور خوشی کا سا مل گیا  
آگِ فنجوں میں لگی، گلچیں کا دہلا جل گیا  
ساز سے شعلے اُٹھے ایسے غوغاں میں مل گیا  
جل گیا پہلو میں ل اور دل میں ران مل گیا  
خوشنِ تسکینِ دل تا حدِ امکان مل گیا  
دمِ زدنِ یو، کارفرما کی بدولت جل گیا

اک ہوا ایسی جی سدا گھٹاں میں مل گیا  
خشک ندیاں ہو گئیں، چلنے لگی بادِ نسیم  
ہو گئی غائبِ حوس میں مچلنے پرورد  
لے معاذ! اندر سوزِ آتشِ جانور کی!  
گلنِ آرزو میں آگ کچھ ایسی لگی  
جل گئے پر طائرِ تخیل کے ایک آن میں

اپنی منزل پر ہے گویا کاروانِ ملک و  
دوڑتی پھرتی ہیں بکلی کی سی لہریں چار و  
اور فضا پر چھا رہی ہے سونِ آتشِ جو  
بہرہ مندِ قرب ہے بندہ بقدرِ آرزو  
خشک ہو چکا ہے جس میں خود تھا کالو  
ورنہ بیٹھی سے عروس کا میاں کی رو برد

محبوب ہے آراشوں میں، نو عروسِ آرزو  
کائناتِ دل کا ہر ذرہ چمک اٹھے کہ ہے  
"تو ہی تو ہے" کی صدا میں آ رہی ہیں قلب کو  
آرزو سے رشتِ قائم نہ بٹ اناں میں ہے  
سوز سازِ شوق بھی ہے کس قدر بھر آنا  
ہے حجابِ جہل طاری آگنیِ شوق پر

جو چمنِ بینچا گیا تھا غولِ دل سے بار بار

ناامیدی سے ہوا وہ بل کی بل میں مددگار

ہو کسی کا بھی بہت تکلفِ دمِ کرا نفا

آدمی کو بے سکون کرنا ہے یہ سیاق و

رو گیا ہو ٹوٹ کر پہلو میں اس کے جیسے تیر  
ہفتیں عاجز، ارادے معطل، مردہ ضمیر  
رہنِ ماتم، وقفِ غم، لاکھڑ باب میں اسیر  
فطرتِ معلوم بھی اس کی نظریں سے تیر  
ہے بہارِ زندگی اس کی خراب زمرہ پر  
ہے فقط اک بیخودی گزروں کی تہا دیکھ کر

ناامیدی، خستہ و مجروح ہے تیرا اسیر  
عقلِ اُس کی نارسا اور ہوشِ اس کے باختہ  
جنتِ لائے درد ہے وہ اور اس کی زندگی  
نغمہٴ غمِ لغوِ عشرت بھی ہے اس کے لئے  
اک جو دہِ منتقل طاری ہے اس کے قلب پر  
بیخودی میں کاش کھو دیا وہ اپنے آپ کو

منہجرِ امید ہے زندگی کا آسرا

اور خود اُمید کو ہے بیخودی کا آسرا

شہ زور کا شیری

## وقفہ زندگی

راہِ حرم نہیں تو کیا؟ کوچہ دیر ہی سی! وقفہ زندگی ہے کم لذتِ سیر ہی سی!  
 خیر! ہوا، شکست تو اُن کا غرور و کبر و ناز! بزم میں اُن کی باریاب ہم نہیں غیر ہی سی!  
 عرضِ وفا وہاں نہیں درِ خورِ اعتنا، مگر ہم تو سنائے جائیں گے حُسن کو سیر ہی سی!  
 کیسی سحرِ کہاں کی شام، او بدلدیں یہ نظام کارِ جہاں کریں تمام اُن کے بغیر ہی سی!  
 آخر خوشنوا خموش! رازِ حیات کر نہ فاش خطبہ ہند نہ ہوش  
 حُسن کے اختیار میں شر نہیں خیر ہی سی! سیدہ اختر حیدر آبادی

## ساتی

گٹھا بھائی جوتی ہے اور چین خاموش ہے ساتی  
 خارے مضمحل ہیں اور فضا خاموش ہے ساتی  
 اگر کچھ ہوش ہے بھوکو تو اتنا ہوش ہے ساتی  
 جسے دیکھتے پنہاں سے مدھوش ہے ساتی  
 وہ میکش جن سے ترے میکدہ کی شان قائم تھی  
 سکون دائمی بخنے کا کیا سینہ ہستی  
 مجھے ڈر ہے نظامِ بسکدہ برہم نہ ہو جائے  
 نہیں عیدِ جوانی میں مزا کچھ سے برستی کا  
 پلاٹے ہا پلاٹے جاسے رنجِ دالم مجھ کو  
 یکساں اندھیرے ایسے میں تو خاموش ہے ساتی  
 یہ عام دشمنِ ممبر و سکون و ہوش ہے ساتی  
 ترے غم میں یہ ہستی اب بالِ دوش ہے ساتی  
 نہیں معلوم نظرت کس لئے خاموش ہے ساتی  
 نہ اُن میں ولولے باقی نہ اب و ہوش ہے ساتی  
 ہر اک ذرہ یہاں کا انقلابِ غوش ہے ساتی  
 ابھی میں ہوش میں ہوں اور تو خاموش ہے ساتی  
 ابھی تو زندگی خود میکدہ بردوش ہے ساتی  
 تجھے معلوم ہے نظرت مری غلوش ہے ساتی

مجھے اس واسطے اربابِ دنیا شمس کہتے ہیں  
 مرے دل میں نہاں یک آتش خاموش ہے ساتی  
 شمسِ بیری مراد آبادی

## نشر سادہ

کس قدر زود آشنا ہے یہ  
خوش دلی سے مجھے گلا ہے یہ  
پاس ہر وفا بھی ہے کہ نہیں  
نہ وہ لیتے ہیں دل نہ پھرتے ہیں  
بواہوس سے در اپنے رہنا  
جذبہ عشق کو خیر اور کئے  
عشق کا ہم نہ ساتھ چھوڑینگے  
کئے ہیں حشر میں لیتے ہم  
خیر گزری وہ ہنس رہا نہ ہوا  
تم کو افوس دل کی قدر نہیں  
آپ بھی دل سے روٹھ بیٹھے ہیں

آپ کی آنکھ ہے، قضا ہے یہ  
میرے دشمن پہ مبتلا ہے یہ  
ایک جناح سے پوچھا ہے یہ  
قابل دید ماجرا ہے یہ  
اپنے مطلب کا آشنا ہے یہ  
میری کشتی کا نندا ہے یہ  
جان و دل کھو کے اک بچا ہے یہ  
کس قیامت کا فیصلہ ہے یہ  
میں سمجھا رہا جفا ہے یہ  
لاکھ میں ایک بادشاہ ہے یہ  
آپ ہی کے تو نام کا ہے یہ

شاد کو آج شاد کر دیجیے  
آپ کے نام پر خدا ہے یہ!

## موج نشاط

کن حسین جسے کہے جا رہا ہوں میں  
مر مر کے لئے غم میں ہے جا رہا ہوں میں  
ساتھی دنواڑ کی بہ کم نگاہیاں!  
پھر آجلا ہے اپنے یہ کچھ اعتماد سا  
آہوں کے ساز پر یہ مرکز انہو کا دھن  
اُن کے جات عشق کی یہ دلفریبیاں  
رنگینیاں میٹ کے دنیا کو عشق کی  
مرد جس سے ہے دل ساقی بکے خود  
ہو جائے جس کو رنگ تمنا کچھ اور نونہ

جنا ہے ناگوار ہے جا رہا ہوں میں  
تکمیل زدوق عشق کے جا رہا ہوں میں  
خون جگر کے گھوٹ ہے جا رہا ہوں میں  
بھر دل پر اعتبار کے جا رہا ہوں میں  
ان گروہوں کا کام ہے جا رہا ہوں میں  
خود کو فریب عشق دے جا رہا ہوں میں  
صرف نگاہ حسن کے جا رہا ہوں میں  
آنکھوں سے وہ شراب ہے جا رہا ہوں میں  
سبیل کو وہ رنگ دے جا رہا ہوں میں

نشاط سید

افشائے غم کا یہ بھی تو ہے ایک رخ نشاط  
درمان ضبطِ غم جو کئے جا رہا ہوں میں

# مکتوبات

۲ فروری ۱۹۳۳ء

محبتی!

تجھ پر اصرار ہے؟ — انقطاع کو گویا آپ تسلیم کر چکے؟ خاموشی کا  
لہجہ اس قدر قطعی و شدید تو شاید نہیں ہوتا۔

اچانک کے باہمی مراسم و تعلقات رشح و قلب کی چیز ہیں محض سکوت سے انکو  
نہ سمجھ لیا جاتا۔ اس سے ”تجدید“ کا کوئی سوال ہی نہیں — پھر اگر  
نا تو آپ کی جانب سے ممکن ہو سکتا ہے۔ ادبی دنیا ادھر ہوا اردو ادب کی  
جس آپ مجھے اگر پھر ملنا چاہتے ہیں تو ذرا اذیت گویائی دیکھئے —  
مجھے جہاں ملا رہے ہیں وہاں کے موضوع کن تجربات سے ابھی تک دل اذیت  
ہیں کر رہا ہے۔ میرے خیال میں اردو ادب کی دنیا صرف ان لوگوں کے واسطے  
ہے جو سچے دلوں میں باہر نکالنے کی ہمت رکھتے ہیں اور اگر یہی نہ ہو تو کم ذاتی پریجیڈ کے  
بہتار رکھتے ہوں۔ میری بدتمیزی ہے کہ مجھے ان میں سے ایک چیز بھی قریب نہیں ہے اور مجھے  
مداغ بہت دیا ہے کتاب ان باتوں کے پکھنے کی ہمت نہیں۔

بائیں پھر آپ فراموش تو پھر میری مجال نہیں کہ مرتبائی کر سکوں۔ خدا کا شکر  
کہ آپ کو میری خاموشی کا احساس اس قدر جلد ہو گیا۔ مصائب کی فردائی میں بہن  
بجائے کی اچانک موت نے دل کو کچھ ایسا بنا دیا ہے کہ خوشی کا احساس شکل سے  
لپٹے کر آج آپ کے کتب کی نین سوار کو بڑھ کر دل میں کچھ افسوس سی پیدا  
تی ہے۔ آپ کی نظر نویسی کا شکوہ کس طرح کر دوں۔ اس سے بھی عروسی کا  
نام ہے — لکھو تو یہ کبھی آپ کا  
مسودہ جاتا دیکھ

برادر محترم جناب آغا صاحب مدنی نوٹ

السلام علیکم واکرم آلہ وکرم ذوات! ہمیں مرزا بین کو خبر ہوا ہے کہ وہ کمال  
وگدگد گیا۔ دودھان خیم میں جو کچھ دیکھا اور حال کیا وہ میرے خیال میں بڑی  
مگر ۱۰۰۰ روپے تا مہینہ جان لگا کر آپ کے بچوں کی طرح مرزا جیلا ہمت دیکھا

تاج محل اور علامہ صاحب! جہاں کہیں آپ لوگ گزرتے ہیں ان کی کوئی عادت کے  
جوڑوں سے آنکھوں کو پرور دیتے ہیں اور محبت جو ایک ایسی شے کا نام ہے جس کی زندہ  
تصویر اپنی مرز میں رہ کر رہتی ہے محبت کا پاکیزہ میاں آج کا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ”تاج“  
کے ہر درود و وار پر محبت ہی، تعالیٰ نظر آتی۔ اس کی خاموشی میں محبت کا پرورد  
نیز پایا جاتا تھا۔ زندگی میں مجھ پر وقت کا اتنا شدید عالم جو کسی نظر سے رہا نہ ہو شادی  
پہا ہے ادا اگر ہوا بھی ہے تو اس کا نقش حافظ کو میری فزوں پر ”سر نہیں تاج“ ہی نے جہاں  
حسن پرست نگاہوں کا احترام داد بکھا ہے۔ دل کو بھی ایک ایسا درد بخشا ہے  
جو ”دستورِ زبانِ ہندی“ سے مجروح ہے ہر قدم پر دل کے گریاں ہونے کی  
عدا میں سن رہا تھا اندازِ زبانِ حال سے سرخ تھا کہ

شک نہ کر میری خشک آنکھوں پر  
یوں بھی آنسو بہاتے جاتے ہیں  
تاج کو دوبارہ دیکھنے کی آواز دے خدا کو کہ یہ آواز و برائے غ  
نورہ ہے تو تاج کو دیکھیں گے دوبارہ

علامہ و صوفی کی ذات پاک سے شرف ہو کر روحانی نشاط حاصل ہوئی۔ علم ادب  
میں علامہ صاحب کا جو بلند پایہ ہے وہ محتاج بیان نہیں اور نہ میری کج زبان  
میں طاقت، بھائی صاحب احسان دانش نے اس کے لئے علامہ صاحب کا ہی نام  
لیا تھا۔ کیونکہ بھائی صاحب سے تعلقات برائے ہیں اور ان کی بے لوث محبت میرے  
دل میں جاگزیں ہے۔ یہ بھی خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کبھی استاد کی شاگردی  
کا فخر اس بھائی کو بھی حاصل ہوگا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے اس میل المرتبت  
ہستی سے منور ہوا ہے۔ بھائی صاحب پر اس کے ہزاروں خوش ہیں اطراف ہند میں پھیلے  
ہوتے ہیں اور آپ کی عنایت و شفقت سے بھی انکار کو ان کے مزادوں ہے  
کہ آپ نے تعاون کر کے مجھے یہ سعادت بخشی۔ خداوند تعالیٰ آپ کے مراتب ارتقاء کو  
آمین! بھائی صاحب آغا جس آپ کی طاقت سے جو مجھے زندہ چلا آیا تھا۔ کیونکہ  
جس مقصد کے لئے میرا دل درد و بھاننا تھا وہ پورا نہیں ہوا تو میں اپنی سسرالی  
آگیا اور میں سے آپ کو یاد کر رہا ہوں۔ میرے حالات تو گنگواری ہیں۔ مصائبِ لام  
کا درد میری طرف نہ پھارے ہوئے ہے ۳۲ میں مرزا و والدہ صاحب کا

ساختہ و کمال کا کج کی زندگی کو بھی لے آتا ہوا انوں والہ صاحب اور اس ناچیز کا  
بستر ملائی پروردار نہا بھی حادثہ کا ایک سلسلہ تھا۔ ابھی عام محنت کے جوئے ملنے سے  
نیچے اترنے نہ پائے تھے کہ آسمان سے ایک عمارت زمین پر نازل ہوا اور خانہ انوری کھایا  
کے صدر اہم لا کاشائے حویں، درخشاں بایا اور سری اہلبہ محنت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ طربا  
کی صورت اختیار کر کے ان کے رگ دپے میں مرآت کر گیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن  
صحت کا نہ دیکھا، ابھی تک ہنوز دل دور بہت "والی بات ہے۔ ایک سال ہو گیا۔ ڈیڑھ  
روپیہ علاج پر مرت کیا جا رہا ہے مگر کھانسی اور ضعیف بکا نہیں جاتا۔ فیرے

وہی ہوتا ہے جو نسل پہلا ہوتا ہے

والہ صاحب کی ہستی غیبت ہے ہم صرف دوہن بھائی ہیں روزگار کا  
مسئلہ بھی پشیمان کن ہے۔ خون میں والہ صاحب نہیں جلنے دیتے۔ دیگر  
لازمیں صرف اپنا ہی توجہ بھٹکتا ہوا کر کے دیتی ہیں۔ بھائی صاحب احسان آج ہے  
بھی ایک دفعہ کثیرہ دانش و حزم لاہور کی دعوت دی تھی مگر خواہ مخواہ چل نہیں گئے  
ادب کی سوسائٹی میں رہنے کا بہت شوق ہے مگر یہ کام ہی رہا۔ احوال کس طرح بدلائ  
قدت میری تقدیر کے ساتھ کھیل رہی ہے خیال تھا کہ اگر اگر وہ بن تو ہو ہوا تو بھائی  
انجما صاحب کی خدمت میں رہ کر کچھ حاصل ہو جائے گا مگر کچھ  
لے لے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہاں یاد آیا، ایک غزل آپ کو رائے صاحب بہ ارشاد ادا دے آیا تھا۔ اپنے  
دوست کی معرفت اپنا اندر لیں بھی دیا تھا۔ اب نہ سلام اس کا کیا حشر ہوا۔ میری موجودگی  
میں نوہ آئی نہ تھی۔

ایک نظم مولانا بزرگوار کی خدمت میں برائے صاحب ارسال ہے۔ صاحب کے  
بعد میرے وطن کمار سال کو ہیں۔ جوانی لفظ پر تہہ دم کو دیا ہے۔ انت رائد تعالیٰ  
شاعر کی خدادادی کا اہتمام وطن پرست کر کوں کا غلط و السلام

حقیقت کیشش  
ناچیز شمس الدین باہم بیوانی

انجما بھائی !

سلام سنون۔

آپ کی دیدہ شدہ غزل وصول ہوئی۔ یوں سلام جوابیے ڈٹے ہوئے  
ماجن نے فیرے خون پر بھیا جو خدا جانتا ہے کہ مجھے آپ کی اصلاح پا کر ایک گونہ  
خوشی حاصل ہوتی ہے مگر مشکل یہ آتی ہے کہ جو نبی میں نے مطالعہ کے لئے کوئی کتاب

یا کوئی رسالہ اٹھا یا کوئی غزل یا نظم نظر سے گندھی، دل کو بھی معلوم ہوئی۔ دماغ میں قافیا  
اور معنوں نے پھول پھلائی اور میں غزل مکمل کر کے بھجوا گیا۔ بارے غزل ختم ہوئی تو  
بھر اصلاح کی باری آئی۔ جب تک آپ کی جانب سے ایک غزل وصول نہیں ہوتی  
میں اس عرصہ میں کئی غزلیں لکھ چکا ہوں۔ اس سے میں نے جاہا تھا کہ ہینہ بھر میں  
آپ چار غزلیں درست فرمایا کریں تو یہ ذخیرہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائے۔ مگر آپ ہم  
سچے ہیں، میں بھی شرمندہ ہوں کہ آپ کی مدد انفرصت کے باوجود بھی آپ کو اک  
رہتا ہوں، آخر کیا کر دوں اے دے کے یہی ایک درو تو نظر آتا ہے کاش! آپ  
اس جذبہ شوق کا اندازہ فرما سکتے۔ جس سے میں غزل پر غرض اصلاح کے کوثر  
میں حاضر ہوتا ہوں اور جب تک آپ کی طرف سے غزل پر اصلاح وصول نہیں  
ہوتی۔ آپ کے کرم نامہ کا انتظار مجھے خیالات کے ایک عجیب عالم میں لاکھرا کر  
ہے۔

پچھلے دنوں میں ماہنامہ ادب دہلی کو سیر می نکادے دیکھو ادا  
کہ حضرت نوح ناروی کی غزل نظر سے گندھی ہو کر چوڑی تھی۔ طبیعت میں  
پڑی کچھ شش تو اسی دم ہو گئے کچھ بد میں لکھ کر غزل مکمل ہو گئی۔ لیکن فر  
لکھنے کا تقاضا ہے کہ اگر غزل حضرت نوح ناروی کی غزل سے سمجھ نہ  
لیجائے تو کم از کم اس کا جواب تو ہو در نہ سورج کو چراغ دکھانے سے فائدہ  
طبیعت جب لکھنے کے لئے زور کر رہی ہو تو اس کو روکتی نہیں۔ غزلیں بہ  
لکھی ہوئی اصلاح طلب پڑی ہیں۔ لیکن اگر آپ ہینہ بھر میں صرف چار غزلیں لکھنے  
کا وعدہ فرمائیں تو یا تو میں نہیں بھولوں گا۔

نیاز مند

غلام محمد

بھوپال

۲۴ مارچ ۱۹۳۷ء

محرمی و منطقی، السلام علیکم، بوسا شاد کی رسید کا شکریہ مجھے جس اتفاق ہو  
اس مجموعے کے بجائے میرا مجموعہ کلام شائع ہونا چاہیے تھا، مگر بعض اجاب کے ہمارے  
اسکی اشاعت پر مجبور ہو گیا۔ حالات اگر مہلک ہو تو شاید رائد انشا دیوان جلد طبع کر لوں گا  
مجھے یہ دیکھ کر سخت اذیت ہو رہی ہے کہ بعض فرخہ دار حضرات علامہ سیاب خطا  
کے خلاف برابر پوسکندے میں مٹھ رہے ہیں اور آپ کا دل دور پر سکوت اختیار کر کے ہے  
ہیں، یہ صحیح ہے کہ آفتاب پر خاک نہیں ڈال جاسکتی، لیکن معافین کی نظم ساز غزلوں کا کچھ  
جواب دینا چاہیے، میری ناکی میں ہم کو بھی اس ہرزہ ملنے کے اندر کے لئے کوئی شہزاد  
کو نا چاہیے، انوس ہے کہ بھوپال سے کوئی ادبی رسالہ نہیں نکلتا وہ نہ پہلے سے اسکا انداز



## شخصیات

### حضرت نوح ناردی

بکھڑتا میں بھی غامضی رہتی ہوگی اور بقول مولانا حسن امدادی مروجہ قرب و جوار میں دلوں میں لیتے رہے۔ برکت علی صاحب کے بعد حضرت امیر خانی کھڑی کو دو تین غزلیں دکھائیں۔ پھر حضرت جلال کھڑی کے شاگرد ہو گئے اور ۵۰۰۰ غزلوں پر ہمارے لی کر زوق کی تسکین نہ ہوئی تو عراقی طلاع دیئے بغیر بنابا نہ فیض الملک مرزا داغ دہلوی کی خدمت میں جہا آباد ہو چکے گئے اور شرف تلمذ حاصل کیا۔ فایس اسے تو نگ ہی دوسرا تھا۔ کئی سال تک ذریعہ خط و کتابت ہمارے لیتے رہے۔ دو تین ہی سال گزرے گئے کہ مرزا آکر نے دوبارہ جہا آباد بلایا۔ یہ سلسلہ عرصہ کا واقعہ ہے۔ دوبارہ بہت عرصہ تک آپ استاد کی خدمت میں رہے اور قرب رہ کر فیض حاصل کیا۔ جہا آباد ہی میں حضرت داغ دہلوی اور حضرت تکر دہلوی نے زندگی دیں۔

نوح صاحب مرزا آدراس کے بڑے عقیدت مند تھانہ جس سے آپ کو سب کو دل انشاء فیض الملک مروجہ کے ذبانی یاد ہیں۔ آپ نے فیض الملک کے دنگ کو سمجھنے کی بھی جو کچھ کشش کی ہے، خود بھی نہایت ذہین اور طبع ہے۔ جو کچھ معاش کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہے اس سے زیادہ وقت و شوخن و مروت کرتے ہیں۔ ہندوستان میں آپ کے شاگرد کافی ہیں اور ان میں بہت سے مشہور بھی ہیں۔ آپ کے کلام کے دو مجموعے "سینہ نوح" اور "طوفان نوح" شائع ہو چکے ہیں۔ مرزا یان بھی شائع ہوئے دالا ہے۔ تمام ہندوستان میں آپ مشہور ہیں اور اکثر شاعروں میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت نوح کا کلام بہت سادہ اور صاف ہوتا ہے۔ آپ فیضی معنی میں زبان کے شاعر ہیں گو کلام میں مرزا آدراس کی سی صلاوت اور وس نہیں لیکن نہافت، سلاوت اور روانی بعد ہد اتم پائی جاتی ہے۔ آپ شاعریں الفاظ کے اٹھ پھیر سے لطف پیدا کرتے ہیں۔ آپ کی غزلوں کے مقلعہ خصوصیت کے ساتھ بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ جن میں شخص کی رعایت سے آپ سیلاب اور طوفان کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔

### نمونہ کلام

دکھائی دیتی علم اک پریم نوح نے مجھ کو  
آجینا روٹھنا، لڑنا، بگڑنا دودھ جانا

کیونکہ لبر ہوئی نہ فرقت نہ پوچھے  
سب مجھ سے بچے یہ معیبت نہ پوچھے

اردو غزل اعلیٰ میں مختلف ادوار سے گزری۔ حال میں بھی اس کی قدسیں جلمہ ہی ہیں اور بدل چکی ہیں مستقبل میں بھی یقیناً حالات کے تغایر اور طبیعتوں کے تضاد سے اسے مختلف انوع شکلیں اختیار کرنی پڑیں گی۔ اردو غزل میں اب تک جتنے انقلابات ہوئے ہیں، ان کا کوئی ٹکڑا (مخزنہ ۱۹۷۷ء) انفرادی طور پر ایک ہی شخص کو حاصل ہوا ہے۔ مگر اگر سادگی کے لحاظ سے تو غالب طبع اور بلند الفاظ کے۔ میر درد نے تقویت کو غزل میں بھرا دیا تو میں نے خیال کی گرتیاں پیدا کیں۔ اسی طرح آتش ادد نارنگ نے بھی نئے دنگ کی بنیاد ڈالی۔ آخری دنگ میں مرزا آدراس دہلوی نے سب سے پیش کرنا نہیں تو کم از کم ایک مخصوص دنگ ضرور پیدا کیا اور اسے اقتدار اپنا کر ان کے ہمسفر اور کھنڈ کے شہنشاہ حضرت امیر خانی بھی اس کی تقلید پر مجبور ہو گئے۔ داغ کا سہل قلعہ، فصاحت، روزمرہ معاشی اور شوخی مرق، انھیں کا حصہ ہے۔ عام رائے ہے کہ جعفر ہرے تھانہ مرزا آدراس نے چھوٹے اس کی مثال کسی دور میں نہیں ملتی۔ مرزا داغ کے پاس فیض کی خاک کو اپنے وقت کے استاد ہونے اور بعض نے بڑی مدد کی ان کا تیس بھی کیا۔ حضرت نوح ناردی بھی مرزا آدراس کے ارشد تھانہ میں سے ہیں اور استادانہ دور رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کا دنگ بڑی مددک مخصوص ہے۔

آپ کا نام محمد نوح اور نوح شخص ہے۔ والد کا نام مولوی عبد الحمید ہے۔ ۸ ستمبر ۱۹۰۷ء کو اپنے نانا نوح علم الہدی صاحب کے یہاں بیجوانی پور ضلع راجپوتی میں پیدا ہوئے۔ حضرت نوح کے والد محترم سب سے بڑے محبوبہ مستعدہ اگر وہ دودھ کے مختلف شہروں، شاہجہانپور اور بلند شہر وغیرہ میں جیل القدر عہدوں پر مامور رہے اور پشیمانی مال کرنے کے بعد قصبہ تارہ ضلع الہ آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ خیر خواہی میں نہ صرف حکومت ہند ہی سے بہت کچھ پایا بلکہ خود بھی کافی مال لاک پیدا کیا۔ حضرت نوح کی کسبی ہی میں سب سے صاحبہ داعی اعلیٰ کو لیکر کہا۔ نیکیل تعلیم تارہ ہی میں ہوئی۔ مختلف اساتذہ مثلاً حافظ قدرت علی صاحب مولوی دست علی صاحب، حاجی عبدالرحمن صاحب جاسی اور میر نعمت علی صاحب اردو خدی اور سندھ سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ تھوڑی بہت انگریزی بھی پڑھی۔ آپ کے آخری استاد میر نعمت علی صاحب نے شوخاوی کا ذوق دلایا۔

ابتداء میں انھیں سے ہمارے لیتے رہے۔ جو کہ شاعری کا ذوق فطری اور صحیح تھا اس لئے





# کی ڈائری

(۸۱) دن جنوبی ہند میں۔ بنگلور کی عظیم اٹاں کا نفرن! رشتہ کے بعد یاست میلو کے تائیخی مثالی میرا

۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء

تفریق بینہ کے پھر بنگلور کے حلقہ زار میں پہنچ گئے۔ "گلوار اختر" میں  
بہ دم دکھا تو فاضل عبد الغنی اور سیدہ اختر حیدر آبادی کو بہترن انتظار پایا  
نثر شروعیہاں قیام پذیر تھے رخصت ہو چکے ہیں۔ "گلوار اختر" میں وہ چل چل  
در وین نہیں لیکن اس کے نقوش ہر طرف نمودار ہیں جیسے ہر فرد نظر آ رہے  
ہیں۔ شواہک گنگا ہٹوں کی جگہ چٹوں کے دم اور مڑے راگ ہیں۔ بعض کدوں کی  
آرائشوں کے کچھ دھندلے خاکے بھی موجود ہیں اس لئے کڑوا کی رخصت کے بعد  
اُن کا نام سامان بنایا گیا ہے۔ البتہ سیدہ اختر کا ڈرائنگ روم، اسی طرح  
جگہ جگہ گورہا ہے۔ سیدہ اختر ماہد اور فاضل صاحب کی پچھلے سے علم تھا کہ  
ہم لوگ بھی آج شب کو یہی کہتے رہا ہو جائیگے اس لئے راستہ کے لئے  
کھانا وغیرہ سب تیار ہے۔ گورہا ایک دن اور دو راتوں کا ہے لیکن سیدہ نے کئی دن  
کا انتظام کر دیا ہے۔ منہ کر رہے ہیں گورہ نہیں باتیں۔ فاضل صاحب تھوڑی دیر  
کے لئے باہر شرفین لے گئے۔ جب واپس ہوئے تو وہ ہندو ہمس کے چھوٹے بڑے  
لیکچر بیچ رہے تھے وہ خدا جاسے کیا کیا بیکری کے لئے آئے۔ یا امڈ  
رفتہ رفتہ اور اتنا زیادہ۔ سیدہ کا اصرار ہے کہ سب ساتھ رکھے۔ سیدہ اختر نے  
رواگی کے وقت "نذرانے" بھی پیش کئے اور نہایت محفل۔ بقول فاضل صاحب  
سیدہ نے پہلے وقت ہر شام کو چہرہ جیت کچھ نہ کچھ فرود دیا ہے۔ شاہین دوستی  
شاعر فاضل اور علم ادب کی قدردانی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے  
لکھنا اس کے مطالبہ کے علاوہ جو وہ اپنے سفر پر تنگ تھے انھیں ملتی مرتبہ  
بھی کئی رقم دی گئی۔ شاہین پہلی مثال ہے۔ سیدہ اور اُن کے گویا شوہر فاضل صاحب  
سیدہ الفی فرانسے ہیں کہ ظاہر اگر آپ کچھ دن اور قیام فرمائیں تو ہمارے لئے باعث  
رفت و حرکت ہو۔ بعض لوگ تو ہم پر بار ہو گئے۔ لیکن آپ کی موجودگی ہمارے لئے  
بہت کامیاب ہوئی ہے۔ اُنڈو گورہ احساس اور اتنا ذوق احساس۔  
پتا ہے جب شب کو فاضل صاحب عبد الغنی اور سیدہ اختر کے ساتھ کوٹھن بھاگتے

انجیا اصدیقی

ایک کار ادا ایک گھوڑا گاڑی سامان سے لدی ہوئی اسٹیشن کی طرف رہاں ہے  
بنگلور کی شاداب فضا میں سکراتے ہوئے ڈرتے۔ گھاتی ہوئی ہوائیں سب قدم قدم  
پر سلام آخری قول کر رہی ہیں۔ جی نہیں چاہتا کہ بنگلور کو الوداع کہا جائے۔  
مگر کہہ رہے ہیں ارض تاج "اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور فرائض کا احساس نہیں  
چلیاں لے رہا ہے۔ اسٹیشن پہنچے تو بعض دوسرے مخلصین اور  
عقیدت مند بھی ہمارا درجہ بھول لئے موجود تھے۔ یہ منزل بہر اعتبار سخت اور بہت مشکل  
ہے۔ سیدہ اختر، فاضل صاحب اور دوسرے مخلصین سے جدائی کا حال، ٹکٹ  
سننے کی درخواست اور اس سے زیادہ ٹرین میں جگہ کا سوال، فرسٹ کلاس سے  
لیکر فرسٹ کلاس تک کبھی کبھی بھری ہوئی ہے۔ پہلی درخواستی تو یوں تم ہوئی کہ سیدہ  
اختر نے بیروں سے لدی ہوئی انجلیوں والا ہاتھ بنگلور صاحب کی طرف  
بڑھایا اور جب اُن کی آنکھیں خرو ہوئیں تو وہ چونکے اور فوراً سیکنڈ کلاس کا  
ٹکٹ دیدیا۔ ٹکٹ کی کھڑکی سے سیدہ ٹرین تو اسٹیشن ماسٹر کے دفتر  
میں پہنچیں اور زور دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دو نشستوں کا انتظام کریں۔  
اسٹیشن ماسٹر صاحب بھی کچھ دیر ادھر ادھر ہلکے ہلکے مگر اس انوہ میں  
اُن کی کون مشاقتا۔ سیدہ اختر کہہ رہی ہیں کہ اسٹیشن ماسٹر صاحب آپ کو دوسری  
"لوگی" گوانی چاہئے۔ جب اسٹیشن ماسٹر صاحب مل و عقد خود کچھ نہ کر کے  
تو سیدہ اختر نے اپنے ذاتی عزم و جواں سے کام لینا شروع کیا اور بغیر پس و پیش  
ایک سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں چوہہ گئیں جے جے اگر یہ اختر گھرے ہوئے تھے  
کبھی اپنی زبان میں بھی ان کی زبان میں سیدہ نے انھیں ڈر کر اور عجب کہنے کی  
کوشش کی۔ جس بعض دھڑلے لوگوں کے ساتھ دوسری نشست کی تلاش میں  
مگر وہاں تعجب اس ڈبے کے قریب پہنچا تو سیدہ اختر کے اس جلد کے بعد کہ میں بھی  
دارڈینس کو لسل کی ممبر ہوں۔ دو دیگر بڑوں کے گلوں میں پارہ ڈالتے تھے  
دیکھا جو بارے لے آئے تھے۔ پھر کیا تھا، اور اب کی تہذیب حاشیت کے مطابق ہوتا ہے  
حقو کا جی اہم کرنے والی قوم کے۔ وہ تو فرسٹ کلاس اور بغیر بھول کے ہاں سیدہ اختر کے

۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء

# اصلاح سخن

جناب عارف یا لکونی کی غزل پر حضرت ارشد صدیقی امروہوی کی اصلاح

۱۔ خیال پت ہیں تیرے، نظر بلند نہیں ۱۔ <sup>یہ راہ میں ہے</sup> وگرنہ عشق کی وہ میں کوئی گزند نہیں  
 ۲۔ جو قرب دوست ہو منظور، ترک کر یہ خودی ۲۔ <sup>خود ہی ہے</sup> باغیت دوری یہ قرب مند نہیں  
 ۳۔ وہ سر ہی کیا کہ نہیں جس میں عشق کا سودا ۳۔ <sup>وہ دل ہی کیا جو محبت سے بہرہ مند نہیں</sup>  
 ۴۔ جو اس جہاں کو سمجھتا ہے دایرہ رخ و محن ۴۔ <sup>وہ نہیں جہاں کے مصائب میں فکر مند نہیں</sup>  
 ۵۔ در حبیب اگر بند ہے تو ہونے دو ۵۔ <sup>وہ خیال تصور ان کی شکل اور</sup> در خیال تصور ان کی شکل اور  
 ۶۔ حدود ہوش سے آگے ہے حد حسن و جمال ۶۔ <sup>جو ہوش میں رہتا ہے</sup> جو ہوش میں رہتا ہے وہ ہوشمند نہیں  
 ۷۔ متاع زیت لٹا دے جو عیش و عشرت میں ۷۔ <sup>وہ بے نیاز فراست ہے</sup> عقلت نہیں  
 ۸۔ نگاہ دہریں گویا ارجمند کیسے ہو! ۸۔ <sup>نگاہ حزن میں ہے</sup> جسک ارجمند نہیں  
 ۹۔ <sup>دل و دماغ</sup> فدا کی نظر کی نظر کی نظر کی ۹۔ <sup>مجھے تو کوئی بھی آوارگی پسند نہیں</sup>  
 ۱۰۔ یہ سب ہیں کہنے کی باتیں وگرنہ سچ تو یہ ہے ۱۰۔ <sup>کسی کا کوئی بھی دنیا میں دردمند نہیں</sup>

فسانہ بلیل و گل کا کہے ذکر جام و شراب

کلام حضرت عارف ہیں پسند نہیں

توجیہ :-

۱۔ اصلاح سے یہ حبیب دلدہ گیا۔ زمرن معرب ملنا اور اچھا ہو گیا بلکہ اب تو "پر صبح نوا

۲۔ میں زور پڑا ہے

۳۔ مجھے اہل شرار معرب دونوں سے اشکاف ہے ثانی معرب ولی ہونا چاہئے۔

۴۔ رہے جو ہوش میں اپنے وہ ہوشمند نہیں

۵۔ میں ہی "غل غفارت" تھا۔ اس نے پہلے معرب تھے تو "نگاہی گزیرنا دیا اور دوسرے میں

۶۔ تو "کا افسانہ کر دیا۔ اس طرح شرکے نام عیوب دور ہو گئے اور شعور و مدار ہو گیا۔

۷۔ عارف عارف کے پہلے معرب کا منہ نامکمل تھا۔ ہمارے شوقا منہم و مانع ہو گیا اور افسانہ کی

۸۔ جو کہ محسوس ہوئی تھی وہ بڑی ہو گئی۔ مگر معرب میں گونگن کی جگہ کسی کی محبت چھوڑنا پڑی تھی۔

۹۔ وگرنہ سچ تو یہ ہے "بھرتی کا کردار تھا۔ اصلاح بہت مناسب ہی گئی ہے۔

۱۰۔ "یہ ہے" معرب کے دونوں ٹکڑوں کو سمجھ نہیں کی بات تھی کہ "کے افسانہ خاندان پیدا کر دیا

۱۱۔ اصلاح سے معرب کی اصلاح نے شاعر کے لہجے کی صفات نکال دی۔ اعجاز صدیقی

۱۔ خیال "خال" واحد شمال ہوا ہے اس لئے فعل بھی واحد ہونا چاہئے۔ اصلاح سے معرب اولی

۲۔ کا یہ حب دور ہو گیا۔ دوسرے معرب جن "وہ" مکمل نظر تھا۔ حضرت ارشد نے اپنی

۳۔ اصلاح سے معرب کو صاف اور شستہ بنادیا۔

۴۔ یہ قرب مند نہیں، تاکہ ایسا بے جوڑا تھا خودی قرب مند نہیں "اچھا نہیں معلوم

۵۔ ہوتا تھا "انسان" ہی کی مفردت تھی۔

۶۔ "دونوں معربوں میں اس جہاں کی نگراں بھی نہیں تھی۔ اس لئے اصلاح دی گئی، چونکہ

۷۔ پہلے معرب جن "وہ" آپا ہے اس لئے میرے خیال میں دوسرے معرب جن "وہ" چھوڑنا

۸۔ زور دی ہے۔ معرب اگر بول کر دیا جاتا تو مناسب تھا ہے

۹۔ کسی طرح وہ عیبیت میں فکر مند نہیں

۱۰۔ عارف نے معرب کی زبان میں تہذیبی معرب پیدا کیا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ بند نہیں

## مشاعر شاعر

## مصرع طرح: زندگی غم کی اک کہانی ہے

## حضرت شہرہنگامی

میں ہوں فانی یہ جاودانی ہے  
بچ ہے لاکھ لاکھ فانی ہے  
کس کو اپنی کہوں کسے نہ کہوں  
موت کو دیکھتے تو درپردہ  
کیوں نہ کروں ہر دینے جی  
دے رہا ہوں جس خطے کے سن  
حسن سے، اک ہیں بے کشتہ

## حضرت آغا زہرہ پوری

یہ بھی کیا شان زندگی ہے  
میں ہوں اور ماتم جانی ہے  
تیرے عہد جوں کا کیا کہنا  
تم سنو گے تو میں سننا دینگا  
اک شاہ و فانی تیرے لئے  
بہر نغموں لالہ و گل ہیں  
اب کہاں لطف زندگی آقا

## زہرہ سخن منہ خیر حیدر آبادی

غم دل جس کو شادانی ہے  
یہ حقیقت بھی تو نے جانی ہے  
آفریں اعتماد عشق دوست  
ادب کیا جائے محبت کو  
اب کہاں داد؟ اب کہاں فراد؟  
درد دل جس میں ہو گیا آمیز  
کیسے اُس درد سے اب ٹھون خیر

## حضرت آسی ٹرکوی

غم میں وہ لی ہوئی کہانی ہے  
اور پھر شمع کی زبانی ہے

ہر طرف دور شادانی ہے  
غم میں گذرے کہش میں گذرے  
ہیں تصور میں ان سے راز و نیاز  
دل میں وہ دوا گلہ خشک پی  
شکوہ نارسائی انجام  
آسی بے خبر کا حال نہ پوچھ

## حضرت مولانا سلیمان نقشبندی مجددی از جالندہر

نقش سیلاب جاودانی ہے  
دل سے اک جو غم جانی ہے  
کہکشاں زار میرا کاشانہ  
پانوں پھر راہ شوق میں اٹھا  
دل کی دلی نہ کیوں سہانی ہو  
اُن کی محفل میں میری خاموشی  
سب سے ادنیٰ تھا و سلیمان

## حضرت برق صدیقی فوجپوری

سوز دل آب زندگی ہے  
خاموشی راز عشق کی نقیب  
زلف والوں کا غنچہ جال  
اُنکے اب ہیں کہ کچھ ہی گل کی  
آؤ نکلی ہوئی تمت و!  
شوق دیدار تھا تو سب کچھ تھا  
فطر برق و ابر باد برق

## حضرت مسلم مالیکانوی

دو گھڑی بول کی جانی ہے  
دل کی تاریکیوں میں نکاح خیال  
ٹھٹھاس اک چراغ مزار  
باتوں باتوں میں کہیں غم دل

زندگی حب جوانی ہے  
زندگی ہر طرح کہانی ہے  
چاندنی رات کیا سہانی ہے  
آدمیت کی تر جانی ہے  
اور ابھی عالم جانی ہے  
کشتہ عالم جانی ہے

کیوں نہ جوادغ کی شانی ہے  
اُن کو کہیں غزل شانی ہے  
عرش پر میری پرفانی ہے  
پھر قدم بوس کار زانی ہے  
برے راجہ کی لہجہ جانی ہے  
ایک منہ بولی کہانی ہے  
دیکھ پھر کون تیرا جانی ہے

یہ خبر شمع کی زبانی ہے  
بے زبانی میری کہانی ہے  
چاندنی رات کی جانی ہے  
گنگوہے کہ کلف جانی ہے  
پھر مجھے بزم دل جانی ہے  
اب نہ جلوہ نہ لہرائی ہے  
میسری تصویر نو جوانی ہے

کیا ہی! ظرف شادانی ہے؟  
رات اور رات بھی سہانی ہے  
میری تصویر بے زبانی ہے  
وہ کچھ وہ کہانی ہے

آفتاب میں چل کر دیکھ  
دل خانہ خراب کی باغیں  
خوش ہوتے آہ سرسبز  
بندہ پرور ایہ ہمدانی ہے

### حضرت رحمتا بلوئی

عشق ہے عشق ہے جوانی ہے  
غم بہ جنوں ان شادمانی ہے  
پر وہ ساغر نہیں جو توروں  
دل مشاودہ چھے جان چھا  
چاند ہو حسن ہو محبت ہو  
دین و دنیا کا کوئی ہو مالک  
چاند مارے بھی چھپ گئے جتنا

### جناب طرہ قریشی

آپ کی ذات جاودانی ہے  
نہ صفا و ہوس مسادہ  
جس کا عنوان ہے شب و دیور  
کس نے نئے نئے الٹا پوچھا  
ترجماں حدیث درگت جات  
ذکر ہے جس کا نام فضل ہے  
اپنا پرشمار البقیس طرہ

### جناب فیصل از سکولی

زندگی اسکی جاودانی ہے  
دکڑ تر ہے جو ہم جلوہ دوست  
کہ گیا کچھ دھڑستی میں  
موت اور زندگی کو کیا کہنے  
کچھ تو کہتے تھو تال کی فرس  
خام فرشت کی کب سحر ہوگی  
جلوہ کرے غفلت کب کوئی

### جناب شبلی

آفتابوں کی جو یہ جوانی ہے  
اب ہیں وہ میر خادمانی ہے

آفتاب کے ہاڑ ڈٹے ہیں  
کل جوانی ہیں جستر بھی  
مٹ گئے جو محبت میں  
اشدراشد یہ اسکی تابانی  
شمال اٹک غول لہر شید  
جناب فیصل از سکولی

اب تو غم ہے نہ شادمانی ہے  
کڑن غم سے مرگانی ہے  
ہم دیکھیں بھر دو سنتی  
آگیا ہوں فریب ہستی میں  
بے جھانگی کئی حجاب آیا  
اشدراشد خورشید زیت  
عمر فانی کو کاکوں میں بھٹل

### جناب غنی جلیلی

یہ جو منہ کی ہم نے ٹھانی ہے  
سب مجھے ذکر طوطے ہیں  
سہی کہوں اپنی مائیں بکلی  
سب کچھ ہیں بے نشان بھوکو  
اُن کو دھوکا جو شام بپوں  
بے ہے اک خلود رہا ہے  
اے فنی خیر تو میں پھر بھی خبر

### جناب جمال دہوی

نور دل کی یہ ہوس پانی ہے  
ہم ہیں امد مجد سانی ہے  
بھوکے ساقین مسادہ  
بکھ پٹنے کی دیہے پھرو  
چاک دامن ہیں نہ تو ناز  
وہ بھی ایسے میں کاش آجائے  
ہم وہاں ہیں چکل اسکے جہاں

### جناب اسعد السید الاولیٰ

آفتاب کے ہاڑ ڈٹے ہیں

زینتِ جود و جانی ہے  
دل کو آجگا و عزم بنا  
خبر غم نہیں ہے ہولے تارہ  
رہ دیہا یہ یہ نمودِ حساب  
آہ ہر ہر شبِ زلفت  
شبِ زلفت وہ پاس بیٹھے ہیں  
ہے طبیعتِ جزا اثرِ اسد  
کچھ عجب تیری مگرانی ہے

جنابِ فاروقی از کوٹہ

ذاتِ حق مرف جادانی ہے  
خود فریبی نہیں کی گھڑی  
مرف ان کا خون ہے ازلی  
حزین کی نہیں جو بانی  
جو کسی کے بھی دم پر گزرتے  
اپنی قسمت پر خود بناتی ہیں  
اب تو سستی بھی باہرِ خارِ حق  
جنابِ میر تقی میر کی گولاری

راز پہلے سمجھ نہیں سکا  
لے بہاؤ جس کے دیوانے  
جس سے تیر قوم بوجا ہے  
میں بھی افسردہ دل میں افسردہ  
یہ جزو سیاحتِ ہر روز  
ہام دل پر یہ جلوہ گرسے کون  
دارائی کی خبر سببائی  
جنابِ عارف سیالپوری

اگر ہے نہ لہن ترانی ہے  
کون کہتا ہے، رقعہ فانی ہے  
ہے گلے سے خود گلے یعنی  
جود میری ہے ہوتا اولاد کی

یوہاں شہید قوم و وطن  
تیرے یوں نہ بد کوئے دوست  
کون مانے گا آپ کی مارت  
جنابِ غلامی دردی پڑو دلی

عشقِ محوئی کا سرائی ہے  
بدلی بدلی سی ہے نگاہِ کرم  
نورِ نازِ قوس جو کہ بانگِ دریا  
چاک داما لیا آرزو کو دس  
کیوں لٹا ہے اپنی اُتھو  
راہ میں ان کی اُتھو ہر نیم  
میری دینے عاشقی میں غلش  
جنابِ خلیق ایلوکی

میں بھی فانی ہوں تو بھی فانی ہے  
تو لیاور فعل جگے یکساں ہیں  
ذکرِ غم پر وہ بول اُٹھے فوذا  
آپ کو کہیے بھول جانوں میں  
اسے تو نگہ دیا ہی فوسے ہو  
نقشہ ابتداء عشق نہ ہو  
ہر گھڑی کشمکشِ آہِ آہِ خلق  
جنابِ زاہد سوکھری (ازراپورا)

گر ہی رنگِ زندگانی ہے  
آہ بیسے ہائے زخمی ہو  
دل کی بنیاد دردِ پرشام  
لطفِ متباد میری حالت پر  
یہ تو بیسے ہی سوچ لینا تھا  
مرف زار ہی اک نہیں محکوم  
جنابِ ادب ازراپوری

یہ اتنی ہے تیرانی ہے  
جب غمِ مرگ ناگمانی ہے  
کیوں نہ قاتل سے سرخرو ہو پس

زندگی اسکی جادو فانی ہے  
خواہشِ مرگ ناگمانی ہے  
دہریہ کیوں نہ کس کی گئی ہے

حسنِ مجبور ہر فانی ہے  
سہمی سہمی سی زندگانی ہے  
نغمہ دل کی تر جانی ہے  
اب ہی ہر نہ دلی فانی ہے  
دھم کو جسم نہ جانی ہے  
دلیلِ حاسن ناخوانی ہے  
موت کا نام زندگانی ہے

اک غم عشق جادو فانی ہے  
انکے قدروں میں کرائی ہے  
بہ حکایت بہت بڑی ہے  
آپ کی یاد زندگانی ہے  
کون فانی ہے کون فانی ہے  
ایک جہت اثر کمانی ہے  
دلیکا لطیف زندگانی ہے

ہم نے کچھ اور دل میں شعلانی ہے  
واہ کیا اپنی زندگانی ہے  
دردِ دل اصل زندگانی ہے  
کسی بے جوڑی کمانی ہے  
عشقِ غمبے کہ نہ فانی ہے  
عشق کی عام مگرانی ہے

مائل طبع یہ کسان ہے  
خاک پھر اپنی زندگانی ہے  
اک نہ اک روز جان جانی ہے

ابھی کیا اُن کو آبِ زوفا  
ابھی اُٹھی ہوئی جوانی ہے  
دل کسی شے کو کیا لگاؤں ہوا  
کہ دینا مرے فانی ہے  
کیوں نہ اس کو عزت رکھوں اب  
دارِ دلِ دوست کی نشانی ہے  
**جناب ناظم (بکیر بن بہار)**

زندگی کس کی جادو دانی ہے  
موت اک روز کیبے آتی ہے  
کوٹیں لاکھ آساں بدے  
عالمِ عشق خیسے فانی ہے  
تو طرح کے خیال ہیں میں  
ایک آنٹ مری جوانی ہے  
لب پہ نااہل ہے آنکھیں آنسو  
کیا یہی حاصلِ جوانی ہے  
ہند میں آج آدمی کے سوا  
اودھر چیز کی گرائی ہے  
جو ہیں اہلِ کمال اسے ناظم  
زندگی انکی جادو دانی ہے

### جناب آصف صدیقی ساگری

اب کے ثوقِ زندگی ہے؟  
اب تو مرنے کی دل میں ٹھانی ہے  
عشق کو منہ شباب میں نہ لگا  
عشق غارتگرِ جوانی ہے  
عہدِ بانی کی داستان کو نہ جھڑ  
یہ کمانی بڑی بُرائی ہے  
میں نے دیکھی ہے شامِ گلشن کی  
میں نے محو کی خاک چھائی ہے  
فقتہ زندگی نہ دہراؤ  
زندگی دکھ بھری کمانی ہے  
لیگا دل مجھے وہاں ارشد  
غم جہاں میں شادمانی ہے

### جناب عالی علی نگر

دل ہے اور عالمِ جوانی ہے  
کس مصیبت میں زندگانی ہے  
موزِ غم دولت نہانی ہے  
کامرانی سی کامرانی ہے  
ان کی پہلی نظر کو کیا کہئے  
اک محنت بھری کمانی ہے  
گفتہ سال بھر کو بول سکتا ہے  
میرا لقمہ توجہ اودانی ہے  
موت کہتے ہیں زندہ آنے کو  
زندگی کیا ہے اک کمانی ہے  
مجھے حال مراد سے کیا کام  
نامرادی ہی کامرانی ہے

### کچھ تو بزمِ احمد آبادی

غلامِ فرخ شمعِ زندگانی ہے  
ہر نفس غم کی اک کمانی ہے  
جلوہ گر ہے ہر ٹھانی ہے  
تابِ نفاذہ آرائی ہے  
**جناب شہب جلیلی**  
زندگانی ہے  
آفتوں کی جو بدوائی میں  
گفتہانی ہی گفتنی ہے  
اب بھی دیرِ شادمانی سے بچیں  
کس نے بزرگ کی ٹھانی ہے

### میر شمس الدین شاعر کا نذر حلوی

ہے جو کچھ اس جہاں میں فانی ہے  
موت اک حسنِ جادو دانی ہے  
استدِ ظلم، گردِ دینِ دوداں  
ہم بھی فانی ہیں بھی فانی ہے  
جانِ جانی ہے موت آتی ہے  
جانِ جانی ہے موت آتی ہے  
یہ بھی اک امرِ ناگمانی ہے  
میں کمالِ اودھ کمالِ اودھ  
زندگی کی اسکی جادو دانی ہے

### جناب بیتاب کالپوسی

کتنی زبکس مری کمانی ہے  
سادی دینا کو کدبا رنگیں  
زندگی ان کی جادو دانی ہے  
مٹ گئے جو ترے اودھ  
کتنی کافر تری جوانی ہے  
اک زمانہ ہے بتلا سیر  
اور جو کچھ یہاں ہے فانی ہے  
دردی اب تو زندگانی ہے

### جناب فارغ (اودھ پور)

نوجوانی کی شب سہانی ہے  
میر شمس الدین شاعر کا نذر حلوی  
میں تیرا ہی نفسِ فانی ہے  
ذاتِ تیری ہے بدل لیکن  
تو سمجھ جیسے کمانی ہے  
وہ ہے تیری ہی داستانِ جہاں  
تو ہی بات ہے تو ہی فانی ہے  
حسنِ صبا سے ارغوانی ہے

### جناب ہلال پری

میںم و آقام کی کمانی ہے  
چشمِ پرآب کی زبانی ہے  
موت کی راہ سے گذر کر دیکھ  
زندگانی ہی زندگانی ہے  
اُنک نکلوں میں اُدھسی لب پر  
یہ بھی اندازِ شادمانی ہے  
جس میں ہر کامِ حادثہ نہ ہو  
وہ جوانی کوئی جوانی ہے  
اُس کو اپنا بنا دنگاں ہلال  
غیر ہونے کی جہاں ٹھانی ہے

### جناب منظر کلپی جام پوری

درد کا مسہ کامرانی ہے  
صبر اور باس کی جوانی ہے  
عشقِ جادو بکرمِ دل میں  
درد ہے اند جادو دانی ہے  
بندہ دعا کو یکِ مصوم  
نامرادی ہی کامرانی ہے  
درد ہے میں ملکِ بلند کو بھی  
تو کس کے لب پر مری کمانی ہے

مشاور اکبر  
رشد اکبر منتظر میری زوں! وقت آگام زندگانی ہے

**جناب احمد خاں ساحلی بیٹی**

کجا عجب اپنی زندگانی ہے  
جان دے دی تھوڑی دقت میں  
نہ لگے جس کو روگ الفت کا  
رو الفت میں مرنے والوں کی  
سب سے جو بگیاں ہوا مجھ سے  
ساری دنیا کو بگسائی ہے

**جناب عتی فاروقی کلم نور می**

آئینہ دار مجھ سے پایاں  
تھلنے داس علی ہمد  
قدیم استوار کے آگے  
فریت کا اللہ اکا اللہ  
کب کھے انخار قابل تحسین  
اے غنی آن کی مہروانی ہے

**جناب عاصی شنگھوٹی**

زندگی ایک نقش فانی ہے  
اور کیا ہے جان الفت میں  
برس ہمت کا امتحان ہے کئی  
ہے جہن میں بہار کی آمد  
خضر میں بندائے رحمت تھی  
کوئی عاصی کی بھی کہاں ہے؟

**جناب حبیب از کوکشی**

یہی روداد زندگانی ہے  
یہ جہاں اک راتے فانی ہے  
دل میں شعلے کی الفت کے  
میں ترسے پاس خود چلا آنا  
موت ہے اک ظلم راز حبیب  
محرم راز زندگانی ہے

**جناب سلام ساگری**

خوب دستور ہے زبانی ہے  
حشر ہے اور نوجوانی ہے  
دار فانی سے اک فدا ہٹ کر  
چاندی مات اور وہ پیش نظر  
دل کی آنکھوں سے چھائی ہے  
کتنی رنگیں مری کہاں ہے  
ہم کو دنیا نہیں بانی ہے  
آج کی رات کیا کھائی ہے

اے سلام آئی پہ کوئی ہوں تو کجا  
ایک دلی پر بس جان جانی ہے

**جناب خلیل آلمیشری**

یہ میری شریعہ زندگانی ہے  
جلوہ برقی، موج بادِ سحر  
اسٹراٹج ہمارے طبع  
کچھ آئے ہیں دل نگاہ کے رخ  
تیلوں میں نفس کی روکھیل  
تنگ میری یہ پریشانی ہے

**جناب کلیم شمس آبادی**

گل آئندہ کی زبانی ہے  
ہم بدلے ہیں خون آنکھوں سے  
جو فغا جھکوڑھوٹے کے لئے  
عزم راسخ تو بیٹے کر پیدا  
یاد ایسے میں ان کی آتی ہے  
چاندنی رات کیا کھائی ہے

**جناب شرماء ابنالہ جھاوٹی**

منہ پر ہے زلیت کا قند  
صفت و عہد کے ہم نہیں جتنے  
پھول بنے ہیں دقتی ہے شبنم  
دہر میں کیا ثبات کا ارماں  
اٹھتی دنیا ہے عشق کی تڑپا  
زندگی غم کی اک کہانی ہے

**جناب عمرت موراوٹی**

آپ ہی آپ ہوش کھو بیٹھا  
کو نہ بڑا دول کی دنیا کو  
آستینا نہ ہو یا نفس ہدم  
آگے وہ خیال میں برے  
زندگی ہے گرا ہوا غیرت  
آپ ہی آپ ہوش کھو بیٹھا

**جناب شادب ناگپوری**

اب کے شوق زندگانی ہے  
سارا عالم ہے گوش بر آواز  
دل رزے لگے خاروں کے  
کیا یہاں کھلے نہیں باقی؟  
اب تو مرنے کی کہاں ہے  
کس کے لیے کہاں ہے  
کون چھو اپنی زندگانی ہے  
نہ اک روز جان جانی ہے

شاہ ارگہ  
اُن کی محفل میں جگہ شامی کی  
اپنی روداد غم سنانی ہے

جناب خادم جلیوی  
اُس نے جلنے کی دلیں شامی ہے  
تو کہاں مرگ ناگمانی ہے

حسن نیا جو غیر غالی ہے  
بریں الفت بھی جادوئی ہے  
اب بھی کیا ذوقِ منتزائی ہے

پوچھ لین اگر کبسم طیس  
اُن کا جلوہ بندِ زلفِ ہر عام  
اب نہ موسیٰ نہ لشرائی ہے

جناب سحر عظیم گلدھی  
حق میں انہماکِ ناکامی  
اصل موانعِ کامرانی ہے

جبرِ وقت میں جھڑکے معلوم  
نیکہ زندگیِ منتزاعہ نوری  
شعبِ غم کس قدر سہانی ہے

جناب  
چشمِ انجم سے پوچھا ہوں سحر  
ماہِ صحرٰی ذکرِ شبی  
نعمتِ مستحقِ جادوئی ہے

عہدِ اہلِ عشق کی کہانی ہے  
جہمِ جوی اور تری نالی ہے  
ہمہماں ہو جو مجھے ہو کر

یاد میں اس کی دل  
وزہ یہ زندگانی ہے  
بہت کیوں تھی غلغلہ پائی ہے

جناب محبوبِ ادوی  
زندگیِ غم کی اک کہانی  
سہ استغالی ہے

سوزِ الفت کی ہر پائی ہے  
سُن سے رودادِ منتظرین  
سگر کاپانی ہے

نہیں دل کی یہ سرگزشتِ کلیم  
کی کہانی ہے  
سالی ہے

جناب آوازِ سلیمانی (چالندر)  
میش کو چھوڑ، میش خانی ہے  
راہِ الفت میں خاک ہو لے دل

اک نفس میں خوش نصیب نہیں  
بادِ عشقِ خوش کراؤں  
کس سے یہ زندگانی ہے

جناب شاہ از مو تھاری  
حسن ہے وہ جس نے جانی ہے  
کہ سرورِ ایک جادوئی ہے

در دہے میں مونِ ناتوانی ہے  
اُسے بولی کی ہر پائی ہے  
کئی شایہ مرادِ سحر

منفصل ہوں خطاؤں پرانی  
ہے چراغاں جویرِ زرقار  
کئی شایہ مرادِ سحر

بے ملکہ یار میں سب قہار  
کتنی دُعا کے بدلے مانی ہے  
جناب سلطانِ نقشبندی (پالووی) (اولیہ)

کامِ الہی میں اکبرِ باغِ جہاں  
سوزِ دل کی گھیر کجایت کی  
آن کتنی فضا سہانی ہے

اللہ اللہ ترقیِ تہذیب  
ہر طرف آہِ فوٹشانی ہے  
سوزِ دل کی گھیر کجایت کی

ہے بہنور میں بقیۂ سلطان  
دوب جانے کی ریشانی ہے  
اللہ اللہ ترقیِ تہذیب

جناب خیالِ قریشی احمد آبادی  
خونِ آنکھوں میں رونا پائی ہے  
آپ کے غم کی مسرت پائی ہے

رنج سے غرضِ راحت سے  
یکساں گستاخاں اسکو  
یہ بھی خانی ہے

لے خیالِ ان سرتوں پر شاد  
جن سے تعبیرِ زندگانی ہے  
دارِ دل نقشِ غیر خانی ہے

جناب لطیفِ نشتر (اسلامی)  
جو گورتی ہو وہ گند جلتے  
یہ کہانی بہت پرائی ہے

جس طرح کسی کے نشتر  
موتوں ہم نے خاک چھائی ہے  
موتوں کی زندگانی ہے

جناب شہابِ دہلوی اندر و آری  
زندگی کب یہ جادوئی ہے  
چند روزہ ہے اور خانی ہے

مذکرہ اُن کا اور میں ہر دم  
نئی دنیا نئی جوانی ہے  
یہی فقہ، یہی کمانی ہے

جناب حاجی کوہِ آلبو  
آگے آگے روئے دہاں کو میں  
پچھے پیچھے یہ عمر خانی ہے

ایک ہیکل میں خاتمہ ہو گا  
آج کفِ دیرِ آزادی ہے  
منقرضیت کی کہانی ہے

جناب فاضلِ ازبیتول  
کہا کوں تم سمجھ نہیں سکتے  
زندگیِ غم کی اک کہانی ہے

موتوں کی طرح جیتے ہیں  
ہر بات میں غلغلہ کی  
آئندہ کی بھی کہانی ہے

جناب کلیمِ سہرامی  
نیرِ حالِ فسمِ نالی ہے  
کے کو بھی جگر میں پائی ہے

نیرِ حالِ فسمِ نالی ہے  
کے کو بھی جگر میں پائی ہے  
کے کو بھی جگر میں پائی ہے